

Glimpses of Ordeals

(Manaazir ul Masaa'ib)

By

The Honorable Nawab Syed Imdad Imam (Asar)
Shamsul Ulemaa

Resident of Neora, District Patna,
Bihar Province, India

مناظر المصائب

المؤلف

نواب السيّد امداد امام
(أثر)

شمس العلماء ،

عزيم آبادی

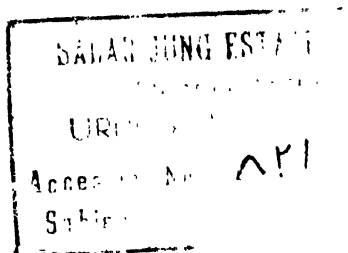
نيوره، ضلع پٹنہ (عظيم آباد) ، بهار، الهند

مطبوعة نگار پريس، نظير آباد، لکھنؤ

presented to Nawab Sir Salar
wishes of the ~~author~~ S. J. B. ۵۰ کلام

راست می گویم ویزوال نه پند و جزا است

حرف نارا است سرودن روشا هرمن است



مناظر المصائب

از تصنیفات نواب شمس العلماء سید امداد امام زیدی واسطی

فیلول آف می پٹنه یونیورسٹی متوطن پوره ضلع پٹنه صوبہ بہار

مصنف

مرآة المحکما و ہدیہ قیصریہ و کتاب الاثمار و کتاب الزراعة و کاشف الحقائق و معی الحق

و مصلح الظلم و رسالہ فیل و دیوان اثر وغیرہ

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

مقدمہ اول

۱۸۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

راقم ابتداء سے ہن شعور سے مذہب کا جاننا دہ تھا۔ اس کے خیال میں مذہب آدمیت سے علاوہ حیثیت نہیں رکھتا تھا اور وہی خیال اس وقت بھی اُسکا ہے خیر خیال جیسا ہو۔ راقم کی سرگزشت یہ ہے کہ کتابی وسائل سے اطلاع کافی حاصل کرنے کے بعد وہ چند سال تک اپنے اُستاد جناب مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی بنظر اللہ ذوق کے مذہب پر قائم رہا تقاضائے تعلیم سے راقم کے عقائد یہ تھے کہ خدا ایک ہے اور حضرت سول رسول برحق ہیں۔ اُن صلعم کے بعد خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ اُن صلعم کے جانشینان برحق ہیں۔ اُن حضرات میں سے کبھی نہ حضرت ابو بکرؓ نہ حضرت عمرؓ نہ حضرت عثمانؓ اور نہ حضرت علیؓ ہیں اور حضرت علیؓ سے سب سے من جمیع الوجہ مفضول ہیں۔ بعد حضرت علیؓ کے خلیفہ پنجم حضرت امیر معاویہ ہیں اور بعد امیر معاویہ کے خلیفہ ششم یزید ابن معاویہ اور بعد یزید ابن معاویہ کے دیگر خلفائے بنی امیہ مسلسل طور پر حضرت رسول کے خلفائے برحق اس شمار کے ساتھ ہیں کہ خلفائے حضرت رسول کا عدد بارہ قرار پاتا ہے۔ خلفائے راشدین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اصولی مجتہد کا درجہ بھی رکھتے ہیں اور فروعی مجتہدین کا درجہ ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام حنبلؒ کو حاصل ہے تقاضا کے تعلیم سے راقم ائمہ خاندان پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پوری بے سرکاری رکھتا تھا اور از امام حسن علیہ السلام تا امام حسن عسکری علیہ السلام ہر امام خاندان پیغمبر کی پیروی سے آزاد تھا واضح ہو کہ راقم یزید ابن معاویہ کو حضرت رسول کا خلیفہ ششم اسوجہ سے مانتا تھا کہ خلیفہ برحق ہونے کی شرطیں یزید ابن معاویہ میں بامراد طور پر پائی جاتی ہیں یعنی اجماع و استخلاف و غضب قہر کی شرطیں یزید ابن معاویہ کے حسب حال دیکھی جاتی ہیں پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک فرقہ اہل سنت کا یزید ابن معاویہ کو خلیفہ ششم مانتا ہے اور شروط بالاکہ بنیاد پر بجا مانتا ہے۔ امر حق بھی یہی ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی جاتی ہے تو یزید ابن معاویہ کے خلیفہ ششم ہونے میں جائے گفتگو کیا ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ راقم ایک عرصہ تک عقائد بالا کا متمسک رہا۔ مگر چونکہ دریافت حق کی طرٹ اسکا میلان ایک مرتبہ طبعی تھا اور کچھ ایسے اسباب بھی بہم ہو گئے کہ جن کی وجہ سے اس کو اپنے عقائد کی کتابوں سے باہر قدم کھٹنا

پڑا تو اسے تاریخ و سیر و علم کلام سے کسی درجہ تک مناسبت پیدا ہو گئی۔ ایسی اطلاع یابی کے بعد اسے امیر مزاحمت اور زید سے بالخصوص سخت بعقیدگی پیدا ہو گئی اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ ایسے نفوس حضرت رسول کے خلیفہ برج تو کیا ہو سکتے ہیں کسی مذہب کے سردار بھی قرار نہیں دیے جاسکتے ہیں۔ اس سمجھ کے پیدا ہو جانے پر ظاہر ہے کہ راقم اپنے اُستاد مولوی سید محمد گل صاحب مرحوم کے عقائد سے بہت کچھ منحرف ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ جون جون اس کی اطلاع مذہبی بڑھتی چلی اُسی حساب سے اُس کی سنیت بھی زائل ہو تی چلی۔ یہاں تک کہ بالآخر تمام ستر زائل ہو گئی اور بفضل خدا اب وہ مصباح الظلم اور اس مناظر المصائب کا مصنف ہے۔

مسلمانوں کے مذہبی امور کی تحقیق کے ساتھ راقم اور ادیان دنیا کی تحقیق سے بھی غافل نہیں رہا تمام ادیان دنیا سے عند التحقیق اسلام اُسے سب سے مرج معلوم ہوا۔ آزادی کے ساتھ موازنہ ہر کام میں درجہ حق کو پہونچا دیتا ہے یہاں پر راقم ایک یورپین محقق کے ذکر کو بے محل نہیں سمجھتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ جس وقت راقم بیٹنہ کالج میں طالب علمی کرتا تھا اُس وقت مسٹر بینک (Ew-Bank) صاحب اس کالج کے افسر علی تھے ممدوح علوم یورپ میں بیٹونی رکھتے تھے۔ اور دنیا کے ادیان کی حقیقتوں سے بھی ممدوح کو پوری باخبر حاصل تھی۔ ممدوح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”میں آدمی کے واسطے مذہب کو ایک غیر ضروری امر جانتا ہوں لیکن اگر مذہب کوئی ضروری امر ہوتا تو میں ادیان دنیا میں اسلام کو ضرور اختیار کرتا“ ممدوح کے قول بالاسے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ممدوح تمام مذاہب دنیا سے اسلام کو ایک مرج مذہب سمجھتے تھے پس کوئی جائے تعجب نہیں ہے کہ آزادانہ موازنہ کے بعد اسلام راقم کو بھی ایک مرج مذہب معلوم ہوا۔ وقت موازنہ راقم کو مذہب اہل یونان و اہل روم و مصریان سابق و اہل ہند (جس میں مذہب بودھ و مذہب جین بھی داخل ہیں) و دین موسوی و دین عیسائی سے کافی طور پر اطلاع حاصل ہو چکی تھی۔ راقم نے اعلیٰ کی حالت میں موازنہ کی طرف رخ نہیں کیا تھا پس راقم کے لیے راقم کا موازنہ جب پورے طور پر اطمینان بخش نظر آیا تو راقم کا اسلام کے ساتھ تمسک ہونا بھی خلاف توقع متصور نہیں ہو سکتا۔

اسلام کو مذہب مان کر راقم نے فرقہ ہائے اسلام کے عقائد پر نظر ڈالنا شروع کی۔ کتاب غنیۃ الطالبین کی رو سے اہل اسلام کے بہت سے فرقے درج کتاب بالا نظر آتے ہیں۔ یوں تو ہر فرقہ اپنے کو برسر حق سمجھتا ہے مگر عند التحقیق راقم پر یہ بات قرین عقل معلوم ہوئی کہ جو دین حضرت رسول کا تھا وہی قابل تمسک ہے اب دیکھنا تھا کہ دین رسول کیا تھا۔ بعد تحقیق ملنے معلوم ہوا کہ جو مذہب علیؑ ہے وہی دین آن صلعم کا ہوا ہے۔ مذہب مذہب علیؑ سے علحدہ ہیں دین آن صلعم نہیں ہیں۔ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ کا یہ فرمودہ ہے کہ ”علیؑ میرے بعد میرے دین کو چلائیگا۔“ پس ضرور ہوا کہ جس مذہب کو حضرت علیؑ نے رواج دیا

وہی حضرت رسول کا مذہب ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مذہب حضرت علیؑ کا چلا یا ہوا نہیں ہے حضرت رسول کا مذہب مانا نہیں جاسکتا ہے اس رو سے زید ابن ثابت کا مذہب حضرت رسول کا مذہب مانا نہیں جاسکتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسول کی رحلت کے بعد ممالک کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر جب حضرت علیؑ نے اجتہاد مسائل کرنا شروع کیا اور اس جناب کے اجتہادات خاندان حضرت رسولؐ و دوستانہ خاندان رسولؐ و مردمان بنی ہاشم و دوستانہ بنی ہاشم میں رواج پانے لگے تو خلافت مآب حضرت خلیفہ ثانیؑ نے اپنے عہد میں اجتہاد مسائل کی ایک کمیٹی قائم فرمائی جس کے پریسڈنٹ حضرت زید بن ثابت مقرر ہوئے۔ پریسڈنٹ صاحب اجتہاد مسائل فرمانے لگے اور مردمان غیر بنی ہاشم اس کی پابندی کرنے لگے۔ اب وہ اجتہادات زید ابن ثابت کے مذہب زید ابن ثابت کسلاتے ہیں اور حضرت علیؑ کے اجتہادات سے ماتر بے لگاؤ میں پوشیدہ نہیں ہے کہ وہی مذہب زید ابن ثابت کا پھر زمانے کے بعد مذہب اہلسنت والجماعت کسلانے لگا تھا اور آج بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور یہ وہ مذہب ہے کہ جو تمام فرقہ ہائے اہلسنت کے لیے مبداء اور منشا کا حکم رکھتا ہے۔ بالخصوص وقت تحقیق راقم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مذہب علیؑ وہی مذہب رسولؐ ہے جس کی نسبت آن صلعم نے فرمایا تھا کہ ”علی میرے بعد میرے دین کو چلائیگا“ اور جو مذہب قائم کردہ زید ابن ثابت کا ہے اور جو مذہب علیؑ کے خلاف پایا جاتا ہے وہ ہرگز حضرت رسول کا مذہب نہیں ہے۔ ان تمام تحقیقات کا نتیجہ راقم کے لیے یہ ہوا کہ راقم کو مذہب علیؑ کا اختیار کرنا ایک امر مجبورانہ ہو گیا۔

اس صدی میں بہت سے اسلامی محقق اور ریفارمر (Reformers) ظہور فرماتے گئے ہیں مگر ان سے کوئی صاحب اس کی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے کہ مذہب علیؑ مذہب حضرت رسولؐ تھا یا نہیں راقم کہتا ہے کہ اگر مذہب علیؑ مذہب رسولؐ نہ تھا تو فرمودہ حضرت رسولؐ ایک بے معنی قول ہو جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ ”ما یطوع عن الہوی“ کے مصداق نہ تھے پس صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب علیؑ حسب قول حضرت رسولؐ کا مذہب تھا اور قول حضرت رسولؐ تمام تر ارشاد خداوندی تھا جسکی پابندی سے کوئی مسلمان آزاد نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ کاش حضرت رسولؐ کے بعد مذہب علیؑ ہی رواج پاتا تب مردمان آریا مذہب اور سرولیم میسر کے مخالفان اسلام دین حضرت رسولؐ پر (جس شکل پر کہ وہ دین مقدس اشاعت پذیر ہو گیا ہے) حملہ آوری کا موقع نہیں پاسکتے۔ بحالت موجودہ مخالفان اسلام جو اعتراضات اسلام پر وارد کریں خلاف توقع نہیں ہے۔ نہایت جائے فسوس ہے کہ مسلمانان غیر لامیہ کی کتابیں خاص کر ان کی حدیث کی کتابیں ایسی ہی ہیں کہ ان پر نظر ڈالنے سے خدا

ورسول ہرگز عظمت کی نگاہ سے دیکھے نہیں جاسکتے ہیں۔ اب بھی اگر مسلمانان غیر امامیہ تعصب سے بری ہو کر تحقیق و تنقید کی راہ اختیار فرمائیں تو بالیقین حضرت رسول کا دین مبین سر نو سے اشاعت پذیر ہو جاسکتا ہے جس سے عافیت دارین کا حاصل ہونا ایک امر یقینی ہے۔

واضح ہو کہ یہ کتاب منظر المصائب ہل اسلام کی مستند کتابوں سے تالیف پائی ہے اس کے ملاحظہ سے حضرات ناظرین پر روشنی جائیگا کہ امتیان محمدی کے بڑاؤ رسول اور آل رسول کے ساتھ کس کس نہج پر ظہور میں آتے گئے ہیں۔ امتیوں کی نافرمانیاں اور بے اعتنائیاں صرف آن صلعم کے ساتھ غم افزا نقشہ نہیں رکھتی ہیں آن صلعم کی رحلت کے وقت سے آن صلعم کی آل کے ساتھ جو جو ہر حیران بیوفائیاں اور سنگاریاں ان امتیوں کے وقوع میں آئی ہیں کم ہوش! انہیں ہیں مختصر یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ دو سو ساٹھ برس کی نبی از عہد رسول تا زمانہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ایسی حشت ناک صورت دکھلاتی ہے کہ نہایت راستی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی نبی کی امت نے اپنے نبی اور اس کی آل کے ساتھ ایسے قبیح برتاؤ جائز نہیں رکھے ہیں جیسا کہ امت محمدی نے اپنے رسول اور آل رسول کے ساتھ روا رکھا ہے جبارین ظالمان امت محمدی نے جو جو کام تیغ و خنجر سے لیے ہیں وہ سب تو تاریخ ویر سے آشکارا ہیں۔ مگر علمائے امتیان محمدی نے آل محمد کی حق کشیاں بھی اپنے قلموں کے کچھ درجہ میں نہیں کی ہیں اور اجتماعیان کی قلمی سفاکی کم نہیں ہوتی ہے۔ بعد رحلت حضرت رسول امتیان محمدی نے جو خوریزان اور بدسلوکیاں آل محمد کے ساتھ کی ہیں ان کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ تیغ و خنجر کے برتاؤ آل محمد اور دوستان آل محمد کے ساتھ برابر ہوتے ہی رہے ہیں مگر اس وقت میں بھی اس برتاؤ میں کمی نہیں دیکھی جاتی ہے۔

سنا جاتا ہے کہ کسی مسلمان سرحدی سردار نے حال میں سیکڑو شیخ میون کو جہی میں بہت سے سادات بھی تھے مار ڈالا ہے اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا ہے بقیۃ السیف ملک پنجاب میں بھاگ آئے ہیں قائم باد سلطنت انگلشہ کہ جہیں ہر طرح کے مظلوموں کو پناہ نصیب ہو سکتی ہے۔ سرحدیوں کی اس سفاکی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شیخ مسلمان کا حکم نہیں رکھتے ہیں نہ یہ مسلمان کسی کیسی کوئی شک نہیں کہ یہ ساری سادات کشیاں اور شیخ کشیاں مسلمانوں کی اسی اول بحر قناری کے نتائج معلوم ہوتی ہیں جو حضرت رسول کی رحلت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئی تھی۔ حشت اول چون ہند ہمار کجہ تاثریامی رود و یار کجہ + علمائے امتیان کی سفاکی قلم کا بھی وہی انداز اس وقت ہے جیسا کہ سید البنی والفاروق وغیرہ کی تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

آخر میں گذارش رقم یہ ہے کہ یہ کتاب ایسے حضرات کے لیے نہیں لکھی گئی ہے کہ جن کے دل خباثت تعصب سے پاک نہیں ہیں۔ یا جن حضرات نے اشرار بنیادیہ وغیرہ کے ساتھ عشق و ہوا پسند فرمایا ہے۔ نا انصاف حضرات سے داد کی توقع حد درجہ کی سفاکی ہے ہم کو ان سے وفا کی ہے امید + جو نہیں جانتے وفا کیا ہے۔ غلام غلامان آل محمد علیہم السلام سید دادا ماعظما

کتاب الجواب معرُوف بہ مِنَاظِرِ الْمَصَائِبِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فِي كُلِّ بَدَءٍ وَخَتْمٍ بِهٖ الْكَلِمُ

مَقْدَمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذَكَرْهُمْ

اما بعد۔ را اتم الحروف سید امداد امام خدمت حضرات ناظرین بآئین میں عرض کرتا ہوں کہ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ ایک شیعی صاحب مجھ سے سوال ذیل فرما کر اسکے جواب کے طالب ہوئے تھے۔ مگر چونکہ مجھے قیوت کثرت مشاغل اور دُور افکار سے فرصت نہ تھی مجھے اس کے فوری جواب کا موقع نہ تھا۔ لہذا الحمد للہ بہ تائید خداوندی اس کا جواب اس کتاب میں عرض کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ سوال سائل یہ تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے جو خلع خلافت معاویہ سے اس شرط پر لی کہ وہ صاحب مطابق قرآن مجید و سنت رسول و سیرت خلفائے راشدین کے عمل کریں تو کیا سیرت خلفاء کاتبان نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر خلفائے راشدین سے کون مراد ہیں؟

اجواب

شیعوں کے علما صلحنامہ کے شرائط میں سیرت خلفائے راشدین کے مضمون کو اپنی تصنیفات میں کہیں درج نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ صلحنامہ کے مضامین میں نہ صرف کتاب خدا و سنت رسول کا ذکر فرماتے ہیں سیرت خلفائے راشدین کا ذکر نہیں کرتے۔ کتاب جلاء العیون کے صفحہ ۲۲۹ جلد دوم میں آپ فرماتے ہیں کہ جناب امام حسن نے معاویہ ابن ابی سفیان سے ان شرطوں پر صلح کی کہ معاویہ صاحب (۱) درمیان مردم کتاب خدا و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق شائستہ عمل کریں (۲) اپنے بعد کسی کو اس کام پر معین نہ کریں (۳) شام و عراق و حجاز و یمن اور ہر جگہ کے لوگ ان کے شر اور عذر سے ایمان نہ لیں (۴) صاحب علی علیہ السلام اور ان کے تمام شیعہ اپنی جان و مال و زنان و فرزندان کے ساتھ بے خوف اور مطمئن رہیں (۵) جناب امام حسن و جناب امام حسین اور جمع اہلبیت و خویشان رسول خدا کو کوئی کد و فتنہ نہ کریں اور ان کو کسی تمام پر نہ ڈراویں اور ہر ذی حق کا حق پہنچاویں (۶) ہر سال خراج ملک سے پچاس ہزار دینار امام حسن علیہ السلام کو بھیجتے رہیں (۷) جناب امیر علیہ السلام اور ان کے شیعوں کو برا نہ کہیں ان شرائط کے درج فرمائیکے بعد مصنف علی مرتبت فرماتے ہیں کہ صلحنامہ بعد تحریر تمایا ہو گیا اور عبد اللہ بن حارث و عمر بن ابی سلمہ عبد اللہ

بن ابی ثمرہ وغیرہم نے اس صلحنامہ پر اپنے اپنے دستخط کئے تحریر ابالات عیان ہے کہ مضمون سیرت خلفاء راشدین ہے
تحریر ابالاباک ہے تحریر ابابصرن اسقدر اعتراض اہل خلاف کا ہو سکتا ہے کہ یہ تحریر ایک شیعہ کی ہو اور اسلئے
قابل وثوق نہیں ہے۔ اب ہم ذیل میں علمائے اہلسنت کی تحریرات بھی دکھلاتے ہیں کہ سیرت خلفائے راشدین
کا مضمون علامہ ابن حجر کی تحریر کے سوا کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ صاحب کیے از شرط صلحنامہ کی نسبت یوں لکھتے
ہیں کہ ان یصل فیہم بکتاب اللہ وسنت رسول اللہ ملی اللہ علیہ وسلم وصیرۃ الخلفاء الراشدین یعنی حضرت معاویہ تمام
مسلمانوں پر حکومت مطابق کتاب اللہ وسنت رسول اللہ وسیرت خلفائے راشدین کے کرینگے۔ کتاب خدا وسنت رسول خدا
کے مضامین تمام سنی اشیعی تصنیفات میں دیکھے جاتے ہیں مگر سیرت خلفائے راشدین کا مضمون علامہ ابن حجر کی
تحریر تک محدود پایا جاتا ہے۔ ظاہر ایہ لکڑا صاف طور پر ہونی میں پتیل کے جوڑ کا رنگ رکھتا ہے علامہ موصوف جہان
موقع پاتے ہیں اپنی تصنیفات میں اپنا رنگ نہیں چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ اسی صلحنامہ میں تو سیرت خلفائے
راشدین کی تیج لگا دی اور سب علی کے مضمون کو جو صلحنامہ بالا سے تعلق رکھتا ہے اور جسکا اعادہ سائے مصنفین
چھ سنی و چھ شیعہ اپنی اپنی تصنیفات میں کرتے گئے ہیں ہضم الہج کر گئے۔ ابن تیمیہ کی طرح علامہ ابن حجر بھی بخدا
پیغمبر علیہ السلام سے بہت کم تو لار کھنے والے نظر آتے ہیں۔ پس معاند الہییت ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے لئے اتنا بھی نہ کرتے تو کیا کرتے مختصر یہ ہے کہ سیرت خلفائے راشدین کا مضمون صلحنامہ بالا کے متعلق فرشتی
معلوم ہوتا ہے واضح ہو کہ صواعق محرقة میں علامہ موصوف صلحنامہ بالا کے مضامین یوں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب
امام حسن علیہ السلام نے معاویہ بن ابی سفیان سے ان شرائط پر صلح کر لی (۱) معاویہ صاحب تمام مسلمانوں کی
حکومت مطابق کتاب خدا وسنت رسول خدا وسیرت خلفائے کریم گے (۲) اپنے بعد امر خلافت کسی دوسرے
کو سپرد نہ کریں گے بلکہ مسلمانوں کے شور سے پرچوڑ دین گے (۳) تمام بلاد خدا میں بنی نوع انسان عام اس
کہ شام میں ہوں یا عراق میں یا حجاز وین میں امن و امان میں رہیں (۴) اصحاب علی علیہ السلام اور ان کے
شیعی اپنی جان و مال اور اہل و عیال کے ساتھ امن و امان میں رہیں (۵) معاویہ صاحب خدا کے سامنے
یہ اقرار کریں کہ وہ کبھی ظاہر یا باطن میں کسی طرح جناب امام حسن یا امام حسین علیہما السلام میں سے کسی حضرت
کو آزار نہ پہنچا دین گے اور نہ ان کو ڈرائیں گے یا دہکائیں گے۔ اس پر فلاں فلاں نے دستخط کئے اور
کفی باللہ شہید آگند یا ظاہر ہے کہ علامہ موصوف نے صلحنامہ بالا میں سب علی کے مضمون سے تمام تر
کنارہ کشی اختیار کی ہے اور اسکی جگہ سیرت خلفائے راشدین کے مضمون کو ٹھونس دیا ہے۔ یہ کام کسی اور
مصنف نے نہیں کیا ہے جیسا کہ ذیل کے مصنفان عالی خیال کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے۔

(الف) صاحب تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۶۰۲ میں فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام خواست کہ باؤ

یعنی با معاویہ صلح کبند بہ آن شرط کہ او یعنی امام حسنؑ گوید (۱) علی علیہ السلام را لعنت نکنند (۲) امام حسنؑ را باز نہ فرستد (۳) ہر خواستہ کہ در بیت المال است بعراق و کوفہ حسنؑ را کند تا میان او و برادرش از خواہرانش باشد دآن خواستہ پنج ہزار درہم بود (۴) دہم خراج شہر داراب را ہر سال حسنؑ علیہ السلام دہد و آن شہر است از شہر مائے فارس نزدیک بصرہ حسنؑ علیہ السلام این را برائے آن خواست کہ از علی علیہ السلام چیرے نہ داند بود و فرزندان بسیار بودند خواست تا در ویش نہ باشد زیرا کہ چون علی علیہ السلام بمردنش صد درہم باند۔ پس معاویہ عبدالرحمن بن عمرو و عبدالرحمن بن سمرہ بن جندب را فرستادہ با این ہمہ شرط ما و فاکر دیگر چیرتی کردن علی علیہ السلام کہ این بر نگیرم و لیکن چون تم حاضر باشی بفرمایم تا بچیرتی او نہ کنند۔

(ب) روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۶۔ چون امام حسنؑ علیہ السلام چین و ضعف اصحاب خود مشاہدہ فرمودیم عبداللہ بن عام بنیام فرستاد کہ من ترک خلافت گفتم تا امام اختیار را در کف معاویہ می نهم اما مشروط بچند شرط است۔ ابو صیفہ و نیوری می گوید کہ شرط ہذا این بود (۱) معاویہ اگر گینہ از اہل عراق و متابعان و شیخان علی علیہ السلام داشتہ باشد انتقام نہ کشد (۲) ہر اسود و احمر از مے در امان بودہ بچکس را مواخذہ نکند (۳) خراج ابواز را بہ آن حضرت تسلیم داند (۴) مبلغ دو ہزار درہم سال بسال بمدینہ فرستد تا امام حسنؑ علیہ السلام در مہات خود صرف نماید (۵) دیگر امیر المومنین را سب نکند۔ گوید معاویہ مجموع شرط را قبول کرد الا سب امیر المومنین را۔ اما گفت کہ در مجلسی کہ امام حسنؑ باشند امیر المومنین سب نکند۔

(ج) تاریخ ابو الفداء صفحہ ۳۴۳ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی میں اس صلیحہ کے متعلق یہ شرطیں درج ہیں (۱) جو مال اس وقت تک بیت المال کو ذہین موجود ہے وہ میرے اور میرے ہمراہیوں کیلئے چھوڑ دیا جائے (۲) دارالحجر و متعلقہ ملک فارس کا محاصل ہمیشہ کے لئے اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے مصارف اور گزران کے لئے چھوڑ دیا جادے (۳) اس وقت تک جو سب امیر المومنین علیہ السلام کی جاتی ہے اور انکی شان میں لاطائل کلمات کہے جاتے ہیں وہ سب موقوف کر دئے جاوین۔ محقق ابو الفداء لکھتے ہیں کہ تاریخ طبری اعظم کو فی روضۃ الاحباب روضۃ الصفا وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے ان شرط کو قبول کیا مگر سب علی علیہ السلام کی نسبت کہلا دیا تھا کہ اسے ضرور کہیں گے۔ بعد اصرار یہ تجویز پایا کہ جس مجلس میں امام حسنؑ علیہ السلام ہوں وہاں سب نہ کیا جائے مگر معاویہ نے ان شرط پر عمل نہیں کیا صرف بیت المال کو ذہین جو لاکھ درہم تھے وہ تو امام حسنؑ کو ملے باقی کچھ نہ ہوا۔

(د) کتاب تنزیہ البشرفی ذکر ائمہ اثنا عشر میں یہ صدیقی حسن خان صاحب بھوپالی نے بیان شرائط صلح نامہ میں سب شرطیں درج فرمائی ہیں مگر سب خلفاء کے مطابق عمل کرنے کی شرط نہیں

لکھی۔ نواب صاحب موصوف اگر اس شرط کو قابل توجہ سمجھتے تو ضرور داخل تصنیف فرماتے۔
 (در) ہسٹری آف ساراسین (History of Saracens) کے مصنف سرائین
 ڈی اگلی اپنی تصنیف کے صفحہ ۳۲ میں صلح نامہ بالا کے شرائط اس طور پر حوالہ ظم فرماتے ہیں۔ (۱) جعفر
 بیت المال کو فہ میں موجودہ رقم ہے وہ امام حسن علیہ السلام کے لئے چھوڑ دی جائے (۲) اخراج
 ملک فارس آپ کے اور آپ کے اہلبیت طاہرین کے مصارف کے لئے واگذاشت کر دیا جائے (۳) مقابلہ
 جناب امیر المومنین کی نسبت برے کلمات کا استعمال نہ کریں معاویہ آخر والی شرط قبول کرنے پر رضی
 ہوئے تب آخر کار جناب امام حسن نے فرمایا کہ جس مجلس میں میں ہوں وہاں وہ کلمات سب نہ استعمال
 کئے جائیں۔ معاویہ نے اس وقت اقرار کیا لیکن اپنے اقرار پر قائم نہ رہے۔
 (۴) حبیب السیر استیعاب تاریخ کامل اور روضۃ المناظرین شیعہ میں بھی سیرت خلفائے راشدین کا
 مضمون کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ مضمون سیرت خلفائے راشدین کو علامہ ابن حجر کے سوا کسی مصنف عالمی مقام نے اپنی
 کسی تصنیف میں جگہ نہیں دی ہے۔ پھر کیوں بہت سے نا حق شناس مسلمان اس مضمون کی طرف ٹوٹے
 پڑتے ہیں۔ اسکی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ صدیوں کی مخالفت اہلبیت سے ان کے دل
 اب یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ حق بنی یا حق جوئی کی طرف رخ کر سکیں۔ اس قدر شور سیرت خلفائے
 راشدین کا صرف اس غرض سے برپا ہے کہ اس سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ثابت ہو جاتی ہے
 یعنی جب امام حسن علیہ السلام نے سیرت خلفائے ثلاثہ کو قابل وقعت مان لیا تو پھر ان حضرت کی خلافت
 ہونے کے سوا اور کیا سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن مخالفان اہلبیت یہ نہیں دیکھتے کہ مضمون بالا رقم کردہ
 ایک ایسے مصنف کا ہے کہ جب کا دل ابن تیمیہ کی طرح تو لائے خاندان پیغمبر سے پاک ہی یا یہ کہیں کہ عدم تولد کے
 باعث ناپاک ہو رہا ہے۔ جمہور مصنفین سے چشم پوشی ایک متعصب مصنف کیلئے کسی حق پرست کا شیوہ نہیں
 ہو سکتا۔ مگر جب حق جوئی کی صلاحیت معدوم ہے تو کمزور سے کمزور مضمون کے ساتھ اہل خلاف کا
 متمسک ہونا خلاف توقع نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف ایک ابن حجر کے قول کو بخلاف جمیع مصنفین
 کے اقوال کے اختیار کرنا سوائے اہل تعصب کے کسی حق جو کا کام نہیں ہو سکتا۔ اب ہم دلیل میں
 اور ایسے امور حوالہ ظم کرتے ہیں جن سے علامہ ابن حجر کی نادرست بیانی قرین عقل ہو جاتی ہے۔

اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت عبدالرحمن ابن عوف
 نے جناب علی علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر تم خلیفہ بنائے جاؤ تو معاملات خلافت کا انتخاب ام احکام قرآنی اور

سنت جناب رسول خدا اور سیرت شیعین کے مطابق کرو گے یا نہیں جناب علیؑ ایک سچے آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حکم خدا اور سنت رسول کے مطابق کریں گے اور اس کے بعد جو از رہے اجتہاد کے بہکوناسب معلوم ہوگا ویسا کریں گے۔ سیرت شیعین ہمارے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ جواب پاکر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ناخوش ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع لائے۔ اس واقعہ کے ذکر سے عرض راقم یہ ہے کہ جناب علیؑ سیرت شیعین کو لاشعہ سمجھتے تھے۔ ایسی صورت میں کمتر اس کا یقین ہوتا ہے کہ امام حسنؑ نے سیرت خلفائے راشدین کے مضمون کو شرائط صلحنامہ میں دخل دینے دیا ہوگا۔ کوئی شک نہیں کہ امام حسنؑ اپنے پدر بزرگوار کے معاملات سے پوری خبر رکھتے تھے۔ جان بوجھ کر اپنے پدر عالی مقام کی مخالفت گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اگر امام حسنؑ مواد اللہ دخل و فریب کے آدمی ہوتے اور امیر معاویہ وغیرہ کی طرح دنیا داری کا مادہ رکھتے تو یہ گمان کیا جاسکتا تھا کہ آپ نے دنیا طلبی کے تقاضا سے سیرت خلفائے راشدین کے مضمون کو داخل شرائط صلحنامہ ہونے دیا ہوگا۔ مگر چونکہ آپ ہرگز ایسے نہ تھے اور سراپا خلوص و تقبہ و قناعت و خدا پرستی و خدا ترسی و راست بازی وغیرہ و غیرہ کے صفات جمیلہ سے آراستہ و پیراستہ تھے ہرگز اپنے پدر بزرگوار کے طریقہ نیک سے منحرف نہیں ہو سکتے تھے۔ حق یہ ہے کہ باپ کی مخالفت کسی امر میں امام حسنؑ نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت علیؑ سیرت شیعین کو لاشعہ سمجھتے تھے تو یہ ممکن نہ تھا کہ امام حسنؑ سیرت شیعین کو ایک قابل وقت امر سمجھ کر صلحنامہ بالا میں جگہ دینے کے قابل سمجھتے۔ کوئی شک نہیں کہ سیرت شیعین کا مضمون علامہ ابن حجر کا ایک فرائضی مضمون ہے۔ ممکن ہے کہ صواعق محرقة کا خود یہ ایک ایجاد ہی مضمون ہو یا کسی دوسرے معاند اہل بیت کے ایجاد ہی مضمون کو عدم تولد اہل بیت کے جوش میں قبول کر لیا ہو۔

اب تنزل سیرت خلفائے راشدین کے مضمون کو ہم چارہ شرائط صلحنامہ مان بھی لیں تو مضمون بالا کے داخل صلحنامہ رہنے سے اہل خلاف کے مذہب کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ کم فائدہ شیعہ کو مضمون بالا کے داخل صلحنامہ قرار دیے جانے سے دشت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر جب سیرت خلفائے راشدین کی حقیقت سے ایسے ناواقف شخص کو اطلاع ہو جائیگی تو اسکے تمام شبہ و شک دفع ہو جائیں گے۔ سیرت خلفائے راشدین سے مراد حضرت خلفائے ثلاثہؓ کی وہ کارروائیاں ہیں جو بحیثیت خلیفہ ان حضرات سے ظہور میں آتی گئی ہیں۔ ان حضرات کی کارروائیوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات خلفاء اچھی اور بڑی دونوں طرح کی کارروائیوں کے کاربند ہوتے گئے ہیں۔ پس اگر صلحنامہ بالا میں حسب تحریر ابن حجر سیرت خلفائے راشدین کا مضمون واقعی طور پر داخل کیا گیا ہے۔ تو حضرت امام حسنؑ کی مراد مضمون بالا سے حضرات خلفاء کی مقبول کارروائیوں کے سوا کوئی نام مقبول کارروائی نہیں ہو سکتی

اس میں شک کیا ہے کہ حضرات خلفا سے اچھی کارروائیاں بھی عمل میں آئی ہیں۔ اچھی کارروائیوں کی مثالیں فتح بلاد کفار و تعمیر مساجد و مقبول انتظامات وغیرہ ہیں۔ ہرگز شیعہ مذہب کا یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ جتنی کارروائیاں حضرات خلفا نے اختیار کیں سب کی سب نامعقول تھیں۔ ایسی صورت میں سیرت خلفاے راشدین کا مضمون داخل صلحنامہ کیا جانا کیونکر خلافت مصلحت سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اس کے امام علی علیہ السلام پر کسی طرح کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے اگر واقعی سیرت خلفاے راشدین کا مضمون داخل صلحنامہ ہوا تھا تو ضرور منہی مصلحت تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امام حسنؑ امیر معاویہ کی خباثت طبیعت سے خوب واقف تھے۔ آپ خوب جانتے تھے کہ یہ صاحب بید غذا و مکار طامع مردم آزار خود غرض اور نفس پرور شخص ہیں اور ہر طرح کے فعل و نشت کے ارتکاب کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر صلحنامہ کی پابندی کے ساتھ عہدہ خلافت کو انجام دین گے تو انہیں خس و خوارس کے قاعدہ سے کچھ سلامتی رومی کے ساتھ بار خلافت کو اٹھا سکیں گے اور عام مسلمانوں کو اپنی خلقی بے عنوانیوں سے بہت ضرر نہیں پہونچا سکیں گے پس خلاصہ راقم کی تحریرات بالا کا یہ ہے کہ سیرت خلفاے راشدین کا مضمون اول تو نامتوازن و ایشی رنگ لکھا ہے اور اس لیے ہرگز ہرگز شرائط صلحنامہ میں داخل نہیں سمجھا جاسکتا ہے دوم یہ کہ تنزل اگر داخل شرائط صلحنامہ مان بھی لیا جائے تو امیر معاویہ صاحب کی خلقی خباثتوں سے عامہ مسلمانان کے محفوظ رکھنے کے لیے داخل شرائط صلحنامہ کیا گیا تھا۔

صلحنامہ بالا پر نظر ڈالنے سے یہ بات پائے ثبوت کو پہونچتی ہے کہ عامہ امت محمدی کو خاندان پیغمبر علیہ السلام سے تو لا کی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ راقم کو اس کی حاجت دکھائی دیتی ہے کہ مختصر طور پر اس کتاب میں تاریخی حیثیت کے ساتھ امت محمدی کی مخالفت اہل بیت کا ایک کافی بیان حوالہ قلم کرے۔ بلکہ خود حضرت رسولؐ کے ساتھ جو طور امتیون کا ظہور میں آتا گیا ہے اُس سے بھی مردمان ناواقف کو اطلاع کی صورت پیدا کرے۔ عہد رسولؐ شدت سے لیکر اس عہد تک کی تاریخ مخالفت کو احاطہ تحریر میں لانا طویلانی تصور ہے۔ لیکن یہ سبیل اختصار و اتنا عرض کر دینا تو ضرور ہے کہ عامہ امت محمدی کا کیا جو حضرت رسولؐ اور خاندان حضرت رسولؐ کے ساتھ زمانہ ناضی میں رہا ہے۔ حضرات ناظرین جب اس کتاب کو بے تعصبی کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس کتاب کی وجہ تسمیہ کو قرین حق سمجھیں گے واقعی یہ کتاب مناظر المصائب مناظر المعائب ہے۔ اس میں مختصر طور پر وہ سارے مناظر حوالہ قلم کیے جاتے ہیں جو عہد حضرت رسولؐ سے لیکر عہد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام تک صورت پذیر ہوئے گئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ زمانہ گزشتہ کے معاملات کی تحقیق اس وقت جو صورت دکھتی ہے کتب تاریخ و سیر اور

کسی قدر کتب حدیث کے سوا اور کسی بیج سے انجام نہیں پاسکتی ہے۔ مخالفت حضرت رسول و مخالفت اہل بیت علیہم السلام کے معاملات ذرائع بلا سے اگر کامل طور پر نہیں تو بھی کافی طور پر دریافت میں آتے ہیں پس راقم تحریری ذرائع سے ان غیر متوقع اور نامطبوع معاملات کو یہ سبیل مختصر درج ہذا کرتا ہے جو خود حضرت رسول اور حضرات اہل بیت علیہم السلام کو پیش آتے گئے اور جن سے عامہ امت محمدی کی ایسی بھڑکی آشکارا ہوتی ہے جو کسی نبی کی امت کی طرف کسی زمانہ میں منسوب نہیں کی جاسکتی ہے۔

اہل نادانیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خدا مکہ میں دین الہی کا اظہار فرمایا تو کفار قریش نے حضرت صلعم سے کوئی دقیقہ مخالفت کا اٹھا نہیں رکھا۔ اسپر بھی کچھ افراد نے اس دین جدید کی طرف رخ کیا اور یہ جماعت قلیلہ مسلمان کہلانے لگی۔ بہر حال کفار قریش کی جفاکاریاں رو بہ ترقی رہیں۔ یہاں تک کہ آج صلعم کو ترک وطن کر کے مدینہ میں سکونت اختیار کرنی پڑی اور جو افراد حضرت رسول صلعم کی پیروی میں مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے مہاجرین کہلائے اہل بیت کے حصہ کثیر نے دین محمدی کو اختیار کر لیا اور رسول اللہ کی مددگاری کی وجہ سے انصار کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ مدینہ میں اسلام نے زور پکڑنا شروع کیا حتیٰ کہ عہد رسول اللہ ہی میں مکہ اور ملک عرب کے چند ممتاز ٹکڑے اور بھی ملک شام کے زیادہ حصے مدینہ کی اسلامی ریاست کے اجزا ہو گئے۔ کوئی شک نہیں کہ عہد رسول اللہ میں اسلام لانے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی اور اس دین نو کے ماننے والے مسلمان کے لقب سے دیار و انصار میں شہرت پذیر تھے۔

عموماً اہل اسلام رسول اللہ کو اپنا حاکم اور امور دین میں اپنا راہبر مانتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی حق پرستی اور روحانی طاقت یہ تاثیر رکھتی تھی کہ عموماً گسیلو آپ کے احکام سے سربازی کی جرات نہیں ہو سکتی تھی زیادہ حصہ مسلمانوں کا یہی رنگ کھتا تھا۔ مگر کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جو ظاہر میں نہیں تو باطن میں ضرور آنحضرت سے دلی موافقت نہیں رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلعم ایسے مسلمانوں کو خوب پہچانتے تھے مگر مصلحت وقتی سے انکو کچھ نہیں کہتے تھے۔ یہ ایسے مسلمان تھے جو خاندان حمیر کے صائب کے ایسے تھم اپنے عہد میں ہو گئے کہ حضرت خاتون جنت اور علی رضی کے زمانے سے لیکر امام عسکری علیہ السلام تک خاندان حمیر کو انکے چیلون کو چکمتا پڑا۔ امیر معاویہ کے محاربات حضرت علی کے ساتھ امیر معاویہ کے معاملات امام حسن علیہ السلام کے ساتھ یزید ابن معاویہ کے جفاکارانہ برتاؤ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اور دیگر مسلمانوں کی طرح طرح کی بد ترکیبیاں بغیر علیہم السلام کے ساتھ یہ سبے سبب اسی تھم ریزی کے ہیں جو عہد رسول اللہ کے مردمان مسلمان صورت کر گئے تھے۔ واضح ہو کہ ایسے مسلمانوں کو نہ میں حضرت رسول کے ساتھ مادہ ناموافقت موجود تھا اگر روز مرہ کی کاروائیوں میں اس کا

ظہور کتر ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ مادہ موجود تھا تو کمان تک پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ آخر اسکا اُبھار ایک نہ ایک وقت میں ہو ہی جاتا تھا۔ مثلاً یہ عرض کیا جاتا ہے کہ جب ستہ ہجری میں رسول خدا صلعم کو غزوہ حدیبیہ پیش آیا (دیکھو تاریخ خمیس) تو قوم قریش نے نہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس صلعم کی درخواست لیکر بھیجا جسکو آن صلعم نے منظور فرمایا (دیکھو تاریخ ابن الوردي) یہ صلعم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلق پسند نہ آئی اور آپ کے دل میں خطرہ عظیم گرا۔ آپ نے رسول خدا کے پاس جا کر یہ کہا کہ کیا تم میری رجت نہیں ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیشک ہوں، تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا ہاں۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم کیوں اس حقارت و مذلت کو گوارا کریں اور اس طور سے صلعم کر کے ہیں ہوں۔ آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا کہ اسے خطاب کے بیٹے میں خدا کا رسول ہوں بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کرتا وہ میرا ناصر اور مددگار ہے اور میرے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا (دیکھو مدارج النبوت) یہ قصہ حدیث صحیح بخاری میں بھی اسی طرح مندرج ہے۔ اس کتاب کے شایع علامہ عینی اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ایسا ہی لکھتے ہیں تاریخ خمیس اور تفسیر درمنثور سیوطی میں بھی یہ واقعہ درج دیکھا جاتا ہے۔ بہر حال صلعم نامہ تو لکھ کر تیار ہو گیا۔ مگر حضرت عمرؓ اس صلعم نامہ کے لکھے جانے کے بعد بھی اس فکر میں رہے کہ معاملہ صلعم درج و برج ہو جائے۔ مگر اس میں حضرت عمرؓ کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی (دیکھو روضۃ الاحباب) زاریب حضرت عمرؓ کا یہ جوش و خروش قابل لحاظ ہے۔ کاش اس طرح کا جوش و خروش آپ نے جنگ احد جنگ خندق و جنگ خیبر اور جنگ حنین میں دکھلایا ہوتا۔ ان غزوات میں تو آپ کو فرار ہی سے کام رہا۔ اس صلعم حدیبیہ کے انجام کے وقت یہ جوش و خروش کمان سے آگیا۔ تا شا تو یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ نے اس صلعم کے پہلے یہ چاہا تھا کہ مکہ میں جا کر کوئی شخص قوم قریش کی طمانیت کر دے کہ ان صلعم صرف بہ ارادہ عمہ تشریف لائے ہیں اہل مکہ کی ایذا دہی کے خیال سے نہیں تشریف لائے ہیں تو آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم مکہ میں جاؤ اور قریش کا اطمینان کرو مگر حضرت عمرؓ نے مکہ جانے سے قطعی انکار کیا اور یہ عذر کیا کہ مجھ کو کفار قریش بار الدین کے میرے کوئی حامی اور مددگار نہیں ہے۔ اب اہل انصاف دیکھیں کہ یہ انکار نامزدانی نہ تو کیا ہوا۔ کیا اس انکار کو محبت سببی پر محمول کوئی اہل فہم سے کر سکتا ہے تبیل حکم رسول اللہؐ میں یہ انکار اور صلعم نامہ کی تحریر کے وقت تو مکے کا تھوڑا سا شمار تھا۔ اشارۃً یہ درایسے امور میں کیا عملی درج کی مومنیت کی خبر تھی ہیں۔ ابن کالاز تو آید و مردان جنین کنند۔ واہ دامون! تا بھی تو ہر دور پھر مومن کیا، حق تو یہ ہے کہ مومنیت تو درکار ایسی تھی کہ انسان کو سلیمیت بھی خارج کر دینے کی نظر آتی ہیں واضح ہو کہ حضرت اہل سنت حضرت عمرؓ کی نافرمانی یا انکار جواب اہل تشیع کو یوں دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بھی تو اسی صلعم حدیبیہ کے متعلق رسول اللہؐ سے قرانی کی تھی قصہ یہ کہ جب یہ صلعم تاریخ کاں پہلے ان قبول نے نہیل کی درخواست صلعم منظور کر لی تو حضرت علیؓ کو بلا کر اڑھا دیا کہ لکھو صلعم اللہ! جس میں لاکھ ہزار ہیں جس میں لاکھ ہزار ہیں۔

گیا۔ پھر خبابؓ نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی کہ لکھو ”یہ وہ صلحنامہ ہے جسکی بنیاد پر محمد رسول اللہؐ نے سبیلِ ربیؐ سے مصالحت کی“ آپ سبیل نے کہا اگر ہم تمکو رسول اللہؐ جانتے تو قتال پر کیوں آمادہ ہوتے پس بجائے رسول اللہؐ کے اپنا او اپنے والد کا نام لکھو۔ تب پیغمبر خدا صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اچھا رسول اللہؐ کے لفظ کو نکال ڈالو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میری مجال نہیں جو لفظ رسول اللہؐ کو محو کر سکوں۔ یہ شکر آنحضرت صلعم نے کاغذ لے لیا اور لفظ رسول اللہؐ کی جگہ پر محمد بن عبد اللہؐ کے لفظ کو لکھ کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ”اے علیؓ ایک وقت تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش ہوگا“ (دیکھو رخصۃ الاحباب، معارج النبوة و تاریخ الخلفاء، روضۃ الصفا و خصالہ نسائی) یہ فرمودہ حضرت رسول کا تھا۔ چنانچہ ایسا وقت حضرت علیؓ کو بھی سامنے آیا۔ وہ حضرت علمائے اہل خلافت جو بے جواب الزامی آپ حضرت کو ہاتھ آیا۔ کمان حکم رسول اللہؐ سے قطعی انکار اور کمان فی اور ایمانی تعظیم کا اظہار۔ اسے حضرت ابیہنسٹ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت عمر کو حکم آنحضرت صلعم کا واسطے نکال دینے لفظ رسول اللہؐ کے صادر ہوا ہوتا تو حضرت عمر ضرور دوڑ کر ایسے حکم کی تعمیل کر ڈالتے خاص کر ایسی حالت میں کہ شک فی النبوت زور وں کے ساتھ آپ کے دل میں جگہ چکا تھا۔ حضرت عمر کے شک فی النبوة کا پتہ اس واقعہ سے بھی لگتا ہے کہ جب جنگ خندق کے وقت آن صلعم سے حضرت عمر کو عمر و ابن عبدود کے مقابلہ کے لیے فرمایا تو حضرت عمر کے مقابلہ سے دلائل کے ساتھ صان انکار کر گئے ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمر حضرت رسولؐ کو نبی برحق جانتے تو اس دیوبیکر کے مقابلہ سے انکار نہ کرتے۔ یہ معاملہ بھی حضرت عمر کے شک فی النبوت کا پورے طور پر مثبت ہے۔ - اللَّهُمَّ حَفِظْنَا مِنْ ذَالِكْ -

واضح ہو کہ صلح حدیبیہ میں حضرت رسولؐ سے حضرت عمرؓ کا اختلاف اس درجہ کا دیکھا جاتا ہے کہ وہ خندان آپ کے ارتداد کا پورے طور پر مثبت نظر آتا ہے حضرت عمرؓ سے ایسے اختلافات اور بھی ظہور پذیر ہوتے تھے جن سے اہل واقفیت پوری خبر رکھتے ہیں۔ علامہ شیلی صاحب حضرت عمرؓ کو داغ ارتداد سے بچانے کے لیے ایسے اختلافات کی نسبت فرماتے ہیں کہ ”حضرت رسول اللہ صلعم کی ان باتوں کو مفسد سالت سے الگ سمجھتے تھے“ علامہ صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نزول وحی کے وقت منصب سول پر ہتے تھے لیکن اور وقتوں میں عام بشر کی حیثیت آپ کو حاصل رہتی تھی۔ خدا را یہ کیا تحقیق ہے۔ صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب حضرت عمرؓ کے افراط محبت میں حضرت رسولؐ کی تنقیص شان بھی طرح گوارا کر گئے ہیں۔ راقم کا یہ الزام صرف حضرت علامہ ہی پر نہیں ہے۔ آپ کے اکثر مذہب علما کا بھی یہی طور دیکھا جاتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی مداحی اور ہوا خواہی میں آپ حضرات کے ہاتھوں سے خدا رسولؐ قرآن حدیث سب پر آفت آجائے تو آجائے مگر حضرات خلفاء کی جے بنی رہے اہل انصاف ملاحظہ فرما دیں کہ جب حضرت رسولؐ کی شان میں خدا سے تعالیٰ وَمَا يَنْفَعُ عَنْ أَهْلِ الْاَوَّلَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْدُ يُوْحَىٰ فَرَمَاتَا ہے تو ضرور ہے کہ ہر بات آن صلعم کی وحی کا وحی سمجھی جائے

یعنی ہر بات حضرت رسولؐ کی ایسی سمجھی جائے کہ اس میں لغویت یا خواہش نفسانی کو خض برابر بھی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ سورہ منافقون میں فرماتا ہے کہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ اس آیت سے جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں آن صلعم کل اوامر و نواہی میں معصوم نظر آتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں واجب ہے کہ رسول صلعم اپنے کل افعال و اقوال و احوال میں معصوم تھے۔ پس حضرت رسولؐ کی فرمانبرداری سے نصی طور پر کسی امتی کو چارہ نہ تھا بلکہ یہ کیئے کہ فرمانبرداری خدا کی موقوف تھی حضرت رسولؐ کی فرمانبرداری پر توثیق اسکی آیہ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ سے ہوتی ہے یہ امر کہ حضرت رسولؐ عمل نہیں کرتے ہیں مگر وحی پر ان نَتَّبِعِ الْاَمَّاوِیْہِ اتی سے باہر اور طور پر ثابت ہوتا ہے دوسرا امر کہ حضرت رسولؐ جیسے عام بشر ہوتے ہیں ویسے ہی ایک بشر تھے یہ خیال جناب علامہ کا تنقیص شان مصفوی کا ایک سراسر منظر دکھاتا ہے۔ یہ سب مناظر تنقیص جناب علامہ صاحب کے وجود میں صرف اس غرض سے لائے گئے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی جے بنی رہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اہل انصاف دیکھیں کہ حضرت رسولؐ وہ بشر ہیں کہ جس کی بشریت کیساتھ ”یوحی“ کی قید لگا دی گئی ہے، یہ وہ قید ہے کہ جس سے حضرت رسولؐ عوام الناس کے احاطہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ جناب علامہ صاحب لفظ ”بشر“ کی طرف تو اپنی توجہ مبذول فرماتے ہیں مگر ”یوحی“ کو خریطہ نسیان میں ڈال رکھتے ہیں یہ معاملہ جیسا ہی رنگ رکھتا ہے جیسا کہ ایک مرتد نے کہہ دیا تھا کہ قرآن میں نماز کی مانعت ہے کہ قولہ تعالیٰ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ کُنْیٰ تک نہیں کہ یہ مکر قول خدا ہے اُس مرد کو نے یہ نہیں دیکھا کہ اُس کے بعد وَانْتَعَشُوا دَیْیٰ بھی ہے۔ راقم کے عقیدہ یا کسی اہل انصاف کے عقیدہ کے مطابق حضرت رسولؐ کو عوام الناس کے برابر سمجھنا اگر الحاد میں درجات ہیں تو ایسا عقیدہ حضرت رسولؐ کی نسبت ایک بہت بڑا الحاد ہے۔

راقم کتاب ہے کہ حضرت عمرؓ کو تفریق بالا کے ملحوظ رکھنے کی بڑی ضرورت لاحق تھی آپ دیکھتے تھے کہ اس تفریق کو ملحوظ رکھے بغیر آپ کو احاطہ ارتداد سے باہر نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ تھی پس بھجواسے التفریق تیشبت بوشیش تفریق بالا کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے مگر ایسی پناہ گزینی سے آپ کو حصول مطلب کی کوئی حقول شکل پیدا نہ ہو سکی بہر حال جب آپ کو تفریق بالا کے مضمون کو اختیار کر لینا پڑا تو دیگر مخالفان پیرو خانہ دین پیسہ کو بھی اُسی راہ پر چلنے کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ پس کوئی جائے قع نہیں ہے کہ اپنے وقت میں جناب علامہ صاحب نے بھی بطور بالا حضرت عمرؓ کے داغ ارتداد کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گو اُس کو شش بیخ سے حضرت رسولؐ کی تنقیص شان میں طور پر عمل آگئی۔

تسرا اگر حالہ صلعم حدیبیہ میں علامہ شبلی صاحب کی تفریق بالا صحیح مان لی جائے تو بھی ایسی تفریق ہے حضرت عمرؓ داغ ارتداد سے بچتے نظر نہیں آتے ہیں اس امر میں یہ گفتگو ہی نہیں کہ جتنے امور جنگ و صلح

وغیرہ کے عامل حضرت رسولؐ ہوئے حکم خدا ہوئے۔ ایسے امور کے عامل حضرت رسولؐ دین خدا کے قائم رکھنے یا دین خدا کی اشاعت کی نظر سے ہوتے تھے پس حضرت صلعم کے ایسے امور منصب رسالت سے الگ نہیں سمجھے جاسکتے ہیں لاریب کوئی ذی جو اس یقین کہہ سکتا ہے کہ صلعم حدیبیہ کا معاملہ حضرت رسولؐ کے منصب رسالت الگ نہ رکھتا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حکم خدا سے حضرت رسولؐ نے قریش مکہ سے صلح کی تھی۔ بیشک جب خدا تعالیٰ کی جانب سے حکم صلعم صادر ہوا تو حضرت رسولؐ نے صلح کر لی۔ خدا را اس میں تفریق کی گنجائش کہاں نظر آتی ہے حضرت رسولؐ نے تو اپنے دل سے کوئی راہ عمل کی نہیں اختیار کی جو کچھ حضرتؐ نے کیا ہدایت خداوندی کے مطابق کیا۔ منصب رسالت سے الگ ہو کر حیثیت بشر تو حضرتؐ نے کوئی کارروائی کی ہی نہیں حضرت کا فعل صلعم منصب رسالت سے الگ ہونے کا کوئی رنگ ہی نہیں رکھتا ہے۔ اگر منصب رسالت سے کچھ بھی حضرتؐ کے امور بالاکو بے تعلقی ہوتی تو ایسی حالت میں علامہ صاحب کی تفریق بڑے جھلے طور پر حضرتؐ عمرؓ کے کچھ کام آ سکتی تھی معاملہ حدیبیہ کا تو یہ عالم ہے کہ حضرتؐ رسولؐ حکم خدا یعنی بحیثیت رسول صلعم پر آمادہ ہیں مگر حضرتؐ عمرؓ میں نہ حضرتؐ سے برسرِ تکرار یہین کہ صلعم نہیں کی جائے۔ آپؐ کی تکرار پر حضرتؐ رسولؐ فرماتے ہیں کہ ”اے ابن الخطاب میں خدا کی ہمت کے مطابق صلعم و جنگ کرتا ہوں“ مگر حضرتؐ عمرؓ کو صند ہے کہ صلعم نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ جب حضرتؐ رسولؐ نے صلح کر لی تو بھی اُس کے توڑے جانے میں حضرتؐ عمرؓ نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ آپؐ نے شکست صلح کی ترکیبیں ایسی بتائیں کہ انسان حیثیت انسان ایسی ترکیبوں پر عمل نہیں کر سکتا ہے کوئی درندہ کرے تو کوئے اب جناب علامہ صاحب فرمائیں کہ حضرتؐ رسولؐ کی صلعم بالا منصب رسالت سے الگ تھی یا کیا۔ بلکہ اتنا ہی بتا دیں کہ کوئی فعل آن صلعم کا اس کے متعلق منصب رسالت سے علیحدہ تھا چشم انصاف میں تو علامہ صاحب کی تفریق حضرتؐ عمرؓ کو خض بلاب بھی نفع بخش نظر نہیں آتی ہے۔ تب حضرتؐ رسولؐ سے حیثیت حضرتؐ رسولؐ اختلاف کا مرکب ہونا کون سی سلمانی تھی۔ لاریب حضرتؐ عمرؓ کا اختلاف بالا بین طور پر ارتداد کا نقشہ دکھلا رہا ہے اب تو اسکی حاجت بھی نظر نہیں آتی ہے آپکے شک فی النبوت کا مضمون یاد دلایا جائے۔ شک فی النبوت تو آپؐ کے اختلاف کا ایک فطری نتیجہ تھا۔ ایسا شک آپؐ کو اکثر ہوا کرتا تھا اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ آپؐ اکثر حضرتؐ رسولؐ سے امور متعلق رسالت میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آپؐ کی تمام زندگی حضرتؐ رسولؐ سے اختلاف کرنے میں گزر گئی ہے یعنی از وقت جنگ بدر تا قتل قرطاس۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔ ایسے مرکب اختلافات ہو کر آپؐ عند لعقل حضرتؐ رسولؐ کے سچے جانشین کیونکر مانے جاسکتے ہیں البتہ آپؐ ایسی ہی ترکیبوں کے مسلمانوں کے خلیفہ المسلمین ہیں اور تاقیامت رہیں گے۔

یوں تو چھوٹے چھوٹے امور میں دلی اختلافات اکابر ماجرین کو رسول اللہؐ کے ساتھ جو کچھ لاحق ہو

ہوں مگر کوئی شک نہیں کہ غزواتی معاملات میں ایسے اختلافات ان بزرگوار سے بکثرت ظہور میں آتے گئے۔ واضح ہو کہ یہ اختلافات فعلی اختلافات تھے مثلاً اکابر مہاجرین کا ہر موقع جنگ سے بار بار کا فرار۔ یہ بزرگوار غیر مشہور غزوات کے علاوہ مشہور غزوات میں بھی کبھی ثابت قدم نہیں رہے جنگ خاصہ جنگ خندق جنگ خیبر جنگ خینس میں تو صحیحی طور پر حکم رسول اللہ سے انحراف و ردی کرتے گئے۔ رسول اللہ ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی ہدایت فرماتے ہی ہے مگر اکابر مہاجرین نے جناب رسالت مآب کی ایک نئی سنی۔ جان کی محبت میں رسول اللہ کو زخمی اعدا میں چھوڑ کر بار بار بھاگ ہی نکلے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوار کو رسول اللہ سے دلی مرطبت ہوتی تو ایسے امور قبیح کے کار بند نہ ہوتے دوست یا محبوب کو کوئی معمولی آدمی بھی محل ہلاکت میں چھوڑ کر راہ گریز نہیں اختیار کرتا چاہے جسے کہ رسول اللہ خیر جان خدا کو انا تمام تر قرین حکم خداوندی تھا حق یہ ہے کہ فرار میں کو رسول مقبول کے ساتھ وفقت قلبی حاصل نہ تھی یہ دلی ناموفقت کب تک پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ کل شیء تیر شخ بافیہ وقت وقت پر ظہور کرتی ہی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑے مہاجرین نے رسول اللہ کے ساتھ دینی اغراض کی بنا پر کہ سے مدینہ کو نہیں بھرت کی تھی ان بزرگوار نے سمجھ لیا تھا کہ محمد ایک ایسے ہونہار آدمی ہیں کہ کوئی ریاست یا سلطنت قائم کر سکیں گے جو آئندہ فریضہ مہبود ہو سکے گی ان بزرگواروں کو کاہنوں نے خبر دی تھی کہ ایک پیغمبر مبعوث بر رسالت ہوں گے ان پر ایمان لاؤ گے تو سلطنت ملیگی (دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۵۰) چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ہر کہ و مہ کو معلوم ہے۔ حق یہ ہے کہ ایسے بزرگوار ان صلعم کو ہرگز دینی سزا نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بزرگوار ضرور دل میں سمجھتے ہوئے تھے کہ محمد کی طرف سے ظہار رسالت ایک دھوکا سلا ہے غرض محمد صاحب کی اظہار رسالت سے ملک گیری ہے ہر چند ایسے مہاجرین نے کبھی زبان سے ایسے ناپاک خیال کا اظہار نہیں کیا مگر اپنے افعال و کردار سے اہل فہم کو اس امر پر متیقن کر دیا کہ مرکز خلاط ایسے مہاجرین کا وہی تھا جو بالامین حوالہ قلم ہوا۔ لاریب اکابر مہاجرین کا یہ ویسا ہی خیال تھا جو حضرت ابوسفیان کا تھا فرق دونوں میں یہ ہے کہ ابوسفیان صاحب نے اپنے خیال کا اظہار کر دیا مگر اکابر مہاجرین نے کمال فرزانگی سے اسے زبان سے نہ وضع طور پر آنے نہ دیا۔ ابوسفیان صاحب کی سرگزشت یہ ہے کہ حسب تاریخ ابوالفدا جب حضرت رسول صلعم حضرت عباس سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو وادی مغیوق کی طرف لیجا کر لشکر اسلام کا مشاہدہ کرواؤ تو حضرت عباس ابوسفیان کو اس طرف لیگئے۔ ابوسفیان صاحب کے ہتھسار پر حضرت عباس ہر قبیلے کے لوگوں کو جو لشکر میں تھے بتاتے جاتے تھے یہاں تک کہ ابوسفیان پیغمبر صاحب کے سبز پوش لشکر سے گزرے اس لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان صاحب کے منہ سے بیباختہ یہ نکل گیا کہ ابوسفیان تھا را بھتیجا تو بڑی سلطنت والا ہو گیا اس پر حضرت عباس نے فرمایا کہ وہ تجھے پہ سلطنت نہیں ہے نبوت ہے اسی طرح حضرت زید بن حضرت معاویہ بھی معاملات اسلامی کو ملاحظت میں نہیں کھیل سمجھتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں لا عبث لما شہم فی الخلق ولا حی جلع ولا خیل نزل۔

یہ قاتل حسینؑ بیباکی سے ایسا اظہار خیال اسی لیے کر سکا کہ خلافت یابی اور واقعہ کربلا کے بعد اسے کسی پلو سے محل غوث باقی نہیں رہا تھا۔ عہد رسالت میں اکابر مہاجرین کو اس طرح کے اظہار خیال کا موقع حاصل تھا آنحضرتؐ کے بعد بھی سردار بنی ہاشم اور بھی بچے دل کے کچھ مہاجرین اور بھی بچے دل کے کچھ انصار موجود تھے۔ اکابر مہاجرین کیلئے ایسے خیال کا اظہار بیباکانہ طور پر قرین مصلحت نہ تھا۔ تو بھی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معاملات غزوات و صلح حدیبیہ جیسے مواقع میں حقیقت حال کا انکشاف کم و بیش طور پر ہوتا ہی گیا اکتبا رنج و سر کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر وہ حضرات جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے زیادہ دنیوی مغرض سے اس تکلیف کو گوارا فرماتے گئے تھے۔ یہ بزرگوار اگرچہ صاحب کی سلطنت کو خدا سے تعالیٰ کی روحانی سلطنت سمجھے ہوئے ہوتے تو ہرگز ہرگز رسول اللہ کو زعماء اعدا میں چھوڑ کر بار بار نہیں بھاگ جایا کرتے۔ اور اپنی جان کو رسول اللہ کی جان پر ترجیح نہیں دیئے ہوتے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اغراض سے ایسے صاحبوں نے ہجرت کی رحمت اختیار کی تھی۔ اہل انصاف دیکھیں کہ اہل ہجرت کا بار بار کافرا اس امر کا مثبت ہے کہ فرارین کو رسول اللہ کے ساتھ خس برا بھی محبت حاصل نہ تھی۔ امیرین میں رسول اللہ کے ساتھ تسک تو ایک اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ روزمرہ کے معاملات میں بھی کوئی اس طرح کا فرار قابل قدر نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ بیوفائی کسی قت اور مذہب میں رہنے کی چیز نہیں مانی جاسکتی۔ شاہان دنیا کے ساتھ بیت سے بہادران وقت مہر گئے ہیں مگر بیٹھ نہیں دکھلائی ہے چہ جائیکہ شاہنشاہ دین کے ساتھ فرارین! وہ خدا میں لڑنے کو جاوین اور میدان جنگ سے ایسے فرار ہو جاوین کہ دو دو یا تین تین دن تک اُن کا نشان نہ ملے۔ اُن کے ڈار سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ ایسی کے بعد ایسے حضرات اُنھیں کیونکر دکھلا سکتے تھے۔ انبیاء میں اہل ایمان لیکن جب یان کا یہ حال تھا کہ فرار گوارا کر کے تو پھر حیا کا ذکر ہی کیلئے راقم یہ پوچھتا ہے کہ علیؑ بھی تو مہاجرین سے تھے، پھر علیؑ کیون نہیں میدان جنگ کا بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرات ناظرین بھاگ کھڑا ہونا تو درکنار حق یہ ہے کہ اگر تیغ علیؑ نہ ہوتی تو اسلامی ریاست مدینہ اور اطراف میں قلعہ نہیں ہو سکتی جناب لایت مآبؑ کی ثابت قدمی کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ صاحب یان تھے۔ اسی لیے صاحب حیا بھی تھے۔ یکان ہرگز اس کا مقتضی نہیں ہے کہ کوئی رسول اللہ کے ساتھ جہاد پر جائے اور رسول اللہ کو نازک حالت میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کیلئے نوک دم بھاگ نکلے اور پھر رفع فساد کے بعد دوسرے یا تیسرے دن تھکد کھانسی جراثیم گوارا کر سکے۔ صلح حدیبیہ اور غزوات حضرات رسولؐ کے علاوہ رسول اللہ سے مخالفت مسلمین کے تین واقعات قابل لحاظ ہیں جو ذیل میں درج پاتے ہیں۔

واقعہ اوّلے

مقام غم غدیر میں جب آیت اِنَّمَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَإِنْ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ فَمَا يَكُنْ مِنْكُمْ نَازِلٌ مِّنْكُمْ

اور یہی حضرت رسولؐ منبر تیار کر دہ پرفرما چکے کہ میں جناب باری میں بلایا گیا ہوں اور میں نے حکم الہی کو قبول کیا ہے اب میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنے اہل بیت دیکھنا ہے کہ تم لوگ میرے بعد ان دونوں سے کیونکر پیش آتے ہو اس لیے کہ یہ دونوں جب تک میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا ہوں گے میرا مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور میں کل مومنین کا ولی ہوں جس کا ولی میں ہوں علیؑ بھی اُس کا ولی ہے خداوند دوست رکھ اُس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو علیؑ سے دشمنی رکھے (دیکھو کذاب حضراتِ نسائی اور بھی دیگر کتابیں جو قصہ غم غدیر سے تعلق رکھتی ہیں جیسے صواعقِ محرقہ ابنِ حجر مکی۔ روضۃ الاحباب اسباب التناول واحدی تفسیر درمنثور سیوطی فتح القدر کا ثانی تاریخ علامہ ابنِ مفلح کتاب اصالیہ ابنِ حجر عسقلانی و مسند امام حنبلی اور بعد از شاہ ابوالاکے آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل ہو چکی (دیکھو تاریخ علامہ ابنِ مفلح) اور حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کو مولائیت کی مبارکباد دیکھنے اور دیگر صحابی اور اہل بیت مومنین مبارکبادی کی شرکت کر چکے اور ان سب کا رد ایون سے علیؑ صاف صاف طور پر رسول مقبولؐ کے نائب قرار دیے جا چکے تب منافق صحابہ کو اس اختلاف سے بڑا صدمہ پہونچا اور اُن ملاعین نے جنابِ سول خدا کی ہلاکت کا منصوبہ باندھا چنانچہ استخلافِ بالاکے ایک دوروز کے بعد جب آنِ صلعم براہِ عقبہ شب کو شتر پر سوار جا رہے تھے اور آنحضرتؐ کا لشکر براہِ وادی جا رہا تھا کہ سولہ یا سترہ منافقین گھوڑوں پر سوار اور مسلح آنحضرتؐ صلعم پر حملہ آور ہوئے چونکہ آنِ صلعم و اللہ یصلحکم من الناس کے مورد ہو چکے تھے آنحضرتؐ کو مطلق ہراس نہیں ہوا اور حذیفہؓ کو حکم دیا کہ دیکھو یہ حملہ آور ہیں کون کون ہیں۔ حذیفہؓ نے جا کر اُن کے گھوڑوں کے منہ پر چابک لگانا شروع کیے اور وہ ملاعین فرار ہو گئے جب رسول مقبولؐ نے حذیفہؓ سے پوچھا کہ حملہ آور کون کون کون تھے تو حذیفہؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ اُن ایسے تیسوں نے اپنے منہ باندھ رکھے تھے لیکن میں نے اُن کی سوار یوں کو پہچان لیا کہ فلان فلان کی سواریاں تھیں۔ اس حملہ کے قصہ سے علمائے اہل سنت کو اعتراض ہے مگر حملہ آوروں کے نام نہیں بتلاتے ہیں۔ مگر جامیؒ بھی اپنی شواہد النبوت میں اس قصہ کو درج کرتے ہیں مگر انھوں نے بھی حملہ آوروں کے ناموں کی چشم پوشی کی ہے مگر اُن کی تحریر سے عیان ہوتا ہے کہ حملہ آورین رسول اللہؐ کے صحابی تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ سب طاقتِ بڑا رسول اللہؐ کے صحابی ضرور تھے اُن میں سے کوئی یحییٰ بنِ واصل بنِ حنین سے حملہ آوری کے لیے نہیں آیا تھا حضرت رسول اللہؐ بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ بد بخت حملہ آور صحابی تھے چنانچہ حسبِ تحریرؒ جامی جب سیر بنِ حصیر نے حضرت رسولؐ سے عرض کیا کہ اُن ایسے تیسوں کے نام حضورؐ بتلاوین تاکہ ہم اُن کو قتل کر ڈالیں تب آنِ صلعم نے فرمایا کہ لوگ یہی کہیں گے کہ جب لڑائی ختم ہو چکی تو محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ

دشمنان خدا جرحہ آور ہوئے تھے آن صلعم کے اصحاب نہوتے تو آنحضرتؐ ان بدبختوں کو اصحاب کے خطاب کیوں
یاد فرماتے اس جگہ پر راقم پوچھتا ہے کہ مجروح صحابیت کیا صورت برتری رکھتی ہے۔ کیا صحابیت کوئی ایسی چیز ہے
کہ اُسے اور صفات حمیدہ کی ضرورت نہیں ہے راقم دیکھتا ہے کہ اکثر مسلمانان حال و ماضی اہل بیت نبویؐ سے
بے سروکاری رکھتے ہیں اور صحابیت پر جان نہ رہے ہیں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک صحابیت سے
زیادہ کوئی صفت افضل نہیں ہے چنانچہ قصہ ذیل سے اُن کے خیال صحابیت کی باہمیت پر سے طور پر ظاہر ہوتی ہے
جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ظہور میں آئی اور حضرت کا قاتل ابن ملجم علیہ لعن حضرت کے
قتل کے جرم میں ماندہ الا گیا تو مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ عمران بن حطان نے ابن ملجم کے مرثیہ میں کچھ شعر موزون کیے
جن کے مضامین یہ ہیں کہ ”کیا اچھی ضرب تھی اُس ولی کی یعنی ابن ملجم (ملعون) کی جس سے محض خوشنودی خدا
کے ارادے سے وہ ضرب لگائی۔ میں جس وقت ابن ملجم کو یاد کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ اُس کی میزبان عمل خدا
کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پوری ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ عمران بن حطان
سرگروہ خوارج ایک مشہور تابعی ہے۔ اس کا ذکر طبقہ صحابی میں کسی نے نہیں کیا ہے مگر قاضی حسین
بن محمد شافعی نے تعلیقات میں عمران کو صحابی بیان کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب عمران بن حطان کے شعر
ابو الطیب طبری نے سنے تو انھوں نے اس کے جواب میں اس مضمون کے شعر موزون کیے کہ ”میں عمران بن حطان
کے اشعار سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جو اُس نے ابن ملجم کی مچ میں بطور بہتان کے کہے میں جب ابن ملجم کو یاد کرتا
ہوں تو اُس پر لعنت کرتا ہوں اور عمران بن حطان پر بھی لعنت کرتا ہوں کہ جس نے ابن ملجم کی تعریف میں اُن اشعار
کو موزون کیا ہے“ ابن ملجم کو صحابی لکھ کر قاضی حسین بن محمد لکھتے ہیں کہ قاضی ابو الطیب نے خطبہ جو عمران بن حطان
کی نسبت لعنت کے الفاظ استعمال کیے کیونکہ عمران بن حطان صحابی ہے اور اُس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے
راقم کہتا ہے کہ اے قاضی حسین بن محمد صاحب عمران بن حطان صحابی ہونے کے باعث قابل لعن ہو یا نہ ہو
مگر آپ دوستدار دشمن علی ہونے کے باعث قابل لعن نظر آتے ہیں چنانچہ اگر میری زبان نہیں تو میرا دل آپ پر ہزاروں
ہزار لعنت بھیجتا ہے صرف آپ ہی پر نہیں بلکہ جمیع دشمنان علی و دوستاران دشمنان علی پر اور یہ اس لیے کہ علیؑ
نفس رسول ہیں دم رسول ہیں روح رسول ہیں اور لحم رسول ہیں لعنت ایسے مذہب پر کہ اس میں مدح
ابن ملجم دینی اعزاز رکھتا ہے۔ نیز ابن حجر لکھتے ہیں کہ عمران بن حطان سے بخاری اور ابوداؤد نے حدیثیں روایت
کی ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ بخاری اور ابوداؤد کے سیکڑوں راوی عمران بن حطان کے رنگ کے ہیں بخاری اور ابوداؤد
کیلئے اسی قدر اہم کافی ہے کہ راوی کو صحابی ہونا چاہیے گو وہ کیسا ہی مردود زمانہ ہو۔ اسی طرح محدث عثمان النبی نے
عمران بن حطان کو اہلسنت نے جماعت میں شمار کیا ہے راقم کہتا ہے کہ یہ شمار غلط نہیں ہے عمران بن حطان کا

شمار فرقہ اہل سنت کے سوا کسی اور فرقہ میں کیونکر ہو سکتا ہے پھر کتاب تلخیص المجاہدین ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ ابن حزم طاہری نے مبالغہ کے ساتھ کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین یعنی امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام حنبل و امام مالک غیر وہ ہیں اسکے متعلق کچھ اختلافات نہیں ہے کہ ابن طحیم نے علی ابن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ ابن طحیم سمجھتا تھا کہ اس باب میں اسکی رائے خطا پر نہیں ہے صواب پر ہے۔ مذہب اہلسنت واقعی عجب مذہب ہے جس میں قاتل علی کو بھی پورے طور پر پناہ مل جاتی ہے۔ فسوس ہے کہ مجتہدین بالائے قطامہ کے مضمون کو پیش نظر نہیں رکھا اور ابن طحیم کی اجتہاد و تاویل کی طرف مائل ہو گئے۔ راقم پوچھتا ہے کہ کیا مجتہدین اہل سنت اس حدیث نبوی سے بخبری رکھتے تھے کہ علی کا قاتل اور علی کے ہاتھ کا مقتول دونوں دوزخی ہیں پس ابن طحیم کے دوزخی ہونے میں کیا عذر کیا جاسکتا ہے قابل لحاظ ہے کہ اگر ابو الطیب طبری نے اپنے اشعار میں ابن طحیم پر لعنت کی تو کیا ایسا کیا بلکہ مدح ابن طحیم بھی اسی سلوک کا سزاوارد دکھائی دیتا ہے مگر چونکہ مذہب اہل سنت کی بنا مخالفت اہل بیت علیہم السلام پر واقع ہوئی ہے اس لئے اہل سنت کا ائمہ مجتہدین ان حضرات کے دشمنوں کے ساتھ جو راہین تولا کی اختیار کرین خلاف توقع نہیں ہے۔ کیا جانے تعجب ہے کہ امیر معاویہ عمر بھر حضرت علی پر لعنت کرتے رہے اور ان کے جانشینان اسی سنت معاویہ کو جاری رکھا کیے مگر کسی اہل سنت کے کان پر جون تک نہ پھری۔ اس رواج زشت کے ایجاد کرنے پر بھی ابجک امیر معاویہ صاحب بطنی اللہ عنہ بنے بیٹھے ہیں جس مذہب میں اس طرح کے نامعقول اجتہادات گناہ نہیں سمجھے جاتے ہیں اُس کی نسبت یہ کہنا کہ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم جادہ راستی سے باہر نہیں ہو سکتا۔

قصہ حملہ آوری مذکور بالا سے یہ بات کافی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اکثر وہ حضرات جو ماہرین اہل سنت ہیں رسول اللہ سے کسی طرح پرارتباط قلبی نہیں رکھتے تھے۔ بضرورت منافقانہ طور سے رسول اللہ کے گرد و پیش رہتے تھے۔ اگر ایسے بزرگوار واقعی دوست رسول اور دین خدا کے ہوتے تو بار بار کار فرما غزوات میں ان سے ظہور میں نہ آتا۔ فرار تو فرار حملہ آوری کی حرکت بالا ہرگز ہرگز ان سے عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ تعجب ہے کہ علماء اہلسنت قصہ حملہ آوری کا قرار تو کرتے ہیں مگر حملہ آوروں کے نام نہیں بتلاتے ہیں۔ صاحب شواہد النبوة بے نام بتلائے صرف اسی قدر لکھتے ہیں کہ حملہ آوروں نے اللہ علیہم صحابی تھے۔ راقم کہتا ہے کہ صحابی تو ضرور تھے ظاہر ہے کہ وہ بیعت کسی دوسرے ملک سے نہیں آئے تھے مگر ان کے نام تو علماء اہل سنت کو کھدینا ضرور تھا۔ اس اخلاقی وجہ آخر کچھ نہ کچھ ہوگی۔ بہر حال عاقلان خواب میزانتہ علماء شیعہ حملہ آوروں میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے نام بھی درج تحریر کرتے گئے ہیں۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصہ خم غدیر سے اختلاف علی میں کوئی شبہ و شک باقی نہیں رہا تھا حق یہ ہے کہ حضرت خلفائے ثلاثہ

کو خلافت یابی کی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔ اسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی حملہ آوری کی کارروائی مثلاً قیاس معصور نہیں ہے قصہ بالاسے صاف ہویدا ہو کہ اکثر مہاجرین نہ رسول اللہ کے دوسندار تھے اور نہ انھیں دین خدا کی نصرت نظر تھی ایسے حضرات ضرور کچھ مدینہ آئے تھے کہ رسول اللہ ایک بڑے آدمی ہو جو اسے اپنی آنحضرت کا شہاد دینے میں کچھ نہ کچھ ہبودی کی صورت نکل ہی آئیگی۔ چنانچہ ریاست اسلامی کے قائم ہوجانے سے یہ دنیا طلب گھاٹ میں نہیں رہے۔ تمام معاملات مہاجرین پر نظر ڈالنے سے اسکا یقین ہوتا ہے کہ ان کا زیادہ حصہ ریاست اسلامی کو ابوسفیان صاحب کی طرح دنیاوی سلطنت سمجھتا تھا اور اس کے ذریعہ سے دنیاوی فوائد اُٹھانا چاہتا تھا۔ ایسے مہاجرین ہرگز ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کو فدائی یا روحانی سلطنت نہیں سمجھتے تھے۔ اگر روحانی سلطنت باتے تو غزوات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نامطبوع طور پر فرار نہیں اختیار کیا کرتے نہ رسول اللہ پر حملہ آوری کے مرکب ہوتے نہ پیش سامہ کی شرکت سے انکار کرتے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ویسے دینے فعل زشت کے عامل ہوتے جو ان سے ظہور میں آتے گئے۔ بالحق قسم مذکورہ بالا کے مہاجرین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ دلی ارتباط نہ تھا۔ یہی وہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کیساتھ بھی نکا وہی طور پر راجح یہ ہو کہ اگر مہاجرین ہم مذکورہ بالا کو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ خلوص چل رہتا تو وہ دنیا طلب خاندان پیر کے ساتھ بھی وہی خلوص کا سلسلہ جاری رکھتے۔ لیکن جب فقدان خلوص خود بدولت کیساتھ لاحق تھا تو خود بدولت کے خاندان کیساتھ ان سے خلوص کی کیا اُمید کیجا سکتی تھی۔ یا اہل ان مہاجرین کے پیروان سے کیجا سکتی ہے۔

واقعہ ثانیہ

دوسرا واقعہ رسول اللہ سے مخالفت صحابہ کا معاملہ پیش سامہ ہی اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد واقعہ خم غدیر کے مدینہ کو واپس آئے تو اختلاف علی کی وجہ سے مہاجرین میں بڑی پیمنی پیدا ہوئی۔ یہ دنیا طلب رسول اللہ سے مخالفت پر آمادہ ہو گئے چنانچہ جب رسول اللہ نے اسامہ کو سردار فوج بنا کر کفار کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنا چاہا تو باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید اکید کے کوئی اکابر صحابی یا کوئی ممتاز مسلمان لشکر اسامہ کا شریک نہوا۔ تاکید اسد رجب کی فرمائی تھی کہ اُس سے زیادہ تاکید صورت امکان نہیں رکھتی تھی۔ آنحضرت کا قول مبارک یہ تھا جس جمعیہ اسامہ میں مختلف عقائد یعنی لشکر اسامہ کی تیاری کروادرجو شخص پیش سامہ سے تخلف کر گیا وہ خدا کے نزدیک ملعون ہو گا۔ واضح ہو کہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بالتحریج یہ تھا کہ حضرت علی کے سوا اہل عیان مہاجرین انصار یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و سعد بن ابی وقاص و ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ لشکر اسامہ کیساتھ جائیں۔ مگر انہیں سے کوئی حضرت تشریف نہیں لگے اور نہ انصاف

طور سے رسول خدا کے حکم سے انحراف کیا (دیکھو اس فقرہ کے متعلق تالیخ ابن الورودی و مدارج النبوة و کتاب ملل
 و نحل شہرت فی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۷۷) راقم کہتا ہوں کہ اگر یہ اعیان مہاجرین و انصار رسول اللہ کو خدا کا رسول
 سمجھتے اور اس سے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کو اپنے اوپر فرض سمجھتے تو حبش اسامہ کی شرکت سے ہرگز ہرگز
 انکار نہ کرتے۔ اس نکار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار رسول اللہ کی دینی ریاست کو محض دنیوی ریاست
 سمجھتے تھے اور اس عدول حکمی سے کوئی دینی ضرر کا خون نہیں رکھتے تھے اسی لئے حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلے کھلے
 طور پر مخالفت کر گئے اگر وہ قبی یہ حضرات صاحب ایمان کامل ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ایسے گناہ عظیم کے مرتکب
 ہوں۔ اس نافرمانی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ متمردان حکم نبوی دیکھ رہے تھے کہ اب رسول اللہ کا وقت آخر
 آچکا ہے۔ علیؑ کو حکم حاضر رہنے کا ہو چکا ہے اور خرم غدیر میں اختلاف کی کارروائی ظہور میں آچکی ہے اسی صورت
 میں جب طالبان خلافت لشکر اسامہ کیساتھ مدینہ سے دور پڑ جائیں گے تو آنحضرتؐ کی رحلت کیساتھ
 ہی علیؑ خلیفہ ہو جائیں گے مجبوراً طالبان دنیائے ملعون ہو جانا قبول کر لیا۔ ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔
 ضرورتاً گھر بیٹھے رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ طالبان دنیارسل اللہ کی ریاست کو خدائی ریاست سمجھتے تو ملعون
 ہونا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کرتے۔ اہل نفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ متمردان بالاسے حضرت رسولؐ سید آزدہ
 اس عالم فانی سے تشریف لگئے۔ صحابہ انصار کے مقررہ کا حال معلوم کر کے آنحضرتؐ اس قدر رنجیدہ ہوئے
 کہ آپ شہرت مرض کی حالت میں بحالت غضب مجلس سے باہر چلے آئے اور منبر پر تشریف لجا کر ایک خطبہ
 پر غضب اس قدر کی نسبت ارشاد فرمایا۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنج شدید حضرت رسولؐ کا
 مادم آخر ذائل نہ ہوا اور حکم روا نگئی حبش اسامہ کا برقرار رہ گیا منسوخ نہ ہوا۔ ان دونوں امروں کے خلاف
 میں کوئی محققانہ قول کہیں نظر نہیں آتا جو جس سے ہو یا ہو سکے کہ رنج سید آنحضرتؐ کا دور ہو یا روا نگئی
 حبش اسامہ کی تسبیح ظہور میں آئی اب راقم اباب علم سے پوچھتا ہوں کہ متمردين بالا کی نسبت جن سے حضرت
 رسولؐ دنیا سے سخت ناراض گئے کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ واضح ہو کہ لعن یعنی ملعون کے بتانے میں جو
 مضطربانہ کوشش جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے تحفہ میں کی ہر حیرت سے خالی نہیں نظر آتی ہے آپ کا
 معنی بتانا ویسا ہی ہے جیسا کہ غضب کے معنی بتانا جناب مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم کا ہے۔ یا خدا
 دنیا سے کیا ایمان دھرم انصاف نصحت ہو گیا ہے جو علمائے ایمانی بے دھرمی نا انصافی کی باتیں بے محابہ
 طور پر کرتے ہیں حضرت رسولؐ نے تو شدت کیا تھا اپنے مخالفان حبش اسامہ کو ملعون ارشاد فرمایا تھا۔ اسکے
 معنی اسکے اور دوسرے کیا ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر نیوالے ارشاد حضرت رسولؐ کے مطابق
 خدا کی رحمت سے دور مردود اور اس حیثیت سے ہمیں سمجھے جا دیں۔ حق یہ ہے کہ جب تک آدمی سنی بن نہ لے ایسے

حضرات علما کی باتوں کو قابل پذیرائی نہیں مان سکتا ہے۔

واقعه شامیہ

اب القم آخری قصہ مسلمانوں کے قمر کا حوالہ قلم کرتا ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب جناب پیغمبر خدا کا وقت اختصار ہوا تو دولت کہہ حضرت رسولؐ میں حضرت عمرؓ اور دیگر اصحاب مجتمع تھے۔ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا کہ اؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو حضرت عمرؓ بولے کہ پیغمبر صاحب غلبہ مرض کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے راقم کہتا ہے کہ کیا خوب۔ رسول اللہؐ تو فرمادیں کہ میں تمہارے لئے کچھ ایسا لکھ دینا چاہتا ہوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو اور حضرت عمرؓ فرمادیں کہ پیغمبر صاحب غلبہ مرض کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں اسکا یقین ہو گیا کہ حضرت رسولؐ تحریراً بھی حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں جیسا کہ تقریباً ختم غدیرین حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا چکے ہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے یہ حضرت عمرؓ کا بولٹیکل جملہ تھا، مین معلوم کہ ثبات عقل و حواس کیساتھ جو بحیثیت رسولؐ ان صلعم ہدایت فرمائی کی نظر سے کچھ حوالہ قلم کرنا چاہتے تھے تو یہ امر غلبہ مرض پر کیونکر محمول کیا جاسکا۔ اس میں غلبہ مرض کی تو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی ہے حتیٰ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ اپنا فرض ادا کرنا چاہتے تھے جیسا کہ اپنا فرض ادا کیا کرتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے نہیں چاہا کہ حضرت رسولؐ کچھ لکھ جائیں ایسے غلبہ مرض و رکفایت قرآنی کے مضامین زبان پر لائے بہر حال اس بات پر حضار جلسہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ کے حکم کی تعمیل کرنا ضروری ہوتا کہ آنحضرتؐ جو کچھ چاہیں ہمارے لئے تحریر فرمادیں اور بعض حضرت عمرؓ کے ہر زبان تھے جیسا کہ اس بات پر بہت شور و اختلاف ہونے لگا تو آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی وہ چیز جو لوگوں کے شور و اختلاف کی وجہ سے رسول اللہؐ کے ارادہ کتابت میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کچھ نہیں لکھ سکے (دیکھو صحیح مسلم) صحیح بخاری میں بھی حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت دیکھی جاتی ہے۔ فرق سقیم ہے کہ بخاری کی روایت کی رو سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاضرین نے قول رسول اللہؐ کی طرف ہدیان کی نسبت کی پسند منسل اور صحیح مسلم میں بھی بروایت سعید بن جبیر حاضرین نے فرمودہ رسول اللہؐ کو محمول پر ہدیان کیا شہاب الدین خضاجی کتاب نسیم الریاض شہر شغائی قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ حدیث بالا کے بعض طرق میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبر صاحب ہدیان کہتے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ نے ہدیان کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو کوئی جملہ لے تعجب نہیں ہر اس لئے کہ وراثت خوئی اور وراثت گوئی آپ کی شان تھی آپ کی اس شان کا ثبوت خود اس قصہ قرطاس کے لکھا جیسا

حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے بحالت مرض ارشاد کیا کہ کاغذ و قلم و دوات وغیرہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں ایک ایسا کتبہ لکھ دوں جسکی وجہ سے ملک میرے بعد کسی گمراہ نہ ہو مگر کسی نے اسکی تعمیل نہیں کی۔ اسپر مخدرات عصمت نے پرف کے اندر سے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کیا ملکوں رسول اللہ کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ اس پر ہم نے یعنی حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تمھاری مثال صوا جبات یوسف کی ہو کہ پیغمبر صاحب کی بیماری میں کوئی ہو اور بوقت صحت اُن کی گردن پر سوار ہوتی ہو۔ یہ سنکر حضرت صلعم نے فرمایا کہ ان عورتوں سے متعرض نہ ہو یہ تم سے پھر بھی غنیمت اور بہترین اس وایت کو طبرانی نے درج کیا ہے جیسا کہ نواب شیخ احمد حسین صاحب اپنی تاریخ احمدی کے صفحہ ۹۶ میں حوالہ قلم فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کی درشت گوئی بلکہ درشت خوئی کی بھی ایک اچھی مثال ہے ظاہر ہے کہ کوئی مہذب آدمی رسول اللہ کے حضور میں بلا ضرورت ایسی ناشائستہ تقریر نہیں کر سکتا تھا خاصکر عورتوں کے مقابلہ میں اور عورتیں بھی وہ جو رسول اللہ کی بیبیاں ہوں۔ قصہ بالاس یہ بھی پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ قصد تحریر کے وقت پورے طور پر جو اس میں تھے حسب قول حضرت عمرؓ غلبہ مرض کی وجہ سے ہرگز بدحواس نہیں ہو رہے تھے علاوہ اس کے یہ بھی ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ حضرت عمرؓ کی طرف سے دل میں کبیدگی رکھتے تھے ورنہ ایسا جملہ کہ اُن عورتوں سے متعرض نہ ہو یہ تم پھر بھی غنیمت اور بہترین“ ہرگز زبان مبارک پر نہ لاتے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت کبیدگی خاطر کی وجہ سے ایسا قول فرمائیے۔

ہیان پر اس امر سے بحث نہیں ہو کہ رسول اللہ کیا تحریر فرمایا جانتے تھے کسی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے یا کیا۔ اگر کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے بھی تھے تو اس کا یقین ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا مہاجرین جیش اسامہ سے کسی کو خلیفہ نہ بناتے عقل باور نہیں کرتی ہے کہ جب مہاجرین پر آپؐ زور دیا کہ تم لعنت فرما چکے تھے تو پھر مہاجرین سے خلیفہ کا انتخاب کیونکر فرماتے۔ لاریب اگر تحریری طور سے کسی کو خلیفہ بناتے تو ایسے کو بناتے جس نے اپنا ملعون ہونا گوارا نہیں کیا تھا۔ بہر حال اس جگہ انتخاب خلیفہ زیر بحث نہیں ہے اور نہ امتحان سے کوئی گفتگو کی جاتی ہے۔ ہیان اس سے بحث ہو کہ رسول اللہ کے آخر وقت میں بھی حضرت مہاجرین سے نافرمانی کا فعل زشت صادر ہوا۔ راقم اس کتاب میں اس وقت تک حضرات مہاجرین کے چند مواقع اختلاف کو حوالہ قلم کر چکا ہوں اختلافات سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اکثر مہاجرین رسول اللہ سے ارتباط قلبی نہیں رکھتے تھے۔ ارتباط قلبی کا نہیں کھانا اس امر پر دال ہے کہ ایسے مہاجرین رسول اللہ کی رسالت کے دل و قائل نہ تھے اور نہ آپؐ کی ریاست دینی کو ریاست دینی جانتے تھے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ کوئی مہاجر باصحابی رسول اللہ کو رسول اللہ جانتا اور آپؐ کی ریاست کو ریاست دینی مانتا اور پھر آنحضرت صلعم سے کسی وضع کی انحراف زمی کا

عامل ہو سکتا ہے بغزوات سے بار بار کا فرار صلح حدیبیہ سے غایت درجہ کی ناپسندیدگی حبشہ کے سامنے سے متخلف اسباب کتابت کی فراہمی سے اٹھا دیا گیا ایسے زشت افعال کے عامل رسول اللہ یا دین خدا کے دوست سمجھے جاسکتے ہیں۔ صاف ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مہاجرین مکہ سے دنیاوی اغراض کی وجہ سے مدینہ کو چلے آئے تھے۔ اگر دینی اغراض یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تادم وطن ہوئے تھے تو حضرت رسول سے قوی و فعلی اختلافات کے مرتکب نہ ہو کرتے اس طرح کی سرتابیان جو ان مہاجرین سے ظہور میں آتی رہیں پورے طور پر اس امر سے خبر دیتی ہیں کہ وہ مہاجرین نہ دین خدا کو دین خدا اور نہ رسول اللہ کو رسول اللہ سمجھتے تھے۔ اس قسم کے مہاجرین کے معاملات پر نظر ڈالنے سے ہویدا ہوتا ہے کہ ایسے مہاجرین نے دینی اغراض سے ترک وطن نہیں کیا تھا اور نہ ان کے دل میں جس برابر رسول اللہ کی محبت جاگزیں تھی۔ ظاہر ہے کہ جبے رسول اللہ کے ساتھ ایسے طالبان دنیا کا یہ طور تھا تو ان کے اہل بیت کیساتھ ایسے بزرگوار کیا دلی تعلق رکھ سکتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ مہاجرین انصار سے کوئی متمرد یا مخالف رسول اللہ کا خلیفہ جتنے رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر ایسا انھیں باب مانہ سے خلیفہ ہو گیا تو عقلاً خلیفہ رسول اللہ بن جانے کا استحقاق رکھتا ہو یا نہیں۔ راہم کی دانستہ میں خلیفہ رسول اللہ ہونا تو ایک بہت بڑی بات ہے ایسے شخص کو مسلمان کہنا بھی جادہ رہتی ہے انحراف کرنا ہی۔

جب رسول اللہ نے رحلت فرمائی تو اہل بیت نبوی آنحضرت کی تجنیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور اکابر مہاجرین وغیرہ اس کا رخصتے شریک ہونے کے عوض سفید زنی ساعدہ کی طرف معاملہ خلافت طے کرنے کی نظر سے دوڑ گئے۔ وہاں کچھ گفت و شنید کے بعد حضرت عمر کی مدد سے حضرت ابوبکر خلیفہ رسول اللہ قرار پا گئے۔ لایب غیر متعصب کی آنکھ میں حضرت ابوبکر خلیفہ رسول اللہ نہیں کہے جاسکتے ہیں۔ مہاجرین و انصاریوں نے جب ابوبکر اپنا بادشاہ بنا لیا تو آپ بادشاہ اسی گروہ کے کہ جانے کا حق رکھتے ہیں جس نے ابوبکر اپنا بادشاہ بنا لیا۔ رسول اللہ کی ریاست نبوی یعنی آنحضرت کی خلافت کیلئے دینی حیثیت کا آدمی درکار تھا حضرت ابوبکر بھی جب یکے اور مردان حبشہ کے سامنے سے تھے تو اس داغ کے ساتھ رسول اللہ کے خلیفہ نہیں بنے جاسکتے ہیں آپ صاف صاف طور پر خلیفہ رسول اللہ ہو سکا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ مختلف حبشہ کے علاوہ آپ عمر بھر کوئی ایسی کارروائی بھی ظہور میں نہیں آئی جو ان صلح کی دینی ریاست کی تعزیت کا باعث ہوتی۔ ہر غزوہ میں آپ کو حضرت عمر کی طرح فرار سے سروکار ہوا اور حضرت عمر کی طرح گمان غالب ملے اور ان حضرت رسول سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق بھی رکھتے تھے۔ اگر یہ نقص نظر انداز کر دئے بھی جائیں تو مختلف حبشہ کے سامنے امر ایسا ہے کہ اس کا دلغ کسی طرح پر نہیں ٹپ سکتا ہے۔ بہر حال اس سے بہت بعید ہے کہ کوئی شخص نہایت کردہ حضرت رسول کا ہوا دھچک حضرت رسول کا جانشین بھی مانا جائے۔

مشتباہ خلافت یہ کہتے ہیں کہ جب فرمودہ حضرت رسول عرصہ خلافت رہندہ تیس سال کا ہو یہ ایک محض

انہو قول پر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہو نہیں سکتا۔ اس لیے کہ راقم نے مصلح الظلم میں اسکا پورا رد حوالہ قلم کیا ہے اُس سے خلافت کا عرصہ تیس سال کا ثابت نہیں ہوتا ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسول کوئی نو قول زبان پر نہیں لاسکتے تھے۔ اس قول کے واضح کو معلوم ہوتا ہو کہ علم حساب میں کچھ دخل نہ تھا۔ اس لیے عرصہ خلافت کو تیس سال بے گنے گوئے قرار دے دیا۔ خیر حضرت ابو بکر خود سارے خلیفہ بن گئے ہوں یا بادشاہ مسلمانان وقت قرار دیئے گئے ہوں اسوقت یہ امر خارج از بحث ہو اسی طرح آپ کے خلیفہ قرار دیئے جانے پر جو کچھ بیہیمان خلیفہ سارے حضرت عمر کے ہاتھ سے ابن بیت بنوی پڑھیں ان کے شمار کی بھی ضرورت بیان نہیں ہے۔ راقم معاملہ ذک فقہہ احرار خانہ فاطمہ علیہا السلام کی نسبت بھی کچھ نہیں عرض کرنا چاہتا ہو جن صاحب کو ان معاملات کی حقیقت سے آگاہ ہونے کی خواہش ہو راقم کی مصلح الظلم و جناب مولانا شیخ احمد حسین صاحب مرحوم کی کتاب انوار الہدیٰ و جناب نواب شیخ احمد حسین صاحب کی تاریخ احمدی وغیرہ کا مطالعہ فرمادین۔ راقم اب ان معاملات کو حوالہ قلم کرنا چاہتا ہو جنکی ناواقفیت سے امام حسن علیہ السلام اور امیر معاویہ کے معاملہ صلح کی حقیقت سے طالب واقفیت کو اطلاع نہیں ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ اُس غیر روحانی امارت یا سلطنت سے جسکا نام خلافت رکھا گیا ہو کیا کیا گل کھلتے گئے ہیں قابل لحاظ ہیں۔ مذہبی انقلابات کیا کیا پیدا ہوتے گئے انہیں سببیل اختصار راقم موقع موقع درج نہ کر سکا۔ مگر پوچھ لیں انقلابات جن کی تاثیر مذہبی امور میں بھی بے انتہا طور پر دخل پاتی گئی سردست حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔ ابن واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہو کہ جب حضرت ابو بکر پر ام خلافت یا امارت طے پا گیا، تب قوم بنی امیہ کے سردار ابوسفیان صاحب اس معاملہ عجیب سے منتفع ہونے کی خاطر سے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمانے لگے کہ اے علی آپ خاموش رہ گئے اور خلافت کا معاملہ اپنے طور پر طے پا گیا۔ آپ ہاتھ نکالے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور سارے معاملہ خلافت کو گاؤ خور دکر دیتے ہیں حضرت علی نے ابوسفیان صاحب کی بیعت اور اعانت سے انکار کیا۔ انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ جناب رسول خدا کی پالیسی کے خلاف کار بند نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ حضرت رسول کی طرح بنی امیہ کو ایک بدتر کبیلہ قبیلہ جانتے تھے اور آپ سمجھتے ہوئے تھے کہ بنی امیہ کو کوئی حق اسلامی وسیلہ سے نفع اندوزی کا نہیں ہو۔ بنی امیہ کو دس برس کی عمرت میں رسول خدا اسفند کمر دکر چکے تھے کہ اب ان میں شیطن کی قوت باقی نہیں رہی تھی۔ بنی امیہ سے رسول خدا کو نفرت تامہ تھی اور بجا نفرت تامہ تھی۔ نفرت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ پر لعنت کی تھی۔ شجرہ ملعونہ جو قرآن شریف میں مذکور ہو بالفاق منسٹرین اُس سے مراد قبیلہ بنی امیہ ہے (دیکھو تفسیر یضادی و تفسیر نیشاپوری و تفسیر کبیر رازی) بہر حال جب ابوسفیان صاحب کا کام حضرت علی

سے نہ نکلا تو آپ حضرت شیخین کے پاس گئے اور انہیں بہت کچھ دہمکایا حضرت شیخین کو رسول اللہ کی پالیسی کے ملحوظ رکھنے کی حاجت ہی کیا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت شیخین کیا حضرت رسول کی تبعیت کرتے تھے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد آنحضرت کی پالیسی کا پاس کرتے۔ اپنی خلافت قائم کر دہ کو تباہی سے محفوظ رکھنے کی نظر سے ابوسفیان صاحب کی خاطر داری اپنے اوپر ضروری سمجھی۔ ابوسفیان بلا سے اپنی خلافت کو بچانے کے لئے حضرت شیخین نے ابوسفیان صاحب کو حاکم شام مقرر کر دیا۔ علیؑ اور فاطمہؑ کی دل داری کے بعد حضرت شیخین سے یہ بڑی غلطی ظہور میں آئی کہ آپ صاحبوں نے حضرت رسولؐ کی پالیسی کے خلاف نبی امیہ کی حیرت انگیز فروت کا ختم اپنے اس ناعاقبت اندیشہ فعل سے بوڈالا۔ پولیٹیکل پہلو سے یہ کارروائی قوم عرب کو نفع انگیز نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اسباب ہی ہوا اول تو اہل سقیفہ سے خود بہ مجاہدی غلطی ظہور میں آئی کہ بنی ہاشم کو عرب کی شہری سے دور کر ڈالا۔ اس پر سے یہ طرہ لگا دیا کہ بنی امیہ کو یک بیک ایسی فروت کو پہنچا دیا کہ جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے اور جس سے طرح طرح کے نقصانات کے سامان اسلام اور سلطنت عرب کیلئے فراہم ہو گئے۔

راقم عرض کرنا ہو کہ حضرت ناظرین راقم کی کتاب مصباح النظم کو صفحہ ۶۱ سے ۷۳ تک ضرور ملاحظہ فرما دیں اس ملاحظہ فرمائی سے راقم کی تحریر بالا کا مطلب واضح طور پر ذہن نشین ہو جائیگا۔ بیان پر صرف یہ قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ حضرت شیخین کی کارروائی بالا حضرت رسولؐ کی پالیسی کے تمام خلاف واقع ہوئی اور خلف جیش سامہ سے بھی زیادہ مقدوح صحت کہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ خلف جیش سامہ سے اسلام اور سلطنت اسلام کو وہ مضرتیں لاحق نہیں ہو سکتی تھیں جو رسول اللہ کی پالیسی بالا کے خلف سے اسلام اور سلطنت اسلام کو لاحق ہوئی گیئیں اور اس وقت تک لاحق ہو رہی ہیں اس خلف سے بھی پورے طور پر ثابت ہوتا ہو کہ حضرت شیخین کو رسول اللہ کے ساتھ قلبی موفقت اور موہبت حاصل نہ تھی اگر مہوتی تو عند رسول اللہ میں شیخین جیش سامہ سے خلف نہ کرتے اور آپ کے بعد بھی حضرت رسولؐ کی بنی امیہ والی پالیسی سے راہ اختلاف نہیں اختیار کرتے۔ اس کے برعکس معاملہ حضرت علیؑ کا نظر آتا ہو کہ عند رسول اللہ میں بھی آپ نے حضرت رسولؐ سے موہبت و موفقت میں کمی نہیں کی اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد بھی اسی موہبت و موفقت پر ہتوار رہے۔ اگر حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ کے ساتھ خلوص نہ ہوتا تو آپ کی رحلت کے بعد بنی امیہ کا ساتھ دیکر آسانی کے ساتھ حضرت شیخین کی خلافت یا امارت کو دم کے دم میں ہوا کر ڈالتے لیکن آپ حضرت رسولؐ کی اسلامی ریاست کو روحانی ریاست سمجھتے تھے۔ آپ آنحضرتؐ سے خس برابر بھی خلوص کے تقاضا کے بنا پر کسی حالت میں سخرت نہیں ہو سکتے تھے بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا کجا۔

اپنی خلافت قائم کر دہ کو آفت ابوسفیان سے محفوظ رکھنے کی نظر سے جب حضرت شیخین ابوسفیان سے

کو حاکم شام مقرر کر دیا تو عند پیری کی بنیاد پر آپ شام جانے کے بل کے صاحبزادے یزید بن ابی سفیان
 آپ کے بدلے اس عہدے پر سرفراز ہو کر شام روانہ کئے گئے حکومت شام پر یہ صاحبزادے صاحب چار برس
 جلوسہ افروزہ کر رہی ملک بٹھا ہو گئے اور آپ کی جگہ پر آپ کے چھوٹے بھائی مقرر کئے گئے۔ یزید بن ابی سفیان
 کوئی قابل آدمی نہ تھے۔ آپ کے عہد حکومت میں امیر معاویہ صاحب جو چھوٹے بیٹے ابوسفیان صاحب کے تھے حکومت
 شام کے کام انجام دیا کرتے تھے اور بلاشبہ ایک نہایت ہوشمند بزرگ تھے۔ عہد حضرت عمرؓ میں حاکم شام
 ہونے پر زوروں کیساتھ ملک شام پر حکومت کرنے لگے۔ آپ کے عہد حکومت میں زمانہ حضرت عمرؓ کے اندر ہی
 بنی امیہ پر پورے نکال کر سرسوتے ایک قوی قبیلہ ہو گئے۔ مگر سے جوق جوق بنی امیہ شام چلے گئے اور
 ان میں حکومت اور خوشحالی پورے طور پر آگئی۔ عہد حضرت عمرؓ میں جب عذریہ بنی امیہ کمزوری سے زور آور
 ہو گئے ہی قدر بنی ہاشم زور آوری سے کمزور ہو گئے حکومت سے بنی ہاشم کو کوئی علاقہ نہیں رہا خلافت
 کے عہد بے جلیلہ تو درکنار ایک چراسی کے عہدے پر بھی بنی ہاشم کا کوئی شخص سرفراز نہیں دیکھا جاتا تھا حضرت
 عمرؓ کی خلافت کا زمانہ دس برس کا ہوا ہو گا کہ اتنے ہی عرصہ میں بنی امیہ وہ بنی امیہ نہیں رہے کہ حکم بول سکیں
 نے دس برس کی محنت شاقہ کے بعد زبردست برسر کے اس عالم سے سفر آخرت اختیار فرمایا تھا وائے بڑے
 کہ حضرت یحییٰ کی فحاشی نے حضرت رسولؐ کی ساری محنت کو برباد کر ڈالا جب حضرت عمرؓ کا
 آخر ہوا تو اپنے اپنی حیرت خیز کارروائی سے حضرت علیؓ کو کامیابی کے ساتھ خلافت سے دور رکھا یعنی
 حضرت علیؓ کو اپنا جانشین ہونے ندیا۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بنا دئے گئے آپ قوم بنی امیہ سے
 تھے اب قوم بنی امیہ کا کیا کتنا تھا جس طرف دیکھو بنی امیہ ہی کے افراد صاحب حکومت نظر پڑتے ہیں خلیفہ
 ہو کر حضرت عثمانؓ نے عہدائے حکومت کو اپنے عزیزان و احباب سے بھر دیا۔ حتیٰ کہ نصی مردودان جند
 و رسول کو بھی رشتہ داری کی بنا پر اپنے پاس بلا لیا کہ عہدائے حکومت پر مامور ہو دیا حضرت عثمانؓ کے وقت میں
 قبیلہ بنی امیہ پورے طور پر دو تہ مذی اور حکومت کے اعلیٰ ترین زینہ پر چڑھ چکا تھا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ
 کے بعد خلیفہ ہوا مگر قرآن پر ہے حضرت علیؓ قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ اگر اسی ہر صورت سے کمزور ہو چکا
 تھا بنی امیہ حضرت کی حکومت کو کب خاطر میں لاسکتے تھے۔ بنی امیہ تو بنی امیہ اور قبائل کے اشخاص بھی جو
 حضرات خلفائے ثلاثہ کی روشیں سیکھ چکے تھے حضرت علیؓ کی نافرمانی پر آمادہ ہو گئے مختصر یہ ہو کہ حضرت
 علیؓ کی قریب قریب چار برس کی خلافت طرح طرح کے فسادات میں کٹی اور آخر حضرت علیؓ کو حضرت رسولؐ
 کی خلافت ظاہری سے دست بردار ہونا پڑا۔ جب آپ کی شہادت کا واقعہ ظہور میں آیا اس وقت آپ کا
 تسلط ارضی باقی نہیں رہا تھا۔ امیر معاویہ حضرت کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ سے مقابلہ کیلئے تیار ہوئے

امام عالی مقام کا ساتھ مسلمانوں نے نہ دیا اور آپ باپ کی خلافت ظاہری سے دست بردار ہو کر کوثر سے مدینہ میں جا بیٹھے۔ موضوع اس کتاب کا وہی مصلحنامہ ہے جو درمیان امام حسن علیہ السلام اور امیر معاویہ کے تحریر پایا تھا۔ اس مصالحوہ کے بعد امیر معاویہ اس وقت کی ساری اسلامی دنیا کے بادشاہ اور اہانت کے خلیفہ برحق قرار پا گئے۔ امیر معاویہ صاحب حضرت علی کی شہادت کے بعد رسول بریں ایک حضرات خلفائے ثلاثہ کی طرح خلیفہ ہے۔ اس کے بعد امیر معاویہ صاحب کے بیٹے یزید صاحب رونق آرائے مسند خلافت ہوئے۔ آپ کے وقت میں ہی ہولناک واقعہ طور میں آیا جس کا نام واقعہ کربلا ہے۔ اس کے بعد بہت مختلف غلامان بنی امیہ کے خلفا ہوتے گئے جنکی طرف دینی سرداری کی نسبت کرنا دین کا خون کرنا ہے۔ پھر بنی امیہ سے خلافت منتقل ہو کر بنی عباس میں چلی گئی۔ انہیں بھی عجب عجب طرح کے خلفا پیدا ہوئے گئے۔ آخر کار بنی عباس کی خلافت کا خاتمہ تمار یون نے کر ڈالا۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ رسول اللہ کی ہجرت اختیار کرنے کے ساتھ کچھ افراد ممتاز و غیر ممتاز اہل مکہ سے مدینہ چلے آئے۔ یہ تارکان وطن مہاجرین کہلاتے ہیں۔ ظاہراً ہجرت کا اسی کا مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ان تارکان وطن کو رسول اللہ کے ساتھ ارتباط قلبی کی صورت حاصل رہتی مگر جب آنحضرت صلعم کے دس برس کے واقعات نہ پر لحاظ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر ایسے تارکان وطن نہ حضرت رسول سے قلبی ارتباط رکھتے تھے اور نہ دین خدا کی دلی اعانت کا انکو خیال تھا۔ کسی کے دل میں کیا بات مرکوز ہوتی ہے کوئی انہیں جان سکتا۔ الا اسکے اقوال و افعال سے اسکے دل کی حالت پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔ جب محققانہ نظر آنحضرت صلعم کے مہاجرین پر انکے اقوال و افعال کو ملحوظ رکھ کر ڈالی جاتی ہے تو صاف طور پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیشتر وہ مہاجرین نہ رسول اللہ سے ارتباط قلبی رکھتے تھے اور نہ دین خدا کی نصرت انکو مرکوز خاطر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے تارکان وطن نے اسی خیال سے بیوطنی اختیار کی تھی کہ اس نقل مکان سے انھیں کوئی نہ کوئی یہودی کی صورت پیدا ہو جائیگی یعنی رسول اللہ صلعم ایک ہونہار آدمی دکھائی دیتے ہیں آنحضرت کے حصول ثروت کے ساتھ انکو بھی علی قدر مراتب ثروت کی شکل حاصل ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھیں علی اہل تحقیق بجا ثبوت اس بات کا کہ ایسے تارکان وطن کو نہ رسول اللہ کے ساتھ ارتباط قلبی حاصل تھا اور نہ انھیں دین خدا کی نصرت مرکوز خاطر تھی یہ ہر کہ غزوات رسول سے یہ لوگ دل چراتے تھے۔ دل ہی نہیں چراتے تھے بلکہ میدان جنگ سے بار بار مفرد بھی ہو جاتے تھے۔ اگر ایسے افراد رسول اللہ سے ارتباط قلبی رکھتے تو رسول اللہ کو نہ فرما اعدائے میں چھوڑ کر بھاگ نہیں جایا کرتے اور نہ نصرت دین خدا میں اپنی بیٹھ دکھلاتے۔ کیا ایسے مہاجرین مسلمان کہے جائیگا اتھاق رکھتے ہیں جنکے نہ دین رسول کی محبت جاگزیں تھی اور نہ جنگجو اپنی جان سے دین خدا عزیز تھا ایسے مہاجرین نے اسی لئے رسول اللہ کو آخر وقت تک اپنی طرف سخت بخیرہ رکھا اور اس لئے کہ ان کا خاتمہ خلفتیش اسامہ پر ہوا یہ بھی کوئی مسلمان ہی تھی کہ آنحضرت صلعم

مسلمانوں کو شرکت لشکر اسامہ کے لئے فرماتے ہی رہے اور اسامہ ارشاد نبوی کی تعمیل کی نظر سے لشکر لیکر مدینہ سے باہر بھی ہو چکے مگر حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان اور آپ ہی حضرات کی ترکیب کے اور ماجرین بنہ میں گھسے بیٹھے رہ گئے۔ تخلف حبش اسامہ سے جیسا رنج آنحضرت صلعم کو لاحق ہوا اسکا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حبش اسامہ سے تخلف کرنے والوں پر حضرت رسول نے یہ فرمایا کہ جو شخص حبش اسامہ سے تخلف کر گیا وہ خدا کے نزدیک ملعون ہو گا۔ لعنت کا لفظ ایک سخت لفظ ہے اس پر شیعہ ادرسنی میں تلوار چل جاتی ہے۔ اب اہل نصاب فرمادین کہ ایسے متمردين نبوی کو کیا سمجھنا چاہئے۔ کیا ایسے متمردين حبشہ ایسی سخت بیزاری کے ساتھ حضرت رسولؐ میں دنیا سے تشریف لے گئے کسی طرح رسولؐ کی خلافت کے مستحق سمجھے جاسکتے ہیں۔ مجرد ایک اس متمرّد کی بنا پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان خلیفہ رسولؐ نے کاشحق نہیں کہتے ہیں یوں یہ بزرگوار سلطان المسلمین حاکم المسلمین یا جس لقب سے یاد کئے جائیں اس میں اہل نصاب کو گفتگو نہیں ہو سکتی مگر کسی حال میں خلیفہ رسولؐ نہیں کہے جاسکتے ہیں اسلئے کہ خلیفہ رسولؐ نے مدینہ پہلو کے علاوہ روحانی پہلو کا حامل ہونا ایک ضروری لازمی امر ہے خلیفہ رسولؐ کو ایسا شخص کہا جاسکتا ہے جو مصداق نفسك نفسي لمحکم لمحی مدینہ دمی و روحك روحی کا تھا اور جس کی شان میں حضرت رسولؐ نے من کنت مولاه فرا یا اور جس کی محبت جمیع مسلمین و مسلمات پر فرض کر دی اور جس کی دشمنی خدا کی دشمنی قرار دی اور وہ خود ایسا تھا کہ کسی غزوہ سے رسولؐ اللہ کو نرفہ اعدا میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی نظر سے کبھی سہاگ نہ نکلا اور جس نے حکم رسولؐ سے کبھی نافرمانی نہیں کی اور جس پر متمرّد کی بنا پر خدا و رسولؐ کی طرف سے لعنت کا داغ نہ لگا۔ البتہ ایسے خلیفہ میں رسولؐ کی روحانیت کا پورا رنگ کماؤں دیتا ہے ورنہ یوں تو حضرت معاویہ بھی جن میں اور جبکہ معاویہ ان سہرستان میں خس برابر بھی روحانیت کا جلوہ دکھائی نہیں دیتا ہے خلیفہ ختم کہے جاتے ہیں۔

چونکہ اکثر ماجرین کو رسولؐ اللہ سے موانست قلبی حاصل نہ سکتی اور بھی دین خدا کی دلی نفرت کا خیال انکو مزید خاطر نہ تھا ایسے تارکان جن کے قول و فعل سے آخر انکی قلبی حالتیں افشا ہو جاتی تھیں۔ عہد رسولؐ اللہ میں ایسے ماجرین سے غزوات وغیرہ میں احکام نبوی سے نافرمانیاں ظہور میں آ جاتی تھیں۔ مگر انکی نافرمانی کا خاتمہ حبش اسامہ کا معاملہ دکھلاتا ہے اس قصہ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت رسولؐ دو برس اور بھی زندہ رہتے تو کھلی کھلی مخالفت حضرت شیخین اور انکے تخیال ماجرین جاری کر دیتے اور آنحضرت کے بعد جو بلا قسم کی مخالفتیں ماجرین وغیرہ نے حضرت علی اور دیگر اہلبیت نبویؑ کے جائز رکھیں خود آنحضرت کے ساتھ گزرتے۔ ظاہر ہے کہ حبش انداز ایسے ماجرین کا رسولؐ اللہ کے ساتھ تھا تو آپؐ کے بعد کیا امید ہو سکتی تھی کہ انکا معاملہ حضرت اہلبیت کیساتھ منقذانہ ہو گا۔ آنحضرت صلعم کی رحلت کے بعد ایسے ماجرین سے

وہی کارروائیاں نمودہ میں آئیں جو خلاف توقع و تحقیق اور جنگی نسبت حضرت رسول مبین کوئی فراچکے تھے اہل
 واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول مقبول حضرت ابوبکر سے فراچکے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ تم لوگ میرے
 بعد کیا احداث کرو گے (دیکھو موٹے مالک) چنانچہ عجب عجب احداثات پولیکال در نہ ہی مخاطبین اور ان مخاطبین
 کے پیردان سے ظہور میں آتے گئے۔ رسول برحق کا فرمانا انہیں ہو سکتا۔ حضرت رسول تو سب کچھ جانتے تھے مگر
 اس سے زیادہ فرمانا قرین رضائے خداوندی نہ تھا۔ بہر حال سب اقبج کارروائی حضرت شیعین نے یہ کی کہ اللہ
 کی مرضی کے برخلاف بنی امیہ کی تجدید ثروت کی بنا ڈال دی۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیعین سے یہ بری پولیکال
 اور بھی مذہبی غلطی ظہور میں آئی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ملک عرب میں بنی ہاشم اور بنی امیہ دو
 ایسے بہاری قبیلہ تھے جو آپس میں ایک عرصہ دراز سے لڑتے جھگڑتے چلے آتے تھے یہ دونوں برابر کے قبیلہ
 تھے انہیں سے کوئی ایسا نہ تھا جو دوسرے کے ہاتھ سے معدوم ہو سکتا تھا۔ ان دونوں کی موجودگی سے
 سول دار (دولت مملکت) کا احتمال لگا رہتا تھا مگر رسول اللہ نے دس برس کی محنت شاقہ سے بنی امیہ کو
 ایسا زبردست برکہ ڈالا کہ انہیں مقابلہ در مقابلہ کی طاقت باقی نہیں رہی۔ مگر حضرت شیعین کی سرپرستی سے
 قبیلہ سرزد سے زور آور ہو گیا۔ اس زور آوری پر بھی اسے بنی ہاشم کو معدوم کر ڈالنے کی طاقت حاصل نہیں کی
 اگر یہ طاقت بنی امیہ کو حاصل ہو گئی ہوتی تو اہل عرب میں سول دار کا ظہور نہ ہوا ہوتا۔ حضرت شیعین کے لئے مناسب
 یہی تھا کہ حضرت رسول کی پالیسی سے انحراف نہ کرتے جس حالت ابتداء میں حضرت صلعم کی کارروائیوں سے
 بنی امیہ پر گئے تھے انکو اسی حالت میں جھجھوڑی رکھا قرین سلجوت تھا۔ لیکن حضرت شیعین کو اپنی خلافت کے
 بنی امیہ کی دست برد بچا حاضر در تھا اس لئے ابوسفیان سے دب کر حضرت شیعین نے وہ غلط پالیسی اختیار کی جس سے
 حمد ابوسفیان سے لیکر تا بقائے خلافت بنی امیہ بلکہ اس کے بعد بھی خلافت بنی عباس تک ملک عرب کے ہر حصے کے
 خورشہ میں ڈالے رکھا۔ حضرت شیعین کو چند وجوہوں کی بنا پر قبیلہ بنی امیہ کو قوی کر دینا لازم نہ تھا۔ انکو اسی
 دور ہی رکھنا ضرور تھا۔ وجہ اول یہ ہے کہ بنی ہاشم وہ قبیلہ تھا کہ جس میں رسول مقبول پیدا ہوئے تھے
 اور اس لئے نبوت اس قبیلہ میں اتری تھی۔ اس قبیلہ کے ذکار کو بڑھانا چاہئے تھا نہ کہ گھٹانا! انصاف یہی کہتا ہے
 دین یہی کہتا ہے اور شرافت یہی کہتی ہے حقیقت حال یہ ہے کہ اگر حضرت شیعین کو رسول اللہ قلی نبوت
 ہوتی تو ایسی غلط کارروائی آپ دونوں حضرات اختیار نہ کرتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ بنفس نفیس
 قبیلہ بنی امیہ سے ناراض تھے اور کیوں ناراض نہ رہتے اس قبیلہ نے حضرت رسول کو مدینہ میں بھیج دیا
 رہنے دینا نہ چاہا اور حق یہ ہے کہ اگر حضرت علی کا وجود باوجود مدینہ میں نہ ہوتا تو حضرت صلعم مدینہ میں رہنے پاتے
 اور نہ دین خدا کی اشاعت دنیا میں ہونے پاتی حضرت شیعین حضرت رسول کی کیا مدد کر سکتے تھے جنگل حدین

جب سلمانوں کو شکست ہو گئی اور حضرت شعیبؓ کو اس کا یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلمؐ جنگ میں شہید ہو گئے تو دونوں بزرگوار ابوسفیانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو و تقصیر کے طالب ہونے والے تھے۔ اس خبر و خشت لڑ کو نکر حضرت ابو بکرؓ نے تو علانیہ طور پر کہہ دیا تھا کہ حضرت محمدؐ شہید ہو گئے۔ اب بہتر ہے کہ تم لوگ اپنے آپ کو بانی کی طرف رجوع کر جاؤ، کچھ تو قرآن فرماتا ہے کہ اگر محمدؐ جائیں یا لڑائی میں شہید ہو جائیں تو کیا اسے مسلمانوں نے تم کو نفرت کی طرف بھرجاؤ گے۔ اس قصے سے ایک بڑے سردار مہاجرین کے اسلام اختیار کر چکی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

جب حضرت رسولؐ کو بنی امیہؓ کی نفرت لاحق تھی اور بجا نفرت لاحق تھی تو آنحضرتؐ کا اس قبیلہ پر لعنت فرمانا بھی بیوجہ نہ تھا۔ سوم وجہ یہ کہ رسولؐ نے دس برس کی بڑی جانفشانی سے بنی امیہ کو ایسا ضعیف کر دیا تھا کہ اب انہیں شیطنیت کی طاقت باقی نہیں رہی تھی! یہ مغضوب قبیلہ کو ثروتِ جدیدہ کی راہ پر لانا چھنی دار رہا۔ اگر حضرت شعیبؓ کو رسولؐ کا کچھ بھی خیال ہوتا تو ایسے فعل قبیح کے مرتکب ہوتے۔ مٹا معلوم ہوتا کہ حضرت شعیبؓ نے نبیؐ کو کرب خلافت کو رسولؐ سے زیادہ عزیز اور قابل لحاظ سمجھتے تھے۔ اگر ایسا نہ سمجھتے تو کیوں ایسا کرتے۔ جہاں وجہ یہ کہ بنی امیہؓ نے شیطنیت اسلامی کی طرف سے کسی جہ عزت کے مستحق نہ تھے۔ یہ وہی بنی امیہؓ ہیں جنہوں نے رسولؐ کو سید ستار یا تھا اور یہی اسلام کے ایسے دشمن تھے کہ صرف مکہ میں ہی اسلام کو رواج پکڑنے نہیں بلکہ بلکہ دنیا تک بھی اسلام کی تخریب میں سختی کے ساتھ کوشاں رہے۔ بدر و احد و خندق و حنین کی لڑائیاں ایسی تھیں کہ بنی امیہؓ اور دوستداران بنی امیہؓ پھر کسی طرح پر اسلام کی طرف سے حصول دولت و ثروت کی امید کر سکتے تھے۔ پنجم وجہ یہ کہ بنی امیہؓ سخت بداطوار تھے ایام جاہلیت میں اور نیز مشرف اسلام ہونے کے بعد بھی وہ بدقبیلہ ایسے ہی بدخواہ جناب رسولؐ خدا اور اسلام کے رہے اسکا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلمؐ کو حنین کی لڑائی پیش آئی تو اہل بیتؓ ابوسفیانؓ ظاہر مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لڑائی میں ابوسفیانؓ جناب رسولؐ کے ساتھ میدان جنگ میں بھی تھے مگر چونکہ فی الحقیقت یہ جنگ بھی درمیان جناب رسولؐ خدا اور بنی امیہؓ و دوستداران بنی امیہؓ تھی ابوسفیانؓ اور ان کے ساتھی لڑتے بھڑتے نہ تھے خالی کھڑے ہوئے لڑائی کے تماشے دیکھتے تھے جب مسلمان مجاہدین کے سر بنی امیہؓ کی تلواروں سے اوڑھتے تھے تو ابوسفیانؓ اور ان کے ہمراہی قہقہے لگاتے تھے۔ اگر جناب علیؓ مرتضیٰ اس جنگِ عظیم میں شریک نہ رہتے تو یقیناً جنابؓ سو نہی کو شکستِ عظیم ہو جاتی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی امیہؓ کس طوار کے آدمی تھے۔ مسلمان ہو جانے پر ان کا اپنی کافر قوم سے غرور حضرت رسولؐ میقابلہ نہ کرنا صاف کہے دیتا ہے کہ یہ کام منافق کا ہے اور منافق ایسا ہوتا ہے کہ جسکی مذمت قرآن پاک میں آئے عزوجل فرماتا ہے عزیز داری و ہم تو می کی بنا پر ابوسفیانؓ صفا کا راہ خدا میں لڑنا دیا ہی تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ جب میں اپنے ماموں ابو جہلؓ و عزیزان ابو جہلؓ کے تعلقات کی وجہ سے تمام تر لڑائی سے علیحدہ رہے

نفوذ باشد اگر جنگ بدر میں آنحضرت صلعم کو شکست ہو جاتی اور بنی امیہ قبیاب ہو جاتے تو رسول اللہ کا عدم
 کر دئے جاتے اور دین اسلام دنیا سے ایسا رخصت ہو جاتا کہ پھر اس کا کوئی نشان دنیا میں نہ ملتا خیر جنگ
 حنین میں اگر ابو سفیان صاحب اپنی قوم اور دوست داران سے نہیں لڑے مگر فرارین حنین کی نسبت جنہیں حضرت
 ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی تھے ایک نہایت طرفیانہ قول فرما گئے۔ وہ یہ ہے کہ جب ابو سفیان حنین
 لے فرارین حنین کو بدحواسی کے ساتھ بھاگتے دیکھا تو فرارین کی یہ حالت تھی کہ رسول اللہ انکو پکار پکار کر اعدا
 سے مقابلہ کے لئے حکم دیتے تھے اور وہ حضرت رسول کی ایک نہیں سنتے تھے اور بھاگتے ہی جاتے تھے تو ابو سفیان
 صاحب اُس وقت کہنے لگے کہ یہ لوگ جب تک ہمدرد کے کنارے نہ پہنچیں گے دم نہ لین گے۔ واضح رہے
 کہ بنی امیہ ایک زشت و قبیلہ تھا۔ ابو سفیان صاحب اگر سراسر اپنے کے قابل نہ تھے تو ان کے صاحبزادے
 معاویہ ابن ابو سفیان ابو سفیان صاحب سے چند در چند درجہ ناممواطوار کے بزرگ تھے۔ مگر حلیہ فریبہ و زون
 تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ان کے صاحبزادے یزید ابن معاویہ جو قاتل امام حسین علیہ السلام کہلاتے
 ہیں اگر مکر حلیہ اور فریب میں اپنے پدر بزرگوار کے برابر نہ تھے تو بھی نشہ خواری و دیگر کمزوریاں کے اعتبار سے
 اپنے سارے خاندان سے گوئے سبقت لگتے تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ میں گھوڑے بندھوائے۔ مرد مرد
 میں نکاح کرائے۔ بھائی بہن میں عقد بندھوائے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح مردان صاحب اپنی قوم کے ایک
 بچے نمونہ تھے۔ کمان تک اس خاندان کے حامد بیان کئے جائیں۔ سوائے معاویہ بن یزید کے سب کے
 سب ان خانہ تمام آفتاب است کے مصداق تھے ششم وجہ یہ ہے کہ جب قدر بنی امیہ بدکردار تھے اُسی قدر
 بنی ہاشم خوش اطوار تھے۔ بنی ہاشم کو بڑھانا تھا اور بنی امیہ کو دبا رکھنا۔ مگر جائے افسوس ہے کہ حضرت حنین
 اُس کے برعکس عامل ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہفتم وجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم ایسے کمزور نہیں تھے
 کہ بنی امیہ کی تقویت سے فوراً نیست و نابود ہو جاتے۔ بنی ہاشم کا ضعیف کردار نا ممکن تھا جیسا کہ حضرت
 شیخین کی عاقبت اندیشانہ کارروائی سے ظہور میں آیا مگر ان کا نیست و نابود کردار نا توقع میں نہیں کہ
 چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک عرصہ دراز تک بنی ہاشم بنی امیہ سے لڑتے جھگڑتے رہے مگر نیست و نابود نہیں کئے
 جاسکے۔ اگر بنی ہاشم کا نیست و نابود کیا جانا ممکن الوتوع ہوتا تو منزلہ بنی امیہ کی تقویت حضرت شیخین کی جانب سے
 پولیسکل پہلو کے مطابق بالکل غلط کارروائی ہوتی۔ ایسی صورت میں بار بار کئی سولہ وار کی نو برقیہ
 عرب کو نہ آتی اور بار بار کی خانہ جنگیوں کے باعث سلطنت عرب کو اس قدر جانی ملکی مالی اور قومی نقصانات
 نہ پہنچتے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین سے یہ ایک بڑی پولیسکل غلطی سرزد ہو گئی اور یہ صرف اس
 غرض سے کہ اپنی قائم کردہ خلافت کو ابو سفیان صاحب کی ضرر رسانی سے محفوظ رکھ سکیں۔

خشت اول چون مند معمار کج بتا نثریامی رود دیوار کج بتا اس غلط پولیٹکل کارروائی کی وجہ سے خود دین محمدی کو بھی بہت بہت ضرر لاحق ہوتے گئے جیسا کہ آئندہ واضح ہوتا جائے گا۔

حضرت یحییٰ بن زکریاؑ نے اول تو قبیلہ بنی امیہ کے سر نو سے ذی ثروت ہونے کی بنا دلی جس سے بنی امیہ ایک چشم زدن میں مالک شام ہو گئے۔ اس پر سے حضرت عمرؓ نے ایک ایسی کارروائی اختیار کی جس کے ذریعہ سے بنی امیہ حکومت شام کو کون پوچھتا ہے ساری اسلامی دنیا کے مالک اور حاکم ہو گئے۔ اس فروغ بخشی کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے جانشین ہوئے تو اپنے وقت آخرین بڑی پولیٹکل چالوں سے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنا ڈالا۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے۔ اب قبیلہ بنی امیہ کا کیا کہنا تھا۔ بنی امیہ تو حاکم شام تھے ہی اور گورنریوں پر بھی بنی امیہ ہی مقرر کر دئے گئے۔ طرح طرح کے مفسدین بنی امیہ حضرت خلیفہ عمرؓ یعنی حضرت عثمانؓ کے گرد آ جمع ہوئے خلیفہ ہونے پر حضرت عثمانؓ نے قوم بنی امیہ کے تمام مرد و دان و رگاہ ایزدی دنیوی کو اپنے پاس طلب کر لیا حتی کہ مروان و حکم بن العاص و عبد اللہ بن سعد بن ابی شریح تک کو اپنے پاس بلوایا۔ واقعی ماہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا کچھ ایسی ہر بوٹنگ کا ہے کہ اب کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی جو حضرت عثمانؓ کو تو کوئی صلاحیت خلافت رانی کی حاصل نہ تھی تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابی کے رہتے ہوئے کیوں ایسے ناقابل شخص کو اہل اسلام پر حاکم بنا دیا۔ اسکی وجہ اور کیا ہو سکتی تھی الا یہ کہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے اور جبکہ حضرت رسولؐ کو بنی امیہ سے نفرت تھی حضرت یحییٰ بنی امیہ کے دلدادہ تھے۔ اگر حضرت یحییٰ بنی امیہ کو سچا رسولؐ سمجھتے یا کم سے کم رسولؐ شد سے کسی قسم کی موافقت ہی رکھتے تو ایسے ملعون قبیلہ کی طرف رخ نہ کر سکتے۔ اس تو لا وہدایات کا ذکر ہی فضول ہے۔ بہر حال جب حضرت عمرؓ کی دستگیری سے بعد حضرت عثمانؓ بنی امیہ سلطنت اسلامی کا مالک ہو گیا تو ہر طرف بنی امیہ ہی بنی امیہ فعال مایہ نظر آتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد بھی بنی امیہ جس عروج پر چڑھ گئے تھے چڑھے رہے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کی طرف سلطنت اسلامی لانی لگی مگر بنی امیہ حضرت علیؓ سے برگشتہ رہے۔ بنی امیہ کے سردار امیر معاویہؓ حضرت علیؓ سے لڑتے جھگڑتے رہے اور کارستانیوں سے اپنے کو مالک سلطنت عرب بنا ڈالا۔ حضرت علیؓ کو تسلط ارض باقی نہیں رہا اور خلیفہ معزول کی طرح کو ذمہ میں رہنے لگے۔ بھڑے عرصہ کے بعد آپؑ کی شہادت ظہور آئی اور آپؑ کی جگہ پر آپؑ کے بڑے صاحبزادے امام حسنؑ علیہ السلام اہل ایمان کے دلی اور ہادی ہوئے امیر معاویہؓ نے امام حسنؑ سے جنگ کی تیاری کی۔ امام حسنؑ کا ساتھ مسلمانوں نے نہیں دیا اور کیونکر ساتھ

دیئے ابتداء سے خلافت حضرت ابوبکرؓ کے اہل اسلام بنی ہاشم کو روز بروز روز بہ منزل دیکھتے چلے آئے تھے امیر معاویہ کو چھوڑ کر مسلمانانِ وقت امام حسنؑ کا ساتھ کیونکر دے سکتے تھے ناچار امام حسنؑ کو امیر معاویہ کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔ شرط صلحنامہ کے رو سے امیر معاویہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی طرح مالکِ سلطنت عرب ہو گئے اور مخالفینِ اہلبیت نے انھیں امیر المومنین و خلیفہٴ ختم بھی مان لیا۔ واضح رہے کہ یہ وہی صلح ہے جس کا ذکر کتابِ ہذا کے اول اجزائین آچکا ہے۔ راقم کی مابعد کی تحریرات سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ امیر معاویہ سے امام حسنؑ کو کیونکر مصالحت کی نوبت ہو چکی۔ ظاہر امام حسنؑ کو امیر معاویہ سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے امام حسنؑ حضرت رسولؐ کے نواسے ہیں اور ایسے نواسے ہیں کہ فرزندِ رسولؐ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبرانی نے جابر سے آنحضرتؐ کا یہ قول مبارک روایت کیا ہے کہ شہر بنی کی ذریت اسکے صلب میں قرار دی گئی اور میری ذریت علی ابن ابی طالب کے صلب میں ودیعت کی گئی اور امیر معاویہ ابو سفیان صاحب کے بیٹے ہیں جو قبیلہ بنی امیہ کے سرور تھے ابو سفیان صاحب مصلحتاً مسلمان ہوئے تھے اور سارا خاندان آپ کا دشمن دینِ خدا اور دشمنِ نبیؐ ہونے کی وجہ سے رسول اللہؐ کی ریاستِ دینی سے متنافع ہونے کا حق خاص برابر نہیں یکوتا تھا۔ اس پر بھی درمیان امام حسنؑ اور امیر معاویہ کے ایک ایسا صلحنامہ تحریر پایا ہے جس سے امام حسنؑ اور سارا خاندان حضرت رسولؐ کا محکوم و مامور رہا۔ نفور تو اسے چرخ گردانِ تقویٰ نے راقم ذیل میں حضراتِ خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کی حقیقت حوالہ ظہر کرتا ہے اور ان خلافتوں سے دینی اور دنیوی مضرتیں جو مسلمانوں کو عام طور پر لاحق ہوتی گئیں حوالہ تحریر کرتا ہے۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول اللہؐ کی آٹھ کارروائیوں سے حضرت علیؑ کا استخلاف عیان ہو جائے گا اگر اٹھویں کارروائی خمِ غدیر کی ایسی تھی کہ جس سے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ ایمان شرمِ بے ہوش نہیں کر سکتا ہے۔ مخالفانِ علیؑ پر جب بدوش ہو گیا کہ خمِ غدیر کی کارروائی سے حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہٴ بنا چکے اور پولیسکلِ جال سے حضرت عمرؓ کو بچ کر ہٹا دیا۔ تو دل میں مخالفانِ علیؑ کو حضرت رسولؐ کی یہ کارروائی نہایت نامطبوع گذری۔ اسی لئے راہِ عقبہ میں سولہ یا سترہ صحابی وقتِ شب اپنے لغتی منہ باندھ کر حضرت رسولؐ پر حملہ آور ہونے کے لئے سامنے آکھڑے ہوئے مگر انکی سواری کے جانور دن بے جو چاک باز می ہو گئے تو حسبِ عادت سابقہ ان ملاعین نے راہِ فرار اختیار کی۔ یہ کون ملاعین تھے ان کا نام اہلبیت کی کتابوں میں درج نہیں دیکھے جاتے ہیں۔ شیعی مصنفین ہر حملہ آور کے نام و وضاحت کے ساتھ درج تحریر کرتے ہیں۔ خیر جو ملاعین حملہ آور ہونے کے لئے مقابل آئے تھے انکے صحابی ہوئیں کوئی جانگلو نہیں

دیکھی جاتی ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ یہ گروہ حملہ آور دن کا اکابر صحابی کا قتلہ اگر نیچے درجے کے صحابی بقصد حملہ آوری آئے تو ضرور اکابر صحابہ کی سرپرستی میں ایسے لغتی فعل کے مرتکب ہوئے شیعی مصنفین اکابر صحابی کے نام بتلاتے ہیں اور ممکن ہے کہ اکابر صحابی حملہ آور ہوئے ہوں۔ خیر حقیقت حال جو کچھ ہو بلاشبہ یہ حملہ آوری خم غدیر کی کارروائی کو گاو خور و کر دینے کے لئے عمل میں لائی گئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد مختلف حبش اسامہ کا واقعہ پیش آیا اور سب کے آخر میں قنقہ قرطاس کا معاملہ ظہور پذیر ہوا۔ ان مہینوں واقعات کا مطلب ایک ہی تھا۔ اور وہ یہ کہ حضرت علی حضرت رسول کے بعد خلیفہ قرار نہ پاسکیں واہ رے حضرات صحابی کی چالیں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسول نے مقام خم غدیر میں اپنی امت سے یہ آواز بلند فرمایا تھا کہ میں تم میں دو اعظم چھوڑتا ہوں جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں۔ قرآن اور اہلبیت۔ سالت تم دیکھو اور احتیاط کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرو گے اور ان کے حقوق کی رعایت کس طرح ملحوظ رکھو گے اور یہ دونوں جب تک میرے پاس حوض کوثر پر دار ہوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ بعد ازاں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ میرا مولا ہے اور میں کل مومنین کا مولا ہوں۔ یہ فرما کر پیغمبر صلعم نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ جس کا مولا میں ہوں اس کا مولا علی بھی ہو۔ خدا یا دوست رکھہ اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اسکو جو علی کو دشمن رکھے اور مخدول فرما اسکو جو علی کو مخدول مگردانے اور نصرت کر اسکی جو علی کی نصرت کرے اور پھیر دے حق کو علی کی جانب جدھر سے پھیر جائے۔ راقم کہتا ہے اسے اس گروہ مسلمانان پر جس نے اتنے صاف قول رسول کو نہ سمجھا اور مولا کے اول قول سننی بنائے۔ اسے اس گروہ پر جو اس حکم نبوی کے خلاف کاربند ہوا۔ اسے اس گروہ مسلمانان پر جو امور دنیا اور دین میں طرح طرح کی مخالفتیں اہلبیت نبوی سے کرتا گیا اور اسے اس گروہ مسلمانان پر جس نے قرآن کے ساتھ بدسلوکیاں کیں جیسا کہ آئندہ حوالہ قلم ہوتا ہے۔ اہل انصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اقسام بالا کے مسلمانوں نے کوئی دقیقہ مخالفت اور عناد کا اہلبیت نبوی سے اٹھانین رکھا ہے جیسا کہ راقم کی تحریرات آئندہ سے ظاہر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانان کو حضرت رسول سے دلی اتفاق نہیں تھا تو اہلبیت نبوی سے انکو دلی ارتباط کی صورت کیا ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بعد ان صلعم کے جو جو معاملات اہلبیت نبوی کو ایسے مسلمانوں سے از ابتداء قیام خلافت تا عہد امام عسکری علیہ السلام پیش آئے گئے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ راقم کی تحریرات ذیل سے ہویدا ہوگا کہ مسلمانان عہد رسول قرآن اور اہلبیت نبوی

کے ساتھ آن صلعم کے بعد کیا کیا سلوک عمل میں لائے اور کج تک ان مسلمانوں کے سپرد اہلبیت نبوی کے ساتھ کیا ارادت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ البتہ اہلبیت نبوی نہیں ہیں مگر ان کے مخالفین وقت جنگو مخالفت و محاصمت بہ سبیل تو ریش یا تعلیم پہنچی ہے مخالفت و محاصمت اہلبیت نبوی پر اپنے پیشوایان نا خدا ترس کے رنگ پر آج تک استوار ہیں۔

کیا جائے تعجب ہے کہ حضرت رسول نے تو اپنے آخر حصہ زندگی میں قرآن اور اہلبیت کے لئے سلوک نیک کی تاکید فرمائی جو حدیث ثقلین سے آشکارا ہے مگر رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی مخالفان و معاندان اہلبیت نے اہلبیت کے خلاف نفرت خیز کارروائیاں شروع کر دیں۔ ابھی جسدا طہر رسول کا دفن بھی نہیں ہوا تھا کہ حضرت شحین ایک اور ان میں سیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ خیال میں بھی یہ بات حیران آتی ہے کہ کوئی خدا ترس بنی آدم ایسا کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شحین کو رسول اللہ کی رحلت کا مطلق غم نہیں ہوا تھا۔ بات بھی ایسی ہے کہ کوئی غم ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ کے ساتھ حضرت شحین اور آپ دونوں صاحبزادے تھے انفرادی طور پر ہمدردی ہی کیا تھی۔ ہمدردی ہوتی تو کسی غمزدہ میں بھی تو ایسے بزرگوار اپنی جانوں سے رسول اللہ کی جان کو عزیز تر ثابت کئے ہوتے۔ ہر غمزدہ میں تو ایسے بزرگوار کا یہ حال رہا کہ حضرت رسول کفار سے لڑنے کا حکم دیتے رہے اور نہ اس سے مانع فرماتے رہے مگر یہ بزرگوار اپنی جانوں کے مقابل میں حضرت رسول کی جان یا آن صلعم کے حکم کو کب خیال میں لائے۔ اگر واقعی حضرت رسول کو ایسے مسلمان کو دلی محبت ہوتی تو غمزدہات میں حضرت رسول کو چھوڑ کر کب بھاگ نکلتے۔ دنیا میں دوست کو وقت دشوار میں جو چھوڑ دیتا ہے تو برے لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے لیکن میدان جنگ میں رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ نکلنے والے کے لئے عاقبت برباد سے بھی کسی زیادہ سخت لفظ کی ضرورت نظر آتی ہے۔ یوں تو صلح حدیبیہ کا قصہ بھی ایک بڑی نافرمانی کا رنگ رکھتا ہے مگر عیش اسامہ سے تعلق تو معاذ اللہ ملعونیت مجسم کی صورت رکھتا ہے۔ بہر حال حضرت رسول کے کفن و دفن کے مضمون کو بالائے طاق رکھ کر سیفہ بنی شحین خلافت کے جھگڑے میں پڑ گئے انصار میناً اھنیر منکھ امیر کہتے تھے۔ مگر حضرت شحین نے یہ کہہ کر کہ خلیفہ کو قوم قریش سے ہونا چاہئے انھیں ساکت کر ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے فی الفور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی وہ حاضرین سیفہ بھی ہی کرتے گئے الا ایک تن گروہ انصار سے جو اس بے سرو پا بیعت ستانی کا شریک نہوا اور اس وجہ سے مار ڈالا گیا۔ مختصر یہ ہے کہ اس طرز پر دم کے دم میں حضرت ابوبکرؓ پر چٹلافت قائم کر دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی خلیفہ سازی ایکشن سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہے۔ ایکشن

کے لئے ضرور تھا کہ اس وقت کی تمام اسلامی دنیا میں اسکی خبر ایک مناسب وقت میں دی جاتی یہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کے قاعدہ کا کام ایکشن نہیں مانا جاتا ہے۔ ضرور تھا کہ کم سے کم خود مدینہ کے لوگ ایسی کارروائی کے قصد سے اطلاع پاب رہتے۔ اتنی جلدی خلیفہ کے انتخاب میں کی گئی کہ بنی ہاشم کے قبیلہ بزرگ کا بھی ایک متنفس خیر یاب نہ ہو سکا شریک جلسہ انتخاب ہونا تو درکنار۔ عموماً مسلمانوں کو معاملہ سیفہ کے طے پا جانے کے بعد حقیقت حال سے اطلاع ہوئی۔ کیا ایکشن کی کارروائی دنیا میں

اسی طور پر انجام پایا کرتی ہے۔ یہ بے سرو پا قصہ سیفہ کا اسی قدر حقیقت رکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بڑی عجلت کے ساتھ خلیفہ بنا ڈالا اور حالیکہ اہل مدینہ حضرت عمرؓ کے قصد سے بالکل بخبری رکھتے تھے اور بنی ہاشم رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر دو چار بنی ہاشم بھی سیفہ میں آجاتے تو سیفہ کا معاملہ حضرت عمرؓ کا غت ر بود ہو جاتا۔ بلاشبہ بنی ہاشم کی غیبت سے حضرت عمرؓ کو بڑا موقع خلیفہ بنائے کامل گیا حضرت شخینؓ نے اپنا کام نہالیا۔ بنی ہاشم عبد اہمر کو چوڑ کر کسی طرف جا نہیں سکتے تھے رسول اللہؐ کی آخری خدمت میں مشغول رہے اور ایک ثواب عظیم سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت شخینؓ کو خلافت حاصل ہو گئی مگر ایسی نعمت غلطی سے محروم رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کو حضرت رسولؐ کی دلی معیت کا شرف حاصل رہتا تو انحضرتؐ کی لاش مبارک سے انھیں علیحدگی نصیب نہیں ہوتی۔ خلیفہ ہو کر حضرت عمرؓ کے اغوا سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت طلبی کا جہگڑا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے بیعت سے انکار کیا۔ اسی بیعت طلبی کے قصہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے جلا ڈالنے پر پوری مستعدی دکھلائی۔ بلکہ لگا ڈالی قصہ طویل ہے مختصر یہ ہے کہ حدیث ثقیلین کی حضرت شخینؓ نے خوب داد دی اور حضرت شخینؓ کے پیروان معاویہؓ، یزیدؓ وغیرہ وغیرہ بھی اپنے اپنے طور پر داد دیتے رہے اور اس زمانہ کے معاویہؓ اور یزیدؓ وغیرہ وغیرہ بھی اپنے اپنے طور پر وہی داد دے رہے ہیں۔ خلافت حضرت شخینؓ کے قائم ہو جانے کے بعد ہی مذکور کا قصہ ظہور میں آیا۔ اس میں بھی حضرت شخینؓ نے حدیث ثقیلین کی خوب داد دی اور ادا کیا کہنا ہے۔ حدل پروری ہو تو ایسی ہو۔ خیر حضرت فاطمہؓ نے نیا سے حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے نہایت آزر دگی خاطر کے ساتھ سد ہارین۔ ناراضی حضرت معصومہؓ کی ایسی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت معصومہؓ کے جنازہ پر جانے نہ پائے اور بجانے پائے۔ واضح ہو کہ ہر چند قصہ حضرت علیؓ سے بیعت طلبی اور ادا حراق خانہ فاطمہؓ اور غضب مذکور کے بہت مکروہ رنگ رکھتے ہیں مگر دینی اور دنیوی بڑی غلطی جو حضرت شخینؓ سے ظہور میں آئی وہ مرنے قبیلہ میں کامیاب سے زندہ کر دینا تھا۔ اسلئے عاقبت اندیشانہ کارروائی سے ہزار طرح کے دینی اور دنیوی نقصانات

دین خدا اور روحانی سلطنت رسول اللہ کو لاحق ہوتے گئے ہیں۔ حضرات شیخین حدیث ثقلین کے خلاف کاربند ہو کر نہ صرف بے نفس نفیس بہت سے امور نامطبوع کے احداث کے باعث ہوئے بلکہ تمام طبقات اہل اسلام کو وہ راہین دکھلا دیں جن سے حدیث ثقلین پر عامل ہونے سے پیروان حضرات شیخین اس زمانہ تک تمام تر قاصر رہتے چلے آئے ہیں۔ یہ حضرات شیخین ہی کی راہ بتلائی ہوئی تھی کہ حضرت زبیر اور طلحہ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہی حضرت عائشہؓ کی معیت میں حضرت علیؑ سے صف آرا ہو کر جنگ جمل میں کتنے مسلمانوں کے سبب قتل ہوئے۔ یہ حضرات شیخین ہی کی راہ دکھائی ہوئی تھی کہ امیر معاویہ کی فساد انگیزی کے باعث جنگ صفین میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوتی گئیں۔ یہ حضرات شیخین ہی کی راہ سوچھائی ہوئی تھی کہ امیر معاویہ امام حسنؑ سے صف آرائی کے لئے مستعد ہو گئے اور جب امام حسنؑ معاویہ سے نہ لڑے تو صلح نامہ کے ذریعہ سے امیر مذکور نے اپنے کو تمام اسلامی دنیا کا خلیفہ بنالیا۔ یہ حضرات شیخین ہی کی عملی ہدایت تھی کہ زبیرؓ صاحب نے میدان کر بلا میں خاندانِ پیغمبر کا قریب قریب خاتمہ کر ڈالا۔ کوئی شک نہیں کہ تمام واقعات بالا کے وقوع کے سبب قریب یا سبب بعید حضرت شیخین ہی ہوئے ہیں۔ اگر حضرت شیخین ہی قیصرین اپنی خلافت کو بے طرز عجیب قائم نہیں کر لیتے تو واقعات بالا کا وقوع یا ہوتا ہی نہیں یا اس طرز پر نہ ہوتا جیسا کہ ظہور میں آتا گیا۔ حضرت شیخین نے بلاشبہ امت محمدیؐ کو وہ راہ دکھادی کہ جسکو اختیار کرنے کے بعد پھر اسی حدیث ثقلین کو پیش نظر رکھنا محال تھا اور ہے۔ اسے حسب این گل آدر وہ تست۔ کوئی شک نہیں کہ واقعہ کر بلا بھی حضرت شیخین کے حصول خلافت کا ایک نامطبوع نتیجہ ہے۔ چہ خوش فرمود شخصے ان لطیفہ کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ۔ میری تحریر بالا کی تائید خطوط ذیل سے ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ جس زمانہ میں حضرت علیؑ سے امیر معاویہؓ جنگ آزمائی کے لئے صفین میں موجود تھے اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ حضرت محمد بن ابی بکرؓ نے امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا اس میں ان کا کہ محمد ابی بکرؓ کجانب سے گمراہ معاویہؓ کو معلوم ہو کہ خدا سے باعظمت اور جبروت نے اپنی مخلوق کو عبث نہیں پیدا کیا۔ نہ خلقتِ عالم کی اُسکو حاجت تھی۔ نہ بغیر آفرینش مخلوق اُسکی قوت میں کچھ ضعف ہو سکتا تھا بلکہ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اپنے صانعِ حقیقی کی عبادت کریں۔ چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں ارشید بھی۔ متقی بھی ہیں سعید بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حیات رسالت مآب کو اپنے علم و نبوت کے مطابق رسالت و امانت وحی کے لئے منتخب فرما کر بطور بشیر و نذیر مبعوث فرمایا اور جس نے سب سے پہلے اس نصرتِ صلح کی تصدیق فرمائی وہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں جو ہر موقع خوف و ہشت میں اُل

مقبول کے جان نثار رہے۔ جس سے آنحضرت نے جنگ کی اس سے انھوں نے بھی جنگ کی اور جس سے آنحضرت نے صلح کی اس سے انھوں نے بھی صلح کی۔ ہمیشہ شب و روز خوف و رجوع کی حالت میں رسول مقبول پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار رہے اور ان تمام باتوں میں ایسی سبقت لے گئے کہ نہ پیردان رسول میں کوئی انکی نظیر ہو سکتا ہے نہ اعمال حسنہ میں کوئی انکی برابری کر سکتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تو ان پر فوقیت ڈھونڈتا ہے حالانکہ تو وہی ہے اور وہ وہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہونے کی حیثیت سے خیر الناس ہیں۔ انکے چچا حمزہ سید الشہداء احد ہیں اور انکے باپ وہ شخص ہیں جو میر خدا کی تکلیفوں کو دور کرتے رہے اور اسے معاویہ تو خود بھی نفرین کردہ شدہ ہے اور تیرا باپ بھی۔ تم باپ بیٹے ہمیشہ رسول اللہ کی ایذا رسانی کے خواہان اور جان و مال سے نور خدا کے بجائے میں کو شان لئے تیرے گواہ وہ لوگ ہیں جو بقیۃ الخراب منافقین سے آہستہ آہستہ تیرے پاس پہنچ کر ناپاہ گزین ہوئے اور علی صاحب فضل میں قدیم شاہ عادل وہ انصار ہیں جن کی فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جنگی مرج و ثنا جیثیت مہاجر و انصار ہونے کے خدائے فرمائی ہے۔ یہی لوگ علی کی فوج اور جماعت ہیں اور علی کی پیروی کو حق اور انکی مخالفت کو شقاوت سمجھا رہے ہیں۔ پس اسے ہو چکو کہ علی بڑی برتری کرتا ہے حالانکہ علی وارث و بھی رسول ہیں۔ علی کی اولاد رسول مقبول کی اولاد ہے اور علی کی ہی پیروی خدا کی پیروی کرنے میں آنحضرت سے اقرب بہت ہوتے ہیں اور اناس ہیں جنکو آنحضرت نے اپنے تمام امور و اسرار پر آگاہ و مطلع کیا اور تو خود بھی اسکا دشمن ہے اور تیرا باپ بھی انکا دشمن تھا۔ پس جب قدر تیرے امکان میں ہو باطل ذریعوں سے دنیوی تمتع حاصل کر اور جتنا ابن العاص سے ہو سکے تجھے تیری گمراہی میں مدد دے مگر معاویہ یقین کر لے کہ تیری میعاد ختم ہو چکی اور تیرا کمر سست ہو گیا اور بالآخر تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ عاقبت علیا کس کے لئے ہے نیز یہ بھی سمجھ لے کہ تو اس خدا سے فریب کرتا ہے جس نے تیرے کید کی جزا سے تجھے امن دے رکھا ہے اور جس کی رحمت سے تو مایوس ہو چکا ہے، وہ تیری گھات میں ہے اور تو اس سے بیخبر اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرنے (دیکھو تاریخ احمدی صفحہ ۳۷) الحوالہ تاریخ خیرۃ الخلق (مسعودی) بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ششم صفحہ ۷۹

نامہ مذکور بالا کو پڑھ کر کون ایسا دوستدار اہلبیت ہے جسکو تعجب نہیں گذرے گا کہ حضرت ابوبکر کے بیٹے اور ایسے عاشق اہلبیت۔ خدا کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ آری علیؑ زنجائے

کئی آشنائی بہ بیگانہ۔ حق یہ ہے کہ خداے پاک جیسا جسکو چاہے ویسا بنائے۔ این سعادت بزرگبار و
 آنہ بخشہ خداے بخشندہ۔ حضرت محمد ابی بکر کی تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے فیضان
 صحبت سے آپ کی خلقی خوبیاں بہت ترقی کر گئی تھیں۔ آپ خدا کو خداے با عظمت جبروت
 سمجھتے تھے۔ خلقت عالم کی وجہ کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ حضرت رسول کی بعثت پر نظر غائر رکھتے تھے
 حضرت علیؑ کی بزرگی اور عالی صفاتی سے بدرجہ اتم واقف تھے اور صبقدر خدا اور رسول و علی کی
 معرفت سے بہرہ مند تھے اسی قدر امیر معاویہ کے صفات ذمیمہ سے بھی باخبر تھے۔ کوئی شک نہیں
 کہ حضرت محمد بن ابی بکر ممتاز طور پر مورد نعمت ہائے الہی تھے۔ یہ سب خدا کی دین ہے۔ کچھ بھی
 اختیاری بات نہیں ہے۔ کسی کو اس کی بخشش میں مجال لا و نعم نہیں ہے۔ وہی خدا علی بنا ہوا
 اور معاویہ او۔ ابن حجر بھی نشان کبرائی کو دکھائے کہ یزید پلید قاتل حسین نکلا اور یزید کا بیٹا سعید دایرین۔
 معاویہ ابن یزید کی سرگذشت یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے تھوڑے دن کے بعد جب یزید فی النار ہو گیا تو اس کا بیٹا
 معاویہ بن یزید در اثنا زینت آراے مسند خلافت ہوا حیوۃ النحوان کی جلد اصفہاء میں مذکور ہے کہ خوش بخت معاویہ
 بن یزید یعنی بد بخت یزید بن معاویہ کے بیٹے اپنے نفس کو خلافت پدر سے بری کر کے تادیر منبر پر بیٹھے
 رہے اور حمد و ثنائے الہی کے بعد یہ کہا کہ اہیا الناس مجھے خلافت کی طرف رغبت نہیں ہو اور تم لوگ
 دنیا کی حکومت کو اعظم ترین شے جانتے ہو اور میں اسے مکروہ جانتا ہوں اور تم لوگ مجھے بھی مکروہ جانتے
 ہو۔ اس لئے کہ میں تمہارا لے ساتھ مبتلا ہوں گا اور تم میرے ساتھ مبتلا ہو گے۔ میرے جد معاویہ نے
 اسی خلافت کے واسطے حضرت علی سے نزاع کی۔ وہ یعنی علی حقدار تھے اور افضل جمیع صفات میں
 کوئی اصحاب رسول خدا سے انکے مراتب کا نظیر نہ تھا۔ آخر مکروہ ترویر کے ذریعہ سے خلافت معاویہ کے
 ہاتھ میں آئی اور پھر یزید کو پہنچی۔ یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا۔ افعال زشت و معاصی کبیرہ اُس سے
 سرزد ہوئے۔ قسم بخدا میں اپنی بخود می سے مجبور ہوں جو ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہوں حضرت علی
 کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے در ائمہ کہتا ہے کہ کاش اس طرح کی
 محبت مولویان دیوبند کے دلوں پر بھی چھپ گئی ہوتی۔ مٹاؤ اللہ کیا مخالفت اور عداوت خاندان
 پیغمبر کے ساتھ اس زمانہ کے مسلمانوں کو تھی۔ ہزار حیف کہ وہ سلسلہ عناد کا اس وقت تک بھی قطع نہیں ہوا
 ہو۔ معاویہ پرستوں اور یزید پرستوں کی حالت اس وقت بھی قابل فحس ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل شام
 بد انجام لے اس دوستدار علی اور تارک دنیاے دنی یعنی معاویہ بن یزید کے کلام کو ناپسند کیا اور اس
 پکڑ کر زندہ زبر زمین دفن کر دیا جس سے اسکی روح پاک اعلیٰ علیین کو بردار کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

داعی خدا کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کوئی ابوسفیان صاحب کو دیکھے کہ دنیا ان کے دل میں کتنا گھر کر گئی تھی آخر امیر معاویہ کے باپ ہی تو تھے، پھر امیر معاویہ کو دیکھیے کہ باپ کا کہن بڑے چڑھے تھے۔ پھر یزید صاحب کو دیکھیے کہ کئی عقل کے ساتھ پورا نمونہ باپ کا تھے۔ ایسے نفوس معاویہ بن یزید پیدا ہوا کہ اعلیٰ درجہ کوئی اللہ کا حکم کہتا خداوند اکبر بانی تیری۔ تو قادر مطلق ہے جیسا چاہے دیا کرے حضرت عرو کا بھی معاملہ نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے اسی طرح اور بھی بہت محبان الہیت گذرے ہیں اور اس زمانہ میں بھی موجود ہیں جنکے ساتھ فضل الہی شامل حال ہوا ہے۔ ایسے خوش نصیبوں میں راقم بھی ہے جو ایک زمانہ میں معاویہ پرست اور یزید پرست تھا۔ راقم کے استاد و جناب محمد گل صاحب جلال آبادی خلافت یزید کو حق سمجھتے تھے اور شہادت امام حسین علیہ السلام کے تائید منکر تھے کابلستان کا یہی مذہب چلا آتا ہے، جیسا کہ استاد مرحوم سر رابا کرتے تھے اور ہندوستان میں بھی ایسے مذہب والے بہت ہیں معاویہ پرست تو قریب قریب تمام اہلسنت ہیں۔ ایسے بزرگوار کو لازم ہے کہ امیر معاویہ کے پوتے کی اسٹیج پر نظر غور ڈالیں۔ مگر اسٹیج خوانی سے کیا ہوتا ہے۔ دلائے خاندان پیپر کچھ ایسی ہی نعمت ہے کہ خدائے بخشنده کی رحمت بعینہ نصیب نہیں ہو سکتی ہے جب یہ نعمت درگاہ داہل عطا یا سے معاویہ بن یزید کو مرحمت ہوئی تو اس مورد نعمت الہی نے محبت علیؑ میں بڑی سلطنت کا کچھ خیال نہیں کیا کیا شان منعم حقیقی کی ہے تقدس و تعالیٰ۔ تعجب ہے اس وقت کے معاویہ پرستوں سے جنکو سلطنت معاویہ سے کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ اس پر بھی کس قدر امیر معاویہ کے شاخوان ہیں اور علی سے بغض رکھتے ہیں گو مصلحتاً بغض حیلے سے اقرار نہیں کرتے ہیں۔ خداوند اکس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں کہ تو نے راقم کو مولویوں کے گم کردہ راہ ہونے پر بھی عاقبت بربادی سے بچا لیا اگر تیرا فضل شامل حال نہ ہوتا تو یہ حاصی پر معاصی بھی اپنے عقیدہ ناپاک کے بدولت معاویہ و یزید کی مشاعرہ کا جانا ہی نہ ہوتا۔ اب نامہ بالا کے جواب پر حضرات ناظرین اپنی توجہ مبذول فرمادیں۔ امیر معاویہ صاحب نے حضرت محمد بن ابی بکر کو حسب تحریر مروج الذہب بر حاشیہ کامل ابن اثیر جزری جلد ششم صفحہ ۹، میں یوں لکھا ہے کہ ”اپنے مدد کو عیب لگانے والے سپر محمد بن ابی بکر پر منجانب معاویہ بن محمد واضح ہو کہ تو نے اپنے خط میں خدا کی اس عظمت و قدرت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور ان محاسن کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ خدا نے اپنے رسول کو برگزیدہ فرمایا۔ نیز انہیں ذکر و نکر کے ساتھ تو نے ایسا کلام کیشہ بھی قلم بند کیا ہے جو تیرے تفسیف اور تیسرے باپ کے لئے سرزنش کا باعث ہے تو نے

اپنے خط میں علیؑ ابن ابی طالب کی فیصلت و سابقیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ قرابت و مسیبت رکھتے ہیں اور انھوں نے ہول و خوف کے اوقات میں آنحضرت کے ساتھ کس قدر ہمدردی کی ہے۔ لیکن میری نسبت تیری محبت اور عیب گیری پر بنائے غیر ہے تیرے فضل پر مبنی نہیں ہے اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھ سے اس فضل کو پھیر کر تیرے غیر کو عطا کیا۔ سن۔ ہم سب جن میں تیرے باپ بھی شامل ہیں جسٹلے ابن ابی طالب کا افضل اور ان کے حقوق کا لازم و مبرور ہونا اچھی طرح جانتے تھے مگر جب خدا نے اپنے رسول کو دین و محبت کے کامل اور آشکارا ہو جانے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ اور ان کے فاروق ہی اوّل وہ شخص تھے جنھوں نے باہم اتفاق کر کے علی کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت کے متعلق علی کی مخالفت کی پھر دونوں صاحبوں نے علی کو انجیہیت کے لئے بلایا مگر علی حرمہ تک کنارہ کش رہے جس سے ان دونوں صاحبوں کو سوخ و اندوہ لاحق ہوا اور بالآخر انھوں نے علی کی نسبت ایسے اہم منصوبے قائم کئے کہ علی کو ان کی بیعت کر لینی پڑی تاہم ان دونوں بزرگواروں نے علی کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا اور نہ اپنے بھید و ن پر اطلاع دی حتیٰ کہ ان دونوں صاحبوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اور عثمان کے قائم مقام ہوئے اور انکی سیرت و طریقت پر پورا عمل کیا راقم کہتا ہے کہ حضرت عثمان ضرور حضرت شعیب کی سیرت و طریقت پر قدم بقدم چلتے رہے اور جو کچھ خلیفہ سوم کے ہاتھوں سے ہوا وہ اسی قدم بقدم چلنے کے باعث ہوا، پھر تو نے اور علی نے عثمان کی عیب گیری پر کمر باندھا حتیٰ کہ دُور دُور کے اہل معاصی اس کی بابت حرم میں پڑ گئے اور تو نے اور علی نے عثمان کے ساتھ دشمنی کا اظہار کر کے انکو بلاؤں میں ڈال دیا چاہا اور اس کے متعلق تیری اور علی کی مراد پورا ہو گئی۔ اے ابو بکر کے بیٹے بیچ اور اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر تو اس شخص کے مقابلہ و مساوات سے قاصر ہے جو ہاڑوں کو اپنی بردباری کے ساتھ دزن کرتا ہے۔ پس جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اس کی ابتدا کی اور ہم سب انکے فعل میں شریک ہو۔ اگر تیرے باپ قبل ازین ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علی کی مخالفت نہ کرتے بلکہ انکے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو انھیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ اب اگر تو حبیب الزام لگائے تو اپنے باپ کو لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دو اور سلام پہنچ کر حق کی طرک جمع کئے

امیر معاویہ صاحب کا جوابی خط محمد ابی بکر کے خط کا جواب معقول ہوا یا نہیں اسکی تجویز اہل علم و فہم خود کر لیں۔ راتم کو اس سے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر امیر صاحب کی تحریر سے بہت نامطوبہ باتیں آشکارا ہوتی ہیں۔ امیر صاحب نہایت صداقت اور دیانت کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سب (یعنی معاویہ اور افراد مائل معاویہ) جن میں تیرے باپ (یعنی حضرت ابوبکر) بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالب کا فضل اور ان کے حقوق کا لازم اور مبرور ہونا اچھی طرح جانتے تھے۔ مگر جب خدا نے اپنے رسول کو دین و محبت کے کامل اور آشکارا ہونے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ (یعنی حضرت ابوبکر) اور ان کے فاروق ہی اول وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علی کے حق کو چھین لیا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ امیر معاویہ مذہب اہلسنت کے رو سے خیم خلیفہ ہیں اور اسلئے قابل تعظیم اور قابل وثوق ہیں۔ پس جب اہلسنت کے خلفائے اثنا عشر سے جن کی عظمت اور اطاعت سے اہلسنت کو چارہ نہیں ہے ایک خلیفہ برحق یہ فرمائے کہ حضرت شیخین اول وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علی کے حق کو چھین لیا تو یہ الزام شیعوں کا کہ حضرت شیخین نے غضب خلافت کر لیا ہے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے خط کے آخر میں امیر صاحب لکھتے ہیں کہ جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ (یعنی حضرت ابوبکر) ہی نے استبدادی طریقہ سے اس کی ابتدا کی اور ہم سب (یعنی معاویہ و گروہ معاویہ و مخالفان اہلبیت) ان کے اس فعل میں شریک رہے اور اگر تیرے باپ قبل ازین ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علی کی مخالفت نہ کرتے بلکہ ان کے مطیع رہتے۔ لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو انہیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ اب اگر الزام لگائے تو اپنے باپ کو لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دے۔ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ بقیہ خم غدیر حضرت رسول نے جو تاکید حکم حدیث نقلین کے رو سے اپنے اہلبیت کی نسبت فرمایا تھا۔ کیا اس کی تعمیل حضرت شیخین نے جس برابر بھی کی۔ خود بھی نہیں کی اور اپنے اطوار و افعال کا شریک لاکھ در لاکھ کلمہ گو یوں کو کر ڈالا۔ یہ حضرت شیخین ہی کے اطوار و افعال کی تبعیت ہے جو دونوں صاحبوں کے وقت سے آج تک مذہب مسلمانان ہورہی ہے اور تاقیامت رہے گی۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخین نے پوری ایسی مخالفت اہلبیت نبوی سے کی جو آج تک زور و ن کے ساتھ جاری ہے اور جاری رہے گی۔ واہ وا، رسول اللہ کیا مسدائیں اور اکابر امت کیا کریں۔ حکم نبوی سے یہ مخالفت حضرت شیخین سے

بالقصد ظہور میں آئی ہے یہ ہرگز خطا اور نسیان کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔ یہ ترمذی بالقصد ہے۔ کوئی شخص رسول اللہ کو رسول اللہ ماننے کے بعد ایسی تسبیح کا ردوائی کا عامل ہو سکتا ہے۔ ایسا فعل کرنے والا پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہاں حدیث ثقیلین کے خلاف میں بالقصد کار بند ہوتا ہوں۔ اہل تشیع ایسے مقررین کو مسلمان مانتے ہیں۔ مگر راقم اس معاملہ میں اہل تشیع کا مطلق انجیال نہیں ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حضرات نہ اسلام نہ آن معلوم کی محبت کے تقاضا سے تارکِ وطن ہو کر مدینہ آئے تھے۔ ان کا عدم خلوص ان کے بار بار کے فرار سے آشکارا ہے یہ بات انکی معذرت میں کہی جاسکتی ہے کہ حضرت شیخین اور ان کے مثل ماحسین بڑوی کی وجہ سے تابِ جنگ نہیں لاسکتے تھے اس لئے راہِ فرار اختیار کیا کرتے تھے۔ اور حق بھی یہی ہے کہ جو خلق بودا ہے اس پر مشرک کا الزام انصافاً نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ مگر حدیث ثقیلین سے بالقصد انحراف چہ معنی دارد۔ اس طرح کے انحراف سے تو صاف آشکارا ہے کہ حضرت شیخین رسول اللہ کو رسول اللہ نہیں جانتے تھے اس لئے انحضرت کے حکم کی تعمیل کو اپنے اوپر واجب نہیں سمجھتے تھے۔ لاریب اگر یہ حضرات رسول اللہ کو رسول اللہ جانتے تو ایسے اطمینان کے ساتھ حکم نبوی سے اس طرح انحراف نہ کرتے ان حضرات کے انحراف کی حد نہیں معلوم ہوتی ہے جیسا کہ امیر معاویہ صاحب کی تفسیر سے تمام تر عیان ہو امیر صاحب اپنے جوابی خط کے اندر یہ بھی لکھتے ہیں کہ دو ذون صاحبون (یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر) نے علی کو اپنی بیعت کے لئے بلایا مگر حضرت علی عرصہ تک کنارہ کش رہے جس سے ان دو ذون صاحبون کو رنج و اندوہ لاحق ہوا اور بالآخر انھوں نے علی کی نسبت ایسے اہم منصوبے قائم کئے کہ علی کو انکی بیعت کر لینا پڑی تاہم ان دو ذون بزرگواروں نے علی کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا اور نہ اپنے بے بیرون پر اطلاع دی تھے کہ ان دو ذون صاحبون نے دنیا سے رحلت کی، راقم کہتا ہے کہ سبحان اللہ کیا خوب رسول اللہ کی حدیث ثقیلین کی تعمیل کی گئی۔ واہ دایہ نافرمانی اور اس پر دعویٰ اسلام۔ دعویٰ اسلام ہی نہیں بلکہ دعویٰ خلافت رسول اللہ حضرت شیخین کی تمام فعلی اور قولی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ کی بیعت سے دو ذون صاحبان تا مگر خالی تھے مختلف جیش اسامہ سے تو آپ دو ذون صاحب کا اصلی رنگ کھلا نظر آتا ہے۔ اس نافرمانی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخین کا تعلق حضرت رسول کے ساتھ تامتمین ہی پر غرض تھا۔ واقعی اگر حضرت شیخین حضرت رسول اللہ کو رسول اللہ جانتے تو لعنت خدا و رسول کا اپنے کو نشانہ نہ بناتے کم سے کم معافی قصور کا سامان آن معلوم سے فرماتے۔ مگر بڑی غضب کی یہ بات دیکھی

جاتی ہے کہ مخالفین حبش اسامہ پر لعنت قائم رہ گئی اور بھی حکم حبش اسامہ کا اپنی جگہ پر بحال رہ گیا۔ نہایت جاے انوس ہے کہ حضرت شخین نے حدیث ثقلین سے مخالفت کر کے اپنے کو بہت کچھ دینی نقصان پہنچایا اور کروڑوں بد نصیب امتیان محمدی کو مخالفت کی راہ سوجھا کر گمراہ کر ڈالا۔ اگر حضرت شخین نے یہ راہ کچھ نہیں اختیار کی ہوتی تو امیر معاویہ جیسے شری افراد کو بھی تبعیت اہلبیت سے چارہ نہیں رہتا جیسا کہ امیر معاویہ صاحب اپنے جوابی خط میں محمد ابن ابی بکر کو لکھتے ہیں کہ تیرے باپ اور ان کے فاروق ہی اول وہ شخص ہیں جنھوں نے باہم اتفاق کر کے علی کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت کے متعلق علی کی مخالفت کی اور تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اُس کی ابتدا کی اور ہم سب ان کے فعل کے شریک رہے۔ اگر تیرے باپ قبل ازین ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علی کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اُن کے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے دیکھا تو انھیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ حضرت شخین کی پیروی تمام قبیلہ بنی امیہ نے اختیار کی اور بھی دیگر قبائل کو وہی راہ اختیار کرنی پڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرب در کرب مسلمان اسی خلط راہ پر صدی بعد صدی چلتے رہے اور آج بھی چل رہے ہیں اور قیامت چلتے رہینگے۔ خشت اول چون بند معمار کچھ بنا تا اثر یا میرود دیوار کچھ بنے۔ اسی کجروی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی کروڑوں مسلمان اہلبیت علیہم السلام سے تو لڑائیں رکھتے ہیں۔ ہزاروں مسلمان ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ علی کے نام کو سنا بھی نہیں جانتے ہیں اور خاندان پیغمبر سے پورے طور پر دل میں خلش رکھتے ہیں۔ ذکر خاندان پیبران پر ناگوار گزرتا ہے۔ خود حضرت امام عظیم یعنی امام ابو حنیفہ صاحب ذکر علی کی ممانعت کرتے ہیں اور ہزاروں مولوی ایسے ہیں کہ ذکر صحابہ کے سوا علی کا ذکر برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ سب کرمہ حضرت شخین کے غاصبانہ فعل کے ہیں جن کے وقوع سے امیر معاویہ صلیا پورے طور پر عسرافت رکھتے ہیں۔

راقم کتا ہے کہ اگر حضرت علیؑ خلافت رسول کے قابل نہ تھے تو نہ تھے۔ مگر حضرت ابوبکر تو اس کے کسی پہلو سے سزاوار ہی نہ تھے۔ خلیفہ رسول اللہ ہونے کے لئے ضرور تھا کہ ایسا شخص خلیفہ قرار پاتا جس میں تمام امت رسول سے زیادہ صفہائے ذیل موجود رہتے۔ اول علم قرآن یہ صفت آپ میں اور آپ کے حضرت عمرؓ میں کامل طور پر موجود نہ تھی۔ چنانچہ آپ اور آپ کے شریک حال حضرت عمرؓ کلام کے مسئلہ کو عمر بھرنہ سمجھ سکے۔ دوم شجاعت اس صفت سے آپ کو دوسری حضرت عمرؓ کو فطرت نے ماسر محروم رکھا تھا۔ غزو اتی کار روانیان آپ دونوں صاحبوں کی کھے دیتی ہیں کہ آپ

دو نون صاحب اس صفت سے تمام تر معرکتھے۔ سوم اعانت رسول۔ اس صفت سے آپ کو اور آپ کے قوت بازو حضرت عمر کو کوئی حلاقہ نہ تھا۔ اور سربلایوں کے علاوہ حیشل سامہ سے آپے دونوں صاحبون کا تحلف آپ دو نون صاحبون کی غایت نافرمانی کی خبر دیتا ہے۔ چہارم تولاسے اہمیت اس دولت سے آپ اور آپ کے خیال حضرت عمر کو کوئی بہرہ نہیں رکھتے تھے۔ حدیث ثقیلین کی تعمیل سے آپ دو نون صاحب منزلون دور رہے۔ پنجم امت رسول کی خیر اندیشی۔ وہ یہ معاملہ ہے کہ جس میں آپ دو نون صاحب نہایت نامراد ثابت ہوئے۔ مردہ قبیلہ بنی امیہ کو سرنوسی خلاف مرضی خدا و رسول کے زندہ کر دینا آپ دو نون صاحبون کی بہا ری پولیکل اور مذہبی غلطی تھی۔ آپ کی اس ناقبت اندیشانہ کارروائی نے اسلامیون میں ایک سول وار کی بنیاد ڈال دی کہ جسکی آگنا بقائے سلطنت عرب کم و بیش طور پر بھڑکتی ہی رہی اور جسکی وجہ سے لاکھوں جانین مسلمانوں کی تلف ہوتی رہیں اور بے انتہا مالی اور ملکی نقصانات اہل اسلام کو لاحق ہوتے رہے ششم وقار خاندانی و اہمیت قبیلہ۔ یہ امتیازی حیثیت بھی حضرت شیخین کو حاصل نہ تھی آپ دو نون صاحبون کا خلیفہ المسلمین امیر المومنین ہو جانا اس حالت میں کہ قبیلہ بنی ہاشم نام آور ترین قبائل عرب کے موجود تھا نہایت ہی بچل نظر آتا ہے۔ آپ ہر دو صاحب دو غیر مشہور قبیلہ کے بزرگ تھے اگر علی بنین تو اور بھی ممتاز افراد بنی ہاشم کے موجود تھے۔ انہیں سے انتخاب خلیفہ کا دشوار نہ تھا۔ مگر اہل سقیفہ بھول گئے کہ کوئی قبیلہ ایسا بھی ہے جس میں رسول خدا مبعوث ہوئے تھے اور جو اپنی شرافت خلق و خلوص دین داری نیک کرداری شائستگی خوش اطواری شجاعت جود و سخا وغیرہ کی صفیوں سے مشہور زمانہ ہو رہا ہے حق یہ ہے کہ اسلام کے لئے سخت براوہ دن تھا کہ جس دن سقیفہ کا اجلا و کجلول طور پر صورت پذیر ہوا۔ پولیکل اور مذہبی دو نون پہلو سے حضرت ابو بکر کا خلیفہ بنایا جانا احاطہ اصول سے باہر تھا اور حق یہ ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی ہی عمل میں نہیں لائی گئی۔ انصار کی کچھ گفتگو کرنے کے بعد حضرت عمر نے ابو بکر کو خلیفہ بنا دیا چٹ منگنی پٹ بیاہ اگر خلیفہ کا انتخاب باضا بطہ طور پر اہل سقیفہ کو منظور ہوتا تو اسلامی دیار سے ہمسایندے (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) اس کام کے لئے بلائے جاتے اسلامی دنیا تو درکنار خود مدینہ کے بہت لوگون کو اس کی خبر بھی نہیں ہو سکی کہ سقیفہ میں کیا ہو رہا ہے کم سے کم قبیلہ بنی ہاشم کے ممتاز افراد کو تو ضرور طلب کر لینا تھا۔ لاریب دو نون حضرت عمر حضرت ابو بکر خلیفہ بنانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اگر کچھ بھی ممتاز بنی ہاشم جلسہ سقیفہ میں شریک ہو جاتے۔ لاریب حضرت ابو بکر کے خلیفہ

بنانے کے لئے چٹ مگنی پٹ بیاہ کی کارروائی کے سوا کوئی دوسری کارروائی مفید مطلب نہیں ہو سکتی تھی وہ حضرات جو ایکشن کے مضمون پر لوٹے جاتے ہیں اب سوچیں کہ کیا ایکشن اسی کو کہتے ہیں جس کا ظہور سقیفہ میں ہوا۔ بہت جابجہ تعجب ہے کہ رسول اللہ کا جانشین منتخب کیا جائے اور اس طرح کا بے سرو پا اجماع وقوع میں لایا جائے۔ تمام امور کو ملحوظ رکھ کر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو اپنا خلیفہ قرار دیا جاتا مر کو زحمت طر تھا۔ حضرت ابو بکر کی خلیفہ سازی صرف ایک پرہیز داری تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خلافت رانی درحقیقت حضرت ابو بکر کے عہد میں حضرت عمر ہی کے ہاتھ میں رہی۔ یہ بھی حضرت عمر سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر میں رسیدہ ہیں آپ کی خلافت کا عرصہ دراز نہ ہو گا تب پر داری کی کوئی حاجت بھی نہ رہے گی۔ اختلاف کے دو سے ضرور حضرت ابو بکر آپ کو خلیفہ بنا کر عالم جاد دانی کی طرف سد ہار میں گئے۔ سایل پوچھ سکتا ہے کہ حضرت عمر کے خلیفہ بنانے میں ایکشن کی کارروائی کیوں نہیں عمل میں لائی گئی اختلاف کا واقعہ حادث امر کیوں بڑا گیا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خود حضرت ابو بکر کے خلیفہ بنانے میں ایکشن کا مضمون کبھی ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا ڈالا تھا۔ اب مرنے کے وقت حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنا ڈالا۔ **هَلْ خِزَامُ الْاِحْسَانِ الْاِحْسَانِ**۔ من ترا حاجی گویم تو مرا حاجی بگو۔ حضرت ثغین کی خلافت پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں سے کسی صاحب کی خلافت حکم خدا و رسول کے مطابق ظہور میں نہیں آئی ہے زمانہ کے ایر پھیر سے دونوں صاحبوں کو خلافت ہاتھ لگ گئی تھی۔ پس ایسے خلفاء رسول اللہ کے خلیفہ کہے جانے کا خس برابر بھی حق نہیں رکھتے ہیں یوں حضرات ناالفاظ ایسے خلفاء کو جس خطاب سے یاد فرما دیں مختار ہیں۔

اس خود ساز خلافت کے نتائج پر اگر اہل انصاف نظر غور ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ پولیسک نقصانات کے علاوہ اس خلافت کی بدولت مذہبی نقصانات بھی اسلام کو بہت کچھ اٹھانا پڑے۔ خلافت امامت سے علیحدہ وجود نہیں رکھ سکتی۔ بہر حال جب خلافت خود ساز قائم ہو گئی تو مذہبی امور میں بھی اسے دخل دینا ضرور ہو گیا۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر کو معلوم ہو گیا کہ حضرت علی قرآن جمع کر رہے ہیں تو آپ نے بھی زید بن ثابت ابی ابن کعب وغیرہ کو قرآن جمع کرنے کے لئے معسر کیا۔ اُن مقرر کردہ اشخاص نے حضرت خلیفہ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ ایسے حکم کے نافذ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حضرت علی تو قرآن جمع کر رہے

خود ساز خلافت کے نتائج

رہے تھے۔ مگر حضرت علی کی مخالفت نے حضرت خلیفہ کو ایسی کارروائی پر آمادہ کر دیا۔ کیا حضرت خلیفہ نہیں جانتے تھے کہ اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلٰی وَ عَلٰی مَعَ الْقُرْآنِ۔ حدیث بنوی ہے۔ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو کم سے کم حضرت علی کو جلسہ قرآنی کا ایک ممبر ہی بنایا ہوتا۔ مگر اس امر معقول پر حضرت خلیفہ کی نفی تھی جو حضرت علی کے ساتھ تھی کب حضرت خلیفہ کو اس طرح پر عامل ہونے دے سکتی تھی۔ حضرت علی کو علم قرآن کامل طور پر حاصل تھا۔ حضرت علی کو اسکی کوئی ضرورت لاحق نہ تھی کہ دیباچہ ثابت وغیرہ سے قرآن کے جمع کرنے میں مدد لیتے۔ اس کے برخلاف حالت حضرت خلیفہ کی تھی کہ جسکے باعث آپ خود قرآن کے جمع کرنے پر قادر نہ تھے۔ خلیفہ رسول اللہ اور نقص علم قرآن موجب طرفہ مضمون ہے۔ تماشل ہے کہ اس پر بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خلیفہ ذوالاجتہاد کئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر تو حضرت ابوبکر سے بھی علم قرآنی میں بہت کم تھے۔ اس نقصان عمری سے مدینہ کے سکنا خوب واقف تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ کی ایک بڑھیلے بھی حضرت عمر کو الزام کہہ دیا تھا کہ تم خلیفہ ہو مگر علم قرآن نہیں رکھتے۔ حضرت ابوبکر کا مجتہد قرار دیا جانا ایک طرفہ مضمون ہے۔ مشکوٰۃ کی کتاب المیراث اور موطا کے صفحہ ۳۸۷ میں مذکور ہے کہ ایک عورت کسی میت کی دادی تھی حضرت ابوبکر سے اس نے سوال کیا کہ دادی کا حق میت کے ترکہ میں کتنا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تیرا حق نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ ابھی تو بچلی جا۔ ہم واقف کار شجرہ سے حقیقت حال دریافت کر کے آئندہ کہیں گے۔ خلیفہ وقت اور دادی کے حق سے ناواقف ہو

کمال جائے تاسف ہے۔ واہ وا اس اطلاع مذہبی پر حضرت ابوبکر خلیفہ مجتہد کہلاتے ہیں جب آپ کی ایسی اطلاع تھی تو حضرت عمر کا علم معلوم۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بقول رسول حضرت ابوبکر اعلم الصحابہ تھے۔ اگر واقعی یہ حدیث حدیث بنوی ہے تو ضرور حضرت رسول کے دیگر صحابی حضرت ابوبکر سے بھی کم اطلاع رکھتے ہوں گے۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ صحابی حضرت علی کے قدردان نہ ہو سکے اور مجاہد کے تعاضد سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو قبول کر لیا۔ اگر حضرت ابوبکر مجتہد ہونے کی لیاقت نہیں رکھتے تھے تو حضرت عمر حضرت ابوبکر سے بھی کم اس امتیاز کے مستحق تھے۔ مسلم کے جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ میں روایت انس بن مالک سے یہ حدیث پائی جاتی ہے کہ حضرت رسول ۴۰ درے شراب خوار کو مارے تھے اور یہی دستور حضرت ابوبکر کا بھی تھا۔ مگر حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف کے مشورے سے شراب خوار کو ۸۰ درے لگائے مشورہ دینے والے کیا طبیعت دار تھے کہ شراب خوار کی حد کو دو گنا کر دیا اور اس مشورے

پر عامل ہونا بھی ایک خاص حصہ حضرت عمر کا تھا۔ واقعی کیا قول حق رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا کیا امر تم لوگ احداث کرو گے۔ امر نو کی احداث کی ایک عمدہ مثال یہ افزونی سزا شراب خواری کی ہے یہاں پر یہ امر قابلِ کاٹ ہے کہ آپ کے مشیر بالا بھی آپ ہی کی طرح اطلاع مذہبی سے بے بہرہ تھے ورنہ ۴۰ درے کی جگہ ۸۰ درے کا حکم حضرت خلیفہ کیون صادر فرماتے معاذ اللہ امور دین سے یہ لاعلمی اور الہیت آپ کو خلیفہ مجتہد قرار دیتے ہیں۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ دوسرا واقعہ آپ کے مجتہدانہ کارروائی کا یہ ہے کہ موطا کے صفحہ ۲۴ میں مسطور ہے کہ موزن سجد حضرت عمر کے پاس آیا اور حضرت عمر کو سوتا پا کر بولا کہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ۔ یا امیر المؤمنین یعنی نماز سونے سے بہتر ہے اے امیر المؤمنین۔ پس حضرت عمر نے حکم دیا کہ موزن اس جگہ کو اذان صبح میں داخل کرے۔ یہ عجب اجتہاد ہے۔ اگر دو سکر و موزن کوئی دوسرا جملہ ارشاد کرتا تو وہ داخل اذان کر دیا جاتا۔ نہایت تعجب ہے کہ حتیٰ علیٰ خیر اَلْعَلَّ جو عہد رسول اللہ سے داخل اذان چلا آتا ہے اسے حضرت خلیفہ نے اذان سے متروک کر دیا اور موزن کے اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کو داخل اذان کر دیا۔ حضرت رسول نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ میرے بعد تم لوگ کیا احداث کرو گے واقعی ایک سچا قول تھا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر خلیفہ کے عہد میں اسی طرح نواحداتی امور وقوع میں آتے ہی گئے ہیں اور کیونکر وقوع میں نہیں آتے۔ فرمون حضرت رسول کا غلط ہونے نہ سکتا جب زمانہ حضرت عمر کی خلافت کا آیا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی اجتہاد مسائل کرتے ہیں اور بنی ہاشم آپ کے اجتہادات کی پابندی کرتے ہیں تو حضرت خلیفہ نے ایک علمدہ مخالفانہ دوکان اجتہاد کی کھولی۔ آپ نے اجتہاد کے لئے ایک مجلس قائم کی اور وہی زید ابن ثابت اور ابی بن کعب وغیرہ اس مجلس کے ممبر مقرر کئے گئے۔ اس وقت سے اسلامیوں میں مذہبی پھوٹ کی ابتدا ہوئی حضرت علی ایک طرف اجتہاد کرتے تھے اور مجلس اجتہاد دوسری جانب اجتہادی کارروائی فعل میں لاتی تھی علی کے اجتہادات نے مذہب امامیہ کی شکل پکڑی اور زید ابن ثابت کے اجتہادات نے مذہب اہل سنت کی۔ مرور ایام سے ان دونوں مذہبوں میں تفرقہ بڑھتا ہی گیا۔ مگر چونکہ زید ابن ثابت کا مذہب مذہب خلافت تھا اس لئے تھوڑے ہی دنوں میں امتیازی حیثیت پیدا کر لی۔ برخلاف اسکے مذہب اہل بن ہاشم اور دوستان بنی ہاشم کے احاطہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت شیخین امور اصول دین کے مجتہدانے جاتے ہیں اور فروعی

امور کے امام اور مجدد المذہب یعنی امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک اور امام حنبل سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم لوگوں تک امور دین کے متعلق پہنچا ہے حضرت شیخین اور المذہب اربعہ سے پہنچا ہے۔ اس تحریر سے عیاں ہے کہ اہلسنت کو مذہب علی سے کوئی واسطہ نہیں رہا اور اجتہادات علی اور حضرت علی کے جانشینان یعنی المذہب خاندان پیغمبر کے اجتہادات سے اہلسنت کو تمام تر آزادی رہی ہے اور اس وقت بھی وہی آزادی قائم ہے اور تاقیامت قائم رہیگی۔ غیر سادات کے لئے یہ بے تعلقی کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے مگر سادات کا امور اصولی و فروعی میں خاندان پیغمبر کے المذہب علیہم السلام کے امور اصولی و فروعی سے کنارہ کش ہو جانا ایک سخت جاگزا امر ہے۔ مذہب علی سے سادات کی علیحدہ گی کی وجہین بہت سی نظر آتی ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ سادات کا تسلط ارضی باقی نہیں رہا تھا۔ شاہان اسلام اکثر اسی قبیلہ کے لوگ تھے جن میں زید ابن ثابت کا مذہب جگہ کر چکا تھا پسین پیغمبر کو دنیوی خوش حالی خیر باد کہہ چکی تھی حتیٰ کہ مذک کی زمینداری تک باقی نہیں رہی تھی حضرت شیخین کے زمانہ میں بنی ہاشم کمزور ہو چکے تھے۔ حضرت شیخین بنی ہاشم سے روگردان رہتے تھے۔ بنی ہاشم کی کسی طرح کی سرپرستی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مخالفین بنی ہاشم کے ساتھ ان دونوں بزرگواروں کو ہر طرح کا سلوک مد نظر رہتا تھا چنانچہ رسول اللہ کے پامال کردہ قبیلہ بنی امیہ کو سر نو سے حضرت شیخین نے وہ راہ ثروت کی دکھائی کہ جو انھیں اپنے سابق کی خوشحالی کے زمانہ میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی اپنے وقت آخرین حضرت عمر نے حضرت عثمان کو اپنی پولیٹیکل چالوں سے اپنا جانشین ہو جانے تک کا پورا سامان کر دیا۔ حضرت عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی اپنی قوم کے لوگوں کو جن میں چند نفر مردود درگاہ خدا و رسول تھے حکومتوں پر سرشار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خلیفہ ثالث کے وقت میں بڑی اور چھوٹی امارتوں پر بنی امیہ ہی مہمور نظر آتے تھے۔ اس عہد میں بنی امیہ بلاد اسلام کے تمام ممالک ہو گئے تھے اور بنی ہاشم ناپرسائی کی حالت میں جا پٹے تھے۔ حکومت سے بنی ہاشم کو کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ اس پر بنی ہاشم اپنے سردار دین یعنی حضرت کے دین پر استوار تھے اور بیرون تک استوار رہے۔ حضرت عثمان کے بعد اگر حضرت علی پر خلافت قرار پائی بھی تو امیر معاویہ کی بے عنوانیوں سے حضرت علی کا تسلط ارضی قائم نہیں رہ سکا۔ حضرت علی کی مختصر خلافت کے بعد ہی امام حسن کو خلع خلافت کی نوبت آگئی اور پھر بنی امیہ تمام بلاد اسلام کے مالک ہو گئے۔ معاویہ کے عہد میں امام حسن کا کام زہر سے تمام کر دیا گیا۔ عہد معاویہ میں بنی ہاشم اور ہوا خواہان بنی ہاشم کو دنیوی مروج کی صورت کیا ہو سکتی تھی۔

فروغ بنی ہاشم کو اس عہد میں ہر طرح کی ایذا سے سامنا رہا۔ بیان تک کہ باضابطہ حضرت علی پر سب ٹھٹم کی کارروائی امیر معاویہ کے حکم سے ہنوز مذہب قرار پاگئی۔ جب امیر معاویہ خدا کے پاس اپنے اعمال کا حساب بگھانے کے لئے اس عالم سے رخصت ہو گئے تب آپ کے صاحبزادے یزید صاحب جو بعض اہلسنت کے خلفاء اثنا عشر سے ایک خلیفہ مانے جاتے ہیں سند آرا سے خلافت ہوئے اس عہد میں تو گویا خاندانِ پیغمبر کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ایک امام زمین العابدین اپنی علالت کی وجہ سے بیچ گئے تھے۔ اگر آپ بھی شہید ہو جاتے تو سو خدا کی نسل منقرض ہوتی سے معدوم ہو جاتی۔ یزید کے وقت میں بنی ہاشم کو زندہ ہی رہنا دشوار تھا انکی ثروت مالی تو بخت سے خارج ہے۔ بعد یزید کے قبیلہ بنی امیہ میں ۹۴ (چورائوسے) برس خلافت قائم رہی اور سادات کے ساتھ وہی سلوک جاری رہا جو قبل میں ہوتا رہا تھا۔ اس کے بعد بنی عباس بلاد اسلام کے بادشاہ یا خلیفہ ہوتے رہے اور ہر طرح کی بدسلوکیاں بنی ہاشم کے ساتھ جاریاں وقت کے ہاتھوں ہوتی رہیں۔ خلفاء بنی عباس کا بھی وہی مذہب تھا جو خلفاء بنی امیہ کا تھا۔ صرف دو ایک خلیفہ بنی عباس کے ایسے گذرے ہیں جو مذہبِ علیؑ رکھتے تھے ورنہ سب کے سب مذہب زید ابن ثابت کے پابند تھے۔ پس جیسا کہ عہد میں بنی امیہ کے بنی ہاشم بد حال ہوئے تھے بنی عباس کے زمانہ میں بد حال رہے۔ وہی سادات کشی اس عہد میں بھی جاری رہی۔ چنانچہ خاندانِ پیغمبر کے انھیں دونوں کے عہد میں برابر شہید ہوتے رہے۔ اس پر بھی بنی ہاشم حضرت علیؑ اور اپنے خاندان کے امیہ کے مذہب پر قائم رہے۔ بعد بنی عباس کی خلافت کے پیشتر سنی خاندان کے بادشاہ دنیا میں ہوتے گئے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی سنی خاندانوں کے بادشاہ برابر ہوتے گئے۔ آخر خاندانِ شاہان ہند کا یعنی خاندانِ مغلیہ بھی سنی ہی تھا۔ سلطنت کو مذہب میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکھما ایک سچا قول ہے۔ اس وقت جو ہندوستان میں کثرت سے سنی مذہب مسلمان دیکھے جاتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ اسلامی بادشاہ ہند سنی تھے۔ اگر شیعی خاندان کے لوگ سربراہ اور وہ دیکھے بھی جاتے تھے تو تقیہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ البتہ جب سے مغلیہ سلطنت میں ضعف آگیا تب سے بہت ضرورت تقیہ کی باقی نہیں رہی بے تقیہ بھی ممتاز عہد میں پر کچھ شیعی مذہب والے نظر آنے لگے۔ مثلاً صوبہ داران اودھ و بنگالہ جو سلطنت مغلیہ کی بد حالی کے وقت میں عروج پاتے گئے۔ سلطنت مغلیہ کے عروج کے وقت میں مذہب شیعی رکھنے والے حضرات سادات سلطنت کی طرف سے کسی طرح کی فلاح کی امید نہیں رکھ سکتے تھے۔ قاضی سید نور الدین شریعی رحمہ اللہ

ملیہ شہید ثالث کا واقعہ معروف خاص عام ہے۔ اللہ اکبر کیا عداوت اور مخالفت جبارین زمانہ کو دیکھ کر
اہلبیت سے تھی اور اس وقت بھی ہے۔ عہدہ اور جاگیرات کا ملازمتی ہونے پر تھا خود راقم کے بزرگوں
میں نواب سید محمد سعید خان فیروز جنگ امیر اللہ را جو عہد شاہجہان اور گنگ نیب میں زیرِ غلظت رہے
تقیہ کے بدولت ایک عرصہ دراز تک برسرِ فردت رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ تقیہ کے ساتھ تھنا مذہب
کی صورت ہونین سکتی۔ دو چار پشت کے بعد ایسے تقیہ کرنے والوں کی اولاد آخر سنی ہو جاتی ہے
جیسا کہ اس وقت صوبہ بہار میں دیکھا جاتا ہے۔ کچھ سادات جو تقیہ پر حامل نہ ہو سکے اکتسابِ مالش
کی نظر سے ناچار پیری مریدی کی طرف انگو جانا پڑا۔ انکی اولاد میں دو چار پشت میں باضابطہ سنی ہو گئیں۔
ایسے سادات جو چند پشتوں سے سنی ہوتے چلے آئے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کا بھی وہی
مذہب تھا جو اس وقت ان کا ہے۔ ایسے سادات کے لئے اب مذہب علی اختیار کرنا ایک سخت
دشوار امر ہے صوبہ بہار میں جو چند پشتوں سے سادات سنی ہو رہے ہیں وہ تعصب میں بنی امیہ
اور بنی عباس سے کچھ کم بھی نہیں ہیں۔ انہیں بنی ہاشم کی جہلک تک باقی نہیں رہی ہے۔ دوسری جہ
سادات کو سنی دیکھ جانے کی یہ ہے کہ تقاضائے تعلیم سے بھی شیعی خاندان کے افراد سنی ہو جاتی ہیں اس
کی مثالیں بہت ہیں۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ اگر شیعی خاندان کا لڑکا کسی سنی صاحب کو ہاتھ لگ جاتا ہے تو سنی
مذہب کی تعلیم پا کر بنی امیہ اور بنی عباس کا ایک اچھا نمونہ ہو جاتا ہے۔ اسکی مثال سو قریب پیش نظر ہے
یہ تماشائیں اپنے احاطہ خاندان میں دیکھ رہا ہوں۔ سنی تعلیم و تعلم کا یہ طور ہوتا ہے کہ کتابیں معقولات و عقولات
کی معروف طور پر پڑھائی جاتی ہیں۔ امام ابو حنیفہ صاحب کی فقہ سے اطلاع عید جاتی ہے سنی عقائد سے
بھی پرستنے والا اطلاع یاب ہو جاتا ہے۔ حدیث کی کتابیں بھی پڑھادی جاتی ہیں۔ مگر علم تاریخ سے
بالقصہ دور رکھا جاتا ہے معاملات اہلبیت کی اسے ہوا بھی نہیں لگتی پاتی ہے اسکے برخلاف جتنے مخالفانِ اہلبیت
پیغمبر ہیں ان سے قلبی موابلت کی صورت پیدا کرائی جاتی ہے۔ جیڑیں بھی وہی قابلِ توجہ بتائی جاتی
ہیں جنکے راوی جانے بوجھے ہوئے دشمنانِ علی سے ہوتے ہیں۔ راقم کمان تک اہلسنت کی بے
عنوانیوں کی باتوں کو حوالہ قلم کرے۔ مختصر یہ ہے کہ اُس طالبِ علم کے سرِ تفصیل کی پگڑی
بند مٹنے تک وہ ایک ضام امیر معاویہ یا ابنِ خطان ہو جاتا ہے۔ راقم کو گھناوار مانے یا داتا ہے
کہ جب وہ تقاضائے تعلیم سے خاندانِ پیغمبر کو بچی نگاہوں سے دیکھتا تھا اور اپنے استاد جناب
مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی کی طرح شہادت امام حسین علیہ السلام کو سرکارِ یزید کے ایک
باجی کا قتل سمجھتا تھا۔ اس خیال کے علما ہندوستان میں پہلے بھی تھے اصحاب بھی ہیں والد مرحوم

شمس العلماء سید وحید الدین خان بہادر کے استاد جناب مولوی نعمت علی خان ضابطہ الصدق بہادر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے قایل نہ تھے اور یہی عقیدہ جناب مولوی کن الدین خان ضابطہ نج کا بھی تھا۔ یہ دونوں بزرگوار اعلیٰ پایہ کے علمائے اہلسنت سے تھے۔ ایسا عقیدہ کم خواندہ یا جاہل شی کا نہیں ہو سکتا۔ ایسے عقیدہ رکھنے والے کیلئے ضرور ہے کہ اہل سنت کے اصول و عقائد سے پورے طور پر باخبر ہو۔

اے حضرات سادات صوبہ بہار آپ اپنی لاعلمی کو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس وقت جس مذہب کے آپ پابند ہیں یہ مذہب آپ کے جد حضرت علی کا ہے۔ اس وقت کا مذہب آپ کا مذہب علی نہیں ہے مذہب زید ابن ثابت کا ہے۔ آپ کے طبقے سے علم آباؤ آپ کا رخصت ہو گیا ہے۔ اس وقت آپ کے ہادی طریقت وہ لوگ ہیں جو بنی امیہ اور بنی عباس کا مذہب لے کئے ہیں۔ اولاد علیؑ ہو کر مذہب علی سے بے تعلق طرہ مضمون ہے۔ آپ کو مذہبی امور میں خاندانِ پیغمبر سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ آپ کے اصول دین کے مجتہد حضرت شیخین اور فروع دین کے مجتہد ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ و امام شافعی امام حنبلی اور امام مالک ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ نہایت سچائی کے ساتھ اسکا اقرار کرتے ہیں۔ آپ بحالتِ موجودہ کوئی مذہبی تعلق حضرت علی اور ان کے برحق جانشینان نبیؑ خاندانِ پیغمبر سے نہیں رکھتے ہیں۔ ائمہ اثنا عشر کے نام بھی مسلسل طور پر آپ کو معلوم نہیں ہیں اور معلوم کیونکر ہوں جب آپ کو ان حضرات والا درجات سے کسی طرح کا تعلق باقی نہیں رہا ہے اس لیے سنی بیکہ محال ہے۔ اہل سنت کی کتابوں کو دیکھو۔ اگر خود علیؑ نہیں پڑھ سکتے تو تو کسی پڑھے لکھے سیمان دیو آدمی کی طرف رجوع لاؤ۔ کیا غضب کی بات ہے کہ سادات شہزادگان نے خاندان کے امور مذہبی سے اس طرح بے خبر ہو۔ ہیں آپ تو حضرات سادات و اہل بیتؑ مگر کہ دہر و گفیتار و رفتار سے آپ بنی امیہ اور بنی عباس کے نام لیوا نظر آ رہے ہیں ؟ زحاک کہ ابو حنیفہ ابن حنیفہ چلا بھیجی است ؟ آپ سادات ہو کر عنایفین سادات کی روش اختیار کریں اور مخالفان علی و فاطمہ و حسن و حسین و جمیع ائمہ خاندانِ پیغمبر علیہم السلام کے دوست اور پیرو ہو جاویں یہ واقعی حیرت انگیز امر ہے۔ آپ ایسے حضرات کے طرفدار ہیں جن نے بقول امیر معاویہؓ ”حق علی کو چھین لیا“ جنھوں نے بی بی فاطمہؑ کی معاملہ ذلک میں بڑی نا انصافی کا پہلو اختیار کیا۔ جس میں سے ایک نے خانہ فاطمہ میں آگ لگا دینے پر بڑی مستعدی دکھلائی اور حضرت سیدہ کے بطن مبارک پر ایسی ضرب لگائی جس سے حضرت معصومہؑ کا محل ساقط ہو گیا اور اسی صدمہ سے بیمار ہو کر اپنے چھینے کے اندر انتقال فرما گئیں۔ ثبوت کیلئے دیکھو مل نخل عبد الکرم شہرستانی جلد اول صفحہ ۱۷۲ جنھوں نے مزیدہ قبیلہ بنی امیہ کو

عرض دارالم مجتہد سنی سادات صوبہ بہار

لعون خدا در رسول تھا اسے زندہ کر کے اپنے کو بپ قریب یا سبب بغیر شہادت امام حسن و شہادت امام حسین و جمیع ائمہ خاندان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنایا یہ سب تو ہوتا ہی گیا دین محمدی میں بھی وہ نجافان علی رضخہ اندازی کے لئے مستعد ہو گئے۔ چنانچہ جب حضرت علی کے قرآن جمع کرنے کی خبر ان خالفان علی کو ہوئی تو قرآن جمع کرنے کے لئے زید بن ثابت ابی ابن کعب وغیرہ کو قرآن جمع کرنے پر متعین کیا۔ علی کا جمع کردہ قرآن کیا ہوا کچھ نہیں معلوم مگر ابن زید ابن ثابت کا قرآن قریب قریب وہی ہو جو اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ پھر جب ان خالفان علی کو معلوم ہوا کہ حضرت علی اجتہاد مسائل کرتے ہیں تو انھوں نے اپنے جامعان قرآن کو اجتہاد مسائل کے لئے مقرر کیا۔ وہ جامعان قرآن اجتہاد مسائل کرنے لگے اور اس مذہب کے بانی ہوئے جو مذہب زید ابن ثابت کہلاتا ہے اور اس کے اوسید سنی بھائیوں اس وقت آپ پابند دیکھے جاتے ہیں۔ اسے حضرات آپ اپنی لاطلی سے اپنے اس وقت کے مذہب کو مذہب علی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ مذہب عمری ہے جو حضرت عمر کی سرپرستی میں ظہور پذیر ہوا تھا اور جس سے ایک عرصہ تک بنی ہاشم کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ سادات بہار میں مذہب تفسیر کے جگہ کرنے کی وجہ اور کوئی نہیں ہوئی الا یہ کہ ہندوستان کی سلطنت سنی بادشاہوں کے ہاتھ میں صدیوں پڑی رہی تھی۔ الناس علیٰ دین ملوکھم ایک نہایت متعقول قول ہے۔ پس شاہی عہد کے سادات سنی بن جاتے تو کیا کرتے۔ لیکن اس وقت کس چیز کی توقع مرنے والے ہندو سے ہے جو اس وقت دشمنانِ ظاہر و پیر کے پیرو اور ہم طریق آپ حضرات ہوتے ہیں۔ کیا غضب کی بات ہو کہ خالفان علی نے حقوقِ ملیت چھین ہی لئے تھے دین کی سرداری بھی علی چھین لی۔ کیونکہ علی کے دین کا نام دنیا میں رکھا گیا ایک نہایت تعجب خیز امر ہے۔ ظاہر سبب دین علی کی بقا کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم یعنی حضرت رسول اللہ کے خاندان کو بزرگوں اور ان کے دوستوں اور اجتہادات علی کی تبعیت کرتے رہے اور بقیہ ائمہ خاندان پیغمبر کے وقت تک ایسا ہی کرتے رہے۔ دوسو برس تک جب مذہب علی زندہ رہ سکا تو پھر اس کا آئندہ بھی زندہ رہ جانا صورت امکان نہ لگتا تھا۔ اس لئے مذہب علی زندہ رہ گیا اور اس کے پیروان ابھی تک دیار و امصار میں کچھ نہ کچھ دکھائی دیتے ہیں۔ عہد ائمہ اثنا عشر تک تو اکثر بنی ہاشم و دوستان بنی ہاشم مذہب علی کے پابند تھے کے ساتھ رہے مگر بنی بادشاہوں کا زمانہ دنیا میں آگیا تو قضاۃ سلطنت سے سادات اپنے آبائی دین سے قدم باہر رکھنے لگے۔ جس کی مثالی آپ حضرات سادات بہار بھی ہیں جو افعال و خواص میں بنی امیہ اور بنی عباس سے کم نہیں نظر آتے ہیں۔ آپ حضرات میں آپ کے سب کے سب قضاۃ تھے سے امیر معاویہ کو خلیفہ بنیم جانتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ یزید کو خلیفہ وقت مان کر کشتادہ امام کا قاتل

نہیں ہیں ایک سید صاحب واقعہ کربلا کی نسبت مجھ سے یوں ارشاد فرماتے تھے کہ دو برابر بودند باخوہا
 جنگ کردند یکے ظفریاب شد و دیگر مقتول گردید۔ معاذ اللہ سید ادریہ قول - کَاخُوْلٌ ثُمَّ کَاخُوْلٌ بہار
 کے حضرات سیدات میں خفی المذنب ہونے کے علاوہ کچھ اہل حدیث بھی ہیں اور چند حضرات اپنے کو
 اہل قرآن کہتے ہیں۔ اہل قرآن کا بیان آچکا ہے۔ یہ فرقہ خوارج کی طرح دشمن اہلبیت نظر آتا ہے
 واضح ہو کہ اہلبیت آن صلعم کے ساتھ جو حضرت شیخین اور ان کے پیروان نے بدسلوکیاں کیں ان کے بیان
 کے لئے ایک وقت درکار ہے اس کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش امکانی صورت میں نہیں رہتی۔ بہر
 حال مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخین اور ان کے پیروان نے حدیث ثعلبہ کی تعمیل کیا خوب کی داہ دیکھا کہ انہوں
 دو امر گران سے ایک مضمون اہلبیت نبوی کا تھا اس کی کیفیت مختصر طور پر بیان کی جا چکی اب دیکھنا ہے
 کہ دوسرا امر گران یعنی قرآن کے ساتھ مخالفان اہلبیت نے کیا کارروائی ملحوظ رکھی۔ پوشیدہ نہیں ہو کہ
 جب دامہ حضرت عثمان کی خلافت کا آیا تو آپ نے قرآن کی تصحیح کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔
 تصحیح وغیرہ تو خاک نہیں کی گئی بیکار ہزاروں نسخے قرآن کے حضرت خلیفہ کے حکم سے جلا ڈالے گئے تصحیح
 ہوئی تو یہی ہوئی کہ عثمان سے حضرت علی کا نام خارج کر دیا گیا اور آل محمد کا لفظ بھی نکال دیا گیا۔ اگر اس
 کی تفصیل آپ چاہیں تو ائمہ کی مصباح الظلم کو ملاحظہ فرمائیں۔ پھر اس قرآن کو جو صحیفہ عثمانی کا حکم رکھتا
 امیر معاویہ نے اس کے سیکڑوں نسخوں کو جھنڈوں پر آویزاں کر ڈالا اور ولید نے اس قرآن کو تیر بار ان کیا
 کُتِبَتْ اَللّٰهُ عَلٰی اَنْطَالَمِیْنِ بِالْمُخْتَصِرِ مَخْلُفَانِ خَاذِلَانِ بِمِیْرَیْنِ حَدِیْثِ ثَعْلَبِیْنِ کِی حَبِیْصِیْنِ کِی اَہْلِیْنِ کِی کِتَابِیْنِ کِی کِتَابِیْنِ
 اسے سنی سید بھائیو۔ اگر آپ توجہ کے ساتھ اہلبیت نبوی اور قرآن پاک کے معاملات پر نظر
 ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح پرامتیاں محمد نے اپنے پیغمبر کے اہلبیت اور کتاب اللہ
 یعنی قرآن کے ساتھ سلوک بد کیا ہے دنیا کی کسی امت نے اپنے پیغمبر کے اہلبیت اور کتاب اللہ کے
 ساتھ نہیں کیا ہے۔ چنانچہ تاریخ کامل اور ابوالفدا میں ہے کہ جب حضرت عثمان کی بیعت کی گئی تو حضرت علی
 نے معاملہ بیعت کا طرز عمل دیکھ کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے ہم پر غلبہ کیا۔ خیر صبر ہو پھر
 اے حبشہ رحمت خدا کی قسم تم نے عثمان کی بیعت اسی لئے کی ہے کہ امر امامت تمہاری جانب پھر جاوے
 حبشہ رحمت بن عوف بولے کہ اے علی تم اس کا خیال نہ کرو پس حضرت علی اس مکان سے باہر
 نکلے اور یہ فرماتے جاتے تھے سِبْطُیْنِ الْکِتَابِ اَجْلَہ۔ مقدار نے کھا کہ اے حبشہ رحمت تم نے علی کو ترک
 کیا۔ حالانکہ واللہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو حق کے ساتھ حکم اور عدل کرتے ہیں۔ نیز تاریخ کامل و تہذیب
 ابن جریر طبری میں ہے کہ بعد از ان مقدار نے کہا کہ میں نے ایسا برتاؤ نہیں دیکھا جیسا کہ اہلبیت نبوی کے

ساتھ انکے بنی کے بعد کیا گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ قریش نے ایسے شخص کو ترک کیا، جس سے بڑھکر نہ میں کسی کو
 اعلم جانتا ہوں نہ اتنے بالعدل کہہ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میں ناصرا در مدگار پاتا۔ مقدار اتنا ہی کہنے
 پائے تھے کہ عبدالرحمن نے کہا کہ اے مقدار خدا سے ڈرو مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر فتنہ نہ برپا ہو۔ اور
 مروج مسعودی میں ہے۔ کہ عمار نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے گروہ قریش جبکہ تم امر خلافت
 کو اپنے بنی کے اہلبیت سے پھیر کر کبھی بیان لے گئے اور کبھی وہاں توہم کو اس بات سے بھی خوف نہ ہونا چاہئے
 کہ خدا اس امر کو تم سے لیکر تمہارے غیر کو دیدے جیسا کہ تم نے اسکو اس کے اہل سے لیکر اس کے غیر اہل
 کو دیدیا ہے۔ پھر مقدار نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول مقبول کے بعد جیسی ایذا اہلبیت رسالت کو پہونچائی
 گئی ہے ایسی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ عبدالرحمن نے کہا کہ اے مقدار تم یہ کیا کہہ رہے ہو مقدار بولے
 کیونکہ کون کہ میں اہلبیت رسالت کو حب رسول کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں اور بیشک حق انہیں کے
 ساتھ اور انہیں میں ہے۔ اے عبدالرحمن میں تعجب کرتا ہوں قریش سے تم جبین غلبہ دلانے کی کوشش
 کرتے ہو اور جو اس بات پر مجتمع ہوئے ہیں کہ رسول کی حجت اور عظمت کو آنحضرت کے بعد ان کے
 اہلبیت سے چھین لیں۔ اے عبدالرحمن آگاہ ہو کہ اگر میں انصار و مددگار پاتا تو خدا کی قسم قریش کے
 ساتھ انسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں کیا ہے۔ اور تابع ابن جریر میں ہے کہ عائشہ
 یاسر نے کہا کہ انہما الناس خدائے عزوجل نے اپنے دین کے ساتھ ہکو عزت دی اور اپنے بنی کے نسبت
 سے ہکو بزرگی عطا فرمائی۔ پس تم امر خلافت کو اپنے بنی کے اہلبیت سے کہاں پھیر رہے ہو۔ اسی سید
 بھائیو آپ سے بھی راقم کو تعجب آتا ہے کہ مخالفان اہلبیت کے ساتھ آپ حضرات جاملے ہیں اور دنیا و دنیا
 قبیلہ بنی اسیمین داخل ہو بیٹھے ہیں۔ یہ قبیلہ تو بقول خدا اور رسول ایک ملعون قبیلہ قرار پا چکا ہے اب
 آپ حضرات اپنی خبر لیجئے۔ حق یہ ہے کہ اکابر امتیان رسول مقبول احکام نبوی سے ستر بیان علیہ السلام
 صلعم میں بار بار کرچکے تھے جیسا کہ فرار از غزوات و معاملہ صلح حدیبیہ و معاملہ خم عذیر و معاملہ تخلف آپ صلی اللہ علیہ
 و معاملہ قصہ قرطاس سے حقیقت حال آشکارا ہے۔ بعد آنحضرت صلعم کے انہیں اکابر امتیان کے معاملات
 جو بر خلاف مضمون حدیث ثقلین کے اہلبیت نبوی و قرآن پاک کے ساتھ ظہور میں آتے گئے ہیں کچھ ایسے
 تعجب خیز معلوم ہوتے ہیں کہ بے اختیار بولی پکار اٹھتا ہے کہ عذابا ایسی نافرمان امت محمدی بعض
 ام سابقہ کی طرح کیوں مسخ نہیں کر ڈالی گئی حق یہ ہے کہ چونکہ مضمون رحمۃ اللعالمین کا درمیان میں مل
 تھا اس طرح کی سزائے نافرمانی ظہور میں نہیں آسکی۔ بہر حال اس میں شک نہیں ہے کہ اکابر امتیان
 محمدی نے اہلبیت نبوی کے ساتھ جو برتاؤ رکھا ہے وہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ حدیث ثقلین سے تا متر

خالفانہ انداز رکھتا ہے اب دیکھیں کہ دوسرا امر اہم یعنی قرآن پاک کے ساتھ اکابر و مستیان مہدی کس طرح پیش آئے۔ قرآنی واقعات یہ ہیں کہ حمد حضرت ابو بکر میں آپ کے حکم سے قرآن جمع کیا گیا۔ اس کام کے لئے خلافت اولیٰ کی طرف سے زید بن ثابت ابی ابن کعب و عیسہ مقرر کئے گئے۔ چنانچہ ان حضرات نے قرآن کو جمع فرمایا۔ یہی جمع کردہ مسترآن حضرات بالا کا مسلمانوں میں عیین تک مروج رہا۔ مگر جب زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کا آیا تو آپ نے چند اشخاص کے ذریعہ سے قرآن کی تصحیح اور ترتیب از سر نو فرمائی۔ اس تصحیح اور ترتیب سے نہ صرف مقدم آیتیں سابق کے نسخہ ہائے قرآن کی موافقت میں یا یہ کہنے کہ بہت سی مدنی آیتیں مکی آیتوں میں اور مکی آیتیں مدنی آیتوں میں جا لیں بلکہ کچھ الفاظ کے ترک سے منصوص حیثیت سے امر تفسیٰ اور آل محمد کی جاتی رہی۔ خلافت کی طرف سے تصحیح و ترتیب مسترآن کے لئے زید ابن ثابت عبدالرحمن بن زہیر سعید بن العاص اور عبداللہ بن احارث بن ہشام مقرر کئے گئے تھے۔ یہ اشخاص حضرت علی کے ساتھ کھلے طور پر عناد رکھتے تھے۔ ان اشخاص نے اختلافات قرآنی کی بنیاد پر لفظ آل محمد اور بھی علی کے نام کو جو چند جگہ پر داخل قرآن تھا قرآن سے خارج کر دیا۔ حق یہ ہے کہ ان صحیحین قرآن کو لفظ آل محمد اور نام پاک مرتضوی کو مسترآن سے خارج کر دینا تھا اختلافات قرآنی کا بھانہ ایک بھانہ ہی تھا۔ خیر ان کے اس فعل سے جب علی اور آل محمد کی منصوصیت باقی نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ آئندہ حضرات اہلبیت کے ساتھ کیون کوئی تمسک ہونے لگا۔ عموماً اہلسنت یہی کہتے ہیں کہ قرآن میں نام کسی اہلبیت کا نہیں دیکھا جاتا ہے تو پھر امامت علی کی یا اور کسی اہلبیت کی کیونکر قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ یہی بیان اس فرقہ کا بھی ہے جو اپنے کو اہل المسترآن کہتا ہے۔ خاص کر اس فرقہ کے نزدیک تو کوئی وقعت عسلے مرتضیٰ کی صورت امکان نہیں رکھ سکتی ہے۔ اس لئے کہ اسی احادیث نبوی جو عقیقہ بدع و منقبت علی ہیں اس فرقہ کے نزدیک قابل پذیرائی مقبول نہیں ہیں اور قرآن سے منصوص حیثیت عسلے کی حضرت عثمان کے بدولت جا ہی چکی ہے تو یہ فرقہ کسی طرح پر حضرت علی کا تمسک نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ کا انداز تا متر فرقہ خوارج کا انداز نظر آتا ہے۔ بہر حال واضح ہو کہ حمد آن صلعم میں آیت بلغ پارہ ۱۶ رکوع ۱۳ کی قرأت یون ہوتی ہے یا اےھا الرسول۔ بظہر ما نزل الیک من ربک ان علیا من فی المؤمنین الخ یہ کلمہ انا علیا من فی المؤمنین کا قرآن موجود سے خارج کر دیا ہے۔ اس ترک کا پورا پورا تفسیر درمنثور علامہ جلال الدین سیوطی و کتاب منقح النجاشی مرزا محمد ربین محمد خان بہ خسانی سے لگتا ہے۔ اسی طرح تفسیرین لکھتے ہیں کہ قرأت ابن مسعود میں کلمہ اللہ مو منین ایتقال کے بعد علی ابوبکر علیہ السلام کا کلمہ داخل تھا جیسا کہ اسی درمنثور اور منقح النجاشی میں ایسا ہی لکھا

ہوا ہے۔ پھر پہلی اپنی تفسیر میں اپنے استاد ابی داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے مصحف عبد اللہ بن مسعود کو جو پڑھا تو آیہ ان الله اعلم ما ورائنا والابراہیم وال عمران علی العالمین میں آل عمران کے بعد آل محمد کا لفظ موجود تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحف ابن مسعود کے وجود تک لفظ آل محمد داخل قرآن تھا اور قرآن کے پڑھنے والے اس کو پڑھا بھی کرتے تھے مگر حضرت عثمان اور آپ کے کارکنان نے اس لفظ کو حدیث قرآن سے خارج کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان مسند بن قرآن کے نزدیک علی اور آل محمد کے الفاظ کے لحاظ سے قرآن کی تصحیح موقوف تھی۔ اس کا ثبوت کہ قرآن موجود قرآن کامل نہیں ہے اور یہ کہ اس میں دست اندازیاں ہوتی تھیں جن حضرت عبداللہ بن عمر کے قول سے ملتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تہمت ساق قرآن سے جاتا ہے۔ قرآن سے اور کیا فائدہ کر دیا گیا ہے اس کی تحقیق راقم کو نہیں ہے مگر علی اور آل محمد کے الفاظ قرآن سے ضرور خارج کر دئے گئے ہیں جس کی وجہ سے اہلیت علیہم السلام کی منصوص حیثیت دنیا میں باقی نہیں رہی ہے گو خدا نے پاک کے نزدیک ان معصومین کی منصوص حیثیت دیسی ہی باقی ہے جیسا کہ نزول قرآن کی تہمت تھی مخالفین کے اس فعل کے بعد بھی خدا نے پاک کے نزدیک حضرات اہلیت کا وہی درجہ قائم ہے جو پہلے تھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کی قطع و برید کرنے والوں نے اپنی جگہ اسلاف اہل بیت میں بنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کے دلون کو خدا نے پاک نے حدادت اہلیت سے پاک بنا یا ہے مثلاً کی ایسی حرکتوں سے ان کی ولایت اہلیت میں خس برابر بھی کی نہیں ہو سکتی ہے۔ المختصر دشمنان خدا و رسول کے ہاتھ سے اس عالم فانی میں نہ اہلیت نبوی مامون رہے اور نہ قرآن پاک محفوظ رہ سکا۔ وہ دلائل و ایتوں کا کیا کہنا ہے حدیث ثعلبن کی خوب داد دی۔ غلطی ہے کہ ان حرکات کے بعد ایسے نافرمانوں سے خدا سے تعالیٰ کیونکر راضی ہو سکتا ہے اور ایسے لوگ کیونکر خدا سے تعالیٰ سے راضی ہو سکتے ہیں یون خلق کا خلق ہے رضی اللہ عنہم و رضو عنہ جس کو چاہے کہے عقل کھتی ہے کہ مخالفان اہلیت و محض بن قرآن سے نہ خدا سے پاک راضی ہو سکتے اور نہ ہو گا اور نہ ایسے زشت کار خدا سے پاک سے راضی ہو سکتے ہیں اور نہ ہون گے۔

اسے حضرات سنی سید بجا بنو آپ حضرات اپنے کو اہل السنہ و الجماعت کہتے ہیں۔ بنی ہاشم اور اہل السنہ و الجماعت ایک طرف مضمون ہے۔ اگر آپ کو مذہب اہلسنت و الجماعت کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم ہے تو مجھے سنئے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں حضرت رسول کی وفات کے قریب پھوٹ کی ابتدا ہوئی اور اشخاص غیر بنی ہاشم بعد رحلت آن صلعم عترت نبوی کناہ کشی کے

اجتماعات مسائلِ نادوی کیساتھ کرنے لگے تب ایک مذہب حضراتِ اہلسنت کے مذہب سے طعنے قائم ہو گیا۔ یہ مذہب حضرت عمرؓ کے قائم کردہ اجتہادی کمیٹی کی بدولت ظہور میں آیا۔ مگر آپ کے وقت میں اُس نے کوئی خاص لقب یا نام حاصل نہیں کیا اور نہ اسکو حضرت عثمانؓ کے عہد میں کسی طرح کا امتیازی لقب نصیب ہوا اسی طرح امیر معاویہ کے عہد میں یہ مذہب بے نام رہا۔ مگر آپ کے بعد دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں اس مذہب کے پیروان نے اس مذہب کو اسنت و ابجاعت کے نام سے ملقب کیا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے اس سن کا نام جس میں آپ نے امام حسن سے خلع خلافت کر لیا تھا امام ابجاعت اور جس سن میں آپ نے حضرت علیؓ پر تبرہ جاری کیا تھا اس کا نام عام اسنت رکھا تھا پس مخالفانِ عترت نبویؐ اپنے کو اہل اسنت و ابجاعت کہنے لگے اور یہ اس عرض سے کہ امیر معاویہ کی صلح جو امام حسن کے ساتھ علیؓ میں آئی تھی اور حضرت علیؓ پر تبرہ کی رسم جو بعد ازاں قائم ہوئی تھی اس لقب کے ذریعہ سے فراموش نہ ہو سکے (دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۲۱۲۔ کتاب العقد ابن عبد ربہ۔ تاریخ خلفا صفحہ ۳۶ سیوطی۔ کتاب منہاج علامہ بخاری بن الحسن قرشی۔ کتاب التوارک الحدادیہ چلی کیل اد کتاب الرداج شیخ العسکری) اے سنی سید بھائیو نام بھی آپ کے مذہب نے خوب پایا ہے اس سے بہتر آپ کے مذہب جدید کا کیا نام ہو سکتا تھا۔ اب کہ آپ حضرات بنی ہاشمؓ ہو کر بنی امیہؓ اور دیگر مخالفین عترت نبویؐ کا مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں کیا اپنے کو اہل اسنت و ابجاعت کہتے ہوئے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ میرا قیاس یہی ہے کہ کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے تکلیف جب ہوتی کہ آپ ہل اسنت و ابجاعت کی حقیقت سے اطلاع رکھتے اور اپنی سیادت کے قدر شناس ہوتے راقم کو بھی لا علمی کی وجہ سے اپنے سنی ہونے کے زمانہ میں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب خداے علیم و قدیر نے مجھے حق و باطل کی تحقیق کی توفیق عطا فرمائی تو مجھے دلی تکلیف ہونے لگی۔ بہر حال رفتہ رفتہ میں حقیقت حال سے واقف ہو گیا اور آخر میری تکلیف راحت کے ساتھ مبدل ہو گئی۔ ہزار ہزار شکوے خداے دانا میرے کہ تو نے معاملات خاندانِ پیغمبرؐ سے مجھے آگاہی بخشی جس کی بدولت خاندانِ نبوت کے دوست اور دشمن کی تمیز مجھے حاصل ہو گئی اور میں مخالفِ اہلسنت رہنے کے عوض ایک سچا کفش بردار خاندانِ نبوت کا ہو گیا۔ این سعادت بزورِ بازو نیست نہ تانہ بخشہ خداے بخشنده۔ کیا شانِ کبریا ئی ہے کہ نزدیکِ بیا مبر پر چڑھ کر اپنے دادا معاویہ کو غاصبِ خلافت قرار دے۔ اور اپنے باپِ نزدیک کو نا اہل کہے۔ باب دادا کی خلافت پر لات مار دے اور حضرت علیؓ کی محبت قلبی کا اظہار ایسے پر جوش لفظوں میں کرے کہ تو جے سے باہر ہو اور اس دلائلِ علی کی بدولت اپنی قوم کو ہاتھوں سے زندہ دین دفن کر دیا جاوے

گر اب اسے سنی سید بھائیوں اس مرحوم کے دادا کے مذہب کے (اپنے تقاضائے مذہبی سے متمسک رہو۔
 خوشنحس تیرے اسے ابن یزید۔ کاش تو میرے وقت میں نہوتا اور میں تیری خاک قدم کو تو تیا سے شتم
 بناتا۔ لاریب تو بہت علی سے خدا کا شہر نظر آتا ہے۔ خدا کا شہر نہوتا تو دنیا سے دنی پر کیوں لات مارتا۔
 اب فرما اسے سنی سید بھائیو کیا حیرت انگیز امر ہے کہ یزید کا بیٹا معاویہ ابن یزید تو اس طرح پر
 راہ راست اختیار کرے اور اب حضرات بنی ہاشم ہو کر بنی امیہ کے کان کاٹیں۔ زمین چین گل کھلاتی
 ہے کیا کیا۔ بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے۔ اسے سنی سید بھائیو۔ آپ کی اصلاح کوئی آسان امر
 نہیں ہے۔ آپ کے دیوبندی اور دہلوی ملا آپ کو رشک بنی امیہ بنا چکے ہیں۔ خدا ہی آپ کا حافظ
 ہے۔ اس پر بھی اگر آپ سے ہو سکے تو ضرور اہل سنت کی کتابیں غور سے ملاحظہ فرمائے۔ میں شیعی کتابوں
 کے ملاحظہ کے لئے ہدایت نہیں کرتا۔ اہل سنت کی کتابیں حق و باطل کی تمیز کے لئے کافی ہیں۔ والسلام
 علی من اتبع الهدی

اسے سنی سید بھائیو۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ معاندان خاندان پیغمبر جیسا کہ پیغمبر خدا
 اور ائمہ خاندان پیغمبر کے وقت میں تھے آج بھی ہیں۔ قبیلہ بنی امیہ کے نام لیوا جو ہندوستان میں اس
 وقت موجود ہیں وہ ویسے ہی دلی عداوت خاندان پیغمبر کے ساتھ رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے بزرگوار
 عداوت خاندان پیغمبر میں رکھتے تھے۔ حضرت علی سے جس قدر اس فرقہ کو عداوت لاحق ہے اسی طرح
 امیر معاویہ سے اسے محبت و عقیدت پیدا ہے۔ ان میں سے بہت ایسے بھی ہیں کہ یزید کو برحق خلیفہ
 ماکرام حسین علیہ السلام کی شہادت کے قائل نہیں ہیں۔ یہ جو اکم و بیش طور پر بہت سے اور اقوام
 کے اہل سنت کو بھی لگی ہوئی ہے امیر معاویہ کے خلیفہ برحق ہونے سے انکار تو کسی اہل سنت کو ہو ہی نہیں
 سکتا ہے۔ مگر یزید کے خلیفہ برحق ماننے والے بھی اہل سنت میں نہادوں کا حکم نہیں رکھتے ہیں۔ یہ عداوت قبیلہ
 بنی امیہ کا بیسیل تو ریش یا تعلیم اس وقت کے اہل سنت تک پہنچ گیا ہے اور کیوں نہ ہو جب مذہب اہل سنت
 کا دراصل وہی مذہب بنی امیہ کا ہے۔ پس کوئی جاے تعجب نہیں ہے کہ سنی سادات دیگر اقوام
 اہل سنت کی طرح دلائے خاندان پیغمبر سے مانند بنی امیہ کے خالی نظر آتے ہیں۔ یہ کشیدگی جو اہل سنت
 میں خاندان پیغمبر کی طرف سے دیکھی جاتی ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ حضرت شیخین کی بدولت
 بنی امیہ مالک بلاد اسلام ہو کر دین اسلام کے بھی رہبر بن گئے تھے یہاں تک کہ حضرت شیخین کے
 مذہب نے جو یزید ابن ثابت وغیرہ کے ذریعہ سے گہرا گیا تھا نام بھی بنی امیہ کے ایک نامی خلیفہ
 یعنی امیر معاویہ کے دو واقعہ حیرت انگیز پر پیدا کر لیا ہے۔ پس جو مذہب اس طرح کا ہو کہ مخالفین

مخالفین علی کی بدولت ظہور میں آیا ہو اس سے دلائے علی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے اس وقت کے سنی سادات بھی اس دولت سے محروم دیکھے جاتے ہیں میں اپنا ایک واقعہ ذیل میں عرض کرتا ہوں جس سے حضرات حق شناس اہلسنت کی دلائے علی کا اندازہ فرما سکیں گے۔

ایک حضرت سنی سید صاحب کے مکان میں مجلس مولود سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منعقد ہوئی تھی راقم بھی مدعو تھا۔ مولوی صاحب مولود نامہ پڑھتے جاتے ہیں اور اس کے منظوم مقامات میں قوالی کا رنگ جاتے جاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ آدمی خوش آواز تھے انکی مولود خانی نے مجلس حال و فال کا سامان باندھ دیا تھا۔ اس مجلس میں سوائے راقم کے جتنے حضرات شریک مجلس تھے سب کے سب اہل سنت و جماعت تھے۔ یہ مولوی مجہم سے آئے تھے اور راقم کو نہیں پہچانتے تھے۔ مجھے دیکھ کر آہستہ سے ایک شخص سے پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میرے نام کے سنتے ہی اُن کا چہرہ میری طرف سے ایسا مگر ہو گیا کہ اگر برٹش گورنمنٹ کا خوف لاحق نہیں رہتا تو حضرت مولوی میرے لئے ابن لمحم بن جاتے۔ خیر۔ وہ صاحب میرا کچھ نہ کر سکے دل میں پچھتاہٹ کھاتے رہے مگر جب مولود خوانی کے بعد وعظ فرمانے لگے تو میری طرف رخ کر کے بحث ایمان کا مل اور ایمان ناقص میں بیان فرما گئے کہ حضرت علی کا ایمان ناقص تھا اور حضرات شیخین کا کامل جمیع اہلسنت جن کا عدد تین سو سے کم نہ تھا نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت علی کے نقص ایمان کے بیان کو سنتے رہے۔ سامعین کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب کوئی نئی بات نہیں فرما رہے ہیں گویا حضرت علی کا ایمان تو ناقص تھا ہی۔ اب راقم یہاں پر حضرت علی اور حضرت شیخین کے ایمان و نقصان ایمان کا فرق دکھلاتا ہے اور حضرات ناظرین سے انصاف پسندی کا طالب ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اس امر کی تحقیق کے لئے ضرور ہے کہ راقم حضرت ابو بکر حضرت عمر اور علیؓ کے معاملات پر نظر غائر ڈالے۔ علم تاریخ کہتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ مین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب اہل قریش نے جس میں بنی امیہ بھی داخل تھے رسول اللہؐ پر سختیاں کرتے کرتے آخر کار آنحضرتؐ کی ہلاکت پر کمر باندھ ہی تو رسول مقبولؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانا مناسب جانا۔ چنانچہ ایک شب کو آنحضرتؐ علیؓ کو یہ ہدایت فرما کر کہ تم میری جگہ پر سو رہو تا کہ اہل قریش یہ سمجھیں کہ آن صلعمؐ سو رہے ہیں اور بھی کچھ ضروری احکام کی تعمیل حضرت علیؓ کو سپرد کر کے مکہ سے بقصد ہجرت باہر نکلے۔ یہ ایک بھاری امتحان حضرت علیؓ کے کامل ایمان ہونے کا دکھائی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کے سوا ایسے حکم کی تعمیل کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ کوئی

دوسرا شخص اپنے کو ایسے محل خوف میں ڈالنا گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ علی ہی کا ایمان تھا کہ جس سے حضرت رسول یقین رکھتے تھے کہ حضرت علی ایسا کر سکیں گے۔ خیر وقت ہجرت آنحضرت کے پاس کوئی سواری کا جانور موجود نہ تھا۔ حضرت نے ایک اونٹ حضرت ابوبکر سے خرید فرمایا۔ اس اونٹ کی قیمت آنحضرت صلعم نے نو سو درہم حضرت ابوبکر کو ادا کر دی۔ حضرت ابوبکر نے اس کو دو سو درہم کو خریدا تھا۔ تجارت میں بالغ کو اختیار ہے کہ جتنے میں چاہے اپنے مال کو فروخت کرے۔ مگر ایسے نازک وقت میں رسول اللہ سے دو سو درہم کے مال کے نو سو درہم لینا لال سوداگری کا رنگ دکھاتا ہے۔ خیر جو کچھ ہو یہ بیع شری کا معاملہ قرین خوش مذاقی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی عوض اگر حضرت رسول حضرت ابوبکر کو اپنی جگہ پر سو رہنے کے لئے فرماتے تو اس کی تعمیل حضرت ابوبکر سے ظہور میں نہیں آسکتی۔ بہر حال جب آنحضرت مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر آنحضرت کے ساتھ ہوئے۔ کفار قریش جب شب کو رسول اللہ کی ہلاکت کے قصد سے اس مقام پر آئے تو آنحضرت کی جگہ پر حضرت علی کو سوتا پایا۔ اس وقت کافروں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت رسول مکہ سے باہر جا چکے ہیں۔ پس ان صلعم کی گرفتاری کے لئے وہ بد نصیب باہر نکلے۔ اس اثنا میں حضرت رسول نے جا کر ایک غار میں پناہ لی اور حضرت ابوبکر بھی رسول کے ساتھ داخل ہوئے۔ سرفا حضرت رسول کو تلاش کرتا ہوا غار کے منہ تک آگیا مگر غار میں داخل نہیں ہوا۔ وہ سمجھا کہ حضرت رسول اس غار میں پناہ گزین نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر جو ایک کمزور قلب کے آدمی تھے غار کے اندر جزع فزع کرنے لگے۔ رسول کی ممانعت پر بھی انکی جزع فزع میں کمی نہیں ہوئی۔ حضرات اہل سنت اس غار کے قصہ کو حضرت ابوبکر کے لئے ایک بڑا سرمائہ ناز بتاتے ہیں اور اس سے حضرت ابوبکر کی بڑی عظمت ثابت کرتے ہیں۔ بیان تک کہ اس غار کی معیت کو حضرت ابوبکر کی خلافت حقہ کی ایک بڑی دلیل بتاتے ہیں۔ عقل سلیم کے نزدیک اس معیت غار سے نہ حضرت ابوبکر کی کوئی عظمت ثابت ہوتی ہے اور نہ یہ کوئی دلیل حضرت ابوبکر کی خلافت حقہ کی دکھائی دیتی ہے۔ حضرات ناظرین راقم کی کتاب مصباح انظلم کو صفحہ ۱۸۲ سے ۹۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت آنکھ بند کر کے ہر طرح کے معنوں رطب یا بس سے حضرات خلفائے ثلاثہ کی حقیقت خلافت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ایک قدیم قول ہے۔ کوئی شک نہیں حضرت ابوبکر غار میں نہایت مضطرب الحال ہو رہے تھے۔ چنانچہ

حضرت ابوبکر کے رونے سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی اقرار ہے کہ یہ محل خوف کا دونا تھا۔ محل خوف کا رونا مضطرب الحالی کی دلیل ہے اور مضطرب الحالی دل کی کمزوری کی خبر دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی مضطرب الحالی اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ حضرت رسول کے ”کَاخَزَنَ“ قرآن نے پر بھی کم نہ ہو سکی۔ یہ دعوے حضرات اہلسنت کا کہ حضرت ابوبکر نزول سکینہ کے مورد ہوئے محض بے بنیاد ہے۔ اگر نزول سکینہ حضرت ابوبکر پر ہوا ہوتا تو کیا آپ کی ایسی حالت ہو سکتی تھی کہ آپ اس فارغین روتے رہتے اور حضرت رسول کے بھمانے سے بھی جنز فزع کم نہ کرتے۔ بلکہ جب کفار قریش فارغ کے قریب آگئے تو اور بھی زیادہ گریہ وزاری کرنے لگے۔ کیا اسی کو نزول سکینہ کا مورد ہونا کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے تمام حالات زندگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس غار کے علاوہ کبھی بھی تسکین قلبی نصیب نہیں ہوئی مقل سے یہ بات باہر معلوم ہوتی ہے کہ کسی پر تسکین خدا نازل ہو اور وہ بار بار رسول اللہ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے اپنی جان بچانے کے لئے فرار اختیار کیا کرے یا جب جب ہمارا چھوٹے تو دل کی کمزوری سے کفار کا مقابلہ جیسا کہ جابئے نہ کر سکے۔ ظاہر ہوگا اگر حضرت ابوبکر ایسے شرف اتھی کے مورد ہوئے ہوتے تو ان کے دل کو تا مہر تسکین اور اطمینان کی صورت حاصل ہوتی ایسی صورت میں آپ کو تا مہر خدا پر بہر وسہ رہتا اور عزادات رسول اللہ میں خدا سے تعالیٰ کو حافظ حقیقی جانکر دشمنان خدا کا سامنا پورے اطمینان کے ساتھ کرتے۔ پس جب آپ کو اس طرح کا اطمینان یا سکون کبھی نصیب ہی نہیں ہوا تو آپ کیونکر نزول سکینہ کے مورد فار یا اور کسی مقام میں قرار دے سکتے ہیں۔ اس غار کے تمام پہلو پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر ایک ایسے بزرگ تھے کہ دیری سے منزلوں دور تھے۔ مگر شیعوں کا یہ کہنا کہ آپ حضرت رسول کو پکڑوا دینے کے لئے زور زور سے روتے تھے قرئینہ قیاس سے باہر ہے۔

ظاہر ایہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے زندہ اور کامیاب رہنے میں حضرت ابوبکر کو یہودی کی صورت منظور تھی۔ آپ کوئی دو لہتمند آدمی نہ تھے اور نہ آپ کا قبیلہ کوئی امتیاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے رسول اللہ کی رفاقت اس نظر سے ضرور گوارہ کی تھی کہ اس رفاقت سے آئندہ خوش حالی آپ کو نصیب ہو جائے گی۔ چنانچہ مدینہ میں رہ کر تجارت اور مال غنائم کے ذریعہ سے آپ کی حیثیت درست ہو گئی۔ حتیٰ کہ رسول اللہ کے بعد آپ مسلمانوں کے بادشاہ تک بن گئے۔ بہر حال آپ کی مضطرب الحالی کا مضمون ایسا ہے کہ جس سے آپ کا

کامل الایمان ہونا ہرگز قرین عقل نہیں معلوم ہوتا ہے اور چونکہ یہ مضطرب الحالی آپ کو جنگ جینن تک لائق نظر آتی ہے، اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبھی کامل الایمان نہ تھے۔ اب راقم غزوات رسول اللہ کے تعلق سے آپ کے کامل الایمان یا ناقص الایمان ہونے کی حقیقت کو حوالہ قلم کرتا ہے۔

اے حضرات سنی سید بھائیو۔ جنگ بدر میں حضرت ابو بکر کی کوئی کارروائی ظاہر نہیں ہوئی اس جنگ میں آپ نے فرامین کیا۔ مگر آپ کی کسی ممتاز کارروائی کا پتہ کسی کتاب سے نہیں لگتا ہے اس لڑائی میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ وقت جنگ رسول اللہ کے ساتھ تھے اور چونکہ آپ بڑے شمشیر باز تھے رسول اللہ کی حفاظت میں مصروف رہے۔ راقم کہتا ہے کہ آپ غار میں رسول اللہ کی کیا حفاظت کر سکتے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کی حفاظت کرتے۔ پھر آپ کی شمشیر بازی احد میں خیر حنین و دیگر غزوات میں کیا ہو گئی۔ ہر جگہ سے تو آپ کا فرار ہی ثابت ہے۔ آپ جنگ بدر میں حضرت رسول کی حفاظت کیا کرتے۔ حق یہ ہے کہ آپ لڑائی بھڑائی کے کام کے آدمی ہی نہ تھے۔ آپ کا شریک جنگ ہونا اور نہ ہونا برابر تھا۔ اگر آپ جنگ بدر میں رسول اللہ کے ساتھ ہی رہے تو آپ کی اس حیثیت کو نہ رسول اللہ کو کوئی مدد ملی اور نہ مجاہدین کو کوئی فائدہ مترتب ہوا۔ حضرت رسول اس جنگ میں یا کسی جنگ میں بیٹھا نہیں رہتے تھے۔ آپ جنرل کی خدمت انجام کیا کرتے تھے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق لڑائیاں لڑی جاتی تھیں حضرت ابو بکر کو نہ جنرل ہونے کی صلاحیت حاصل تھی نہ ایک معمولی سپاہی ہونے کی۔ کتب تاریخ میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کفار قریش لشکر اسلام کے مقابلہ میں صف آہ ہوئے تو ان کفار سے تین شخص میدان جنگ میں مبارز طلب ہوئے۔ اس وقت دنیا طلب ماجرمین سے کوئی بھی ان کے مقابلہ کو نہ نکلا۔ مگر حضرت علی حضرت حمزہ اور ابو عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب جو بنی ہاشم سے تھے بہت آزمائی کے لئے مستعد ہو گئے۔ البتہ یہ وقت ایسا تھا کہ حضرت ابو بکر اگر دل رکھتے تو مبارز طلبان کفار کے مقابلہ کو تیار ہو جاتے۔ مگر آپ نے قرب رسول اللہ میں رہنے کو محفوظ سمجھ کر لڑائی کے مخدوش امر کو دور اندیشی کے خلاف جانا اور اسی لئے قرب رسول اللہ کو دم بھر کے لئے بھی نہ چھوڑا۔ کاش حضرت ابو بکر جنگ احد و جنگ خندق و جنگ خیبر و جنگ حنین وغیرہ میں بھی اس قرب رسول اللہ کو ملحوظ رکھتے ان غزوات میں تو آپ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کی طرح رسول اللہ سے کوسوں دور ہو جائیاد قرین مصلحت ہی سمجھا۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت ابو بکر واقعی کبھی نزول سکینہ کے مورد ہوئے ہوتے تو بلا پس پیش حضرت علی حضرت حمزہ اور ابو عبیدہ کی طرح مستعد جنگ ہو جاتے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر آپ کو ایمان کامل حاصل ہوتا تو آپ جنگ بدر اور دیگر غزوات حضرت رسول میں ایسا ہی کرتے۔ تب آپ کو دشمنان خدا سے

جنگ بدر میں حضرت ابو بکر کی بیوقوفی

سلامت حضرت ابو بکر پر شک

سامنا کرنے میں خس برابر بھی مضائقہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے جو مہاجرین دین خدا کے دشمنوں کو سامنا کرنے میں نہیں ڈرے تھے ضرور نزل سکینہ کے مورد ہوئے تھے۔ ظاہر ہے اگر ان کے دلوں کو طمانیت حاصل نہیں رہتی تو کیونکر اس بیباکی کے ساتھ دشمنان خدا و رسول کا سامنا کر سکتے ہیں جانا چاہئے کہ حضرت رسول کے ایسی ہی صحابی کامل لایمان تھے اور جو حضرت ابوبکر کی طرح ان کے برعکس تھے انکا ایمان ناقص تھا۔ اسے سنی یہ بھائیو۔ دوسرا غزوہ حضرت رسول کا غزوہ احد ہے۔ آپ دیکھئے کہ اس غزوہ میں حضرت ابوبکر نے کفار مکہ سے کس طرح پر مقابلہ کیا۔ اس غزوہ کی سرگذشت یہ ہے کہ جب ابوسفیانؓ کو احد کے دامن میں حضرت رسول سے لڑنے کی صفت آ رہی تو کفار قریش کو ابتدائی شکست لاتی ہو گئی کفار قریش بھاگے اور مجاہدین مدینہ شکست خوردہ کفار کے مال لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اس لوٹ کو دیکھ کر وہ بچاس تیرا نام بھی جنگجو حضرت رسول نے پیاد کی ایک گھاٹی پر کفار کے روکنے کے لئے مقرر کر دیا تھا اپنی جگہوں کو چھوڑ کر مجاہدین مدینہ کی لوٹ کے شریک ہو گئے (دیکھو تاریخ طبری حصہ دوم صفحہ ۱۳۹۲ و ۱۳۹۳ ابن ہشام جز ثانی صفحہ ۸۳ وروضۃ الاحباب مدارج النبوة وغیرہ) قریش نے یہ طور دیکھ کر اپنے منتشر لشکر کو سمیٹا اور پھر قاعدہ کے ساتھ لشکر اسلام کے مقابل ہوئے۔ انکی اس متعدی سے لشکر اسلام کو مقام کی تاب نہ رہی۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان عوام مہاجرین کی طرح ایسے بھاگ نکلے کہ ان کا نشان بھی نہ ملا کہ ہر غالب ہو گئے۔ صرف مہاجرین بنی ہاشم اور انصار مدینہ گرم پیکار رہے۔ حضرت علی کی کارروائی کے ذکر کی اس جگہ حاجت نہیں ہے۔ جس طرح بدر کے سرکرہ میں ذوالفقار علیؓ نے اسلام کو بربادی سے بچایا اس جنگ احد میں بھی اسلام کو بربادی سے محفوظ رکھا۔ خیر حقیقت حال یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے ایمان کی قلعی کھل گئی۔ اول تو فرار ہی کا مضمون کیا کلمہ ثبت ہے بات دیکھو کہ حضرات بالا کا ایمان تامتراقص تھا دوم یہ کہ جب یہ امر شہرت پذیر ہو گیا کہ حضرت رسولؐ شہید ہو تو حضرت ابوبکر نے آواز بلند یہ فرمایا کہ قد قتل محمدؐ فار جعالی اذ یا نکمہ۔ یعنی کہ تحقیق محمدؐ مار گئے ہیں مگر اپنے اپنے مذہب جاہلیت کی طرف رجوع کر جاؤ۔ لاریب ایسے قول کا قایل کامل لایمان نہیں ہو سکتا ہے اس لئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صرف نام کو مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام نے انکے دل میں جگہ نہیں کی تھی۔ قرار تو فرار آپکی ہدایت مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جانے کی ایک طرف مضمون ہو۔ خداے پاک بھی اس ہدایت ناپاک کی تردید فرماتا ہے کہ قالہ تعالیٰ ما محمدؐ الا رسول (رج) قد خلت قبلہ الرسل فان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یرضی اللہ شیئاً۔ یعنی محمدؐ خدا کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ رسول مر جائیں یا مارے جائیں کیا دین محمدی

حضرت ابوبکر اور غزوہ احد

غزوہ حضرت خلفائے ثلاثہ

سے تم پلٹ جاؤ گے۔ پس جو شخص یوں پلٹ جائے گا تو ایسا شخص خدا کا کوئی نقصان نہیں کریگا اپنا نقصان
 کرے گا۔ واضح ہو کہ صدائے "قد قتل محمد" کی حقیقت مسند احمد بن حنبل کی روایت سے عیان ہوتی ہے
 اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا "الست المنادی قد قتل محمد فارجعوا الی اديانکم یعنی کیا آپ نے
 ایسی صدا بلند کی تھی کہ محمد صاحب قتل ہو گئے پس تم لوگ اپنے مذہب جاہلیت کی طرف رجوع کر جاؤ" اس سوال کے
 جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تحقیق ایسی صدا بلند کی حضرت ابوبکرؓ نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت
 ابوبکرؓ فرار کی حالت میں کسی جگہ پر قریب ایک دوسرے کے تھے اور ایسے ایک دوسرے کے قریب تھے کہ حضرت
 عمرؓ اطمینان کے ساتھ فرما سکے کہ وہ صدا بلند کر رہے حضرت ابوبکرؓ کی تھی اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی کمالی لان
 ایسی صدا بلند کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب نہیں کے سوا ہاں نہیں ہو سکتا۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے
 کہ ایسا ناقص لایان حضرت رسولؐ کا جانشین برحق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب بھی نہیں کے سوا ہاں نہیں
 ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ناقص الایمان ہونے کی ایک دلیل یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب اس کا یقین ہو گیا
 کہ حضرت رسولؐ شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ بھی رائے قائم کر لی کہ آپؐ اور حضرت عمرؓ ابوسفیانؓ صاحب
 کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو تقصیر کے طالب اور جان بخشی کے امیدوار ہوں۔ اس رائے کا بھی یہی مطلب
 معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ دونوں بزرگوار دین محمدیؐ سے کنسارہ کش ہو کر مذہب جاہلیت کی طرف
 عود کر جائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت رسولؐ کی شہادت ظہور میں آجاتی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ
 دیگر حضرات جو آپؐ ہی کی طرح مسلمان تھے ایسا ہی کرتے۔ کوئی شک نہیں متزلزلین کی ایسی حالت پر
 محمد اکابرؓ سوال الخ کی آیت خداے تعالیٰ نے نازل فرمائی جس سے خداے تعالیٰ کی نعت درجہ کی بیزاری
 کا اظہار ہوتا ہے۔ اہل فہم کے نزدیک فرار سے بہت زیادہ مقدوح حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت بالامعلوم
 ہوتی ہے۔ مگر حضرت اہلسنت کی پیشانی پر جو ن تک پھرتی نہیں نظر آتی ہے۔ حضرات خلفائے
 ثلاثہؓ کی جو حالتیں عز و ات رسول اللہؐ میں ہوتی تھیں اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی جنگ احد میں
 جنگ جحجج کو فرار میں احد کو ٹھہرنے کے واسطے فرار ہے تھے مگر کوئی ان سے آپؐ کی نہیں سنتا تھا۔ بھاگنے والے
 بھاگے ہی جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ واقدی فرار میں احد کی نسبت کہتے ہیں کہ جب سلمانؓ بروز احد پہاڑ
 پر بھاگے جاتے تھے تو خواب رسول خداؐ فرماتے جاتے تھے "إِلَىٰ يَافْلَآنَ الْإِثْمَانِ" انا رسول اللہؐ مگر
 کوئی شخص حضرت کی آواز کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ راقم کہتا ہے کہ فرار میں سلمانؓ کب ہوئے تھے جو
 حضرت رسولؐ کے حکم کی تعمیل کو اپنے اوپر فرض جانتے۔ اس امر کی حشدائے تعالیٰ بھی سورہ آل عمران
 میں خبر دیتا ہے "قَالَ تَقَالَىٰ اذْ تَصْعَدُونَ الْخَبِيْثَ" جو وقت کہ چڑھتے تھے تم لوگ پہاڑ پر اور بھاگے جاتے

پر نظر ڈالنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے ہیں ورنہ کمالات مرتضوی ایسے ہی ہیں کہ کوئی حق شناس اور حق بین ان سے آنکھ بند نہیں کر سکتا ہے مگر ان کی جہنم پوشی سے کمالات مرتضوی میں کوئی نقص نہیں لاحق ہو سکتا ہو۔ گرنہ میند بردر شہرہ چشم بہ چشمہ آفتاب را سچ گناہ بہ اگر خالقان علی حضرت علی کے کمالات سے اعتراف نہ رکھیں تو نہ رکھیں۔ مگر حضرت علی کی ایسی جنگل حد کی کارروائی پر جناب رسول خدا حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کر نہ سہماتے ہیں کہ اے ابوالحسن اگر تمام خلقت کے عمدہ اعمال اور ایمان ایک پلہ تیرا نہ رکھیں جاوین اور تمہارے اعمال پر دنا حد کے دوسرے میں تو تمہارا ہی پلہ بھاری ہو گا تمام خلایق کے اعمال سے اور بہ تحقیق خدا تمہارے عمل پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ اس روز تمام ملائکہ نے آسمان پر آسمان کے پردے اٹھا دیئے تھے اور جو رحمت اور تمام چیزیں جنت کی تھیں شوق کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور خداوند عالمیان تمہارے فعل سے خوش ہوا اور اس روز کا صلہ خدائے تعالیٰ تھیں ایسا دیکھا کہ تمام نبی اور رسول اور صدیق اور شہید تک غبطہ کر سینگے (دیکھو ینا جع المودۃ مجاہد قسطنطنیہ صفحہ ۶۷) قائم تھا کہ اس قول نبی سے نہ صرف تفضیل شخیں کا مضمون ہوا ہو جاتا ہے بلکہ کسی بنی آدم کو حضرت رسول کے سوا حضرت علی کے ساتھ برابری کا حق نہیں رہتا ہے۔ لیکن اسے سنی یہ بھائیو آپ حضرات اپنے جد حضرت علی کو مفضل اور اکابر فرارین اجد کو افضل مانتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ بنی امیہ بنکر نہیں درک کر سکتے ہیں کہ حضرت علی کو مبالغہ کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف یہ ایک حدیث ایسی ہے کہ جو حضرت علی کو خدا جاننے کے تمام خلقت خدا کے مقابلہ میں کیا درجہ عالی بخشتی ہے اور آپ حضرات کا عجیب کشہ ہو کہ خلفائے ثلاثہ سے بھی حضرت علی کو مفضل قرار دیتے ہیں۔ نہایت جائے تعجب ہو کہ رسول اللہ تو کچھ اور فرما دیں اور آپ مذہب بنی امیہ کے پیرو ہو کر اپنا حقیقہ کچھ اور رکھیں۔ واقعی آپ کی حالت نہایت قابل افسوس ہے۔ اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات بنی امیہ کے مذہب کو بنی امیہ اور ان کے نام لیوا کے لئے چھوڑیں اور مذہب بنی ہاشم کو جو مذہب علی ہے سرف سے اختیار فرما دیں۔ بنی ہاشم ہو کر آپ کا بنی امیہ بن جانا نہایت زشت اور نازیبا اور اب تو سنی سلطنت بھی ہندوستان میں باقی نہیں رہی ہے۔ نہیں معلوم کو کس موقع پر آپ حضرات سنی بنے بیٹھے ہیں۔ اگر اس زمانہ میں آپ حضرات مذہب سنی اختیار کر لیتے تو یہ ایک بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ دین ملکہم آپ کا مذہب اہلسنت پر اس شدت کے ساتھ متمسک رہنا تو ایک بڑی معنی امر معلوم ہوتا اور اس میں نہ تو دین نہ دنیا کسی مر کی خیر نہیں معلوم ہوتی ہے۔

اسے سنی یہ بھائیو۔ تفضیل شخیں آپ حضرات کا ناما ہوا مذہب ہے اور علماء اہلسنت نے تفضیل شخیں کے ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ خیر منظر ان کی بیکار کو ششون کے ایک یہ بھی ہے

کہ حضرت ابوبکر کو حسب تحریر علامہ سیوطی وہ بزرگوار شیخ الصحابہ بلکہ اشجع الناس قرار دیتے ہیں تعجب اس میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صفت کی نسبت حضرت ابوبکر کی طرف کرتے ہیں جس سے آپ کو خس برابر بھی فطرت نے متصف نہیں کیا تھا۔ اشجع الناس ہونا حضرت ابوبکر کا تو درکنار آپ اگر اشجع الصحابہ بھی ہوتے تو اتنا تو ضرور تھا کہ سنہ ۷۰ھ میں کم سے کم ثابت قدمی کے پابند رہ جاتے۔ معاذ اللہ فرار بھی یا فرار کی تین دن کے بعد مدینہ میں بحضور رسالت آپ نمودار ہوئے آپ نے صرف راہ فرار ہی نہیں اختیار کی بودہ پکن یہ صلا بھی بلند کر دی کہ محمد مارے گئے اب تم دین جاہلیت کی طرف پھر جاؤ پھر ہی نہیں ہوا کہ صلہ بالابلند کر دی آپ دیگر فرارین کے ساتھ جن میں حضرت عمر بھی تھے یہ بھی مشورہ فرمانے لگے کہ ابوسفیان حسب کے حضور میں حاضر ہو کر جان بخشی اور عفو قصیر کے لئے خواستگار ہونا چاہئے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین یہ بھی کر گزرتے اگر یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ حضرت رسول زندہ ہیں اور ابوسفیان ناکام ہو کر کہہ کو واپس تشریف لے گئے۔ انوذ باللہ کیا شیخ الناس اور اشجع الصحابہ اہل سنت کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر ایسے ہی ہوتے ہیں تو مذہب اہل تسنن کو سات سلام حقیقت حال یہ ہے کہ حضرات اہل تسنن محبت غفلتے ثلثہ میں ایسے مجبور ہو رہے ہیں کہ آپ حضرات کی تفصیل کے ثابت کرنے میں نشیب فراز کا خیال مطلق نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں۔ آپ حضرات کے اثبات فضائل میں قرآن حدیث سب کا خون ہو جائے مگوس کی کوئی پردہ نہیں کرتے ہیں۔ بیچارے حضرت ابوبکر کو بے محابا شیخ الناس و اشجع الناس بنا ڈالا ہے یہ کچھ عجیب معاملہ ہے۔ ایک ترسندہ جان کو رستم داستان بنانا چہ معنی دارد۔ راقم پوچھتا ہے کہ کیا حضرت ابوبکر حضرت رسول سے بھی زیادہ شجاع تھے جو اشجع الناس قرار دئے گئے اور کیا حضرت علی سے بھی زیادہ شجاع تھے جو اشجع الصحابہ مان لئے گئے کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول ایک لاکھ شجاع تھے۔ کسی جنگ میں حضرت رسول سے فرار کا ناپاک نعل کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ آنحضرت صلعم اور حضرت علی کی رگون میں وہ خون شرافت کا دخل تھا کہ جس سے فرار کا فعل ظہور میں نہیں آسکتا تھا حضرت علی تو غزوات میں جو کچھ کرتے گئے انہر من لئس ہے۔ لیکن حضرت رسول کی شجاعت بھی کس قدر قابلِ ثناء ہے آپ کس دلیسر می و در ہفتال کیساتھ ہر غزوہ میں میر لشکر کی داد دیتے رہے یہ بہت کچھ قابلِ فخر ہے تحمید ہے رسول کو ہر صفت حسنہ کو ساتھ متصف ہونا چاہئے۔ فراست اور شجاعت نبی لو اعزم کی شان ہے ہر غزوہ میں حضرت رسول کی یہ دونوں صفیں آشکارا ہوتی رہیں۔ جنگا حد کے دشوار وقت میں آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا الی یا فلان الی یا فلان انار سول اللہ حیرت انگیز نکات سے خود تیار ہے۔ چھوٹے رسول کو ایسے دشوار وقت میں اسکی جھوٹی رسالت یا وہ نہیں رہ سکتی ہے۔ سبحان اللہ حضرت کا کیا استقلال تھا کہ اپنی جگہ

ہم تمام رہ کر بزدلے لشکریوں کو یہ الفاظ بالا خطاب فرما سکے اسی کے ساتھ حضرت علی جوایمان کامل کہتے تھے
 حضرت رسول کی محبت میں استوار رہے لاریب اگر حضرت رسول سچے رسول نہ ہوتے اور حضرت علی حضرت
 کی رسالت کا دلی اقرار نہ رکھتے تو نہ آنحضرت برسر استقلال رہتے اور نہ حضرت علی کی تلوار اس کامیابی
 کے ساتھ دشمنان حضرت رسول پر چل سکتی۔ اگر حضرت رسول سچے رسول نہ ہوتے تو حضرت رسول اپنی پیش
 کے غلبہ کے وقت حضرات ثلاثہ کی طرح میدان جنگ سے ہٹا کر نکلتے اور ناقص البانی کی حالت میں حضرت علی کی
 تلوار بھی میان میں پڑی رہ جاتی۔ حضرات ثلاثہ کے بار بار فرار سے صاف طور پر ثابت ہوا ہے کہ حضرت مذکور
 بالاول سے مسلمان نہیں ہوئے تھے ذبانی اقرار اسلام کماں تک، دلی قوت پیدا کر سکتا ہے۔ امتحان کی وقت
 جو حضرات ثلاثہ کی دلی کیفیت تھی عیان و آشکارا ہو جاتی تھی۔ حضرات ثلاثہ دل سے اگر دین خدا اختیار
 کئے ہوتے تو ناممکن تھا کہ وہ بزرگوار راہ خدا میں اپنی جانوں کو عزیز رکھتے یا حضرت ابو بکر دینِ جاہلیت کی نظر
 عود کر جانے کی ہدایت کرتے یا حضرت شعیب ابو سفیان سے جان بخشی اور غزوہ تبوک کی خواستگاری کا خیال
 دلیں لیتے۔ مٹا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مہاجرین ہجرت کی جست اغراض نبوی کی بنا پر اختیار کی تھی۔ بلاشبہ
 حضرت شعیب نبوی یہودی کی امیدیں مدینہ کو چلے آئے تھے۔ کیسی ہجرت اور کیسی حضرت رسول کی محبت
 صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صاحبوں کو ثروت یا حکومت کی توقع مدینہ میں لڑائی تھی ایسی توقع کی بنا پر
 اپنی جانوں کی بڑی حفاظت کرتے تھے اور کیوں نہیں کرتے۔ اسی حفاظت جان پر تو حصول ثروت
 حکومت کا دار و مدار تھا۔ ہر محل خون سے اپنی جانوں کو بچاتے بچاتے آفرودہ دن آگئے کہ حضرت
 خلفائے ثلاثہ مسلمانوں کے بادشاہ بنتے گئے۔ اس امر کا ثبوت کہ حضرت شعیب کو حصول حکومت نظر
 تھی مٹا سقیفہ سے ملتا ہے۔ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی وہ دونوں بزرگوار یعنی حضرات شعیب و ابوبکر
 تھیں کہ ایک غیر ضروری امر مجھ کو سقیفہ کی طرف دوڑنے لگے اور ایک خود غرضانہ اجماع کی شرکت کر کے حضرت عمر
 کو حضرت ابوبکر کے پرہیز اپنی کو خلیفہ بنا ڈالا۔ اگر ایک شخص کسی کو خلیفہ بنانا تھا تو حضرت شعیب نہ اتنے بڑے
 قبیلہ بنی ہاشم کو شریک اجماع ہونے کی دعوت کیوں نہیں دی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ دونوں
 بزرگوار خوب جانتے تھے کہ اگر اجماع سقیفہ میں بنی ہاشم کی شرکت ہو جائیگی تو حکومت بلاد اسلام سے
 حضرت شعیب محروم رہ جائیں گے۔ پس چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کی کارروائی اسی لئے عمل میں
 لائی گئی کہ حکومت بلاد اسلام ہاتھ سے نہ جانے پادے۔ کوئی شک نہیں اگر بنی ہاشم اجماع سقیفہ
 شریک ہو جاتے تو حضرت ابوبکر پر حضرت عمر خلافت کو قائم نہیں کر سکتے۔ تب بالضرور اور کوئی شخص
 خلیفہ قرار پاتا۔ ان معاملات سے ظاہر ہے کہ حصول حکومت کے لئے حضرت شعیب اور بھی دیگر مہاجرین

جو آپ دونوں صاحبوں کے بھیاں تھے ترک وطن کر کے مدینہ چلے آئے تھے لاریا یہ بزرگوار دونوں
خس برابر بھی کوئی دنیاوی خیال مدینہ نہیں لایا تھا۔ حصول حکومت کی خواہش کا پتہ حضرت عمر
کے مکالمہ ذیل سے بھی بین طور پر لگتا ہے۔

تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر جزیری میں عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے
کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ اے ابن عباس تم جانتے ہو کہ محمد مصلم کے بعد کس بات نے
تم کو امر خلافت سے محروم رکھا۔ میں نے اس کا جواب دینا خلافت مصلحت سمجھ کر کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو آپ
مجھے آگاہ کریں۔ حضرت عمرؓ فرمایا کہ قوم نے اس بات سے کراہت کی کہ نبوت اور خلافت دونوں تم
میں جمع ہوں اور تم اس پر خوش ہو کر اتر آئے لگو۔ چنانچہ قوم اس کے اختیار کرنے میں مصیبت اور موافق ہوئی
میں نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ اجازت دیں اور خانہ ہون تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ انھوں نے
فرمایا کہ ہاں کہو۔ میں نے کہا کہ آپ کا یہ فرمانا قابلِ نظر ہے کہ قوم خلافت کے اختیار کرنے میں مصیبت اور
موافق ہوئی اس لئے کہ اگر قوم خلافت کو خدا کی مرضی کے موافق اختیار کرتی تو بلاشبہ مصیبت ہوتی اور
اُس کی اصابت غیر مردود و غیر محمود سمجھی جاتی نیز آپ کا یہ فرمایا بھی قابلِ نظر ہے کہ قوم نے ہم نبوت اور
خلافت کا جمع ہونا پسند نہ کیا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ قوم کی کراہت کا دصف اپنے کلام میں ان الفاظ سے
فرماتا ہے۔ قوله تعالیٰ۔ بافہم کرہی اما انزل اللہ فاجط اعمالہم۔ یعنی چونکہ حکم خدا سے انھوں نے کراہت
کی لہذا انکے اعمال اِکارت گئے۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ بولے افسوس اے ابن عباس خدا کی قسم تمھاری نسبت
مجھے ایسی باتوں کی خبریں پہونچائی گئی ہیں جسکو کہ یہ کہ تمھاری منزلت اپنے دل سے زائل کرنا پسند نہیں
کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ فرمائیں تو سہی اگر حقیقت وہ باتیں حق ہیں تو
میری منزلت کے ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے
ہو کہ خلافت تم سے بظلم و حسد لی گئی ہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین ظلم کا مفہوم تو ہر جائز اور عظیم پر پیش
ہے۔ با حسد پسلیں نے حضرت آدمؑ پر حسد کیا اور ہم آدمؑ ہی کی اولاد ہیں محسوس ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے
فرمایا افسوس ای بنی ہاشم تمھارے قلوب میں حسد اور کینہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور حسد اور کینہ ایسا جو مٹ نہیں
سکتا۔ میں نے کہا بس اے امیر المومنین ان لوگوں کے قلوب کو کینہ اور حسد کے ساتھ منسوب نہ کیجئے
جن کو مبدائی آیہ تطہیر خدا نے ہر برائی اور خباثت سے پاک و صاف فرمایا ہے اور غور کیجئے کہ خود
رسول اللہ کا قلب بھی قلوب بنی ہاشم میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے بگڑ کر کہا کہ اے ابن عباس میری پاس ہٹ جاؤ
جب میں نے اٹھنے کا قصد کیا تو انھوں نے بقصدائے حیا پھر مجھے بٹھایا اور مسند فرمایا کہ اے ابن عباس

حضرت عمرؓ کا مکالمہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے ساتھ

واللہ میں تمھارے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھوں گا اور تمھاری خوشی کا خواہاں رہوں گا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین تم پر اور کل مسلمانوں پر میرا حق ہے جس نے اسکو ملحوظ رکھا مصیب ہوا اور جس نے اسکو ضائع کیا خطا کی اس کے بعد ابن عباس اٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔ مکالمہ مذکور بالا پر تھوڑی سی نظر ڈالنا ضروری ہے۔ پہلے مکالمہ کو بلا حضرت عمر کے اندرونی عالم کے منظر کو وضاحت کے ساتھ پیش نظر کر دیتا ہے۔ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمر کے ولین بنی ہاشم کی طرف سے ہمیشہ خلتس رہتی تھی۔ پس بطریق بالا آپ کا ابن عباس سے مخالفانہ گفتگو کرنا خلاف توقع نہ تھا۔ خلیفہ صاحب کا ابن عباس سے یہ پوچھنا کہ اے ابن عباس تم جلتے ہو کہ محمد صلعم کے بعد کس بات نے تمکو امر خلافت سے محروم رکھا۔ ایسا سوال تھا کہ ابن عباس کیلئے اسکا سچا جواب دینا ان کے لئے خلاف مصلحت تھا۔ اسی طرح حضرت عمر کے بقیہ مکالمہ کا جواب جو کچھ ابن عباس نے دیا وہی زبان سے دیا اس پر بھی حضرت عمر پر افرودختہ ہو گئے اور ابن عباس سے چلے جانے کا حکم دیدیا۔ بہر حال راقم حضرت عمر کے مکالمہ کا ذیل میں پورا اور سچا جواب حوالہ فلم کرتا ہے اور اہل انصاف سے داد کا خواہاں ہوتا ہے۔

حضرت کا قول کہ قوم نے اس بات سے کراہت کی کہ نبوت اور خلافت دونوں بنی ہاشم میں جمع ہوں اور بنی ہاشم اس پر خوش ہو کر اتر آئے لگین چنانچہ قوم اس کے اختیار کرنے میں مصیب اور موافق ہوئی یہ ایک نیا دھرمی کا قول ہے۔ قوم نے تو امر خلافت کے طے کرنے میں کوئی مقول کارروائی اختیار نہیں کی بلکہ یہ کہنے کہ قوم کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کب امر خلافت طے پا گیا۔ اجماع سقیفہ کوئی قومی حیثیت رکھتا نظر نہیں آتا ہے اس نامراد مجمع میں صرف ایسے لوگوں کی بھیر ہوئی جو حضرات شیخین کے یا چیلی چاڑھ تھے جو آن صلعم کی نافرمانی کے داغ کو اپنی ذاتوں میں لگائے ہوئے تھے یا انصار مدینہ تھے جو اپنی فکر میں عرق ہو رہے تھے۔ اگر قوم کا اجماع کرنا تھا تو اس وقت کے سارے بلاد اسلام متنازعہ اشخاص شرکت مجمع کے لئے بلائے جاتے۔ ساری اسلامی دنیا کے متنازعہ افراد تو درکنار مدینہ کے بنی ہاشم تک تو بلائے نہیں گئے۔ بلانا تو درکنار کسی کو امر خلافت کے طے کرنے کی خبر تک نہیں دی گئی۔ بالقصد اہل مدینہ معاملہ خلافت سے سنجیدہ رکھے گئے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر آئندہ اجماع سقیفہ کا قائم کیا جاتا تو حضرت عمر حضرت ابوبکر کو اس سرسری طور سے خلیفہ نہیں بنا سکتے بلکہ اپنے کو حضرت ابوبکر کے پردے میں خلیفہ نہیں بنا لے سکتے۔ اقوام اہل اسلام کے اجماع کے بعد حضرت شیخین سے کسی کو خلیفہ قرار پانے کی کوئی امید نہیں سکتی تھی۔ اس لئے سقیفہ کی تمام کارروائی اس غلبت اور بے ضابطگی کے ساتھ عمل میں لائی گئی۔ حق یہ ہے کہ قوم نے بنی ہاشم کی خلافت سے کوئی کراہت نہیں دکھلائی البتہ حضرت شیخین نے یہ کراہت دکھلائی۔ اگر شیخین سے مراد قوم ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں حضرت عمر کا فرما کہ قوم نے کراہت کی بہر صورت درست اور بجا متصور ہے۔ اب رہا یہ کہ حضرت عمر کا ارشاد بنی ہاشم کے

اترانے کی نسبت یہ قول آپ کی غایت نفی کی خبر دیتا ہے۔ آپ کو ایک خاص نفرت اور کراہت بنی ہاشم کے ساتھ تھی جیسا کہ میری آئندہ کی تحریر سے ظاہر ہوگا۔ فطرت نے جیسا دل آپ کو بخشا تھا اسی کے مطابق آپ کو زبانی بھی ملی تھی قوم کے مہیب اور موق ہونے کی نسبت عرض راقم یہ ہے کہ معاملہ سقیفہ کو قوم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اگر مہیب موق ہوئے تو حضراتِ شیعین اور ان کے چیلے چاٹے لیکن قوم ہو یا حضراتِ شیعین وغیرہ ہوں کوئی بھی مہیب اور موق نظر نہیں آتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر قوم یا حضراتِ شیعین وغیرہ امر خلافت کو خدا و رسول کی مرضی کے مطابق اختیار کرتے تو لاریب مہیب اور موق ہوتے اور ان کی اصابت بقول حضرت ابن عباس غیر مردود اور غیر محسوس بھی جاتی۔ منسوس ہے کہ قوم (یعنی حضرت شیعین) بھول گئے کہ مقامِ خرم غدیہ میں حضرت رسول مکرم خدا سے قدیر علی مرتضیٰ کے حق میں اختلاف فرما چکے تھے۔ اس سے زیادہ واضح طور پر اختلاف کی کیا کارروائی ہو سکتی تھی جس کے حامل حضرت رسول بردِ خرم غدیہ ہوئے تھے بچ بچ کی قوم کس عرض سے مچائی گئی تھی کہ ان بچ بچ اور کہان سقیفہ کا اجماع۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت شیعین خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف کاربند نہ ہوتے تو سقیفہ کا ہنگامہ ظہور میں نہیں آتا۔ حضرت شیعین کو تمام ملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں بزرگوار کوئی اعلیٰ درجہ کے پابند اصول نہ تھے۔ سقیفہ میں ایک نامراد اجماع کی پابندی سے امر خلافت کو طے کر ڈالا اور جب حضرت عمر کو خلیفہ بنانا چاہا تو حضرت ابوبکر اختلاف کے بند ہو گئے۔ جب جیسا موقع ملا حضراتِ شیعین دیا ہی کرتے گئے اسی بے اصول زندگی کی پابندی سے حضرت شیعین وغیرہ غزوات سے فرار اختیار کرتے رہے حضرت عمر نے صلح حدیبیہ کے متعلق اپنے ذاتی جوہر خوب کھلائے۔ دیگر کار مہاجرین کی طرح حضراتِ شیعین نے بھی حکمِ حبشہ سامہ سے پورے طور پر سترابی کی اور حدیثِ ثعلبہ کی تعمیل کا کبھی خیال ہی نہیں کیا۔ آپ کے رنگ کے مہاجرین کے معاملات پر نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ ایسے مہاجرین نے حصولِ دین کی نظر سے حضرت رسول کا دامن نہیں پکڑا تھا۔ حصولِ دنیا کیلئے مدینہ چلے آئے تھے۔ پس ایسے مسلمانوں سے جو بے عنوانانِ ظہور میں آئین خلافت توقع نہیں ہیں حضرت عمر کا خلیفہ قرار پانا حضرت ابوبکر کے اختلاف کے ذریعہ سے امتیانِ محمدی کی بڑی بے اصولی سے خبر دیتا ہے کیا جائے تعجب ہے کہ حضرت رسول کے اختلاف کی طرف امتیون کو کوئی توجہ نہیں ہوئی مگر حضرت ابوبکر کے اختلاف کو امتیون نے بلا غرضتہ مان لیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کو اختلاف سے چارہ نہ تھا۔ اَدُل یہ کہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نے خلیفہ بنایا تھا۔ ضرور تھا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ بنا دین ہل جڑاؤ اہل حسان اہل احسان۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ دوم یہ کہ اگر امر خلافت حضرت ابوبکر کے مرنے پر قوم پر چھوڑ دیا جاتا تو حضرت عمر کی خلافت ایک احتمالی حالت میں پڑ جاتی بہت کم اس کی توقع ہو سکتی

تھی کہ حضرت عمر حضرت ابوبکر کے خلیفہ قرار پاتے۔ سقیفہ کی کامیابی کا بار ثانی ظہور میں آتا مگر ایک
 مشتبہ امر تھا۔ قوم میں ایسے افراد موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت پر آسانی کے ساتھ راضی نہیں ہو سکتے تھے بنی ہاشم
 کا تو حضرت عمر کی خلافت پر کسی حال میں راضی ہونا صورت امکان نہیں رکھتا تھا۔ علاوہ اس قبیلے کے اور
 بھی بہت آدمی تھے جو بنی ہاشم کے ہتھیال تھے۔ چنانچہ حسب تحریر صاحب مل و نخل شہرستانی جب حضرت ابوبکر
 نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تو کچھ لوگ کہہ کھٹے کہ تم نے یعنی حضرت ابوبکر نے ایک دشمن
 سنگدل کو ہم پر حاکم کیا ہے۔ کیا غضب کی بات ہے کہ حضرت رسول کا خلیفہ اور درشت خوادرسنگدلی
 کے ساتھ منصف ہو مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر قوم کی پسند سے حضرت ابوبکر کے جانشین نہیں بنے حضرت
 ابوبکر کی پسند سے حضرت عمر آپ کے جانشین بنے۔ اول تو حضرت ابوبکر ہی کو ساری قوم نے خلیفہ نہیں بنایا دوم
 یہ کہ حضرت عمر کو جو خلافت نصیب ہوئی اس میں تو قوم کو خس برابر بھی دخل نہیں دیا گیا اس پر حضرت عمر کا یہ فرمانا
 کہ قوم نے بنی ہاشم کو امر خلافت سے محروم دکھا کس قدر راستی اور حق گوئی سے دور ہے۔ اس کے ساتھ
 خوش ہو کر اترانے کی نسبت بنی ہاشم یعنی حضرت علی حضرت خاتون جنت حضرت امام حسن و امام حسین
 کے ساتھ معاذ اللہ شرم معاذ اللہ عجیب حیرت انگیز اور نفرت خیز مضمون ہے۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ عدو
 اہلبیت علیہم السلام حضرت عمر کی گھٹی میں پڑی تھی۔ یہ زبان اور حضرت اہلبیت۔ یہ وہ اہلبیت ہیں جو مروج
 خداوند عالم میں انکی نسبت ایسی ہے ادا نہ گفتگو کوئی کافر بھی جائز نہیں رکھ سکتا ہے۔ از خدا خواہم تو فقیہ دین
 بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ افسوس ہے کہ درشت گوئی اور زشت خوئی حضرت عمر کی سرشت تھی جیسا
 صاحب مل و نخل کی تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ حضرت عمر کے اس قول کی تردید کر کے ابن عباس نے
 خلیفہ صاحب کے قول نبوت و خلافت کے صحیح ہونے کی نسبت یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ قوم کی کراہت کا وصف
 اپنے کلام میں ان الفاظ سے فرماتا ہے کہ ذالک بالفتح کرموا ما انزل اللہ واجط اعمالہم۔ یعنی چونکہ حکم خدا
 سے انھوں نے کراہت کی لہذا انکے اعمال اکارت گئے۔ ابن عباس کا یہ بیان منکر جب تقریر کی گنجائش نہیں
 رہی تو حضرت عمر نے خلیفائی کا پہلو اختیار کیا۔ ابن عباس فرماتے لگے کہ افسوس اسے ابن عباس خدا کی
 قسم تمھاری نسبت مجھے ایسی باتوں کی خبریں پہونچائی گئی ہیں جنکو کرید کر تمھاری منزلت اپنے دل سے ازل
 کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس پر ابن عباس بولے کہ آپ فرمائیں تو سہی اگر درحقیقت وہ باتیں حق پر مبنی ہیں
 تو میری منزلت کے ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ
 تم کہتے ہو کہ خلافت ہم سے بہ ظلم و حسد لی گئی ہے۔ اس پر ابن عباس نے جواب میں کہا کہ ظلم کا
 مفہوم تو ہر جاہل اور ظلم پر روشن ہے (راقم کہتا ہے کہ ابن عباس نے خوب ہی جواب دیا یا عیاں ہے یا نہیں)

راقم کی گزارش ملاحظہ حضرت عمر و حضرت عبداللہ بن عباس کے متعلق

رہا حسد پس ابلیس نے حضرت آدم پر حسد کیا اور ہم آدم ہی کی اولاد ہیں مٹو ہوا جاہن در اقم کتنا ہو کہ ابن
 عباس نے یہ بھی خوب کہا۔ واقعی جیسے طبقہ بالا میں ابلیس ہیں طبقہ بنی آدم بھی ابلیس سے خالی نہیں ہے
 ابن عباس کی اس تقریر کا جواب حضرت خلیفہ نہیں دے سکے پس تقریر میں منبہ ہو کر خلیفہ صاحب مائے
 لگے کہ افسوس اے بنی ہاشم تمھارے قلوب میں حسد اور کینہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور حسد اور کینہ بھی ایسا
 کہ سٹ نہیں سکتا۔ اس پر ابن عباس بولے کہ ان لوگوں کے قلوب کو کینہ اور حسد کے ساتھ منسوب
 نہ کیجئے جنکو مصداق آیہ تطہیر خدا نے ہر برائی اور خباثت سے پاک و صاف فرمایا ہے اور خود کیجئے کہ خود
 رسول اللہ کا قلب بھی قلوب بنی ہاشم میں سے ہے۔ حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ اے بنی عباس تمھارے قلوب
 میں حسد اور کینہ کے سوا کچھ نہیں ہے اس امر سے خبر دیتا ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک آیہ تطہیر کا کچھ
 وزن نہ تھا اور وزن کہاں سے ہوتا جب اسلام نے حضرت عمر کے دل میں جگہ نہیں کی تھی۔ کیا
 مسلمان حضرت رسول اور آل رسول سے ایسی نفرت دکھا سکتا ہے۔ اگر حضرت عمر آن صلعم کی
 رسالت کا دل سے اقرار رکھتے تب تو قرآن کی بھی عزت کرتے۔ جب حضرت رسول کی مسرمان
 برداری سے ہمیشہ منحرف رہے تو پھر قرآن کیا اور آیہ تطہیر کیا۔ پھر کیا تھا جو مخدومین آیا کہ یا کیا غضب
 کی بات ہے کہ خداے تعالیٰ تو بچتن پاک کو مطہر فرمائے۔ اور حضرت عمر ان کے دلوں کو حسد اور کینہ کا غم
 قرار دین یہ کون سی مسلمانی ہے۔ سبحان اللہ حضرت عمر نے بنی ہاشم کے قلوب کو بنی امیہ کا قلوب
 بنادیا جس میں بغض و حسد و دیگر صفات ذمیمہ بھرے رہتے تھے۔ لیکن ایسے صفات ذمیمہ کو حضرت
 عمر کمال انجیالی اور رتبہ طاہ کی بنا پر بنی امیہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے تھے لیکن حضرت عمر کے دل میں جس
 برابر بھی میل کا مادہ ہوتا تو ضرور ایسا کرتے۔ خیر اے حضرات سنی سید بھائیو آپ اب بھی نیک و بد پر نظر لحاظ فرمائیے
 اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایسا شخص سردار دین مانا جاسکتا ہے کہ منشا آیہ تطہیر کے برخلاف بنی ہاشم
 کے قلوب کو جن میں قلوب آنحضرت صلعم و حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت حسن مجتبیٰ و حضرت حسین شہید
 کربلا کے داخل ہیں حسد اور کینہ سے بھرا سمجھے اور ان کے ساتھ اپنے ایسے ناپاک خیال کا اظہار ایک ممتاز
 بنی ہاشم کے آگے کرے۔ ایسا شخص مسلمان نہیں ہو سکتا خلیفہ رسول اللہ ہونا تو درکنار۔ البتہ ایسا
 شخص بادشاہ یا پریسیڈنٹ ایسے گروہ کا ہو سکتا ہے جو ایسے شخص کے ہمنیال ہونے سے خود مسلمان
 نہیں ہے۔ یہ قول حضرت عمر کا کہ اے بنی ہاشم تمھارے قلوب میں حسد و کینہ کے سوا کچھ نہیں ہے،
 ایک نہایت ہی وحشت انگیز قول ہے۔ حضرات ناظرین۔ ابن عباس کا تردیدی قول قابل
 لحاظ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے دل میں حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت امام حسن

حضرت امام حسین کی عظمت تو درکنار خود حضرت رسول کی عظمت جس برابر نہ تھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ راقم کا خیال کہ بغیر درت خلفائے ثلاثہ اور ان کی ترکیب کے دیگر مہاجرین نے دین حضرت محمد کو اختیار کر لیا تھا ہرگز ہرگز نادر است نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ ایسے مہاجرین دنیا طلبی کے تقاضا سے مدینہ چلے آئے تھے اور مدینہ میں انکو یہودی کی صورت پیدا ہو گئی۔ کسی کی تجارت کو فروغ ہوا۔ اکثر کومال غنائم ہاتھ لگے اور اکابر کے حکومیتیں حاصل کیے گئے اچھے کہ تین انکے اکابر بادشاہ بھی بلاد اسلام کے ہوتے گئے۔ یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ۔ خیر حب ابن عباس نے حضرت عمر کے قول بالا کی خوبصورتی کے ساتھ تردید کر دی تو حضرت عمر کے پاس جواب ہی کیا تھا جو فرماتے۔ آپ نہایت آزر دگی کے ساتھ بول اُٹھے کہ اے ابن عباس میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ اس کج خلقی کے کلام کو سنکر حبیب ابن عباس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے بمقتضائے حیا پھر ابن عباس کو ٹھایا اور فرمایا کہ اے ابن عباس بیٹا میں تمہارے حقوق کا لحاظ رکھوں گا اور تمہاری خوشی کا خواہاں رہوں گا۔ راقم لکھتا ہے کہ حضرت امیر المومنین کو قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس پر ابن عباس نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ پر اور کل مسلمانوں پر میرا حق ہے جس نے اسکو ملحوظ رکھا معصوب ہوا اور جس نے اسکو ضائع کیا خطا کی راقم لکھتا ہے کہ اگر حضرت غنیم کو ابن عباس کے قول بالا کا لحاظ خاص برابر بھی کسی وقت میں ہوا ہوتا تو حضرت رسول کی خلافت اور معاملہ فدک وغیرہ کا انجام اس طور پر بطور میں نہیں آتا جیسا کہ ظہور میں آیا۔ اس کے بعد ابن عباس اُٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔ راقم کو اب تک نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ آئندہ حضرت عمر نے ابن عباس یا دیگر بنی ہاشم یا خاندان پیغمبر کے حقوق کی کیا رعایت کی ظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ ایسی گفتگو سے ابن عباس کی آئی دجوبی خلیفہ صاحب کو نہ نظر تھی اور کچھ نہ تھی۔ اسے حضرت سنی یہ بھائیو۔ قعدہ بالاسے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں اول یہ کہ حضرت عمر ایک نہایت درشت خوا اور درشت گو بزرگ تھے دوم یہ کہ حضرت کو خاندان پیغمبر سے دلی نفرت لاحق تھی سوم یہ کہ آپ کے مزاج میں سخت درجہ کی ہٹ دھرمی داخل تھی جوشان مدل پروردی کی منافی ہے چہاں یہ کہ حضرت نے معقول طرح کی تعلیم و تربیت نہیں ملنی تھی چہنچہم یہ کہ آپ کا دل حسد و کینہ سے بہرا ہوا تھا ششم یہ کہ فیضانِ محبت رسول مقبول سے حضرت بہت کم مستفید ہوئے تھے۔ ہفتم یہ کہ نا تعلیم یافتگی کے سبب سے حضرت آدابِ محبت سے کم واقف تھے۔ ہشتم یہ کہ حضرت فطرت کے دوسرے نہایت سرسبز الغیظ تھے نہم یہ کہ مکالمہ میں نا تعلیم یافتگی کے باعث حضرت کو نشیب فراز کا کوئی لحاظ نہیں رہتا تھا چنانچہ بنی ہاشم کے حسد اور کینہ کی الزام دہی میں حضرت رسالت مآب تک پر بھی چوٹ کر بیٹھے جس کی گرفت ابن عباس نے خوب کی۔ دہم یہ کہ حضرت کے نزدیک آئیہ پھیر کی کوئی وقت نہ تھی جس کے معنی یہ ہوسے کہ قرآن کے ایک جزد کو بے وقت بھجنا ساریے قرآن کو بے وقت بھجنا ہے۔ یازدہم یہ کہ حضرت نے اپنے فعل کو قوم کے سر والدینا پسند فرمایا۔ یعنی مضمون کہ اہم کو اپنے سر سے قوم کے سر پر ڈال دیا۔ دوازدہم یہ کہ حدیث نقلین کے

مضمون کو حضرت جس برابر بھی قابل توجہ نہیں سمجھتے تھے جس سے میں طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول کی رسالت سے حضرت کو مطلق اعتراف نہ تھا۔ اسی طرح مکالمہ بالاسے ابن عباس کی بھی چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ابن عباس ایک تعلیم یافتہ آدمی نظر آتے ہیں۔ آپ کی تقریر کا سلسلہ آپ کی تعلیم یا فکلی سے خبر دیتا ہے۔ تعلیم یافتہ تو آپ ضرور تھے اس لئے کہ علم قرآن آپ نے باب علم یعنی علی مرتضیٰ سے حاصل کیا تھا دوم یہ کہ آپ آداب محبت سے واقف تھے یہ بھی فیضان محبت مرتضوی کا نتیجہ تھا۔ سوم یہ کہ آپ میں صفت تحمل اور حاضر جوابی کی مودہ تھی یہ ہم یہ کہ معاملہ خلافت کو آپ علم و حد پر مبنی سمجھتے تھے۔ ششم یہ کہ آپ میں کسی درجہ تک دنیا داری کا بھی مادہ تھا اگر یہ مادہ آپ میں نہ ہوتا تو آپ خلیفہ وقت کے ہاں کیوں آتے جاتے۔ اس پر بھی آپ اپنے قبیلہ کو مظلوم سمجھتے تھے اور اہلبیت اطہار کو حبیباً چاہتے قابل غفلت سمجھتے تھے۔

اسے حضرات سنی سید بھائیو حضرت عمر کی نسبت مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب الفرق میں لکھتے ہیں کہ آپ کے برابر جمیع اصحاب رسول اندھ میں کوئی پولٹیکل داغ نہیں رکھتا تھا۔ یہ خیال کچھ مفسدین کا بھی ہے۔ راقم کو بھی اس سے اعتراف ہے کہ آپ کسی درجہ کا پولٹیکل داغ رکھتے تھے۔ مگر آپ کی پولٹیکل قابلیت اعلیٰ درجہ کی نہ تھی آپ کی پولٹیکل قابلیت زیادہ اس ترکیب کی تھی جیسا کہ اس زمانہ کے بعض ممتاز ممبران و سرکرٹ بورڈ و نیوٹن میں کمی جاتی ہے یہ ممبر صاحبان بھی اپنے کو پولٹیکل جنٹلمین سمجھتے ہیں۔ مگر ان کی پالیٹکس ((Polandman)) کا دائرہ محدود قسم کا ہوتا ہے۔ انکی پولٹیکل کارروائیاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ اکثر انکی ذاتیات اور انکی پارٹیوں کی ذاتیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت عمر اگر واقعی اعلیٰ درجہ کے پولٹیشن (Polandman) ہوتے تو اپنی ذاتیات اور اپنی پارٹی کی ذاتیات کے امور سے کنارے رکھ کر اس پالیسی کو اختیار کرتے جو بانی سلطنت عرب یعنی رسول مقبول کو مد نظر تھی۔ آن صلعم نے اپنی دوراندیشی اور مدبرانہ کارروائی سے دس برس کے اندر ایک ایسی دینی ریاست عرب میں قائم کر دی تھی کہ اگر آن صلعم کے مرکزات خاطر برآپ کی امت چلتی تو عرب کی تاریخ اس قدر بدنام نظر نہ آتی جیسی کہ اس وقت نظر آتی ہے۔ حضرت رسول علی مرتضیٰ کے حق میں بمقام غم خیز اختلاف کی کارروائی عمل میں لائے تھے آن صلعم نے بہت کچھ سمجھ بوجھ کر یہ کارروائی اختیار کی تھی جس شخص کو خلیفہ آپ نے اپنا بنانا چاہا تھا وہ جمیع حیوب سے پاک تھا۔ حضرت رسول کی دینی ریاست اسی کی قائم کردہ تھی۔ وہ شخص رسول خدا کا تعلیم کردہ تھا اور سیرت رسول سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ اگر امت اسکی مددگار ہو کر اسکو خلیفہ ہونے دیتی تو جتنے فسادات برسوں تک ظہور میں آتے رہے ہرگز ظہور میں نہیں آتے۔ بروز اختلاف امتیوں نے کوئی مخالفت نہیں دکھلائی تھی کہ حضرت عمر نے بیخ بیخ حکمرانی مرتضیٰ کو اختلاف کی مبارکباد بھی دی۔ لیکن جب غم خیز سے حضرت رسول مدینہ کو روانہ ہوئے تو عقبہ کی راہ میں شب کے وقت امتیوں سے

مصلحت یا سترو بہ بخون نے حضرت رسول پر حملہ آوری کا قصد کیا مگر حبیب انکی سوار یوں پر ہنر بیٹھاری شروع ہو گئی تودہ بدعت بھاگ نکلے۔ یہ کجعت حملہ آوری خود اکابر مہاجرین تھے یا ان کے مقرر کردہ افراد۔ بذات خود عوام مہاجرین تو ایسے ناپاک فعل کے مرتکب ہونے کی کوئی وجہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے کہ انکو رسول اللہ کی جانشینی کی امید ہو نہیں سکتی تھی۔ اس فعل کے مرتکب یا اکابر مہاجرین ہوتے تھے یا ان کے پیچھے جا پڑا اکابر مہاجرین کی مخالفت کا طور حضرت رسول کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ مگر حبش اسامہ کی شرکت سے اکابر مہاجرین کے تخلف نے ان کی چھپی مخالفت کو پورے طور پر ظاہر کر دیا۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت رسول دو برس اور بھی زندہ رہ جاتے تو اکابر مہاجرین رسول اللہ سے اسی طرح برگشتہ ہو جاتے جیسا کہ آنحضرت کے بعد حدیث نقلین کے منشاء کے برخلاف علی مرتضیٰ سے برگشتہ ہو گئے۔ لازم یہی تھا کہ رسول اللہ کی خواہش کے مطابق علی مرتضیٰ خلیفہ قرار پا جاتے مگر حضرت عمر کی کم حوصلہ اور نامرادیسی نے حضرت علی کو خلیفہ ہونے نہ دیا۔ اگر حضرت علی خلیفہ قرار پا جاتے تو سالہا سال کے فسادات سے سلطنت عرب محفوظ رہ جاتی اور ایک ہی دین تمام بلاد اسلام میں وجود پذیر رہتا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر نے بلاد اسلام میں ہر طرح کے فسادات کی بنیاد دی حضرت ابو بکر خلیفہ بناتے ہی آپ کو اس کی ضرورت پڑ گئی کہ بنی امیہ شریک سلطنت عرب بنا دیئے جاوین اسی میں حضرت عمر کی قائم کردہ خلافت کی خیر تھی۔ اگر بنی امیہ کو شریک سلطنت آپ نہ کر لیتے تو آپ کی قائم کردہ خلافت کو ابوسفیان دم کے دم میں جو کر ڈالتے۔ آپ کا بنی امیہ کو سرفرو سے برسر ثروت کر دینا ایک بڑی پولیٹیکل غلطی تھی۔ دینی پہلو سے بھی یہ قبیلہ درگاہ خدا و رسول کا ایک مردود قبیلہ تھا۔ یہ قبیلہ ہمیشہ سے دین خدا کا دشمن ہو رہا تھا۔ اسلام کی فتح کئی اسکو ہمیشہ مد نظر رہی تھی۔ جنگ بدر و جنگ احد و جنگ خندق و جنگ حنین کی نوبت رسول اللہ کو اسی قبیلہ اسلام کش سے آئی تھی۔ پس اس قبیلہ کو سلطنت محمدی سے منفعت مالی کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ دین بس کی محنت میں حضرت رسول نے اس قبیلہ ملعونہ کو زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ اگر حضرت عمر اس قبیلہ کے دیگر نہ بن جاتے تو آئندہ جتنی خون ریزیان اور فساد انگیزیان اس قبیلہ کی وجہ سے پیکر خدا کی ریاست دینی میں ظہور پذیر ہوتی گئیں ہرگز ظہور میں نہ آتیں اگر حضرت عمر واقعی اسلام کے ہی خواہ ہوتے اور اپنے شریک حال افراد کے ذاتی منافع کو ملحوظ نہیں رکھے ہوتے تو بیشک آپ ایک بڑے اور سچے پولیٹیشن کہے جانے کے مستحق سمجھے جاتے کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ایک بڑے پولیٹیشن تھے جیسا کہ ایک اور لغزم رسول کو ہونا چاہئے۔ پس حضرت عمر کا حضرت رسول کی پالیسی سے انحراف کرنا پورے طور پر اس کا مثبت ہے کہ آپ کوئی بڑے پولیٹیشن نہ تھے صرف ایک بڑی چال کے آدمی تھے۔ صرف اپنی اور اپنی پارٹی کے

حضرت علی کا اس وقت جو وہ عقل سے خالی نہ تھا۔ حضرت رسول کی یہ کارروائی بہت بھلا نظر میں آتی تھی۔

اغراض کو ملحوظ رکھ کر امور سلطنت میں (عام اس سے کہ وہ امداد دینی حیثیت رکھتے ہوں یا دہوی) کا بندھون مخلص پولیشن کا کام نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ لبنی پولیسکل غلطی سے حضرت عمران فسادات کا ختم ہو گئے جو فسادات باکریہ رفتہ ایک ایسا درخت ہو گیا کہ جسکی باروری نے عرب کی سلطنت کو آخر کار تیغ و بن سے اکھاڑ پھینکا حضرت عمر کی اس پولیسکل غلطی نے حضرت کی دینی ریاست یعنی سلطنت عرب کو کسی صدی میں چین سے رہنے دیا۔ حضرت عمر کی یہ پولیسکل غلطی سلطنت عرب میں سول دار کی جڑ نظر آتی ہے۔ پس لازم ہی تھا کہ حضرت رسول کی فحش کے مطابق علی مرتضیٰ خلیفہ قرار پا جائے مگر حضرت عمر کی کم حوصلہ پالیسی نے حضرت علی کو خلیفہ بلا فضل ہونے دیا اگر حضرت علی خلیفہ قرار پا جاتے تو سالہا سال کے فسادات سے سلطنت عرب محفوظ رہ جاتی اور ایک ہی میں تمام بلاد اسلام میں جو پذیر رہتا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر نے بلاد اسلام میں ہر طرح کے فسادات کی بنا ڈال دی حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنانا ایک سچے ہی خواہ ملک کا کام نہ تھا۔ ساری خون ریزیوں اور ہنگامہ آرائیوں اسی ادل پولیسکل غلطی سے ظہور میں آسکیں۔ راقم کو مولوی شبلی صاحب کے ساتھ اس امر میں اتفاق نہیں ہے کہ حضرت عمر جواب پولیسکل دماغ رکھتے تھے۔ راقم کے خیال میں حضرت عمر اسی درجہ کے پولیشن تھے جیسا کہ بعض ممتاز ممبران ڈسٹرکٹ بورڈ و مینو پلٹی کے ہوا کرتے ہیں۔ دماغ ہو کہ حضرت عمر بنی ہاشم کو خلافت اور ان کے حقوق سے محروم کر سکے مگر انھیں نیست نابود نہیں کر سکے۔ سلطنت یابی کی بڑی کوششوں سے آپ خلیفہ بن گئے۔ مگر اس اختیار یابی کے بعد بھی آپ بنی ہاشم اور طرفداران بنی ہاشم کو دنیا سے خالی نہ کر سکے۔ بنی ہاشم کی محدودیت آپ کے جانشین حضرت عثمان و حضرت معاویہ و یزید و جانشینان یزید سے بھی ظہور میں نہ آسکی۔ بنی ہاشم ہر صدی سے خروج کرتے ہی رہے اور اپنے اور اپنے دشمنوں کے خون سے مغرور دنیا کو لالہ زار بناتے ہی رہے حضرت عمر کی غلطی بالا سے جو پہلی سول دار سلطنت عرب میں واقع ہوئی وہ ہنگامہ تھا کہ جس میں طلحہ اور زبیر نے بیعت حضرت عائشہ حضرت علی سے جنگ کی ان جنگ مہل میں بہت سے دشمنان و دوستداران بنی ہاشم کی جانیں تلف ہوئیں حق یہ ہے کہ سلطنت عرب سول دار سے بہت کچھ محفوظ رہ سکتی تھی اگر حضرت عمر حضرت علی کو خلیفہ بنا کر بے فرضی کے ساتھ عرب کی سلطنت کو اعتدال پر پہنچ دیتے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ ساری خونریزیوں اور ہنگامہ آرائیوں حضرت عمر کی اس پہلی پولیسکل غلطی سے ظہور پذیر ہو سکیں۔ اگر حضرت عمر علی درجہ کا پولیسکل دماغ رکھتے تو معاملات عرب کے ہر پہلو کو ملحوظ رکھ کر حضرت ابو بکر یا اپنے کو خلیفہ نہ بناتے۔ اہل فہم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غلطی مذکورہ بالا کے نتائج سے صرف یہی نہیں ہے کہ بنی ہاشم اپنے حقوق سے محروم رکھے گئے اور سول دار نے سلطنت عرب میں اپنا قدم جما دالا بلکہ یہ سچ ہے کہ بلاد اسلام میں متفرق افراد میں بھی وہی پولیسکل یعنی کامادہ آگیا جو افراد سے پھر قائل میں پھیل گیا حضرت

حضرت رسول ایک بڑے پولیشن تھے اور حضرت عمر کی پالیسی کا ختم

بنی ہاشم سول داروں کی پہلی سول دار

عمر کا قتل بھی اسی مادہ کا نتیجہ نظر آتا ہے چاہ کن را چاہ در پیش ایک سچا قول ہے حضرت عثمان کا قتل بھی وہی رنگ لگتا ہے۔ اگر حضرت ابو بکر بھی خلافت پانے کے دو برس کے اندر رحلت نہ کر جاتے تو وہی دن حضرت خلیفہ کو بھی پیش آ جاتا۔ اس پر تمام قتل خاندان پیغمبر کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ ساری ٹہر و ننگ حضرت عمر کی اول پولیٹیکل غلطی کا نتیجہ ہے۔ حضرت عمر کی دوسری پولیٹیکل غلطی یہ ہوئی کہ آپ حضرت عثمان کی خلافت کا مضبوط سامان کر کے عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ ہر چند حضرت عثمان کی خلافت شوری پر چھوڑی گئی تھی مگر جو کارروائی ملحوظ رکھی گئی تھی وہ ایسی ہی تھی کہ حضرت عثمان کے سوا دوسرا کوئی شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ دھڑک بورد اور ڈیونر پلسٹی کی مدد پر انہ کارروائی کی قابلیت کا تماشہ یہ نظر دکھلاتا ہے۔ حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کی کیا مصلحت تھی اس کو حضرت عمر جانتے ہوں گے۔ مگر ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ امر دلی طور پر مد نظر تھا کہ خلافت بنی ہاشم کی طرف منتقل نہ ہو سکے۔ آئندہ بنی امیہ ہی سلطنت عرب کے مالک ہو کر رہیں۔ مالک شام میں امیر معاویہ کو آپ حاکم شام بنا ہی چکے تھے اب ایسا سامان کر چلے کہ خلافت کے مالک بنی امیہ ہی ہو جاویں۔ حق یہ ہے کہ حکومت سے بنی ہاشم کو دور رکھنے کا حضرت عمر نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ بڑی قابلیت کے ساتھ حضرت عمر حدیث ثقلین کے خلاف میں ہمیشہ کار بند ہوتے رہے۔ بنی امیہ سے خلیفہ قائم کرنے میں حضرت عمر کی یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ بنی امیہ بنی ہاشم کے قدیم دشمن تھے خلیفہ ہو کر بنی امیہ بنی ہاشم کی خبر لیتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لاریب حضرت عمر کی پولیٹیکل قابلیت سے یہ معاملہ خبر دیتا ہے۔ یہ چال حضرت عمر کی حضرت رسول کی نیک اندیش پالیسی کو منہدم کر ڈالنے والی ہوئی۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول کی پالیسی کو ہوا کر ڈالنا ایک معمولی دماغ کا کام نہ تھا۔ الحق ایسے کام کے انجام دینے کے لئے حضرت عمر ہی کے دماغ کی ضرورت تھی۔ لیکن اگر واقعی حضرت عمر حق پروردہ خلوص پروردہ اور عدل گستردہ دماغ رکھتے تو حضرت عثمان جیسے قابل خلافت بزرگ کی خلافت یا بنی امیہ اس طور پر کو نشان نہ ہوتے۔ حضرت عثمان میں اس کے سوا کہ آپ بنی امیہ سے تھے جو بنی ہاشم کے قدیم اور صعب دشمن تھے اور کوئی صفت آپ میں ایسی نہ تھی کہ کوئی سچے پولیٹیکل دماغ کا آدمی آپ کو سلطنت عرب کا خلیفہ بنانے کا خیال کر سکتا تھا۔ علی مرتضیٰ کے رہتے ہوئے حضرت عثمان کا خلیفہ بنایا جانا ایک طرہ معاملہ دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عمر جانتے ہیں کہ علی مرتضیٰ ہر صورت سے حضرت عثمان پر ترجیح رکھتے تھے مگر تقاضائے عداوت بنی ہاشم سے حضرت خلیفہ مجبوتھے۔ لاریب اس پولیٹیکل غلطی سے حضرت عمر نے دین اسلام اور سلطنت کو صرف فوری نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اس کج فکاری کا نتیجہ عرب کی سلطنت ایک عرصہ دوازدہ سال تک بجگتی رہی۔ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ کچھ عجیب طرح کی بدترکیبوں کا تماشہ دکھلاتا ہے۔ خلیفہ ہوتے ہی

آپ نے مردودان بارگاہ خداداد رسول کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ ولید بن عقبہ کو جو تیز بلی فاق تھا حکومت کو نہ کی سزا کر دی
عبداللہ ابن سعد کو مصر کی حکومت بخشی گئی۔ مردان لاندہ درگاہ خداداد رسول کو وزارت کا عمدہ تفویض کیا گیا۔ ایسے مردودان
درگاہ خداداد رسول کے علاوہ حکم بن عاص کو بلا استحقاق زکریا غنایت کیا گیا۔ حارث کو مفت میں دسواں حصہ زرین
کادو کا نذرانہ مدینہ سے دلوا یا گیا۔ اسی طرح تمام حکومتیں فساد بنی امیہ اور دیگر شرار کے حوالہ کی گئیں۔ ناسی
نخیز بن سعد اور ابو موسیٰ اشعری جو عشرہ مبشرہ سے تھے اپنی حکومتوں سے معزول کر دیے گئے۔ ایک صاحب عشرہ مبشرہ سے
یعنی عبدالرحمن بن عوف مدینہ سے نکلوائے گئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا یا تھا۔ کس نیا وقت
علم پر ازمنہ کہ مرا عاقبت نشانہ نکویہ چارے عبدالرحمن اگر جانتے کہ حضرت عثمان کیسے بزرگ ہیں تو ان کی خلافت یا بی کے
لئے ایسی کوشش بلیغ نہ کرتے۔ اسی طرح حضرت خلیفہ حضرت رسول کے مناز صحابیوں کے ساتھ جیسے کہ مالک اشتر اور
نخاری عمار بن یاسر کے ساتھ جس پیرحمی کے ساتھ پیش آئے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان صحابیوں کا
صرف اس قدر گناہ تھا کہ وہ بچارے حضرت علی کے دلدادہ تھے۔ محمد بن ابوبکر کے قتل کا بند و بست خود حضرت خلیفہ
نے کیا یا اپنے چیلے چاٹے سے کرایا۔ شرفائے کوفہ بطرح طرح کی عقوبتوں میں مبتلا کئے گئے اور عامہ مسلمین کو ایذا
رسانیوں سے آزر دیا گیا۔ حضرات اہلسنت حضرت خلیفہ ثالث کو دحماء بینہم کا مصداق کس طرح قرار دیتے ہیں یہ
ایک ایسا امر ہے جو فہم انسانی سے باہر ہے۔ سبحان اللہ ایسے ناقابل خلافت کو خلیفہ مقرر کرنا حضرت عمر ہی کا کام
تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان کی خلافت یا بی کے سامان میں حضرت عمر نے بڑی پولیسکل جال اختیار کی
تھی اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ جراحت یا بی سے خود حضرت زندگی سے مایوس ہو رہے تھے۔ امر حق یہ ہے
کہ ایسا کام خلوص پرور اور حق پروردہ اور عدل گستر پولیشین کا ہو نہیں سکتا۔ اگر حضرت عمر اگلے درجہ کے پولیشین
ہوتے تو سلطنت عرب کی ہوا خواہی کو مقدم رکھتے حضرت علی کی حداوت اور عثمان کی دوستی کے مضمون کو
دماغ میں جگہ پانے نہ دیتے۔ المختصر مولوی شبلی صاحب کا یہ قول کہ حضرت عمر ایک اگلے درجہ کے پولیشین تھے
یا یہ کہ رسول اللہ کے جمیع صحابی میں کوئی شخص حضرت عمر کی پولیسکل قابلیت کے برابر نہ تھا ایک ایسا قول ہے کہ جس
حضرات اہلسنت کو مولوی صاحب کی طرف سے جو کچھ خورسندی نصیب بھی ہو کر یہ قول دراصل کوئی تحقیر لکھا ہے
یہ صرف قول ہی قول ہے اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت عمر بزرگراطلے درجہ کے پولیشین نہیں تھے۔ البتہ اپنی پارٹی
کے مقاصد کی کامیابی کے لئے طرح طرح کی چالوں کے اختراع کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ حق یہ ہے
کہ اگر حضرت عمر واقعی ایک صحیح اور اعلیٰ پولیسکل دماغ کے آدمی ہوتے تو ضرور تھا کہ اپنی زیت کے زمانہ میں
حضرت ابوبکر کی جگہ پر حضرت علی کو خلیفہ بناتے اور کم سے کم اپنے بعد حضرت علی کی خلافت کا بند و بست کئے
اس عالم سے رحلت فرماتے۔ حضرت عثمان کو حضرت علی پر کیا ترجیح دی جاسکتی تھی۔ علم میں فہم میں جماعت میں

فرست میں تحمل میں صبر میں تقویٰ میں عبادت میں و دیگر صفات حسنہ میں حضرت عثمان حضرت علی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ پس علی مرتضیٰ کو نظر انداز کر کے حضرت عثمان کی خلافت یا بی کا سامان چھنی دارد۔ البتہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ساتھ ایک پہلو سے حضرت عثمان کو شرکت صفاتی حاصل تھی یعنی حضرت عثمان بھی حضرت شیخین کی طرح فرارین اُحد و خیبر و حنین سے تھے اور بھی حبش اسامہ سے تعلق کرینوا لون میں تھے۔ علاوہ اس کے آپ بھی حضرت شیخین کی طرح حدیث ثقیلین کے منشا اسے خلافت کا رنبد ہوئے کو قرین مصلحت نہتے تھے۔ اگر اپنے بعد بھی حضرت عمر حضرت علی کو خلیفہ بنائے جانے کا سامان کئے ہوئے تو عرب کی سلطنت بہت سے فتنہ و فساد سے محفوظ رہ جاتی۔ مگر چونکہ حضرت عمر ایک تنگ خیال اور کم حوصلہ قسم کے پولیشن تھے قوم عرب کی رفاہ کو اپنی ذاتیات کے مقابلہ میں بے وزن سمجھ کر حضرت عثمان کی خلافت یا بی کا سامان کر گئے۔ واقعی قومی منافع کے اعتبار سے حضرت عثمان کا خلیفہ قرار پانا سلطنت عرب کے لئے نہایت ضرر انگیز ہو گیا۔ اگر حضرت عثمان کو سلطنت عرب نہیں پہونچ جاتی تو امیر معاویہ کے دل میں سلطنت یا بی کا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان کی ابتدائی خلافت کے وقت امیر معاویہ کو وہ قوت اور ثروت حاصل نہیں تھی جو حضرت عثمان کی خلافت کی وجہ سے پیدا ہو گئی۔ حضرت عثمان کے ایک طویل عرصہ خلافت میں امیر معاویہ نے اپنے کل پرزے درست کر لئے۔ پس جب خلافت حضرت علی کو پہونچی تو امیر معاویہ صاحب اس وقت ایسے نہ تھے کہ حضرت علی کی خلافت کو کچھ خیال میں لاسکتے عین ہی منشا حضرت عمر کا حضرت عثمان کی خلافت یا بی سے تھا سو وہ پورا ہو گیا۔

یہ امر کہ حضرت علی حضرت عثمان سے زیادہ مستحق خلافت کے تھے صاحب روضۃ الاحباب اور ابن حریر کی تحریر سے ہوتا ہوا ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان کی بیعت کر چکے اور حضار مجلس نے اس باب میں انکی موافقت کی تو حضرت علی نے تعلل اور تاویل فرمایا کہ ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس تمکو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا اصحاب رسول میں میرے سوا کوئی ایک بھی ایسا ہے جسکو آنحضرت نے موقع مواخاۃ پر اپنا بھائی قرار دیکر اس سے کہا ہو کہ تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت میں؟ حضار مجلس نے کہ کوئی نہیں حضرت علی نے فرمایا کہ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جسکی شان میں رسول مقبول نے فرمایا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا مولا یہ بھی ہے۔ سب نے کہا ہرگز نہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس سے پیغمبر خدا نے فرمایا ہو کہ تم میرے لئے اس منزلت پر ہو جس منزلت پر موسیٰ کے لئے بارون تھے؟ صحابہ جفا نے کہا کہ نہیں۔ بہر صورت علی نے کہا کہ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو جناب رسالت آب

نے تبلیغ سورہ برأت پر مقرر و موتمن فرما کر یہ ارشاد کیا ہو کہ امر و رسالت کو سوا میرے یا ایسے شخص کے جو میری عمرت سے ہو ادا نہیں کر سکتا؟ سب بولے کہ کوئی نہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ سید البشر و شفیع روز محشر نے اکثر سر یون میں جملہ مہاجرین اور کل انصار کو میرا مطیع اور محکومان پر امیر کر کے بھیجا ہے اور مجھ پر کبھی کسی کو امیر نہیں کیا؟ حاضرین بولے بیشک ایسا ہی ہے۔ حضرت علی نے کہا تم واقف ہو کہ سید المرسلین و مجمع علم اہلین و آخرین نے میرے علم کے اعلام کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انا مذلہ العالم و علی بابہا؟ سب نے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ اصحاب رسول نے اکثر آنحضرت کو میدان جنگ کے خطرناک مقام میں درمیان اعدا چھوڑ کر راہ قرار اختیار کی ہے مگر میں نے کبھی کسی خوفناک معرکہ میں آنحضرت سے تخلف نہیں کیا اور اپنی جان کو آنحضرت کی جان عزیز و جسم مقدس پر فدا کرنے کے لئے موجود رہا؟ سب نے کہا کہ حقیقت ایسا ہی ہے۔ حضرت علی نے فرمایا تم جانتے ہو کہ جس نے سب سے پہلے دائرہ اسلام و ایمان میں قدم رکھا میں ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں پھر حضرت علی نے پوچھا کہ ہم سب میں کون شخص از روئے نسب کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر ہے؟ سب نے اتفاقاً لفظ عرض کیا کہ بیشک رسول کے ساتھ تھا۔ مرتبہ اقریت و قرابت ہر طرح ثابت و مسلم و واضح و محکم ہے۔ حضرت علی یہ تقریر کر رہے تھے کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا اے ابوالحسن جن فضائل کو تم نے گنایا بیان کیا انکے اقرار و اعتراف سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر چونکہ اب اکثر لوگوں نے عثمان کی بیعت کی ہے لہذا متوقع ہوں کہ تم بھی ان سب کے ساتھ فتوح کر دو گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ واللہ تم خوب جانتے ہو کہ مستحق خلافت کون شخص ہے لیکن افسوس ہے کہ جان بوجہ کر اس سے اعراض کرتے ہو۔ اسی طرح تاریخ ابن حریر میں بھی ہے کہ پھر حضرت علی نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ اَتَقُولُ لِلّٰہِ الَّذِیْ تُسَلُّوْنَ بِہٖ وَاَہْلَ اَرْحَامِہٖ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْمٌ۔ یعنی اُس خدا سے ڈر جسکے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ نیز خوفِ کرد قطع رحم سے بیشک خدا تمہارا انحال کا نگارن ہے۔ تعجب ہے کہ یکے از عشرہ مبشرہ جو کہ عبدالرحمان صاحب نے اتفاق کا پہلو نہیں اختیار کیا اور حضرت عثمان کو جو حضرت علی کے مقابلہ میں خلافت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتے تھے اور حق یہ ہے کہ خلیفہ ہونے کی کوئی صلاحیت بھی نہیں رکھتے تھے خلیفہ بنا دیا۔ مگر اسی عالم میں خلیفہ گر صاحب کو اپنی ہٹ دھرمی کا صلہ مل گیا۔ یعنی حضرت عثمان نے انکے مخالف بنکر انھیں مدینہ سے نکلوا دیا۔ یہ تو نتیجہ اپنے فعل کا خلیفہ گر صاحب کو دنیا میں ملا آخرت میں کیا ملے گا خدا کو معلوم۔ گندم از گندم برد و بد جوچ از کافات عمل غافل مشو۔ معاذ اللہ مہاجرین حضرت رسول کیا بڑے کیا چھوٹے سب کے سب ایک ہی رنگ کے رنگے معلوم ہوتے ہیں الا وہ حضرات جنکو واسطیٰ نے تمیز حق و باطل اور نیک و بد

کی بخشی تھی رضوان اللہ علیہم۔

عائشہ خاتون کے ساتھ جو بڑا حضرت عثمان کا ہوتا رہا راقم بالا میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ مگر حضرت کا بڑا قرآن مجید کیساتھ ایسا ظہور میں آیا کہ ویسا بڑا شخصین کے ہمین بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے سنی سید بھائیوں۔ ترتیب و تصحیح کے بہانے سے اسم گرامی حضرت علی کا قرآن سے خارج کر دیا گیا اور اسی طرح آل محمد کے ذکر سے بھی اللہ کی کتاب نامہ پاک کر دی گئی۔ راقم اس قرآنی دست برد کو اشد البلا یا بجمنا ہے۔ اس لئے کہ قرآن موجود صحیفہ عثمانی ہے کسی طرح پر کمال نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ آئندہ کچھ اور مضامین بھی راقم اس قرآنی معاملہ کے متعلق حوالہ قلم کرے گا۔ اس جگہ پر راقم اسی قدر لکھنے پر قناعت کرتا ہے کہ مخالفین خاندان پیغمبر میں حضرت عثمان میرے بزرگ قابل ذکر ہیں۔ حضرت عثمان کے حالات مختصر طور پر سابق میں حوالہ قلم ہو چکے ہیں بہر حال کوئی شک نہیں کہ مخالفین اہلبیت میں حضرت خلفائے ثلاثہ بمع مخالفان اہلبیت سے بالاتر پایہ رکھتے ہیں اور آنحضرت ثلاثہ میں حضرت عمر کا پایہ سب سے بلند نظر آتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان میں اور بھی دیگر مخالفین میں مخالفت کی شدت اس قدر جگہ نہیں کر سکتی جہد کہ دیکھی جاتی ہے اسے سنی سید بھائیوں تو مخالفین اہلبیت بے شمار گزرے ہیں مگر ذیل میں کچھ ممتاز مخالفین کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غرض ایسے حضرات کے ذکر سے یہ ہے کہ واقف اشخاص کو معلوم ہو جائے کہ حضرات اہلبیت کے ساتھ امتیان محمدی کا کیا برتاؤ رہا ہے حق یہ ہے کہ ایسا بڑا وکلی امت نے اپنے نبی کے اہلبیت کے ساتھ نہیں کیا ہو گا جیسا کہ آن صلعم کی امت نے آپ کے اہلبیت کے ساتھ کیا ہے۔ حضرات اہلبیت کی پردہ پوشی سے بھی امتیوں کی ظلم پروردی اور سیرامہ دوی نہیں چھپتی ہے۔ پس واضح ہو کہ جب تک کہ امتیوں کے عام رنگ سے شخص ناواقف کو اطلاع حاصل نہوگی تو اس کتاب کے موضوع کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اس اطلاع دہی کی غرض سے کچھ مخالفین اہلبیت کے نام اور ان کے مختصر حالات ذیل میں درج ہوتے ہیں۔ افراد ذیل کی شناسائی سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت رسول کس طرف کی امت کو چھوڑ کر رحلت فرما ہوئے تھے اور وہ امت اہلبیت نبوی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتی رہی۔

نمبر۔ خالد بن ولید۔ حضرات خلفائے ثلاثہ بڑے مخالف اہلبیت نبوی کے تھے مگر اور بھی ممتاز افراد ایسے تھے جو اہلبیت نبوی سے کم خاندانین رکھتے تھے۔ حضرت خالد امر خلافت سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتے تھے مگر حضرت علی کے ایک بھاری مخالف تھے۔ جنگ احد کے پہلے حضرت خالد نے کوئی شہرت پیدا نہیں کی تھی۔ لیکن جب ابوسفیان صاحب کے ساتھ آپ حضرت رسول سے لڑنے کو آئے تو آپ نے کفار مکہ میں ایک بڑا نام پیدا کیا۔ آپ نے مسلمان کے قدم اکھاڑ دیئے۔ جنگ احد کے چند سال بعد آپ

مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مگر حضرت رسول کے دلین اپنی بے عزتانیوں سے جگمگ پیدا نہیں کر سکے۔ فتح مکہ کے بعد بھی رسول خدا مکہ ہی میں جلوہ افروز تھے کہ آنحضرت نے آپ کو قبیلہ بنی حذیمہ کی طرف دعوت اسلام کی نظر سے بھجا۔ اس قبیلہ سے قبیلہ بنی محزوم کو عداوت چلی آتی تھی۔ آپ قبیلہ بنی محزوم کے آدمی تھے آپ بنی حذیمہ کے آدمیوں سے انکے اسلام قبول کرنے پر بھی بڑی سختی کے ساتھ پیش آئے۔ بہت لوگوں کی شکنیں بندھواؤں اور کچھ افراد کو قتل بھی کر ڈالا۔ جب اس کی اطلاع حضرت رسول کو ہوئی تو آپ خوف خدا سے کانپنے لگے اور درگاہ ایزدی میں یوں مناجات کرنے لگے کہ بار اہمامین خالد کے فعل سے بری ہوں اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہی حضرت رسول خدا نے فوراً حضرت علی کو مال و زر کے ساتھ بنی حذیمہ کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ آپ وہاں پہنچ کر حضرت خالد کو منور کرین اور اس قبیلہ آزار دیدہ کی دلجوئی کریں حضرت علی نے حضرت رسول کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا خاص کر ایسی صورت میں کہ کرمی اور حمی کی شان آپ پر ختم تھی۔ جاننا چاہئے کہ کرمی اور حمی کے بغیر کوئی شخص شجاعت سے مستعفی نہیں ہو سکتا ہے حضرت خالد میں چونکہ کرمی اور حمی مفقود تھی اس لئے آپ کی طرف شجاعت کی نسبت کسی حال میں نہیں کیجا سکتی ہے۔ حضرت خالد میں سبائیت یعنی دہندگی تھی جسے عوام کال عام شجاعت قیاس کرتے ہیں شجاعت کی مثال حضرت علی تھے کہ آپ میں ایسی بہادری تھی جو شر خدا کے سوا کسی دوسرے میں امکان نہیں رکھتی ہے۔ ایسی بہادری دین حق کے قائم رکھنے اور دین حق کو دشمنان خدا سے بچانے کی واسطے و کالہ ہوتی ہے۔ ایسی بہادری سے کرمی اور حمی کسی حال میں منتفک نہیں ہو سکتی اور ایسی بہادری حسب اللہ ہو کرتی ہے جس سے نفس کیلئے نہیں ہوتی حضرت علی کی غزواتی معاملات پر حضرات ناظرین نظر ڈالیں اور حضرت لد کے ان فعال فیجہ سے موازنہ بن جو ان صاحب قبیلہ بنی حذیمہ کے مقابلہ میں سرسبز و مجتے گئے حضرت خالد کی معمولی سیر چلی و رہے کرمی کے علاوہ واقعہ بنی حذیمہ یعنی یادہ زشت پہلوں لئے لکھتا ہے کہ آپ ایسی کارروائیوں کے حامل ہو جو رہے بچے آپ کے قبیلہ بنی محزوم کو قبیلہ بنی حذیمہ سے ایک عداوت قدیم چلی آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت خالد قبیلہ بنی حذیمہ کے پاس رسول اللہ کی جانب سے ایک مذہبی غرض کو ملحوظ رکھ کر بھیجے گئے تھے۔ مگر آپ نے موقع پا کر اس قبیلہ کے ساتھ پانی عداوت کی بنا پانیے بولناک افعال کے موجب ہوئے کہ نہایت سنگدل ہوئے بغیر کوئی شخص ایسے کاموں کا عامل نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسرا متعلق بہ اسلام جو حضرت خالد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس سے حضرت خالد کی افتاد طبیعت عیاں ہوتی ہے یہ ہے کہ قیام میں کے زمانہ میں حضرت علی کو یہ خبر ہو چکی کہ وہ قبائل جو اطراف میں میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مرتد ہو گئے مین اور جنگ کی تیار کیا کر رہے مین تو حضرت علی اپنی توجہ کو آراستہ کر کے ان کے متقابل ہوئے۔ یہ مرتدین ہزیمت اٹھا کر حضرت علی کی خوش تدبیر لوگوں سے

تاج فرمان اور از سر نو مسلمان ہو گئے۔ کوئی شک نہیں کہ اس ہنگامہ میں حضرت علی کی خلقی شجاعت جس میں کربلی اور رجمی داخل ہے ان مرتدین کی اصلاح میں بہت کام آئی۔ مگر حضرت خالد اپنی خلقی بدترکیبوں سے باز نہ آئے اور آپ کو حضرت علی کے ساتھ ایک مداوتِ قدیمہ لاحق تھی اور ہمیشہ اس مداوت کے نازہ ہو جانے کے اسباب جمع ہو گئے حضرت خالد نے بریدہ انصیب سے مشورہ کر کے ایک خط حضرت رسول خدا کو حضرت علی کی شکایت میں لکھا اور اس بریدہ کے ہاتھ سے اسے آنحضرت تک پہنچا دیا۔ اس خط کو پاکر حضرت رسول بہت غضب ناک ہوئے اور بریدہ سے فرمایا کہ انیسوس ہے تجھ پر کہا تو منافق ہو گیا ہے۔ علی مجھ سے ہے اور تجھ سے اور تیری قوم سے افضل اناس ہے۔ علی میرے بعد تمام امت میں افضل ہے۔ وہ جو حکم کرتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ تو خدا سے پناہ مانگ ورنہ جو علی کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے یہ شکر بریدہ نہایت خوف زندہ ہوا اور کہنے لگا کہ کاش علی مرتضیٰ کی شکایت کے قبل میں پیوند زمین ہو جاتا۔ اس کے بعد اس نے بھی حضرت علی کی مخالفت نہیں کی۔ بریدہ تو اصلاح پذیر ہو گیا مگر حضرت خالد کی عداوت علی مرتضیٰ کے ساتھ بنی رہی۔ حضرت خالد کو اہلسنت بڑی عظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عداوت کی بنا پر اہلسنت حضرت خالد کو حضرت کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اے سنی سید بھائیو۔ اگر ایسے ہی ایسے افراد رسول اللہ کے صحابی کہے جاتے ہیں تو وہ حضرات صحابی جو واقعی بڑے بڑے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے کس لقب سے یاد کئے جائے گا استحقاق رکھتے ہیں مگر اہلسنت کے نزدیک ہر طرح کا فاسق و فاجر جیسے خالد تھے جس نے رسول کا زمانہ دیکھا تھا صحابی کہے جائے گا استحقاق رکھتا ہے۔ اہلسنت کے نزدیک علی مرتضیٰ کا قاتل ابنِ لخم بھی صحابی اور راوی کا وجہ رکھتا ہے یہی بھی قابلِ لمن نہیں سمجھا جاتا ہے حضراتِ اللہ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابنِ لخم نے حضرت علی کو بر بنائے اجتہاد و تاویل قتل کیا ہے۔ اس لئے یہ فعل اس کا قبیح نہیں قیاس کیا جاتا ہے، برین عقل و دانش بیابا کی طرح بظاہر مخالفت علیؑ ایک دفعہ عظمتِ اہلسنت کے نزدیک کھائی دیتی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو طلحہ زبیر اور معاویہ وغیرہ کیوں حضرت کہلاتے۔ اہلسنت حضرت خالد کو سیف اللہ کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ خطاب حضرت خالد کو کس طرح حاصل ہوا اسکی اطلاع اہلسنت کو ہوگی دوسرے کو کیا معلوم۔ ظاہر ہے تو حضرت رسول کو حضرت خالد سے حد درجہ کی آزدگی لاحق تھی۔ تحقیق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیف اللہ کا خطاب علی مرتضیٰ کو مرحمت ہوا تھا۔ ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ علی ابنِ طالب ہے۔ یہ خدا کی شمشیر پر منہ ہے۔ واقعی یہ خطاب اسکو دیا ہے جو فاتحِ بدو احد و خندق و خیبر و حنین ہے۔ علی مرتضیٰ کے سوا اس خطاب کا مستحق کوئی دوسرا شخص جو نہیں سکتا سیف اللہ ہونے کے لئے شجاعت کی ضرورت ہے نہ کہ سباعت کی۔ حضرت خالد کی سباعت کی ایک اور مثال ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ جس سے آپ کی برتری نفاست۔ خود غرضی۔ سخاکی۔ بدکاری۔ وغیرہ وغیرہ

درجہ اتم نمایان ہوتی ہے۔

تاریخ ابن الورودی میں ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں قبیلہ بنی یربوع نے حبسا سردار مالک بن نویرہ
تھا ذکوۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا۔ یہ مالک بن نویرہ جناب رسالتؐ کے حضور میں حاضر ہو کر مشرف اسلام
ہوا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے اُس کو قبیلہ یربوع سے ذکوۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا تھا۔ پس جبکہ قبیلہ بنی یربوع
نے ذکوۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد کو وصول ذکوۃ کے لئے مالک بن نویرہ کے پاس
بھیجا۔ ابن واضح اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب خالد وہاں پہنچے تو مالک بن نویرہ آپ کے پاس حاضر ہوا
اتفاق سے اس کی بی بی بھی اسکے ساتھ تھی۔ حضرت خالد اس کے حسن جمال پر شیدہ ہو گئے۔ ابن شعثہ بنی
تاریخ روضۃ المناظرین درج کرتے ہیں کہ جب آپ زین مالک پر فریفتہ ہوئے تو آپ نے ضلّالہ ابن اذور کو حکم دیا
کہ مالک کی گردن اڑا دے۔ مالک نے اپنی صاحب جمال بی بی کی طرف نگاہ کی کہ کہا کہ آہ اسی عورت نے مجھے
قتل کرایا۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ نہیں تیرا اسلام سے پھر جانا تیرے قتل کا باعث ہوا۔ مالک بولا میں تو مسلمان
ہوں۔ مگر مالک کی صلہ کا سننے والا ہی کون تھا۔ حضرت خالد کے حکم دیتے ہی ضرار نے مالک کا سرا ڈر ادیا۔
مورخ ابوالفدا بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت خالد نے مقتول کی بی بی پر قبضہ کر لیا
تاریخ ابن واضح میں ہے کہ قتادہ نے جو خالد کے ساتھ گئے تھے واپس آکر حضرت ابوبکرؓ کو اس واقعہ کی خبر دی
اور قسم کھائی کہ میں خالد کی تختی میں نہ رہوں گا کیونکہ خالد نے ایک ناکردہ گناہ مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ پھر تاریخ
ابوالفدا میں ہے کہ جب ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس افسوسناک واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ
سے کہا کہ خالد نے بیشک زنا کی ہے اس کے رحم کا حکم دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہ میں خالد کے رحم کا حکم
نہ دوں گا۔ کیونکہ اس نے آویل میں خطا کی رراقم کتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا خوب خطائے تاویل کا فائدہ
پیش کر کے حضرت خالد کی جان بچا دی۔ نہیں معلوم کہ خطائے تاویل کیا بلا ہے حضرت علیؓ کی شہادت میں
بھی ابن الجهم کی طرف سے اہلسنت اسی طرح کا بیچنے عذر پیش کرتے ہیں (روضۃ المناظرین ششمین میں منجی راجع
ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو قتل مالک کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ بیشک
خالد زنا کا مرتکب ہوا اس پر حد جاری کرو تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ خالد نے تاویل میں
غلطی کی۔ حضرت عمرؓ نے کہ اچھا اسے قتل کر دے اس لئے کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا حضرت ابوبکرؓ نے
کہا یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ خالد نے تاویل میں خطا کی۔ واہ ری خطائے تاویل تیرا کیا کتا ہے۔ اب شوق سے
اہلسنت زنا کر میں اور مسلمان کا خون بہا کر میں۔ خطائے تاویل کا عذر تو نہ بنایا بی سے محفوظ رہنے کے لئے پیدا ہی
ہو گیا ہے۔ جب حضرت خالدؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کی بنا پر نہ بنایا بی سے محفوظ رہ گئے تو حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ خالدؓ

حضرت خالد کا مالک بن نویرہ پر حدود کا ظلم

حضرت عمر کی خواہش حضرت خالد کے رحم کرنے کی

معزول کر دیجئے اس پر حضرت ابو بکرؓ جواب دیا کہ شمشیر کو سلا رکھوں میں خالدا ایک بڑے مورے ہیں ایسے شخص کو اپنے پاس سے دور کر ڈالوں۔ (وکیو ابو الفدا)۔ اس قصہ پر نظر غور ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین خدا کی خدمت اور خیر ہے اور نفس کی خدمت اور خیر ہے شجاعت اور سابعیت دوتے ہیں عوام دو دن کو ایک کچھ ہوئے ہیں اس لئے حضرت خالد کو سیف اللہ سمجھتے ہیں۔ فرہی چیزے دیگرے و آس چیزے دیگر کچھ ایسے بزرگوار سے راقم ملاتی ہوا ہے کہ خرا اپنا سلسلہ بنی حضرت خالد تک پہنچاتے ہیں اور اپنے کو اولاد سیف اللہ سمجھتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر راقم کو کسی طرح کا بنی لگاؤ حضرت خالد کے ساتھ ہوتا تو بقتلے صحت حواس کے ساتھ راقم اس طرح کی حالی بنی کو معاذ اللہ سرمانہ نازہ امتیاز نہیں سمجھ سکتا تعجب ہے کہ ایسے افراد جیسے حضرت خالد و حضرت معاذ یہ وغیرہ تھے کیونکر مذہبی سردارانے جاتے ہیں۔ وہ دین قابل افسوس ہے کہ جس میں ایسے افراد کی سرداری ایک امر مسلم ہو رہی ہے واضح ہو کہ حضرت خالد بھی بنی امیہ سے تھے۔ این خانہ تمام آفتاب است۔

بنبر۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آپ اہمات المؤمنین سے ہیں اس لئے ہر کلمہ کو کافر میں مضی ہے کہ آپ کی تعظیم اپنے اوپر واجب سمجھے۔ افسوس ہے کہ اس علوم مرتب کے ساتھ آپ محبت اہلبیت نبوی سے تاملتہ خالی تھیں۔ اہلبیت نبوی سے آپ کو حضرت علی کے ساتھ بالخصوص سخت عداوت اور نفرت تھی۔ اس عداوت و نفرت دیرینہ کی بنا پر آپ حضرت عثمان کے خون کے معاذضہ کی غرض سے طلحہ اور زبیر کے ساتھ ہو کر حضرت علی سے وہ لڑائی لڑیں جس کا نام جنگ جمل ہے۔ حضرت رسول کو حضرت عائشہ کی اس جنگ آزادی سے بچیت رسول ضرور اطلاع تھی۔ انحضرت نے فرمایا تمہاکہ میری ایک بی بی ایسی ہوگی جس پر شمشیر جواب کے کتے ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بزرگ بالا جواب کے چشمہ پر کتے ہونگے۔ اس قول کی تفسیر یہ ہے کہ حسب تاریخ مروج الذہب سعودی جب حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر کا قافلہ روانہ ہو کر شب کو چشمہ جواب پر پہنچا تو وہاں کچھ لوگ بنی کلاب کے جمع تھے انکے کتے سوار یوں کو دیکھ کر ہونکنے لگے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ شتر بان نے کہا جواب۔ سینتے ہی حضرت عائشہ کی زبان سے کلمہ انا لله وانا الیہ راجعون نکل گیا اور وہ کہنے لگیں کہ مجھے بیان سے حرم رسول کی جانب واپس بچلو مجھ کو اس سفر سے کام نہیں ہے۔ عبد اللہ ابن زبیر نے حضرت عائشہ کا اضطراب دیکھ کر کہا کہ کہ قسم خدا کی یہ جواب نہیں ہے جس نے تم سے کہا غلط کہا۔ اس کے بعد طلحہ بھی آگے جو بیچے تھے۔ انہوں نے بھی قسم کھا کر کہا یہ جواب نہیں ہے اور طلحہ اور ابن زبیر کی موافقت میں انکے پچاس ہمراہیوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام جواب نہیں ہے اور یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی جو اسلام میں قائم کی گئی اور بقول صاحب روضۃ الاحباب پہلی جھوٹی شہادت تھی جو اسلام میں وقوع پذیر ہوئی (مضامین بالا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

متعلق دیکھو حیات الجوان و میری دست درک حاکم و تاریخ کامل (کیون سنن سید بھائیو۔ کیا عشرہ بشرہ کی یہ بھی شائے ہے کہ جھوٹی گواہی دے اور جھوٹی گواہی اپنے پیر و ان گمراہ سے دلوانا جائز سمجھے۔ لاجول ثم لاجول جس مذہب میں طلحہ جیسے بزرگوار سردار دین و قطعی جتنی سمجھے جاتے ہیں اس کے نسبت یہ کہنا کیا بجا ہو سکتا ہے کہ مذہب معلوم و اہل کتب معلوم حضرت علی سے جو خلیفہ وقت تھے کیونکہ جنگ محل کی صف آرانی ہوئی اس کی حقیقت یہ ہے کہ طلحہ اور زبیر نے ادھر حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور فوراً شکست بیعت کر ڈالی اس شکست بیعت کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ دونوں صاحبوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ حضرت علی کے وسیلہ سے حصول دنیا کی کل نظر نہیں آتی ہے۔ پس دونوں صاحب فوراً مکہ چلے گئے اور حضرت عائشہ کو اپنا شریک حال کر ڈالا۔ آپ تو حضرت علی کے بغض قدیم سے بھری ہی ہوئی تھیں پھر کیا تھا حضرت علی سے جنگ پر آمادہ ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ سے اپنے شریک حال ہونے کے لئے بہت کچھ کہا اور یہ بھی کہا کہ چھا ہو اگر سفر بصرہ میں تم بھی میرے ساتھ ہوا کرو۔ شاید خدا ہم لوگوں کے سبب سے مسلمانوں کی اصلاح کرے اور خون عثمان کے قصاص کا عقدہ تعویق کھول دے ام سلمہ نے جواب میں لکھا کہ اے دختر ابوبکر تم خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہو حالانکہ قسم بخدا تم ان پر سب سے زیادہ غضناک تھیں اور انکو فضل کے نام سے یاد کر کے کہا کرتی تھیں کہ خدا لعنت کرے نعل کو اور قتل کرے نعل کو۔ عجیب بات ہے کہ کل تو تم انکو شب شتم کے ساتھ یاد کر کے کفر سے منسوب کرتی تھیں اور آج انکو امیر المومنین اور خلیفہ مقتول و مظلوم کہتی ہو اور ان کے معاملہ میں اہل تعزیت و مصیبت بنکر اس جماعت کا ساتھ دیتی ہو جس نے علی پر خروج کیا ہے۔ سنو۔ طلب خون کے متعلق تمہارا خیال بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ بنی عبد مناف سے تھے اور تم بھی نیم ہو۔ اسے عائشہ افسوس ہے کہ تم اس گروہ سے موافقت کرتی ہو جس نے علی ابن ابی طالب پر لکڑ لکشی کی ہے۔ حالانکہ علی رسول مقبول کے بھائی اور داماد اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہیں۔ اسے عائشہ علی کا مرتبہ خلافت و ریاست و وراثت اہل روزگار کے نزدیک مسلم ہے اور اصحاب ماجرو انصار نے ان کے مرتبہ خلافت کو قبول کر کے انکی بیعت اختیار کی ہے۔ اس کے بعد جب حضرت ام سلمہ نے حضرت علی کے بعض فضائل و خصائل کا ذکر فرمایا۔ عبد اللہ بن زبیر گھر کے بیرونی در پر کھڑے ہوئے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ وہیں سے انھوں نے آواز دی کہ اے ام سلمہ تم کو آل زبیر سے جو عدوت ہے اس کو مین جانتا ہوں۔ ام سلمہ نے اندر سے جواب دیا کہ تم ہی باپ بیٹے تو عائشہ کو لجانے پر تلے ہوئے ہو۔ کیا تمہارا گمان ہے کہ علی کی زندگی میں مہاجرین اور انصار تمہارے باپ زبیر اور ان کے مصاحب طلحہ کو اختیار کرنے پر راضی ہونگے حالانکہ بقول حضرت رسول علی ہر مومن اور مومنہ کے ولی ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ کی زبان سے کبھی نہیں سنی

ام سلمہ نے کہا کہ اگر تم نے نہیں سنی تو تمہاری خالہ عائشہ نے سنی ہے اُن سے پوچھ لو اور میں نے رسول مقبول کو
یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علی میری زندگی میں اور میرے بعد تم سب پر خلیفہ ہیں جس نے انکی نافرمانی کی میری
نافرمانی کی راقم کتا ہے کہ رسول اللہ کی نافرمانی تو نافرمانی خدا و اہل بیت کے ہے اور رسول میں کرتے ہی رہے بعد آنحضرت کے اگر
نافرمانی پر کراہت ہے تو کیا تعجب ہے (اے عائشہ بولو تم نے یہ حدیث رسول اللہ سے سنی ہے؟ حضرت
عائشہ نے فرمایا ہاں میں نے سنی ہے۔ پس حضرت ام سلمہ نے بطور نصیحت حضرت عائشہ سے کہا کہ اے عائشہ
جس امر سے تجھے غیر خدا نے خوف دلایا ہے اس سے ڈر و اور صاحبہ کلاب جواب نہ بنو۔ اے عائشہ میں قسم دیکر پوچھتی
ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ عقیب میری ایک بی بی پر چشمہ جواب کے کتے شیر
کڑنگے اور جو شریک اہل بغاوت و فساد ہوگی اور جو وقت آنحضرت نے یہ ارشاد کیا اس وقت جو طرف میرے ہاتھ
میں تھا غایت اضطراب سے گر گیا۔ آنحضرت نے مجھے سبب اضطراب دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
میں اس خیال سے مضطرب ہوئی کہ کہیں وہ بی بی میں نہ ہوں۔ آنحضرت نے تبسم فرمایا اور تمہاری طرف
دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے حمیرا میرا گمان ہے کہ وہ بی بی تو ہے۔ حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ سے بیان کی تصدیق
فرمائی۔ حضرت ام سلمہ نے کہا کہ اے عائشہ طلحہ و زبیر کے قریب میں نہ آؤ اور یہ نہ سمجھو کہ وہ تم کو اس فعل کے
آل سے بچائیں گے۔ حضرت ام سلمہ کی باتیں سن کر حضرت عائشہ و مان سے ملول ٹھین اور فصیح غم بصرہ کا غنڈہ
جیلہ سوچنے لگیں۔ عبداللہ بن زبیر نے یہ حال محسوس کر کے ہاتھ داسے مٹا یا شروع کر دی اور حضرت عائشہ
حرب علیہ براز سر نو مستعد ہو کر اپنے منویان کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ واقعات بالا سے معلوم
ہوا ہے کہ حضرت ام سلمہ بقدر رسول اللہ کی فرمان برداری بی یقین اُسی کے برعکس حضرت عائشہ یقین
کاش حضرت پیر و تنگبر صاحب حضرت عائشہ کے حوض حضرت ام سلمہ ہی کو افضل لسا قرار دے ہوتے
کوئی شک نہیں کہ حضرت ام سلمہ ایک ازلی سیدہ بی بی یقین۔ مگر چونکہ حضرت ام سلمہ حضرت ابو بکر کی بیٹی
نہیں یقین اس لئے حضرت پیر و تنگبر صاحب راہ انصاف کے اختیار کرنے میں قاصر رہ گئے۔ حضرات
الہنت کا عجیب مہب ہے۔ حضرت عائشہ کو آپ حضرات افضل لسا مانتے ہیں۔ اس میں شک کیا ہے
کہ یکے ازاں ہات المومنین ہونے کی وجہ سے آپ بہر صورت قابل تعظیم ہیں۔ مگر یہ بات مجھ میں نہیں آتی ہے
کہ جس بی بی نے اس طرح کا نافرمان مزاج پایا ہو اور جس بی بی سے خدا اور رسول ناراض ہوئے
ہوں اور جس بی بی میں شرکیہ طرف اتنا بڑا میلان ہو وہ بی بی افضل لسا کیونکر مانتی جاسکتی ہے۔
واضح ہو کہ حضرت حفصہ حضرت کی صاحبزادی یقین اور اُمہات المومنین سے ہیں۔ حضرت عائشہ اور
حضرت حفصہ میں مناسبت طبعیت کی وجہ سے رابطت لاحق تھی۔ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے

حضرت رسول کے کسی راز کو افشا کر دیا جس پر خدا نے تعالیٰ نے حضرت رسول کو اس امر سے متنبہ کر دیا کہ قولہ تعالیٰ فلما بنا بہ واطلک للہ (دیکھو سورہ تحریم تفسیر رضیٰ عنہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۲ و تفسیر عیالیم التفسیر جلد ۱۹ صفحہ ۹۱۹ و تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ و تفسیر کبیر رازی جلد ۴ صفحہ ۲۳۲) پس خطاب عتاب آمیز و دون بی بیوں پر خدا کی جانب سے نازل ہوا وہ آیت عتاب اسی سورہ تحریم میں یوں ہے کہ ان تدعوا الی اللہ فقد صنعت قلوبکم ما یبغی اے عائشہ اور اے حفصہ دونوں خدا کی جانب میں توبہ کرو و تحقیق کہ تم دونوں کے دل حق سے ہٹ گئے ہیں (راقم کہتا ہے کہ ایسی بیبیان جنکے دل حق سے ہٹ گئے ہوں کوئی ان میں سے افضل لے سکتا ہے جانے کا استحقاق نہیں رکھ سکتی ہے۔ حضرت پیر دستگیر کو اس خطاب بخشی کے پہلے اس امر کو بخیر فرمایا تھا) کہ ان خدا کا عتاب اور کہ ان افضل لے سکتا خطاب آیات بالا کے علاوہ سورہ احزاب پارہ ۲۲ میں آیت۔ یا ایہا النبی قل لا ذوا جہک ان کنتن الخ سے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کہہ تو اپنی بیبیوں سے کہ تم لوگوں کو حیات دنیا اور زینت دنیا پسند ہے تو آؤ ہم تمکو طلاق دین اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو مگر زمان کا فرہ کی رکش اختیار نہ کرو بیبیوں سے بیان مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں۔ اس لئے ان دونوں بیبیوں سے حضرت رسول خدا کو اس قدر اذیت پہنچی تھی کہ ان میں سے حضرت عائشہ کے ساتھ طلاق دینے کی بات تھی اور دوسری صاحبہ یعنی حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دے چکے تھے (دیکھو تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۴۰۷ و تفسیر رضیٰ عنہ جلد ۲ صفحہ ۷۹) ان سب معاملات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے مطلق رضامند نہ تھے بہت جابے تعجب ہے کہ خدا و رسول تو ان دونوں بیبیوں سے اظہار نارضا مندی فرما دیں اور حضرت پیر دستگیر ان میں سے ایک یعنی حضرت عائشہ کو افضل لے سکتا سمجھنا جہز و عقد بے بلا دیں۔

بالمختصر کوفہ کی ایک جماعت تو خلیفہ وقت یعنی حضرت علی کے پاس حاضر ہو کر ان کے لشکر میں داخل ہوئی اور ایک گروہ اہل کوفہ کا حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر کی فوج میں شامل اور راحق ہوا اور دونوں فریق کی فوجیں مقام حریریہ میں باہم مقابل اور صف آرا ہوئیں (دیکھو ابوالفدا) مروج الذہب میں ہے کہ دونوں لشکروں کے مقابل ہونے کے بعد حضرت علی نے کھڑے ہو کر اپنی فوج سے ارشاد فرمایا ایہا الناس اگر تم فوج مخالف کو شکست دو تو زخمیوں اور قیدیوں کو نہ مارو جو بیٹھ بھیر کر بھاگے اسکے تعاقب میں نہ جاؤ۔ کسی شخص کو برہنہ اور کسی مقتول کو مشلہ نہ کرو اور ان کے اموال کے قریب نہ جاؤ سوا اس مال و متاع کے جو لشکر میں از قسماً سلمہ وغیرہ پڑا ہوا پاؤ

جناب جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہو گئی

کرم پیشہ شاہ مروان علی است افسوس ہے کہ اہل یورپ کو موجودہ ترقیات تمدن و صفائے اخلاق کے ساتھ بھی اس آئین جنگ سے تاثر بے خبری نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے لئے جنگ اور دین کے لئے جنگ دو شے ہیں۔ خیر۔ جب جنگ ہوئی تو باغیان حضرت خلیفہ یعنی حضرت علی کے دشمنوں کو شکست ہو گئی۔ طلحہ کو مروان بن حکم نے تیر سے مار ڈالا حالانکہ طلحہ مروان ایک ہی لشکر میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے (دیکھو ابو الفدا) زبیر میدان جنگ سے بھاگ کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ مگر راہ میں کچھ دور جا کر عمرو بن حرموزی جاشی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بعد شکست حضرت عائشہ کو ان کے بھائی محمد بن ابی بکر نے بصرہ لے جایا کر عبد اللہ بن خلف کے گھر میں اتار دیا (دیکھو ابو الفدا) واضح ہو کہ جنگ کے قبل حضرت عائشہ نے زبیر کو بلا کر کھاتھا کہ اے زبیر تکو باد ہو گا کہ ایک دن رسول مقبول کے ساتھ میرا گندہ بنی غم میں ہوا تھا تو آنحضرت نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور میں بھی تبسم ہوا۔ تم نے میری ہنسی پر اعتراض کیا تو رسول مقبول نے کھا کہ اس تبسم کے یہ معنی ہیں ایک روز تم علی سے قتال کر کے ان کے حق میں ظلم کرو گے۔ زبیر نے کھا بتیک مجھے وہ بات یاد آگئی اگر پہلے اس کا خیال ہو جاتا تو میں ہرگز بیان نہ آتا رہا تم کھتا ہے کہ اب توبہ کرنے میں کیا لگتا تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ باغیان حضرت عائشہ کو ہونے نیا کہ اس اصلاح کی طرف رخ کرنے دیتی تھی (دیکھو ابو الفدا) اسی طرح مستدرک حاکم میں حرورہ مازنی سے مروی ہے کہ میں نے علی کو زبیر سے یہ کہتے سنا کہ اے زبیر تم کو خدا کی قسم بیچ بتاؤ کہ رسول مقبول نے نہیں کھا تھا کہ تم علی سے ظالمانہ قتال کرو گے زبیر نے کھا کہ ہاں بالکل سچ ہے۔ مگر میں اس بات کو بھول گیا تھا رہا تم کہتا ہے کہ طبع دیادوی نے فرمونے رسول کو بھولا دیا تھا۔ زبیر صاحب کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ اہل مدینہ زبیر صاحب کی عشق و محبت کی علامت اس کے تاریخ ابن جریر طبری کے روئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے زبیر سے یہ بھی کھا تھا کہ تم مجھ سے خون خمان کے طالب ہو حالانکہ خود تم نے آنکو قتل کیا ہے۔ نیز طلحہ سے کھا کہ اے طلحہ تم رسول کی بی بی کو میدان جنگ میں لڑنے کو لائے ہو اور اپنی بی بی کو تم نے گھر میں پرورش نہیں بنا رکھا ہے۔ (را تم کھتا ہے معاذ اللہ) واضح ہو کہ حضرات اہلسنت کو ایک تو لائے خاص حضرت زبیر اور طلحہ کے ساتھ ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہے الا یہ کہ یہ ہردو بزرگوار حضرت علی کے دشمن صعب اپنے کو ثابت کر سکے۔ لاجول ثم لاجول باغیان خلیفہ وقت کے ساتھ اس طرح کی ہمدردی جہ معنی دارد۔ لیکن چونکہ خلیفہ وقت حضرت علی تھے اس لئے حضرت زبیر اور طلحہ کے ساتھ حضرات اہلسنت کی ہمدردی خلاف توقع نہیں ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعد واقعہ جمل کے حضرت علی حضرت عائشہ کے قیام گاہ پر گئے اور بعد حصول اجازت اندر جا کر حضرت عائشہ سے کھنے لگے کہ رسول مقبول کی بیبیوں کو خدا کا حکم ہے

کہ قون فی بیوتکن - یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔ مگر تم نے اشد خطا کی اور ایسے امور کی مرکز بن گئیں جو تمہارے مناسب حال نہ تھے باوجود اس کے کہ تم میرے اس قرطب قرابت کو جو قبول مقبول سے ہے جانتی تھیں اور خود آنحضرت کو کمریہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میں جس کا مولہ ہوں علی بھی اُس کا مولہ ہے۔ انہی دوست رکھ اُسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اُس کو جو علی سے دشمنی رکھے لیکن پھر بھی تم نے میرے ساتھ دشمنی کا اور میرے دشمنوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کیا۔ خیر۔ اب مناسب یہی ہے کہ اپنی خطا پر اصرار نہ کرو۔ اسی وقت مدینہ کو لوٹ جاؤ اور جس مکان میں جناب رسالت مآب نے تھیں چھوڑا تھا آدم مرگ قیام پذیر رہو۔ یہ حکم حضرت علی اٹے اور وہاں سے چلے آئے۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت علی نے عجب طرح کا سلکما ہوا مزاج پایا تھا۔ حضرت رسول کے سچے وصی و زید و خلیفہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ سچان اللہ سبحانہ و اے بر امتیان محمدی کہ علی کی کچھ قدر نہ کر سکے۔ نیز وقت الاحباب میں ہے کہ پھر دوسرے دن حضرت علی نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰ کو ایک پیام دیکر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا۔ حضرت حسن نے جا کر کھا کہ امیر المومنین نے تھیں یہ پیام دیا ہے کہ اگر تم اسی وقت مدینہ کی جانب روانہ ہو گئی تو میں تم کو ایک ایسے امر سے متنبہ کروں گا جسکو تم خوب جانتی ہو۔ حضرت عائشہ اسوقت بالون میں کنگھی کر رہی تھیں۔ حضرت علی کا پیام سننے ہی کنگھی کرنا ملتوی کر کے اٹھیں اور حکم دیا کہ ابھی میرا سباب را حلہ پر بار کر کے سفر مدینہ کا سامان کرو۔ اسوقت حضرت عائشہ کے چہرے سے کمال اضطراب ظاہر ہوتا تھا۔ اسوقت بصرہ کی ایک عورت نے کھا کہ اے ام المومنین عبد اللہ بن عباس نے حب تم کو علی کا پیام پہنچایا تو تم نے کلمہ بکلا ایسا جواب دیا کہ وہ منقص ہو کر چلے گئے۔ بعد ازاں خود علی نے اگر تم سے جو کچھ کہا اس کو تم نے قبول نہ کیا۔ جب حسن نے کون سا پیام پہنچایا۔ جس پر تم اسقدر مضطرب ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ علی نے حسن کے ذریعہ سے جو پیام بھیجا ہے اور جس امر پر متنبہ کیا ہے اُس نے مجھے ایسا بچپن کر دیا کہ بجز سفر مدینہ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس عورت نے پوچھا کہ وہ کیا پیام اور کیا بات ہے جس سے تم کو اتنا تردد لاحق ہو گیا۔ حضرت عائشہ نے کلمات یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ غنائم کو اپنے قرابت داروں اور دوستوں میں تقسیم فرما رہے تھے میں نے اُس میں سے حصہ مانگا اور مانگنے میں حد اعتدال سے زیادہ مطالبہ کیا۔ اس بات پر علی ابن ابیطالب نے مجھے ملامت کر کے کہا کہ بس خاموش رہئے۔ تم نے حصہ طلب کرنے میں احماع اور مطالبہ کر کے رسول اللہ کو بول کر دیا۔ اسکے جواب میں میں نے بھی علی کو خوشونت آمیز باتیں کہیں تو علی نے یہ آیت پڑھی عسی ربہ ان تلقن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکین - یعنی ممکن ہے کہ رسول تم سے و شکستہ ہو جا

اور تمہارے عوض خدا اسکو تم سے بہتر میبیاں عطا فرمائے۔ یہ شکر میں نے گفتگو میں ازبند و شری اختیار کی
 (راقم کہتا ہے کہ طبعی ست اخلاق نیکو نہ کسب) رسول اللہ نے میری سخت کلامی پر غضبناک ہو کر علی
 سے فرمایا کہ اے علی میں نے اپنی بیویوں کا طلاق تمہارے قبضہ اختیار میں دیا اور تم کو اپنا وکیل کیا۔
 انہیں سے جسکو میری طرف طلاق دو گے اس کا نام دفتر ازواج بنی سے محو ہو جائے گا۔ نیز
 آنحضرت نے امر طلاق کو مطلقاً فرمایا تھا۔ حیات و موت کا فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ علی نے مجلس
 بات پر متنبہ کیا ہے جسکو شکر میں خائف ہوں کہ مبادا آپ کی زبان پر ایسا ناگوار لفظ آ جائے جس کا
 تدارک ممکن نہ ہو۔ اور نقول ہے کہ جب ام المومنین عائشہ نے سفر مدینہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی
 نے بارہ ہزار درہم سفر کے لئے حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیئے (راقم کہتا ہے کہ حضرت
 معاویہ ہرگز ایسی کرمی کی راہ اختیار نہ کرتے) (دیکھو تاریخ احمدی صفحہ ۱۶۶ سے ۱۶۸ تک)۔
 واضح ہو کہ حضرت عائشہ کا عناد حضرت علی ہی تک محدود نہ تھا جمیع اہلبیت سے جناب ممدوحہ
 کو بغض و عداوت لاحق تھی۔ چنانچہ حبیب میر معاویہ نے جعدہ بنت اشعث سے حضرت امام حسن
 کو زہر دلو کر آپ کا کام تمام کرایا (دیکھو روضۃ الاحباب و مروج الذهب سعودی و استیعاب
 ابن عبد البر) تو امام حسن نے رحلت کے وقت امام حسین کو وصیتیں کیں اور امامت کو انھیں
 تفویض فرمایا۔ دیکھو حیات ایحوان دمیری و اسد الغابہ و حبیب السیر) ان وصیتوں میں ایک وصیت
 یہ بھی تھی کہ امام حسن اپنے جد رسول کے پاس دفن کئے جاویں۔ لیکن جب بعد وفات اُن کے دفن کا
 ارادہ کیا گیا تو مردان نے جو امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا نام تھا دفن ہونے سے روکا جس کی وجہ
 سے بنی ہاشم از بنی امیہ میں نزاع واقع ہوئی۔ پس حضرت عائشہ نے کھا کہ روضۃ رسول اللہ میرا گھر ہے میں
 اجازت نہیں دیتی کہ حسن اس میں دفن ہوں چنانچہ مجبوراً امام حسن کے مرنے پر بھی حضرت عائشہ کے
 دل سے امام حسن کی عداوت نہیں گئی۔ حضرت ممدوحہ کا قول البیت بیتی کچھ عجیب قول ہے۔ لاک التسع
 من الثمن و بالکل تملکت۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے بھی حضرت عائشہ کا دل بغض و حسد سے بھرا رہتا تھا
 جیسا کہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس دل کی بی بی کو امہات المومنین سے ہوں افضل النساء ہونہیں
 یہ گہرنت حضرت پریم کی کہ یہ بھی تشفی بخش عدم نہیں ہو رہا ظاہر ہے کہ اگر حضرت عائشہ حضرت ابو بکر کی بیٹی نہ ہوتیں
 تو حضرت پیر و سنگار ایسا بید از عقل عقیدہ ایجا نہ فرماتے۔ انسانیت اور شرافت طبیعت و فہم و فراست کے
 اعتبار سے حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت عائشہ نے عہد امیر معاویہ میں انتقال فرمایا۔ معارف ابن قتیبہ و عقد العید

امام حسن نے جعدہ بنت اشعث سے حضرت امام حسن

کہ جب وقت وفات لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ ہم تم کو رسول اللہ کو پاس فرما کر کہ چو کہ رسول اللہ کے بعد مجھ سے ایسی باتیں حادث ہوئی ہیں جو مناسب نہ تھیں لہذا مجھے آنحضرت کے قریب دفن نہ کرنا بلکہ میری بہنوں کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔ یہ ہدایت بھی عجیب ہدایت تھی۔ صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت ممدوحہ نے امام حسن کو ان کے جد کے قریب میں دفن ہونے نہیں دیا تھا حضرت ممدوحہ کو بھی قریب حضرت رسول کا نصیب نہ ہو سکا۔ فاعتبرو یا اولی الالباب۔ بیشک اسے اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ تیرے عدل کا تو یہ طرف درخشان اور تابان ہے۔ ابن خلدون کی جلیقہم سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت ممدوحہ کو چاہے میں گرا کر ہلاک کر ڈالا اگر یہ واقعہ سچ ہے تو بھی حضرت ممدوحہ قریب حضرت رسول سے محروم رہ گئیں۔

نمبر حضرت طلحہ و حضرت زبیر۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت علی کے بہاری مخالفین سے تھے جیسا کہ بالا میں دکھلایا جا چکا ہے۔ دونوں صاحب حضرات اہلسنت کے عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ اگر ایسے ہی بزرگوار داخل عشرہ مبشرہ مانے جاتے ہیں تو عشرہ مبشرہ کی حقیقت معلوم۔ یہ ایک صریحی ظلم ہے اگر حضرت علی داخل عشرہ مبشرہ قرار دئے جاتے ہیں۔ بہر حال ان دونوں بزرگوار کی حالت نہایت ہی قابل انوس ہے۔ آپ دونوں صاحبوں نے خلیفہ وقت سے بغاوت بھی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں مقتول ہوئے۔ خلافت سے محروم رہے اور بھی مسلمانوں کے خون کا بار سر پر لیتے گئے۔ نہ خدا ہی ملائے صال منہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔

نمبر ۴۔ عبد الرحمن بن عوف۔ حضرت علی کے ایک مانے ہوئے مخالف تھے۔ آپ عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں۔ آپ ہی نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا اور حضرت عثمان ہی نے آپ کو مدینہ سے نکال دیا حق یہ ہے کہ آپ کو دنیا ہی میں نا اتفاقی کی سزا مل گئی۔ عاقبت میں کیا ہو گا خدا کو معلوم۔ اتیان محمدی کے حالات دیکھ کر سخت انوس لاحق ہوتا ہے۔ یہ سارے مخالفین اہلسنت علیہم السلام جبکہ عدد ہزاروں ہزار ہے پورے طور پر طالبان دنیا تھے۔ ہمد رسول اللہ میں یہ مخالفین غروات سے فرار کرتے رہے یا دشمنان دین خدا سے مقابلہ کرنے میں جان چڑاتے رہے حکم رسول اللہ سے طرح طرح کی سربانی کرتے رہے اور ان صلعم کے بعد انواع رنگ سے حضرات اہلسنت کو ستاتے رہے۔ ایسے افراد اگر طالب دنیا نہ ہوتے تو کیا ہوتے۔

نمبر ۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر۔ آپ بھی مخالفان حضرات اہلسنت سے تھے۔ آپ نے برید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اہل تشیع آپ کی اس بیعت پر اعتراض وارد کرتے ہیں۔ راقم اس اعتراض کو ایک بیکار امر سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی اہلسنت یا مخالف اہلسنت نے حضرت

حضرت طلحہ و حضرت زبیر

عبد الرحمن بن عوف

حضرت عبد اللہ بن عمر

حضرت معاویہ یا حضرت یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس نے اپنے مذہب کے تقاضا کے خلاف کون سا کام کیا۔ حضرت معاویہ جس طرح اہلسنت کے نزدیک خلیفہ برحق ہیں اسی طرح حضرت یزید بھی خلیفہ برحق ہیں۔ کا اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت معاویہ کے خلیفہ برحق ہونے سے کسی اہلسنت کو انکار نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ آپ شرط غضبِ قمر کے ساتھ خلیفہ برحق قرار پائے تھے۔ اہلسنت کے اصول مذہب کے رو سے جس طرح اجماع اختلاف اور شریعت سے خلیفہ برحق قرار پاتا ہے اسی طرح غضبِ قمر کی شرط سے خلافت حقہ قرار پاتی ہے۔ کسی خلیفہ برحق سے بیعت کرنے میں کسی اہلسنت پر الزام کیونکر عائد ہو سکتا ہے۔ یہ امر کہ حضرت یزید اہلسنت کے خلیفہ برحق تھے امام سمرانی صاحب کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حسین پر یزید کی اطاعت واجب تھی اس لئے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو اختلاف کے ذریعہ سے خلیفہ بنایا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس امر میں حضرت ابوبکر کی سنت اختیار کی تھی۔ یعنی جس طرح آپ نے حضرت عمر کو اختلاف کے ذریعہ سے خلیفہ بنایا تھا اسی طرح حضرت معاویہ نے حضرت یزید کے حق میں ہی اختلاف کی کارروائی اختیار کی۔ سنی ہو کر اگر حضرت عبداللہ بن عمر نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو کوئی کام اپنے مذہب کے خلاف نہیں کیا جو کچھ کیا اچھا کیا۔ یہ کام اہل تشیع کی آنکھ میں برا نظر آتا ہے لیکن سچے اہلسنت کی نظر میں برائین دکھائی دے سکتا ہے علاوہ اختلاف کے اجماع و شورہ و تسلط و قہر کی شرطیں بھی حضرت یزید کے موافق حال تھیں۔ پس اصول خلافت کے رو سے حضرت یزید بلا گفتگو اہلسنت کے خلیفہ برحق تھے اور حضرت عبداللہ کا خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنا ایک امر ضروری تھا خاص کر ایسی حالت میں کہ آپ بلا بیعت زندہ رہنے کو اپنے مذہب کے تقاضا سے موت جاہلیت سمجھتے تھے۔ بہر حال یہ بیعت کسے دیتی ہے کہ آپ مخالفانِ اہلبیت سے تھے۔

۶۔ حکم بن ابی العاص۔ مروان بن حکم۔ ولید بن عقبہ۔ عبداللہ بن ابی شریح۔ نعمان بن بشیر۔ اول صاحب حضرت عثمان کے چچا تھے اور حکم حضرت رسول مدینہ سے خارج کر دیے گئے تھے۔ حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے پر میدان خالی پاکر مدینہ میں حضرت عثمان کے پاس آڈٹے۔ دوم صاحب وہی مروان را ندہ در گاہ نبوی تھے جنہیں حضرت رسول نے مدینہ منورہ سے نکلوا دیا تھا اور انکے مدینہ و اطراف مدینہ میں آنے کی مانعت فرمائی تھی۔ ایسے مردود در گاہ نبوی کو حضرت عثمان نے اپنا وزیر اعظم بنایا۔ ایسا متغنی مفسد اور شریر نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ سوم ولید بن عقبہ جن کے جمنی ہونے کی خبر خباب رسول خدا نے دی تھی۔ اسکو حضرت عثمان نے عامل یعنی گورنر کا عہدہ مبدول فرمایا۔ یہ شخص بڑا ہی شرانگہ تھا۔ تمام رات اپنے مصاحبین اور ارباب نشاط کے ساتھ شراب نوشی میں غرق رہتا تھا۔ اور جب موزن نماز کے لئے ولید کو خبر کر رہا تھا تو وہ بحالت مخموری مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز صبح پڑھانا تھا اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھا کر کہتا تھا کہ اگر کہو تو رکعتوں کو اور

ڈیلوہ کر دوں۔ جب سجدہ میں جباتا تھا تو دیر تک بٹا رہتا اور کتنا تھا کہ پیٹھ بھی پلا چنانچہ ایک بار جو لوگ اس کے پیچھے پہلی صف میں تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ اسے مالائق ہم تجھ پر تعجب نہیں کرتے ہیں لیکن اس پر تعجب ہیں جس نے تجھے ہمارا دالی اور امیر کر کے بیان بھیجا ہے۔ جب لید بن عقبہ کے فتس و فجد کی خبر مشہور ہوئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جس میں ابو حذیب اور ابو زینب بھی تھے مسجد میں آکر ولید پر ہجوم کیا دیکھا کہ ولید تخت پر شراب پئے بے ہوش پڑا ہے لوگوں نے اسکو ہوشیار کرنا چاہا۔ جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آیا تو اس کی انگلی سے انگشتی مہر مار لی اور فوراً مدینہ جا کر حضرت عثمان سے ولید کی شراب نوشی کا ماجرا بیان کیا۔ حضرت عثمان نے ابو زینب اور ابو حذیب سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ ولید نے شراب پی۔ انھوں نے ولید کی محوری کے ثبوت میں اس کی انگشتی پیش کر کے کہا کہ اس نے وہی شراب پی جو ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان نے انکو ڈانٹا اور ان کے سینہ پر دھکا دیکر فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ یہ منکر وہ دو فون اٹنے پاؤں کھل آئے (دیکھو تاریخ مروج الذهب علامہ سعودی)۔ راقم کتا ہے کہ جس طرح مسجد کے ایک نمازی نے ولید کو یہ کہا کہ اسے مالائق ہم تجھ پر تعجب نہیں کرتے ہیں لیکن اس پر تعجب ہیں کہ جس نے تجھے ہمارا ولی اور امیر کر کے بیان بھیجا ہے راقم بھی حضرت عثمان پر تعجب نہیں کرتا ہے لیکن ان صاحب پر تعجب ہے کہ جو حضرت عثمان کی خلافت یا بی کا سامان کر کے دنیا سے رحلت فرما گئے۔ علی کے رہتے ہوئے حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کا سامان کرنا کیونکر قوم کی بہلائی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر علی نہیں تو اور کسی قابل شخص کو حضرت عمر خلافت یا بی کی راہ پر چھوڑ جاتے۔ کچھ ایسا سامان کرنا کہ اگر خلیفہ بنیں تو حضرت عثمان ہی خلیفہ بنیں کو نہ سی اسلام کی یہی خواہی سے خرد تیا ہے۔ چارم بن ابی شریح۔ اس شخص کو حضرت عثمان نے حاکم مصر کا مقرر کیا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کا قتل حضرت رسول نے بروز فتح مکہ مباح کر دیا تھا۔ الغرض حضرت عثمان نے جن جن کرایے ہی لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا تھا جو مرد و ان درگاہ خدا و رسول تھے یا اثر الناس تھے اگر کچھ بھی حضرت عثمان کو خدا و رسول کی اطاعت منظور رہتی تو ایسے نابکاروں سے منزلوں دور رہتے ان کے مربی بنا تو درکنار پنجم نعمان بن بشیر۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو حضرت عثمان کا لباس خون آلود لیکر شام میں گئے جہاں امیر معاویہ صاحب نے حضرت عثمان کا کرنا منبر سے اس غرض سے ٹھکا رکھا کہ اہل شام کو حضرت علی کے ساتھ جنگ کے لئے جوش دلائیں۔ چنانچہ اس کرتے کو دیکھ کر اہل شام کا فیض و غضب حضرت علی کی نسبت بڑھتا تھا و دیکھو تاریخ ابوالحسن ۱۔

۷۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان۔ آپ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت حکیم ثانی فرماتے ہیں ”وہ باحق حق داما پیر گرفتہ پسر و سرزندہ پیر بہرید“ مگر برین قوم تو لعنت نہ کنی لعنت باد و لعنت اللہ علی زید علی قوم یزید۔ اتنے بڑے دلی

یعنی حکیم ثمالی کا قوم امیر معاویہ پر لعنت کرنا خالی از وجہ نہیں ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی امیہ سے جناب حضرت رسول کو نفرت تامہ لاحق تھی یہاں تک کہ آنحضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی تھی۔ خود قرآن شریف میں شجرہ ملعونہ جو مذکور ہے اتفاق مفسرین اس سے مراد قبیلہ بنی امیہ ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر بنی امیہ بندر کی طرح چڑھتے ہیں اور اترتے ہیں (دیکھو تفسیر نیشاپوری و تفسیر فیضیادی و تفسیر کبیر رازی) اس قبیلہ کو حضرت رسول دس برس کی محنت میں اس قدر کمزور کر گئے تھے کہ اب ان میں شیطنت کی قابلیت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر حضرت شیخین نے بلکہ یہ کہے کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت کو ابوسفیان صاحب کے پٹے غضب سے بچانے کے لئے سرفوت اس قبیلہ ملعونہ کو زور آور کر دیا یہاں تک کہ عرب کی سلطنت یعنی خلافت بنی امیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ حضرت عمر کی اس پولٹیکل اور بھی مذہبی غلطی سے بڑا مقام حسرت ہے کہ بنی امیہ لاحق صاحب خلافت اور مالک سلطنت عرب ہو گئے۔ جاننا چاہئے کہ امیر معاویہ بنی امیہ کے اول خلیفہ اور حضرات اہلسنت کے خلفائے اثناعشر سے خیم خلیفہ ہیں۔ حسب اصول اہلسنت آپ شرط قمر و غضب کے ساتھ خلیفہ برحق مانے جاتے ہیں اور کسی فرقہ اہلسنت کو آپ کے خلیفہ برحق مانے جاتے سے چارہ نہیں ہے آپ ایک بڑے متفنی بزرگ تھے۔ جب آپ نے حضرت علی کے حارہ بین دیکھا کہ حضرت علی سے جنگ میں بازی نہیں لے جاسکتی تھے تب قرآن کے سیکڑوں نسخوں کو جہنم و نہر آویزان اس مطلب سے کر دیا کہ قرآن ہی درمیان آپ اور حضرت علی کے فیصلہ کرے۔ اس کارروائی سے جنگ ملتوی نہ گئی اور ناشائستگی کی ذہبت آگئی۔ بنی ایمان نالوثون نے ایسی کارروائی کی کہ جس سے خلافت امیر معاویہ کو منتقل ہو گئی۔ آپ جس قدر متفنی تھے اس سے کم بیرجہ بھی نہ تھے۔ آپ کی بیرجہ کی مثالوں میں ایک مثال یہ ہے کہ جب مغیرہ والی کو فد امیر معاویہ کے حکم سے حضرت علی کو برا لکھا تھا تو حجر بن عدی جو صحابی تھے مع اپنی جماعت کے کٹر سے ہو کر اس کا رد کیا کرتے تھے اور مغیرہ حجر کی مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ مگر جب یہ یادنے حامل کو فد ہو کر حضرت علی کو منبر پر برا لکھا اور حجر بن عدی نے حسب معمول اس کے مقابلہ میں حضرت علی کی مدح و ثنا کی تو زیاد نے غضبناک ہو کر حجر بن عدی کو مع انکے تیرہ رفیقوں کے گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ نے ان سب کو مقام عذر امین بھیج کر قتل کر ڈالا۔ حجر بن عدی اور تاسخ روضۃ المناظر ابن شہنہ کی کتاب استیعاب میں ابن فضالہ سے روایت ہے کہ میں نے حسن بن علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ مجھ اور اصحاب حجر کے قاتلوں پر۔ اور احمد بن حنبل کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ ابن سلیمان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ حجر بن عدی مستجاب الدعوات اور فاضلہ بن صحابہ سے تھے۔ اور کنز العمال میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ مغیرہ ایسے لوگ مقام عذر امین قتل کئے جائیں گے جن کے قاتلین پر خدا اور اہل سادات کا غضب نازل ہو گا۔ راقم کتنا ہے کہ مجھ کو یہ ایک

سعد بن ابی وقاص سے حکم کے طور پر یہ کہا کہ تو علی پر لعنت کیون نہیں کرتا (دیکھو مسلم جلد ۸ صفحہ ۲۷۸ روایت جابر بن سعد)۔ اسی طرح اسات اللیب میں مسطور ہے کہ معاویہ نے بطریق جبر کو کون کو منع کیا کہ جو ردا علی کی روایت کے موافق ہو اس پر کوئی شخص حمل نہ کرے اور نہ حضرت کی روایت کی روایت کرے کیون سنی سید بھائیو۔ آپ کے خلیفہ پنجم جن کی پیروی اہلسنت ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے ایک لازمی امر ہے کیا ہی مقدس بزرگ تھے۔ آپ بھی اپنے خلیفہ پنجم کی یہ سب سنتیں ادا کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر تقاضا مذہب سے ایسا کرتے ہیں اور ایسا کرنا ہی چاہئے تو بتلائے آپ حضرات کو نبی ہاشم کنا چاہئے یا نبی امیر انشاء اللہ آپ سادات بنی امیہ خصال ہیں راقم نے ایسے افراد مریدان جناب حضرت شی شاہ علی حبیب صاحب پہلوار دی قدس سرہ سے دیکھے ہیں کہ حضرت خلیفہ پنجم کی محبت میں سرشار رہا کرتے تھے ان میں سے ایک ممتاز بزرگ جناب میر حسین صاحب بلہوسی تھے اور دوسرے جناب مولوی احمد کبیر صاحب پہلوار دی۔ جناب حضرت شاہ صاحب قبلہ کی تصنیف 'سورہ حسنہ کی پیروی سے حضرت کے مریدین اور نہ کسی اہلسنت کو فضائل معاویہ سے جاے انکار ہو سکتی ہے۔ حضرت قبلہ نے جو مذہب اہلسنت کا ہے اپنی تصنیف شریف میں بڑے عالما طرز سے حوالہ فلم فرمایا ہے اور اس سے کسی واقف کار سنی کو مجال اباد انکار نہیں ہو سکتی۔ بہر حال دور کیون جائے۔ راقم جب اہلسنت سے تھا تو تقاضائے تعلیم سے امیر معاویہ کا بڑا جاندادہ تھا اور یزید کو خلیفہ برحق مانکر محبت یزید سے بھی خالی نہ تھا۔ یہ تو کتابوں کی سیر سے جب مذہب اہلسنت کی حقیقت منکشف ہو سکی تو اب کہتا ہوں لعنت اللہ یزید و علی قوم یزید۔ واضح ہو کہ قوم یزید سے مراد راقم صرف بنی امیہ نہیں ہے بلکہ جمیع ظالمان و مخالفان اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

امیر معاویہ کے عہد کا نہایت حسرت آگین واقعہ حضرت امام حسن کی شہادت ہے۔ صاحب فتنہ الاحباب لکھتے ہیں کہ جب قضیہ صلح کو ایک مدت گزر گئی تو معاویہ کو اس بات کا خیال ہوا کہ یزید کو اپنا ولیعہد قرار دین اور مشاہیر زمانہ سے اس کے لئے بیعت لین مگر چونکہ وہ یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ امام حسن کی موجودگی میں یہ معاملہ خاطر خواہ طے نہ ہوگا لہذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح امام حسن کے وجود ذی جود سے میدان مقصود خالی ہو جائے۔ پس حسب مضمون مروج الذہب مسعودی معاویہ نے خفیہ طور پر جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسن سے کہلا بھیجا کہ اگر حسن کے قتل میں تیرا کوئی حیلہ کار گر ہو جائے تو میں تجھے ایک لاکھ درہم انعام دینگا اور تیرا نکاح یزید کے ساتھ کر دوں گا۔ چنانچہ استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ امام حسن کو ان کی بی بی جعدہ بنت اشعث نے

زہرہ یا سحان اللہ کیا کہنا ہے امیر معاویہ صاحب کس قدر خوش تدبیر بزرگ تھے۔ اپنا کام نکالنے میں خونریزی زہر خورانی اور طرح طرح کے مکر و فریب سے ذرا بھی اجتناب نہیں فرماتے تھے۔ جدہ بنت اشعث کا یہ حشر ہوا کہ امیر صاحب نے اس بد بخت عورت کو ایک لاکھ درہم تو کیا ایک کوڑی بھی مرحمت نہیں فرمائی۔ اور جب اس نے یزید سے نکاح کر لے گا دعویٰ کیا تو امیر صاحب نے یہ فرمایا کہ جب تو نے اپنے شوہر کو زہر دینے میں دیر نہ کی تو پھر یزید کو قتل کر دے مین مجھے کیا دیر لگے گی واہ رست امیر صاحب کی خوش تدبیری اور ذہانت۔ کیون سن سید بھائیو۔ آپ امام حسن سے خوش بین یا راض۔ اپنے خلیفہ پنجم صاحب کے اگر آپ پیرو ہیں تو ضرور آپ بھی اس ائمہ عظیمہ سے غور و سند ہوں۔ ماشاء اللہ سنی ہاشم ہو کر کیا خوب اپنا سردار مذہبی اور ہادی دین آپ نے قبول فرمایا ہے۔ اللہ آپ صاحبوں پر رحم فرمائے اور راہ حق کے اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ بنی ہاشم ہو کر بنی امیہ ہو جانظر فہ مضمون ہے۔ تاریخ خمیس اور حیات الجوان مین ہے کہ جب معاویہ کو امام حسن کی خبر وفات پہنچی تو محل حضرا سے تکبیر کی آواز سنی گئی جسکو سنکر اہل شام نے بھی تکبیر کہی۔ فاختہ بنت قرظہ نے معاویہ سے کہا کہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں تم نے کس بات پر تکبیر کہی۔ معاویہ نے کہا کہ حسن کا انتقال ہو گیا۔ فاختہ کہنے لگی کہ کیا تم نے فرزند فاطمہ کی خبر وفات سن کر تکبیر کہی ہے۔ معاویہ نے کہا ہاں۔ مگر میں نے شہادت کی راہ سے تکبیر نہیں کہی بلکہ اس وجہ سے کہی کہ حسن کی خبر موت سے میرے قلب نے راحت پائی راقم کہتا ہے کہ اس راحت بانی کا مزار و زجرا معاویہ صاحب کو معلوم ہو گا۔ اسنے مین ابن عباس وہاں آئے تو معاویہ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اہلبیت مین کیا حادثہ پیش آیا۔ عبد اللہ ابن عباس نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر تم کو اس وقت خوش دیکھتا ہوں اور تمہاری تکبیر کی آواز بھی مین نے سنی ہے۔ معاویہ نے کہا کہ حسن کا انتقال ہو گیا۔ عبد اللہ ابن عباس نے کہا کہ خدا رحم کرے ابو محمد پر۔ واللہ معاویہ نے انکی قبر تمہاری قبر کو روک دیگی اور نہ انکی موت تمہاری عمر کو زیادہ کرے گی۔ کیون سن سید بھائیو آپ اپنے خلیفہ پنجم کی خوشی کے شریک ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اپنے خلیفہ صاحب کی پیروی مین کچھ نہیں تو زور و دن کے ساتھ دو جاہر تکبیر ہی کہہ ڈالئے۔ آپ بنی فاطمہ ہو کر مذہب رکھیں دشمنان آل محمد کا۔ کچھ بابت ہے۔ زناک کعبہ ابو جہل این چہ بولجی۔

امیر معاویہ کے فضائل مین پیروان معاویہ ترمذی کی یہ حدیث کہ اللہم اجعلہ ما دیا و مہدیا
اور امام احمد کی یہ حدیث اللہم علّم معاویہ الکتاب والحساب ووقہ العذاب پیش کرتے ہیں۔ گروہ

حضرت معاویہ کی وفات امام حسن سے دلی راحت پائی

کی دوسری جلد میں محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں کہ اتفاق محدثین کا اس پر ہے کہ فضل معاویہ میں کوئی حد ثابت نہیں ہوئی۔ پس یہ دو وزن حدیثین ضرور وضعی ہیں اور کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ امام نسائی نے بھی یہی لکھا ہے کہ امیر معاویہ کی فضیلت ہی کیا ہے جو بیان کیجائے۔ ہاں ایک حدیث آپ کی فضیلت میں یہ ہے کہ حضرت رسول نے امیر معاویہ کو یہ فرمایا تھا کہ لا یشیع اللہ بطنک یعنی اللہ تیرے پیٹ کو کبھی نہ بھرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تادم مرگ امیر معاویہ کو حرص و امن گیر رہی اور کبھی ان کو دنیا سے سیری نصیب نہیں ہوئی۔ ہوا خواہ ان امیر معاویہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کو خلافت اور امامت دونوں حاصل ہوئیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خلافت امامت سے منفک نہیں ہو سکتی۔ اہلسنت کے تو امیر معاویہ بلاشبہ خلیفہ برحق اور امام ہیں۔ اس میں ہم شیعوں کو عندواری پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں نظر آتی ہے۔ مگر ابو شکور سلمیٰ اور صاحب اشعۃ اللغات جو یہ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کی امامت امام حسن کی صلح کی بنا پر ثابت ہوتی ہے ایک غلط قول ہے۔ ابو شکور سلمیٰ یہ کہتے ہیں کہ اگر معاویہ میں دیانت نہ ہوتی تو امام حسن معاویہ سے صلح نہ کرتے اور دوسرے صاحب اپنی اشعۃ اللغات کی جلد ۴ صفحہ ۶۷۶ فرماتے ہیں کہ اہلسنت و جماعت را صلح امام حسن دلیل است بر صحت امامت معاویہ۔ رقم کرتا ہے کہ صلح بالا سے امیر معاویہ امام برحق نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ویسا ہی ہے قول کہ اگر کوئی کہے کہ رسول خدا کی صلح حدیبیہ سے مذہب کفار کی حقیقت ثابت ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ امام حسن نے معاویہ سے صلح اس لئے نہیں کر لی تھی کہ معاویہ صاحب ایک غیر فاسق عادل صالح اور ایک متقی شخص تھے اور اس لئے قابل صلح تھے بلکہ صلح کی وجہ یہ ہونی چاہی کہ اس وقت کے بے ایمان مسلمان خاص کر اہل شام حضرت امام کے مخالف ہو رہے تھے۔ اگر آپ امیر معاویہ سے لڑتے تو کس زور پر لڑتے۔ معاویہ کو تو حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اس قدر قوی بنا رکھا تھا کہ ان باغی علی کو حضرت علی سے مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ امام حسن کے پاس کیا تھا جو ان بدخواہ آل محمد سے سامنا کرتے۔ صلح کے سوا حضرت امام کو چارہ ہی کیا تھا پس اس صلح سے تو کوئی عمدگی امیر معاویہ کی ثابت نہیں ہوتی ہے۔ یہ تو بہت دھرمی کا جواب ہی کیا ہے۔ اس صلح سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قمر و غضب سے امیر معاویہ نے خلافت جس میں امامت داخل ہے حاصل کر لی ظاہر ہے کہ صلح کر لینا حضرت امام کا نہایت مناسب وقت تھا۔ حضرت امام کی فوج اور دولت امیر شام کی فوج و دولت کے برابر نہ تھی۔ ایسی لڑائی کا نتیجہ حضرت امام کے لئے اس کے سوا اور کیا ہوتا کہ آپ معاویہ کے مقابلہ میں شکست کھاتے اور پیکار آپ کے دیندار اور وفادار تابعین کی جانیں تلف ہوتی ان نتائج کو ملحوظ رکھ کر حضرت امام نے اپنے دشمن قوی سے صلح کر لی۔ پس اس صلح سے ان کا دشمن

خليفة برحق اور امام کیونکر قرار پاسکتا ہے۔ البتہ اہلسنت کے نزدیک امیر معاویہ شرط غضب اور قہر کے رو سے بلاشبہ خلیفہ برحق اور امام برحق مانے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر مجرد صلح کی بنا پر عند العقل امیر معاویہ کو خلیفہ برحق اور امام برحق سمجھنا صرف یہ حضرات اہلسنت ہی کا کام ہے۔ ہاں اگر امام آنا بھی ممکن صلح کرتے کرے معاویہ تو اور تیرا قبیلہ رسول اللہ کے وقت سے اسلام کا بڑا معین اور مددگار رہا ہے اور رسول اللہ نے تجھے اور تیرے قبیلہ کو ناری اور ملعون نہیں فرمایا ہے اور بھی خدا سے پاک نے تیرے قبیلہ کو شجرہ ملعونہ کے لقب سے نہیں یاد فرمایا ہے اور تو حکم خدا و رسول سزاوار خلافت و امامت ہے اور تو عالم غیر فاسق ہے اور تو صاحب دیانت ہے اور امام عادل ہے اور تو مرد صالح اور متقی ہے اور ان سب وجوہ کے باعث عند اللہ و الرسول مستحق خلافت اور امامت کا ہے تو ایسی صورت میں امام حسن کی صلح سے یہ امر متبطل ہو سکتا ہے کہ معاویہ صاحب سزاوار خلافت و امامت تھے تب یہ صلح حضرت امام کی معاویہ صاحب کے لئے صحت خلافت و امامت کی دلیل ہو سکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ معاویہ صاحب کی جگہ اور کوئی بادشاہ امیر معاویہ کی ترکیب کا حضرت امام پر لشکر کشی کرتا اور حضرت امام اس سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر اس سے صلح کر لیتے تو ابوشکر اور صاحب اشعۃ اللمعات کی تحریر کے مطابق وہ فاسق بادشاہ فاسق نہ سمجھا جاتا اس دلیل سے کہ ہرگز امام حسن فاسق سے صلح نہیں کر سکتے تھے صلح کی ضرورت میں کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا ہے کہ اس کا مخالف دیندار ہے یا فاسق۔ ضرورت صلح میں انسان صرف اپنے مصلح کو دیکھتا ہے مخالف کی دینداری اور بیدینی کا لحاظ نہیں کرتا ہے۔ حضرت رسول نے بھی صلح حدیبیہ کے وقت ضرورت صلح کو ملحوظ رکھا تھا اپنے مخالفین کے کافراور غیر کافر ہونے کو پیش نظر نہیں رکھا۔ مگر حسب تحریر ہر دو مصنفین بالا آپ کے مخالفین کفار نہیں سمجھے جاسکتے ہیں اس دلیل پر کہ حضرت رسول کفار سے صلح نہیں کر سکتے تھے۔

مذہب اہلسنت واقعی ایک بڑا حیرت خیز مذہب ہے۔ یوں تو اس دنیا میں طرح طرح کی عجیب چیزیں ہیں۔ مگر مذہب اہلسنت عجیب العجائب ہے۔ قابل لحاظ ہے کہ معاویہ ایک ایسا شخص ہے کہ جسے صفات ذمیرہ کے اعتبار سے کوئی بدتر شخص دنیا میں نہوگا وہ صاحب خلیفہ وقت حضرت علی سے ناحق کی لڑائی لڑتے ہیں کجبت مسلمان انکا ساتھ دیکر انکو خلافت حضرت علی کی دلوادیتے ہیں۔ اس غصے معاویہ صاحب اہلسنت کے خلیفہ برحق اور امام برحق ہو جاتے ہیں عقل ہی کہتی ہے کہ ایسا فاسق خلیفہ برحق ہو سکتا ہے اور نہ امام برحق۔ مگر تاہا ہے کہ اہلسنت اس غصے کا ایک ضروری شرط خلافت سمجھتے ہیں۔ پھر بھی معاملہ امام حسن کو معاویہ صاحب سے پیش آتا ہے۔ امام حسن صلح کے ذریعہ سے خلع خلافت کرتے ہیں

مذہب اہلسنت ایک حیرت خیز مذہب ہے

معاویہ صاحب غصب کے ذریعہ سے اہلسنت کے خلیفہ بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صلح تمام ترک حکم غصب کا رکھتی ہے۔ بہر حال خلافت کے منتقل ہوتے ہی معاویہ صاحب اہلسنت کے امام بھی بن جاتے ہیں۔ وہ حضرات اہلسنت اگر آپ کے خلیفہ اور امام معاویہ اور نیرید کی ترکیب کے ہو کرتے ہیں تو آپ کے مذہب کو سات سلام۔ غصب اور قہر کے ذریعہ سے خلیفہ برحق و امام برحق جس مذہب میں شخص فاسق فاجر خونی مکار دغا باز وغیرہ ہو سکتا ہے تو ایسے مذہب کا کیا کہنا ہے نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ کیا معاویہ اور نیرید وغیرہ بھی ایسے افراد تھے کہ حضرت رسول کے جانشین ہو سکتے تھے مگر حضرات اہلسنت نے ایسوں کو ایسے مقدس اور محترم رسول کا جانشین بنا ہی چھوڑا۔ لاجل تم لا حول۔

اب آخر میں راقم امیر معاویہ کی موت کا ذکر کرتا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ معاویہ کی موت اسلام پر ہونگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ راعب اصفہانی کتاب معاصرات میں لکھتے ہیں کہ جب معاویہ صاحب بیمار ہوئے تو ایک طبیب نے انکو دیکھ کر تسکین دی اور کہا کہ اچھے ہو جاؤ گے چنانچہ وہ اچھے ہو گئے پھر دوبارہ جو علیل ہوئے تو ایک نصرانی اُنکے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس ایسا تعویذ ہے کہ جو شخص پہن لے اسکو شفا ہو جاتی ہے۔ معاویہ نے وہ تعویذ لکر گلے میں لٹکالیا۔ اتفاقاً اس طبیب کا پھر گزر ہوا جو پہلے آیا تھا۔ اُس نے معاویہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ یقیناً مر جائیں گے چنانچہ اسی رات کو اُن کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے طبیب کو رسے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ یہ مر جائیں گے۔ اُس نے کہا کہ حضرت امیر المومنین علی سے روایت کیا گئی ہے کہ معاویہ اس وقت تک نہیں مرینگے جب تک اُن کے گلے میں صلیب نہ لٹکائی جائیگی۔ چنانچہ جو تعویذ وہ پہنے ہوئے تھے اس میں صلیب بنی ہوئی تھی۔ اس لئے میں نے یقین کیا کہ وہ ضرور مر جائیں گے۔ اے سنی سید بھائیو مزاسب کو ہے۔ آپ لوگ بھی گلے میں صلیب لٹکا لیجئے۔ اس سے امیر معاویہ صاحب کی سنت ادا ہو جائیگی اور روح پر قہر امیر صاحب کی آپ حضرات سے خوش رہیگی۔ کچھ نہیں تو ہندوستان کے پادری صاحب لوگ تو خرسند رہیں گے۔

ایضاً ابن عبدالبر میں ہے کہ معاویہ اور انکے والد مولفۃ القلوب میں سے ہیں یعنی مالیف قلب کے ذریعہ سے اسلام لائے تھے۔ جب معاویہ صاحب ایسے مسلمان تھے تو کیا تعجب ہے کہ صلیب گلے میں لٹکا کر عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ اسی کتاب میں یہ بھی مسطور ہے کہ معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو ظلم سے قتل کیا یعنی حجر بن عدی اور اُن کے رفقا کو۔ راقم کہتا ہے کہ جب امیر معاویہ صاحب مالیفی مسلمان تھے تو یقیناً مسلمانوں کو قتل ڈالنا آپ سے دور نہ تھا۔ ایسے مسلمان ہو کر اگر آپ نے امام حسن کا بھی کام تمام کر ڈالا تو تعجب کیا بات ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اہلسنت ایسے

بدکار قبیح اطوار کو خلیفہ پنجم اور امام برحق یعنی جانشین حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانتے ہیں۔ کبھی عقل مان نہیں سکتی ہے کہ معاویہ سادہ کردہ حضرت رسول صلعم کا جانشین برحق ہو سکتا ہے۔ مگر حضرات اہل سنت کو خلیفہ کے گورے کالے سے کیا مطلب۔ غیر بنی ہاشم سے کوئی خلیفہ ہونا چاہیے۔ پس میر معاویہ کیا بجا ہیں پس میر معاویہ ہی ہے۔

معاویہ صاحب اکثر ایسی مسلمان ہوتے تو مزید کے اختلاف میں کیوں اس قدر کوشاں ہوتے۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب اہل عراق و شام نے مزید کی بحیثیت کر لی تو معاویہ ہزار سواروں کی جمیعت سے حجاز کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچے تو اتفاقاً پہلے امام حسین سے ملاقات ہوئی انکو دیکھ کر معاویہ صاحب فرمانے لگے کہ خوشی اور بہتری نہ ہو اس شتر قربانی کو جس کا خون پھر تک رہا ہے اور اللہ اس کا خون گرانے والا ہے۔ امام حسین نے کہا کہ اے معاویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سننا اور نہیں ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ بلکہ اس سے بدتر کلمات کے سننا اور ہو۔ سنی سید بھائیو۔ علمائے اہل سنت کی بدولت آپ کو کیا مقدس اور منہج خلیفہ اور امام ہاتھ لگ گیا ہے۔ واہ حضرت معاویہ آپ کا کیا کہنا ہے۔ بے ایمان مسلمان کی وجہ سے آخر آپ کو حضرت رسول کی خلافت اور امامت حاصل ہو ہی گئی۔ دل سے ابو شکور سلمیٰ اور صاحب شیعہ اللہما شکریہ ادا کیجئے کہ ایسے عالموں کے ذریعہ سے آپ درجہ امامت تک پہنچ گئے۔ پھر ان بے ایمان مسلمانوں کی شفاعت سے روز جزا منہ نہ موڑے گا۔ جنھوں نے آپ کے وقت میں آپ کو خلیفہ وقت بنا ہی ڈالا اور آپ اور آپ کے اعوان و انصار کے بعد آج تک آپ کو خلیفہ برحق اور امام برحق سنی دنیا میں منوار ہے ہیں۔ اسے سنی سید بھائیو ہزار افسوس کہ تبدیل مذہب کی وجہ سے آپ حضرات سے ہاشمیّت جاتی رہی ہے اور آپ حضرات خاندان نبوتش گم شدہ کے مصداق ہو رہے ہیں۔ اسے سنی سید بھائیو۔ سید اور معاویہ وغیرہ کا بیرو کچھ عجیب بات ہے۔ پھر ایسا سید سید ہی کیا رہا۔ کھلے کھلے طور پر کیے ازبانی فریضہ ہو گیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۸۔ زیاد بن سمیہ۔ یہ صاحب امیر معاویہ کے خاصان سے تھے اور امیر صاحب کے ایک طرح کے بھائی تھے بھائی ہونے کی سرگزشت یہ ہے کہ آپ ایک ایسے ہی شخص تھے کہ امیر صاحب کو آپ کے بھائی بنانے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ زیاد ایک قابل آدمی تھا اور جس قدر قابل تھا اس سے بہت زیادہ خاندان پیہر کا دشمن صعب بھی تھا۔ پس ایسے کار آمد شخص کو امیر صاحب بھائی نہ بنا لیتے تو کیا کرتے۔ زیاد کا بھائی قصہ یہ ہے کہ سمیہ حارث بن کلابہ ثقفی کی نوڈی تھی اور حارث نے اس کا بیٹا ایک غلام عبید نام سے کر دیا تھا جس نے زیاد پیدا ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان ایک بار جو طائف کو گئے تو ابو مریم شراب فروش کے گھر اترے اور ابو مریم سے کہنے لگے کہ میں اس وقت عورت کی خواہش میں پھنس چکا ہوں۔ ابو مریم نے کہا کہ اگر تم سمیہ کو پسند کرو

حضرت معاویہ کو زیاد سے بھائی جارہے کی ضرورت

تو میں اس کو بلا دوں۔ ابوسفیان نے ہجان خواہش میں کہا کہ اس کو بلا دو باوجودیکہ وہ درازستان اور قبیح لہٹن ہے۔ ابو مریم نے سمیہ کو بلا دیا۔ ابوسفیان اس سے ہم بستر ہوئے اور سمیہ حاملہ ہو گئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان کے نطفہ سے زیاد بن سمیہ پیدا ہوا تھا۔ جب یاد کو اپنے سلسلہ نسب میں معاویہ صاحب نے شامل کرنا چاہا تو لوگوں کو اس باب میں گواہی دینے کے لئے طلب کیا۔ منجملہ اُن گواہوں کے ابو مریم شراب فروش نے بھی گواہی دی جو سمیہ کو طائف میں ابوسفیان کے لئے بلا کر لایا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے سمیہ کے اندام نہانی سے ابوسفیان کا مادہ حیوانی ٹپکتے ہوئے دیکھا ہے۔ پس معاویہ نے زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لیا اور یہ پہلا واقعہ ہے جس میں علانیہ طور پر شریعت کی مخالفت کی گئی۔ (دیکھو تاریخ ابوالفداء) راقم کہتا ہے کہ جب امیر معاویہ کو یگینا ہون کو قتل کر ڈالنے میں دیر لگی۔ امام حسن کو زہر کھلو نہیں کوئی مضائقہ نہیں ہوا قرآن کو جہنم پر لٹکانے میں تامل نہ ہوا۔ حضرت علیؓ بر تبرہ جاری کرنے میں مضائقہ نہیں معلوم ہوا۔ اور وقت مرگ صلیب کو گلے میں ڈالنے میں کوئی تردد نہ ہوا تو زیاد کو بھائی بنا نا آپ کے لئے کیا امر کراہ ہو سکتا تھا۔ آپ اپنی مراد کے حاصل کرنے میں کسی فعل کے نیک و بد کو خاطر میں لانا دانشمندی سے دور سمجھتے تھے۔ بالخصر زیاد امیر معاویہ صاحب کا کسی طرح کا بھائی کہا جاتا تھا اور امیر صاحب ہی کے کام کا آدمی ہی تھا۔ اُس بد بخت کا ایک واقعہ یہ ہے کہ اُسے امام حسن علیہ السلام نے کوئی خط لکھا تھا اور اُسے زیاد بن سمیہ کے ساتھ خطاب فرمایا تھا۔ اس عین نے حضرت امام حسن بن فاطمہ کے خطاب سے جواب دیا۔ اس پر حضرت امام نے فرمایا کہ ہین سربے لگ جانتے ہیں کہ ہم حسن ابن علیؓ ہیں۔ تبھکو لوگ زیاد بن سمیہ کہتے ہیں۔ ہم نے تجھے گالی دینے کے خیال سے زیاد بن سمیہ نہیں لکھا تھا۔ کو سنی سید بھائیو۔ آپ کو یہ تحریر زیاد کی کیسی معلوم ہوتی ہے۔ کچھ بھی ہاشمیت آپ لوگوں میں باقی رہ گئی ہے یا آپ حضرات بالکل قوم معاویہ میں داخل ہو گئے ہیں آسمان ٹوٹ کر زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا ہے کہ معاویہ کا کسی طرح کا بھائی حضرت سیدہ کی جناب میں اٹھو۔ پرگتاخی سے پیش آیا اور آپ سنی سادات امیر معاویہ اور اُن کے پیروان کے غلام ہو رہے ہیں اور الفت و تبعیت معاویہ میں اپنے اجداد کرام سے تامل متربے تعلق ہو بیٹھے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

۹۔ یزید ابن معاویہ۔ آپ قاتل حسین ہوئے پر بھی اصولی حضرات اہلسنت کے خلیفہ برحق اور امام ہیں۔ کچھ اہلسنت ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ یزید کو خلیفہ برحق اور امام نہیں مانتے ہیں۔ اس طرح کے اہلسنت صوبہ بہار میں بہت ہیں۔ اس فرقہ کے اہلسنت خلفائے بنی امیہ سے خلفا کا انتخاب کہہ کے

اپنے خلفائے اثنا عشر کا عدد پورا کر لیتے ہیں۔ یہ اہلسنت اصول خلافت سے منحرف نظر آتے ہیں اصول خلافت کے رو سے یزید پورے طور پر اہلسنت کے خلیفہ اور امام مانے جانے کا مستحق اسی طرح ہے کہ جیسے امیر معاویہ حضرت عثمان حضرت عمر اور حضرت ابوبکر اہلسنت کے نزدیک خلافت حقہ اور امامت کے مستحق مانے جاتے ہیں۔

واضح ہو کہ واقعہ کربلا کی توجیہ جیسی میو مارین حکیم جرمن نے حوالہ ظلم کی ہے راقم کے خیال میں آج تک کسی ایٹائی مصنف نے نہیں لکھی ہے۔ اہل شوق راقم کی کتاب مصباح الظلم کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس حکیم کی تحریر کا خلاصہ یہ شعر میر انیس صاحب مرحوم کے سلام کا ہے بسے تباہی میں سیفندہ آچکا تھا جد کی است کا بڑ کیشی بحر خون میں ڈوب کر شہ نے نکالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو ایک فرقہ اہلسنت کا خلیفہ اور امام مانا جاتا ہے مگر یہ بدین رسالت کا ہرگز قائل نہ تھا۔ اگر ہوتا تو یہ شعر نہ کہتا ہوتا۔ لا عبت الہا ثم فی الخلق ولا خبر جاء ولا وصی نزل۔ یزید پر کیا نصیر جتنے معاندان اہلسنت ہیں دل سے ایک بھی مسلمان نہیں نظر آتے ہیں۔ بلا استثنا ہو یا ہے کہ دنیاوی ضرورتوں سے یہ سارے مخالفان اہلسنت مسلمان ہوتے گئے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ محض مجبوری سے مسلمان ہوئے تھے جیسے ابوسفیان اور امیر معاویہ۔ یہ دونوں صاحب کافر توائی شدنا جا مسلمان شو کے مصداق دکھائی دیتے ہیں۔ یزید کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروان کے بعد عبد الملک۔ مروان اور حضرت رسول کا خلیفہ بنے ایک عبرت انگیز امر ہے۔ خیر اسی طرح یکے بعد دیگرے چورازوں سے برس تک قوم بنی امیہ سے خلفا ہوتے رہے۔ اتنے زمانہ کے بعد خلافت بنی امیہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تب سفاح اول خلیفہ بنی عباس کا قرار پایا اور اس وقت سے عباسی خلیفہ ہوتے رہے۔ بیان تک کہ تازیون نے عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ عہد خلفائے بنی امیہ سے خلفائے عباسیہ کے وقت تک سول وار کا سلسلہ کم و بیش طور پر جاری رہتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ راہ دکھائی ہوئی حضرت شیخین کی تھی جس نے سلطنت عرب کو چین سے رہنے نہ دیا۔ خشت اول چون نہد معمار کج۔ تاثر یا می رود دیوار کج۔

واضح ہو کہ امیر معاویہ صرف ۱۶ برس سند آراے خلافت رہے۔ اس قلیل عرصہ کے لئے اس عالم فانی میں کیا کیا نہ کر گزرے۔ بے گناہوں کو قتل کیا۔ امام حسن کو زہر دلوا یا وغیرہ وغیرہ اور ستر کار بری موت مرکروان روانہ ہو گئے جہاں وہ اس وقت اپنے اعمال کے نتائج بہکت رہے ہوں گے اور تابدد بیکار کر رہیں گے۔ اپنے فرزند یزید کے لئے آپ جو کچھ کر سکتے تھے کر گزرے۔ وہ بد بخت چار برس بھی اپنی ناجائز ثروت سے متمتع نہو سکا۔ اس کے اعوان و انصاء بھی تھوڑے ہی دنوں میں بڑی

بڑی ٹیکفون کے ساتھ دنیا سے خائب ہو گئے اور خدایٰ کو معلوم کہ اس وقت کس طرح کی عقوبتوں میں
 مبتلا ہو رہے ہیں اور مبتلا رہیں گے۔ معاویہ صاحب نے پوری کوشش کی تھی کہ عرب کی سلطنت انکی
 نسل میں منتقل ہوتی رہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ یزید سدا آراءے خلافت تو ہوا اور اُس نے میدانِ بلا
 میں اہلیت نبوی کا قریب قریب خاتمہ بھی کر دیا مگر دیر تک اُسکو سلطنت نصیب نہ رہی۔ اس پر سے طرہ
 یہ ہوا کہ جب یزید کا بیٹا معاویہ بن یزید کا جانشین ہوا تو اپنے دادا معاویہ ابن ابی سفیان کی
 سلطنت بانی کی تمام عرق ریزیوں کو خاک میں ملا ڈالا۔ یہ شخص ایک بڑا دوستدارِ علی مرتضیٰ کا نکلا۔
 منبر پر بیٹھ کر اپنے باپ یزید اور دادا معاویہ کو سخت کُست کھکھک سلطنت یزید و معاویہ سے دستبردار
 ہو گیا۔ محبت علی کے جرم پر اس کی قوم نے اسے زمین میں زندہ دفن کر ڈالا جس سے روح پاک
 اُس کی اعلیٰ علیین کو رسول اللہ اور آل رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں جا
 پہنچی۔ یزید کا بیٹا اور معاویہ کا پوتا آل رسول کا ایسا دوستار نکلا ایک ایسا امر ہے جو خیال سے
 باہر ہے۔ اے خدامیرے تو ہر امر پر قادر ہے۔ تیرے معاملات فہم انسانی سے نامترباہر ہیں۔
 کہ آری خلیفے زنجانہ بکنی آشنائی بہ بیگانہ۔ بیشک تو مقلبِ قلوب ہے۔ تمام عالم کی بال تیرے
 ہاتھ میں ہے۔ جسکو چاہے دوست علی کا بنا دے اور جس کو چاہے معاویہ اور یزید کی محبت میں گرفتار
 رکھے۔ جسکو چاہے جنت میں لیجائے اور جس کو چاہے دوزخ میں جھونک دے۔ ابوذر سلیمان
 مقداد۔ عمار۔ وائیں قرنی۔ حر۔ معاویہ بن یزید و دیگر عاشقین آل محمد یہ سب کے سب تیری قدرت
 کے نامٹے تھے۔ اسی طرح ابن لُحم معاویہ یزید و دیگر دشمنان آل محمد سب تیری قدرت کے کھیل تھے
 ہدایت تیری طرف سے ہے۔ توفیق خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ اپنی ہدایت اور توفیق فہم سے اپنے بندوں
 کو محروم نہ رکھے۔ اے خدامیرے میں کس زبان سے تیرا شکرا ادا کروں۔ اگر تیرا فضل شامل حال میرے
 نہ ہوتا تو میں اپنے استادِ سید محمد گل جلال آبادی کی طرح معاویہ اور یزید کی محبت میں گرفتار مرنے۔
 تو نے میری ماہیت کو پورے طور پر بدل دیا۔ تو نے مجھے راو حق کی تحقیق کی توفیق بخشی میں کتب
 بینی کرتے کرتے دشمنان آل محمد کو چھوڑ کر دوستداران آل محمد میں داخل ہو گیا۔ میرے ہی ساتھ تو نے
 اپنا فضل شامل حال نہیں رکھا ہے۔ بہت سے گمراہ بندوں کو تو نے راہ ہدایت دکھلائی ہے۔ مولانا
 مولیٰ شیخ احمد صاحب دیوبندی عثمانی علیہ الرحمہ کیا تھے۔ قوم سے بنی امیہ اور تعلیم و تربیت سے ایک
 عالمِ مذہبِ اہلسنت کے تھے۔ تیرا فضل جو شامل حال ہوا تو صرف ہر طبقہ پر نہیں چلے آئے بلکہ کتابین
 الارادہ دینی وسیع مملول وغیرہ بھی تصنیف فرماتے گئے اور سرآمدِ علماء دیوبندی مولوی محمد قاسم

صاحب سے کامیابی کے ساتھ مذہبی مناظرے جاری رکھا کئے۔ جن صاحبوں کو دہسب لعلایانے تحقیق حق کی توفیق بخشی ہے سیف مسلول کو ضرور ملاحظہ فرمادین۔ مولوی محمد قاسم صاحب وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنا نام نامی قاسم علی کو محمد قاسم کر ڈالا تھا۔ اس تبدیل نام کی وجہ محتاج بیان نہیں ہے۔ آج تک دیوبند سواد شام کا رنگ رکھتا ہے۔ ایسی جگہ میں مولانا مولوی شیخ احمد صاحب کا ظہور فرمانا قدرت خداوندی کا پورا جلوہ دکھلاتا ہے۔ خیر۔ ہایت ایک امر من جانب اللہ ہے اس کا مصدق قولہ تعالیٰ ہے لا تھدی من اجبت ہے۔ اپنی دعا یہی ہے کہ دارین میں محمد اور آل محمد کی محبت سے اے خدا میرے دل کو مالا مال رکھے۔ میں ہمیشہ مصداق من و دست و طمان آل سنوں کا رہوں۔ اے خدا میرے۔ میں اس محبت کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں۔ جنت و دوزخ جسکو چاہے تو لے لے کر مجھے محمد اور آل محمد کی محبت میں استوار رہنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یک دانہ محبت است و باقی ہمہ کاہ۔

۱۰۔ ابن زیاد۔ شمر۔ خولی۔۔ حر ملا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب قاتلان امام حسین و حضرت اہل بیت سے تھے خمار نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سب بد بختوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ایک نے بھی قتل حسین سے متنع ہونے کا موقع نہیں پایا۔ یزید ہی کی طرح سب ملا جیل تھوڑے ہی عرصہ میں نیکی پر باد گناہ لازم کے مصداق ہو کر دنیا کو خالی کر گئے۔ دیدی کہ خون ناحق پر دانہ شمع را بہ چندان اماں داد کہ شب را سحر کند۔

۱۱۔ امام ابو حنیفہ۔ آپ اہلسنت کے ائمہ اربعہ سے مشہور اور ممتاز ترین امام ہیں اور اسی لئے امام عظیم کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بیان پر آپ کے اجتہادات کی نسبت کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیان پر صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہوگا کہ آپ اجتہاد بالرائے و القیاس کیا کرتے تھے جس کے باعث آپ کا مذہب ویسا ہو گیا ہے جسکی نسبت امام خزانلی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ صاحب نے دین اسلام کے رو کو پشت کر ڈالا ہے اور پشت کو رو۔ آپ فردعی مسائل کے مجتہد ہیں جیسا کہ حضرت شیعین اصولی مسائل کے مجتہد اہلسنت کے نزدیک ہیں۔ مذہب اہلسنت کے اصول دین اور فروع دین کو تاملت حضرت شیعین اور ائمہ اربعہ سے ہے اور فائدہ سیمبر کے خلفاء ائمہ کے اجتہادات اصولی اور فردعی سے تاملتے تعلق رہی ہے اور اس وقت بھی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کچھ امور دین اصولی اور فردعی ہم لوگوں کو یعنی اہلسنت کو پہنچے ہیں حضرت شیعین اور ائمہ اربعہ کے وسیلے سے پہنچے ہیں۔ بلاشبہ یہ قول شاہ صاحب کا نہایت صحیح ہے۔ حق یہی ہے

ابن زیاد۔ شمر۔ خولی وغیرہ

امام ابو حنیفہ صاحب حضرات اہلسنت کے امام عظیم

کہ اہلسنت کو خلفا اور ائمہ خاندان پیغمبر سے کوئی امر دین، اصولی یا فروعی نہیں پہنچا ہے اور اصولی و فروعی ائمہ خاندان پیغمبر کے پیر دان خاندان پیغمبر میں محدود ہے میں اور یہی اصولی و فروعی وہ ہیں جو تا مگر امام اول علی مرتضیٰ اور آپ کے جانشینان ائمہ برحق سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسے امور اصولی و فروعی کا اجمالی نام مذہب علی یا مذہب اہلبیت ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ ایسے سادات جو اس وقت مذہب اہلسنت کے پابند ہیں یا زمانہ ماضی میں اس مذہب کے پابند تھے مذہب علی سے ان کو طلاقہ نہیں رہا ہے۔ ایسے سادات کو مذہب اسی طرح ائمہ خاندان پیغمبر سے بے تعلق رہی ہے جس طرح یہ مختلف اقوام کے اہلسنت کو بے تعلق رہی ہے اور آج بھی ہے۔ یعنی سنی سادات مذہب خاندانی سے برابر لگاؤ رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ خیر۔ اب رہا ائمہ ابو حنیفہ صاحب کے تولاے اہلبیت علیہم السلام کی کیفیت کو عرض کرتا ہے۔ بیان امام ابو حنیفہ صاحب کے مذہب کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ پس واضح ہو کہ امر تولا کی نسبت امر قابل عرض یہ ہے کہ امام صاحب تولاے اہلبیت سے منزلوں دور تھے جیسا کہ آپ کی سرگذشت سے عیان ہوتا ہے۔ آپ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسب معاش کی ضرورت سے آپ نے ابتدا میں نحوی یا شاعریا حافظ قرآن ہونا چاہا تھا مگر چونکہ ایسے پیشہ والوں کو خوشحالی بامراد ملو پر کمر نصیب ہوتی ہے آپ نے فقیہ ہونے کو اور پیشوں کے اعتبار سے مرجع سمجھا پیشہ کا انتخاب فرما کر بغداد میں آپ نے ۴ جماد کی دوکان کو لے لی۔ خلیفہ اور اہل بغداد کا مذہب سنی تھا۔ آپ کے اجتہادات کی طرف توجہ ہونے لگی۔ لیکن آپ کے پیشہ فقہ کے فروغ کی یہ صورت ہو گئی کہ آپ خلیفہ وقت منصور سے ملائی ہو گئے وقت گفتگو منصور نے جب یہ معلوم کر لیا کہ آپ نے علم قرآن وغیرہ مابین حضرت ابن عباس سے حاصل کیا تھا تو خود عباسی ہونے کی وجہ سے آپ کا بچہ قدر دان ہو گیا۔ عہد منصور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت امام اجتہادات مذہب علی کے ثقہ نسا سے فرتے تھے۔ خلیفہ منصور کو خاندان پیغمبر کے امیر سے جو عداوت لاحق تھی مخفی نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ صاحب کا لمبا منصور مقہور کے لئے نہایت ہی عزیمت ہو گیا۔ اس خلیفہ گمراہ نے امام ابو حنیفہ کی سرپرستی کی نظر سے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو شخص امام برحق یعنی حضرت امام جعفر صادق سے کسی مسئلہ کی تحقیق کرے تو ایک اشرفی جرمانہ کا مستوجب ہو اور جو امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع لاوے اُسے ایک اشرفی انعام دیا وے مختصر یہ ہے کہ منصور مقہور کی بدولت امام ابو حنیفہ صاحب کی دوکان اجتہاد کی چل نکلی۔ صرف دوستانہ داران اہلبیت جو مذہب اہلبیت رکھتے تھے تحقیق مسائل کی نظر سے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت کے اجتہاد مسائل پر عمل کرتے تھے۔ مگر چونکہ اسلامی دنیا اہلسنت ہو رہی تھی امام ابو حنیفہ کی پیروی سے امام صاحب کے پیشہ فقہ کو بہت فروغ دے سکی۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ امام برحق علیہ السلام کے خدمت میں کبھی کبھی حاضر

زمانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام ابو حنیفہ صاحب کا ایک تھا

ہوا کرتے تھے۔ مگر ان کی اس طرح کی حاضری ظاہر واری کا پہلو رکھتی تھی کوئی شک نہیں تو اسے خاندانِ نبویؐ سے امام ابو حنیفہ کا دل خالی در خالی تھا۔ کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ فقہ اختیار کرنے سے امام اعظم صاحب منہائے کامیابی کو پہنچ گئے اور زیادہ تر فروغ آپ کو اس سے ہوا کہ آپ امام برحق علیہ السلام کے اجتماعات کے خلاف اجتماعات کیا کرتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ کمال دانشمندی امام اعظم صاحب کی اسے بیان ہے کہ آپ کبھی جناب امام برحق علیہ السلام کی فقہ پر نہ چلے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر تعین امام برحق کی طرف ذرا بھی میلان دکھلاتے تو جو فروغ آپ کی فقہ کو امام برحق کی مخالفت سے ہوا ہے ہرگز نہ تو حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم صاحب ایک بڑے دماغے روزگار تھے کیونکہ احمقوں کے خیال کے مطابق جناب امام برحق کی سنا کردی اختیار کی سکتے تھے یا امام برحق کی تبعیت کی طرف میلان دکھلا سکتے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو منہ و مقہور سے جوج ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کا اجتماعی فروغ بالکل غائب ہو جاتا۔ یہاں تک تو ضرورت پیشہ سے امام اعظم صاحب کو امام برحق سے مخالفت کی شکل پیدا تھی۔ اگر پیشہ کے احاطہ سے پہر ہو کر بھی امام اعظم صاحب امام برحق علیہ السلام سے ہمدردی نہیں رکھتے تھے مگر ہمدردی ہوتی تو حلت امام برحق پر امام اعظم صاحب براہ شہادت مومن الطاق سے یہ فرماتے مانتا مانتکھ یعنی تمہارے امام جعفر صادق مرگئے۔ مومن الطاق اس کے جواب میں ناخوش ہو کر بولے ذلک انما ملک من المنتظرین لی یوم الوقت المعلوم۔ یعنی مگر تیرا امام روز قیامت تک حلت دیا گیا ہے مومن الطاق کی مراد جو ایسے امام سے تھی وہ اس ذات سے تھی جس کے نام پر ہر مومن لاجول دلا قوۃ پڑتا ہے اور اس پڑھنے سے وہ ذات بجاگ جاتا کرتی ہے۔ اسی طرح امام اعظم صاحب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی موانست نہیں کھتے تھے جیسا کہ محمد ابن نوفل کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم چند شخص بیٹھے تھے کہ امام اعظم صاحب وہاں تشریف لائے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا ذکر چڑ گیا۔ امام اعظم صاحب نے کہ حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا چاہئے میں نے اپنے تابعین کو اس ذکر سے مانعت کر دی ہے۔ راقم کہتا ہے اللہ اللہ حضرت رسول صلعم تو فرمائیں کہ ذکر علی عبادۃ و زینو بحالکم بذکر علی یعنی علی کا ذکر عبادت ہے۔ اور اپنی مجلسوں کو ذکر علی سے زینت بخشو اور امام اعظم صاحب ذکر علی کی مانعت فرما دیں یہ کس طرح کی مسلمانی ہے۔ حکم رسول سے انحراف کے ساتھ بھی امام اعظم صاحب مسلمان مانے جاتے ہیں تعجب ہی تعجب ہے۔ بہر حال قول امام اعظم صاحب کو شکر شہیم بن حبیب صیرفی کو اس کے سننے سے غصہ آ گیا۔ یہ صاحب برہم ہو کر بولے کہ کیا اس کی تعین خبر نہیں کہ حضرت علی نے صحابہ سے حدیث غدیر کی تصدیق فرمائی ہے۔ امام اعظم صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس حدیث کی صحت میں کلام نہیں

مگر شیعی اس میں زیادہ فوض کرتے ہیں اور انشخاص سنی کو تنگ کرتے ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ حق پوشی پر تف اور حقہ کا پانی۔ اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام عظم صاحب کو علی مرتضیٰ کے ساتھ بھی ہمدردی نہ تھی۔ اسے سنی سید بھائیو۔ جو اکثر صوبہ بہار میں احناف سے ہیں۔ آپ حضرات بھی ذکر علی کو اپنے اپنے گھر نہیں ہونے دیتے ہوں گے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ واقعہ خم غدیر کی طرف بھولے سے بھی روئے سخن کو نہیں لاتے ہوں گے۔ انشاء اللہ کیا سادات کرام آپ حضرات ہیں۔ آپ سے اور افراد بنی امیہ میں فرق کیا ہے۔ واقعی خاندان نبوتش گمشدہ کے آپ حضرات پورے مصداق ہیں۔ خیر نہایت جاے تعجب ہے کہ جس حدیث کی تصدیق حضرت علی صحابہ سے حاصل کریں اور جس حدیث کو رسول اللہ برسر منبر ایک جم غفیر میں اعلان کے طور پر ارشاد فرمادیں اس حدیث کا اقرار امام عظم صاحب مسلمانوں کو نہ کرنے دین اور اپنے تابعین کو اس کے ذکر سے باز رکھیں اہل انصاف ہی فرمادیں کہ یہ کیسی مسلمانی ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ امت محمدی پر رحم فرمائے۔ تعجب ہی تعجب ہے کہ اس عدم تولا کے ساتھ یہ امت گمراہ کیونکر اپنے حال پر چھوڑ دی گئی ہے۔ ظاہر اتنا متر یہ رحم و کرم حضرت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کا ہے ورنہ اس قدر بے اعتدالیوں کے ساتھ امت محمدی کو نسخ یا معدوم ہو جانا چاہئے تھا۔ ۱۲۔ اس بنبر میں ان راویوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت علی کے مخالفین سے تھے۔ حضرت راوی علمائے اہلسنت کے نزدیک بڑا پایہ اعتبار رکھتے ہیں اور صحاح ستہ میں ان سے حدیثیں بکثرت مروی ہیں۔ یہ حضرات رسول اللہ کے صحابی کہلاتے ہیں مگر حضرت علی کے بڑے دشمن تھے۔ کچھ ایسے راویان کے نام ذیل میں درج کر دئے جاتے ہیں۔ سب ایسے راویوں کے ناموں کے درج کرنے کی گنجائش اس مختصر تصنیف میں نہیں ہو سکتی ہے۔

انس بن مالک - زید بن ارقم - اشعث بن قیس - ابو مسعود - کعب الاحبار - ابو ہریرہ - عبد اللہ بن زبیر - دلید بن عقبہ - زہری - یہ سب وہ راویان ہیں کہ جن کو تقدیر نے تولاے اہلبیت سے محروم رکھا تھا۔ یہ سب کے سب مخالفان علی سے تھے۔ جانا چاہئے کہ علی کی محبت اسلام کی جان ہے۔ جسکو علی کی محبت نہیں وہ بقول حضرت رسول ایسا ہے کہ جیسے دوزخ سے چھٹکارا نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ منافق ہی کا دل علی کی محبت سے خالی ہوتا ہے اور منافق کی جگہ بالیقین دوزخ ہے۔ علی کا عدو دوزخی دوزخی بے علی کا محب جنتی جنتی۔

اب اسے سنی سید بھائیو راقم اہلسنت اور اہل تشیع کے ائمہ اثنا عشر کے معاملات درج ہذا کرتا ہے۔ واضح ہو کہ ہر چند اہل تشیع اور اہلسنت نفس خلافت کو ایک امر حق جانتے ہیں مگر دونوں کے نامتر

دو رنگ ہیں گودون فرقتے بارہ خلفائے برحق کے قائل ہیں۔ عدد کی موافقت کی وجہ سے کہ حدیث خلفائے
 اثنا عشر فریقین میں واحد ہے اور صحیح مانی ہوئی ہے۔ لیکن ان مختلف فیہ جو ہے وہ یہ ہے کہ بارہ خلفائے
 نامزد کرنے میں دونوں فرقتے اختلاف عظیم رکھتے ہیں۔ وہ حدیث جو مقبولہ فریقین میں ہے یہ ہے۔ عن جابر
 ابن سمرة قال دخلت مع ابی علی النبی فسمعتہ یقول ان هذا الامر لا ینقض حنفی فیہم اثنا عشر
 خلیفۃ قال ثم تکلم بکلام منقطع قال قلت لابی ما قال قال قلہم من قریش۔ (دیکھو بخاری و مسلم مع فتح
 کتاب الامارہ صفحہ ۱۱۹) ترجمہ اسکا یہ ہے کہ جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ
 خدمت رسول اللہ میں گیا۔ میں نے سنا کہ پیغمبر فرماتے ہیں کہ ضروریہ امر پورا نہ ہو گا یہاں تک کہ اس میں بارہ
 خلیفہ نہوں۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کلام کیا جو مجھ پر پوشیدہ رہا۔ تب میں نے اپنے باپ
 سے دریافت کیا کہ آنحضرت نے کیا فرمایا انھوں نے جواب دیا کہ جناب رسول نے فرمایا کہ کل خلیفہ قریش
 سے ہوں گے۔ اس حدیث کی بنا پر اہل تشیع اپنے خلفاء حضرت علی سے لیکر امام آخر الزمان تک یوں
 گنتے ہیں کہ خلیفہ اول علی مرتضیٰ پھر حسن مجتبیٰ پھر حسین شہید کربلا پھر امام زین العابدین پھر امام محمد باقر
 پھر امام جعفر صادق پھر امام موسیٰ کاظم پھر امام رضا پھر امام تقی پھر امام تقی پھر امام حسن عسکری پھر
 امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ائمہ اثنا عشر اہل تشیع کے نزدیک خلیفہ اور امام دونوں ہیں۔ بجز
 حدیث کے رو سے اہلسنت اپنے خلفاء اور ائمہ یوں گنتے ہیں کہ اول خلیفہ اور امام حضرت ابوبکر۔ دوم حضرت
 عمر۔ سوم حضرت عثمان۔ چارم حضرت علی۔ پنجم امیر معاویہ اور سات خلفاء اور بھی خلفاء بنی امیہ سے امیر معاویہ
 تک تو کسی فرقہ اہلسنت کو اختلاف نہیں ہے۔ البتہ امیر معاویہ صاحب کے بعد ایک فرقہ اہلسنت کا اپنے
 خلفائے نرید سے لیکر اور چھ خلفائے بنی امیہ تک مسلسل طور پر شمار کر کے اپنے بارہ خلفاء کا عدد پورا کر دیتا ہے
 اور دوسرا فرقہ نرید کو گروہ خلفائے خارج کر کے یہ سبیل انتخاب اور سات خلفاء کو انھیں خلفاء بنی امیہ سے خلفاء
 اثنا عشر میں داخل کر کے اپنے خیال کے مطابق مضمون حدیث بالا کا اپنے کو پابند گردانتا ہے۔ نرید کے خلیفہ
 رسول اللہ کے ماننے والے صوبہ بھار میں کم اہل سنت ہیں مگر کابلستان میں اور بخارا وغیرہ کی طرف ایسا
 عقیدہ رکھنے والوں کی کمی نہیں ہے راقم کے ایک استاد جو جلال آبادی تھے اور ام گرامی اُن کا سید محمد
 گل تھا نرید کی خلافت حق کے قائل تھے اور راقم بھی طالب العلوی کے زمانہ میں ہی مذہب رکھتا تھا۔ بہر
 حال جو فرقہ اہلسنت کا نرید کو خلیفہ رسول اللہ نہیں مانتا ہے اس کی حجت یہ ہے کہ نرید فاسق اور فاجر
 تھا اس لئے اسکو خلفائے اثنا عشر میں داخل نہیں کر سکتے۔ لیکن جس فرقہ نے نرید کو خلیفہ رسول اللہ
 مانتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اصولاً عصمت شرط خلافت نہیں ہے اصول خلافت کے رو سے خلیفہ

برحق ہونے کے لئے تمام شروط خلافت سے صرف ایک شرط کا حامل ہونا کافی ہے۔ یزید میں بہت شروط کا مجمع ہونا نظر آتا ہے۔ یزید کے حسب حال حضرت ابوبکر کا اجماع اور اجماع کے لئے صرف دو آدمی غیر بنی ہاشم کافی ہوتے ہیں موجود ہے۔ حضرت عمر کے استخلاف حضرت عثمان کے شور اور حضرت معاویہ کے غلبہ و قہر کی سب شرطیں موجود ہیں کم سے کم حضرت عمر کے استخلاف کی شرط تو موجود ہے۔ اس رو سے یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا عذر معقول پیش کیا جاسکتا ہے اور اس رو سے مسلسل طور پر بارہ خلیفہ کا شمار کیون نہیں عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تقریر بے سرو پا انداز کی نہیں ہے اہلسنت کے اصول خلافت کے رو سے یزید کو خلفائے اثنا عشر سے خارج کر دینا ایک بڑی حق تلفی نظر آتی ہے۔ واضح ہو کہ اہلسنت کے نزدیک بھی خلافت امامت سے علیحدہ نہیں مانی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ دمیری خلافت کو امامت سے جدا نہیں کرتے ہیں۔ یہ امر محض بے معنی ہے کہ خلفاء اور ہوں اور ائمہ اور ہوں۔ ضرور ہے کہ جو خلیفہ ہو وہ امام بھی ضرور ہو۔ حضرت پیر دستگیر بھی غینۃ الطالبین کے صفحہ ۱۹۶ میں حضرات خلفائے اربعہ کو لفظ ائمہ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ صاحب اشعۃ اللمعات کا بھی یہی عقیدہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ موصوف لکھتے ہیں کہ امام حسن نے خلع خلافت کے ساتھ امامت بھی امیر معاویہ کے حوالہ کر دی اور یہ دلیل اہلسنت کو واسطے امامت امیر معاویہ کی مثبت ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خلافت اور امامت عقلاً جدا نہیں مانی جاسکتی ہے تو جتنے خلفاء اہل تشیع کے قبول کردہ ہیں ان کے امام بھی وہی خلفاء ہیں۔ اسی طرح اہلسنت کے جتنے بقولہ خلفاء ہیں وہ بھی ضرور ہے کہ ان کے ائمہ ہیں۔ اس علیحدگی سے صاف طور پر نمایاں ہے کہ دو وزن فرقوں کے جدا جدا امام ہیں اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے کسی امام کی تبعیت کا پابند نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ اہل تشیع صرف ائمہ خاندان پیغمبر کی تبعیت کرتے ہیں اور اہل خلافت کے اماموں سے بے سروکاری رکھتے ہیں۔ اسی طرح کی بے سروکاری اہلسنت کو بھی ائمہ اہل تشیع سے ہے۔ بے قول محدث دہلوی کا نہایت صحیح ہے کہ ہم لوگوں کو یعنی اہل سنت کو جو اصولی مسائل پہنچے ہیں حضرت یحییٰ سے پہنچے ہیں اور فروعی مسائل ائمہ اربعہ سے یعنی ائمہ اہل تشیع سے اصولی یا فروعی مسائل کو یہ نہیں پہنچے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ احکام مذہبی میں اہلسنت کو ائمہ خاندان پیغمبر یا مجتہدین خاندان پیغمبر سے کوئی علاقہ نہیں رہا ہے اور نہ اس وقت ہے اور امر و اقویٰ بھی یہی ہے کہ ائمہ خاندان پیغمبر سے اہلسنت کسی طرح کا ذہبی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ علی مرتضیٰ کے داخل خلفائے اربعہ ہونے پر بھی علی مرتضیٰ کو صرف خلیفہ چہارم مانتے ہیں علی مرتضیٰ کے اجتہادات کی ایک صاحب بھی اہلسنت سے تبعیت نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ وراثت میں اس عورت

کے کہ جس کا شوہر قبل وطی کے مرگیا ہو علمائے اہلسنت مذہب علی سے کنارہ کش نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ادبی مسائل میں کہ جن میں علمائے اہلسنت اجتہادات حضرت علی کی تبعیت نہیں کرتے ہیں حضرات اہلسنت کے عقائد جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں مذہب علی سے اختلاف کر کے فرماتے ہیں کہ یہ مذہب علی کا ہے اور ان کے شیعوں کا اور یہ مذہب ابن مسعود کا۔ اسلئے ہم قول ابن مسعود پر عامل ہون گے۔ ایسی مثالیں اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں جن سے حضرات اہلسنت کی بے تعلقی اہل تشیع کے علاوہ ظاہر ہوتی ہے شائع منہاج لکھتے ہیں کہ ذکر قیاس اہلبیت کا مذہب ہے جیسا کہ عمل برقیاس مذہب امام ابوحنیفہ اور دیگر اہلسنت کا ہے۔ اس اختلاف سے ضرور ہے کہ مذہب اہل تشیع اور مذہب اہل سنت کا آباؤ ایک دوسرے سے جدا ہے جیسا کہ سابق میں تھا اور اس وقت بھی ہے۔ جب اہلسنت کو اہل تشیع کے اماموں سے کوئی مذہبی تعلق نہیں ہوتا تو اہل تشیع کے ائمہ یعنی ائمہ اثنا عشر اہلسنت کے لئے کسی مرض کی دوا نہ رہے۔ ان کا ہونا اور نہ ہونا اہلسنت کیلئے برابر ہو گیا اور یہ تمام تر واقعہ کے مطابق ہے۔ حضرت امام حفص صادق اور امام ابوحنیفہ صاحب بیک وقت عہد منصور مقصور میں موجود تھے۔ مگر اہلسنت حضرت امام برحق سے کسی طرح کا مذہبی تعلق نہیں رکھتے تھے اسی طرح اہلسنت کسی طرح کا مذہبی تعلق اہل تشیع کے کسی ائمہ اثنا عشر سے نہیں رکھتے تھے اور نہ آج رکھتے ہیں۔ اہلسنت کے مذہب کا یہ تقاضا ہی نہیں ہے کہ اہلسنت شیعوں کے ائمہ اثنا عشر سے کسی طرح کا مذہبی تعلق رکھتے۔ یہ بے تعلقی صاف طور پر کسی درجہ تک ناصیت اور خارجیت کا پہلو رکھتی ہے پس اہلسنت کو کئی جہت کا خارجی اور ناصبی ہونے سے جاڑ نہیں نظر آتا ہے حضرات اہلسنت خارجی یا ناصبی ہونے سے اقرار نہ کریں تو نہ کریں مگر ان کے مذہب میں پوری جہلک خارجیت و ناصیت کی دکھائی دیتی ہے ائمہ اثنا عشر یعنی اہل تشیع سے مذہبی بے تعلقی ضرور ہے کہ خارجیت اور ناصیت کا رنگ پیدا کرے حضرات اہلسنت کی بے تعلقی شیعوں کے ائمہ اثنا عشر سے اس حد ترقی کی ہوئی ہے کہ انہیں سے شاید ہی ہزار میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ تمام ائمہ اثنا عشر کے اسمائے گرامی سے خبر رکھتا ہو گا۔ مسلسل طور پر حضرات ائمہ معصومین کے اسمائے گرامی کو یاد رکھنا خارج ارجحیت ہے۔ مذہبی تعلیم بھی اہلسنت کی اس ترکیب پر واقع دیکھی جاتی ہے کہ حتی الامکان خاندان پیغمبر کے معاملات انہیں بخیر و جاہلان کے طریقہ تعلیم کا ایک خطرئی نتیجہ ہوتا ہے۔ راقم کو اس وقت ایک ایسی صحبت یاد آگئی ہے حوالہ قلم کرنا بیان پر بے موقع نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ ہوتا ہے کہ ایک ذی علم صاحب جو ایک بڑے مشہور عالم کے صاحب زادے بھی ہیں مجھے دیکھنے آئے۔ چونکہ مجھ سے وہ صاحب بہت مربوط ہیں اقم ان سے اخلاص اپنے دنیوی حالات دیر تک عرض کرتا رہا۔ اس کے بعد کچھ حج و زیارات کا ذکر آگیا۔ مدینہ منورہ کے ذکر کے ساتھ صنت البقیع کا بھی ذکر پیش ہو گیا۔ صنت البقیع کے ذکر کے ساتھ امام حسن علیہ السلام یاد آ گئے۔ اس اثنا میں میرا ایک خرد سال لڑکا حسین امام جعفر

سات سال کا ہوگا اور اب جوار رحمت الہی میں آسودہ ہے میرے سامنے آگیا میں نے اُس سے چند بزرگان خاندان پیغمبر کے حالات پوچھ کر یہ سوال کیا کہ جنت البقیع میں کون کون امام خاندان پیغمبر کے آرام فرماتے ہیں۔ اُس نے امام حسن علیہ السلام سے ابتدا کی اور چاروں اماموں کے نام مسلسل طور پر بتلا دیئے۔ میرے کرم دوست نے اُس کی اس اطلاع پر بہت تعجب فرمایا اور کہنے لگے کہ میں بہت کم نہیں جانتا تھا کہ امام حسن مدینہ میں دفن ہیں۔ اس لاعلمی کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے الا یہ کہ ائمہ اثنا عشر سے حضرات اہلسنت کو کوئی پہچان حاصل نہیں ہے۔ واضح ہو کہ یہ میرے کرم دوست اہل علم سے ہیں۔ جب ایسے صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ امام حسن کمان مدفون ہیں تو آپ کی وصیت دفن اور جنازہ حضرت معصوم پر سنی امیہ کی تیر بارانی کیا خیر ہو سکتی ہے۔ حضرات اہل سنت کی تعلیم کا یہی طور ہوتا ہے کہ طلباء سے معاملات اہلبیت علیہم السلام کے التزام پوشیدہ رکھے جاتے ہیں صوبہ بہار کے اہلسنت اگر مقلدین سے ہیں تو مذہب امام ابو حنیفہ کی ضروریات سے واقف ہو کر فیصلت کی پگڑھی کا بار اپنے سر لے لیتے ہیں اور اس دائرہ سے باہر ایک قدم رکھنا بھی انھیں نصیب نہیں ہوتا ہے اور اگر غیر مقلدین سے ہوتے ہیں تو ان کی ضروریات تک ان کی تعلیم محدود رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتیں معاملات خاندان پیغمبر سے انکو اطلاع دینی کی کیا شکل رکھتی ہے جب اہلسنت کو خاندان پیغمبر کے ائمہ سے کوئی مذہبی تعلق نہیں تو ان کے معاملات کی طرف بلا ضرورت کیوں اہلسنت توجہ کرنے لگے۔ دیرین میں تعلق ہی پر باطلی اور لاعلمی کا مدار ہے۔ بالخصوص مذہب اہلسنت خارجیت اور ناصبیت سے تامل و ملاحظہ نہیں نظر آتا ہے۔ میں کوئی جانے تعجب نہیں ہے۔ حقیقت حال بھی یہی ہے کہ خوارج و نواصب اہل تشیع کے فرقہ بانٹنے کی صرف تباہی ہیں۔ بلکہ اس معنی کر کے کہ جب مذہب اہلسنت کو ائمہ اثنا عشر سے کوئی مذہبی تعلق نہیں ہے تو یہ امر اُس کے ایک اعلیٰ درجہ کی خارجیت اور ناصبیت سے خبر دیتا ہے۔ مذہب اہلسنت کا رنگ بھی یہ ہے مگر بہت سے اہلسنت ایسے ہیں کہ اگر ان کی جانب خارجیت اور ناصبیت کی ذرا سی بھی نسبت کی جائے تو ایسے امر کو اپنی طرف منسوب کیا جانا کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ اطلاع راقم حال کے زمانہ میں کوئی عالم صاحب اہلسنت کے جناب مولوی محمد قاسم صاحب یونہی سے خارجیت اور ناصبیت میں کم نہیں نظر آتے ہیں۔ آپ نے مولوی شیخ احمد صاحب عثمانی دیوبندی مرحوم کے سوالات کے جواب لکھے ہیں جبکہ تردید جناب مرحوم نے اپنی کتاب سیف مسلول میں خوب کی ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب کی تحریر جوابات سے مولوی صاحب کی خارجیت اہلبیت پریشانی بیان ہو کلاہٹ فریب دہی دروغ نگاری وغیرہ وغیرہ میں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ خوب ہوا اگر اب انصاف شیخ احمد صاحب کی کتاب سیف مسلول کو

ملاحظہ فرما کر مدد و حق نگاری کی پوری داد دیں۔

المختصر تمام کتب اہلسنت کے دیکھنے سے اسے نئی سید بھائیو مہاجر امتیان محمدی کی حقیقت یوں ظاہر تھی ہے کہ مہاجر امتیان محمدی سے کم ایسے اشخاص تھے جنہوں نے رسول خدا اور دین خدا کی محبت سے مدینہ کو ہجرت اختیار کی تھی۔ مہاجرین میں منافقین دنیا طلب بہت تھے۔ اس کی شہادت آیات قرآنی سے بھی ملتی ہے۔ اللہ و رسول دونوں ان منافقین کی حقیقت سے بلا گفتگو واقف تھے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین کا زیادہ حصہ منافقین پر مشتمل تھا جیسا کہ ان کے افعال سے عہد رسول اللہ میں ظاہر ہو گیا تھا مگر آنحضرت صلعم کی حالت کے بعد تو ایسے امتیوں کے منافقانہ افعال کملے کملے طور پر کثرت سے ظہور میں آتے گئے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مہاجرین دل سے پیغمبر صاحب کی رسالت کے قابل نہ ہوتے تھے۔ صرف اغراض دنیوی سے مدینہ چلے آئے تھے۔ یوں تو مسجد میں رسول خدا کے پیچھے مسلمان اور منافق دونوں طبقے کے افراد روز نماز پڑھا کرتے تھے اور کوئی کسی کو منافقت کا الزام نہیں دے سکتا تھا مگر حضرت رسول اللہ کے دس برس کے قیام مدینہ میں مومنین اور منافقین کے امتحانات پیش آتے گئے جن سے مومنین اور منافقین کی تمیز میں اس وقت کوئی دشواری کی صورت نہیں نظر آتی ہے۔ اکابر مہاجرین مکہ کے اہل دولت سے نہیں تھے۔ ایسے افراد نے قرآن سے سمجھ لیا تھا کہ حضرت رسول ایک بڑے آدمی ہونے والے ہیں حضرت کو ریاست حاصل ہونے والی ہے۔ حضرت کو غزوات کا اتفاق ضرور ہو گا۔ غنائم کے ملنے میں کوئی ڈوبی لاحق نہ ہو گی۔ پھر جب ریاست حاصل ہو جائیگی تو تسلط ارضی کا موقع ہاتھ آ ہی جائے گا۔ ملکوں اور صوبوں کی امارت نصیب ہو ہی جائے گی۔ کم سے کم تجارت وغیرہ کے روزگار کا سامان پیدا ہو ہی جائے گا حضرت رسول کے مہاجرین کی حیثیت سے روزی کی شکل نکل ہی آئے گی مختصر یہ ہے کہ اکثر مہاجرین سے ایسے افراد تھے جو دنیاوی اغراض سے ہجرت کی رحمت گوارا کر کے مدینہ میں آئے تھے۔ ایسے مہاجرین دیکھتے تھے کہ اقرار رسالت سے انکے دنیاوی فروغ میں کوئی ضرر لاحق نہ ہو گا بلکہ ان کے فروغ میں ترقی کی صورت پیدا ہو گی۔ اس لئے ایسے افراد ظاہر واری کی نظر سے اقرار رسالت کرتے رہے۔ مگر مدینہ کے مختصر قیام کے بعد ہی قریش مکہ نے مدینہ پر حملہ آرائی شروع کر دی اور جنگ حنین کے وقت تک برابر لڑا کئے اب برا وقت امتحان کا آگیا ہجرت تو آسان تھی۔ یہ لڑائی بھرائی کیسی۔ لڑائی بھرائی کا منہ کالا ہو۔ پہلی لڑائی بدر کی پیش آگئی۔ حضرت عمر نے اہل مکہ کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ حضرت خلیفہ کے ماموں ابو جہل صاحب لڑنے کو آئے ہیں مامون سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابوبکر پیغمبر صاحب کے نزدیک میدان جنگ میں بیکار بیٹھے رہے۔ آپ کے اس فعل کو اہلسنت کہتے ہیں کہ آپ حضرت رسول کی حفاظت کیلئے

حضرت رسول کے نزدیک برابر ٹھہرے رہے۔ ظاہر ہے کہ آپ حضرت رسول کی کیا حفاظت کرتے۔ اگر آپ کو رسول اللہ کی حفاظت ہی اس جنگ بدر میں منظور ہوتی تو جنگ احد و جنگ خندق و جنگ خیبر و جنگ حنین و دیگر سراپا و غزوات میں کچھ تو لڑتے بھڑتے یا کسی قسم کی مقول کارروائی عمل میں لائے ہوتے۔ یہ بار بار کا فرار و عدم کارگزاری چہ معنی دارد۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ علی کی تیغ لے اپنے جوہر دکھلائے۔ حضرت امیر سبزہ بھی خوب لڑے۔ انصار نے بھی استقلال دکھلایا۔ لیکن یہ بدر کی لڑائی ایسی تھی کہ اگر بنی ہاشم نہ ہوتے تو بدر کی فتح دین خدا کو نصیب نہ ہوتی۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بدر کی لڑائی ایسی تھی کہ اگر اسلام اس میں ورثین رہتا تو دین اسلام صفحہ سہمی سے معدوم ہو جاتا اس فتح نے اسلام کی جبر و دنیا میں قائم کر دی۔ اس کی شکست اسلام کی دوامی شکست ہوتی۔ بدر کی لڑائی ویسی ہی لڑائی تھی جیسی پل والی لڑائی تھی۔ انگریزی میں اس کا نام ٹیال آف وی برج (Ball of the Bridge) ہے۔ یہ لڑائی سو برس ظہور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد درمیانہ کانٹسٹین (Constantine) اور قسطنطنیہ کے درمیان ہوئی تھی۔ اگر اس لڑائی میں شاہ مذکور کو جو سپر و دین سچی تھے شکست لاحق ہو جاتی تو اس وقت کا دین خدا یعنی دین سچی صفحہ سہمی سے مٹ جاتا۔ جنگ بدر اور پل والی لڑائی کی شکست دین محمدی اور دین مسیحی کو معدوم کر ڈالتی۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حافظ حقیقی ہے۔ دونوں لڑائیوں میں دینداروں کو فتح نصیب ہو گئی بفضلہ و بمنہ تعالیٰ و جل شانہ۔ واضح ہو کہ جنگ بدر سے پہلے کفار قریش مسلمانوں سے چہرے شروع کر چکے تھے۔ رسول اللہ نے کمال دور اندیشی سے نہایت ہی وقت پر دشمنان دین خدا سے مقابلہ کی صورت پیدا کر لی۔ اس سے آنحضرت کی اعلیٰ درجہ کی سپہداری کا پتہ لگتا ہے۔ یہ کام بڑا اعلیٰ درجہ کے جنرل کا ہے کہ موقع جنگ کی تجویز صحیح کر سکے۔ آنحضرت چونکہ بنی الواعزم تھے آپ کو فوجی قابلیت خدا کی جانب سے تفویض ہوئی تھی اور آپ کی یہ فوجی قابلیت ہر خسروہ میں مختلف رنگوں سے جلوہ گری دکھلاتی رہی۔ جنگ بدر کی یہ سرگزشت ہے کہ ابوسفیان مع قافلہ قریش و سامان کثیر شام سے واپس آ رہے تھے۔ چونکہ قریش کہہ سے چہرے شروع ہو چکی تھی آنحضرت نے انکی آمد کی خبر پا کر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ پر آمادہ فرمایا۔ حضرت رسول سمجھے کہ مکہ پہنچ کر کفار قریش پورے سامان جنگ اور اطمینان کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ مناسب یہی ہے کہ راہ ہی میں ان سے مقابلہ کی صورت ہو جائے۔ اس پر بھی ابوسفیان صاحب نے اہل مکہ کو اطلاع دیکر ایک اچھا لشکر جمع کر ہی لیا اور نو سو پچاس آدمیوں سے جن میں سو سوار تھے چشمنہ بدر کے میدان میں آنحضرت سے جنگ لڑا ہو گئے

اس فوجی جمعیت کے سامنے اسلامی لشکر اسی قدر تھا کہ اس میں صرف دو سوار تھے اور سب پیدل۔
 عددان کا یہ تھا کہ ۷۷ ہاجرین تھے اور ۲۳۶ انصار۔ ایسی قلیل جمعیت سے فتح کی کیا امید ہو سکتی تھی
 مگر میدان شیر خدا کے ہاتھ لگ گیا۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان صلح فوجی تجویز میں غلطی کر جاتے
 تو ابوسفیان سفر شام سے کہ واپس جا کر بڑی لشکر آرائی کے ساتھ رسول اللہ کے مقابلہ کو مدینہ کی
 طرف آتے اور تب مسلمانوں کو شدت جنگ کی بہت زیادہ رحمت گوارا کرنی پڑتی۔ مگر حضرت رسول
 نے اہل مکہ کو ایسی کارروائی کا کوئی موقع نہیں دیا اور تھوڑے لشکر سے ابوسفیان اور دیگر
 کفار قریش کو ایک حیرت انگیز شکست دیکر پریشان کر ڈالا۔ بنی النضر کے لئے اعلیٰ درجہ کی فوجی طاقت
 کی بحد ضرورت متصور تھی تو داہب العطایا نے یہ صفت بھی ان صلح کو بدرجہ اتم بخشی تھی۔ انچہ خوبان
 ہمہ داند تو تنہا داری۔ احمد اللہ کہ اسلام کے سر سے یہ ابوسفیانی بلاتین علی اور دیگر یومنین کی وفاداری
 اور استقلال کی بدولت مل گئی۔ مگر تعجب ہے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے کہ ان سے کسی طرح کی
 کارروائی ظہور میں نہ آ سکی۔ کیا حیرت کی جا ہے کہ کفار قریش کے غلبہ سے اسلام کی جان پر آہنی
 تھی اور حضرت عمر ابو جہل کی رشتہ داری کو ملحوظ رکھے ہوئے تھے۔ اگر خدا نخواستہ اسے سنی سید بھائیو
 رسول اللہ کو شکست ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ تھیں ایسے خیال رشتہ داری پر۔ اب حضرت عمر کو مسلمان
 ہو کر کفار مکہ سے رشتہ داری ہی کیا باقی رہی تھی۔ کافر سے مسلمان کو رشتہ مندی کیسی لیکن حق یہ ہے
 کہ اگر دل سے حضرت عمر مسلمان ہوئے ہوتے تو رشتہ داری کا دوسو سو آپ کے دل میں ہرگز نہیں جگمگ
 کر سکتا۔ لیکن راقم کے خیال میں آپ کا رشتہ مندی کا خیال صرف ایک بہانہ تھا۔ حقیقت یہ ہے
 کہ آپ لڑائی سے منزوں و در رہنا چاہتے تھے۔ یوں شرما شرمی سے جنگ کی شرکت کر لیا کرتے
 تھے مگر میدان جنگ سے شرمناک طور پر سب کے پہلے فرار ہو جایا کرتے تھے۔ یہی حال حضرت ابو بکر کا
 بھی تھا۔ حضرت عین کی ترکیب کے ہاجرین کے بار بار فرار و عدم کارگزاری غزوات سے معلوم ہوتا
 ہے کہ ایسے ہاجرین مدینہ کو تباہی و بربادی سے چلے آئے تھے جیسا کہ کچھ اجمیکا و مرچا مچی و ثمال و غیرہ
 کی طرف ہزاروں ہزار سکنائے ہند حصول رزق کی نظر سے چلے گئے ہیں اور آج تک جایا کرتے ہیں۔
 فرق ایس قدر ہے کہ ہاجرین مکہ کو تقاضائے مذہبی سے غزوات میں شریک ہونا ایک ضروری امر تھا
 اور ہاجرین ہند کو جنگ پیکار سے بے سروکاری رہا کی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ہندی طالبان
 رزق کی ہجرت کوئی مذہبی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ بالخصوص اس جنگ بدر میں حضرت عین نے کسیکو
 ایک خط لکھا اور نہ اپنے اور پر ایک خط لکھ دیا۔ نہیں معلوم کہ ایسی شرکت جہاد کا کیا مطلب ہے۔

اے سنی سید بھائیو۔ شرکت جہاد اس کو کہتے ہیں کہ کفار بدر سے منجملہ شہر مقتول کے ۳۶ نفر دست خاص سے جناب ولایت مآب کے فی النارتھو، اور بقیہ مقتولین کا زیادہ حصہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے طعمہٴ دوزخ ہوا۔ پھر ابو عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب نے بھی پوری ہاشمیت کی داد دی اور انصار بھی لڑے اور کام آئے واضح ہو کہ اس جنگ بدر ہی پر کیا موت ہے۔ ہر غزوہ میں مہاجرین کا یہی حال رہا کہ قرار پر فرار کو مرجع ٹھہرا خاص کر حضرات خلفائے ثلاثہ جو شرمناک طور پر رسول اللہؐ کو زندقہ اعدائین چھوڑ کر بھاگ نکلائے۔ اے سنی سید بھائیو آپ ہی جانیں کہ آپ کے فرارین پیشواؤں کا یہ کیسا ایمان تھا جو ان سے ایسے نفرت انگیز افعال ظہور میں آئے تھے۔ اب حضرات با انصاف جنگ اُحد کے معاملات پر نظر ڈالیں اور بزدلون کی بزدلیوں پر لاجول پڑھیں۔ جنگ اُحد کی یہ سرگزشت ہے کہ جنگ بدر کی شکست کا معاوضہ لینے کو کفار قریش دوسرے سال بڑی تیاری کے ساتھ کود اُحد کے دامن میں رسول اللہؐ سے گرم پکا رہوے۔ پورا قصہ اس جنگ کا راقم مصباح الظلمین حوالہ قلم کر چکا ہے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کو فتح کی صورت پیدا ہوئی۔ مگر مسلمانوں کی فوجی غلطی سے بھاگے ہوئے کفار کہہ چکے مسلمانوں کے مقابلہ کو ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں پر بڑا وقت آ پڑا۔ اکابر مہاجرین یعنی حضرات ثلاثہ ایسے بھاگ مٹھے کہ نشان بھی نہیں ملا کہ کدھر غائب ہو گئے۔ آپ حضرات کا فرار ستر درجہ حاکم دوقرۃ الثمنین شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی و تفسیر دینشور و تفسیر ابن جریر و تفسیر کبیر و تاریخ کامل ابن اثیر جزیری و مدارج النبوة سے ثابت ہے اس پر بھی مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی مولوی شیخ احمد صاحب عثمانی مرحوم کے سوال یا زہم کے جواب میں (دیکھو کتاب سیف مسلول صفحہ ۱۳۷) لکھتے ہیں کہ ”حضرت علیؓ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے اور نہ حضرت ابوبکرؓ اور نہ حضرت عمرؓ۔ چہ دلا و درست وزوے کہ بکف چراغ دارد۔ راقم کہتا ہے کہ اس سے زیادہ جھوٹ کیا کوئی مولوی یا کوئی نبی آدم ہل سکتا ہے یہ تو ہر طرح پر ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کسی غزوہ سے کبھی نہیں فرار ہوئے اور ظاہر ہے کہ خیر خدا ہو کر آپؐ کب فرار اختیار کر سکتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر غزوہ میں تیغ علیؓ نے اسلام کو تباہی و بربادی سے بچا رکھا۔ مگر حضرت شیخین کا فرار و فرار تو غزوہ اُحد و غزوہ خندق و غزوہ خیبر و غزوہ حنین سے ثابت و در ثابت ہے۔ غزوہ خندق میں حکم رسول اللہؐ کے خلاف حضرت عمرؓ وغیرہ کا عمر و عبد و کے مقابلہ سے دو ٹوک انکار فرما ہی کے برابر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی عدم کارگزاری اس صورت سے کہ نہیں معلوم کہ آپؐ بروز ہنگامہ خندق کہاں جا چھپے تھے یا کیا کر رہے تھے حکم فرار کا کھتی ہے کم سے کم یہ دونوں باتیں آپؐ دونوں حضرات کی جان چڑانے کی حیثیت رکھتی ہیں اس بار بار کے فرار کے بعد بھی مولوی محمد قاسم صاحب کا یہ تحریر نہ مانا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کسی غزوہ سے فرار نہیں ہوئے

عجب طرح کی مولیت کا تماشا دکھلاتا ہے۔ واہ مولوی قاسم صاحب دیوبندی کیا مستدرک عالم اور قورعینین شاہ دلی اللہ صاحب مین حضرت عائشہ کی یہ روایت درج نہیں ہے؟ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ بروز احد جب لوگ حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر متفرق ہو گئے (راقم کتاب ہے کہ صاف صاف فرمائیے کہ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ نکلے) تو ان میں سے اولین رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آیا (راقم کتاب ہے کہ این کا ما ز تو آید و مردان چنین کنند) اور میری نگاہ دور سے آنحضرتؐ پر پڑی (راقم کتاب ہے کہ کیا کہنا ہے ساری دنیا کے بے غیرت اس نگاہ کے قربان) واقعی نہایت جائے تعجب ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو غیرت نے کیونکر چھوڑ کر حضرت رسولؐ کا سامنا کرنے دیا۔ کیونکہ جناب مولوی محمد قاسم صاحب میرا لگان تو یہ ہے اگر آپ بھی فرامین اُحد سے ہوتے تو آپ حضرت ابو بکرؓ سے بھی پہلے بے بھیب حضرت رسولؐ کے حضور میں حاضر ہو جاتے۔ آپ حضرات کا کیا کہنا ہے۔ ششم چہ کتی ست کہ پیش مردان بیاید۔ اب حضرت عمرؓ کی طرف حضرات ناظرین توجہ فرمائیں کہ تفسیر درمنثور و تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب جنگ احد میں کافرون نے مسلمانوں کو شکست دی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا (راقم دریافت کرنا چاہتا ہے کہ ہندی میں یہ قول جو معروف عام ہے کہ چنگے چند و چٹھے پہاڑ اس شل سے اس طرح کا صوبل سے کس قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ شل پہاڑی بکرے کے کودنا پھرتا تھا۔ افسوس اس وقت مولوی محمد قاسم صاحب موجود نہ تھے اگر ہوتے تو آپ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ کود لگاتے جن لوگوں کو کوہ ہمالیہ وغیرہ کی طرف ٹھکار کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ پہاڑی بکرے کن زوروں کے ساتھ پہاڑوں پر بھاگتے ہیں اور کود لگاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی یہ تشبیہ تشبیہ تامہ کا حکم کھنی ہے۔ حق یہ ہے کہ شکاریوں کے سوا اور کوئی اس تشبیہ کا قدر دان نہیں ہو سکتا۔ واہ واہ کیا کہنا ہے۔ خیر آخر میں مولوی محمد قاسم صاحب حضرت شیخین کے انکار فرار کے بعد حضرت عثمان کے فرار کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں لشکر ظفر پیکر جا بجا معرکہ آرا تھا۔ بہ امداد خداوندی و برکت نبوی صلعم آثار فتح نمایان ہوئے۔ مشرکین بھاگے۔ اہل ایمان نے (جو مولوی محمد قاسم صاحب کی ترکیب کے تھے) غنیمت پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ مشرکین نے کمین گاہ سے نکل کر پشت پر حمل کیا اور شیطان نے باؤں بلند الا ان محمد صلعم قتل کہہ سنایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم مارے گئے۔ بیان پر راقم کو یہ شعر یاد آ گیا ہے جو حوالہ قلم ہوتا ہے۔ کیونکہ مہنسی آئے نہ فعل حضرت انسان پر کار شیطان خود کرین لعنت کرین شیطان پر۔ خیر اس کے بعد جناب مولوی صاحب مدوح فرماتے ہیں کہ اُدھر تو سر پر وہ بلاے ناگمانی اور صدمہ جانی اس میتابی میں معرکہ آرائی بے حاصل نظر آئی (معرکہ آرائی کا بے حاصل نظر آنا کیا خوب آپ نے

جناب مولوی صاحب فرمایا۔ اسے جناب ایسی ہی حالت میں تو معرکہ آرائی کو اور بھی فروغ اور زور دینا تھا مگر کیا کیا جاتا۔ آپ کے اکابر اور اصاغر ماجرین کو معرکہ آرائی کا مادہ تو نصیب ہی نہ تھا۔ سب کے سب تو ضعف ایمان کے باعث ترسندہ جان ہو رہے تھے سب کو تو یہی فکر لگی ہوئی تھی کہ گھر بیٹھے ہوئے چین سے اوقات کاٹیں۔ یہ کم حوصلہ ماجرین اگر کہ میں جان جاتے کہ معرکہ بدر احد خندق خیبر وحنین وغیرہ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں پیش آئیں گے تو ہجرت کا خواب بھی نہیں دیکھتے۔ یہ تارکانِ وطن نہ حضرت رسول کی محبت اور نہ اعانتِ دینِ خدا کی نظر سے مدینہ آئے تھے۔ اگر خدا اور رسول کے لیے ہجرت کی ہوتی تو غزوات حضرت رسولؐ سے نہ بار بار کافرِ اختیار کرتے اور نہ ہمدانی سبیلِ اشد سے جان چڑاتے اس کے بعد مولوی صاحب یہ مصرعہ جو اہل قلم فرماتے ہیں جس کے ہم عاشق ہوئے تھے اب وہ جانان ہی نہیں۔ راقم اس مصرع پر یہ مصرع لگا تا ہے ”چھوڑ کر کوچہ کو اُس کے کیوں نہ بھاگوں اپنے گھر“ لاحول ثم لاحول۔ نہ وہ کوئی مصرع ہے اور نہ یہ کوئی مصرع ہے البتہ راقم کے مصرع میں فرار کا مضمون اچھا ہے۔ عجب کیا غلامانِ فرارین کو بھلا لگے اس کے بعد جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس غم میں خادمانِ دورِ افتادہ کا پائون اُکھڑ گیا اور نہ اُکھڑتا تو ان کی محبت پر اور ان کی جان بازی پر تفت تھا۔ اگر وہاں ہی جے رہتے تو ہم جانتے اُن کو صدمہ ہی نہ تھا غرض وہ ایمان دار تھے ایمانداروں کو یہ صدمہ ہونا چاہیے جیسا کہ اُن کو ہوا پر بے ایمانوں کو محبت کی کیا قدر محبت نبوی ہوئی ہو تو جانیں۔ بہر حال جو لوگ دیدارِ مبارک سے مشرف تھے جیسے حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرانؓ کے دل ٹھکانے تھے اور جو لوگ دور کے مورچوں پر تھے اس خبر ہو شراب سے بیہوش ہو کر افتان خیزانِ مدینہ کی طرف روا نہ ہوئے اُن میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے (راقم کہتا ہے کہ اگر ان میں مولوی محمد قاسم صاحب بھی ہوتے تو میدانِ احد سے دیوبند روانہ ہو جاتے حضرت رسولؐ کی محبت میں گھر بھاگ جانے کے سوا اور چارہ ہی کیا رہتا) جناب مولوی صاحب کی قلم فرسائی بالاسے عیان ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی محبت میں مدوح پر عالم پوکھلا ہٹ کا پیدا ہو گیا ہے ایک پڑھا لکھا عالم شخص اور اس طرح کی ہدیانِ سلطانی لاحول ثم لاحول۔ یہ کوئی تقریر ہے کہ جس سے سامع پر یہ فرمایش کی جائے کہ سمجھو کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی فرارینِ میدانِ احد سے مدینہ کو حضرت رسولؐ کے عشق میں فرار کر گئے تھے۔ ابوسلیمؓ کذاب کی سات پشت میں سے کوئی ایسا جھوٹ ایجاد نہ کر سکا ہوگا۔ راقم پوچھتا ہے کہ جنگِ حنین میں حضرت عثمانؓ جو میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے تو کس کے عشق میں بھاگ نکلے اس جنگ میں تو نہ شیطان نے اور نہ حضرت ابو بکرؓ نے کوئی صدا قد قتلِ محمدؐ کی بلند کی تھی مجلسِ طرح کے فرار کا سبب کیا ہوا۔ جناب مولوی صاحب خدا کو مانئے۔ حق کو حق اور ناحق کو ناحق جانئے۔ آپ کے خداے ثلاثہ کمالِ بزدلی سے

عادت فرار کے ہمیشہ پابند رہے آپ کہاں تک اُن بزرگوار کے لیے رفوگری کیا کیجیے گا۔ خداے تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ترکیب کے عالموں کو حق گوئی اور حق جوئی کی توفیق عطا فرمائے۔ بہر حال جناب مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر بالاکئی تردید مولوی شیخ احمد صاحب عثمانی مرحوم نے اس طور پر کی ہے فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب (مولوی قاسم صاحب) ذرا اپنے دل میں تو شرماء کو عاشق لوگ جب مشوق کا مارا جانا سنتے ہیں تو کیا گھر کو بھاگ جایا کرتے ہیں بیہوشی میں کیا مدینہ ہی کا راستہ یاد آیا۔ اے سنی سید بھائیو۔ خدا رکھو کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے کیا پھر توجیہ حضرت عثمان اور حضرت عثمان کے شرکاء سے فرار کی طرف سے حوالہ قلم کی ہے۔ حق یہ ہے کہ موصوف نے بڑی مولویت کی داد دی ہے۔ واقعی امر یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان کو حضرت رسولؐ سے خس برابر بھی محبت ہوتی تو جوش محبت میں مدینہ بھاگ جانے کے بعض کفار قریش پر پڑ پڑتے اور اپنی جان کو رسول اللہ اور دین رسول اللہ پر قربان کر ڈالتے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بروایت حاکم یہ قول حضرت علیؓ مرتضیٰ کا لکھا ہے کہ جب آیت فانی مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم نازل ہوئی تو حضرت علیؓ نہ مارے تھے کہ واللہ میں کبھی امداد قبول نہ کرتا۔ اگر رسول اللہ شہید ہو جاتے تو میں تنہا اس قدر قتال کرتا کہ میں مارا جاتا اور میں ایسا کیونکر نہ کرتا اس لیے کہ میں اُن کا بھائی ہوں ولی ہوں ابن عم ہوں اور وارث علم اُن کا ہوں حق یہ ہے کہ محبت اسکو کہتے ہیں۔ جو شش محبت میں مورچہ چھوڑ کے مدینہ کو بھاگ جانا چہ معنی دارد۔ اگر مولوی محمد قاسم صاحب راستی پر ورہوتے یا معمولی فہم بھی بے نقصبی کے ساتھ رکھتے تو حضرت عثمان کے شرمناک فرار کو اس بے ربطی کے ساتھ رسول اللہ کی محبت پر محمول نہ کرتے۔ حضرت عثمان اور حضرت عثمان کے شرکاء فرار کی نسبت مولوی محمد قاسم صاحب کا یہ لکھنا کہ بے ایمانوں کو محبت کی کیا قدر ہے اس کی تردید میں مولوی احمد صاحب مرحوم حوالہ قلم فرماتے ہیں کہ ”اس سے معلوم ہوا کہ آپ خدا کے قول کی بھی مخالفت کرتے ہیں ذرا اس آیت کو تو ملاحظہ فرماؤ جس میں صاف طور سے فرارین کی مفروزی گناہ قرار دی گئی ہے یہ فقہ آپ کا نعوذ باللہ خدا کی نسبت ہوا اور اس کا صاف مفہوم یہ ہوا کہ ہم محبت نبوی کے قدر شناس ہیں اور خدا کو قدر شناسی نہیں آئی اور ہم اس مفروزی کو عین نقصان ایمان سمجھتے ہیں اور خدا نے جو اُس کو گناہ سمجھا ہے یہ خدا کی خطا ہے۔ اب دیکھیے آپ سب سے بڑھ کر بے ایمان ہو گئے اور کفر کا اطلاق صاف طور پر آپ کے اوپر عاید ہوا اور خداے تعالیٰ کی شان میں آپ نے وہ کلمہ لکھا کہ کافر بھی اُس سے احتراز کرتے ہیں۔ اے سنی سید بھائیو۔ آپ کے رہبر راہی ہم مذہب اور ہم خیال مولوی محمد قاسم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کی محبت میں حضرت عثمان جنگ احد کا مورچہ چھوڑ کر

قول حضرت علیؓ علیہ السلام اس کی نسبت کہ اگر حضرت رسولؐ شہید ہو جاتے تو میں تنہا اس قدر قتال کرتا کہ میں مارا جاتا اور میں ایسا کیونکر نہ کرتا

افسان خیزان مدینہ کو جانگلے۔ اب آپ یہ تو بتائیے کہ مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان نے حضرت رسولؐ کی محبت کا کام کیا کیا۔ اگر آپ کو لاعلمی لاحق ہے تو ہم آپ کو بتلا دیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان نے ابوسفیان صاحب سے ابی بن کعب کے ذریعہ سے اپنی خطامعات کرائی۔ خدا را اسے محبان حضرت عثمان یہ تو بتائیے کہ میدان جنگ سے تو حضرت عثمان حضرت رسولؐ کی محبت کے جوش میں مدینہ بھاگ آئے تھے۔ مدینہ پہنچ کر یہ کیسا جوش بالا ہے جوش ہوا کہ ابوسفیان صاحب سے خطا کی معافی کے خواستگار ہو گئے۔ واہ مولوی محمد قاسم صاحب واہ۔ کیا آپ کی صدق مقالی ہے۔ آپ بھی حضرت رسولؐ کے عاشق حضرت عثمان ہی کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کو حاجیت اور ماصیبت نے بوکھلا ڈالا ہے۔ پوری کتاب سیف مسلول میں موصوف کی اسی طرح کی بدحواسانہ باتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اب حضرت شیخین کے فرار کی نسبت راقم عرض حال کرتا ہے۔ واضح ہو کہ آپ دونوں بزرگوار میدان جنگ سے بدحواس بھاگ نکلے۔ جب جائے محفوظ میں آپ دونوں صاحبوں نے قرار لیا تو آپ صاحبوں کو خبر پہنچی کہ حضرت رسولؐ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے یہ صدا بلند کی کہ تحقیق محمد صاحب مارے گئے۔ اب اے قوم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ ایک تو میدان جنگ سے فرار اس پر سے ایسی صدا اے مردانہ کا بلند کرنا یہ کیسی مسلمانی کہی جاسکتی ہے۔ مرتد ہو جانے کے واسطے فرار ہی کیا کم جرم خداوندی تھا اُس پر سے ایسی ہولناک صدا اے کفر گزین۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ مولوی محمد قاسم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان نے قد قتل محمدؐ کی صدا بلند کی تھی۔ شیطان سے ایسی حرکت بعید از توقع نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ اُس لعین نے بھگوڑے ہماجرین کو ایسی صدادی ہو کر حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہ لکڑ بچا کرنا کہ یہ تحقیق محمدؐ مارے گئے اس اضافہ کے ساتھ کہ اے قوم اب تم لوگ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ کتابوں سے ثابت ہے۔ مگر راقم کو اس کی تحقیق نہیں ہے کہ شیطان کی صدا کو سن کر حضرت ابوبکرؓ نے یہ صدا بلند کی یا آزادانہ طور پر اپنی دوراندیشی اور مصلحت مینی سے۔ بشرط ایسا ہی ہوتا ہے کہ شیطان مورد لعن قرار دیا جاتا ہے اور بجا مورد لعن قرار دیا جاتا ہے۔ مگر نبی آدم میں بھی بہت ایسے لوگ گزرے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں کہ اُن کو اپنی بد اخالی میں شیطان سے کسی طرح کی مدد لینے کی حاجت نہ ہوتی تھی اور نہ ہوتی ہے۔ بہر حال صدا اے بالاکے بلند کرنے پر ایک طرہ یہ ہوا کہ حضرت شیخین بروایت صحیحہ میدان احد سے مفرور ہو کر ابوسفیان صاحب کے پاس لجا جت اور سماجت کرنے کو گئے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ راقم عرض کر چکا ہے کہ حضرت عثمان نے بھی اس طرح کی کارروائی اختیار کی تھی۔ اب اہل انصاف اس کا فیصلہ فرما دیں کہ حضرت انصاف

انکی ترکیب کے بزرگوار مسلمان کہے جانے کا کوئی حق رکھتے ہیں یا نہیں۔ رسول اللہ کے خلیفہ یا جانشین ہونے کا دعویٰ تو خارج از بحث ہے۔ اسے سنی سید بھائیو۔ خدا را آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آپ حضرات کس عالم میں جا پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا حافظ ہے۔ کہاں بنی ہاشمیت اور کہاں یہ ہبوط در قعر جاہلیت۔ سنی سید بھائیو۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فرار سے حضرت ابوبکر یا حضرت ثلثہ ناقابل خلافت نہیں سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس لیے کہ بغیر ایسا تھا کہ حضرت یونس نبی سے بھی سرزد ہوا تھا۔ راقم کہتا ہے کہ ہاے مولویت ہاے مولویت۔ خلفائے ثلاثہ کا فرار در فرار تو ایسا ہی تھا کہ جس پر پوری نظر ڈالنے سے بین طور پر عیان ہوتا ہے کہ حضرات ثلاثہ کبھی مسلمان ہوئے ہی نہ تھے۔ ان بزرگوار کے فرار کہے دیتے ہیں کہ ایسے فرار صرف منافقین سے ظہور میں آسکتے ہیں ہرگز ہرگز مسلمان ایسے فرار کا مرتکب ہو سکتا۔ جنگ احد ہی کو لیجئے حضرت ابوبکر میدان احد سے بھاگتے ہیں۔ ہاے کبخی بھاگتے ہیں حضرت رسول کو زفرہ اعدائے صلب میں چھوڑ کر صرف بھاگتے نہیں ہیں۔ جاے محفوظ میں پہونچکر اور ہم صداے شیطان ہو کر پکار اٹھتے ہیں کہ محمد صاحب قتل ہو گئے۔ پھر اسی پکار پر فطاعت نہیں کرتے ہیں شیطان کی پکار پر اپنی طرف سے اتنا اور بھی افزود کر دیتے ہیں کہ اسے قوم اب تم لوگ اپنے اپنے آبائی دین یعنی دین جاہلیت پر لوٹ جاؤ اہل فہم کو اس افزائش سے متعجب نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ بخاری نے معقل بن یسار سے روایت کی ہے کہ میرے سامنے حضرت رسول صلعم نے حضرت ابوبکر کو فرمایا کہ اے ابوبکر تم میں شرک چھوٹی کی پال سے بھی زیادہ خفی موجود ہے۔ حضرت حدیفہؓ سے بھی اسی مضمون کی روایت مروی دیکھی جاتی ہے پس اس موجودگی کے ساتھ حضرت ابوبکر کا افزائش بالا کے ساتھ پکا اٹھنا خلافت توقع نہ تھا۔ موجودگی شرک کے ساتھ ایسی افزائش قرین فطرت تھی۔ بہر حال پھر بھاگ کر جب آپ مدینے پہونچتے ہیں قباؤ بنیان کی غمت میں حاضر ہو کر معافی خطا کے خواستگار ہوتے ہیں۔ لاجل ثم لاجل۔ یہ فرما ہے۔ نفوذ بانٹن سخت طرح کا ارتداد ہے۔ کوئی مسلمان سلسلہ دار اس طرح کے مرتدادہ افعال کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ ان افعال کے ارتکاب کے بعد بھی حضرت ابوبکر حضرت رسول کے خلیفہ بلا فصل مانے جاتے ہیں نفوذ ثم نفوذ۔ واہ جناب مولوی محمد قاسم صاحب۔ آپ کو مولوی احمد صاحب نے بالکل بوکھلا دیا ہے جو کچھ آپ کے گھبرائے ہوئے ذہن شریف میں آجاتا ہے اُسے آب اُگل دیتے ہیں۔ جناب مولوی صاحب انصاف شرط ہے۔ فرمائیے تو فرما کہ کسی شریف سے وقوع میں آسکتا ہے۔ شریف مرجائے گا مگر میدان سے اس طرح نہیں نکل بھاگے گا جس طرح پر آپ کے حضرات ثلاثہ نکل بھاگا کرتے تھے

اور وہ بھی کیسا میدان کہ جس میں حضرت رسالتکتاب صلعم بہ نفس نفیس مشرک رہا کرتے تھے۔ پھر منکل بھاگتا ہی نہیں۔ اسے جناب مولانا حضرت رسول کی جان عزیز کو نزعہ اعدا میں چھوڑ کر نکل بھاگتا اپنی اپنی ناپاک جانوں کو بچانے کی نظر سے۔ لاحول ثم لاحول۔ اس طرح کے ترسندہ جان اور حضرت رسول کے بدخواہ کبھی عقلاً یا نقلاً حضرت رسول کے قابل خلافت مانے جاسکتے ہیں۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب آپ کو فرار ایک ہلکا سا امر نظر آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ہشتاپشت سے فرار میں غزوات خدا و رسول کے پیرو رہے ہیں۔ آپ کو مسادات ہو گئی ہے آپ کیونکر فرار کو ایکٹے لٹاک شرمناک غیر شریفانہ مرتدانہ ردیالانہ منافقانہ اور وحشتناک امر سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کو کمرست کا احساس باقی نہیں رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ جو کیرے بول و براز میں رہتے ہیں انھیں بول و براز کی بدبو مطبق محسوس نہیں ہوتی ہے۔ آپ بچپن سے حضرت عثمان حضرت معاویہ حضرت یزید حضرت مردان کو خلیفہ رسول اللہ سمجھتے آئے۔ کاش اگر آپ ان حضرات کی حقیقت پر اپنے کو اطلاعیاب ہونے دیتے تو آپ ان حضرات کو خلیفہ رسول اللہ تو درکنار معمولی نبی آدم بھی نہیں شمار کرتے فرار اور وہ بھی حضرات ثلاثہ کا فرار کیا یہ کوئی ایسا امر ہے کہ کبھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہو ہرگز نہیں۔ فی الجبہ عار و فی الاقبال مکرمہ۔ والمرء بالجبن لا یخون القدی۔ خلافت رسول اللہ کے لیے کمرست کی بڑی ضرورت ہے جو کمرست سے خالی ہے حضرت رسول کا خلیفہ برحق نہیں ہو سکتا۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت یونس کے معاملہ کو حضرات ثلاثہ کے بار بار فرار سے کسی طرح کی مجانست یا مشابہت ہے حقیقت حال تو یہ نظر آتی ہے کہ کہاں حضرت ثلاثہ کا بار بار کا فرار اور کہاں حضرت یونس کا قوم کو قوم کی بد اطوری کی بنا بچھوڑ کر ساحلی مقام کی طرف چلا جانا۔ کیوں جناب مولوی صاحب کیا حضرت یونس کسی خدائی غزوہ سے حضرات ثلاثہ کی طرح فرار ہوئے تھے، حضرت یونس کی سرگزشت تو اسی قدر ہے کہ جس قوم میں آپ نبوت ہوئے تھے وہ قوم کسی طرح پر اپنی بدکرداری سے باز نہیں آتی تھی۔ حضرت یونس انھیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔ آخر صبر کی تاب نہ لاسکے قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ البتہ یہ فعل حضرت یونس کا خدا تعالیٰ کا پسند نہیں آیا۔ اس فعل کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا مگر مچھلی کے پیٹ میں آپ کی محافظت فرماتا رہا حتیٰ کہ آپ پھر مچھلی کے پیٹ سے باہر آ سکے۔ افسوس ہے کہ بوکھلاہٹ کی حالت میں مولوی محمد قاسم صاحب کو حضرات ثلاثہ کے غزوات الہی سے بار بار کا فرار اور حضرت یونس کے کسی طرف چلے جانے کا معاملہ ایک معلوم ہوا۔ سنی سید بھائیو۔ قوم کی بدترکبی اور ناہنجاری ایسی ہی ہوتی تھی کہ انبیاء ان سے عاجز آ جاتے تھے۔ چند بار حضرت موسیٰ نے

عاجز اگر درگاہ جناب باری میں یہ عرض کیا تھا کہ یہ قوم میری مجھ سے سلجھتی نہیں نظر آتی ہے۔ اسے خدا تو اور کسی نبی کو ان پر مبعوث کر مجھے میری قوم سے بے سروکار کر دے۔ جب حضرت موسیٰ جیسے نبی الہامی پر قوم کے ہاتھ سے ایسی حالت گزری ہے تو حضرت یونسؑ کا قوم کو چھوڑ کر کسی طرف چلا جانا کوئی حیرت انگیز امر نظر نہیں آتا ہے۔ دور کیوں جائے خود ہمارے سرور کائنات صلعم مکہ سے مدینہ اہل مکہ کی بکر دار ہی سے عاجز ہو کر چلے آئے۔ کیا یہ رحلت یا ہجرت خلفائے ثلاثہ کے بار بار کے فرار سے کسی طرح کی مناسبت رکھتی ہے خدا را عزوات خدا سے فرار اور چیز ہے۔ کیون جناب مولوی محمد قاسم صاحب برائے تکرہ آیا کبھی حضرت رسولؐ کسی غزوہ خدا سے مفروز ہوئے یا نہیں۔ ایسا اگر کرتے تو آپ کی نبوت میں پورے طور پر ہٹا لگ جاتا جیسا کہ بار بار کے فرار سے حضرات ثلاثہ کے اسلام اور ایمان میں پورے طور پر ہٹا لگا ہوا نظر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ جناب مولوی صاحب آپ عزوات رسول اللہ سے فرار کو کوئی قابل توجہ امر نہیں سمجھتے ہیں۔ آپ اس کوئی ایسا اہم امر نہیں سمجھتے ہیں کہ جس سے کوئی فرار ناقابل خلافت قرار دیا جاسکے۔ حالانکہ حضرات ثلاثہ کے بار بار کے فرار امداد و کفر سے دوش بدوش نظر آتے ہیں عقل یا دہن نہیں کرتی ہے کہ ایسے ہمارے نبی اور امام امم کا جیسے کہ حضرت رسولؐ تھے برحق جانشین ایسا ہو کہ بار بار کے داغ فرار سے پاک نہ ہو۔ بزدلی کا عیب ایسا ہی ہے کہ انبیاء و صلحاء و اولیاء اور انبیاء کے خلفاء کو اس سے بری ہونا ضرور ہے۔ فرار و فرار اور حضرت محمدؐ جیسے نبی اکمل العزم کا جانشین کچھ عجیب مضمون ہے۔ کوئی بزدل حضرت رسولؐ کا برحق جانشین نہیں ہو سکتا۔ ایسے نبی کی جانشینی کے لیے کرا غیر فرار کی حاجت ہے۔ لافقی الاعلیٰ لا سیف الا ذوالفقار۔ شاہ مردان شیریزدان قوت پروردگار آخر میں راقم چند محلے حضرت علیؑ کے معاملات جنگ احد کی نسبت عرض کرتا ہے جس سے کسی درجہ تک حضرت علیؑ اور حضرات خلفائے ثلاثہ کے اسلام و ایمان کا فرق سمجھ میں آسکتا ہے۔ واضح ہو کہ جب فرار میں احزاب میں حضرات ثلاثہ داخل ہیں حضرت رسولؐ کو نزعہ اعدا میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضرت رسولؐ پر نہایت سخت وقت آپڑا۔ حضرت رسولؐ نزعہ اعدا میں گھر گئے اور شدید طور پر زخمی بھی ہوئے۔ اس وقت حضرت رسولؐ کی نظر حضرت علیؑ پر پڑی جو آپ کے پہلو مبارک پر کھڑے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ بھاگ گئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ ایمان کی دولت حاصل کرنے کے بعد کافر ہو جاؤں۔ میں تو حضورؐ کا فرمانبردار ہوں۔ مجھ کو یارانِ مفردین سے کیا سروکار۔ اس اثنا دین پیسر صاحب کی جانب کفار کی ایک جماعت نے رخ کیا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ یہ وقت نصرت کا ہے۔ اگر اس گروہ کے شر سے مجھ کو بچا کر حق خدمت ادا کرو

یہ سنتے ہی حضرت علیؑ نے مشرکین کی جماعت کثیرہ کو داخل جہنم کیا اور باقی ماندہ تتر بتر ہو گئے (دیکھو مدارج النبوة محدث دہلوی) راقم کتاب ہے کہ حضرت علیؑ کے قول بلا سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرت رسولؐ کے غزوہ سے فرار کو کفر سمجھتے تھے اور امر واقعہ میں عند القتل یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا کو زغہ اعدا میں چھوڑ کر اپنی ناپاک جان کو فرار کے ذریعہ بچانا کفر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس غزوہ احد کی ساری کارروائیاں کتب سیر میں مندرج ہیں۔ اس غزوہ میں حضرت علیؑ کی بڑی بڑی کارروائیوں کو دیکھ کر حضرت جبریلؑ نے آن صلعم سے عرض کیا کہ دیکھیے ہمدردی یہ ہے رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبریلؑ نے کہا اور میں تم دونوں سے ہوں۔ ناگاہ کو گون نے یہ آواز غیب سے سنی کہ لا سیف الا ذوالفقار ولا فقی الا علی۔ صاحب مدارج النبوة یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مروی ہے کہ اُس دن حضرت علیؑ کے بدن پر سولہ زخم لگے جس میں چار زخم ایسے کاری تھے کہ ہر زخم کے پہونچنے پر وہ گھوڑے سے زمین پر گرے اور چند جبریل علیہ السلام نے اُن کو زمین سے اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا اور کہا کہ اے علیؑ خوب جنگ کرو۔ خدا و رسول تم سے راضی ہیں۔ بعدہ جبریلؑ نے حضرت علیؑ کی جانفشانی کا حال پیئر صاحب کے حضور میں عرض کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ کیون نہ جانفشانی کرے کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔ جبریلؑ نے کہا کہ میں آپ دونوں سے ہوں۔ صاحب مدارج النبوة یہ بھی لکھتے ہیں کہ یقیناً قصہ علیاؑ مظهر العجائب کے وقوع کا بھی اسی محرک بن ہوا ہے۔ کیون جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور آپ کے ہم مذہب علما۔ فرمائیے رسول اللہ اور دین خدا کی محبت اس کو کہتے ہیں۔ محبت اس کو نہیں کہہ سکتے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت سواش کو زغہ اعدا میں چھوڑ کر صرف مدینہ ہی نہیں بھاگ نکلے بلکہ خطا بخشی اور جان بخشی کے خواستگار ابوسفیان سے ہو گئے۔ یا کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی سنت فرار اختیار کر کے کوہ احد کی چٹانوں پر بڑھ کر ہی کی طرح کود لگانے لگے۔ یا کہ حضرت عثمانؓ رسول اللہؐ کے جوش محبت میں میدان احد سے نکلے تو مدینہ ہی جا کر ٹھہرے اور مدینہ میں ابی بن کعب کے ذریعہ سے ابوسفیان سے خطا بخشی کے خواستگار ہو گئے۔ لاجل ولا قوۃ معذرت بہ تراذگناہ۔ حضرات ناظرین۔ جب علیؑ مرتضیٰ ایسے تھے تب تو رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تمام اعمال نیک خلقت خدا کے علیؑ کی روز احد کی خدمت کے ساتھ موازنہ کیے جائیں تو علیؑ کی خدمت کا پلہ گران ٹھہرے گا۔ حقیقت ہے اُن حضرات پر جو ایسے ایسے اقوال رسول اللہؐ کی طرف توجہ کرنے والے نہیں ہیں۔ نہیں معلوم کہ ایسے حضرات کس طرح کے مسلمان ہیں۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حضرات حضرات خلفائے ثلاثہ کی طرح کے مسلمان ہیں۔

ایسے مسلمانوں نے صرف محبت حضرات ثلاثہ کو ایمان سمجھ لیا ہے اور افراط محبت میں نہ علی کا مرتبہ
 ان کی سمجھ میں آتا ہے اور نہ وہ خدا و رسول کے ارشادات کی طرف توجہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ واضح ہو
 کہ جب حسب مودہ رسول مقبول علیؑ کی صورت روزِ احد کی خدمت کا پلہ ایسا گراں ٹھہرا تو حضرت ثلاثہ کے
 اعمال نیک کا موازنہ حضرت علیؑ کے اعمال کے ساتھ خارج از موازنہ تصور ہے مگر مولوی محمد قاسم صاحب
 کو غلبہٴ خارجیت و ناصیت کی وجہ سے حضرات ثلاثہ ہی کا پلہ گراں نظر آتا تھا تب تو اس قدر خرافات
 جیسا کہ سیف سلول میں دیکھا جاتا ہے حوالہ قلم کر گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارباب تثلیث بقصد
 فضائل مرتضوی سے اپنی آنکھیں بند کئے رکھتے ہیں اب حضرات ناظرین ذیل کے غزوات رسولؐ پر
 اپنی توجہ مبذول فرمادیں ان غزوات میں حضرت ثلاثہ کیا کیا جہادی جانفشانیان عمل میں لائے گئے یہی ہیں
 غزوہٴ احد کے بعد چند غزوات و سرایا پے در پے ظہور میں آتے گئے ان غزوات و سرایا میں بھی علی دین خدا
 کی خدمت بجالاتے رہے غزوہٴ بنی النضیر میں تو علیؑ کی تلوار نے وہ کام کیا جو علیؑ ہی کی تلوار کام کر سکتی تھی
 اس غزوہ کا ذکر اتم اس کے موقع پر کر چکا ہے۔ اب غزوہٴ خندق کے معاملات پر نظر کی ضرورت ہے
 اس غزوہ کے حالات سے پورے طور پر مطلع ہونے کے لیے طالبانِ اطلاع تاریخ خمیس و تاریخ کامل
 و تاریخ الرسل و الملوک و تاریخ طبری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اس جنگ میں ایک
 دیوبکر عمر عبد و کفار قریش کے ساتھ اہل اسلام سے لڑنے کو آیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اپنے لشکرِ والوں سے
 اس کا سامنا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ہر شخص پر عمر عبد و کا حال روشن تھا ہر شخص نے اس سے مقابلہ
 کرنے میں انکار کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر حضرت رسولؐ نے حقیقت حال دریافت فرمائی تو حضرت عمرؓ نے
 یہ عرض کیا کہ عمر ابن عبد و دایسا ہے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ میں ہم اور یہ شخص شام کی طرف جلتے تھے
 ناگهان ایک ہزار قزاق نے آکر قافلہ کو گھیر لیا اور قافلہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہ شخص قزاقوں
 پر ٹوٹ پڑا اور سب کو ایک دم میں فنا کر دیا۔ یہی باعث ہے کہ آج اس کے مقابلہ کو ہم میں سے کوئی
 بھی آمادہ نہیں ہوتا ہے۔ (دیکھو معراج النبوة چھاپہ لکھنؤ ۱۵۸۔ اور روضۃ الصفا جلد ۲
 صفحہ ۱۰۱) حضرت رسولؐ نے تب حضرت علیؑ کو جنگ کی اجازت بخشی۔ شاہ مردان تو اسی کے منتظر تھے
 بلکہ اس کے پہلے ہی سے حضرت رسولؐ کی فرمائش کے بغیر آمادہٴ جنگ ہو چکے تھے۔ اس دیونا پاک کا
 فوراً مقابلہ فرمایا۔ وہ کافر بڑا ہی عظیم پیکر قوی سیکل اور نبرد آزما تھا دیر تک خیر خدا کا سامنا کرتا رہا مگر
 آخر کار ضربت حیدری سے فی النار و السقر ہوا۔ اس دیوزاد کے مارے جانے کے بعد اور بھی کچھ خطرہ
 لشکر کفار کو شاہ مردان نے داخل جہنم فرمایا۔ مگر بیان پر ایک مضحک قصہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا

غزوہ بنی النضیر

غزوہ خندق

کہ میدان علیؑ کے ہاتھ رہا اور اب کسی کافر کو مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رہی تو آپ میدان و غامین تشریف لائے اور آتے ہی صراہ بن خطاب کا جو علی مرتضیٰؑ کی صورت دیکھتے ہی دُور سے بے لڑے بھاگا جاتا تھا تا قتب فرمایا اُس نے جو دیکھا کہ حضرات اہل سنت کے شجاع عرب قتب کرنا تشریف لائے ہیں فوراً پلٹ پڑا اور حضرت ممدوح کو ایک خیف سا زخم نیزہ کا دیکر روانہ ہو گیا۔ یہ ہونے والی بات تھی ورنہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ ہی کی طرح بڑے دورانِ دیش بزرگ تھے۔ اس لیے ہمیشہ محلِ خوف سے اپنے کو دور رکھنے میں کوشاں رہتے تھے اس غزوہ میں بھی غزوہ بدر و غزوہ احد کی طرح کسی مہاجر غیر بنی ہاشم نے نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کافر کا وارہ اپنے کو لگنے دیا۔ مارا جاتا تو درکنار کسی کو حضرت عمرؓ کے سوا جیسا کہ بالا میں مذکور ہوا خراش تک نہیں لگی۔ صرف چھ شخص انصار سے شہید ہوئے۔ نہیں معلوم کہ یہ مہاجرین کس مرض کی دو اس تھے۔ کیوں کہ سے مدینہ کو ہجرت اختیار کی تھی۔ صاف ہوتا ہے کہ دینِ خدا کو مدد دینے نہیں آئے تھے۔ بلاشبہ ان کی غرض اس ہجرت سے کچھ کم کچھ لینے کی تھی۔ سو اس کے حصول میں انھیں ناکامی لاحق ہوئی۔ ان کے اکابر تو سلطنتِ عرب کے مالک ہی ہوتے گئے اور اکثر کو اماتین اور حکومتیں نصیب ہوتی گئیں۔ بالخصوص عمرؓ عبدود کے مارے جاتے ہی کفار قریش کے دل لڑائی سے چھوٹ گئے اور وہ سب اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے۔ افسوس ہے کہ اس جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ سے کوئی معقول کارروائی ظور میں نہیں آسکی۔ بلکہ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت ممدوح ہنگامہ خندق کے وقت کہاں تھے اور کس شغل میں تھے۔ جاننا چاہیے کہ علی مرتضیٰؑ کی اس خدمتِ اسلام کی نسبت حضرت رسولؐ نے ویسا ہی فرمایا ہے جیسا کہ غزوہ احد کی نسبت فرما چکے تھے یعنی کہ علیؑ کی خندق کے دن کی ضرورت سیری تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک کرے گی افضل ہے۔ یہ حدیث کتاب مدارج النبوۃ و معارج النبوۃ و کشف الغمہ و نزل الابرار و لسان الیون و سیرۃ الامین و المامون و روضۃ الاحباب وغیرہ میں مندرج ہے۔ واضح ہو کہ اعمال ہی کی بنا پر آدمی اپنے ابتداء جس سے افضل ہو سکتا ہے۔ پس جب حسبِ مودہ رسولؐ علی مرتضیٰؑ عملِ صالح کی بنا پر تمام امت محمدی سے افضل قرار پائے تو حضرت ابوبکرؓ افضل اصحاب کہے جانے کا کیا حق رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ افضل الناس کہے جانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ کی روزِ احد کی نسبت حضرت رسولؐ فرما چکے ہیں کہ اگر تمام اعمال نیک خلقتِ خدا کے علیؑ کی روزِ احد کی خدمت کے ساتھ موازنہ کیے جائیں تو علیؑ کی خدمت کا پلہ گرانِ ٹھہرے گا۔ کیوں جنابِ مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی اور آپ کے ہم مذہب علماء

فرمایے تو علی مرتضیٰ افضل الناس ثابت ہو تہیں یا حضرت ابو بکر مگر حقیقت حال یہ ہے کہ آپ حضرت کی
خارجیت اور ناصبیت کیا آپ حضرات کو اس کی اجابت دے سکتی ہے کہ آپ حضرت رسول
کے فرمودہ کو سچا سمجھیں۔ حضرت ابو بکر اور حضرت کے دونوں جانشینان پر آپ توجان و ایمان کو قربان
کیے ہوئے ہیں۔ آپ حضرات کو اس سے کیا مطلب کہ خداے تعالیٰ نے کیا فرمایا اور حضرت رسول نے
کیا فرمایا۔ علی کی عداوت آپ حضرات کے کانون میں پارا ڈالے ہوئے ہے۔ خداے تعالیٰ آپ حضرت
پر رحم فرمائے اور کوئی شک نہیں کہ آپ حضرت قابل رحم ہیں مگر آپ اپنے کو قابل رحم نہیں سمجھتے ہیں۔
آپ حضرات کی خارجیت اور ناصبیت ایک دن رنگ لائیگی وہ دن دور نہیں۔ ان مکافات علی غافل
اب غزوہ خیبر پر اہل انصاف نظر توجہ الیں۔ اس غزوہ میں بھی حضرت شخین کی وضعداری فرار کی بنے حال
پر رہی۔ پختہ موضع غیب شے ہے ذیل میں غزوہ خیبر کے کچھ حال مختصر طور پر عرض ہوتے ہیں۔
جنگ خیبر کی سرگزشت یہ ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے دس ہزار آدمی فراہم کئے اور عتقریب مدینہ
پر حملہ کرنے والے تھے۔ ان دس ہزار یہودیوں میں وہ قبائل بھی شریک تھے جو مختلف مواقع میں
برخلاف اپنے عہد کے کفار قریش کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آچکے تھے۔ ان کے عزم
حملہ کی خبر سن کر حضرت رسول نے قلیل العدد مسلمانوں کے ساتھ خیبر پر چڑھائی کی حضرت رسول میں
ایک بڑے جنرل کی صلاحیت و اہب العطا یا نے بخشی تھی۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت رسول یہودیان
خیبر کی طرف نہیں بڑھتے تو حضرت کے اعدا بہت ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر بیٹھتے
جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قلیل العدد مسلمانوں کی جان پر آہنتی۔ اور یہ سیاب ظاہر اسلام دنیا سے رخصت
ہو جاتا۔ اب تک تو اسلام بدر۔ احد۔ اور خندق کی لڑائیوں میں ور رہا تھا۔ مگر یہودیان خیبر کا حملہ اسلام
کی پوری بیخ کنی کر ڈالتا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول کی پیش بینی نے اپنی جلاوری سے اسلام کو روزیاد
کے دیکھنے سے محفوظ رکھا۔ آپ تمام انبیاء اولو العزم سے بڑھ کر تیز فہم اور شجاع تھے پس آپ کا یہودیان
خیبر پر حملہ آور ہو جانا آپ کی اولو العزمی کے مصالح کے خلاف نہ تھا۔ چنانچہ حضرت کی اس پیش بینی کا
یہ نتیجہ ہوا کہ اسلام کو ایسے قوی اعدا کے مقابلہ میں پورے طور پر فتح نصیب ہوئی گو یہ علی ہی کی تلوار
تھی جس سے اسلام کو یہ فتح نصیب ہو سکی۔ اس جنگ میں حضرت رسول بنس نفیس شامل نہ ہو سکے
اس لیے کہ آپ دروغ حقیقہ میں مبتلا تھے۔ یہ شکایت اس حضرت کو کچھ عرصہ سے ہو جا یا کرتی تھی۔ مگر آنحضرت
شکر اسلام کو یہودیان خیبر کے مقابلہ کے لیے برابر بھیجے رہے مگر روز کا معمول ہو گیا تھا کہ شکر اسلام یہودیوں کے
مقابلہ کو جاتا اور کمال ذلت کے ساتھ مار کھا کر خیمہ گاہ رسالت آج کو واپس بھاگ آتا۔ پہلے حضرت ابو بکر

لشکر اسلام کے مقابلہ کو گئے مگر تاب مقاومت نہیں لاسکے۔ بنی نل مرام واپس آئے۔ پھر دوبارہ حضرت عمرؓ سے لڑنے کو تشریف لے گئے۔ مگر ناکام حضرت ابو بکرؓ کی طرح واپس آئے۔ حالت یہ ہوتی تھی کہ حارث جو مرحب کا بھائی تھا مسلمانوں کو روز شہید کر ڈالتا تھا۔ مسلمانوں کے دل لڑائی سے چھوٹ گئے تھے۔ روز کی بھاری بے آبروئی لشکر اسلام کو نصیب ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تین دن تک تعاقب کنان حارث خیمہ رسول اللہؐ تک واپس پہنچا چکا تھا اور الفاظ لایینی قرب میں خیمہ رسول اللہؐ کے زبان پر لایا کرتا تھا۔ مسلمانوں سے کچھ دین نہ آتی تھی۔ مسلمانوں کی بوکھلاہٹ کی یہ حالت تھی کہ جنگ گاہ سے واپس چلے آئے پر حضرت عمرؓ نے اپنے ہمراہیوں پر نامردی کا الزام لگاتے تھے۔ اور آپ کے ہمراہی آپ کو نامرد کہتے تھے (دیکھو ازالہ النہا اور تاریخ طبری اور مستدرک حاکم) سب ان تمام مصیبتوں کا یہ تھا کہ اس وقت تک علی مرتضیٰؓ آشوب چشم کی وجہ سے شریک غزوہ نہ ہو سکتے تھے۔ جب اپنی روحانی قوت سے حضرت رسولؐ نے حضرت علیؓ کی جسمانی شکایت کو زائل فرمادیا اور لشکر اسلام کا علم آپ کو سپرد کر کے آپ کو جنگ کی اجازت بخشی تو وہی حارث جو لشکر اسلام کو درہم و برہم کیے ہوئے تھا اور اسلام کی بے آبروئی کرتا تھا دم کے دم میں طغیہ ذوالفقار حیدری ہو گیا۔ پھر اس کا بھائی مرحب بھی جو حارث سے بھی زیادہ بڑا نہرواڑا تھا قمر و نرغ میں جا کر۔ پھر حضرت علیؓ نے درخبر کو اٹھا پھینکا جو کام آدمی سے وقوع میں نہیں آ سکتا ہے۔ پھر قلعہ خیبر فتح ہو گیا اور یہودیوں کو پورے طور پر ہزیمت نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کی خیمہ کے مقابلہ کے لیے تین دن تک لشکر اسلام لے کر جایا کیے۔ مگر تاب مقاومت نہ لاسکے اور لشکر اسلام کے ساتھ خیمہ رسول اللہؐ تک برابر لوٹ آیا کیے اور ہر بار حارث لشکر اسلام کا تعاقب کرتا ہی رہا یہ تو ظاہر ہے کہ اگر علی مرتضیٰؓ ابتدا ہی میں شریک جنگ ہوئے ہوتے تو بروز اول نہ حضرت ابو بکرؓ شکست کھا کر مع لشکر اسلام خیمہ گاہ رسول اللہؐ کو لوٹ آتے اور نہ حضرت عمرؓ کو دو دن تک حضرت ابو بکرؓ کے بعد اس طرح کی بے آبروئی اٹھانی پڑتی۔ پہلے ہی دن حارث اور مرحب کا فیصلہ ذوالفقار حیدری کر دیتی مگر مجبوری یہ ہوئی کہ جب لشکر اسلام مدینہ سے یہودیوں کی خیمہ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا اُس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ جوش چشم میں مبتلا تھے اور سفر اختیار نہیں فرما سکتے تھے۔ لیکن تین ہی دن کے بعد کسی طرح آپ رسول اللہؐ کے حضور میں حاضر آ گئے۔ یہاں جو لشکر اسلام کو بے آبروئی حارث کے ہاتھ سے ہو رہی تھیں اہل واقفیت پر روشن ہیں۔ ایسی حالت میں حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ کل میں لشکر کا جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو کراغیر فرار ہے اور جو خدا اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اُس کو دوست

رکھتے ہیں۔ وہ بغیر فتح کیے واپس نہیں آئیگا (دیکھو صحیح بخاری وخصائص نسائی وازالہ الخفا ودروضۃ الاحباب و تاریخ ابن کثیر و مستد امام حنبلی) دوسرے دن وہ علم حضرت علیؑ کو دیا گیا۔ پھر فتح خیبر میں دیر کی کیا بات تھی حضرت علیؑ کی آنکھوں کا جوش مصلحت خداوندی پر مبنی تھا۔ منظور خدا یہ تھا کہ اہل اسلام کھین کہ خدا کا شیر کیسا ہوتا ہے۔ کرار و فرار میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اگر پہلے ہی حضرت علیؑ شریک جنگ ہو جاتے تو حارث اور مرحب کا خاتمہ ہو جاتا۔ اہل دنیا پر روشن نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؑ کیا تھے اور حضرت شیخین کیا تھے۔ حق یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار جہاد فی سبیل اللہ کے کام کے آدمی نہ تھے جیسا کہ رسول اللہ کے معاملات غزوات سے ثابت ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ دونوں بزرگوار سے کسی طرح کی جہادی حمایت اسلام کی طور میں نہیں آسکی حضرت عثمان کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اگر علی مرتضیٰ نہ ہوتے تو اسلام کا خاتمہ جنگ بدیہ میں ہو جاتا بہر حال بدر کی بلا سے بچ کر اسلام کو احد کی بلا سے سامنا کرنا پڑا۔ پھر اسلام کو خندق کی بلا پیش آئی۔ یہ سب بلائیں تو ذوالفقار حیدری کی بدولت رفع دفع ہو چکی تھیں کہ اسلام کو خیبر کی بلا کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بلا بھی علی مرتضیٰ کی قوت بازو کی بدولت آسانی کے ساتھ ٹل گئی۔

معاملات بالائے صاف طور پر آشکارا ہے کہ علی مرتضیٰ موبدین اللہ تھے تب ہی تو حضرت علیؑ کی اجازت جنگ کے بعد حضرت رسولؐ کو از جانب خدا حکم ناد علیا مظهر العجائب کے پڑھنے کا ہوا۔ در خیبر کھڑا ٹھانا ہامید غیبی کے بغیر شکل امکان نہیں رکھتا تھا۔ یہ کام ہرگز آدمی کا نہ تھا جو حضرت علیؑ سے ظہور میں آیا۔ در خیبر کا واقعہ ایک حقیقی واقعہ ہے یسلی مجنون کی کہانی نہیں ہے۔ یہ تو درجہ آپ کی شجاعت اور حمایت اسلام کا تھا۔ اب حضرات اہل سنت کی قدردانی پر حضرات ناظرین نظر توجہ ڈالیں۔ آپ حضرت علیؑ کو ہر چیز میں تو مفضل قرار دیتے ہی ہیں شجاعت میں بھی مفضل قرار دیتے ہیں۔ آپ حضرات کے اشجع الناس حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ اگر اشجع الصحابہ ہی کہتے تو خیبر ایک بات تھی۔ راقم پوچھتا ہے کہ کیا اشجع الناس ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ غزوہ رسولؐ سے جی پڑے یا شریک غزوہ ہو بھی تو کوئی جہادی کارروائی عمل میں نہ لائے یا میدان جنگ سے رسول اللہؐ کے حکم کے خلاف رسول اللہؐ کو زعمہ اعدا میں چھوڑ کر بھاگ جائے اس طرح کے بار بار فرار اور عدم کارگزاری جہاد کے ساتھ بھی کیوں کر اہل سنت حضرت ابوبکرؓ کو اشجع الناس یا اشجع الصحابہ قرار دیتے ہیں۔ شجاعت کی تو کوئی نسبت ہی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نہیں کی جاسکتی ہے اشجع الناس یا اشجع الصحابہ کا خطاب حضرت ابوبکرؓ کے لیے تو پکس نہ نام زنگی کا فور کارنگ رکھتا ہے واقعی حضرات اہل تسنن کا مذہب تمام تر ہٹ دھرمی کا مذہب دکھائی دیتا ہے۔ راست خیالی سے ذرا بھی تعلق نہیں رکھتا ہے۔

اب راقم غزوہ حنین کے معاملات مختصر طور پر درج ہذا کرتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ روایت آخر لڑائی تھی جو درمیان لشکر اسلام اور کفار قریش کے واقع ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل عرب نے جناب رسول خدا کی اطاعت اختیار کر لی تھی الا قبیلہ ہوازن وثقیفہ جنھوں نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ حنین میں جناب رسول مقبول سے مقابلہ کیا۔ ہر چند مسلمانوں کی تعداد کم نہ تھی مگر کفار کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور مہاجرین و انصار دونوں رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ نکلے میدان جنگ میں قائم رہ جانے والے۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن مسعود تھے۔ ان چار نامی صحابوں کے سوا اور پندرہ صحابی بھی تھے جو ثابت قدم رہ گئے۔ جس وقت مہاجرین اور انصار بھاگے جاتے تھے۔ پیغمبر خدا نے فرارین کو غیرت دلائے کی نظر سے یا اصحاب السمرہ یا اصحاب الشجرہ کہہ کر پکارا۔ اس کے سنتے ہی سو آدمی کے قریب انصار میں سے لوٹے اور پھر جنگ گاہ میں حاضر ہو گئے۔ فرارین کے اصحاب السمرہ اور اصحاب الشجرہ کے لقب سے پکارے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اکثر یہ لوگ بیعت الرضوان تھے۔ بیعت الرضوان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت اُس وقت ہوئی تھی جب جناب رسول خدا عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف تشریف لے گئے تھے اور مطلب اس بیعت کا یہ تھا کہ اہل اسلام جہاد میں پوری کوشش کریں گے۔ جہاد سے کبھی منھ نہ موڑیں گے اور تادمہ حضرت رسول کی اطاعت میں سرگرم رہیں گے۔ چونکہ یہ بیعت درخت سمرہ کے نیچے وقوع میں آئی تھی اس واسطے اسے بیعت تحت الشجرہ کہتے ہیں۔ اہل سنت کے لیے بہت جاے انوس ہے کہ اس جنگ میں بھی حضرت خلفائے ثلاثہ سے کوئی کارروائی نمایاں نہ ہو سکی۔ یہ حضرات ثلاثہ حسب دستور قدیم میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ غزوات سے فرار آپ حضرات کا معمولی دھندھا تھا۔ حضرت عمرؓ کے فرار کی نسبت بخاری کی صحیح میں ابو قتادہ کی یہ حدیث دیکھی جاتی ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھاگے اور میں بھاگا۔ ان لوگوں میں معنوں میں عمرو بن الخطاب کو میں نے دیکھا ان سے میں نے کہا کہ کیا حال ہو ا لوگوں کا۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو منظور خدا تھا وہ ہوا اس کے بعد لوگ جناب رسول خدا کے پاس گئے۔ اسے اہل انصاف جاسے غور ہے کہ لڑائیوں کے دستور وقت میں جناب رسول خدا کو محل خوف میں چھوڑ کر کوئی کامل الایمان تو بھاگ نہیں سکتا۔ پس ایسے بھاگ نکلنے والے حضرات کو شاہ لافٹی پر کیونکر اہل سنت ترجیح دیتے ہیں۔ یہ امر کہ حضرت علیؓ ہر جنگ میں ثابت قدم رہتے تھے اور سخت زخمی ہو کر بھی جناب رسول خدا اور دین خدا کی ایسی ایسی پیش از قیاس خدمت کیا کرتے تھے تادمہ اس امر پر دال ہے کہ آپ کامل الایمان تھے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بار بار فرار اور ترسنا جانی سے ہرگز اس کی امید نہیں ہو سکتی تھی کہ اس ناقص الایمانی کے ساتھ جناب رسول خدا کے بعد ان حضرات

مین سے کوئی بھی آپ کا خلیفہ قرار پائے گا جناب رسول خدا بڑے بہادر شخص تھے کسی لڑائی میں آپ ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ فرار تو ایک ناپاک ورنہ ناپاک امر ہے۔ ایسے بہادر بنی کے جانشین برحق فرار میں اُحد و خندق و خیبر و حنین ہوں خس برابر عقل اس کو گوارا نہیں کر سکتی ہے۔ ایسے بہادر بنی کا جانشین ہونا علیؑ ہی سے بہادر کو زیب دیتا ہے۔ اہل انصاف اس حین ہی کی لڑائی کے معاملات پر نظر انصاف ڈالیں کہ علی مرتضیٰ کی کارروائیاں اس لڑائی میں کیا کیا ہوئیں۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو ہنگام جنگ ابو جہل نامی ایک پہلو ان لشکر کفار سے رجز خوانی کرتا ہوا نکلا اور مبارز طلب ہوا۔ لشکر اسلام سے کسی نے بھی اس کے مقابلہ کا قصد نہ کیا۔ اس کی تنویدی اور بہادری کے رعب میں سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ مگر ذوالفقار شاہ لافنیؑ نے اس دشمن خدا کو سیدھا وہاں پہونچا دیا جہاں اس کے پہلے عمر عبدود و حارث و مرہب وغیرہ جا چکے تھے۔ اس لڑائی میں کفار نے شکست فاش کھائی۔ مگر حضرات خلفائے ثلاثہ سے سوائے فرار کے اور کوئی کارروائی ظہور میں نہیں آسکی۔ یہیں تفادوت رہ از کجاست تابہ کجا یقین کفار کا عدد کتب تاریخ سے ستر نظر آتا ہے۔ ان میں چالیس نفر شاہ مردان کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ کو بنی ہاشم اور انصار نے مارا۔ کسی مہاجر غیر بنی ہاشم کے ہاتھ سے ایک کافر کا قتل ہو نا بھی کسی تاریخ کی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا ہے نہیں معلوم کہ یہ مہاجرین کس مرض کی دوا تھے۔ سوا فرار کے قرار کا مضمون ان کے دماغ میں جگہ ہی نہیں پاسکا تھا۔ اس بار بار کے فرار کے بعد کس حق سے ان کے اکابر خلیفہ رسول اللہ بن بیٹھے یہ ایک نہایت حیرت انگیز امر ہے۔ حضرت رسول کی ریاست دینی تو تامل حضرت علیؑ کی قائم کردہ تھی پھر کیا ہی انصاف ہو کہ فرار میں عزوات رسولؐ خلیفہ رسول اللہ قرار پادین اور علی مرتضیٰ اپنے حقوق سے محروم رکھے جا دیں؟ تقویٰ تو اسے چرخ گردان تقویٰ جس مذہب میں ایسی حق کشی روا سمجھی جاتی ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم نامتوجا و درست ہے۔

بلا میں جس قدر حالات امتیان اہل ہجرت کے حوالہ قلم ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت نہ رسول اللہ سے کسی طرح کی موافقت قلبی رکھتے تھے اور نہ انھیں رسول اللہ کی ہیبت کا خیال تھا جو کچھ خیال تھا اپنا خیال تھا۔ اگر رسول اللہ سے انھیں موافقت قلبی ہوتی اور رسول اللہ کی فرمانبرداری ملحوظ خاطر ہوتی تو وہ حضرت رسول اللہ کو نزعہ اعدا میں چھوڑ کر فرار نہیں کیا کرتے۔ اگر رسول اللہ کی فرمانبرداری کو وہ حضرات اپنا ایمان سمجھتے تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ میدان جنگ میں رسول اللہ انھیں جین جینج کر فرار سے منع فرماتے اور وہ آنحضرت کی کچھ نہیں سنتے۔ عقل باور نہیں کرتی ہے کہ صاحب ایمان

ہو کر وہ حضرات ایسا کر سکتے تھے۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ حضرات دل سے اسلام کو قبول کیے ہوتے تو اسلام اور رسول اللہ کی خدمت میں اپنی جان لوٹا دیتے۔ اُن حضرات کی تمام کارروائیوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اسلام کو دین خدا نہیں سمجھتے تھے۔ اگر سمجھتے تو جہاد فی سبیل اللہ میں نہ جان چڑھاتے اور اپنی جان کا خیال عزوات رسول اللہ میں ایسی بے عنوانیوں کے ساتھ مد نظر رکھتے۔ سچ یہ ہے کہ رسول اللہ کی محبت اسی میں منحصر تھی کہ وہ حضرات دین خدا کے قائم رکھنے میں ہر طرح کی کوشش کو راہ دیتے ہیں۔ جب اُن سے کوئی جہادی کوشش عمل میں نہ آئی تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دین خدا کی بہتری منظور نہ تھی اس لیے انھیں رسول اللہ کے ساتھ موانست قلبی بھی نہ تھی۔ اب راسخ حضرات یغین کے ضعف ایمان کے ثبوت میں دو امر پیش کرتا ہے۔ اول یہ کہ جب فرار جنگ احرا کے بعد حضرت ابو بکر کو یہ معلوم ہوا کہ اُن صلح قتل ہو گئے تو آپ نے یہ صدا بلند کی کہ محمد صاحب قتل کیے گئے۔ اب تم لوگ اپنے دین آبائی کی طرف یعنی کفر کی طرف لوٹ جاؤ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلم یا مومن اول تو فرار کی ذلت گوارا کر سکے اُس پر سے مسلمانوں کو اس طرح پر کفر کی طرف لوٹ جانے کی ہدایت کرے قرآن میں بھی خداے تعالیٰ اس ارتداد کی طرف حوالہ کر کے اپنی ناخوشی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس مرتد نہ ہدایت سے بین طور پر روشن ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ورنہ ایسا مرتد نہ قول زبان پر نہ لاتے۔ دوم یہ کہ حضرت عمر نے صلح حدیبیہ کے متعلق حضرت رسول سے ایسی تقریر کی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ ثانی صاحب کو شک فی النبوت لاحق ہوا تھا۔ ہر چند حضرت رسولؐ نے خلیفہ صاحب کا رفع شک فرمایا بھی تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کا شک دل سے نہیں گیا کس واسطے کہ اگر رفع شک ہوا ہوتا تو آپ ابو جندل کے پاس پہنچ کر اُسے سہیل کے قتل کی ترغیب نہ دیتے یہ ترغیب وہی اس غرض سے تھی کہ اگر ابو جندل سہیل کو قتل کر ڈالتا تو معاملہ صلح حدیبیہ کا درہم برہم ہو جاتا۔ یہ کوشش آپ کی تمام مصلحت خدا و رسول کے خلاف تھی۔ آپ کی اس حرکت سے بین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا شک فی النبوت رفع نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوا ہوتا۔ تو رسول اللہ کی فہمائش کے بعد یہی پوچ حرکت کی طرف رخ نہ کرتے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی کھنی وقت یا عظمت حضرت عمر کی آنکھ میں نہ تھی۔ خدا و رسول کے مصالح کے خلاف عامل ہونا سوا سے مرتد کے مومن کا فعل نہیں ہو سکتا ہے۔

راقم کے نزدیک اکثر مہاجرین نے جن میں حضرات ثلاثہ داخل ہیں بیکار ہجرت کی زحمت گوارا کی تھی۔ قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مہاجرین بنیادی شیعہ ائمہ کی کے خیال سے مدینہ چلے آئے تھے۔ ہرگز

دینی اغراض سے تارک، وطن نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمر کے متعلق ایک امر قابل ذکر نظر آتا ہے جس سے راقم کی تحریر بالائی تائید ہوتی ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ حذیفہ (جو حسب کتاب استیعاب رسول اللہ کے بزرگترین اصحاب میں سے تھے) منافقوں کے جاننے میں رسول اللہ کے راز دار تھے۔ اور محدث دہلوی مدارج النبوة میں بھی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے حذیفہ کو نفاق کی پہچان بتادی تھی اور منافقین کے ناموں پر مطلع کر دیا تھا کہ فلان فلان شخص منافق ہیں۔ احیاء العلوم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ اے حذیفہ تم منافقوں کے جاننے میں رسول اللہ کے راز دار ہو پس مجھ میں تو کوئی علامت نفاق کی نہیں ہے۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت عمر کو ایسے سوال کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ آپ اپنے دل سے پوچھ لیتے کہ اس میں نفاق ہے یا نہیں۔ اگر آپ اپنے دل سے سوال کرتے تو دل یہ کہتا کہ غرور رسول اللہ سے بار بار کا شکر گین فرار سوائے منافق کے مومن کا فعل نہیں ہو سکتا صلح حدیبیہ میں شک فی النبوة کا پیدا ہونا نفاق کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے جیسا اسامہ سے مختلف کا نتیجہ ارتداد کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے وہ بھی اس درجہ کا ارتداد کہ بقول حضرت رسول حبش اسامہ سے مختلف کر نوالا مرد و خدا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر کو حضرت حذیفہ سے ایسے سوال کی ضرورت نہ تھی۔ ایسے سوال کا جواب حضرت عمر کا دل ہی صاف طور پر دیتا۔ واضح ہو کہ حضرت حذیفہ بزرگ صحابی رسول اللہ کے ہیں کہ حسب کتاب مروج الذهب مسعودی جب حضرت عثمان قتل ہوئے اور حضرت علی کی بیعت کی گئی تو اُس زمانے میں حذیفہ بن الیمان کو نے میں علیل تھے جس وقت انھوں نے حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علی کی بیعت کی خبر سنی تو کہا کہ مجھے مسجد میں لے جاؤ اور الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا کرو۔ پھر حذیفہ منبر پر بٹھا دیے گئے اور انھوں نے بعد حمد و صلوٰۃ کے کہا کہ وہ ایہا الناس آگاہ ہو کہ علی ابن ابی طالب کی بیعت کی گئی پس میں تم کو بیعت کرتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرو اور حضرت علی کی نصرت اور مدد پر مستعد ہو جاؤ کیونکہ بخدا وہ اولاً اور آخراً حق پر ہیں اور تمھارے بھی بعد جو لوگ ہوں اور قیامت تک ہوں گے ان سب سے بہتر ہیں۔ بعد ازاں حذیفہ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کہا خداوند گواہ رہنا کہ میں نے علی کی بیعت کی اور تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا۔ اس کے بعد ساترین یا چالیسویں دن حضرت حذیفہ کا انتقال ہو گیا۔

اب میں ایک ایسے واقعہ کا ذکر حوالہ دقلم کرتا ہوں جس سے منافع امتیان محمدی کی شقاوت کا کاشنا بدیہ طور سے ہوتا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی اُمت کی بدکرداریوں کا بار نہ اٹھا سکے اور کسی طرف اُت کر

چھوڑ کر چل نکلے حضرت موسیٰ اپنی امت کی بد اطواریوں سے عاجز اگر بارگاہ ایزدی میں خواہ سنگار ہوے کہ اسے خدا میرے میں اپنی اُمت کے ہاتھوں تنگ آگیا ہوں تو کسی اور نبی کو ایسی امت پر مبعوث کر مجھے ایسی امت سے آزادی دے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت موسیٰ حضرت رسول کی اُمت پر مبعوث ہوتے تو اُمت محمدی کی بے عنوانیوں کی تاب نہ لا کر اپنی نبوت اور رسالت سے باز آتے اور حضرت یونس کی طرح کسی طرف چلے جاتے۔ اُمت محمدی اُمم سابقہ سے بہت زیادہ شقی اور نافرمان بردار نظر آتی ہے اس سے زیادہ کیا کوئی اُمت شقی اور نافرمان بردار ہوگی کہ اس اُمت کے اکابر نے غزوات رسول میں اپنے نبی کو زغہ کفار میں چھوڑ کر بار بار راہ فرار اختیار کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھینچھینتے رہ گئے کہ اے فلان اے فلان نہ بھاگو میری طرف آؤ میری طرف آؤ مگر حیوانات وحشت زدہ کی طرح حضرت رسول کی کسی نے ایک نہیں سنی اور اپنی ناپاک جانیں بے کرباے محفوظ کی طرف بھاگ نکلے اس سے زیادہ کیا کوئی اُمت اُمم سابقہ سے شقی ہوگی کہ جس نے رات کو براہ عقبہ اپنے رسول پر حملہ آوری کا ارتکاب کیا گو وہ ملاعین اپنی حملہ آوری میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی شقاوت سے بچا لیا۔ کیا کوئی اُمت اُمم سابقہ میں ایسی دکھی جاتی ہے جس نے ایسا کیا ہو کہ حضرت رسول تو اپنے وقت آخر میں ایک لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے ایک معتد شخص کی سرکردگی میں اپنے امتیوں کو روانہ ہونے کی تاکید فرما دیں اور وہ لشکر مدینہ سے بہ قصد روانگی مدینہ سے باہر جا چکے مگر اکابر امت حضرت رسول کی رحلت کے انتظار میں مدینہ ہی میں ڈٹے رہیں اور رسول مقبول کے حکم سے سربازی کے عامل ہوں اور اس کی پروا نہ کریں کہ ایسے نافرمانوں کو آنحضرت برسر منبر بیاری کی حالت تکلیف میں بڑی شد و مد کے ساتھ مردودِ خدا قرار دے چکے ہیں۔ ایسی امت بھی کوئی اُمت کہی جاسکتی کہ جس کے ایک نامی فرد نے حضرت رسول کو اپنی آخری وصیت حوالہ قلم کرنے نہ دی اور حضرت رسول کی رحلت کے بعد آپ کی پیغمبر و تکفین و تدفین میں شریک ہونے کے عوض خلافت کا ہنگامہ قائم کر کے اپنے میں سے ایک شخص کو جسے جس برابر بھی حق خلافت کا حاصل نہ تھا حضرت رسول کا خلیفہ بنا دیا۔ اب اہل الضلالت ملاحظہ فرمائیں کہ اُمت بے وفا خود غرض اور غدار نے حضرت رسول کے بعد کیا کیا کارروائیاں کیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ حضرت رسول ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اکابر امت سے جو ستر رسول کی مخالفت عبد رسول میں بھی کیا کرتے تھے، دو صاحبوں نے اپنی سرداری کا سامان کر لیا۔ حضرت رسول کے جانشین برحق کی ہر طرح کی حق تلفی کی۔ حضرت رسول کی بیٹی کو طرح طرح کی مذاہب

ہونچائیں۔ اس میں سے ایک نے نہایت شقاوت کے ساتھ حضرت رسولؐ کی اکھوتی اور پیاری بیٹی کے بطن مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ اس معصومہ کا محل ساقط ہو گیا اور وہ مظلومہ اسی صدمہ سے باپ کی رحلت کے چھ مہینے کے اندر ہی جان بحق تسلیم ہو گئی غاصبانِ حق جانشینِ برحق نے اس غمزہ کے گھر جا کر اس کے باپ کا پر سا آگ سے کیا۔ پھر اس بکیں کی جائداد نہایت ناجائز طور پر اس بکیں سے چھین لی۔ اس کے بعد جانشینِ برحق کے حق کے غاصبوں نے ایک ایسی کارروائی اختیار کی جس کی وجہ سے حضرت رسولؐ کے ایک بڑے مخالف قبیلہ کو جو قرآنی ملعون تھا اور جس کو کوئی حقِ اسلامی سلطنت سے منتفع ہونے کا حاصل نہ تھا اور جس کو حضرت رسولؐ نے دس برس کی محنت شاقینِ زیرِ زبر کڑا لایا تھا دم کے دم میں ایسا قوی کر دیا کہ اس قبیلہ نے خاندانِ پیغمبر کا قریب قریب خاتمہ کر ڈالا۔ اس قبیلہ ملعونہ کے ایک خلیفہ نے قرآن کی دُرگت کر ڈالی۔ قرآن سے لفظ علیؑ اور آل محمدؐ کو نکال ڈالا جیسا کہ راقمِ بالا میں اور بھی مصباحِ الظلمین دکھلا چکا ہے۔ تمام مردودانِ درگاہِ خدا و رسولؐ کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ دوستانہ اور اہل بیتِ مصطفویؐ کو طرح طرح کی ایذاؤں پہنچائیں۔ بہت سے شریف مسلمانوں کو اُن کے وطن سے نکال کر در بدر پھرایا۔ ہر طرح کے فساد کے سلسلے جاری رکھے۔ اہل بیتِ نبویؐ کی خس برابر بھی توقیر نہیں رکھی۔ پھر اس قبیلہ کے ایک خلیفہ نے برحق جانشینِ رسولؐ کے حق کو چھیننے کے لیے خونریزیاں کیں اور جب خونریزیوں سے اس کا کام نہ نکلا تو قریب دہائی کی غرض سے قرآن پاک کے نسخوں کو جھنڈوں سے آدیزان کیا۔ بہت سے مسلمانوں کو مروا ڈالا۔ اپنے بیٹے کے استخلاف کے لیے بہت سختیاں کیں۔ ایک فرزندِ رسولؐ کو زہر دلو کر شہید کر ڈالا اور اس مظلوم معصوم کے مرنے پر بے انتہا خوشیاں کیں۔ پھر اس کے بیٹے نے دوسرے فرزندِ رسولؐ اور عزیزانِ رسولؐ کا خون بڑی بے رحمی کے ساتھ بہا دیا۔ پھر ہر طرح کی بے عزتیاں اور بے رحمانی تا امامؑ یا زہم خاندانِ پیغمبر کے ساتھ امتیازِ محمدی کے ہاتھ سے ظہور میں آتی رہیں۔ امتیازِ محمدی نے صرف تسلطِ ارضی سے جانشینانِ حضرت رسولؐ کو محروم نہیں کر دیا۔ بلکہ اُن کی دینی ریاست پر بھی دست برد کر بیٹھے۔ احکامِ دینی اپنے طور پر جاری کیے۔ مجتہدِ اصول و فروع بن بیٹھے۔ جسنا سچ زیادہ حصہ اُمتِ محمدیؐ کا اس وقت تک انھیں مجتہدانِ اصول و فروع کی حیثیت کی بدولت گمراہ دیکھا جا رہا ہے اور تاقیامت بتلاے گمراہی رہے گا۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔ امتیازِ محمدی نے دین و دنیا دونوں میں خاندانِ رسولؐ سے بے تعلقی پیدا کر ڈالی۔ حق یہ ہے کہ ایسے امتیاز نے حدیثِ نقلین کی طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ عترتِ رسولؐ کی طرف کبھی رُخ نہ کیا اور قرآن کے ساتھ بھی وہی سلوک مدنظر رکھا جو نامسلمان کے سوا کوئی مسلمان نہیں رکھ سکتا ہے۔ اس پر بھی ایسے ستم پروردگارِ افراد

امتیان محمدی کے جاتے ہیں نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حق یہ ہے کہ ایسی امت جفا شعار ظلم پرور شقاوت پیشہ
محسن کش بداندیش وغیرہ جیسی امت محمدی دیکھی جاتی ہے امم سابقہ میں کوئی امت نہیں گزری
ہے آج بھی امت محمدی کا رنگ بانی دین اسلام کی اولاد کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ سابق میں تھا
بانی دین اسلام کے اہلبیت نہیں ہیں مگر ان کے مخالفت ابھی تک موجود ہیں اور تاقیامت موجود
رہیں گے راقم آئندہ ایک مختصر تحریر امت محمدی کی غداری جفا شکاری ظلم پروری وغیرہ کی
اس رسالہ میں داخل کر دے گا جس سے رطبت رسالت مآب کے وقت سے دو سو ساٹھ برس کے اندر
کی بے عنوانی امت محمدی کی ناظرین پر آشکارا ہو جائیں گی۔ اس وقت راقم ذیل میں ایک سیاق و احوال
نفرت آگین حوالہ قلم کرتا ہے جس سے عہد رسالت مآب کے مسلمانوں کا نفاق ہویدا ہوتا ہے اور وہ
واقعہ حیرت چیز یہ ہے۔

جب منافقون نے دیکھا کہ حضرت رسول اختلاف کی کارروائی بحق علی مرتضیٰ بہ مقام خم غدیر
انجام کر چکے اور وہاں سے مدینہ کو واپس جا رہے ہیں تو اس واپسی سفر میں حضرت رسول پر حملہ آور ہو کر
حضرت رسول کا کام تمام کر ڈالنا چاہا۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسول کی کارروائی بالاسے اشخاص منافق
خوش نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ عقبہ پر وہ دشمنان خدا بہ ارادہ قتل آن حضرت آئے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ
عاقبت برباد صحابی تھے اور گو ان کے نام علماء اہل سنت نہیں بتاتے ہیں مگر وہ ایسے ہی صحابی تھے جو کہ
دل نفاق سے بھرے ہوئے تھے۔ اور ان کے ملعون مانے جانے میں کسی دوستدار رسول کو عند نہیں
ہو سکتا ہے۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول شب کو براہ عقبہ جاتے تھے۔ کہ ایک گروہ صحابی کا
اپنے منہ کو ایسا چھپا کر کہ ان کو کوئی نہ پہچان سکے رسول اللہ پر حملہ آوری کے قصد سے سامنے آکھڑا ہوا
حضرت رسول نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ حملہ آوروں کو مار ہٹاؤ۔ حضرت حذیفہ نے بے باک حملہ آوروں
کے جانوران سواری کو چاباک سے مارنا شروع کیا اور وہ بد بخت بھاگ نکلتے۔ جب حضرت رسول نے
حذیفہ سے پوچھا کہ وہ حملہ آوروں کو تھے تو حذیفہ نے عرض کی کہ میں ان کو پہچان نہیں سکا۔ مگر ان کی ہواؤں کو
پہچان لیا صبح کو اُسید سے رسول اللہ نے فرمایا کہ تمہیں خبر ہے کہ منافقون نے کیا کرنا چاہا تھا تو اُسید نے
عرض کی کہ آپ فرمائیں تو ان ملاعین کے سر حضور کے پاس لا کر رکھ دوں حضرت رسول نے فرمایا کہ نہیں
اگر ایسا کرو گے تو لوگ یہی کہیں گے کہ جب لڑائی کفار سے طے پا چکی تو محمد نے اپنے اصحاب کا قتل شروع
کر دیا۔ صاحب شواہد النبوت لکھتے ہیں کہ حضرت رسول نے حملہ آوروں کے نام حضرت حذیفہ کو بتلا دیے
تھے۔ اسی لیے حضرت عمر نے حضرت حذیفہ سے یہ سوال کیا تھا کہ پیغمبر خدا نے اصحاب عقبہ میں سے کون

کیا یا نہیں۔ یہ سوال کچھ عجیب رنگ رکھتا ہے۔ نہیں معلوم کہ آپ کو کیا دغدغہ ہوا کہ ایسا سوال کر بیٹھے حضرت حذیفہ کا جواب بہت پُر لطف نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں خیال کرو کہ اگر تم اس گروہ میں شامل تھے تو ضرور تمہارا نام حضرت سول نے لیا ہے اور اگر تم شامل نہ تھے تو تمہارا نام نہیں لیا ہے ہر چند نام لینے اور نہیں لینے کا فیصلہ حضرت حذیفہ نے اپنے جواشیا سے خود حضرت عمر کو سپرد کر دیا اور اب حضرت عمر جانیں حضرت سول نے انکا نام لیا یا نہیں مگر یہ جواب حضرت عمر کے سوال سے کم دغدغہ انگیز اور شبہ خیز نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس جواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہ جانتے تھے کہ حضرت رسول نے حضرت عمر کا نام گروہ حملہ آوروں میں لیا ہے۔ اسلئے اس طرح کا تیکھا تر چھا جواب حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو دیا۔ حضرت حذیفہ نے سیدھا اس مضمون کا جواب دینے کے عوض کہ ہاں رسول اللہ نے تمہارا نام لیا ہے جواب میں ایک ایسی بات کہدی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم خود اپنے دل سے پوچھو کہ رسول اللہ نے تمہارا نام لیا ہو گا یا نہیں۔ جواب حضرت حذیفہ کا بہت بلیغ نظر آتا ہے۔ اور اس سے پورے طور پر مترشح ہوتا ہے کہ حضرت رسول نے حضرت عمر کا نام بھی اصحاب عقبہ میں لیا تھا۔ ایسا جواب انسان تب ہی دیتا ہے کہ جب اُسے منظور ہوتا ہے کہ صاف صاف کہہ دینے کی حاجت نہیں سائل اپنے سوال کا جواب خود ہی دے لے۔ بہر حال اب راقم اس معاملہ و عقبہ کے جتنے امور کہ اہل سنت کی کتابوں سے دریافت میں آسکے ہیں ذیل میں نذر حضرات ناظرین کرتا ہے۔

واضح ہو کہ عقبہ کا واقعہ فریقین کی کتابوں میں حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے وقوع میں کسی کو جائے گفتگو نہیں ہو سکتی یہ بھی محقق ہے کہ اس کے ارتکاب کرنے والے حضرت رسول کے صحابی تھے جو حضرت رسول کی واپسی سفر مدینہ کے شریک تھے ایسا نہ تھا کہ پیشہ ور راہزنوں نے حملہ آوری کا قصد کیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر مصنفین اہل سنت کرتے ہیں۔ مگر حملہ آوروں کے نام نہیں بتلاتے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالقصد ناموں کے درج کرنے میں پہلو تہی کر گئے ہیں۔ اس کے برخلاف علمائے اہل تشیع سائے حملہ آوروں کے نام درج تحریر کرتے گئے ہیں۔ اور ان حملہ آوروں کے ناموں میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے اسمائے گرامی کو بھی داخل کرتے ہیں۔ اگر شیعوں کا نام بتانا صحیح ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ شخص بے تعصب اُن کے بیان کو اُن کے شیعہ ہونے کی بنیاد پر ضرور ہے کہ ناقابل اعتبار سمجھے۔ تو یہ واقعہ حضرات ثلاثہ کے لیے نہایت ہولناک اور شرمناک متصور ہے لیکن یہ واقعہ اس امر سے علیحدہ ہو کر بھی کہ خلفائے ثلاثہ اس کے ارتکاب کے شریک نہ تھے پُر مہول صورت رکھتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس کے مرتکب کسی حال میں مسلمان کہے جانے کا حق نہیں رکھ سکتے ہیں

بلاشبہ یہ صحابی منافق یا کافر کے الفاظ سے یاد کیے جانے کے مستحق نظر آتے ہیں اور امر بھی واقعی
یہی ہے کہ ایسے صحابی نے دین محمدی کو دین کی حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا۔ دنیاوی نفع اندوزی
کی نظر سے مسلمان ہوئے تھے جیسا کہ ان کی قبل کی کارروائیوں سے بھی ثابت و ثابہ ہوتا ہے
اس واقعہ پر نظر ڈالنے سے صاف طور پر ہویدا ہے کہ رسول اللہ کے ایسے اُمتی حضرات انبیاء
سابق کے امتیوں سے بدرجہا زیادہ شقی بے اعتبار، ناہنجار وغیرہ وغیرہ تھے۔ مگر چونکہ ایسے بد ترکیب
افراد صحابی تھے۔ اس لیے اُن کے اچھے مقتدر اور نیکو کار ہونے میں حضرات اہل سنت کو مطلق جائے
عذر نہیں دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن بطیم قاتل علی مرتضیٰ کا مداح ایک صحابی دیکھا جاتا ہے جس کا
نام عمران بن خطان تھا۔ اس کی نسبت قاضی حسین بن محمد فرماتے ہیں کہ قاضی ابو الطیب نے
خطا کی جو عمران بن خطان پر لعنت کے الفاظ استعمال کیے کیونکہ عمران بن خطان صحابی ہے اور اُس پر
لعنت کرنا ناجائز نہیں ہے۔ نیز ابن حجر کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ عمران بن خطان سے بخاری
اور ابو داؤد نے حدیثیں روایت کی ہیں اور محدث عثمان البنی نے عمران کو اہل سنت و جماعت
میں شمار کیا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ اہل سنت کو اس سے عرض نہیں ہے کہ صحابی کو کیسا ہونا چاہیے
اگر کوئی شخص صحابی ہے اور حضرت رسولؐ پر حملہ آوری کا مرتکب بھی ہوا ہے تو بھی وہ قابل قدر شخص
ہے اور رضی اللہ عنہ کے ساتھ یاد کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے عقل تو یہی کہتی ہے کہ ایسا دشمن
رسول خدا کا رسولؐ و جمع ملائکہ اور جمع بنی آدم و جمع مخلوقات خداوندی کی لعنت بے پایاں کا سزاوار
ہے ایسے کہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یاد کرنا برا ہے خود ایک بھاری ارتداد ہے۔ اب حضرات ناظرین معاذ
عقبہ کے فراز و نشیب پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ یہ قصہ حملہ آوری کا سرسری انداز نہیں رکھتا ہے
یہ واقعہ پوٹیکل پہلو سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔ ظاہر ایسے امومہم کا وقوع حیرت خیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر
جب اس کی چھان بین کی جاتی ہے تو ایسے واقعہ کا ظہور میں آنا غلات توقع نہیں دکھائی دیتا ہے
حقیقت حال یہ ہے کہ جب حضرت رسولؐ خیم غدیر میں پہنچے اور مسلمانوں کو بحکم خدا مجتمع کر کے
حضرت علیؑ کو اپنے برابر کا مولیٰ بیان کیا اور وہ کارروائیاں عمل میں لائیں جن سے علی مرتضیٰ کا
استخلاف بین طور پر ظہور میں آگیا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اس مولائیت کی حضرت عمرؓ کو مبارکباد بھی دی
اور ازواج مطہرات نے بھی مبارکبادیاں دیں تو جو افراد صحابی سے طالب امارت تھے یا حضرت
رسولؐ کی خلافت کا حوصلہ رکھتے تھے اس استخلاف سے بے حد گرفتار یا س ہو گئے گو اپنی آزدگی
کا اظہار مقام خیم غدیر میں مصلحتاً نہیں کر سکے۔ لیکن جب حضرت رسولؐ نے خیم غدیر سے مدینہ کی طرف

سفر کرنا شروع کیا اور عقبہ کی راہ سے شب کے وقت تشریف لے جا رہے تھے تو شرکاء نے سفر سے پندرہ یا سولہ بے دین اپنے چہروں کو چھپا کر اس غرض سے کہ پہچانے نہ جاویں حملہ آوری کے لیے تیار ہو گئے۔ بحکم رسول مقبول حضرت خذیفہ نے حملہ آوروں کی سوار یوں کے جانوروں کو چابک لگانا شروع کر دیا۔ حضرت خذیفہ کی ہنتر پھٹکاری سے وہ بے دین بھاگ نکلے۔ جب حضرت رسول نے حضرت خذیفہ سے پوچھا کہ وہ بے دین کون کون تھے۔ تو حضرت خذیفہ نے عرض کیا کہ اُن کو پہچانا نہیں مگر اُن کی سوار یوں کو ہم پہچان سکے عقل کستی ہے کہ اس حملہ آوری کا سبب حضرت علیؑ کا اختلاف ہوا تھا۔ اس اختلاف کے بعد طالبان دنیا کو حصول امارت کا کوئی حیلہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اب ایسے لعینوں کو کوئی چارہ اس کے سوا نہیں رہا تھا کہ رسول اللہ کو مار ڈالیں اور اسلامی سلطنت کو جو ہر طرح کے رگڑے جھگڑے کے بعد استواری کے ساتھ قائم ہو چکی تھی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اُن بے دینوں نے حملہ آوری پر آمادگی تو دکھلائی مگر چور اور بھی بے دین چور کا دل ہی کتنا۔ جب ان کے جانوروں پر مار پڑنے لگی تو خود بھی دم دبا کر بھاگ نکلے۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ بے دین حملہ آور کس قماش کے لوگ تھے۔ علمائے اہل سنت ان کے نام نہیں بتاتے ہیں۔ فلاں فلاں کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ علمائے شیعہ تو نام بنام ہر حملہ آور کو بتلاتے ہیں اور اُن کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط نہیں بتلاتے ہیں۔ مگر اقم اہل تشیع کی کسی تحریر سے سند لینا گوارا نہیں کرتا۔ اب حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ جب یہ بات کتب فریقین سے ثابت ہوتی ہے کہ پیشہ ور ڈاکو یا راہزن حضرت رسول پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔ تو ضرور ہے کہ وہ مردمان حملہ آور حضرت رسول کے وہ صحابی تھے جو شریک سفر تھے۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ صحابی ماجرین اور انصار سے مرکب تھے یا صرف ماجرین تھے۔ فریقین کی کسی کتاب سے انصار کی شرکت حملہ آوری کا پتا نہیں لگتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ وہ حملہ آور گروہ ماجرین سے تھے۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ حرکت بہم کس قماش کے ماجرین سے ظہور میں آئی۔ عوام ماجرین کو اختلاف علیؑ سے نفع و نقصان کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی عوام ماجرین کے دل و دماغ میں اس کا خیال بھی نہیں بندھ سکتا تھا کہ انھیں خلافت یا امارت کبھی نصیب ہو سکتی تھی۔ اس لیے وہ افراد خود حضرت رسول کی شہادت کے خواہان حصول خلافت یا امارت کی نظر سے نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ایسے اکابر ماجرین کے انگوٹے جو حصول خلافت یا امارت کا حوصلہ رکھتے تھے ایسے فخر زشت کے مرکب عوام ماجرین ہو سکتے تھے۔ لیکن ہے کہ ایسے اکابر ماجرین بغیر نفس خود مرکب حملہ آوری کے نہیں ہوئے ہوں عوام صحابی سے پس میں تلوں ایسا فیل قبیح کرایا ہو۔

لیکن حضرت حذیفہ کی ہنر پیشکاری سے جو ماجرین حملہ آور اس قدر مغرور ہو گئے اس سے پورا قیاس ہوتا ہے کہ ان میں حضرات ثلثہ ضرور تھے اس لیے کہ آپ حضرات میں فرار کر جانے کی صلاحیت فطرتی طور پر مودعہ تھی۔ بہر حال اگر حضرات ثلثہ خود شریک نہ تھے تو بھی اس کا یقین ہوتا ہے کہ یہ حملہ پوئیکل غرض سے آپ حضرات کی طرف سے ظہور میں آیا۔ یہ امر کہ آپ حضرات خلافت یا امارت کے حوصلہ سے بھرے ہوئے تھے حضرت رسولؐ کے بعد ہی آپ کے حصول خلافت کی کارروائیوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حملہ عقبہ کامیابی کی صورت پکڑتا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت رسولؐ کی طبیعتی وفات کے پہلے ہی خود یا بہ احانت حضرت عمرؓ خلیفہ بن جاتے۔ اتنی دیر جو حصول خلافت میں حضرت ابوبکرؓ کو لگی حملہ بالاک کی کامیابی کی حالت میں نہیں لگتی۔ اہل انصاف غور فرمائیں کہ کسی امت سابقہ میں ایسی بدکرداری نہیں دیکھی جاتی ہے جیسی کہ ایسے امتیان رسول مقبولؐ میں۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایسی امت محمدیؐ پر حضرت موسیٰؑ پچاس ہزار کو اس ایسی امت محمدیؐ سے دور ہو جانا مناسب سمجھتے۔ خدا را اس طرح کے ماجرین بھی امت محمدیؐ کے جانے کا استحقاق رکھ سکتے ہیں غزوات رسول اللہؐ سے یہ گروہ یا جان چڑاتا رہا یا نزع اعداء میں رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگتا رہا۔ اب یہ کرشمہ کیا کہ جب سب روائی طے ہو گئی تو حضرت رسولؐ کے شہید کر ڈالنے پر آمادہ ہو گیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ لاحول ثم لاحول۔ اب ذیل میں راقم ایک اور طرفہ معاملہ کو حوالہ دقلم کرتا ہے جس سے امتیان منافق کے اور بھی حیرت انگیز حالات ظاہر ہوں گے۔

اپنے آخر وقت میں حضرت رسولؐ نے ایک لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں کچھ کفار کے سر کرنے کی نظر سے روانہ کرنا چاہا۔ اول تو سرکش صحابیوں نے اسامہؓ کی افسری پر اپنی سخت ناراضی ظاہر کی جس کی وجہ سے حضرت رسولؐ کو یہ تکلیف دی گئی کہ آنحضرتؐ بیجا۔ یہی کی شدت میں دوسرا باہر آئے اور منبر پر جا کر یہ فرمایا کہ اسامہؓ بطور پرافسری کا ویسا ہی سزاوار ہے جیسا کہ اپنے وقت میں اس کا باپ لشکر کی افسری کا سزاوار تھا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لشکر اسامہؓ کی جلد تیاری کرو اور جو شخص حبش اسامہؓ سے تعلق کرے گا وہ خدا کے نزدیک ملعون ہوگا۔ لشکر اسامہؓ کی شرکت کے لیے حکم نبویؐ یہ صادر ہوا تھا کہ حضرت علیؓ کے سوا اہل اعیان ماجرین و انصار یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ اور ابو عبیدہؓ بن الجراح وغیرہ لشکر اسامہؓ کے ساتھ جاویں مگر جب اسامہؓ لشکر لکیر مدینہ سے باہر گئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدینہ ہی میں بیٹھے رہ گئے ایک قدم

بھی گھرتے باہر نہ ہوئے۔ اُسامہ یہ سن کر کہ حضرت رسولؐ حالت نزع میں ہیں محبوباً اشرف صحابہ کے ساتھ مدینہ کو واپس چلے آئے۔ (دیکھو تاریخ ابن الوردی - مدارج النبوة - اور مل و نخل شہرستانی) اس تخلف جیش اُسامہ اور عقبہ کی حملہ آوری سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اب حضرت رسولؐ کے صحابی حضرت رسولؐ کی نافرمانی کھلے کھلے طور پر کرنے لگے تھے۔ ہر چند ان دو واقعوں کے پہلے بھی اکابر ماجرین نافرمانی کے مرتکب ہوتے گئے تھے، جیسے حکم نبوی کے خلاف ہمدان سے جی چراتے گئے تھے۔ یا میدان جنگ سے فرار پر فرار اختیار کرتے گئے تھے۔ مگر معاملہ عقبہ اور تخلف جیش اُسامہ سے صاف صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اب اکابر صحابہ کی نافرمانی بر ملا انداز کی ہو گئی تھی۔ اور کوئی شک نہیں کہ اگر تھوڑے دن اور بھی رسول اللہؐ زندہ رہ جاتے تو وہ اکابر صحابہ حضرت رسولؐ سے پورے طور پر بدعات کر بیٹھتے۔ اور حضرت رسولؐ کی ریاست دینی پر اُسی طرح قبضہ کر لیتے جیسا کہ آپؐ کی رحلت کے ساتھ ہی آپؐ کی ریاست دینی کے قابض ہو گئے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تخلف جیش اُسامہ سے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ اور آپؐ کے شرکائے حال کو پورا موقع حضرت رسولؐ کی دینی ریاست پر قابض ہو جانے کا ملا۔ اگر وہ طالبان خلافت لشکر اُسامہ کے ساتھ چلے جاتے تو آسانی کے ساتھ علی رضی حضرت رسولؐ کے جانشین بلا فصل قرار پا جاتے۔ مگر وہ اکابر صحابہ خوب سمجھتے تھے کہ ایسے وقت میں اُن کا مدینہ سے باہر چلا جانا اُن کے مقاصد کے پورے ہونے میں سخت حارج ہو گا اس لیے حضرت رسولؐ کے حکم سے پورے طور پر انحراف کر گئے۔ اور لشکر اُسامہ کی شرکت کے شرف سے اپنے کو محروم رکھا۔ یہ نافرمانی کی دینی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ ہرگز دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کے پردہ میں اپنے دلی اغراض کا پورا ہونا مد نظر رکھتے تھے۔ انسان کام کو زخاظر کمان تک پہنچانہ رہ سکتا ہے۔ آخر اکابر ماجرین کے اسلام کی قلعی کھل ہی گئی۔ اہل انصاف غور فرمائیں کہ اگر وہ اکابر ماجرین حضرت رسولؐ کو خدا کا رسولؐ سمجھے ہوئے تھے اور انحضرتؐ کی رسالت پر واقعی ایمان لائے ہوئے تھے تو انحضرتؐ کے وقت آخر میں اس طرح کی سخت نافرمانی کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ صاحب ایمان ہو کر لشکر اُسامہ میں داخل ہونے کے عوض حضرات شیخین مدینہ میں بیٹھے نہیں رہ جاتے۔ مطلب تو حضرات شیخین کا یہ تھا کہ جب بہت جلد حضرت رسولؐ ودیعت حیات فرمانے کو ہیں اگر ہم لوگ مدینہ سے باہر چلے گئے تو ایک عمر کی محنت اکارت جائے گی۔ مدینہ سے منزوں دور رہ کر حصول خلافت کی کیا صورت پیدا کر سکیں گے۔ تب ایسا ہی ہوتا کہ انھیں ثقیف بنی ساعدہ میں جا کر امر خلافت کو اس محبت کے

ساتھ ملے کر ڈالنے کا موقع نہیں ملتا۔ بحالت موجودہ حضرت شیخین کو مدینہ میں رہ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر دل سے حضرات شیخین مسلمان ہوئے ہوتے۔ تو حضرات شیخین ایسی سخت نافرمانی کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ حسب تحریر علامہ شہرستانی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول کو لشکر آسامہ کی روانگی اس قدر مد نظر تھی کہ حضرت رسول نے لشکر آسامہ سے تخلف کرنے والے کو مردود خدا فرمایا۔ کیا جائے شک ہے کہ اگر حضرت رسول نے ایسے تخلف کرنے والے کو مردود خدا بھی منسرا یا ہوتا تو اس طرح کا نافرمان مردود خدا ہونے کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے۔ المختصر تخلف بالائے حضرات شیخین اور ان کے شرکائے حال کے اسلام کی قلمی اچھی طرح کھل گئی۔ صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے بزرگوار نے دینی غرض سے دین محمدی کو نہیں اختیار کیا تھا۔ ہرگز ہجرت کی رحمت دینی غرض سے نہیں برداشت کی تھی۔ اسلام کے پردہ میں حصول دنیا ان کا مطلب تھا جس میں وہ بزرگوار پورے طور پر کامیاب ہوتے گئے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ حضرت اہل نضات خود تجویز فرمائیں کہ کیسی سلمانی ہے کہ حضرت رسول کی نبی امی کی نسبت تاکید فرمائیں کہ اکابر تیار اپنی فکر میں ہ کر اپنے رسول جتن کی کچھ نہیں ایسے امتی داخل امت نبوی کیونکر سمجھے جاسکتے ہیں۔ ایسے ستم دین کے جب مسلمان بھنے میں جائے گفتگو ہے تو ایسے ستم دین خلیفہ رسول اللہ کیا ہو سکتے ہیں۔ اب آخر میں راقم قصۃ قرطاس حوالہ قلم کرتا ہے جس سے اور بھی نافرمانی بعض اکابر مہاجرین کی ہو دیا ہوگی۔

جب حضرت ثلثہ و دیگر صحابی حضرات ثلثہ کی ترکیب کے لشکر آسامہ کی شرکت سے کنارہ کش ہوئے اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کی علالت ترقی کر گئی تو حسب روایت حضرت ابن عباس مندرجہ صحیح مسلم حضرت عمر اور دیگر اصحاب دولت کدہ نبوت پر مجتمع تھے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ آدین تمھارے لیے کچھ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر بولے کہ پیغمبر صاحب غلبہ عرض کی وجہ سے ایسا کہہ رہے قرآن ہمارے لیے کافی ہے۔ اس بات پر حضار جلسہ میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ضروری ہے تاکہ آنحضرت جو کچھ چاہیں تمھارے لیے تحریر فرمائیں اور بعض حضرت عمر کے ہمزبان تھے جب اس بات پر بہت شور اور اختلاف ہونے لگا تو جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ پس حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی وہ چیز جو لوگوں کے شوق و اختلاف کی وجہ سے آنحضرت پر نہ لکھ سکے۔ صحیح بخاری میں بھی مضمون بالا بروایت سعید بن جبیر اسی طرح مندرج ہے صرف فرق اسی قدر ہے کہ مخالفین کتابت کہنے لگے کہ آنحضرت کا ارشاد دہیان پر مبنی ہے حالانکہ نبی کریم کے

حضور میں تخاصاً مناسب نہ تھا۔ مسند احمد صحیح مسلم میں بھی مضمون بالا افزائش ہذیان کے ساتھ درج ہے۔ مگر شہاب الدین خفاجی کتاب نسیم الریاض شرح شفاے قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ حدیث بالا کے بعض طرق میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبر صاحب ہذیان جکتے ہیں۔ راقم کتاب ہے کہ حضرت عمرؓ کی درشت خوئی اور درشت گوئی سے کچھ بعید نہ تھا کہ آپؐ نے ہذیان کی نسبت حضرت رسولؐ کی ذات سے کی ہو اور آپؐ کی پارٹی کے لوگوں نے آپؐ کی ہمزبانی اختیار کی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہذیان کا لفظ استعمال میں لایا گیا تھا۔ مگر خلاف قرینہ نہیں ہے کہ اس کا ابتدائی استعمال آپؐ کی زبان مبارک سے وقوع میں آیا ہو گا۔ جیسا کہ کتاب نسیم الریاض میں درج ہے کہ حدیث بالا کے بعض طرق میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبر صاحب ہذیان جکتے ہیں۔ آپؐ کی درشت خوئی اور درشت گوئی سے ایسے لفظ کا استعمال کچھ بعید نہ تھا۔ چنانچہ اس قصہ قرطاس کے متعلق ایک مکالمہ حضرت عمرؓ کا دیکھا جاتا ہے جس سے آپؐ کی بے پایاں درشت خوئی اور درشت گوئی کا اظہار بدرجہ تمام ہوتا ہے۔ طبرانی خود حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے بحالت مرض ارشاد کیا کہ کاغذ اور دوات وغیرہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں کوئی ایسی شے لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ مگر کسی نے اس کی تعمیل نہ کی۔ ازواج مطہرات نے پردہ کے اندر سے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم لوگ رسولؐ اللہ کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے ان بیبیوں کو جواب دیا کہ تمہاری مثال ہوا حبات یوسف کی ہے کہ پیغمبر صاحب کی بیماری میں روتی ہو اور بوقت صحت ان کی گردن پر سوار ہوتی ہو۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان عورتوں سے متعرض نہ ہو۔ یہ تم سے پھر غنیمت اور بہتر ہیں۔ راقم کتاب ہے کہ یہ فرمودہ رسولؐ خدا کا ہے ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ واقعی وہ بیبیاں حضرت عمرؓ سے غنیمت اور بہتر تھیں۔ اس لیے کہ اسلام کے تمام فسادات کی بنا حضرت عمرؓ پر ہوئی ہے جیسا کہ راقم نے مصباح الظلم میں دکھلایا ہے اور اس کتاب میں بھی کافی طور پر درج ہے۔ خیر۔ اب حضرات ناظرین حضرت عمرؓ کی درشت گوئی مندرجہ بالا پر نظر توجہ ڈالیں۔ معاذ اللہ۔ ایسی زبان آدمی کی ہو سکتی ہے جس میں بے ہنگامی۔ سنگ دلی۔ بد اخلاقی۔ بے ادبی۔ دل آزاری بد ترکیبی دل خراشی وغیرہ وغیرہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ایسی زبان نے ہذیان کی نسبت حضرت رسولؐ کی طرف کی ہو تو کیا جابے تمجید ہے۔ یقین تو اسی کا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہذیان کا لفظ ابتداءً ضرور استعمال کیا تھا۔ حضرات ناظرین انصاف فرمائیں کہ یہ کون جتنی سطح کی تقریر کرنے کا تھا اور وہ بھی عورتوں کو خطاب کر کے۔ لاجول۔ ختم لاجول۔ کہاں حضرت رسولؐ مرض الموت میں مبتلا ہیں قوم کو گمراہی سے

بچانے کی نظر سے کچھ اس قدر ضروری امر والہ قلم کرنا چاہتے ہیں اور نافرمان اُمت حکم نبوی سے انحراف کر رہی ہے۔ یا کیئے کہ ایسی باغی ہو رہی ہے کہ آخری حکم کی تعمیل سے انکار کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں بچاری ازواج مطہرات کا مضطر بانہ یہ فرمانا کہ حضرت رسولؐ سامان کتابت مانگتے ہیں تو سامان کتابت کیوں فراہم نہیں کیا جاتا ہے کس قدر قرین فطرت نظر آتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ میں کہ اہمات المؤمنین پر برس پڑتے ہیں اور انہیں صواحبات یوسفؑ کہہ کر ان کی غایت درجہ کی دلفکشی کے باعث ہوتے ہیں۔ خدا را۔ ایسا بد ترکیب مزاج انسان کا ہو سکتا ہے۔ کیا ایسے مزاج کا آدمی کبھی حضرت رسولؐ کا خلیفہ برحق سمجھا جاسکتا ہے۔ لا حول ثم لا حول۔ کوئی تعجب نہیں کہ ایسی درشت گوئی سے حضرت رسولؐ کو بڑی ایذا پہونچی جو آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ ان عورتوں سے متعرض نہ وہ تم سے پھر بھی غنیمت اور بہتر ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ وہ عورتیں حضرت عمرؓ سے اس معنی کر کے بہتر تھیں کہ اُن عورتوں نے بنا اُن فسادات کی نہیں ڈالی جن کی وجہ سے حضرت علیؓ کو سخت ایذا میں پہونچیں۔ حضرت خاتونِ جنت اپنے حقوق سے محروم کی گئیں حضرت مدودہ کے گھر جلائے جانے کا سامان کیا گیا۔ امارت خاندانِ پیغمبرؐ سے منتقل ہو کر بنی تیم اور بنی عدی اور بنی امیہ میں چلی گئی۔ ہمہ خلافت ظاہری میں خلیفہ برحق علیؓ خلافت سے معزول کر دیے گئے حضرت کا تسلط ارضی باقی نہیں رہا۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر دوا گیا۔ خاندانِ پیغمبرؐ کا قریب قریب دشتِ کربلا میں ظہور پذیر ہوا۔ پھر بقیہ ائمہ خاندانِ پیغمبرؐ امامِ عسکری علیہ السلام تک شہید ہوا کیے۔ دین رسول اللہؐ طرح طرح کی رخنہ اندازیاں ہوتی گئیں۔ قرآن سے حضرت علیؓ کا نام خارج کر دیا گیا۔ حضرت رسولؐ کی آل کا ذکر قرآن سے نکال دیا گیا۔ پھر بہت کچھ ساداتِ کشیان ہوتی رہیں۔ حضرت رسولؐ کا دین خراب ہو کر عالم میں رواج پذیر ہو۔ اور آج تک وہی عناد خاندانِ رسولؐ کے ساتھ اس خراب کردہ دین کے پیروان کو ہے جو سابق میں پیدا ہو گیا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانا رسول اللہؐ کا حضرت عمرؓ سے کہ وہ عورتیں پھر بھی تم سے غنیمت اور بہتر ہیں نہایت درست اور سچا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت بنی بے سرو پا باقین نہیں فرماتے تھے۔ آنحضرتؐ و ما یظن عن الہوی کے تمام تر مصداق تھے۔ واضح ہو کہ قصہ قرطاس کے بیان پر درج کرنے سے راقم کی یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ کیا حوالہ قلم فرمانے کو تھے۔ شہنشاہِ خاندانِ رسالتؐ خوب دل میں جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کیا تحریر فرمانے کو تھے۔ بغرض راقم کی یہاں پر اس اعادہ سے اسی قدر ہے کہ اہل انصاف دیکھیں کہ امتیازِ محمدیؐ کی افتادِ مزاج کس قدر نافرمان واقع ہوئی تھی۔ ایسے امتیازِ محمدیؐ کے تمام ہر تاؤ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے امتیازوں نے دینِ محمدیؐ کے لیے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ ان کی غرض اسلام کے قبول کرنے سے صرف اسی قدر تھی کہ مال و جاہ کے

حصول کی صورت پیدا ہو جائے اور کوئی شک نہیں کہ اسلام کے قبول کرنے سے اُن طالبانِ دُنیا کی غرض پوری ہو گئی۔ لاحول۔ ثم لاحول۔

راقم کی تحریر بالا سے حضراتِ ناظرین پر روشن ہو گیا ہو گا کہ امتیازِ محمدی کا کیا طور و جناب رسالت مآب میں تھا اور اُن صلعم کی رحلت کے بعد کیا رہا۔ امیر معاویہ صاحب کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ آپ کس ترکیب کے بزرگ تھے۔ طالبانِ اطلاع اب آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ امامِ حسن علیہ السلام کو کس مجبوری سے معاملہ صلعم پیش آیا تھا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ یہ مصالحہ کیا تھا۔ اس مصالحہ کی بدولت جو کچھ دینی اور دنیوی ثروت خاندانِ سنیہ کی دنیا میں رہ گئی تھی بہ اسبابِ ظاہر پورے طور پر زوال پذیر ہو گئی حضرت شخینِ خلیفہ بن کر اُس ثروت کے زوال کی بنا ڈال چکے تھے مگر امیر معاویہ نے اس ثروت کا خاتمہ کر ڈالا پوشیدہ نہیں ہے کہ حضراتِ شخین بنی ہاشم کی اس ثروت کو بنی تیم اور بنی عدی کی طرف منتقل کر ہی چکے تھے اور بنی امیہ کو اس ثروت کے حاصل کر لینے کی راہ پر لا ہی چکے تھے۔ پس جب بنی امیہ میں اس ثروت کے غضب کر لینے کی قدرت پورے طور پر پیدا ہو گئی تو وہ ثروت آسانی کے ساتھ بنی امیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ حق یہ ہے کہ بنی ہاشم کے تباہ ویراں کر ڈالنے کا ابتدائی اور انتہائی الزام سب کا سب حضرت شخین پر عائد ہوتا ہے۔ لاریب حضراتِ شخین نے بنی ہاشم کی تباہی اور بربادی کی ابتدا کی اور بنی امیہ نے اس کا تکملہ کر ڈالا۔ واہ واہ۔ کیا کہنا ہے۔ امتیازِ محمدی نے حدیثِ نقلین پر خوب ہی عمل کیا۔ واہ رے امتیازِ محمدی کا اسلام۔ اگر امتیازِ محمدی کا ایسا ہی اسلام تھا۔ تو کفر و نفاق کسے کہتے ہیں

مظالمِ امتیازِ بعدِ رحلتِ آن صلعم

اب راقم رحلتِ رسولِ خدا کے وقت سے جو زمانہ خود برتاؤ خاندانِ سنیہ کے ساتھ امتیازِ محمدی کی جانب سے از وقتِ علی مرتضیٰ تا عہدِ امامِ حسن عسکریؑ ظہور میں آتا گیا ہے مختصر طور پر ذیل میں حوالہ قلم کرتا ہے۔

اول قابلِ اِکذ کر مصائبِ حضرت سید علیہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں۔ شمس العلماء حافظِ عزیز احمد صاحبِ دہلوی اپنی کتابِ رویاے صادقین لکھتے ہیں کہ جو شخص وفاتِ رسولِ صلعم سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے مر چکی تھیں۔ اب مان باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحبِ حق اور باپ بھی کیسے۔ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ اپنے باپ کا سر پر سے سایہ اٹھ جانا اُس پر سے حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نیک بر جرات۔ ترکِ پدیری باغِ فک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا

ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے ہی صدمات پہنچتے۔ تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و تحمل انہیں بچے
ساتھ تھے۔ پھر انہیں صدموں میں گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ
رہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے اُن کو بچ دیے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے
جنائزے پر آنے کی منادی (منع دہی) کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا لیلہ وانا الیہ راجعون
مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بے جا بھی تھا۔ تاہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہ کے دل
غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے، علیؑ کو اگر وہ نا اہل بھی تھے۔ برائے نام خلافت دے دی ہوئی، اور
خود انتظام کیا ہوتا۔ خیر۔ خلافت تو کون دیتا تھا۔ مگر باغ فذک کے دیدینے میں کون سی قباحت تھی
غایت مافی الباب حدیث سخن معاشر الانبیاء لارث ولا نورث مارتکناہ صدقہ۔ کے خلاف بھی ہو تو ہو۔
گناہ اگر ہوتا۔ تو فاطمہ پر ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبویؑ کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے
نا ملائم واقعات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اُس میں ضعف آگیا اور وہ شدہ شدہ
منہج ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کہ بلا کی طرف جسکی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائقی
حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہے۔
 واضح ہو کہ جناب شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب سنی مذہب کے ایک معروف عالم تھے
مذہب اہل سنت سے پوری اطلاع رکھتے تھے۔ اُن کی تصنیف کتاب امہات المؤمنین سے معلوم
ہوتا ہے کہ سخت سنی بھی تھے۔ مگر آپ کی تحریر بالا اس رنگ کی نظر آتی ہے جو خیالات اہل تشیع کے ساتھ
بہت موافقت رکھتی ہے۔ راقم شمس العلماء صاحب کی تحریر بالا پر ذیل میں اظہار رائے کرتا ہے
حضرات ناظرین اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

شمس العلماء فرماتے ہیں کہ ”جو شخص وفات رسول صلعم سے سب سے زیادہ متاثر ہو وہ
فاطمہ تھیں۔ کوئی شک نہیں یہ قول آپ کا نہایت درست اور بجا ہے۔ نبوت غمزدگی میں آپ فرماتے ہیں کہ
والدہ پہلے مر چکی تھیں۔ اب مان باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے اور باپ بھی کیسے دین و دنیا
دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر پر سے سایہ اٹھ جانا۔“ حضرت سیدہ نے اپنی غمزدگی اور آفت
رسیدگی کو اپنے ایک مشہور و معروف اور مطول و مفصل خطبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اُس کا اعتراف
علمائے اہل سنت نے کیا تو ضرور ہے۔ مگر مذہب اہل سنت کو اس سے ضرور مرتب ہونے کے خون سے
کسی سنی مصنف نے اسے بالتفصیل حوالہ قلم نہیں کیا ہے۔ علامہ سبط جوزی نے اپنی کتاب خواص اللہ

مین اور زمخشری نے فابی اپنی کتاب اللغت مین اور ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب نہایہ مین جسے حسبہ اس کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال وہ خطبہ فکر و تلاش سے دستیاب ہو گیا ہے اور ذیل مین حضرت سیدہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے درد انگیز اور مصیبت خیز اشعار کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر حوالہ قائم کیا جاتا ہے شعر اول۔ آپ کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے وہ اگر آپ زندہ رہتے تو کبھی پیدا نہ ہوتے۔

۲۔ ہم آپ کی مفاقت مین آپ کو اس طرح ڈھونڈتے ہیں جس طرح خشک سالی مین زمین پانی کے قطرات کو ڈھونڈتی ہے۔

۳۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ آفت رسیدہ اور غم دیدہ سے ساری دنیا پھر گئی۔ اور آپ کی اُمت کی قوم مین رخنے پڑ گئے۔

۴۔ آپ کے پیارے نواسے مصیبت مین گرفتار ہو گئے۔ اور آپ کی ناز پر دروہ بیٹی پر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

۵۔ مجھ غریب پر دنیا کی وسعت ایسی تنگ ہو گئی ہے کہ اب اس حرمان نصیب کو ایک دم کی زندگی بھی گوارا نہیں ہے۔

۶۔ اگر یہ مصیبت زدہ بیٹی آپ کے سامنے خاک کا پیوند ہو گئی ہوتی تو آج ظالموں کے ہاتھوں اس بُرے درجہ تک نہ پہنچتی۔

۷۔ چاروں طرف سے دشمنوں کا ہجوم مجھ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اُن کی نگاہوں مین نہ میری کوئی عزت باقی رہی ہے نہ میری حرمت۔

۸۔ دنیا مین ہر شخص واحد کو اُس کا مقسوم الیہ مانتا ہے۔ مگر مین ایسی زبان نصیب ہون کہ میرا حصہ مجھے نہیں دیا جاتا۔

۹۔ مسید رحمت مین مینے کے بعد یہی ظالمین باز نہیں آتے اور ستائے جاتے ہیں اور مین خوب جانتی ہوں کہ ایک آپ کے نہ رہنے سے یہ بلا مجھ پر آئی

۱۰۔ ممت کی چھپی ہوئی دشمنی کو دشمنوں نے اُسی وقت سے ظاہر کیا جس وقت سے آپ نے خلد مین مین قیام فرمایا۔

۱۱۔ افسوس وہ گھر دیران پڑ گیا جس مین کلام خدا کی آیتیں نازل ہو کر تھیں اور فرشتگان حُرمت آیا کرتے تھے۔

۱۲۔ افسوس وہ جمال جہان تاب میری غم دیدہ آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا جس کی شجاع نور چاروں طرف

ضیا افکن رہا کرتی تھی۔

۱۳۔ جیسی مصیبت مجھ ایسی مصیبت نصیب پر پڑی ہے وہ آج تک کسی فرد واحد پر نہ پڑی ہوگی۔ مگر با این ہمہ میں اُس پر صبر کرتی ہوں۔

۱۴۔ اے والد بزرگوار۔ میری عمر تمام دن رات گریہ و زاری میں کٹ جائیگی اور میں یقین کرتی ہوں کہ اب مجھے ہمیشہ روتا ہی رہنا پڑے گا۔

شمس العلماء صاحب کا یہ تحریر فرمانا کہ ”سب سے زیادہ حضرت فاطمہ رحلت رسول اللہ سے متاثر ہوئی“ حضرت شیخ کے اشعار بالائے تمام درست ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اُن اشعار سے اُن مضامین افزائش غم کا بھی اظہار ہوتا ہے جس کی نسبت علامہ مدوح یہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت علی کا خلعت سے محروم رہنا وغیرہ وغیرہ الی آخرہ۔

شمس العلماء صاحب سنی ہو کر یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر سبب بھی تھا۔ تاہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے“ راقم کہتا ہے کہ مظلومہ کے باپ کا پاس خلافت طلبوں کو مظلومہ کے باپ کے عہد میں کیا مد نظر رہا تھا کہ اب وہ مظلومہ کی رضامندی کا خیال مظلومہ کے باپ کی رحلت کے بعد کرتے عہد رسالت مآب میں تو وہ طالبانِ خلافت رسول خدا کو زغہ اعدا میں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ صلح حدیبیہ میں ایک صاحب شک فی النبوت کا اظہار کر چکے تھے۔ رسول اللہ پر عقبہ کے مقام میں رات کو وہ طالب دنیا حملہ آوری کی کارروائی اختیار کر چکے تھے۔ جیش اُسامہ کی شرکت سے اپنے کو محروم کر چکے تھے۔ اور وقتِ آخر میں امر ہدایت کی کتابت سے حضرت رسول کو مانع آچکے تھے۔ پس ایسے حضرات حدیث ثقلین پر کیا عامل ہو سکتے تھے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے جو ایسے حضرات اُس مظلومہ کے حقوق کو پیش نظر رکھ کر اُس مظلومہ کی خوشنودی کی طرٹ کوئی توجہ نہیں کر سکے۔ شمس العلماء صاحب نہایت دلسوزی کیشتا یہ بھی قسم فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو خوش کرنے کے لیے، علی کو اگر وہ اہل ہی نہ تھے برائے نام خلافت دیدی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔“ تشرلاً شمس العلماء صاحب ایسا کلمہ حوالہ قلم فرماتے ہیں۔ مگر غاصبانِ خلافت نے اتنا بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں ”خیر، خلافت تو کون دیتا تھا؟“ آپ کا یہ کلمہ ایک بہت بلیغ انداز رکھتا ہے۔ حاصل شدہ خلافت کا دیدینا تو خیال سے باہر تھا۔ ظاہر ہے کہ خلافت دیدینے کے لیے نہیں غصب کی گئی تھی۔ اس کے بعد آپ بارغِ فذک کی مثبت بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنی پسند کی کا اظہار فرماتے ہیں اور معاملہ فذک کو جس پہلو پر کہ وہ طے پایا مدوح قرار دیتے ہیں۔

راقم کتاب ہے کہ اگر طالبان خلافت ایسا کیا ہوتا کہ علی مرتضیٰ کو براے نام ہی سہی خلیفہ بنا دیا ہوتا اور انتظارِ اسلام خلافت خود کرتے رہتے تو چند ان امر خلافت مقدوح صورت میں نظر نہ آتا۔ رسول اللہ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اپنے وقت میں رسول اللہ سردارِ دین و ملک تھے علی مرتضیٰ بھی آپ کے بعد اسی طرح سردارِ دین و ملک مانے جاتے۔ ایسی صورت میں اسلام کا کام نہایت آسانی اور یک جہتی کے ساتھ انجام پاتا۔ مگر طالبان خلافت کے نفاق نے ایسا ہونے نہ دیا۔ طالبان خلافت ایسی راہ چلے جس کے باعث اسلام کی یک جہتی بالکل رخصت ہو گئی۔ اسلام میں سول وار (civil war) کی بنیاد ڈالی گئی جس سے آگے چل کر اختلافات مذہبی پیدا ہو گئے۔ اور غوریزبان اُس وقت تک سلطنت عرب میں جاری رہیں کہ جب تک کہ سلطنت تاناریوں کے ہاتھ سے معدوم نہیں ہو گئی۔ کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ کے مرکزِ خاطر کے بٹے مخالف حضرت عمرؓ نظر آتے ہیں اگر آپ نہ ہوتے تو خلافت کا معاملہ اسی طرح طے پا جاتا جیسا کہ حضرت رسولؐ چاہتے تھے۔ مگر آپ کی تنگ چشمی اور تنگ حوصلگی نے ایسا ہونے نہ دیا یہ آپ کی تنگ چشمی اور تنگ حوصلگی ہی کا نتیجہ ہے کہ اس سے بہت نتائج بد پیدا ہوتے گئے اور آج بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت رسول خدا کا پولیٹیکل منظریہ وسیع تھا۔ اس کے برخلاف حضرت عمر کا دائرہ فطرت ہی تنگ نظر آتا ہے۔ اگر حضرت عمرؓ میں بھی پولیٹیکل قابلیت ہوتی۔ یعنی اگر آپ حقیقت دین اسلام اور سلطنت اسلامی کے خیر خواہ ہوتے تو نفسانیت کو اسلامی امور میں دخل نہ دیتے آپ نے اپنی ناہمواری طبع اور کج مزاجی سے خلافت کو ایک امر پر از فتنہ بنا دیا۔ اگر آپ سچے پولیٹیشنر تھے تو علی مرتضیٰ کی عداوت کو اپنے افعال و اقوال میں دخل پانے نہ دیتے۔ آپ ایک چھوٹے حوصلہ کے پویشین نظر آتے ہیں۔ دین اسلام اور سلطنت اسلام کی ہی خواہی پر اپنی پارٹی کی ہی خواہی کو مرجع جانتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عثمان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے میں طرح طرح کے لچہ بیچ سے کام نہ لیتے۔ غلامِ را تو ایسا ہی سلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان سے مراحل زیادہ قابل خلافت بہت اشخاص اس وقت موجود تھے حضرت عثمانؓ حضرت علی مرتضیٰ کے مقابل میں تو لاشے ہی تھے مگر اور بھی مہاجرین اور انصار میں ایسے لوگ موجود تھے جو حضرت عثمان سے بدرجہا بہتر خلافت کا انتظام کر سکتے تھے۔ کاش عشرہ مبشرہ سے ہی کوئی خلیفہ یا اور کسی شخص کو خلیفہ انتخاب کر لیا ہوتا۔ تو وہ ضرور حضرت عثمان سے بہتر خلیفہ ثابت ہو سکتا۔ مگر منظور تو تھا علی مرتضیٰ کو ذک دینا۔ اور بنی ہاشم کو خلافت یا حکومت سے محروم رکھنا۔ پس حضرت عثمان کی خلافت کا سامان کر کے آپ را ہی ملک بچا ہو گئے۔ حق تو یہ ہے کہ اس ترکیب سے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کو صرف خلیفہ ہی نہیں بنا ڈالا بلکہ حضرت رسول کی دینی ریاست کو بھی جی اُمیکہ

حوالہ کر دیا۔

جناب شمس العلماء صاحب آخزمین تحریر فرماتے ہیں کہ ”سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملایم واقعات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیے تھا۔ اُس میں ضعف آگیا۔“ راقم کتبا ہے کہ اُن ناملایم واقعات کے پیش لانے والے حضرت عمر ہوئے اور اُن کی بیعت میں حضرت ابوبکر اور دیگر منافقین، بہ اغوائے حضرت عمر حضرت ابوبکر حضرت علیؑ سے طالب بیعت ہوئے۔ اس طلب بیعت میں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ پر حضرات شیخین کی طرف سے وہ شدید ہونٹیں کہ خدا تیری پناہ۔ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے آگے لے کر خانہ خاتون جنت کے جلانے کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے خانہ مظلومہ میں آگ لگا دی۔ کس بے ادبانہ طریقہ سے حضرت عمر حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ سے ہم کلام ہوئے۔ اور روز بیعت حضرت عمر نے حضرت خاتون جنت کے بطن شریف پر ایسی ضرب لگائی کہ حل اس مظلومہ کا ساقط ہو گیا اور اسی صدمہ سے وہ مصومہ مظلومہ باپ کے انتقال کے چھ مہینے کے اندر جان بحق تسلیم ہو گئیں۔ پھر ذک کا قصہ برپا ہوا حضرت ابوبکر نے بہ اغوائے حضرت عمر ایک عجب انصاف کش فیصلہ حضرت مظلومہ کے خلاف میں صادر فرمایا۔ اہل بیت نبوی کا ادب و لحاظ کیسا۔ حضرت عمر حضرت مظلومہ کی نسبت بڑی حقارت کے ساتھ بول اُٹھے کہ ”فاطمہ از زنی بیش نیست“ یہ گستاخی اور خاتون جنت کی جناب میں۔ آسمان ٹوٹ کر زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا ہے۔ ہاں ایک وقت داور محشر کے آگے آنیکو ہے تب معلوم ہو جائیگا کہ فاطمہ کیا ہیں اور اُن کے ستانے والے حضرت عمر اور تابعین حضرت عمر کیا ہیں۔ ”از مکافات عمل غافل شو“ تحریر بالا کے بعد جناب شمس العلماء رقم فرماتے ہیں کہ ”اور وہ یعنی ادب و لحاظ میں ضعف کا آنا منجر ہوا اُس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔“ شمس العلماء صاحب کا قول بالاتمام سراسی سے ملو ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرات شیخین اور اُن کے تابعین نے اہل بیت نبوی کے ساتھ حد درجہ کی بے عنوانی شروع کی جس سے دیگر امتیان محمدیؐ بھی بے عنوانی کی راہ اختیار کی۔ رفتہ رفتہ جب اہل بیت نبوی کی کوئی عظمت امتیان گمراہ کی آنکھوں میں نہیں رہی تو واقعہ کربلا کا ظہور میں آجا ناخلاقانہ فطرت نہوا۔ سچ پوچھئے تو حضرات شیخین نے واقعہ کربلا کا تخم ثقیفہ بنی ساعدہ میں بویا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ تخم درخت ہوا۔ پھر ایسا اثر لایا کہ جس سے قریب قریب اہلبیت نبوی کا خاتمہ ہو گیا۔ چہ خوش فرمود شخصے ابن لطیفہ۔ کہ شتہ شد حسینؑ اندر ثقیفہ۔ جن تو یہ ہے کہ جس تخم کو حضرات شیخین نے ثقیفہ میں بویا تھا اُس سے جو درخت پیدا ہوا وہ صرف واقعہ کربلا کا ثمر نہیں لایا

بلکہ اسی تحکم کی بدولت امام حسنؑ کی جان اور بھی بقیہ ائمہ یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام تک کی جانیں تلف ہوتی رہیں۔ بلکہ اگر علی مرتضیٰ کے ادب و لحاظ میں حضرات شیخین امتیان گمراہ کو کسی کی راہ نہ سوجھا تو اس کا یقین ہے کہ علی مرتضیٰ کی شہادت بھی ظہور میں نہیں آتی۔ کوئی شک نہیں کہ جتنی بہتیں اہلبیت پر لاحق ہوئیں بلاشبہ حضرات شیخین ان کے جواب دہ نظر آتے ہیں۔ تاہم شاکہ یہ ہے کہ خاندان رسالت کے ساتھ حضرت شیخین صرف خود ہی بے اعتنائیوں کے عامل نہ ہوئے بلکہ آئندہ کی بے اعتنائیوں کے لیے ایک مردود قبیلہ کو بھی تیار کر دیا جو برسوں اہلبیت نبویؐ کے ساتھ بے اعتنائیاں کرتا رہا اور اس وقت بھی اس قبیلہ کی نسل جہان جہان نظر آتی ہے آل نبی کے ساتھ وہی عناد رکھتی ہے جو عناد معاویہ یزید مروان وغیرہ اور بھی معاویہ اور یزید کی ترکیب کے خلفاء وغیرہ خلفائے بنی امیہ کے دلوں میں جگہ کیے ہوئے تھا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ واقعہ کربلا اسی تیار کردہ قبیلہ کی بے اعتنائیوں کا ایک جلوہ ہے۔ جناب شمس العلماء صاحب اپنی آخری تحریر میں واقعہ کربلا کو ایسا ناقابل برداشت واقعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جس کی نظیر تاریخ میں معنی مشکل ہے“ یہ فرمودہ آپ کا تامہ ترین صحت ہے۔ سو اسے یزیدیوں کے جن کے وجود سے ہندوستان پاک نہیں ہے اور حکم و قول بالا قابل اعتراض نظر آئے تو آئے ورنہ اس کی صحت میں کسی اسلامی فرقہ بغیر متعصب کو مجال گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قول بالا کے بعد جناب شمس العلماء واقعہ کربلا کی نسبت فرماتے ہیں کہ ”وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دیکھانے کے قابل نہیں رہے“ یہ قول بھی جناب مدوح کا راستی سے مملو ہے۔ مگر مخالفان اہل بیتؑ پہلے بھی اور آج بھی ایک طور پر حیا چہ کتنی ست کہ پیش مروان بایذ کے مصداق دیکھے جاتے ہیں۔ امتیان گمراہ کی بے حیائی کا حال کیا کوئی لکھے۔ یہ گمراہ حضرت رسولؐ کی رحلت کے پہلے اور بعد بھی یکساں طور پر حیا سے بے سرو کار رہے ہیں۔ اگر ان کو کچھ بھی حیا ہوتی تو ان میں کے ایک صاحب بوقت ہجرت حضرت رسولؐ دو سو درہم کا خریدار ہوا ورنہ حضرت رسولؐ کے ہاتھ نو سو درہم کو نہیں بیچتے۔ یہ لال سوداگری کسی شریعت و وضع سے ظہور میں نہیں آ سکتی ہے۔ حیا ہوتی تو جہاد فی سبیل اللہ سے جی چرانے والے خپلو بھر پانی میں ڈوب مرتے۔ حیا ہوتی تو کسی معاملہ صلح میں شک فی البتہ کا اظہار کر کے ذمہ رہنا گوارا نہیں کرتے حیا ہوتی تو مبارکباد مولائیت حضرت رسولؐ کے جانشین برحق کو دیکر خلافت کو اپنی جانب منتقل کر لینے میں کوئی دقیقہ جانشین برحق کی حق تلفی اٹھا نہیں رکھتے۔ اگر حیا ہوتی تو ضرور ایسے غضب حق کے بعد اپنے کو ہلاک کر ڈالتے یا پھر کسی کو سمجھ نہیں دکھلاتے۔ حیا ہوتی تو بوقت شب واپسی سفر مدینہ کی حالت میں حضرت رسولؐ پر حملہ آور نہ ہوتے اور حملہ آور ہونے کے بعد رازدار حضرت رسولؐ سے یہ نہ پوچھتے

کہ میرا نام تو عملاً اور دن کی فہرست میں نہیں ہے۔ ایسے حملہ آور کمال بے حیائی کے ساتھ زندہ رہنا کیوں قبول کر کے۔ تقاضاے حیا سے پیوند خاک کیوں نہیں ہو گئے۔ حیا ہوتی تو حکم حضرت رسولؐ کے مطابق اسلامی لشکر کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑنے کو بلا عذر چلے جاتے۔ مدینہ میں بیٹھے نہیں رہ جاتے اور اپنے کو مردود خدا نہیں بناتے۔ ایسے فعل کے بعد زندہ رہنا کوئی حیا دار انسان گوارا نہیں کر سکتا ہے۔ ایسے فعل کے ترکیبوں کو ایک چٹو بانی بن ڈوب ہی مرناتھا۔ حیا ہوتی تو حضرت رسولؐ کے وقت آخر میں حضرت رسولؐ کو کتابت ہدایت سے ملنے نہ ہوتے اور ہدیان کی نسبت حضرت رسولؐ کی طرف روانہ رکھتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بے عنوانیاں امت گمراہ کی عہد رسول اللہ کی ہیں۔ اب اُن بے عنوانیوں کی طرف حضرات ناظرین توجہ فرمائیں جو امتیاء گمراہ سے آن صلعم کے بعد ظہور میں آتی تھیں۔

لاریب عہد حضرت رسولؐ کے امور بالا ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ اُن کا ظہور کسی سچے مسلمان کی ذات سے شکل امکان نہیں رکھتا تھا۔ ایسی امت جس کی بے عنوانیاں رنگ بالائی ہوں کیونکہ امت محمدیؐ کسی جا سکتی ہے۔ بے شک ایسے مسلمان مسلمان نہ تھے بلاشبہ منافق اور بے باطن نامسلم تھے اب راقم عہد رسالت کے بعد کی امت گمراہ کی بے عنوانیوں کو بہ سبیل اختصار درج ہذا کرتا ہے جن سے یہ امر یقین طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ امت گمراہ واقعی امت محمدیؐ نہیں تھی صرف امت محمدیؐ کہلاتی تھی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ امت گمراہ حضرت رسول اللہ کے آنکھ بند کرتے ہی حضرت رسولؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر ایک طرف دوڑ گئی جہاں اس نے امر خلافت کو اپنے اغراض کے مطابق طے کر کے اہل بیت نبویؐ پر ستم ڈھانا شروع کر دیا اس امت گمراہ کی طرف سے اہلبیت نبویؐ کے گھر پر درشت خویوں نے چڑھائی کر ڈالی۔ لخت جگر رسولؐ کے گھر میں آگ لگا دی اور ایذا رسانی کی حد نہیں رکھی۔ اگر اس امت گمراہ کو خس برابر بھی حیا ہوتی یا دائرہ تحمل کے برابر بھی ایمان ہوتا۔ تو اس طرح کی حرکتیں اس امت گمراہ سے ظہور میں نہیں آتیں۔ منجملہ بے عنوانیوں کے ایک بڑی بے عنوانی امت گمراہ کی طرف سے جو شکل پذیر ہوئی وہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے بطن مبارک پر حضرت سیدہ کے ایسی ضرب لگائی کہ اُس مظلومہ کا محل ساقط ہو گیا اور اس صدمہ سے وہ معصومہ کچھ روزوں علیٰ رہ کر اپنے پدر عالی مقام کی رحلت کے چھ مہینے کے اندر رحلت فرما گئیں (دیکھو مل و نخل شہرستانی کتاب العقد ابن عبد اللہ و میزان الاعتدال ذہبی و کتاب معارج النبوة) امر خلافت کے طے پاتے ہی جو جو بے ادبیاں امت گمراہ نے حضرت علیؑ کے ساتھ گوارا رکھیں اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آپ کے پیش نظر امت گمراہ نے حضرت فاطمہؑ کے ساتھ جو بے عنوانیاں کیں۔ اس کا جس قدر صدمہ آپ کو پہنچا ہوگا مختلف بیان نہیں ہے۔ مگر خود آپ کی ذات کے ساتھ وہ امت گمراہ جس طور پر

پیش آئی کچھ کم قابل حسرت نہیں ہے۔ طلب بیعت کی بنیاد پر آپ کا بیت الشرف سے بالجبر خارج کیا جانا اور دربار خلافت تک بشکل اسیر و بزریرا ست و دشمنانِ اہلبیت و بصورت مآخوذ لایا جانا سوائے بڑی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے اور کیا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ واہ وا۔ امت گمراہ نے خوب حدیث ثقلین پر عمل کیا لاحول ثم لاحول۔ دشمنانِ اہل بیت کو اب معلوم ہوتا ہوگا کہ اس حدیث شریف سے انحراف کرنے والے بعد مردن کیسے کیسے عذاب شدید میں مبتلا کیے جاسکتے ہیں چھبیس برس تک جناب علیؑ کو اُمت گمراہ سے سابقہ رہا اور اس عرصہ میں اُس کی ہر طرح کی بے عنوانیوں کا آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ پھر جب آپ کی خلافت ظاہری کا زمانہ آیا تو اُمت گمراہ نے آپ کو دم بھر بھی چین سے رہنے نہ دیا یہاں تک کہ آپ کی شہادت ظہور میں آگئی۔ آپ کی شہادت بھی اسی اُمت گمراہ کے ایک فرد سے وقوع میں آئی۔ آپ کے بعد اسی اُمت گمراہ نے امام حسنؑ کا کام تمام کر ڈالا پھر اسی اُمت گمراہ نے دشتِ کربلا میں صرف امام حسینؑ ہی نہیں بلکہ قریب قریب تمام خاندانِ پیغمبر کا خاتمہ کر ڈالا۔ گر برین قوم تو سنتِ نبویؐ لعنت باد۔ اس کے بعد اُمت گمراہ نے جدِ ربیع امام زین العابدینؑ سے تا امام حسن عسکریؑ خون آں محمدؐ کے بہانے میں مطلق سب میں نہیں کیا۔ جناب شمس العلماء صرف واقعہ کربلا کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ ”وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔“ مگر تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُمت گمراہ برابر ایسے افعالِ قبیح کی حامل ہوتی ہی رہی۔ پس تمام ایسی ناہنجار اُمت اور عہدوں کی بھی دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ خدا ایسی اُمت کا بروز جزا مُنہ کالا کرے۔ ظاہر ایسی دعا کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مخالفانِ اہلبیت کا مُنہ بروز جزا سیاہ ہونے کے سوا اور کیا ہوگا۔

جناب شمس العلماء صاحب نے ایک اجمالی صورت میں ہایذہندگان حضرت خاتونِ کا ذکر اپنی تصنیف میں فرمادیا ہے۔ مگر رقم کچھ تفصیلی طور پر ان واقعاتِ مظالم کو ذیل میں حوالہ قلم کرتا ہے تاکہ اشخاص ناواقف اُن سے کافی طور پر باخبر ہو جائیں۔

علامہ ابی الحدید رقمطراز ہیں کہ ابو بکر جہری اپنی کتاب الثقیفہ میں لکھتے ہیں کہ جب ابو بکر مسندِ خلافت پر بیٹھے تو زبیر اور علیؑ اور چند بنی ہاشم خانہِ ظالمہ میں تھے۔ عمر اُن لوگوں کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ قسم اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یا تو تم لوگ نکل کر بیتِ ابی بکر کی کرو ورنہ یہ گھر مع تمہارے جلا دین گے۔ یہ سن کر زبیر تلوار اُٹھائے باہر نکل آئے۔ انصار میں سے کسی شخص نے اُن کی گردن بکڑ لی اور مابینِ وجہ وہ جھک پڑے۔ اور زبیر ابی بکر سے پست گیا اور تلوار اُن سے لے لی

ابو بکر نے مسجد سے آواز دی کہ اس تلوار کو پتھر پر دے مارو۔ عمر بن حاش کا بیان ہے کہ میں نے اس پتھر کو دیکھا اُس پر ضرب کا نشان تھا اور کہا جاتا تھا کہ زبیر کی تلوار کا وہ نشان ہے۔ پھر ابو بکر جو ہری لکھتے ہیں کنجہ سے ابو زید ابن شیبہ نے بروایت ابو بکر الباقلی و اسمعیل ابن مجالد و شعبی روایت کی ہے کہ ابو بکر خلیفہ اول صاحب نے پوچھا کہ زبیر کہاں ہیں۔ حضرت خلیفہ سے کہا گیا کہ وہ تو علیؑ کے پاس تلوار حائل کیے ہوئے موجود ہیں۔ ابو بکر نے کہا کہ اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور اے خالد بن ولید کھڑے ہو جاؤ اور جا کر ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ پس عمر اور خالد گئے۔ عمر خانہ فاطمہ کے دروازے کے اندر چلے گئے۔ اور خالد دروازے کے باہر کھڑے رہے زبیر سے عمر نے پوچھا کہ یہ تلوار کیسی ہے۔ زبیر نے کہا کہ اس سے علیؑ کی بیعت کی جائے گی۔ عمر نے وہ تلوار لیکر پتھر پر دے ماری اور اس کو توڑ ڈالا۔ پھر زبیر کا ہاتھ کپڑے کر باہر نکال لائے اور خالد سے کہا ان کو کپڑے رکھو پھر علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا اٹھو اور ابو بکر کی بیعت کرو ورنہ ہم تمہیں ماریں گے اور قید کریں گے۔ یہ کھڑکوں کا ہاتھ کپڑا لیا اور کہا کہ اٹھو علیؑ نے اٹھنے سے انکار کیا۔ پس عمر نے اُن پر حملہ کیا اور اُن کو بھی اُسی طرح باہر نکال لائے جس طرح زبیر کو باہر نکال لائے تھے۔ اور فاطمہ نے یہ تمام امور جو اُن پر گزرے اپنی آنکھوں سے دیکھے آپ اپنے حجرہ کے دروازہ پر سے پکارا کہ اے ابو بکر کیا تم لوگ خانہ رسول اللہؐ کو غارت کر دو گے۔ خدا کی قسم میں عمر سے نبولوں گی جب تک کہ اپنے پروردگار سے نہ ملتی ہوں۔

واضح ہو کہ حضرت سیدہ کے گھر جلانے کا مضمون تاریخ ابوالفدا۔ اور دیگر کتب تاریخ میں بھی مندرج دیکھا جاتا ہے۔ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ تقیفہ بنی ساعدہ میں لوگ جمع ہوئے اور عمر نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور انھیں کی مثال میں اور لوگوں نے بھی۔ ربیع الاول کے عشرہ اور سترہ میں ان کی بیعت کر لی بجز ایک جماعت بنی ہاشم و زبیر و عتبہ ابن اسب و خالد ابن سعید ابن عاص و مقداد ابن عمرو و سلمان فارسی و ابوذر و عمار ابن یاسر و زبیرہ ابن عازبہ ابی ابن کعب۔ یہ لوگ علی ابن ابی طالب کی طرف مائل تھے۔ اسی بنا پر عتبہ ابن ابی اسب نے یہ شعر کہے تھے۔

”میں نہیں جانتا تھا کہ امر خلافت بنی ہاشم سے اور بنی ہاشم میں خاص کر ابو اسبن سے نکل جائے گا کیا وہ ایمان اور سبقت اسلام کے اعتبار سے سب مسلمانوں میں پہلے بزرگ نہیں ہیں اور کیا وہ علم القرآن و علم الحدیث میں سب لوگوں سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔ کیا وہ ایسے بزرگ نہیں ہیں جو آخر وقت تک رسول اللہؐ کے ساتھ رہے اور جبریلؑ نے اُن حضرت کے غسل کفن میں اُنکی معاونت فرمائی۔ جو اُن میں صفات ہیں وہ لوگوں میں نہیں پائے جاتے اور جو خوبیاں اُن میں ہیں وہ قوم میں نہیں ہیں۔“ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ ان کے نے عمر و الخطاب کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ عمار اور اُن کے ہمراہ ہوں کو فاطمہ کے گھر سے نکال دو

اور یہ بھی کہدیا کہ اگر وہ تمہارا کہنا نہ مانیں تو تم ان لوگوں سے جنگ کرو۔ پس عمر تھوڑی سی آگ لے کر چلے کہ اس گھر کو جلا دیں۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کو دیکھ کر کہا اے عمر خطاب کے بیٹے تو کیا گھر جلا یا چاہتا ہے؟ عمر نے کہا ہاں۔ راقم کہتا ہے وہ حضرت ابوبکرؓ اور وہ حضرت عمرؓ آپ دونوں بزرگوں نے حدیث نقلین کی خوب تبصیر فرمائی۔ حق یہ ہے کہ اگر آپ دونوں بزرگوں نے حضرت رسولؐ کو رسول خدا مانے ہوئے ہوتے تو آپ دونوں بزرگوں نے حدیث نقلین کی تعمیل کی طرف کچھ توجہ نہ فرماتے۔ رحلت حضرت صل کے بعد آپ دونوں صاحبوں کا کوئی قول یا فعل ایسا نظر نہیں آتا ہے جس میں آپ دونوں صاحبوں نے اتنا بھی یاد رکھا ہو کہ میں السموات والارض حضرت رسولؐ کا کوئی رفوہ ہے جسے اہل اسلام حدیث نقلین کہتے ہیں۔ مگر مسلمان ہی نہیں است کہ حافظہ دار وہ اسے گرد پس امروز بود فردا سے تارخ طبری میں احراق خانہ فاطمہؓ کی نسبت مضامین ذیل دیکھے جاتے ہیں۔

(۱) طبری میں درج ہے کہ عمر ابن خطاب علی کے مکان پر آئے اور بولے کہ اس مکان کو تمپر جلا دیں گے نہیں تو بیعت کرنے کے لیے باہر نکل آؤ۔

(۲) واقفی کا بیان ہے کہ ایک جماعت کے ساتھ جس میں رشید بن حصین اور سلمہ ابن مسلم بھی تھے حضرت عمر علیؓ کے گھر گئے اور کہا کہ گھر سے باہر نکل آؤ۔ نہیں تو یہ گھر تمہارے اور پر جلا دیں گے۔

(۳) ابن خزاعہ اپنی کتاب عزیز میں لکھتے ہیں کہ زید بن اسلم کا بیان ہے کہ ہم لکڑی کا بو جھالے کر عمر کے ساتھ دروازہ فاطمہؓ پر گئے تھے اُس وقت جب کہ علیؓ اور اُن کے ہمراہیوں نے بیعت ابوبکرؓ سے انکار کر دیا تھا عمر نے فاطمہؓ سے کہا کہ گھر سے باہر نکل آؤ نہیں تو ہم اس گھر کو اور اس جو کچھ ہے سب تمپر جلا دیں گے۔ لوگوں نے کہا کہ گھر میں علیؓ فاطمہؓ حسنؓ اور حسینؓ اور بہت سے اصحاب بھی موجود ہیں۔

بہر حال حضرت عمر کا ارادہ احراق دیکھ کر اور اس کا یقین کر کے کہ وہ ایسا کریں گے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ تم میرے بچوں کو میرے ساتھ جلا دو گے۔ عمر نے کہا ہاں خدا کی قسم۔ نہیں تو گھر سے نکلو اور بیعت کر دو۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت عمر نے حدیث نقلین کی خوب داد دی۔ آپ کا کیا کہنا حق تو یہ ہے کہ آپ عبد ربّ اللہ میں حضرت رسولؐ کی کیا تبصیر کرتے تھے جو ان صلعم کے بعد مضمون حدیث نقلین کو خیال میں لاتے اہل انصاف ملاحظہ فرما دیں کہ جو شدتیں حضرت عمرؓ اپنی بالائی کارروائیوں سے حضرت مظلومہ پر کر گئے کیا ایسی کارروائیاں انسان سے ظور میں آسکتی ہیں۔ اس بے رحمی کی تو کوئی حد بھی دیکھی جاتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا سنگدل درشت خود رشتہ گو آدمی دنیا میں کسی مذہب کا روحانی ہادی ہو سکتا ہے؟

جواب ایسے سوال کا یہ ہے کہ ایسے شخص کا روحانی ہادی ہونا تو درکنار سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی طرف انسانیت کی نسبت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ واہ رے اسلام ایسے مسلمان نکلا۔ واہ وا اپنی غمزدہ آفت رسیدہ بلا کشیدہ بنی زادی کے باپ کا پر سا حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ نے آگ سے کیا۔ ایسا پر سا از آدم تا این ہم نہ کسی نے کیا ہے اور نہ آئندہ کوئی کرے گا۔ مسلمانی اور مسلمانی کی سرداری اس کو کہتے ہیں۔ اس پر سے تماشا یہ ہے کہ آج تک مسلمانوں کا وہی سر ہے۔ لاجول ثم لاجول۔ ہر دشمن اہلبیتؑ ہی کہتا ہے کہ حضرت شیخین نے جو کچھ کیا بجا کیا۔ بہت دور نہیں ہے کہ قیامت قائم ہو اور روشن ہو جائے کہ حضرت شیخین نے جو کچھ ظلم نہت نبی پر کیے بجا یا بجا کیے۔ سچ یہ ہے کہ جو جہانیں حضرت شیخین سے حضرت فاطمہؑ کے حق میں ہوئیں ان کا مرتکب کوئی مسلمان یا یہ کہے کہ کوئی انسان نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک معمولی کافر سے بھی ایسی شدتیں ظہور میں نہیں آ سکتی ہیں (۴) ابن عبد ربہ کہتے ہیں کہ پس علیؑ اور عباسؑ فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ابوبکرؓ نے عمرؓ کو بھیجا کہ دونوں کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دو۔ اور ابوبکرؓ نے یہ بھی عمرؓ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ دونوں بیعت سے انکار کریں تو ان دونوں کو قتل کر ڈالو۔ ماشاء اللہ حضرت ابوبکرؓ کی مسلمانی اور انسانیت کا کیا کہنا ہے۔ تب تو اس وقت کرور در کرور مسلمانوں کے ہادی و مرہر ہو رہے ہیں عمر چلے اور اپنے ساتھ حقوڑی آگ بھی لیکر چلے تاکہ خانہ فاطمہؑ کو جلا دیں۔ حضرت فاطمہؑ نے یہ دیکھ کر کہا گیا اسے خطاب کے بیٹے ہمارا گھر جلا دے گا۔ حضرت عمرؓ بڑے بان "اس واقعہ کو اسی طرح کتاب الحاسن اور انفاس الجواہر کے مصنفوں نے بھی لکھا ہے (طبری جلد ۵) امام ابن قتیبہ اپنی کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ کو ان لوگوں کی خبر ملی جو ان کی بیعت سے اختلاف رکھتے تھے کہ وہ لوگ علیؑ کے پاس جمع ہیں۔ ابوبکرؓ نے عمرؓ بن خطابؓ کو بھیجا وہ آئے اور انھوں نے خانہ علیؑ میں آکر ان لوگوں کو پکارا۔ لیکن ان لوگوں نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ تب عمرؓ نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا قسم اُس خدایا جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ۔ نہیں تو ہم اس گھر کو اور ان تمام چیزوں کو جو اس میں ہیں تپیر جلا دیں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اس میں فاطمہؑ بھی تو ہیں عمرؓ نے کہا اگر وہ بھی ہوئی تو کیا (رازم کہتا ہے شہادت) پس سب لوگ نکلے اور بیعت کر لی سوائے علیؑ کے۔ کیونتی سید بھائیو کچھ بھی سیدہ مظلومہ سلام اللہ علیہا والیہا کے لیے آپ حضرات کا دل کہتا ہے۔ ظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ نہیں دیکھتا ہے۔ آپ حضرات کو جو کچھ ہمدردی ہے حضرت مظلومہ کے ایذا دہندگان کے ساتھ ہے۔ آپ حضرات کی سیادت کچھ عجیب رنگ کی سیادت نظر آتی ہے۔ کیونہو۔ اب آپ حضرات کی سیادت بنی امیہ کی سیادت ہو رہی ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ کتاب ریاض الشہادت میں بھی جس کے مصنف ملا حسن قزوینی ہیں حضرت سیدہ کے

گھر میں آگ لگا دیے جانے کا مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ درج دیکھا جاتا ہے۔ ملائے مدوح لکھتے ہیں کہ ”اسی اثناء میں عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی کہ اے ابوطالب کے بیٹے کو اڑکھو لدو۔ خاتونِ جنت نے عقب در سے فرمایا کہ اے عمر تجھ کو ہمارے ساتھ کون سا امر پیش آیا ہے اور تم کیوں ہمارے حال پر نہیں چھوڑ دیتے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ دروازہ کھول دو۔ نہیں تو یہ گھر مع تمہارے جلادیا جاوے گا (راقم کتاب ہے کہ ہمارے حدیث ثقلین اور ہمارے حضرت شیخین کی ترکیب کے اہل اسلام) حضرت سیدہ بولیں کہ اے عمر خدا سے نہیں ڈرتا ہے کہ میرے گھر میں بلا اذن چلا آیا اور جوم کیے ہوئے ہے اور بزور ہیکو باہر نکالنا چاہتا ہے (راقم کتاب ہے کہ خدا سے ڈرے حضرت عمر کی بلا) عمر نے کچھ نہیں سنا اور آگ مٹا کر دروازے میں لگادی جب چولون تک کو اڑ جل گئے تو چاہا کہ کو اڑ نکال لیں۔ معصومہ سلام اللہ علیہا اپنے پر بزرگوار کو رسولِ مختار کے خطاب سے یاد کر کے فریاد کرنے لگیں۔ آواز فریاد سن کر حضرت عمر نے تلوار میان سے کھینچ لی اور دستہ میں کو آپ کے پہلو پر مارا (راقم کتاب ہے بڑی جاے حسرت ہے کہ وہ تلوار جنگ بدرو جنگ احد و جنگ خندق و جنگ خیبر و جنگ حنین و دیگر غزوات و سرایا میں نہیں کھینچی اور کھینچی تو بمقام بلکہ ایک سو گوار اور نحیف فاطمہ کے کھینچی حق یہی ہے کہ بزدلوں کی تلوار ایسے ہی موافق میں کھینچتی ہے (تقویر تو اسے چرخ گردان تقویر) واہ و حضرت عمر نے کیا خوب تعمیل حدیث ثقلین کی فرمائی عقل کہتی ہے کہ بروی جزا حضرت عمر کی یہ بہادری داوڑ محشر کے آگے بڑی منزلت عقبی پیدا کرے گی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ان بے عنوانیوں کے بعد بھی حضرات شیخین انسان اور خلیفہ رسول اللہ مانے جاتے ہیں (برین عقل و دانش بیاید گریست) وہ معصومہ چوٹ کھا کر در و ضربت سے فریاد کرنے لگیں، اس ضربتِ رسانی کے بعد ماشاء اللہ حضرت عمر نے تازیانہ کھینچا اور آپ کے بازو پر اس زور سے مارا کہ آپ کا بازو سیاہ ہو کر ورم کر گیا (راقم کتاب ہے کہ وہی تعمیل حدیث ثقلین کی اور واہ رہی سلمانی حضرت عمر اور دیگر معاندان اہل بیت کی۔ کس عقل سے ایسے ایسے مسلمانوں کو کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے۔ لا حول ثم لا حول) اے سنی سید بھائیو۔ بتلائیے تو آپ کے زہر دین حضرت عمر کس طرح کے بزرگ تھے۔ خلیفہ رسول اللہ تو درکنار آپ ان حضرات کے ایسا ہی ثابت کر دکھائیے۔ آخر عقل خدا نے کس دن کے لیے دی ہے۔ کچھ تو اس سے کام لیجیے۔ یہ کورانہ پیروی کیسی مختصر یہ ہے کہ خلافت پارٹی کے سرداروں نے یعنی حضرات شیخین نے حضرت فاطمہ بنت نبیؑ کو ایذا میں پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اتنا بھی ان ظلم پر ورون نے خیال نہیں کیا کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ہے۔ باپ کے غم میں چور ہو رہی ہے۔ اس معصومہ اور دیگر اہل بیت نبویؑ کے حق میں حضرت رسول کیا فرما گئے ہیں کوئی شک نہیں کہ جن افعال قبیحہ کے ترکب حضرات شیخین ہوتے گئے کوئی

ہادی روحانی تو درکنار کسی مذہب اور ملت کا کوئی شریف آدمی اُن کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ سوائے شفیق و متعصب کے ایسے حضرات کو کوئی انسان بقید حواس رہ کر اپنا سردار مذہبی نہیں مان سکتا ہے۔ **الحکمۃ فیہ**

ذکر مصائب حضرت امیر مومنین اسد الغالب علی بن ابی طالب علیہ السلام الی یوم الیقام

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی ایذا یا بیون سے جو مولائے کائنات کو ایذا میں نصیب ہوئیں اُنکے علاوہ خود آنجناب کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ کم ایذا میں نہیں پہنچیں۔ دفن و کفن حضرت رسولؐ میں مسلمانوں کی عدم شرکت معاونت۔ بیعت ابوبکر سے انکار فرمانے پر طرح طرح کی تکلیف دہی بیت اللہ سے اخراج بالجبر۔ اسیر ہو کر دربار خلافت تک زیر حراست عمر ابن الخطاب قنفذ و خالد بن ولید لایا جانا۔ خلافت وصایاے رسول صلعم کے امت رسول کا عامل ہونا۔ اہلبیت نبویؐ کو حضرت شیخ کی افعال سے درجہ عوام امتیان سے بھی نیچے اتار دیا جانا۔ یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں کہ امتیوں کے ہاتھ سے ہرگز علی مرتضیٰ جو مورد قول نبیؐ "من کنت مولاه فعلی مولاء" کے تھے اُن مصیبتوں کے سزاوار نہ تھے مگر وہ اسے تحمل مرتضوی۔ اخراج بالجبر و اسیری وغیرہ کی ذلتیں آپؐ نے برداشت کیں مگر دشمنانِ عسرت رسولؐ کے خلاف میں تلوار نہیں کھینچی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت رسولؐ نے علی مرتضیٰ کو خوب سمجھا دیا تھا کہ اپنی مصیبتوں پر صبر کرنا۔ ابھی اسلام ابتدائی حالت میں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ معرکہ راندی سے معدوم ہو جاوے۔ وہ حضرت علیؑ حضرت کی پوری پیروی فرماتے تھے۔ ارشاد نبویؐ کے خلاف کار بند نہیں ہو سکتے تھے۔ ورنہ یہ مجال ابوبکر صاحب کی نہ تھی کہ شیر خدا کو عمر خالد اور قنفذ کے ذریعہ سے اس سرسری طور پر پکڑ مٹگواتے۔ فرارین احد وغیرہ کی کیا مجال تھی کہ خدا کے شیر کلاسا نہ کر سکتے۔ وہاں تو فرمانِ مصطفویؐ کی بجا آوری تیر دل سے منظور تھی۔ رشتہ درگرم افگندہ دوست بد می بردہر جا کہ خاطر خواہ دوست نہ وہاں تو خدا و رسولؐ کی فرمانبرداری کے سوا کوئی دوسرا امر مد نظر نہ تھا علی مرتضیٰ حضرت شیخین نہ تھے کہ غزوات میں حضرت رسولؐ چیخ چیخ کو فرار سے منع فرماتے رہے مگر بھاگنے والے بھاگا ہی کیے۔ حضرت عمر صلعم حدیبیہ میں شروع سے آخر تک حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف عامل رہے۔ خم غدیر کے معاملہ کے بعد بحجت مسلمانان ہماہر ہی عقبہ میں حضرت رسولؐ پر حملہ آور ہوئے اس میں حضرت شیخین کی شرکت کسی قسم کی ضرورت تھی۔ پہلے حضرت شیخین حکم رسولؐ کے خلاف جیش اسامہ کی شرکت سے علیحدگی اختیار کر کے مدینہ میں حصول خلافت کی نظر سے ڈٹے رہ گئے اور ایک قدم بھی مدینہ سے باہر نہ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ کو آپ کے وقت آخر میں کسی نہایت ضروری امر

کی کتابت سے باز رکھا۔ لاریب ایسی حرکتیں علی مرتضیٰ سے وقوع میں نہیں آسکتی تھیں۔ آپ خلافت کے لیے حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف تلوار نہیں کھینچ سکتے تھے۔ پس آپ نے سب طرح کی ذلتیں حضرت شیخین کے ہاتھ سے اٹھائیں مگر حسب مودہ رسولؐ عنان صبر کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ کوئی شک نہیں کہ بنی ہاشم کو حضرت علیؑ نے خلافت حضرت ابوبکرؓ کے خلاف میں تلوار کھینچنے سے روک رکھا ورنہ مدینہ میں بڑی کشت و خون کی نوبت آجاتی۔ بنی ہاشم کے اٹھنے کے بعد حضرت شیخین مدینہ میں اپنی خلافت یابی کا لطف نہیں اٹھا سکتے تھے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت یابی حضرت ابوبکرؓ کے لیے عذاب جان ہو جاتی۔ یہ حضرت علیؑ ہی کا فعل تھا کہ جس نے مدینہ میں کوئی فساد ہونے نہ دیا۔ بہر حال حق یہ ہے کہ مخالفان اہلبیت نبویؐ کو چھوڑ کر مسلمان تھے۔ امر واقعی یہ ہے کہ اگر دین کی غرض سے مخالفان اہلبیت مسلمان ہوئے ہوتے تو ایسی ایسی پوچ حرکتیں ان سے ظہور میں نہیں آسکتی تھیں۔ بہر کیف طرح طرح کی ایذا یا مہیون کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ خلافت کو علی مرتضیٰ نے کسی طرح پر سہر کیا۔ بنی ہاشم کی روز بروز تنزلی کو آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ قبیلہ مہموذہ بنی امیہ کی روز افزون ترقیوں کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ یہ وہ قبیلہ تھا جس کو دس برس کی محنت میں حضرت رسولؐ ضعیف اور بیکار کر کے رحلت فرما ہوئے تھے اس قبیلہ کو حضرت شیخین نے حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ایسا صاحب ثروت کر دیا کہ خود عرصہ میں وہ قبیلہ تمام اسلامی بلاد کا بادشاہ ہو گیا اور تھوڑے عرصہ میں اُس نے اہلبیت نبویؐ کا قریب قریب خاتمہ کر ڈالا۔ علی مرتضیٰ کے لیے اس بیدین قبیلہ کو حضرت شیخین کا آسمان پر چڑھا دینا نہایت ستم انگیز ہوا۔ اس قبیلہ کو مقاصد نبویؐ کے خلاف سرنو سے زندہ کرنا تھا۔ یہ فعل حضرت شیخین کا طغیانی عرب یا حضرت رسولؐ کی دینی ریاست کو خراب کر ڈالنے کے علاوہ خاندان ہاشمی کو قریب قریب نیست نابود کر ڈالنے والا ہوا۔ اس قبیلہ کی سفاکی سے ایک امام زین العابدینؑ بچ رہے تھے۔ ورنہ خاندان ہاشمی کا استیصال حضرت شیخین کی کارروائی بالاسے ظہور میں آگیا۔ حق یہ ہے کہ کوئی دقیقہ حضرت شیخین نے اہل بیت نبویؐ کی بربادی کا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ حضرت شیخین کے بیروان کو ان کے مظالم بھائی دین تو نہ سوچائی دین۔ مگر جن کی آنکھوں پر تعصب کی عینک نہیں لگی ہوئی ہے ان کو صاف نظر آتا ہے کہ اہلبیت نبویؐ کی ہر طرح کی تباہی اور بربادی کے باعث حضرت شیخین ہی ہوئے ہیں۔ یہ کیا کم دینی تباہی اہل بیت نبویؐ اور علی مرتضیٰ بلکہ خود اسلام کی تصور کی جاسکتی ہے کہ قرآن پاک سے نام علی مرتضیٰ کا اور ذکر آل محمدؐ کا بعد خلیفہ ثالثؑ میں نکال دیا گیا جیسا کہ راقم نے قبل میں حوالہ قلم کیا ہے۔ معاذ اللہ ان بے عنوانیوں کی کوئی حد نہیں نظر آتی ہے۔ بلاشبہ مطلب ان بے عنوانیوں کا

یہ تھا کہ اہلبیت نبوی عوام مسلمانوں کی حیثیتوں کے ہو جاویں۔ واقعی مسلمانانِ عمدہ نبوی طرہ سے مسلمان تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب اللہ لکھ کر کتابت وصیت یا ہدایت سے روک رکھا۔ پھر اس کتاب اللہ کی یہ درگت کر ڈالی کہ اُس میں سے نام علی اور ذکر آلِ محمد کا خارج کر ڈالا۔ یہ تو مسلمانوں کا سلوک قرآن کے ساتھ ہوا۔ اہلبیت نبوی کے ساتھ جو سلوک ہوتے گئے اُن سے حدیث ثقلین کی تعمیل کے کیا کیا تماشے دکھائی دیتے ہیں۔

واہ رہی سلمانی اور اہلِ سلمانی۔ اس پر تماشہ یہ ہے کہ ایسی ایسی بے عنوانیوں کے مرتکب مسلمان ہی نہیں بلکہ خلفہ ہمارے رسول ملنے جاتے ہیں اور آج تک بھی بڑی عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ اولِ سند آرا سے خلافت حضرت عمر کی بدولت حضرت ابوبکر ہوئے۔ آپ دوسرے کے فریبِ سند آرا سے خلافت بکریطت فرم گئے۔ وقتِ آخر میں ہل جزا لا احسان الا الاحسان کے قاعدہ سے حضرت عمر کو یہ سبیل استخلاف خلیفہ ثانی بنا گئے۔ اس بار حضرت عمر کا خلیفہ ہونا بہ سبیل اجماع قرین قیاس نہ تھا اس لیے استخلاف کی کارروائی کے سوا حضرت ابوبکر کوئی دوسری کارروائی اختیار نہ فرما سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرح حضرت عمر کو بھی حدیث ثقلین یاد نہیں رہی تھی۔ اسی سے کوئی سلوک نیک بنی ہاشم کے ساتھ حضرت عمر بھی نہیں کر سکے۔ واضح ہو کہ جس طرح خلیفہ اول نے اپنے لوگوں کے ذریعہ سے قرآن جمع کرایا تھا۔ حضرت عمر نے بھی اپنے لوگوں کے ذریعہ سے اجتہاد مسائل کرانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صاحبوں کو یاد نہیں رہا کہ فرمودہ حضرت رسول کا ہے القرآن مع علی وعلی مع القرآن وانا مدینۃ العلم وعلی باہما۔ ہزار افسوس کہ دینِ محمدی نے اُس طورِ راسخیت نہیں پائی جو مرکزِ بانی دینِ صلعم کا تھا۔ بہر حال حضرت علی نے ہر طرح کے مصائب و موانع کے ساتھ بھی قرآن جمع کر لیا گو اس قرآن کا کوئی پتہ نہیں ملتا ہے کہ آخر وہ کیا ہوا۔ اگر اُس کو ضائع کر ڈالا ہو گا تو کسی مخالفت اہلسنت نبوی ہی نے ضائع کر ڈالا ہو گا۔ دوستدارِ اہل بیت نبوی کا تو ایسا فضل ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح حضرت علی حسب ضرورت وقت اجتہاد مسائل بھی فرماتے گئے جس کے پیرو بنی ہاشم اور دوستدارانِ نبی ہاشم ہو چکے اور اس وقت وہ اجتہادات آپ کے مذہب علیؑ کہلاتے ہیں۔ چونکہ خلافت جو تسلطِ ارضی ہے حضرت علیؑ سے رحلت حضرت رسول کے بعد ہی چھین لی گئی تھی اور امامت خلافت سے علحدہ وجود نہیں رکھ سکتی ہے اس لیے حاصل کنندگانِ خلافت اور پیروانِ اُن کے حضرت علیؑ کے اجتہادات کی پیروی نہیں کرتے تھے۔ ایسے مخالفانِ اہل بیت اُن بزرگوں کے اجتہادات کی پیروی کرتے تھے جن کو حضرت عمر نے اجتہاداتِ مسائل کے لیے مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے مشہور بزرگ

زید ابن ثابت ہن جنکے نام سے مذہب غیر اہل بیت کی ابتدا ہوئی اور جس کا نام امیر معاویہ کے
 بعد اہل سنت و الجماعت قرار پایا۔ مذہب زید ابن ثابت ایک صریح نتیجہ اس غلامت کے
 ظہور کا ہے جو حضرت ابوبکر سے حضرت عمر کی طرف منتقل ہوئی اور یہ مذہب اس وقت ایک مذہب
 ایسے مسلمانوں کا ہو رہا ہے جو مذہب خاندان پیغمبر یعنی مذہب علی سے قاطر گریز رکھتے ہین۔ کاش
 اسلامی دنیا میں مذہب علی ہی کو رواج ہوا ہوتا اس لیے کہ علی حدیث انامدینہ العلم و علی بابہا کے
 مصداق تھے۔ یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ باب علم کے مذہب کو چھوڑ کر مسلمانوں نے زید ابن ثابت
 کے مذہب کو اختیار کر لیا اور اس وقت تک مذہب زید ابن ثابت پر قائم ہین۔ لیکن اگر مسلمانوں نے وقت
 ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ خلافت حضرت عمر کی مانتے اور امامت حضرت علی
 کی۔ ظاہر ہے کہ امامت خلافت سے کسی حال میں جدا نہیں ہو سکتی۔ اس سبب سے مذہب علی صرف
 اُن لوگوں میں جاری ہو سکا جو خلافت خلفاء کو حق نہیں جانتے تھے اور خلافت ظاہری کے حاصل
 نہ ہونے پر بھی حضرت علیؑ کو خلیفہ رسول اللہؐ بلا فصل مانتے تھے۔ ایسے ماننے والے نبی مام
 اور اُن کے دوست اور تھے جو اجتہادات علیؑ کے سوا اور کسی کے اجتہادات کی پیروی کو گمراہی سمجھتے تھے
 ہزار افسوس کہ مسلمانوں کو مذہب علی سے کنارہ کش رہنا ایک امر مجبوری ہو گیا غضب خلافت
 ظاہری کا نتیجہ غضب امامت ظاہری ایک ضروری امر تھا۔ پس غضب امامت سے جو روحی صدمہ
 حضرت علیؑ کو پہونچا ہو گا محتاج بیان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ امت آن صلعم کو گمراہی میں مبتلا دیکھ کر
 اس جناب کو کیا کیا روحی ایذاؤں لاحق ہوتی ہون گی۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ آپ کی جہادی کوششوں
 کے قائم کردہ دین کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے خض برابر بھی مدد دین خدا کے قائم کرنے
 میں کبھی نہیں دی۔ جب ہوا تو یہی ہوا کہ وقت مشکل میں بانی دین خدا کو چھوڑ کر کمال بزدلی سے جہان
 تہان بھاگ نکلے۔ جب ہوا تو بانی دین خدا سے سرتابی کرتے گئے۔ جیسا کہ سابق میں بہت سی سرتابیوں
 کے امور را قلم حوالہ قلم کر چکا ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں خلافت اور امامت کی باگ دیکھ کر دین محمدی پر
 کیا کیا افسوس آئینا کو آتا ہو گا۔ کیا کیا حضرت باب العلم کے دل پر چوٹ لگتی ہو گی کہ جمع قرآن اور
 اجتہادات مسائل وہ لوگ کریں یا کرائیں کہ جن کو خض برابر بھی علم حضرت باب العلم کے مقابلہ میں حال نہ تھا
 مسلمانوں کو اگر توفیق نیک نصیب رہتی تو سمجھتے کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن و انامدینہ العلم و علی
 بابہا کا مصداق کون تھا۔ خدا را مسلمانوں کی اس بے راہ روی کی کوئی حد بھی نظر آتی ہے۔ معاذ اللہ ثم معاویہ
 کیا غضب کی بات ہے کہ حضرات اہل سنت علی مرتضیٰ کو چھوڑ کر حضرت شیخین کو اصولی مجتہد مانتے ہین جیسا کہ

جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ جو کچھ مسائل اصولی کے اجتہادات ہم تک پہنچے ہیں حضرت شیخین سے پہنچے ہیں۔ علی مرتضیٰ کے اجتہادات سے اس طرح کی بے سروکاری دین سوال اللہ کا حکم نہیں رکھ سکتی ہے۔ خود حضرت شیخین دین رسول اللہ سے ناقص طور پر واقفیت رکھتے تھے۔ مسئلہ کلاں آخر دم تک جناب شیخین کی سمجھ بچ آسکا۔ حضرت عمرؓ نے کمال لاعلمی سے شراب خواری کی حد چالیس روزہ کی جگہ انسی روزہ کر دی۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخین نہ اجماع قرآن اور نہ اجتہاد مسائل کی قابلیت رکھتے تھے۔ اصولی مسائل کے اجتہاد کی کیا داد دے سکتے تھے۔ اگر ایسے امور کے انجام کی قابلیت رکھتے تو قرآن کے جمع کرنے کے لیے زید ابن ثابت وغیرہ کو کیوں مقرر کرتے اور حضرت عمرؓ زید ابن ثابت وغیرہ سے کیوں اجتہاد مسائل کراتے۔ علی مرتضیٰ حضرت شیخین کے برعکس خود ماہر قرآن اور ماہر دین رسول اللہ تھے۔ حضرت علیؓ کو اس کی محتاجی نہ تھی کہ ایسے امور اہم دو سرون کو سپرد کر دیتے۔ حضرت رسولؐ کے بعد علیؓ ہی علم قرآن رکھتے تھے اور باب علم ہونے کی وجہ سے حضرت مدینۃ العلم کے علوم سے کامل طور پر باخبر تھے۔ اجماع قرآن اور اجتہاد مسائل علی مرتضیٰ ہی کا حق تھا۔ حاصل کنندگان خلافت نے جو علی مرتضیٰ سے اس حق کو بھی چھین لیا تو حاصل کنندگان خلافت کی یہ بڑی بے راہ روی تھی۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ حضرت علیؓ مجتہد وقت نہ مانے جاوین اور مجتہد مانے جاوین حضرت شیخین جو علم فضل ہیں حضرت علیؓ کی کسی طرح پر باری نہیں کر سکتے تھے۔

کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عداوت حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی حضرت عمرؓ کے وقت آخر تک نہیں گئی جب حضرت خلیفہ ثانی کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو آپ اس فکر میں ہوئے کہ کسی صورت سے آپ بعد خلافت علی مرتضیٰ کو نہ پہنچ سکے۔ تب آپ نے امر خلافت کو شورے پر چھوڑا۔ اس شورے کے متعلق جو امور کتابوں میں دیکھے جاتے ہیں ذیل میں درج پاتے ہیں۔

کنز العمال میں ابو جعفر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے دریافت کیا میرے بعد تم کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ زبیر بن العوام کو۔ حضرت عمرؓ بولے کہ ایسے آدمی کو کیونکر خلیفہ کرو گے جو ایک بخیل اور بد اخلاق آدمی ہے۔ پھر دوسرے شخص نے کہا کہ ہم طلحہ کو خلیفہ کریں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ ایسے آدمی کو کیا خلیفہ کرو گے جس نے رسول اللہ کی عطا فرمائی ہوئی زمین کو ایک یہودیہ کے پاس رہن کر دیا۔ یہ سکر ایک تیسرے شخص نے عرض کیا کہ ہم علیؓ کو خلیفہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے میری جان کی تم علیؓ کو خلیفہ کرو گے۔ بخدا اگر علیؓ کو خلیفہ کرو گے تو چاہے تم ناخوش ہی

کیون نہ وہ تکو امر حق پر قائم کیے بغیر نہ رہیں گے (راقم کتاب ہے کہ حضرت عمر نے علیؓ کو مصلیٰ پر کیا خوب الزام لگایا۔ اے سبحان اللہ۔ امر حق پر قائم کیے بغیر رہنا، کوئی قبیح بات تھی جو مشکل الزام دہی حضرت خلیفہ زبان پر لائے ہاں حضرت عمرؓ آپ کے تمام اقوال و افعال کس قدر حیرت انگیز اور حسرت خیز دکھائی دیتے ہیں۔ وقت آخرین بھی افسوس ہے کہ آپ کے مزاج کی ترکیب نہ بدلی معاذ اللہ (معاذ اللہ) یہ سنکر ولید بن عقبہ بولا کہ میں سمجھ گیا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون۔ ولید نے کہا عثمان۔ اور حذیفہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا جب وہ مدینہ میں تھے کہ آپ کے بعد کون شخص آپ کا خلیفہ ہوگا انھوں نے کہا کہ عثمان بن عفان (راقم کتاب ہے کہ جس طرح خود حضرت عمرؓ بے ایلکشن کے خلیفہ قرار پائے تھے اسی طرح بے ایلکشن حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا ہی دیا۔ کہاں ہوا بے ایلکشن کی پوجا کرنے والو۔ اب تمہارا ایلکشن کہاں تشریف لے گیا۔ لاریب کم سے کم اگر ثقیفہ کا ایلکشن بھی حضرت ابو بکرؓ کے بعد و قریع میں لایا جاتا تو ایسے ناقص ایلکشن کے ذریعہ سے نہ حضرت عمرؓ اور نہ حضرت عثمان قیامت تک خلیفہ قرار پاسکتے۔ اجماع ثقیفہ میں میز پیلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سے گو لکھ دھندے کسی صورت سے چل گئے اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ قرار پا گئے۔ اب چونکہ حضرت ابو بکرؓ اپنے حصول خلافت کی حقیقت سے خوب واقفیت رکھتے تھے اس لیے ہمسبیل استخلاف حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنا کر راہی ملک بٹھا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس طرح کے استخلاف کا بھی موقع نہ تھا۔ اس لیے مشورے کے ایجنے پیچ کی طرف حضرت کو رخ لانا پڑا۔ اگر حضرت ایسی پھیرا راہ اختیار نہ فرماتے تو تا قیامت حضرت عثمان حضرت عمرؓ کے جانشین نہ قرار پاسکتے۔ ملا علی قاری شہر فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا وقت وفات قریب ہوا تو آپ نے امر خلافت کو عثمان علیؓ نہ سیر عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص پر منحصر کر دیا اور کہا کہ امر خلافت یا امامت ان چھ شخصوں میں خارج ہو۔ تاریخ کامل میں ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے صلیبے ارشاد کیا کہ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائے اور ان چھ آدمیوں کو جن پر امر خلافت یا امامت منحصر کیا گیا ہے ایک مکان میں داخل کر کے ان کے سروں پر کھڑا ہو پس اگر ان میں سے پانچ آدمی باہم اتفاق کریں اور ایک شخص اختلاف کرے تو اس کا سر اڑا دے (راقم کتاب ہے ما شاء اللہ اور سبحان اللہ) اور اگر چار شخص متفق ہوں اور دو آدمی انکار کریں تو ان دونوں کا سر کاٹ ڈالے (راقم کتاب ہے دوبار ما شاء اللہ اور دوبار سبحان اللہ) اگر تین آدمی ایک رائے پر ہوں اور تین ایک رائے پر تو فیصلے کے لیے عبد اللہ بن عمرؓ کو حکم قرار دے و اگر یہ لوگ عبد اللہ بن عمرؓ کا حکم ہونا منظور نہ کریں تو جس گروہ میں عبد الرحمن بن عوف ہوں اس کو اختیار کر کے باقی اشخاص کو قتل کر دے (راقم کتاب ہے بار پانچ بار ما شاء اللہ اور سبحان اللہ) اور یہ بھی کتاب ہے کہ مرتے وقت تک حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کا خلافت کو مشورے پر چھوڑنا

ورشٹ خونی اپنے حال پر قائم رہی (سعاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کہان حضرت خود تو مر رہے ہیں کہان یہ فکر حضرت علیؑ کو اپنے ایچ بیچ سے قتل کر ڈالین۔ یہ حضرت جانتے تھے کہ بقرہؑ غالب حضرت علیؑ ایسے شورے کی رائے سے اختلاف کریں گے پس اس اختلاف کی بنا پر قتل کر دیے جائیں گے۔ مگر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ممبران جلسہ شہرہ حضرت عمرؓ کے آخری حکم کی تعمیل نہ کر سکے۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جب بدوفات حضرت عمرؓ آپ کی ہدایت کے مطابق شورے کی کمیٹی منعقد ہوئی تو ممبران عبد الرحمن بن عوف کو اختیار دیا کہ وہ جسکو چاہیں خلیفہ منتخب کریں۔ عبد الرحمن بن عوف نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر تین بار پوچھا کہ اگر ہم تم کو دلی امر اور امام قرار دیں تو تم کتاب خدا اور سنت رسول اور سیرت ابوبکر یا سیرت شیخین پر عمل کرو گے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ قرآن اور سنت رسول پر تو عمل کرونگا لیکن بجائے سیرت شیخین کے اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا۔

راقم کہتا ہے کہ علی مرتضیٰ ایک سچے آدمی اور سچے وصی رسول اللہ اور سچے خلیفہ رسول اللہ تھے۔ سیرت شیخین کی تبعیت ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ آپ عبد رسول اللہ میں رسول اللہ کے فرمانروا رہ چکے تھے کبھی حضرت رسول سے مخالفانہ ترکیب سے پیش نہیں آئے تھے سیرت شیخین کی فتح کو کیونکہ قبول کر سکتے تھے۔ سیرت شیخین تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب عبد رسول اللہ میں پہلے پل جنگ واقع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ سے کوئی کارروائی ظہور میں نہیں آسکی۔ حضرت عمرؓ اس بنیاد پر شریک جنگ نہ ہو سکے کہ آپ کے مامون ابوجہل حضرت رسولؐ سے لڑنے کو آئے تھے جنگ اعدین حضرت شیخین میدان جنگ سے ایسے بھاگ نکلے کہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کدھر چل نکلے۔ حضرت رسولؐ بھی جھج جھج کر پارتے ہی رہ گئے کد مت بھاگو مگر دونوں صاحبوں سے ایک نے بھی حضرت رسولؐ کی ایک نہ سنی۔ حضرت عمرؓ بقول خود پھاڑ کے چٹانوں پر بڑکوا ہی کی طرح کودتے پھاندتے روانہ ہو گئے حضرت ابوبکرؓ جب جائے محفوظ تک جا پہنچے تو یہ صدا بلند کی کہ محمد صاحب بہتتیں مارے گئے اب تم لوگ دین آبابی یعنی کفر کی طرف لوٹ جاؤ (راقم کہتا ہے کہ کفر جو دل میں تھا آخر زبان تک آ ہی گیا) پھر ابوسفیان سے عفو جو دم جان بخشی کے طالب ہو گئے۔ جب غزوہ خندق پیش آیا تو نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت ابوبکرؓ کہان تشریف رکھتے تھے۔ یقیناً شریک ہنگامہ جنگ نہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے باوجود حکم نبویؐ کے عمر بن عبدودؓ سے مقابل ہونے میں قطعی انکار کیا۔ اس کے بعد جب جنگ خیبر پیش آئی تو حضرت شیخین تین دن تک حارث برادر محب سے بھاگتے ہی رہے۔ اسی طرح حضرت رسولؐ کے دیگر غیر معروف غزوات و سرایا میں حضرت شیخین کوئی بانمود کارروائی عمل میں نہ لاسکے۔ آخر میں جب جنگ حنین ہوئی تو حضرت

شیخین حسب عادت قدیمہ میدان جنگ سے ایسے بھاگے کہ پھر شریک جنگ نہ ہو سکے گو ایک سوانصار وغیرہ حضرت رسولؐ کے غیرت دلانے سے جنگ گاہ کی طرف لوٹ آئے اور شریک جنگ ہو گئے۔ صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ سے شک فی النبوت کی مصیبت سخت ظہور میں آئی اور ہر چند حضرت رسولؐ نے آپ کے شک کے رفع کرنے کی صورت فرمادی مگر آپ کا شک رفع نہ ہو سکا۔ شک کے رفع نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی ہمنائش کے بعد بھی جیسا کہ راقم سابق میں حوالہ قلم کر چکا ہے حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف میں اسکی بڑی کوشش کرتے رہے کہ صلح حدیبیہ قائم نہ رہ سکے پھر عقبہ پر جو واقعہ پیش آیا اسکے وقوع کرنے والے مہاجرین تو ضرور تھے لیکن شیخین کی شرکت سے یہ واقعہ خالی نہیں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ راقم سابق میں درج کتاب ہذا کر چکا ہے۔ پھر جب حبش اُسامہ کا مضمون پیش آیا تو کمال نا فرمانی اور سرتابی کے ساتھ حضرت شیخین اُس حبش کے شریک نہ ہو سکے اور اپنی فکر میں مدینہ ہی میں ڈٹے رہے ایک قدم بھی مدینہ سے باہر نہ گئے اس کا بھی خوف نہیں کیا کہ حبش اُسامہ سے تخلف کرنے والے کو حضرت رسولؐ نے مردود و ملعون خدا ارشاد فرمایا ہے۔ پھر آخر وقت میں جب حضرت رسولؐ نے کوئی بے حد ضروری امر دین کو حوالہ قلم فرمانے کے لیے قلم و قرطاس طلب فرمایا تو حضرت عمرؓ نے حسب کتاب اللہ کہہ کر حضرت رسولؐ کو اپنا حکم آخری لکھنے نہ دیا اور حضرت رسولؐ کی نسبت بول اُٹھے کہ غلبہ مرض کی وجہ سے حضرت رسولؐ بتلا ہذیان ہو رہے ہیں۔ نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ۔ اتنا تو سیرت شیخین کا خلاصہ عمد رسول اللہؐ سے تعلق رکھتا ہے۔ اب حضرات ناظرین ملاحظہ فرمادیں کہ بعد حضرت رسولؐ کے سیرت شیخین کا کیا رنگ رہا ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسالتؐ کے رحلت فرماتے ہی حضرت شیخین ثقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑ نکلے۔ وہاں کچھ نا عاقبت اندیش مسلمان مجتمع ہو رہے تھے۔ انصار بھی دعویٰ دار خلافت ہو رہے تھے۔ انہیں حضرت شیخین نے یہ کہہ کر کہ حدیث نبویؐ کے مطابق حضرت رسولؐ کا خلیفہ قوم قریش سے ہونا چاہیے۔ انصار کو ساکت کر دیا۔ اس کے بعد ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جٹ منگنی پٹ بیاہ کے رنگ سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن بیٹھے۔ دور دور کے اسلامی شہروں کی انتخاب خلیفہ کی تقریب سے اطلاع دینی تو درکنار مدینہ کے بنی ہاشم جو ایک بڑ قبیلہ رسول اللہؐ کا تھا اور بھی بہت سے شرفاء مدینہ کو ایسے ناقص اجماع کی کچھ خبر نہ ہو سکی۔ بنی ہاشم اور دو سرداران بنی ہاشم حضرت رسولؐ کی تجویز و تکفین میں لگے ہوئے تھے۔ پس ایسا موقع حضرت شیخین کو حصول خلافت کا ہاتھ نہ لگ سکتا تھا۔ اسے آپ دونوں صاحبوں نے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یوم البیعت ہی کے لیے تو حضرت شیخین عزوات رسول اللہؐ سے فرار اختیار کیا کرتے تھے تخلف حبش اُسامہ کے کاربند ہوئے تھے حضرت رسولؐ آخر وقت میں حضرت عمرؓ نے کتاب وصیت سے حضرت رسولؐ کو محروم رکھا تھا۔ اب وہ دن خوش قسمتی

یاد قسمتی سے پیش آیا جس دن کے لیے اپنی جانیں اقسام ہلکے سے بچا رکھی تھیں۔ صرف خاندان پیڑھے سے حضرت شیخین نے امارت و امامت بطور معلوم نہیں چھین لی بلکہ حضرت شیخین نے خاندان پیڑھے پر ایسے ایسے ظلم شدید حصول بیعت کے لیے کیے جو مسلمان تو درکنار کوئی اکفر بھی کسی بنی آدم کے لیے جائز نہیں سمجھ سکتا ہے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خانہ فاطمہ کے جلاؤ لٹے کیلئے تعینات کیا۔ حضرت عمر خالد بن ولید کے ساتھ خانہ فاطمہ پر چڑھ آئے۔ خانہ فاطمہ میں آگ لگا دی۔ پھر بنت نبی کے شکم مبارک پر ایسی ضربت لگائی کہ حمل محسن سا قحط ہو گیا اور جس کے صدمے سے وہ معصومہ مظلومہ بیمار سخت ہو کر چھ مہینے کے اندر رحلت فرما گئیں۔ حضرت علیؑ اسیر کر کے دار الخلافت کو لائے گئے وغیرہ وغیرہ مختصر یہ ہے کہ اپنی خلافت کو قائم کر کے حضرت شیخین ہر طرح کے ظلم اور بے ادبی کے مرکب ہوئے۔ پھر کنسٹنٹیناں کے ساتھ حضرت شیخین نے مذک کو ضبط کر لیا۔ اور جس کو آل محمد پر بند کر دیا۔ راقم کہتا ہے کہ جو بے عنوانان حضرت شیخین نے آل محمد کے ساتھ کیں ان کی نظیر پھر اگر ملتی ہے تو واقعہ کربلا کے معاملات میں ملتی ہے اور کہیں نہیں ملتی ہے۔ یوم البیعت حمل حضرت سیدہ کا جو سا قحط کیا گیا وہ بین طور پر واقعہ کربلا کی ابتدا نظر آتا ہے۔ وہ حمل عند رسول اللہؐ میں قرار پا چکا تھا۔ اور حضرت رسولؐ نے اس بچہ کا جسکا اسقاط ظہور میں آیا محسن نام لکھا تھا۔ یہ بچہ حضرت حسین علیہما السلام کا حقیقی بھائی تھا۔ اگر زندہ رہ جاتا تو امام محمدی کے ہاتھ سے وہ یا امام حسن علیہ السلام کی طرح مسوم کیا جاتا یا امام حسینؑ کی طرح ذبح کر ڈالا جاتا کسی نہ کسی طرح پر بد بخت امتیون کے ہاتھ سے زندہ رہنے نہ پاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کے ہاتھ سے اس کو درجہ شہادت ملا۔ حق یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی واقعہ کربلا کی ابتدا شروع ہو گئی۔ لاریب اگر واقعہ کربلا قیامت کبریٰ ہے تو خون محسنؑ اور خون حضرت سیدہ اور احراق خانہ فاطمہ قیامت کبریٰ سے کم نہیں ہے۔ کیا جابے حسرت ہے کہ یہ قیامت خیز واقعے حضرت رسولؐ کے آنکھ بند کرتے ہی ظہور میں آتے گئے۔ کوئی شک نہیں کہ واقعہ کربلا کی ابتدا رحلت حضرت رسولؐ سے وقوع میں آگئی۔ حضرت فاطمہؑ کو حضرت عمرؓ نے ایسی ضربت لگائی کہ حمل محسن سا قحط ہو گیا اور اس اسقاط کی وجہ سے وہ معصومہ بیمار رہ کر چھ مہینے کے اندر رحلت فرما گئیں۔ حضرت ابو بکر کے غلام قفقذ نے حضرت معصومہ کو اس زور سے مارا کہ حضرت معصومہ کی پسلی ٹوٹ گئی۔ پھر حضرت عمرؓ نے خود حضرت معصومہ کو تازیانہ اس زور سے مارا کہ جسم مبارک نیلا ہو گیا۔ اس معصومہ کے شوہر یعنی علی مرتضیٰؑ اسیر بنا کر دار الخلافت میں لائے گئے۔ اہل انصاف دیکھیں کہ کربلا میں بھی تو اسی طرح کی بے عنوانان ظہور میں آئی تھیں۔ کربلا میں محسنؑ نہیں امام حسینؑ کا خون ہوا۔ حضرت سیدہؑ نہیں سکینہؑ نے طمانچہ کھائے۔

علی بن ابی طالبؓ نے اسیر ہو کر دمشق کے دار الخلافۃ میں لائے گئے۔ خاندانِ فاطمہؓ نہیں خیمہ نہیں جلا دیا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین نے واقعہ کربلا کا تماشا حضرت رسولؐ کی رحلت کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں دیکھا دیا۔ حضرت شیخین نے اہلبیت نبویؐ کی ایذا رسیدہ لوگوں کے بعد جو بدترین کارروائی اہلبیت نبویؐ کے خلاف میں عمل میں لائے وہ یہ تھی کہ بنی امیہ کے قبیلہ ہمدانیہ کو سرخس سے زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ قبیلہ ملعونہ تمام سلطنتِ عرب کا مالک ہو گیا۔ یہ حیثیت حاصل کر کے وہ قبیلہ آسانی کے ساتھ میدانِ کربلا میں آلِ محمدؐ کا قریب قریب خاتمہ کر سکا۔ پھر اُس قبیلہ اور اُس کے جانشین بنی عباس کے ہاتھوں سے ان امامِ زین العابدینؓ تا امام حسن عسکری علیہ السلامؓ خاندانِ پیغمبر کا خون بہتا ہی رہا۔ اس وقت وہ امامِ خاندانِ پیغمبر تو نہیں بن کر اُن کی اولاد کے ساتھ تو مخالفت امتیانِ بداندیش کی جیسی پہلے تھی اب بھی ہے نہایت جائے افسوس ہے کہ اس وقت کی اسلامی دنیا بھی بداندیشانِ آلِ محمدؐ سے بھری نظر آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امتیانِ محمدیؐ میں یہ سبیلِ توحید حضرت اہل بیت کی مخالفت منسلکاً بعد منسلک ہوتی رہی ہے اور تاقیامت منتقل ہوتی رہے گی۔ پس خلاصہ تمام معاملاتِ کربلا کا یہ ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ سیرتِ شیخین کی قید کے ساتھ حضرت عمرؓ کے بعد خلیفہ ہونا قبول نہیں کر سکتے تھے اس لیے عبدالرحمن بن عوف کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ قرآن اور سنت حضرت رسولؐ پر تو عمل کروں گا لیکن بجائے سیرتِ شیخین کے اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یہ سنکر عبدالرحمن نے تین مرتبہ حضرت عثمانؓ کو چھوٹا کر کہہ کر تم کو امام مقرر کریں تو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور سیرتِ شیخین عمل کرو گے حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ہاں ضرور عمل کروں گا پس عبدالرحمن نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور اُنکے بعد اور لوگ بیعت کرتے گئے حضرت ناظر بن علی مرقظیؒ کی سچائی کی طرف توجہ فرما دیں کہ اگر حضرت عثمانؓ کی طرح آپؐ بھی سیرتِ شیخین کے مضمرین کو جلدی کے ساتھ قبول کر لیتے تو خلافت حضرت عثمانؓ تک نہیں پہنچتی۔ مگر علی مرقظیؒ سیرتِ شیخین کو قابلِ تبعیت نہیں سمجھتے تھے مجرد حصولِ خلافت کے لیے اپنے ایمان کے خلاف کاربند نہیں ہو سکے یہاں تو علی مرقظیؒ کو مجرد حصولِ خلافت مد نظر نہ تھا انور باللہ آپؐ امیر معاویہ کا ایمان نہیں رکھتے تھے کہ خونِ خرابی فریب دہی یا جس ترکیب سے ممکن ہو خلافت حاصل ہو جائے آپؐ خلافت کو حضرت رسولؐ کی نیابت سمجھتے تھے اور اُس کو ایک عظیم دینی امر جانتے تھے اس لیے نسبتِ شیخین کی تیغ کو قبول نہیں کر سکے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ایسی معدومی نفسانیت یا نبی میں ہوتی ہے یا اُس کے برحق وصی اور جانشین میں۔ بیچارے حضرت عثمانؓ میں یہ سچائی کہاں سے آسکتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کا ثوبہ عالم ہو کہ اُدھر عبدالرحمنؓ نے سیرتِ شیخین کی قید ظاہر کی اُدھر حضرت عثمانؓ نے بے دھرمک اُس قید کو

عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان

اس طرح کہ سراسر پڑھو

قبول کر لیا۔ ہر چند امیر معاویہ محمد بن ابی بکر کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت شیخین نے دنیا سے ولت کی اور حضرت عثمانؓ اُنکے قائم مقام ہوئے تو اُن کی سیرت و طریقت پر پورا عمل کیا۔ مگر حضرت عثمان کی تمام کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے عداوت حضرت علیؓ و اہلبیت نبویؐ کے حضرت عثمان نے سیرت و طریقت شیخین پر بھی کچھ عمل نہیں کیا۔ حضرت شیخین کو ہر چند کسی طرح پر خلافت کا حق حاصل نہ تھا۔ سپر بھی حصول خلافت کے بعد عداوت علیؓ و عداوت اہل بیت نبویؐ کے مضمون کو نظر انداز کر کے حضرت شیخین کے خلافت رانی میں وہ بدحواسیان طور میں نہیں آتی کیونکہ جن سے تمام کارروائیاں حضرت عثمان کی ملو نظر آتی ہیں۔ سرسید اپنے خط میں بہت بجا لکھتے ہیں کہ ”حضرت عثمان نے ہر چیز کو خراب کر دیا۔“ اس تحریر پر اقلیم یہ اس کتاب میں اپنی تحریری رائے جو القلم کرنے کو ہے۔ اب حضرات ناظرین حضرت عثمان کے عہد کی بے عنوانیوں پر ہتھوڑی دیر کے لیے اگر اپنی توجہ مبذول فرما دیں گے تو صفات معلوم ہو جائیگا کہ مجرد حصول خلافت کے لیے سیرت شیخین کی قید کو حضرت عثمان نے بے دھڑک قبول کر لیا تھا۔ اظہر من الشمس ہے کہ آپ میں خلافت رانی کی مطلق صلاحیت مودعہ نہیں تھی۔ کوئی شک نہیں کہ آپ کو حضرت عمرؓ نے صرف اس غرض سے خلیفہ بنانا چاہا تھا کہ اپنے بد بھی حضرت علیؓ خلیفہ قرار نہ پاسکیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ ایچ بیج سے حضرت علیؓ کا قتل بھی ظہور میں آجائے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ شورے نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کا رنگ نہیں پکڑا۔ حضرت عثمان بے قتل علیؓ خلیفہ قرار پا گئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کمال عداوت اہل بیت نبویؐ سے رکھتے تھے اس لیے اس کے خواہان تھے کہ کسی طرح امر خلافت و امامت بنی ہاشم کی طرف منتقل نہ ہو سکے اس لیے بنی امیہ کے حصول خلافت کے لیے رحلت حضرت رسولؐ کے وقت ہی سے ہیجہ کو شان تھے آپ امیر معاویہ کو حاکم شام بنا چکے تھے اور اب اس فکر میں ہوئے کہ خلیفہ بھی بنی امیہ کے قبیلہ کا آدمی ہو۔ اسی لیے مبران شوره میں عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو جو عزیزان حضرت عثمان سے تھے انتخاب کیا۔ ایسے شورے سے حضرت علیؓ کی تقرری خلافت کی منزلوں دور تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان آسانی کے ساتھ حضرت عمرؓ کے جانشین قرار پا گئے۔ حضرت عمرؓ کوئی شک نہیں کہ کسی دھمک بالضرور پوچھ لیں دماغ رکھتے تھے کہ وہ دماغ ممتاز اہالیانِ دسٹرکٹ بورڈ و میونسپلٹی کے رنگ کا تھا قبیلہ بنی امیہ سے خلیفہ کے انتخاب کی وجہ سے صرف اسی قدر تھی کہ قبیلہ بنی امیہ قبیلہ رسول اللہؐ کا دشمن صعب تھا۔ پس جب امارت اور امامت بنی امیہ میں آجائیگی تو قبیلہ بنی امیہ قبیلہ بنی ہاشم کی ہمیشہ خبر لیتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان کے بعد چار برس کے اندر سلطنت عرب قبیلہ بنی امیہ میں چلی گئی اور اس قبیلہ کے خلفائے بعد دیگرے چورائے برس تک خلافت انی

کرتے رہے اور اس عرصہ میں خاندان ہیمیر کے خون پانی کی طرح بہا کیے اور ہر طرح کی ایذاؤں خاندان نبوت کو امتیون کے ہاتھ سے نصیب ہوتی رہیں۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر اپنی قوی دماغی سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔ لیکن اگر حضرت عمر سچے دماغ کے پولیٹیشن (Politician) ہوتے تو سلطنت عرب کی ترقی اور تقویت کی طرف اپنی توجہ مبذول فرماتے۔ حضرت عمر کی پہلی پولیٹیکل غلطی یہ تھی کہ آپ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ آپ کو لازم تھا کہ بنی ہاشم کے کسی قابل شخص کو خلیفہ بناتے۔ یہ قبیلہ حضرت رسول کا قبیلہ تھا اور صفات حسنہ سے متصف تھا۔ بعد حضرت رسول کے حضرت علیؓ سردا قبیلہ بنی ہاشم کے تھے اور حضرت علیؓ ہی کی بدولت عرب کی سلطنت وجود میں آسکی تھی۔ حضرت ابوبکر بقول سید اکینام کے بزرگ تھے۔ اگر حضرت عمر سچے مدبر وقت ہوتے تو حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا کر حضرت علیؓ کے سچے مددگار رہتے۔ افسوس ہے کہ حضرت عمر نے حضرت رسول کی پالیسی سے انحراف کر کے کچھ ایسی غلط کارروائی اختیار کی کہ جس نے سلطنت عرب میں سول وار (Civil War) کا تخم بودیا۔ دوسری پولیٹیکل غلطی حضرت عمر کی یہ ہوئی کہ آپ نے بنی امیہ کے مالک سلطنت عرب ہو جانے کا سامان کر دیا۔ بنی امیہ کو کوئی حق عرب کی اسلامی سلطنت سے کسی طرح کے فائدہ اٹھانے کا نہیں تھا۔ مالک سلطنت عرب ہو کر اس قبیلہ سے ہر طرح کی بدکرداریاں خون خرابی اور ناہنجاریاں ظہور میں آتی گئیں۔ بلکہ یہ کہیے کہ سلطنت عرب کو پا کر اس قبیلہ کی ہر طرح کی بد اعمالیاں بہت ترقی کر گئیں۔ کوئی شک نہیں کہ سلطنت عرب کی بہبودی کے لیے حضرت رسول خدا کی پالیسی نہایت ہی مبنی بر صحت تھی۔ آن صلعم نے نہایت صحیح خیالی کے ساتھ چاہا تھا کہ آن حضرت کے بعد علی مرتضیٰ ہی آنحضرت صلعم کے جانشین قرار پاویں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ امر نہایت ہی قرین انصاف ہوتا۔ اس لیے کہ سلطنت عرب قریب قریب حضرت علیؓ ہی کی قائم کردہ تھی۔ آپ وفور علم کے ساتھ حق و ناحق کی بڑی ہی تیز رکھتے تھے۔ قوی دماغ قوی دل اور جمیع صفات انسانی و ملکوتی کے ساتھ متصف تھے۔ حضرت رسول کا ایسا خیال نہایت منصفانہ تھا مگر حضرت عمر کی عداوت اہل بیت و قبیلہ بنی ہاشم نے اس خیال پاک کو خارج میں جامہ وجود پہننے نہ دیا۔ خواہش بالا کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آٹھ مواقع میں ایسی کارروائیاں اختیار کی تھیں جن کے پورے طور پر علی مرتضیٰ کا استخلاف ظاہر ہوتا ہے۔ بارہوان استخلاف خمدیر کا نظر آتا ہے۔ اس استخلاف کے مبارکباد دینے والے خود حضرت عمر ہوئے تھے۔ یہ مبارکبادی استخلاف کی نہیں تھی تو کیا تھی۔ جن شخصوں کی آنکھوں پر تعصب اور عداوت اہل بیت کا چشمہ چڑھا ہوا ہے اگر ان کو معاملہ خمدیر قریب استخلاف نظر نہ آئے تو نظر نہ آئے۔ مگر حقیقت حال ہی ہے کہ حضرت رسول اپنے بعد علیؓ

کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اگر امر خلافت آنحضرتؐ کی مرضی کے مطابق طے پا جاتا تو سلطنت عرب رسولؐ وار سے یعنی خانہ جنگیوں کی بلاؤں سے محفوظ رہ کر روز بروز رو بہ ترقی رہتی۔ یہ سلطنت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں جا پڑتی جن کو اس کے حاصل کر لینے کا حس برابر بھی حق نہ تھا۔ مثلاً معاویہ و خاندان معاویہ و جمیع قبیلہ بنی امیہ جو اس سلطنت کے بانی کے قدیم دشمن تھے اور اس سلطنت کے معدوم کر ڈالنے میں جنگ آزمائیوں اور غزیرہ یوں کی کوئی کوشش اٹھانیں رکھی تھی۔ حضرت رسولؐ صلعم کا یہ ایک تنہا فائدہ رسان خیال تھا کہ علی مرتضیٰؑ آپ کے بعد جانشین آنحضرتؐ صلعم کے قرار پاویں۔ پھر خانہ جنگیان یعنی رسولؐ وار (۳۵ھ - ۴۰ھ) ظہور میں آئیں اور نہ اس قدر مذہبی فرقہ اسلام میں پیدا ہو جائے تب صرف خاندان ہشیر کا ایک دین ہوتا۔ جس خاندان سے اسلام کو ظہور ہوا تھا اُسی خاندان میں اُسی دین کی امامت جاری رہ جاتی۔ دینی خیال کے رو سے بھی حضرت علیؑ کا جانشین رسولؐ ہونا تمام تر قرین مصلحت تھا۔ اس لیے کہ تمام اسلامیان وقت میں حضرت علیؑ سے تقدس اور عبادت و تقویٰ کے اعتبار سے کوئی شخص افضل نہ تھا جیسا کہ سر سید بھی حوالہ قلم فرماتے ہیں۔ لاریب یہ امر اسلام کے لیے کسی حال میں بُرا نہ ہوتا اس لیے کہ حضرت رسولؐ کے خاندان پاک میں از علیؑ مرتضیٰؑ تا امام عسکریؑ علیہ السلام ایسے برگزیدہ ذی علم دین پرست صاحب تقویٰ اور صاحب اجتہاد نفوس نظر آتے ہیں کہ تمام امت محمدیؑ میں ان کا جواب کسی زمانہ میں دکھائی نہیں دیتا ہے اگر امر خلافت حضرت رسولؐ کے منشاء کے مطابق ظہور پذیر ہوتا تو حضرت شیخین علیؑ مرتضیٰؑ کے رہتے کیونکر مجتہدان امور اصولی اور امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی موجودگی میں مجتہد امور فروعی قرار پاتے۔ چونکہ خلافت امامت سے علیحدہ وجود نہیں رکھ سکتی ہے، امتیان محمدیؑ کو اجتہادات ائمہ خاندان پیغمبرؐ سے کنارہ ہونا پڑا۔ افسوس ہزار افسوس ہے کہ حضرت شیخین تمام تر منشاء حضرت رسولؐ کے خلافت کا رہند ہوتے گئے جس کی بدولت سلطنت عرب مبتلائے فسادات و بربادی ہو کر آخر کار تاراج کے ہاتھ سے معدوم ہو گئی اور دین پیغمبرؐ عرب طرح طرح کے نواہات اجتہادات سے دین پیغمبرؐ عرب باقی نہیں رہا۔ اگر حضرت شیخین حضرت رسولؐ کی دینی ریاست اور آنحضرتؐ کے واقعی دوستار ہوتے تو حصول خلافت کی طرف رخ نہ کرتے۔ حسب منشاء حضرت رسولؐ حضرت علیؑ خلیفہ رسولؐ مان کر امور دنیا و دین میں حضرت علیؑ کے معاون جان و دل سے ہوتے اور حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت کو امتیان محمدیؑ کی یکجہتی کے ساتھ ہر طرح کی مدد دیتے۔ مگر ایسے اچھے دن اسلام کے لیے مقرر نہیں ہوئے تھے۔ اس کے برخلاف حضرت عمرؓ کی عداوت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا ڈالنے پر حضرت عمرؓ کو مجبور کر ڈالا جس سے اسلام میں ہر طرح کے نفاق کی بنیاد پڑ گئی اور وہ نفاق ہر طرح مولا علیؑ

رو بہ ترقی ہوتا ہی رہا اور اس وقت تک ہوتا ہی جاتا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ نہیں کیا کہ اپنے قبل حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا ہی ڈالا۔ اپنے بعد بھی حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونے نہ دیا۔ یہ امر حضرت عمرؓ کی دوسری غلطی سے خبر دیتا ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کو کچھ بھی حضرت رسولؐ کی خلافت کا پاس ہوتا تو علیؓ مرتضیٰ کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کے خلیفہ قرار پانے کا سامان نہیں کر جاتے۔ سلطنت عرب یا خلافت رسولؐ کی بہبودی کے لیے ضرور تھا کہ آپ بنی امیہ سے خلیفہ کا انتخاب نہ سہاوتے۔ پھر بنی امیہ سے ایسے شخص کو خلیفہ انتخاب کیا کہ جس کو خلافت رانی کی خس برابر بھی صلاحیت مودعہ نہ تھی۔ اگر علی مرتضیٰ کو خلیفہ ہونے دینا منظور نہ تھا تو تنہا معاصران حضرت علیؓ سے کسی لائق شخص غیر بنی امیہ کی خلافت کا سامان کر جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے علاوہ جو کوئی خلیفہ حضرت عمرؓ کا قرار پاتا حضرت عثمانؓ سے ہر اہل بہر طور سے عمدہ خلافت کو انجام کر سکتا۔ مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت عرب یا خلافت کی نفع رسانی سے حضرت عمرؓ کو کوئی غرض نہیں تھی۔ آپ کا اصل منشا یہ تھا کہ علی مرتضیٰ خلیفہ نہوجاویں اور جو شخص خلیفہ ہو قبیلہ بنی امیہ کا آدمی ہو۔ پس چونکہ حضرت عثمانؓ کے جلدادر کامیابی کے ساتھ خلیفہ قرار دیے جانے کے اسباب موجود اور پیش نظر تھے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر تاج خلافت کے رکھ دینے کا سامان کر ڈالا۔ کوئی شک نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کو کچھ بھی سلطنت عرب یا خلافت حضرت رسولؐ کی بہبودی کا خیال ہوتا تو کسی حال میں حضرت عثمانؓ کی خلافت یا بنی کی طرف حضرت عمرؓ کو توجہ نہوتی۔ اب حضرات ناظرین ذیل کے معاملات کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ یہ معاملات کسے دیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کسی طرح سرور خلافت نہ تھے حضرت عمرؓ کا یہ انتخاب خلیفہ جو علی مرتضیٰ کی عداوت پر مبنی تھا۔ ایسا زشت رنگ رکھتا ہے کہ اہل انصاف کی آنکھوں میں حسرت آگین ہونے کا سوا اور کیا دکھائی دے سکتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ قرار پاتے ہی مردودان درگاہ خدا و رسولؐ سے سرکار خلافت بھگتی علامہ مسعودی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خلیفہ ہوئے تو ان کے چچا حکم بن ابی العاص اور مروان بن حکم اور دیگر بنی امیہ جو حکم حضرت رسولؐ خارج از مدینہ تھے حضرت رسولؐ کے پاس آکر مجتمع ہو گئے۔ اور مروان و ہی راندہ درگاہ نبویؐ تھا جسکو رسول مقبولؐ نے مدینہ منورہ سے نکلوا دیا تھا اور مدینہ کے قرب و جوار میں اُسے آنے کی مانفت فرمائی گئی تھی۔ وہ جناب حضرت عمرؓ کی غیبت آپ نے اپنا جانفشین انتخاب فرمایا۔ کیا آپ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہو جانے پر مردودان خدا و رسولؐ کا ہجوم مدینہ میں ہو جائیگا۔ آپ کی غرض ہی ایسے انتخاب سے یہ تھی کہ بنی ہاشم کو ستانے کے واسطے بنی امیہ زور آور ہو جاویں۔ چنانچہ زور آور ہو کر پورے مالک بلاد اسلام کے ہو گئے اور ان سے

خلافت حضرت عثمان بن مردودان خدا و رسولؐ کا مدینہ میں جمع ہو جاتا۔

بنی ہاشم کے خون یا مراد طور پر بہتے رہے۔ چونکہ خلافت رانی کی کوئی صلاحیت حضرت عثمان کو حاصل نہ تھی پہلے آپ نے مغیرہ ابن سعد کو حکومت کوفہ سے معزول کیا اور اس کی جگہ پر سعد ابن ابی وقاص کو مقرر کیا پھر سعد ابن ابی وقاص ایک برس حاکم کوفہ رہے ہوں گے کہ آپ نے سعد کو معزول کر کے اسکی جگہ پر اپنے اخیانی بھائی ولید بن عقیبہ کو کوفہ کی حکومت عطا کی۔ یہ ولید وہ مشہور شراہنوار ہے جس نے مخموری کی حالت میں دو رکعت نماز صبح کی جگہ چار رکعت نماز مسجد میں پڑھائی تھی اور پھر معصلا سے مسجد پر پی ہوئی شراب نے کڑا لی تھی۔ یہ ولید تنزیلی فاسق تھا۔ مگر حضرت خلیفہ نے برادر پر درسی کے خیال سے اسے حاکم کوفہ بنا دیا تھا۔ کیونکہ مغیرہ ابن سعد اور سعد بن ابی وقاص معزول کیے گئے اسکی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سوائے اس کے کہ حضرت عثمان کو خلافت رانی کی صلاحیت حاصل نہیں تھی اور کیا وجہ بتلائی جاسکتی ہے پھر حضرت عثمان نے عبداللہ ابن سعد کو مصر کی حکومت بخشی۔ شخص مرتد تھا۔ ایسے ہی ابو موسیٰ اشعری کو حکومت بصرہ سے معزول کر کے ابن عامر اپنے خالہ زاد بھائی کو حاکم بصرہ بنا دیا۔ ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ عدم صلاحیت خلافت رانی کے سوا اس کی اور توجیہ کیا کجا جاسکتی ہے۔ اسی طرح جب ابن سعد بن ابی وقاص اور مالک اشتر کے درمیان بحث و نزاع واقع ہوئی تو سعد کے آدمیوں نے مالک اشتر کو اس قدر مارا کہ مالک بیہوش ہو گئے۔ یہ امر اشتران و اعیان کوفہ پر نہایت گراں گزرا۔ ان لوگوں نے سعد کی شکایت میں زبان کھولی اور حضرت عثمان کو بھی بُرائی کے ساتھ یاد کرنے لگے۔ اس پر حضرت عثمان نے اُن بیچارے شرفائے کوفہ کے ساتھ جو بدسلوکیاں کیں اہل خبر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ نہیں معلوم کہ حضرت عثمان کس قاعدہ سے ”رحما کرہینہم“ کے بعد ان سمجھے جاتے ہیں آپ سے زیادہ سنگدل اور غیر رحیم آدمی تو صحابی حضرت رسول میں معاویہ وغیرہ نے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ہے۔ مالک اشتر ایک معروف صحابی اُن صلعم کے تھے مگر ان میں ایک بڑا یہ نقصان لاحق تھا کہ بیچارے خاندان بکیر کے بڑے دوستدار تھے۔ اگر یہ عیب دلائے۔ ہلبیت کا اس غریب میں نہوتا تو حضرت عثمان ان کی مظلومیت کا کچھ خیال کرتے۔ مالک اشتر کے قصہ میں جو جو ظالمانہ کارروائیاں شرفائے کوفہ کے ساتھ کی گئیں اُن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو کوئی صلاحیت خلافت رانی کی فطرت نے عطا نہیں کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو پورے طور پر ناقابل خلافت سمجھ کر خلیفہ بنوایا تھا۔ قابل خلیفہ کے ہاتھ سے بنی ہاشم اور دوست داران بنی ہاشم کی ایذا یا بی کی معقول صورت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ قابل خلیفہ مردودان درگاہ آئی و درگاہ مصطفویٰ کو اپنے اندر جو جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ قابل خلیفہ کے ذریعہ سے بنی اُمیہ جو بدترین اشرار عالم سے تھے امور خلافت میں دست انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

پس حضرت عمر کو معاہدہ براری کے لیے اس سے چارہ نہ تھا کہ حضرت عثمان جیسے کمزور ضعیف الراس اور ضعیف العقل بنی امیہ کو اپنا جانشین بنا دیں۔ اب حضرات ناظرین ایک اوبے رحمی کا فضل حضرت عثمان کا ملاحظہ فرمادیں یہ بچا رہے ابوذر غفاری کے ساتھ حضرت عثمان نے بے رحمی کا خاتمہ کر ڈالا۔ جرم اس بچا رہے کا صرف یہ قدر تھا کہ وہ دوستدار خاندان پیغمبر کے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو ایذا رسانی کی ایجاد میں ایک دخل خاص تھا۔ پھر عمار بن یاسر کے ساتھ جو حمانہ سلوک حضرت عثمان کا عمل میں آیا اسکی سرگذشت یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ کی بے اعتدالیان حد سے گذر گئیں اور عامۃً مسلمین کی آسائش میں سخت خلل لاحق ہونے لگا تو پچاس اشخاص مہاجرین و انصاریہ نے عمار بن یاسر کو ایک نامہ دیکر حضرت عثمان کی خدمت میں بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر حضرت خلیفہ اپنی ضرر رسان کارروائیوں سے باز نہ آئیں گے تو خلافت سے معزول کر دیے جائیں گے اس سفارت کا یہ نتیجہ ہوا کہ عمار بن یاسر پر اس قدر مار پڑی کہ وہ عارضۃً فقیر بن جتنا ہو گئے۔ معاذ اللہ۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت کی بے عنوانیان کوئی حد نہیں رکھتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حصرع ”خروند عثمان بست زندہ دار“ حضرت سعدی کا قول ہے۔ ظاہر اسعدی بے سرو پا باتیں نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ قبی یہ قول اُنکا ہے تو حضرت سعدی بھی حضرت عثمان ہی کی طرح عقلمند و دانش مند تھے۔ ظاہر عمار بن یاسر کے ساتھ ایسے بی رحمانہ سلوک کے عمل میں لائے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی کہ عمار بن یاسر بھی حضرت ابوذر اور دناک اشتر کی طرح دوستداران اہل بیت نبوی کے تھے۔ پس حضرت خلیفہ کا سانپ بے حد اہل بیت بن عوف کے ساتھ جو حضرات اہل سنت کے یکے از عشرہ مبشرہ بن ویسا ہی ہو جیسا کہ ایک دو سرے یکے از عشرہ مبشرہ یعنی سعد بن ابی وقاص کے ساتھ ہوا تھا۔ حکم خلیفہ صاحب سے یہ عبد الرحمن صاحب مدینہ سے نکلوائے گئے۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کے زور سے حضرت عثمان حضرت عمار بن یاسر کو اپنا جانشین قرار پائے تھے۔ اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو خلافت حضرت عثمان تک نہیں پہنچتی۔ ظاہر ابیاسر ابیاسر ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن عوف صاحب کو اپنی غیر مصفاۃ کا۔ روانی کی سزا منتقم حقیقی کی طرف سے ملی۔ بہر حال سیدنا محمد بن عوف کے نفی بلاد کیے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان میں کمزوری عقل و رائے و نہایت بے رحمی کے ساتھ ناسپاسی کا مادہ بھی ایک ممتاز درجہ تک داخل طینت تھا۔ معاملات بالاسے کہ نفرت آگین قصہ محمد بن ابی بکر کا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر یا کرمصر کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت حاکم مصر ابن ابی سرح حکم خلیفہ سے معزول ہو چکا تھا۔ محمد ایک جماعت مہاجرین و انصاریہ کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہنوز یہ لوگ راہ میں تھے کہ ایک شہ سوار اونٹ کو تیز لگتا ہوا ان کی جانب سے آ رہا ہے۔ محمد کے قافلے والوں نے

اُس سے پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ عامل مصر کے پاس۔ لوگوں نے کہا عامل مصر تو یہی محمد بن ابی بکر ہیں۔ شتر سوار نے کہا کہ میں دوسرے عامل یعنی ابن ابی سرح کے پاس جاتا ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے اُسے پکڑا اور تلاشی لی تو اُس کے پاس سے ایک نام نہ نکلا جسپر حضرت عثمان کی مُہر تھی اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس وقت محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھ والے وہاں پہنچکر تیری معزولی کا حکم دین تو قبول نہ کرنا بلکہ محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھ والوں کو کسی حیلہ سے قتل کرنا اُن کے پاس جو نام ہے اُسکو باطل سمجھنا اور اپنے منصب پر دستور قائم رہنا۔

یہ مضمون دیکھتے ہی محمد بن ابی بکر اور اُن کے ساتھ والے مدینہ واپس آئے اور اُنھوں نے صحابہ کو جمع کر کے سارا قصہ بیان کیا۔ اُن سب نے حضرت عثمان سے اس بات کو پوچھا۔ حضرت عثمان نے اقرار کیا کہ یہ خط میرے کاتب مروان کا لکھا ہوا ہے اور اُسپر میری مُہر بھی ثبت ہے۔ لیکن خدا کی قسم میرے حکم سے نہیں لکھا گیا۔ وہ حضرت خلیفہ صاحب اس طرح کے نامعقول احکام جاری پا جا رہے ہیں اور آپ کو اُن سے بے خبری رہے۔ سبحان اللہ خلافت دہائی اس کو کہتے ہیں۔ بہر حال جب لوگوں نے یہ کہا کہ اچھا مروان کو ہمارے سپرد کر دو تو حضرت عثمان نے کہا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس بات سے لوگوں کا غیظ و غضب حضرت عثمان پر اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ لوگ حضرت عثمان سے قتال کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمان کی اس طرح کی بے عنوانیاں یقین تب تو بلوایوں نے آپ کی جان مار ڈالی اور محمد بن ابی بکر بھی بلوایوں کے شریک ہو کر آپ کے قتل کے شریک ہو گئے۔ عیوض اگلہ نہ باشد۔ آپ کے مروان نے محمد اور محمد کے ساتھیوں کی جان لینے کا پورا سامان کر دیا تھا محمد نے اس کے عوض میں آپ کے ساتھ وہ کیا جو آپ کا مروان محمد اور رفقاء محمد کے ساتھ کر گزرنے کو تھا۔ آپ تمام حالات بالا کو ملحوظ رکھ کر باب انصاف تجویز فرمائیں کہ جو خلیفہ صاحب ولید بن عقبہ سے فاسق کو کسی بلاد اسلام کا حاکم بنا دین مروان جیسے مردود و دہ گاہ خدا و رسول کو عمدہ وزارت پر سرفراز فرما دین۔ حکم بن عاص کو بلاد استحقاق زر کشیر عنایت کریں حارث کو مفت میں دسواں حصہ بخش کا دوکانداران مدینہ سے دوا دین تمام حکومتوں کو مضمان بنی امیہ اور دیگر امیران کو سپرد کریں ناحیہ مغیرہ ابن شعبہ سعد ابن ابی وقاص اور ابو موسیٰ اشعری کو جو اہل سنت کے عشرہ مبشرہ سے ہیں حکومتوں سے معزول کریں عبدالرحمن بن عوف کو مدینہ سے نکلوا دین نہایت بے رحمی کے ساتھ مالک اشتر ابوذر غفاری اور عمار ابن یاسر سے پیش آویں۔ محمد ابن ابی بکر کے قتل کئے جانیکا بند و بست کریں یا بند و بست ہونے دین۔ شرفاء کو مذکور طرح کی حقوق توں میں مبتلا کریں اور عامہ مسلمین کو اپنی ایذا رسان کارروائیوں سے جید آزرہ کر ڈالیں تو ایسے خلیفہ صاحب کو

خلیفہ رسول اللہؐ سمجھنا کچھ عجیب مضمون نظر آتا ہے۔ یہاں تک تو عام مسلمانوں کے ساتھ جو بڑا حضرت خلیفہ نے جائز رکھا۔ وہ مختصر طور پر جو القلم ہوا۔ آپ حضرت خلیفہ نے خاندان پیغمبرؐ پر جو کرم فرمایا یہ ہے کہ نسخہ ہمارے قرآن کو جلوہ اگر جو تصحیح اور ترتیب قرآن کی وہ یہ ہوئی کہ اس میں سے نام مولیٰ کائنات اور لفظ آل محمد کو خارج کر ڈالا۔ اس فعل سے حضرت خلیفہ کے یہ اسباب ظاہر منصوسی حیثیت حضرت علی اور آل محمد کی باقی نہیں رہی۔ کوئی شک نہیں کہ اس ترکیب سے خاندان پیغمبر کی حیثیت عوام مسلمانان کی سی ہو گئی۔ تنقیص شان اہل بیت حضرت شیخین کرتے آئے تھے اب اس تنقیص کا خاتمہ عہد حضرت عثمان میں ہو گیا۔ عاذا اللہ عنہما حضرت عمرؓ حضرت عمرؓ بے شک بوجھ حضرت عثمان کی خلافت یا بی بی من کو شان نہیں ہوئے تھے۔ آپ حضرت عثمان کی افتاد طبیعت سے پوری خبر رکھتے تھے۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ خلیفہ وقت ہو کر حضرت عثمان اشترار زمانہ کو اپنے گرد جمع کر لیجے اور اہل بیت نبوی اور دوستان اہل بیت نبوی کے ستانے میں کوئی دقیقہ ٹھانہ نہیں رکھیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو اشترار زمانہ کی طرف ایک میلان خاص تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن بنی بیٹی کیون بیاہ دیتے۔ آپ کے اس فعل سے بھی مسلمانوں کو آپ کی طرف سے بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ انھیں اشترار پرستیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بلوایوں نے آخر آپ کا کام تمام کر ڈالا۔

حضرت عثمان کے تمام حالات پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو خس براہی خلافت میں کی صلاحیت فطرت نے نہیں بخشی تھی۔ ایسے صاحب کو حضرت عمرؓ کا خلیفہ انتخاب کرنا ایک پُر حیرت امر ہے۔ اگر ایسے انتخاب سے مرکز خاطر حضرت عمرؓ کا ہی تھا کہ مارا لے؟ اس میں ہاشم اور بھی دو ہو جائیں اور بنی امیہ کے مالک سلطنت جمانے سے کبھی نارت مات بنی ہاشم کی طرف عود نہ کر سکے اگر ایسا خیال حضرت عمرؓ کے دل میں چمک نہ کیے ہوتا تو حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا ہوتا علی مرتضیٰ خلیفہ ثالث ہو کر ان حرکتوں کے مرکب نہیں ہو سکتے تھے جو حضرت عثمان سے ظہور میں آتی گئیں۔ حضرت علیؓ حضرت عثمان سے لاکھوں گونہ خلافت رانی کی زیادہ صلاحیت حاصل تھی۔ تقاضاے مزاج سے علی مرتضیٰ صحبت اشترار سے نفرت رکھتے تھے۔ مردمان فاسق و فاجر سے اعتنا بکلی رکھتے تھے۔ فساد انگیزوں سے منزوں دور تھے۔ دل آزاری اور ستم پروری کی آپ کو ہوا تاک نہیں لگی تھی۔ اور حق یہ ہے کہ جمیع صفات حمیدہ سے متصف تھے۔ تب تو اکل محمدؐ مصطفیٰ صل اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ علی منی وانا منہ اور جبریل بول اُٹھے "وانا منکم" کوئی شک نہیں کہ اگر خس براہ حضرت عمرؓ میں صل بردری ہوتی تو آپ حضرت علیؓ کے رہتے حضرت عثمان کو اپنا جانشین بنانے میں اس طرح کے ایچ بیچ کی چالیں نہیں چلتے حضرت عثمان کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت لوگوں نے کی۔ آپ کی خلافت کی نسبت علماء اہل سنت کچھ نہیں لکھتے ہیں کہ آپ خلیفہ کس ترکیب سے قرار پائے حضرت ابو بکرؓ کی

خلافت اجماع کی بنیاد پر بتلائی جاتی ہے حضرت عمر کی اختلاف کے رو سے حضرت عثمان کی شوریٰ کی جہت سے اور امیر معاویہ کی غضب اور قہر کے ذریعہ سے اور یہ سب صورتیں حصول خلافت کی صحیح و درست مانی جاتی ہیں۔ ما شاء اللہ حضرات اہل سنت کا اصول خلافت کیا خوب انداز رکھتا ہے جو شخص جس سبیل سے خلیفہ ہو گیا بس خلیفہ برحق ہو گیا حضرت علی کی خلافت کی نسبت کتب اہل سنت میں کچھ نہیں حوالہ القلم پایا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت علی کے رحلت پاتے ہی امتیاز محمدی فساد پر مستعد ہو گئے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ حضرات خلفائے ثلاثہ خاندان پیغمبر کی عظمت اور حرمت زائل کر چکے تھے۔ وقار اہل بیت نبوی باقی ہی کیا رہا تھا جس کا پاس مسلمانان وقت ملحوظ رکھتے۔ ادھر زبیر اور طلحہ نے حضرت علی کی بیعت کی اور اسی کے ساتھ شکست بیعت کر کے حضرت عائشہ کی محبت میں خلیفہ وقت سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد ہی امیر معاویہ نے بغاوت کا بھند باندھ کر دبا جنگ صفین کا معاملہ ظہور میں آگیا معاویہ ساختہ پرداختہ حضرت شیعین کے تھے اور اب شام کے حاکم زبردست ہو رہے تھے۔ آپ کو خلیفہ وقت سے مقابلہ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے مکر و فریب کے ذریعہ سے حضرات اہل سنت کے خلیفہ نجم بن ابیہ تھے۔ حضرت شیعین نے بنی امیہ کی ثروت کی بنا ڈالی تھی اس بنا پر بنی امیہ کی ثروت کی عمارت تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی قائم ہو گئی کہ بنی ہاشم اور دوستان بنی ہاشم سے اسکا اندام احاطہ امکان سے باہر ہو گیا۔ حضرت علی کا عرصہ خلافت چار برس کے اندر کا معلوم ہوتا ہے اس عرصہ قلیل میں ایک دن بھی راحت کا موقع حضرت علی کو نصیب نہ ہوا۔ تاریخ کی کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ طلحہ زبیر معاویہ وغیرہ وغیرہ کے فسادات کے باعث کیا کیا ایذائیں اور وقتیں حضرت علی کو لاحق ہوتی گئیں۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ مفسدہ معاویہ کے وقت میں فرقہ خوارج کا وجود قائم ہوا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مادہ خروج کا حضرت شیعین کی خلافت پیدا کر چکی تھی۔ بلاشبہ اس فرقہ کے ظہور کا تخم بھی سقیفہ میں بویا گیا تھا۔ سقیفہ کا معاملہ اہل بیت نبوی کے طرح کے مصائب کا مزرع نظر آتا ہے۔ بالخصوص حضرت علی کو اہل بغاوت کے مفسدوں سے فرصت نہیں ہوئی تھی کہ کوفہ میں آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا عبدالرحمن ابن ملجم آپ کا قاتل ہے اور اس لیے حسب فرودہ حضرت رسولؐ کہ علی کا قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں اس کے جہنمی ہونے میں کسی دوستان اہل بیت نبوی کو شک نہیں ہو سکتا۔ مگر خلافت حضرت شیعین نے مخالفت اہل بیت نبوی کی امتیوں میں ایسی پیدا کر دی تھی کہ ان میں عمران بن حطان کی ترکیب کے مسلمانوں کی کمی نہیں پائی جاتی تھی۔ اس دشمن علی کی نسبت ابوالفدا مینج لکھتے ہیں

کہ عمران بن حطان خارجی نے ابن لمم کے مرثیہ میں اس مضمون کے شعر موزون کیے ہیں کہ ”کیا اچھی ضرب تھی اس ولی یعنی ابن لمم کی جس نے خوشنودی خدا کے ارادے سے وہ ضرب لگائی۔ میں جس وقت ابن لمم کو یاد کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ اس کا میزان عمل خدا کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پورا ہے۔“ کوئی شک نہیں کہ اہل بیت نبوی کی طرف سے اس طرح کے عناد کی روح امتیان محمدی میں حضرت شیخین کی پھونکی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت شیخین نے حدیث ثقلین کے پابند رہ کر واقعہ سقیفہ سے ان کو دور رکھا ہوتا تو حضرت علی سے طلب بیعت میں نامتوقع سختیوں کا عامل نہ ہوئے ہوتے۔ اپنی بنی کی دختر محترمہ کو معاذ اللہ حد درجہ کی جسمانی اور روحانی ایذا میں پہنچانے ہوئے ہوتے۔ خلافت کے ساتھ خدک کو بھی غضب نہ کر لیتے ہوتے اور ہر طرح کی معاندانہ کارروائیاں اہل بیت نبوی کے ساتھ عمل میں نہ لائے ہوئے ہوتے اور مختصر یہ ہے کہ اپنے افعال و حرکات سے امتیان محمدی کو ایسی راہنہیں دکھائے ہوتے جس سے طرح طرح کی تنقیص شان اہل بیت کو ظہور ہوتا گیا تو صرف وجود خارجی کا اسلامی دنیا میں کبھی ظہور میں نہ آتا بلکہ امتیان محمدی میں کسی وقت کسی طرح کی مخالفت اہل بیت کی صورت دکھائی نہ دیتی۔ ابواب صبا میں ہمدردہ تست + یہ صرف حضرت شیخین کا اثر ہے جو امتیان محمدی میں عمران بن حطان کی ترکیب کے بشر گزرے ہیں اور با تقویٰ۔ اس وقت بھی ہزاروں ابن لمم اور عمران بن حطان موجود ہیں اور تاقیامت موجود رہیں گے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کتاب لاصابہ میں لکھتے ہیں کہ عمران بن حطان تابعی ہے اس کا ذکر طبقہ صحابہ میں کسی نے نہیں کیا مگر قاضی حسین بن محمد شافعی نے تعلیقات میں عمران کو صحابی بیان کیا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ ابن لمم کے مرثیہ لکھنے والے کو اس وقت کا کم سے کم تابعی یا صحابی ماننا خلاف توقع نہیں۔ حضرات اہل سنت کے ما شاء اللہ عجب عجب ترکیب کے صحابی اولاد و بیان احادیث دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اہل سنت کے صحابی کا مضمون کچھ عجب رنگ رکھتا ہے۔ یہی حال ان کے راویان احادیث کا بھی ہے۔ اسپر بھی ان کی کتاب بخاری کتابیاری کے قریب قریب درجہ رکھتی ہے خیر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ جب ابوالطیب طبری نے عمران بن حطان کے اشعار مرثیہ سنے زانھون نے اس کے جواب میں اس مضمون کے شعر موزون کیے کہ ”میں عمران بن حطان کے اشعار سے یزاری ظاہر کرتا ہوں جو اس نے ابن لمم ملعون کی مدح میں بطور بہتان کے کہے ہیں۔ میں جب ابن لمم کو یاد کرتا ہوں تو اسپر لعنت کرتا ہوں اور عمران بن حطان پر لعنت کرتا ہوں جس نے ابن لمم کی تعریف میں ان اشعار کو موزون کیا ہے۔“ یہ لکھ کر قاضی حسین بن محمد فرماتے ہیں کہ قاضی ابوالطیب نے خطا کی جو عمران بن حطان کی نسبت لعنت کے الفاظ استعمال کیے کیونکہ عمران بن حطان

صحابی ہے اور اُس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ واہ رے اہل سنت کے شیر عمران بن حطان۔ قاتل شیر خدا تو مرثیہ لکھے اور پھر صحابی کے درجہ پر ڈٹا بھی رہے۔ حضرات اہل سنت کے طرح طرح کے صحابی دکھائی دیتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ نیز ابن حجر موصوف کتاب بالامین لکھتے ہیں کہ عمران بن حطان سے بخاری اور ابوداؤد نے حدیثیں روایت کی ہیں راقم کتا ہے کہ بخاری اور ابوداؤد کو عمران بن حطان سے بہتر راوی کہاں سے مل سکتا تھا۔ یہ وہ راوی ہے کہ جو مداح ابن طحکم کا ہے اور اس حیثیت سے خود ابن طحکم سے کیا کم درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح محدث عثمان البنی نے عمران بن حطان کو اہل سنت و جماعت میں شمار کیا ہے راقم کتا ہے کہ مداح ابن طحکم اہل سنت و جماعت کے فرقہ کے سوا اور کس فرقہ کا بشر ہو سکتا ہے نیز کتاب تلخیص ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ ابن خرم طاہری نے مبالغہ کے ساتھ کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اس کے متعلق کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ابن طحکم نے علی بن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا لیکن ابن طحکم کو دیکھا تھا کہ اس بات میں اسکی رائے خطا پر نہیں ہے بلکہ صواب پر ہے۔ راقم کتا ہے کہ واہ مذہب اہل سنت اور واہ رے اہل سنت کے ائمہ مجتہدین ادنیٰ سے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی جو اہر العقدین امام جمہوی میں یہ عبارت قلم بند ہے کہ حسین ابن کثیر اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ ایک شب خائفہ امام حسن میں انظار فرماتے تھے اور ایک شب امام حسینؑ کے گھر میں اور ایک شب عبداللہ ابن جعفر کے ہاں اور تین لقموں سے زیادہ نہیں تناول فرماتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو خداے تبارک و تعالیٰ کے پاس خالی اور گرسنہ شکم جانا بہت پسند ہے راقم کتا ہے۔ اندری روح پروری (خیر۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو آپ شہید ہوں گے۔ اُس رات کو بار بار آپ باہر نکل آتے تھے اور پے درپے آسمان کی طرف نظر فرماتے تھے اور کہتے تھے خدا کی قسم نہ خدا نے جھوٹ کہا ہے اور نہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ حقیقتاً آج وہ رات ہے جس رات کو میرا وعدہ پورا ہوگا۔ جب صبح کا وقت نمایاں ہوا تو آپ باہر نکل آئے پروردہ بطون نے بڑھکراپ کو روکا۔ آپ نے یہ کہہ کر ان کو ہٹکا دیا کہ انکو اتھام لکھو کیونکہ یہ سب میری رونے والیاں ہیں۔ ستر شہوین رمضان کو ابن طحکم نے ضرب شمشیر لگائی اور اکیسویں رمضان کو آپ کی وفات ہوئی۔ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جانکاہ شہید ہونے میں رونما ہوا۔

واضح ہو کہ مورخ ابن اثیر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کی پیشین گوئی حضرت رسول خداؐ نے فرمائی تھی۔ آن صلعم نے فرمایا کہ علیؑ نہ مرین گے جب تک کہ مقتول نہ ہوں گے۔ استیاب ابن عبدالبر بن صہیب مروی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اے علیؑ بتاؤ کہ اعمہ سابقہ میں

سب سے زیادہ شفیق کون تھا۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ جس نے ناقہ صالح کی کوچین کاٹیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس اُمت میں سب سے زیادہ بد بخت کون ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ آن صلعم نے فرمایا کہ اس اُمت میں سب سے زیادہ بد بخت وہ شخص ہو گا جو تمھارے سر پر ضرب لگائے گا اور تمھاری داڑھی کو تمھارے خون سے خضاب کرے گا۔ یہی مضمون خضائنہ نسائی میں بھی پایا جاتا ہے۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ قول بالا فرمودہ رسول اللہؐ کا ہے۔ اقیان محمدیؑ کا حال دیکھئے کہ عمران بن حطان صاحب ابن ملجم کا مرثیہ لکھتے ہیں قاضی حسین بن محمد شافعی صاحب عمران کو صحابی کا درجہ بخشتے ہیں بخاری اور ابوداؤد اُس بد بخت سے حدیثیں روایت کرتے ہیں محدث عثمان الجلی اس عاقبت برباد کو اہل سنت و جماعت میں شمار کرتے ہیں اور اہل سنت کے جمیع ائمہ مجتہدین اس دشمن خدا کو بے گناہ قرار دیتے ہیں اس بنا پر کہ اُس نے علی بن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ ابن ملجم سمجھتا تھا کہ اس باب میں اس کی رائے خطا پر نہیں ہے بلکہ صواب پر ہے۔ خدا راے نا عاقبت اندیش تو تمھارے اگر ایسے ہی مسئلے تاویل اور اجتہاد کے ہیں تو بلاشبہ تاویل و اجتہاد کی بنا پر حضرات خلفائے ثلاثہ حضرت رسول اللہؐ کو غزوات رسول اللہؐ میں بار بار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حضرت رسولؐ کے حکم کے خلاف عمرؓ عبیدود سے مقابلہ کرنے میں قاصر ہوئے صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے شک فی النبوت ظاہر کیا اور اس شک میں تاخیر صلح یا خدا جانے کب تک مبتلا رہے۔ عقبہ کی راہ میں رسولؐ پر حملہ آوری کی مستعدی ملا عین نے کی۔ حبشہ اُسامہ کی شرکت سے اکابر امتیان یعنی حضرات ثلاثہ وغیرہم باز رہے رسول اللہؐ کی تہنیز و تکفین کی شرکت سے اپنے کو حضرت شیخین نے محروم رکھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کو ایک دلیل سے ساکت کر کے حضرت شیخین نے اپنی خلافت قائم کر لی۔ پھر اُسی دلیل کی بنا پر جب حضرت علیؑ نے خلافت طلب کی تو مطلق عدل پروری کو راہ نہ دے سکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ سے بیعت طلبی کے متعلق حضرت عمرؓ کو خاندان فاطمہ سلام اللہ علیہا میں آگ لگا دینے کے لیے بھیجا اور حضرت عمرؓ آگ لیکر گئے اور آگ لگا دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو مارا جس کے صدمہ سے حمل محسن ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام قنقذ نے بنت نبی صلوٰۃ اللہ علیہا کو ایسا مارا کہ اُس معصومہ مظلومہ کی پسلی ٹوٹ گئی پھر حضرت شیخین نے طرح طرح کی بے عزتیاں دکھلائیں اور آخر کار فدک کو چھین لیا۔ (تاشا تو یہ ہے کہ حضرت شیخین حضرت فاطمہؓ سے فدک کو چھین لیا اور حضرت عمرؓ کے انتخابی جانشین حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں فدک کو سترہ ہجری میں اپنے داماد مروان بن الحکم جو جانا ہوا مرد درگاہ خدا و رسولؐ تھا عطا فرمایا) واہ رے عدل پروری شیخین واہ ری نصفت پنا ہی ذی النورین۔ مختصر یہ ہے کہ راستہ

کہاں تک امتیان محمدی کی نفس پروری حق کشی درست پروری حق ستانی کے امور کو اس مختصر کتاب میں حوالہ قلم کر سکتا ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ امتیان محمدی کے ہاتھ میں تاویل و اجتہاد کے دو ایسے ہت کھنڈے ہیں جن سے وہ حضرات قاتل علیؑ و قاتل فاطمہؑ و قاتل محسنؑ و قاتل حسنؑ و قاتل حسینؑ و قاتلان جمیع ائمہ خاندان پیغمبر و جمیع اشترار زمانہ مثل خالد و معاویہ و یزید و جمیع مردودان درگاہ خدا و رسولؐ کو معصوم قرار دے سکتے ہیں۔ خالد کو تو حضرت ابوبکرؓ نے تاویل کی بنا پر معصوم قرار دیدیا ورنہ حسب اسے حضرت عمرؓ خالد پر حد شرعی کا جاری کیا جاتا تا متر انصاف تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد حکومت میں خالد صاحب قبیلہ بیروہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس قبیلہ کے سردار مالک بن لومزہ کو خالد نے قتل کر ڈالا اور اُس کی جو روپوڑا منصرف ہو بیٹھے (دیکھو تاریخ ابن اوردی) جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ بیشک خالد زنا کا مرتکب ہوا اس پر حد جاری کرو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خالد نے تاویل میں غلطی کی حضرت عمرؓ بولے کہ اچھا اس کو قتل کرو۔ اس لیے کہ اُس نے ایک مسلمان کو قتل کیا حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ خالد نے تاویل میں خطا کی۔ تاویل کا عجب مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر مجرم کو نتیجہ جرم سے بچا لینے کا یہ ایک اچھا آلہ اہل سنت کے ہاتھ میں دیکھا جاتا ہے۔ امیر معاویہؓ سے جتنی بے عنوانان ظہور میں آئی گئیں سب خطائی الاجتہاد سمجھی جاتی ہیں۔ واہ واہ مذہب ہو ایسا ہو کہ جس میں ہر طرح کا فعل قتل مسلم ہو یا زنا ہو یا جو کچھ ہو سب کی کھپت دکھائی دیتی ہے۔ واضح ہو کہ حضرات اہل سنت میں ائمہ خاندان پیغمبرؐ سے محنت تنفر دیکھا جاتا ہے۔ یہ منفران کے مذہب کا تقاضا ہے ائمہ خاندان پیغمبرؐ سے ہر امام کی توہین تحقیر اور تذلیل اُن سے ظہور میں آئی گئی ہے۔ بلا استثنا تمام ائمہ اثنا عشر پر اُن کی پھری چلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ سینوں کے امام ابن تیمیہؒ حضرت علیؑ علیہ السلام کی نسبت اپنی کتاب دررکامنہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ستر مسائل شرعیہ میں خطا کی اور وہ سب خطائیں نص قرآن کے خلاف تھیں۔ رافضی حضرات اہل سنت سے پوچھتا ہے کہ میں حضرت رسولؐ کے قول کو مانوں یا ابن تیمیہؒ کے۔ اگر حضرت علیؑ اس طرح کی خطائیں کیا کرتے تھے تو حضرت رسولؐ کا یہ فرمان القرآن مع علی و علی مع القرآن مامر غلط ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح قول نبویؐ انا مدینۃ لعلم علی باہر بھی یک سر لغو نظر آتا ہے۔ ابن تیمیہؒ کی اس طرح کی تحریر و حقیقت حضرت رسولؐ نبی مکذیب تصور ہے مگر حضرات اہل سنت اپنے حضرات ثلاثہؑ کی محبت میں ایسے بخود ہو رہے ہیں کہ انھیں فراز و نشیب کسی امر کا سوچائی نہیں دیتا ہے۔ بخود ہی میں جو کچھ چاہتے ہیں بول جاتے ہیں یا لکھ جاتے ہیں۔ پناہ پناہ اور ہزار بار پناہ

مصائب امام حسن علیہ السلام

آپ رابع آل عباسین یعنی نبیچقن پاک مین آپ چوتھے ہیں۔ آپ کے ساتھ امتیان محمدی کے جو جو سلوک ہوتے گئے ان میں سے ہر سلوک کا رنگ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جس سے صرف دوستانہ آل محمد کو کمال درجہ کا گزند نہیں پہنچا ہے بلکہ ہر مذہب و ملت کے بنی آدم کو اس طرح کے امتیان محمدی سے نفرت کا پیدا ہونا ایک طبعی امر نظر آتا ہے۔ اپنے پدر عالی مقام علی مرتضیٰ کے شریک حال رہنے سے جو جسدے آپ کو پہنچنے گئے ان سے اہل علم کو بخبری نہیں ہے۔ مگر جو مصائب آپ کو مسند خلافت و امامت پر متکمل ہوتے ہی پیش آئے اور بھی تا وقت شہادت اور بھی بعد شہادت تا وقت تدفین پیش آئے گئے دوستانہ آل محمد کے لیے حکم قیامت کبریٰ کا رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خلیفہ قرار پاتے ہی معاویہ کے مظالم و مفاسد کے دروازے کھل گئے۔ فوج کوفہ کی بے اعتنائی اور بے وفائی نے چھ مہینے کے اندر ہی حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ امیر معاویہ حضرت امام کے خلیفہ رسول ہونے کے وقت کافی طور پر قوی اور بلاد اسلام پر حاوی ہو چکے تھے حضرت شیخین کا زہر یلا پودا ارض شام میں جڑ پکڑ کر اور شجر قداور ہو کر بار آور ہو چکا تھا۔ اب اُسے ہر گل رسالت کو پھیرنا انا اس کے لیے کوئی دشوار امر نہ تھا۔ حضرت امام کو خلافت ظاہری سے کنارہ کش ہو جانے کے سوا پکارہ نہیں رہا تھا۔ آپ امیر معاویہ کو بلاد اسلام کی باگ سپرد کر کے تعلقات خلافت سے علیحدہ ہو گئے جب طالبان دنیا کے مدعا و ایما کے مطابق مصالحت پر حضرت امام کی طرف اظہار رضامندی کیا گیا تو منافقین نے خوارج کی طرح آپ کے طرز عمل پر یہ الزام لگایا کہ کفر الحسن کما کفر ابوہ من قبلہ (یعنی حسن نے دیا یہی کفر کیا جیسا کہ اُن کے باپ اُن سے قبل کفر کر چکے تھے) اب یہ حال ہوا کہ معاویہ و جان ثارین امیر معاویہ اہل ہنروان کی طرح کھلے کھلے خارجی ہو گئے۔ تمام اہل شکرین بلوہ و فساد کی صورت پیدا ہو گئی بعض گمراہوں نے آپ کے ذاتی اسباب کو غارت کر دیا و دوش مبارک سے اتار لی اور وہ مصلے جس پر آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے آگے سے کھینچ لیا۔ واہ جناب حضرت شیخین آپ کی رعایا پروری نے خاندان پیغمبر کے ساتھ بگ بگ کے گل کھلائے کیا خوب آپ اور آپ کے سے حضرات سلمین نے حدیث ثقلین کی تیس فرمائی۔ معاملہ صلح کے بعد آپ نے مدائن میں قیام اختیار فرمایا۔ مدائن جاتے ہوئے راہ میں جناح ابن قسفیہ اسودی نے آپ کی ران پر پنجرہ کا ایک سخت زخم لگایا۔ مدائن کے قیام میں جب ران کا زخم اسی قدر مندمل ہو چکا تھا اور آپ باہر نکلنے لگے تھے تو عبد اللہ المنقلب بکرموصلی نے اپنے عصاے نوکدار

سے آپ کی پشت پر ایسی ضرب پہونچائی کہ عصا کی اپنی پشت پا سے تلوے تک اُتر آئی۔ کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام کے معاملات صلح کے انجام پا جانے اور آپ کے قطعی طور پر خانہ نشین اور عزت گزین ہو جانے پر بھی آپ کے بقیہ زمانہ حیات میں معاویہ صاحب ایک دن بھی آپ کے قتل کی فکر سے غافل نہ رہے جب جراح ابن قسفیہ سودی اور عبداللہ مروصلی وغیرہ کذرائع سے حضرت امام کا قتل ظہور میں نہ آ سکا تب حضرات اہل سنت کے خلیفہ پنجم صاحب نے مروان بن الحسین کے ذریعہ سے جو ان دنوں مدینہ کا عامل تھا حضرت امام کو زہر سے شہید کر ڈالنے کا سامان کیا۔ مروان نے جعدہ بنت اشعث کو زہر خورانی پر حضرت امام کی اس وعدہ پر آمادہ کیا کہ جب تو امام حسن علیہ السلام کا کام تمام کر چکے گی تو خلیفہ وقت تیرا نکاح اپنے ولیعہد یزید سے کر دیں گے۔ وہ ایمان فروش اس کے فریب میں آگئی اور ظاہری ثروت و اقتدار کی فریفتہ ہو کر فرزند رسول اللہ کی ہلاکت کا باعث ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دو بار حضرت امام کو وہ بے دین زہر دے چکی تھی مگر حیات باقی تھی۔ حضرت امام زندہ رہ گئے۔ جب امیر معاویہ کو حقیقت حال سے اطلاع ہوئی تو اُس دشمن خاندان بے مہر نے ایک رومی عیسائی طبیب سے ایک آزمودہ زہر بلابل دستیاب کر کے مروان کے ذریعہ سے جعدہ کے پاس بھجوایا اور جعدہ سے سابق کے وعدوں میں دو تین اور تازہ ہدیوں کا اضافہ کر دیا جیسا کہ طبری میں لکھتے ہیں کہ وہ وعدے دو ہزار دینار دس پانچ ہائے زرین اور سواد کو فہ کے زینت پر مشتمل تھے۔ جعدہ نے اس زہر بلابل سے حضرت امام کا کام تمام کر ڈالا۔ امیر معاویہ نے طلب برآری کے بعد جعدہ کا نکاح یزید کے ساتھ ہونے دیا اور نہ پھر جعدہ کی خبر لی۔ واہ امیر معاویہ صاحب واہ۔ آپ کا کیا کنا ہے۔ مکر و فریب کا خاتمہ آپ پر نظر آتا ہے۔ اپنے وقت آخرین حضرت امام نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے جناب رسول خدا کو فرماتے ہوئے کہ بعداً حضرت کے بارہ خلیفہ ہوں گے اور یہ سب تیغ یا زہر سے شہید ہوں گے۔ اس تقریر کے بعد قتادہ ابن امیہ کی استدعائے موعظہ پر آپ فرمانے لگے کہ سفر آخرت پر مہیا رہو اور توشہ سفر اجل کے پہلے تحصیل کر لو اور یہ خوب جان لو کہ تم دنیا کو طلب کرتے ہو اور موت تکو طلب کرتی ہے۔ جان لو کہ جو چیز اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل کر دے وہ تمہارا حصہ نہ ہوگا بلکہ اس کا دوسرا خزانہ دار ہوگا جان لو کہ حلال دنیا میں حساب اور حرام دنیا میں عذاب ہے اور مرگب سیدئات دنیا ہونا موجب عقاب ہے۔ پس دنیا کو اپنے نزدیک بمنزلہ مردہ جانور کے سمجھو اور اس کی دولت سے اپنی ضرورت کے مطابق لو۔ اگر ذریعہ حلال سے لو گے اُس میں زہر ہوگا اور اگر حرام سے لو گے گناہ ہوگا۔ دنیا میں ایسا کام نہ کرو کہ گویا ہمیشہ رہنے والے ہو۔ آخرت کے لیے جو کچھ کرنا ہو وہ ایسا اور اتنا جلد کر ڈالو جیسے تم کل مر جاؤ گے۔ اس کے بعد اور بھی موعظت کے

کلام فرمانے گئے یہاں تک کہ آپ کے تنفس کا انتظام بگڑ گیا اور صدائے مبارک منقطع ہو گئی اور چہرہ کا رنگ بھی متغیر ہو گیا۔ یہ حالت مشاہدہ فرما کر جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے بھائی کے سر مبارک کو اپنی آنکھوں میں لے لیا اور اپنے برادر بزرگوار کی آنکھوں کے درمیان اپنی محبت و الفت کے غیر متحمل تقاضے سے رومہ دیا۔ جناب امامؑ نے اپنے بھائی کو ایسے جوش محبت میں پا کر آنکھیں کھول دیں اور وہ تمام راز امامت جو من جانب اللہ آپ کی ذات باصفیات کے ساتھ مخصوص اور ودیعت ہوئے تھے جناب امام حسینؑ کے سپرد فرمائے۔ اسی طرح جناب رسول خدا صلعم نے بھی اپنی رحلت کے وقت جناب علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کو اپنی خاص چادر میں لیکر امامت کے تمام راز سپرد فرمائے تھے۔ ابوالاسود کا بیان ہے کہ ان راز امامت کی تعلیم کے بعد ہی حضرت امامؑ کے بیہوش طہر سے آثار مرگ ظاہر ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد روح مفقود عالم قدس کی طرف انتقال فرمائی سبحان اللہ انبیاء و صلیا اور مردان حق یوں ہی مرتے ہیں۔ بیچارے معاویہ کی موت کیونکر ایسی ہو سکتی تھی۔ ان دشمن خاندان پمیر کے دماغ میں ایسے مضامین کہ سفر آخرت پر مہیا رہو اور توشہ سفر قبل اجل ہو پنچنے کے تحصیل کر لو اور یہ خوب جان لو کہ تم دنیا کو طلب کرتے ہو اور موت کو طلب کرتی ہے وغیرہ وغیرہ کب جاگزین ہو سکتے تھے جو مردان خدا کی موت انھیں نصیب ہوتی۔ بیچارے معاویہ تو نصرانی کی صلیب گلے میں لٹکائے ہوئے اس عالم فانی سے جس کو وہ عالم جاودانی سمجھے ہوئے تھے ملک بقاء کو روانہ ہو گئے (دیکھو کتاب محاضرات علامہ راعبہ صفحہ ۱۱) ملک کی طرف سدھار کے کمان تشریف رکھتے ہوں گے راقم کو نہیں معلوم۔ مگر شرح ابن الحدید صفحہ ۲۳۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسب بیان طبری یہ فرمودہ رسول خدا کا ہے کہ معاویہ کی موت شریعت محمدیؐ پر نہوگی اور یہ بھی آن حضرت نے فرمایا ہے کہ معاویہ تابوت آتشین میں کسی درجہ جہنم کے پکارتا رہیگا کہ اسے خدا جلے جلے۔ پس ملائکہ جواب دیں گے کہ تو نے نافرمانی کی اور تو مفسدین سے تھا۔ لہذا اسی سزا کے قابل تھا۔ اس بیان طبری کا معیار امام شافعی کا قول بھی نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بقیل حضرت رسولؐ اگر معاویہ آتشِ دونخ سے نجات پائے تو یہی اس کے لیے غنیمت ہے۔ اس کے حق میں فضیلت کیا ہوگی (تاریخ خلکان فی ترجمہ ابی عبد الرحمن الشافعی) پس ضرور ہے کہ عاشقان امیر معاویہ یعنی وہ حضرات جو تقاضائے مذہب سے امیر صاحب کو برحق تعظیفہ بنجھم مانتے ہیں۔ انسان مع من اجبہ کے مضمون پر ذرا غور کو راہ دین۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ایسے عقیدہ رکھنے والے دنیا میں کثیر الوجود ہیں خدا نے تعالیٰ انھیں حق و ناحق کی سمجھ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جب معاویہ کو امام حسنؑ کی وفات کا حال معلوم ہوا تو وہ سجدہ شکر میں گر پڑے اور عقد الفریہ میں ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ کی خبر وفات سن کر خدا کا سجدہ شکر ادا کیا اور

مروج الذهب مسعودی میں ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ کی خبر وفات سنکر محل خضر امین تکبیر کی توان کی آواز تکبیر سنکر اہل خضرانے تکبیر کی اور اہل خضران کی آواز سنکر اہل مسجد نے تکبیر کی۔ جب ان تکبیروں کی آواز فاختہ بنت قرطہ نے سنی تو انھوں نے اپنی کھڑکی سے نکل کر معاویہ سے پوچھا کہ اے امیر المؤمنین خدا تمکو مسرور رکھے کیا خوشخبری سنی گئی جس پر تم نے تکبیر کی۔ معاویہ نے کہا کہ حسنؑ بن علیؑ کی خبر موت سنکر میں نے تکبیر کی فاختہ نے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر رو کر کہنے لگی کہ آہ سید المسلمین اور ابن بنت خاتم المرسلینؑ نے رحلت فرمائی جب یہ خبر عبداللہ ابن عباس کو پہونچی تو وہ معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے اُن سے کہا کہ اے ابن عباس حسنؑ نے وفات پائی۔ عبداللہ ابن عباس نے پوچھا کہ کیا تم نے یہی خبر سنکر تکبیر کی ہے۔ معاویہ بولے کہ ہاں عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ واللہ نہ اُن کی موت تمھاری موت کو روک دیگی نہ انکی قبر تمھاری قبر کو۔

یہی مضمون تاریخ خمیس و حیوۃ المیوان میں بھی درج دیکھا جاتا ہے۔ راقم کتا ہے کہ کسی کی موت پر اظہار مسرت کرنا بلاشبہ سنگدلی ہے۔ حد درجہ کے ذلیل نفس پر و حریص اور ناخدا ترس کے سوا ایسا فعل کسی سے ظہور میں نہیں آسکتا ہے۔ فرزند رسولؐ کی موت پر تکبیروں کی بوجھار کچھ عجیب مضمون ہے۔ ایسا فعل کسی سے سرزد ہو سکتا ہے جو حد درجہ کا شقی ازلی ہے۔ امیر معاویہ صاحب کے فعل بالا سے کچھ دور نہیں ہے کہ آپ حب فرمودہ حضرتؑ و آلؑ و براتشتین میں پڑے ہوئے بکا رہتے ہوں گے کہ جملے جملے۔ واقعی حضرات اہل سنت کے خلیفہ پنجم صاحب کچھ عجیب بزرگ نظر آتے ہیں۔ جس مذہب میں حضرت معاویہ ایک مذہبی منبری سردار مانے جاتے ہیں اس مذہب کا کیا کہنا ہے۔ معاذا اللہ اُمتیان محمدیؑ اعجب العجائب کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حدیث ثقلین کے ستم دین ہرگز اُمتیان محمدیؑ سے نہ تھے۔ نام کے مسلمان تھے۔ دنیا کے لیے مسلمان ہوئے تھے نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ۔

صاحب روضۃ الاحباب حضرت امام کی شہادت کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب قضیہ صلیح کو ایک مدت گزر گئی تو معاویہ کو اس بات کا خیال ہوا کہ یزید کو اپنا ولیعہد قرار دین اور مشاہیر زمانہ سے اس کے لیے بیعت لین مگر چونکہ وہ یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ امام حسنؑ کی موجودگی میں یہ معاملہ خاطر خواہ طے نہ ہوگا لہذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح امام حسنؑ کے وجود ذی جود سے میدان مقصود خالی ہو جائے۔ پس حسب تحریر مروج الذهب مسعودی آپ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے حضرت امام کو نہ ہر دلوا یا۔ یہی مضمون استیعاب ابن عبد البرؒ میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ راقم کتا ہے کہ یوں تو امیر معاویہ اہل بیت بنوئی کے حضرات خلفائے ثلاثہ کی طرح ایک سخت دشمن تھے مگر امام حسن کو بطریق بالانشیدہ کر ڈالنے کی وجہ خاص کر یہی ہوئی کہ حضرت امام کے وجود با جود کو معاویہ صاحب یزیدی ولیعہدی میں

پورے طور سدا رہے تھے۔ پس مروان کے ذریعہ سے جعدہ کو ہاتھ میں لاکر عابری کی صورت نکال ہی لی خیر
حضرت امام تو زندہ نہیں رہے۔ مگر آپ کے ستانے والے مستحق لعن ابدی ہو گئے۔ ۷
نماز ستمکار بدروزگار ہاندر ولعنت پاندار

راقم اب ان مظالم کا ذکر کرتا ہے جو حضرت امام کی رحلت کے بعد آپ کے جنازے کے ساتھ ثنّان
خانہ ان پیسیر کے ہاتھ سے ظور میں آئے۔ علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب امام حسین
کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ سے فرمایا کہ اے بھائی مجھ کو تین بار زہر
دیالیا۔ لیکن اب کی بار ایسا زہر دیا گیا ہے۔ جس نے میرے جگر تک اثر کیا ہے۔ امام حسینؑ نے
عرض کیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تم کیوں پوچھتے ہو۔ کیا تمہارا ارادہ اُن سے لڑنے کا ہے
میں اُن کو سپرد بخدا کرتا ہوں۔ جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ کے پاس پیغام
بھیجا کہ تم مجھے روضہ رسول اللہ میں دفن ہونے کی اجازت دو۔ حضرت عائشہ نے اس کو منظور کر لیا۔ امام حسینؑ
اپنے بھائی امام حسینؑ سے کہنے لگے جب ہمارا انتقال ہو جائے تو تم حضرت عائشہ سے روضہ رسول اللہ
دفن کی اجازت طلب کرنا۔ اگر وہ اجازت دین تو مجھ کو میرے جد بزرگوار جناب رسول خدا کے پاس دفن کرنا
لیکن میرا خیال ہے کہ بنی امیہ کی قوم میرے وہاں دفن ہونے سے مانع ہوگی۔ تم اُن سے لڑائی نہ کرنا اور
مجھے بقیع ارفد میں لیجا کر دفن کرنا۔ مگر جب امام حسینؑ حسب الوصیت اپنے مسموم اور مظلوم بھائی کے
جنازہ کو اٹھا کر آنحضرت صلعم کے روضہ منورہ کی طرف لے چلے تو حضرت عائشہ خجہ پر سوار ہو کر ہمراہ بنی امیہ
کے دفن سے مانع آئیں۔ اس مانعت کے ظاہر ہوتے ہی ہمراہیان جنازہ میں ایک فودی جوش پیدا ہو گیا۔
بنی ہاشم دست بقبضہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ بڑی خوزیری واقع ہو۔ اسی اثنا میں محمد ابن حنفیہ اور عبد اللہ
ابن عباس سے اور حضرت عائشہ سے نزاع لفظی ہو گئی اور عبد اللہ ابن عباس نے حضرت عائشہ
کے حسب حال شعر ذیل منظوم کیا۔

تجلت تبغلت ولوعشت تفیلت لك الثمن من التسع وبالکل تصرفت
سنی بالا۔ آپ اونٹ پر سوار ہو چکین جنگ جل میں اور خچر میں بھی سوار ہوئیں واقعہ حاضرہ میں اگر
زندہ رہ گئیں تو اب کی بار ہاتھی پر سوار ہو جیے گا۔ نو حصوں میں آپ کا صرف آٹھواں حصہ ہوتا ہے
مگر آپ نے کل پر تصرف فرمایا ہے۔

خیر جانین سے بہت بات بڑھ گئی۔ حضرت عائشہ کے ہمراہیوں کی طرف سے تیروانی
بھی شروع ہو گئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ امام مسموم کے جنازے میں ساٹھ تیر سے زیادہ بیوست ہو گئے

واضح ہو کہ حضرت ام المومنین کا بنی ہاشم پر یہ دوسرا حملہ تھا اگر پہلے سے اتنا فرق تھا کہ اول حملہ زندون کے مقابلہ میں تھا اور یہ امام سموم و مرحوم کے ساتھ۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بہر حال امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادر بزرگوار کی وصیت کے مطابق اور نیز لاش مطہر کی حرمت کے لحاظ سے بنی ہاشم کے بڑھتے ہوئے عیظ و غضب کو تھام لیا اور اپنے قبیلہ و محترمہ کو اپنے سموم اور مرحوم بھائی کی وصیتوں کو یاد دلانے کی نوبت کے ارادوں سے باز رکھا۔ حضرت ام المومنین کی مانعت کے بعد حضرت امام حسین بھائی کے جنازے کو جنت البقیع لیگئے اور وہاں کے گور غریبان میں اپنی مادر گرامی کے پہلو میں دفن فرمایا۔ واضح ہو کہ دستارِ آل محمدؐ نے اس فساد کے دن کا نام یوم البغل رکھا اس لیے کہ حضرت ام المومنین خچر پر سوار ہو کر مانعت دفن کے لیے تشریف لائی تھیں جیسا کہ آپ نے حضرت علی سے لڑنے کے لیے قبل میں ساندٹی پر سوار ہو کر یہ ہمارے ہی طلحہ میدان جنگ میں صفت آرائی فرمائی تھی اور اس لیے اس روز جنگ کو یوم الجمل کہتے ہیں مرقومہ بالا مصائب بنی ہاشم و بے حرستی لاش امام حسن علیہ السلام کی تصدیق میں ذیل کی عبارتیں نذر حضرات ناظرین ہوتی ہیں۔ شعیب ابن جری نے اپنی کتاب خواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے واقعی سے روایت کی ہے کہ جب حالت احتضار امام حسن علیہ السلام پر طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے باپ یعنی جناب رسول خدا صلعم کے پاس مدفون کرنا۔ لیکن بنی امیہ سے مروان بن حکم اور سعید ابن عاص جو اس وقت معاویہ کی طرف سے مدینہ کا والی تھا مانعت پر کمر بستہ ہوئے اور جنگ و مقابلہ پر آمادہ۔ یہ عالم دیکھ کر ابوہریرہؓ نے کہا کہ کیا موسیٰ کا بیٹا مرنے کو اپنے باپ کے پاس نہ دفن کیا جاتا ابن سعد کہتے ہیں کہ انھیں لوگوں کے ساتھ عائشہ بھی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ رسول کے ساتھ کوئی دفن نہ ہو۔ مگر راقم کتاب ہے کہ حضرت ابو بکر ہون اور ان کے بعد حضرت عمر۔ تقویر تو اسے چرخ گردان تقویر۔ اے دشمنان عقل و دین کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت امام پہلوئے جد میں دفن نہ کیے جانے سے کسی طرح گھائے میں رہے۔ حضرت امام کو حضرت رسول سے جدا کر دینے والی کوئی شے نہ دنیا میں ہے اھ نہ آخرت میں بنام تو حضرت امام کا لاشہ مطہر حضرت عائشہ اور ملا عین بنی امیہ کے جو ر و ظلم سے گورستان بقیع میں رکھ دیا گیا مگر مخالفین و معاندین کی ایسی بھونڈی کارروائیوں سے حضرت امامؑ حضرت رسولؐ سے جدا کیونکر کیے جاسکے۔ جب تک حضرت رسولؐ اس عالم حیات میں تھے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو گلے لگائے رہتے تھے حتیٰ کہ وقت رحلت تک آن صلعم حنین علیہما السلام کو سینہ مبارک سے لگائے رہے۔ آن صلعم کی رحلت کے بعد بھی حضرت امام حضرت رسولؐ سے جدا نہیں کیے جاسکے۔ اس پر درودِ تاج کے الفاظ جلتا محضیٰ لمحییٰ شاہدین آیت تطہیر آیت مباہلہ بنی آپ کی شرکت پختہ ہو

میں آپ داخل ہیں۔ چارہ مصوم میں آپ شامل ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس وقت جہاں رسول اللہ ہیں وہاں روح پاک حضرت امام کی بھی ہے۔ راقم کے خیال میں حضرت عائشہ اور بنی امیہ کی ممانعت دفن سے حضرت امام کا کچھ نہیں بگاڑا اگر تو اٹھا بگاڑا جو اس تفرقہ ظاہری کے باعث ہوئے۔ یا وہ جو اس تفرقہ اندازی کو مخالفت اہل بیت نبوی کی وجہ سے ایک کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ معاذین خاندان نبوت کا عجب مذہب ہے اور عجب عالم ہے جو بات ہے وہ ایسی ہی ہے کہ اونٹ رہے اونٹ تیری کون سی کل سیدی۔ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو میرے نانا رسول خدا صلیم کے پاس مدفون کرنا۔ جب آپ نے وفات پائی تو بنی ہاشم نے روضہ رسول اللہ میں آپ کے دفن کا ارادہ کیا۔ قریب تھا کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں فتنہ پیدا ہو جائے۔ پس عائشہ نے کہا کہ مکان میرا ہے اور میں اذن مدون گی کہ وہ دفن کیے جائیں پس وہ بقیع میں دفن کیے گئے۔ راقم کہتا ہے کہ ایسے معاذانہ قول سے حضرت امام کا کیا بگاڑا۔ البتہ ایسے قول بدذیب سے آپ کی طبیعت کے جوہر کھل گئے۔

طبری کی تحریر یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی قبر پہلوئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھدی اور آپ کے لوگ آپ کی لاش کو جنازہ میں رکھ کر روضہ رسول صلیم میں مدفون کرنے کی عرض سے بے چلے کہ عائشہ کو اس کی خبر لگی وہ ایک خچر پر سوار ہو کر آئین اور کسی طرح لاش کو وہاں مدفون ہونے نہ دیا۔ مردمان مدینہ میں عام ناراضی پھیل گئی اور سب ملکر کہتے گئے کہ ایک روز اونٹ پر سوار ہو کر رٹنے کے لیے نکلتی ہو اور دوسرے روز خچر پر چڑھ کر جنازہ روکتی ہو اور نہیں چاہتی ہو کہ نہ اسے رسول صلیم مدفون کیا جاوے۔ آدمیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ جو لوگ ہمراہ عائشہ تھے وہ جنازہ امام حسن علیہ السلام پر تیر چلانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کا جنازہ تیرون سے پڑ ہو گیا۔ پس امام حسنؑ کو بقیع عرفین دفن کیا۔ امام حسنؑ کے ہمراہ بیان اس روز کو یوم البغل کہنے لگے جیسے حرب بصرہ کو یوم الحبل روضۃ الصفائین عبارت ذیل پائی جاتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین حسن علیہ السلام کی قبر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے نزدیک کھودی گئی اور جنازہ امام قبر پر لا کر رکھا گیا۔ حضرت عائشہ کو اس واقعہ سے پہلے اطلاع مل چکی تھی۔ ایک خچر پر سوار ہو کر موقع پر پہنچیں اور امتناع دفن میں مشغول ہوئیں۔ شعیبان علی علیہ السلام نے شور و غل مچایا اور کہا کہ اسے عائشہ ایک روز اونٹ پر سوار ہو کر جنگ کرتی ہو۔ ایک روز خچر پر سوار ہو کر نواسہ رسول صلیم کے دفن میں مزارعت کرتی ہو۔ اور نہیں چاہتی ہو کہ اُسے دفن کریں۔ اُن لوگوں نے ہر چند کوشش کی مگر کچھ مفید نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ تیر بارانی شروع ہوئی چند تیر جنازہ پر بھی لگے (اللہ اللہ معاذین اہل بیت نبوی کی شقاوت اور سنگدلی

کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے) اس وقت جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادر بزرگوار کی وصیت کے مطابق جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے جنازہ اٹھایا اور بقیع میں لے گئے۔ راقم کہتا ہے کہ اگر تھوڑے دن حضرت رسول اور بھی زندہ رہ جاتے تو اپنے دنیا طلب میتوں کے ہاتھ سے آن صلعم کو اپنی زندگی ہی میں طرح طرح کی بے حرمتیوں کا۔ سامنا کرنا پڑتا اور بعد رحلت نبی کوئی تعجب نہیں کہ بھرتی کے واقعات اسی طرح پیش آتے جیسے امام حسن علیہ السلام کو پیش آئے۔ سامان بے حرمتیوں کا حیات آن صلعم میں بندھ چکا تھا۔

راہ عقبہ پر حملہ آوری لشکرِ سامہ سے تحلف وقت آخر میں قصہ قرطاس یہ سب ایسے معاملے ہیں کہ جو امتیان کی بغاوت کے آثار سے واضح طور پر خبر دیتے ہیں۔ بلاشبہ دو تین سال کے اندر آنحضرتؐ سے امتیان دنیا طلب کھلے طور پر بغاوت کر کے اسی طرح بلاد اسلام پر قابض ہو جاتے جس طرح آنحضرتؐ کے بعد ہو گئے اور ہوتے رہے۔

راقم کی دانست میں حضرت ام المومنین کے معاملات ہمیشہ سے حسرت انگیز نظر آتے ہیں۔ آپ حضرت رسول خدا کو خوش نہیں رکھ سکی تھیں۔ اگر خوش رکھے ہوئے ہوتیں تو آنحضرتؐ کو خیال آپ کے طلاق دینے کا نہ آیا ہوتا۔ حضرت ام المومنین حفصہ کو آنحضرتؐ خلاق رحیمی دے چکے تھے اور آپ کو خلاق دینے کے ارادے سے آنحضرتؐ خالی نہ تھے۔ قرآن پاک میں بھی ایسے مضامین دیکھے جاتے ہیں جسے آپ اور حضرت حفصہ کی طرف سے خدا و رسول دونوں کی نارضا مندی ظاہر ہوئی ہے۔ افسوس ہزاروں کہ آپ نے ایسا ناہموار مزاج پایا تھا کہ اہل سنت کے سوا دنیا میں کوئی نبی آدم ثبات ہوش و حواس کے ساتھ آپ کو عظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ یوں ام المومنین ہونا اور بات ہے۔ حضرت اہل بیت آپ کے گرویدہ صرف اس وجہ سے دکھائی دیتے ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی ہیں۔ بہر حال مسلمانوں کو آپ کی تعظیم و تکریم سے چارہ نہیں ہے۔ آپ ام المومنین ہیں۔ کاش آپ میں وہ صفات حمیدہ بھی موجود رہیں جو ام المومنین کے لیے درکار تھیں۔ حضرت رسالتؐ کی وفات کے بعد آپ سے ایسے امور ظہور میں آئے کہ ہرگز سراپنے کے قابل دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ آپ کو حسب فرمودہ حضرت رسولؐ خانہ نشین ہو جانا تھا۔ مگر آپ کو مطلق فرمودہ جناب رسالتؐ کا خیال نہ رہا۔ بلا ضرورت طلحہ و زبیر کے ساتھ ہو کر خلیفہ وقت سے جنگ آزمائی کی نظر سے سفر بصرہ اختیار کیا اور میدان جنگ میں اونٹ پر سوار ہو کر شریک جنگ ہوئیں اور شکست کھا کر بعد جنگ بھی اپنی غلط خیالی کی پابند رہیں۔ اگر علی مرتضیٰ نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰ کو ایک پیام دیکر آپ کے پاس نہ بھیجا ہوتا تو مدینہ کو واپس جانا پسند فرماتیں۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ حضرت حسن نے جا کر آپؐ کو کہا کہ امیر المومنین

تھیں یہ پیام دیا ہے کہ اگر تم اسی وقت مدینہ کی جانب روانہ نہ ہو گی تو میں تم کو ایک ایسے امر پر متنبہ کروں گا جس کو تم خوب جانتی ہو۔ پیام پاتے ہی آپ بہت مضطرب ہوئیں اور حکم دیا کہ ابھی میرا اسباب راحلے پر بار کر کے سفر مدینہ کا سامان کرو۔ نہایت جاے حیرت ہے کہ رسول اللہ کی بی بی اور رسول اللہ کے حکم سے سرتابی جائز رکھیں۔ عقدا الفریدین ہے کہ جب حضرت عائشہ نے زید بن سو جان کو اس مضمون کا خط لکھا کہ ہم تمھاری طرف آرہے ہیں۔ جب میرا یہ خط تمھارے پاس پہنچے تو لوگوں کو علی بن ابیطالب کے ساتھ شریک ہونے سے روکو اور تا حکم ثانی اپنی جگہ پر موجود رہو۔

اس کے جواب میں زید بن سو جان نے یہ لکھا کہ ایک امر کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور ایک امر کا ہم کو تم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھی رہو اور تم کو یہ حکم دیا ہے کہ مخالفین سے اُس وقت تک قتال کرو کہ فتنہ فرو ہو جائے۔ پس تعجب ہے کہ جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اُسے بھی تم نے ترک کیا۔ اور جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اُس سے بھی مانع ہوتی ہو۔ اسی حکم خدا کی نسبت حضرت علی بھی فرماتے ہیں جیسا کہ ابن عبد البر کی کتاب استیعاب میں دیکھا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ اپنے گھر میں رہیں باہر نہ نکلیں لوگوں میں ظاہر نہ ہوں مگر انھوں نے حکم خدا اور رسول کے خلاف باہر نکل کر جماعت اہل شقاق کا ساتھ دیا اور میرے مقابلہ میں اُن مخالفین سے متفق ہو کر خون عثمان کے عوض لینے کے لیے مجھ پر لشکر کشی کی اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کی لشکر کشی کے قصد کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی فہم نہیں جانتی تھیں۔ یہ ایک بی بی نہایت خدا ترس حق گو اور متین تھیں۔ حضرت عائشہ کی فساد انگیزی کو ہرگز پسند نہیں کر سکتی تھیں۔ چنانچہ محدث جمال الدین کتتاب روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ بحالت قیام کہ ایک دن حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ سے ملنے کو گئیں جو حج کے لیے مکے آئی تھیں اور بعد رسم سلام حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا کہ اے بنت ابی اسیمہ تم اول بی بی ہو جنھوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور بواسطہ شرف زوجیت تمھاری شان متزلزل عظیم ہے اور تم امہات المؤمنین میں خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہو (راقم کہتا ہے کہ واقعی اپنی راست روی اور حق پسندی کی وجہ سے حضرت ام سلمہ ایسی ہی بی تھیں) غالباً تم پر پوشیدہ نہ ہو گا کہ بلوایوں کی ایک جماعت نے امیر المؤمنین عثمان کو اُن کے گھر میں گھس کر قتل کیا۔ اب اُس خلیفہ مقتول کے ہواداروں نے ارادہ کیا ہے کہ قاتلوں سے انتقام لیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے بصرہ میں ایک لاکھ فوج مسلح فراہم کی ہے اور وہ سب حضرت عثمان کے واقعہ پر غضبناک اور طالب قصاص ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ اس قصہ کی وجہ سے مسلمانوں میں

محاربہ اور مقاتلہ واقع ہوگا کیا اچھا ہو اگر سفر بصرہ میں تم بھی میرے ساتھ موافقت کرو۔ شاید خدا ہم کوگون کے سبب سے اس امر کی اصلاح کر دے اور خون عثمان کے قصاص کا عقدہ تعویق کھول دے (راقم کہتا ہے کہ ام سلمہ پرازمتانت اور خوش راے تھیں اور بھی حضرت علیؑ سے کسی قسم کی عداوت نہیں رکھتی تھیں ایسی نامعقول استدعا کی طرف کیا توجہ کرتیں) ام سلمہ نے کہا کہ اسے دختر ابو بکر تم خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہو حالانکہ قسم بخدا تم آپس سے زیادہ غضبناک تھیں اور ان کو قتل کے نام سے یاد کر کے کہا کرتی تھیں کہ خدا سنت کرے قتل کو اور قتل کرے قتل کو۔ یہ عجیب بات ہے کہ کل تو تم ان کو سب دشمن کے ساتھ یاد کر کے کفر سے منسوب کرتی تھیں اور آج ان کو امیر المؤمنین اور خلیفہ مقتول و مظلوم کہتی ہو اور ان کے معاملہ میں اہل تعزیت و مصیبت بن کر اس جماعت کا ساتھ دیتی ہو جس نے علی پر خروج کیا ہے (راقم کہتا ہے لاحول و لا قوۃ) سو طلب خون عثمان کے متعلق تھا خیال بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ بنی عبد مناف تھے اور تم بنی تیمم ہو۔ اسے عائشہ افسوس ہے کہ تم اس گروہ سے موافقت کرتی ہو جس نے علی بن ابیطالب پر لشکر کشی کی ہے (راقم کہتا ہے معاذ اللہ تم معاذ اللہ) حالانکہ علیؑ رسول مقبول کے بھائی اور داماد اور فاطمہؑ زہراؑ کے شوہر ہیں۔ اسے عائشہ علیؑ کا مرتبہ خلافت و ریاست و وراثت اہل روزگار کے نزدیک مسلم ہے اور اصحاب مہاجر و انصار نے ان کے مرتبہ خلافت کو قبول کر کے ان کی بیعت اختیار کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ نے حضرت علیؑ کے بعض خصائص پر فضائل کا ذکر کیا۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کی تقریر بالا حضرت عائشہ کے دل پر کیا اثر پیدا کر سکتی تھی۔ حضرت عائشہ کا دل تو عداوت حضرت علیؑ و جمیع اہلبیت نبویؐ سے پھرا ہوا تھا۔ حضرت عثمان کے خون کے قصاص کا تو صرف ایک بہانہ تھا۔ حضرت عائشہ کا تا مہر مر کو زخا طریہ تھا کہ طلب قصاص کے پرستے میں علی مرتضیٰ کو آسیب سخت پہنچاویں۔ یہ توقع صورت امکان رکھتی تھی کہ شاید مقابلہ اعدا میں آپ شہید ہو جاویں۔ واہ و کیا نیت بخیر تھی۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔

امور بالا سے حضرت عائشہ کی ایک ایسے شخص سے مخالفت ظاہر ہوتی ہے جو بقیہ حیات تھے یعنی علی مرتضیٰ ذیل میں ایسے امور جو القلم ہوتے ہیں جنکو تا مہر قتل ایک ذات مظلوم و مہر جوم سے ہے یعنی حسن مجتبیٰ۔ مرے ہوئے انسان کے ساتھ دشمنی کے سلسلہ کو زندہ رکھنا کس طرح کی شقاوت ہو سکتی ہے راقم کے خیال سے باہر ہے۔ وہ لیکن وہی شقاوت امام مظلوم و مسموم کے مقابلہ میں حضرت عائشہ سے ظہور میں آئی۔ آپ کا زور شور سے نزع و دفن شرکت بنی امیہ کے ساتھ ایک طرف مضمون ہے۔ کسی کے

جنازہ پر تیر بارانی ایک اقباح امر ہے چچائے کو واسطہ رسول خدا کے جنازہ پر ایسے فعل مذموم کا وقوع میں آنا اور وہ بھی آنحضرت کے امتیوں کے ہاتھ سے اعجب العجائب ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسے فعل قبیح کا مرتکب کسی قوم یا ملت کا آدمی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب زور و زور کے ساتھ نفی کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہر قوم اور ملت کے بنی آدم اپنے اپنے مردہ کے جنازے پر کم سے کم دس میں بھول چڑھا دیتے ہیں اور جو عزت متوفی کی احاطہ امکانی میں ہوتی ہے بجالاتے ہیں مگر حضرت عائشہؓ نے بہ مشارکت بنی امیہ ایسے کُل کھلائے کہ کتب تواریخ میں کسی قوم کے اس کی نظیر نہیں دیکھی جاتی ہے یہ ایک واقعہ ایسا ہے جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور بنی امیہ کے دل کس قدر شقاوت سے مملو تھے۔ بنی امیہ کو شجرہ ملعونہ جو خداے پاک نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے نہایت درست و بجا ہے۔ قول حق ناحق نہیں ہو سکتا۔ تماشا یہ ہے کہ آج تک بیشتر ایسے فخاص جو اپنے بنی امیہ ہونے پر ناز رکھتے ہیں شقاوت سے اُن کے دل خالی نہیں پائے جاتے۔ کمتر اُن سے ایسے افراد ہیں جو محبت اہل بیت سے بہرہ رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی خاندانی عداوت اہل بیت کے ساتھ بقاعدہ توریث اس وقت تک پشت بعد پشت چلی آئی ہے۔ خیر۔ تعجب ہے حضرت عائشہؓ سے کہ صحبت حضرت رسول سے آپ نے کوئی اثر نہیں لیا۔ آپ ام المومنین ہو کر نہایت حضرت رسول کے جنازہ پر تیر بارانی کا تماشا دیکھیں۔ کچھ عجب مضمون ہے۔ واہ سچ یہ ہے کہ فطرت انسان کی نہیں بدلتی۔ عمدہ صحبت سے انسان میں جلا پیدا ہو جاتی ہے مگر فطرت جیسی ہوتی ہے اپنے حال پر رہتی ہے۔ حضرت عائشہؓ ام المومنین ہو گئیں اور اس بزرگی کی وجہ سے جمیع مومنین کو آپ کے آگے سر جھکانا عقلاً ایک ضروری امر ہے۔ مگر دل آپ کو ام سلمہ کے برابر نہیں چاہ سکتا۔ آپ کا مرتبہ جو کچھ بلند ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ مگر آپ کا معاملہ مرے ہوئے امام حسن کے ساتھ ایسا مکروہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کے برابر آپ کو دل نہیں چاہ سکتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے مگر حضرات اہل سنت حضرت ابو بکر کی جہت سے حضرت عائشہؓ کو حسب تحریر پیران پیر سیدۃ نساء عالم ماننے ہیں۔ تعصب مذہبی اور بات ہے۔ اگر حضرت پیران پیر حق پرستی کی طرف کچھ بھی توجہ فرماتے تو عقل و انصاف کے رو سے حضرت عائشہؓ کے عوض حضرت خدیجہ کو لقب بالا سے یاد فرماتے۔ کوئی شک نہیں کہ ام المومنین ہونا ایک بڑی بات ہے مگر ضرور نہیں ہے کہ جو ام المومنین ہو وہ سیدۃ نساء عالم بھی ہو اگر ایسا ہی ہے تو اور ازواج مطہرات کو لقب بالا سے یاد کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کی تخصیص کیا ہے۔ حضرات اہل سنت حضرت عائشہؓ کو صدیقہ کے خطاب سے بھی یاد فرماتے ہیں

اگر زوجیت رسول اللہؐ کی بنا پر آپؐ تحت اس خطاب کی مانی جاتی ہیں تو تمام ازواج حضرت رسولؐ کو خطاب صدیقہ سے یاد کرنا چاہیئے۔ مگر اہل سنت زوجیت رسول اللہؐ کی بنا پر آپؐ کو صدیقہ نہیں مانتے تب دیکھنا چاہیے کہ یہ خطاب آپؐ کو کمان سے حاصل ہوا۔ حکم خدا و رسول سے تو یقیناً نہیں ہوا۔ البتہ بنت نبیؐ حضرت فاطمہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کو خطاب صدیقہ کا دربار مصطفوی سے حاصل ہوا تھا۔ حضرات اہل سنت نے اس خطاب کو بھی غصب کر کے حضرت عائشہ کے نام کے ساتھ لگا دیا ہے جیسا کہ ان حضرات نے خطابات صدیق و فاروق و سیف اللہ کو حضرت علی سے غصب کر کے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت خالد کے نام کے ساتھ اضافہ کر دیا ہے۔ ان خطابات کی پوری بحث راقم نے اپنی کتاب صباغ انظلم میں حوالہ انظلم کی ہے جن حضرات کو حقیقت حال کی دریافت منظور ہو۔ اس کتاب کو صفحہ ۵۴ سے صفحہ ۱۶۱ تک ملاحظہ فرمالیں۔ خطاب صدیقہ کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے صفحہ ۶۰ سے صفحہ ۱۶۱ تک ملاحظہ کی ضرورت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ خطاب صدیقہ ایک بہت بڑا دینی خطاب ہے۔ حضرت عائشہ کے معاملات زندگی پر نظر ڈالنے سے صاف عیان ہوتا ہے کہ آپؐ اس خطاب سے کبھی مشرف نہیں ہوئی ہونگی جب حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کو آپ کے طلاق دیدینے کا خیال تھا تو ہرگز اس کی توقع نہیں ہو سکتی ہے کہ آپؐ کو صدیقہ کا خطاب حضرت رسولؐ نے عطا فرمایا ہوگا۔ یہ خطاب بخشی تمام حضرات اہل سنت کی معلوم ہوتی ہے اور اس خطاب بخشی سے خدا و رسولؐ کو تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ صرف یہ ایک سلوک بجزائزہ امام حسنؑ کے ساتھ ایسا نظر آتا ہے کہ جس سے حضرت ام المومنین کا خطاب صدیقہ کے ساتھ مشرف ہونا تمام تر خلافت قیاس معلوم ہوتا ہے۔ آخر خدا و رسول حق و ناحق کے موازنہ کے بعد اہل حق کو مورد امتیاز فرمایا کرتے ہوں گے۔

واضح ہو کہ دنیا دار الکافات ہے۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ حضرت عائشہ نے جو امام حسن علیہ السلام کے لاشہ مطہرہ کو حضرت رسولؐ کے قرب میں دفن ہونے نہ دیا تو آپ کو بھی بعد رحلت یہ دولت نصیب نہ ہو سکی اس بات کو جسے اس کا معاملہ حضرت ام المومنین کا معاملہ نظر آتا ہے۔ معاویہ ابن قتیبہ نہیں ہے کہ شہد ہجری میں حضرت عائشہ کا انتقال ہوا اور جب وقت وفات لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ہم تم کو رسول اللہؐ کے پاس دفن کریں تو ام المومنین نے فرمایا کہ چونکہ رسول اللہؐ کے بعد مجھ سے ایسی باتیں حادث ہوتی ہیں جو مناسب نہ تھیں لہذا مجھے آنحضرت کے قریب دفن نہ کرنا بلکہ میری بہنوں کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔

عقد الفرید میں بھی یہی مضمون حوالہ قلم پلایا جاتا ہے

گندم از گندم برود جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

حق یہ ہے کہ ام المومنین کی غایت ستم پروری نے آپ کو حضرت رسولؐ کا قرب حاصل ہونے نہ دیا۔ خدا دانا مینا اور منتقم حقیقی ہے۔ خدا سے بچکر بندہ کمان جاسکتا ہے۔ خدایا متعصبین کی آنکھوں سے پردہ غفلت کو اٹھا لے اور انھیں حق بنی کی توفیق مرحمت فرما۔ تو بہترین ہادی و رہنما ہے۔ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

مصائب امام حسین علیہ السلام

حضرت شہید کربلا علیہ الصلوٰۃ والسلام خامس آل عبا اور اپنے برادر بزرگوار امام علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح داخل نجتن و چہار وہ مصوم ہیں اور خاندان پیمبر صلوٰۃ اللہ علیہ کے ائمہ اثنا عشر سے آپ تیسرے امام ہیں۔ مجھے افراط غم سے تاب نہیں ہے کہ آپ کے مصائب پر عجائب کی تفصیل اس جگہ حوالہ قلم کر سکوں۔ آپ کے مصائب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے عہد کے پہلے نہ انبیاء پر ایسے مصائب گزرے تھے اور نہ آئندہ کسی برگزیدہ بنی آدم پر گزریں گے۔ آپ کے مصائب کے حالات مختلف کتب تاریخ و سیرت میں تحریر ہو چکے ہیں جن حضرات کو تفصیلی حالات دریافت کرنا ہوا بوجہ محنت کی تصنیف منظر مقل امام ابوسعحاق سفرائی کی کتاب مقتل محدث شیرازی حافظ جمال الدین کی تاریخ روضۃ الاحباب اور تاریخ حبیب السیر و تاریخ روضۃ الشہداء اور تاریخ کامل و سر الشہادۃ میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی و تاریخ ابن جریر طبری و تاریخ خمیس و کتاب اسد الغابہ و تاریخ ابوالفداء و تاریخ ابن واضح وغیرہ ملاحظہ فرمائیں میں بیان صرف اسی قدر دکھلانا چاہتا ہوں کہ واقعہ کربلا ایک سیدھا نتیجہ حضرت رسولؐ کی حدیث ثقلین سے انحراف کا ہے جس کے مرتکب زور و ن کے ساتھ امتیان محمدی ہوئے۔ اس واقعہ کے آثار و عہد حضرت رسولؐ میں نمایاں تھے۔ امتیوں کی براہ عقبہ حضرت رسولؐ پر حملہ آوری کی جرأت جیسا کہ اسامہ سے تحلف قریب رحلت آنحضرت رسولؐ کا منع کتابت وصیت جس کا دوسرا نام قصہ قرطاس ہے۔ یہ ایسے معاملات ہیں جو آئندہ کے مصائب خاندان پیمبر کے پیش خیمے نظر آتے ہیں۔ حضرت رسولؐ کے آنکھ بند کرتے ہی امتیوں نے ثقیفہ کا فتنہ پیدا کر دیا۔ اور اسی وقت سے اہل بیت نبویؑ پر ایسے مصائب نازل کیے جانے لگے جو رفتہ رفتہ واقعہ کربلا کی شکل پیدا کر سکے۔

ہم خوش فرمود شخصے این لطیفہ کہ کشتہ شد حسینؑ اندر ثقیفہ

حضرات ناظرین اس کو ایک شاعرانہ قول تصور فرمائیں۔ یہ شعر واقعی مضمون کی پوری حیثیت رکھتا ہے۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جب خلافت حضرت ابو بکرؓ پر حضرت عمرؓ کی اعانت سے قرار

پاگئی تو ابوسفیان کو یہ خلافت زہار پسند نہ آئی۔ کوئی مذہبی خیال سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اس قرار یافتہ خلافت سے کوئی حصہ متع کا ابوسفیان صاحب کے لیے ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ ابوسفیان صاحب اپنے قبیلہ کے ایک پورے نمونہ تھے۔ آپ نے بظلمت علی مرتضیٰ کے پاس آکر یہ کہا کہ آپ اپنا ہاتھ نکالیے میں ابھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور شیخین کی قائم کردہ خلافت کو دم بھر میں تہ و بالا کر ڈالتا ہوں ابھی صحراے مدینہ کو سواران مکہ سے پر کر کے اس خلافت کو عنت رپود کیے دیتا ہوں۔ علی مرتضیٰ اگر طباطب خلافت متع دنیاوی کی بنا پر ہوئے ہوتے تو ابوسفیان صاحب کے ذریعہ سے خلافت شیخین کو دم کے دم میں غائب کر دینا آپ کے لیے کوئی دشوار امر نہ ہوتا۔ اس لیے کہ ابوسفیان صاحب قبیلہ بنی امیہ کے سردار وقت ہونے کے بعد باعث حضرت شیخین کی خلافت کی خبر لینے کے لیے کافی تھے۔ مگر علی مرتضیٰ نے آپ کے ذریعہ سے خلافت کے حاصل کرنے کو ایک نہایت مقدم امر سمجھا۔ یہ اس لیے کہ جناب ولایت مآب پر روشن تھا کہ حضرت رسول صلعم قبیلہ بنی امیہ سے نفرت کُلی رکھتے تھے اور خدا سے پاک یہ قبیلہ شجرہ ملعونہ کا حکم رکھتا تھا۔ ایسے قبیلہ ملعونہ سے کسی قسم کی اعانت آن جناب گوارا نہیں فرما سکتے تھے۔ اگر علی مرتضیٰ ابوسفیان صاحب کی التجا کی طرف توجہ فرما جاتے تو آپ کا یہ کام حضرت رسالت مآب کی مرضی کے خلاف پڑتا۔ جناب ولایت مآب قدم بقدم حضرت رسول کی پیروی کرنے والے تھے حصول خلافت کے لیے ابوسفیان صاحب کے شریک حال اپنے کو نہیں بنا سکتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت علیؑ ایسی راہ اختیار کر لیتے تو بلاشبہ آپ صریحاً حضرت رسولؐ کے مخالفین سے ہو جاتے۔ ایسا فعل قبیح آپ سے وقوع میں نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے آپ نے ابوسفیان صاحب سے صاف صاف جواب میں یہ فرمایا کہ اے ابوسفیان تم ایام جاہلیت میں فسادات کے مرتکب ہوا کرتے تھے اب تم مشرف بہ اسلام ہوئے ہو تو وہی فسادات کے افعال کیا چاہتے ہو۔ بہر حال جب ابوسفیان صاحب نے دیکھا کہ علی مرتضیٰ آپ کے دام فریب میں نہ آسکے تو حضرت علیؑ کو چھوڑ کر آپ حضرت شیخین کی خدمت میں جا کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم لوگوں نے اپنی عمارت کا سامان کر لیا اور اُس میں میرے کچھ خیال نہیں کیا۔ میں تمہاری خلافت کی ابھی خبر لیتا ہوں۔ حضرت شیخین نے ابوسفیان کی بلا کو ٹالنے کی غرض سے یہ کہا کہ تم اپنا حصہ خلافت میں اس طرح لو کہ ہم تمہیں شام کا ملک سپرد کیے دیتے ہیں۔ ابوسفیان صاحب حضرت شیخین کی اس فیاضی سے تا مگر رضامند ہو گئے۔ آپ کو کوئی مذہبی امر تو مگر خاطر نہ تھا۔ جس چیز کو وہ حضرت علیؑ کے ذریعہ سے نہ پاسکے وہ چیز انھیں حضرت شیخین کے ذریعہ سے حاصل ہو گئی۔ ابوسفیان صاحب کو اپنے حلوے ماندے سے کام تھا حضرت علیؑ کی تخصیص کی کیا

حاجت تھی۔ حضرت شیخین سے ملک شام حاصل ہو گیا تو پھر حضرت شیخین کی خلافت درہم و برہم کر دینے کی ضرورت ہی کیا باقی رہی۔ بہر حال جب وقت آپ کے شام کے روانہ کیے جانے کا آیا تو ابوسفیان صاحب نے یہ عذر پیش کیا کہ میں بہ نفس نفیس پیرانہ سالی کی وجہ سے مکہ کو چھوڑ کر شام نہیں جاسکتا ہوں مناسب ہوگا کہ میرا پسر اکبر یزید ابن سفیان میری جگہ حاکم شام بنا کر روانہ کیا جائے اور اسکی تائید میں میرا چھوٹا بیٹا معاویہ بن ابی سفیان خدمت گزار برادر اکبر رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یزید بن ابی سفیان حکومت شام پر بٹھلائے گئے اور معاویہ ابن ابی سفیان اپنے برادر اکبر کی ماتحتی میں کام کرنے لگے۔ یزید بن ابی سفیان اس تقرری کے بعد دو برس عہد خلافت حضرت ابو بکر اور دو برس عہد خلافت حضرت عمر بن زندہ رہ کر اسی ملک بقاء ہو گئے۔ یہ صاحب ضعیف الخلق ہونے کی وجہ سے حکومت کی پوری صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے شام کی حکومت کے تمام کام ان کے برادر اصغر معاویہ ابن ابی سفیان انجام دیا کرتے تھے۔ جب یزید ابن ابی سفیان مر گئے تو حضرت عمر نے ان کے برادر اصغر معاویہ ابن ابی سفیان کو حاکم شام مقرر کر دیا معاویہ صاحب پُر تدبیر اور پُر تزویر آدمی تھے آپ حکومت شام پر تادم حضرت عثمان قائم رہے اور جب زمانہ حضرت علی کی خلافت کا آیا تب آپ نے خلیفہ وقت سے بغاوت کیے پوری خلافت حاصل کر لی۔ پھر حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ کو مجبور کر کے مصالحہ کے ذریعہ سے خلیفہ کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ اس وقت آپ کو اہل سنت خلیفہ پنجم مانتے ہیں اور ہر فرقہ اہل سنت کا آپ کو اتفاقاً مذاہب سے خلیفہ برحق مانتا ہے۔ پورے خلیفہ ہو جانے پر آپ کو اپنے بیٹے یزید کو اپنا خلیفہ قائم کرنے کا ارادہ ہوا۔ اس ارادہ کے پورے ہونے کے لیے آپ کو حضرت امام حسنؑ کے قتل کی حاجت پڑی آپ سمجھے کہ جب تک امام حسنؑ زندہ رہیں گے یزید کی ولیعہدی ظہور میں نہ آسکے گی۔ اس لیے آپ نے امام حسنؑ کو مسموم کر کے امام حسنؑ کی طرف کے خدشہ کو دور کر ڈالا۔ امام حسنؑ کے بعد بھی آپ اپنے بیٹے کی خلافت کو قابل اطمینان نہیں سمجھتے تھے۔ اب آپ اپنے فرزند یزید کو فرمایا کرتے تھے کہ ابھی امام حسینؑ زندہ ہیں تو اپنی خلافت کو مامون نہ سمجھو۔ امام حسینؑ کو اپنے باپ علیؑ کی شجاعت مودعہ ہوئی ہے۔ امام حسینؑ کی طرف سے مطمئن نہیں رہنا چاہیے۔ واضح ہو کہ خامس آل عبا کے قتل کا بھی ارادہ آپ کے دل میں مرکوز تھا جیسا کہ حسب تاریخ کامل جب شہادت امام حسنؑ کے بعد آپ حجاز کی طرف روانہ ہو کر مدینہ قریب پہنچے تو اتفاقاً آپ امام حسینؑ سے ملائی ہوئے۔ حضرت امام کو دیکھ کر معاویہ صاحب فرمانے لگے کہ خوشی اور بہتری نہ ہو اس شتر قریانی کو جس کا خون پھر تک رہا ہے اور اللہ اس کا خون گرنے والا ہے۔ مگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی سعادت یا شامت حضرت خلیفہ صاحب کے لیے نہیں مقدر ہے۔

ہوئی تھی۔ یہ سعادت یا شامت آپ کے فرزند یزید کے لیے اٹھا رکھی گئی تھی۔ بہر حال جب امیر معاویہ صاحب اپنے فرزند کی ولیمہ کی بندوبست کر چکے تب فرماں خدا آپ کو پہنچا اور آپ صلیب نصرانی گلے میں لٹکائے ہوئے اور امام حسنؑ اور بہت سے مسلمانوں کے خون کا بار اپنی گردن پر لیے ہوئے وہاں تشریف لے گئے جہاں حسبِ رمودہ حضرت رسولؐ آپ کو جانا تھا اور جہاں آپ کے پیروان جا چکے ہیں اور جا رہے ہیں اور تاقیامت جاتے رہیں گے۔ اس مختصر زندگی میں آپ نے اپنی دنیاوی بہبودی کا کیا کیا سامان نہیں کیا مگر آپ کی ساری حرص آپ کی موت کے ساتھ تمام ہو گئی۔ آپ نے اپنے فرزند یزید کے لیے کوئی دقیقہ اس کی بہبودی کا اٹھا نہیں رکھا مگر اس کی کوتاہی تقدیر نے اُسے چار برس بھی زندہ رہنے نہ دیا۔ یزید کو حصول خلافت کے بعد ہر طرح سے اطمینان کی صورت حاصل تھی مگر مزید اطمینان کی نظر سے آپ نے امام حسینؑ کی حصولِ بیعت کا قصہ پھیلا دیا۔ حضرت امام نے آپ کی بیعت سے انکار فرمایا جس کا نتیجہ واقعہ کر بلا طور میں آیا۔ یزید صاحب باپ کی ہی قابلیتِ سلطنت رانی کی کچھ نہیں رکھتے تھے۔ آپ سے محداتہ کترین بھی بہت سی سرزد ہوئی گئیں۔ آپ نے خانہ کعبہ میں گھوڑے باندھے۔ مدینہ میں قتل عام کرایا۔ حرم نبویؐ کی تین دن تک بھرتی کرائی۔ زنا کو سباح کر دیا۔ بھائی بن میں بیاہ کرائے۔ مردِ مدینہ بھل جا بڑ کر دیا۔ شب و روز شراب خواری میں بسر کرتے رہے۔ اور جو کچھ آلِ محمدؐ کے ساتھ بُرائی کر سکے کر گزرے۔ ان حرکات کے بعد بھی آپ اہل سنت کے ایک فرقہ کے خلیفہ برحق ہیں۔ تقاضائے تعلیم سے راقم بھی آپ کو ایک وقت خلیفہ برحق ماننا تھا۔ یہ سب اس بنیاد پر کہ مشروط خلافت حقہ کے مطابق آپ کی خلافت ظہور میں آئی تھی راقم کے اُستاد سید محمد گل صاحب جلال آبادی کا یہی مذہب تھا۔ مرحوم اپنے ملکی مذہب کے تقاضات امام حسین علیہ السلام کو باغی خلافت قرار دیتے تھے اور حضرت امام علیہ السلام کی شہادت سے اہمتر انکار رکھتے تھے۔ اس عقیدت کے علما راقم نے اپنے ملک میں نہیں دیکھے ہیں اور نہ سنے ہیں ظاہر ہے کہ یہ مذہب جمیع اہل سنت کا نہیں ہے۔ لیکن حضرت معاویہ کی خلافت کو خلافت حقہ ماننے سے کسی اہل سنت کو چارہ نہیں ہے۔ لیکن جس مذہب میں امیر معاویہ یا آپ کے صاحبزادے یزید سردارِ دین مانے جاتے ہیں اُس مذہب کو کوئی صاحب فہم و عقل کیونکر حق مان سکتا ہے۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حدِ اوت اہل بیت نبویؐ کے بغیر ایسا عقیدہ کسی کلمہ گو کے دل میں جگہ نہیں کر سکتا ہے۔ بہر حال یزید صفا تختِ نشینی کے چار برس کے اندر دفعۃً مر کر اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں جا ملے۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ معاویہ صاحب کن کن پر کمیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔ دنیا نے نہ اُن کا ساتھ دیا اور نہ اُن کے بیٹے کا۔ بیٹے کو تو کچھ بھی حصولِ دنیا سے قناعت کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ اسی طرح یزید صاحب کے بعد بھی

تاتار ان امام حسین علیہ السلام پر طرح طرح کی آفتیں نازل ہوتی گئیں۔ مختار نے ایک کو بھی زندہ رہنے نہ دیا۔ خون امام علیہ السلام کا بدلا اسی دنیا میں اُن بد بختوں کو مل گیا۔ واضح ہو کہ قبیلہ بنی امیہ کی سلطنت یا خلافت ۹۴ برس تک قائم رہ کر بنی عباس کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس قبیلہ کا پہلا خلیفہ سفاح ہوا جو کہ شیعہ تھا۔ اس کے بعد اکثر خلفائے بنی عباس سنی مذہب ہوتے گئے اور ان کی خلافت بھی ایک عرصہ دراز کے بعد تاتاریوں کے ہاتھ سے معدوم ہو گئی۔

واضح ہو کہ حضرت شیخین نے جو ابوسفیان کو شام کی حکومت سپرد کر دی تو اُس سے صرف اپنی فاکرہ خلافت کا بچا لینا مد نظر نہ تھا بلکہ اس کا رروائی کا یہ بھی مطلب تھا کہ بنی ہاشم کی سرکوبی بھی پورے طور پر مکمل پذیر ہو جائے۔ حضرت شیخین قبیلہ بنی تیم اور بنی عدی کے بزرگوار تھے۔ اور یہ دونوں قبیلے کی سطح پر ممتاز صورت نہ تھے۔ حضرت شیخین کو اپنے قبیلوں سے کسی طرح کی اعانت کی امید نہیں ہو سکتی تھی مگر قبیلہ بنی امیہ اور قبیلہ بنی ہاشم تھے۔ بنی ہاشم کی طرف سے حضرت شیخین شکل اطمینان نہیں رکھتے تھے۔ پس بنی امیہ کو اپنی طرف ملا لینے سے یہ بھی منظور نظر تھا کہ آپ صاحبوں کی قائم کردہ خلافت صورت استحکام پیدا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رفتہ رفتہ بنی ہاشم کمزور ہوتے چلے بیاتناں کہ حضرت عمر کی خوش تدبیری سے حضرت شیخین کے بعد ہی خلافت بنی امیہ کی طرف منتقل ہو گئی اور قبیلہ بنی ہاشم اپنا پر پرزہ سنبھال نہ سکا۔ حضرت علی کا مختصر زمانہ خلافت معاویہ صاحب کی کارستانیوں کی بدولت پیش از وقت اختتام پا گیا۔ علی مرتضیٰ کی رحلت کے بعد ہی حضرت امام حسن کو خلع خلافت کی نوبت آگئی اور اُس کے بعد معاویہ صاحب کو اپنی ضرورتوں کے تقاضا سے حضرت امام علیہ السلام کو مسموم کر ڈالنا پڑا۔ حضرت امام کے خلع خلافت کے بعد معاویہ صاحب پورے طور پر خلیفہ وقت ہو گئے اور اپنا جانشین یزید کو بنا گئے۔ یزید نے اپنے وقت میں قریب قریب خاندان ہاشم کا خاتمہ کر ڈالا۔ بعد یزید کے قبیلہ بنی امیہ سے خلفائے بعد دیگرے ہوتے گئے اور عرب کی سلطنت یعنی خلافت جیسا کہ اس سے قبل حوالہ قلم ہوا ہے چوانوے (۹۴) برس تک اُسی قبیلہ میں رہی۔ پس قابلِ کاظ ہے کہ حضرت شیخین کی خوش تدبیری سے آپ صاحبوں کی قائم کردہ خلافت بنی امیہ کی قدرتی صورت محفوظ نہیں رہ سکی بلکہ ابوسفیان صاحب کو صاحب ثروت بنادینے سے بنی ہاشم کا قبیلہ ابدالاباد تک اپنے حقوق سے محروم ہی رہ گیا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسول صلعم کو قبیلہ بنی امیہ سے نفرت تامہ لاحق تھی اور یہ ایسا قبیلہ تھا کہ جسے خداے پاک شجرہ ملعونہ فرماتا ہے یہ قبیلہ قبل سے قبیلہ بنی ہاشم کا دشمن سخت چلا آیا تھا جب حضرت صلعم مبعوث ہوئے تو مکہ میں اس قبیلہ نے

حضرت رسولؐ کی دشمنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مجبوراً جب آنحضرتؐ کو دشمنوں کی بدسلوکیوں سے کہ کو چھوڑ کر مدینہ آنا پڑا اور مدینہ میں آنحضرتؐ کو کچھ اطمینان کی صورت پیدا ہو سکی تو یہ قبیلہ آنحضرتؐ سے لڑائی ان لڑتا رہا۔ بدر و احد و خندق و حنین کی لڑائیاں حضرت رسولؐ کو اس قبیلہ نظام و ناہنجار سے لڑنا پڑیں اور حق یہ ہے کہ اگر علی مرتضیٰ کا وجود با جود نہ ہوتا تو اسلام کا خاتمہ مدینہ میں ہو جاتا۔

بنی امیہ کی ہر لڑائی میں حضرت شیخین اور حضرت شیخین جیسے دیگر ماجرین حضرت رسولؐ کی کچھ اعانت نہ کر سکے۔ جب ہوا تو یہی ہوا کہ حضرت رسولؐ کو زعفران اعدا میں چھوڑ کر اپنی جانیں لیکر بھاگ نکلے۔ اگر بدر کی لڑائی میں حاضر بھی رہ سکے تو عدم کارگزاری کا جو ہر دکھا گئے۔ کوئی شک نہیں کہ ذوالفقار علیؑ نے اسلام کو معدومیت سے بچا رکھا۔ کیا جائے تعجب ہے کہ ایسے حامی دین خدا اور ماحی کفر و ضلالت کو حضرت شیخین اور حضرت شیخین جیسے مسلمانوں نے حضرت رسولؐ کا جانشین ہونے نہ دیا اور ان کے اکابر و خلیفہ بن بیٹھے اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ حضرت رسولؐ کے ایک ایسے پُر عداوت قبیلہ کو یعنی قبیلہ بنی امیہ کو ایسی ثروت کی راہ دکھلائی جس کا وہ قبیلہ بدخواہ خس برابر بھی ستم نہ تھا۔ یہ وہ قبیلہ ہے جسکو دس برس کی محنت شاقہ سے حضرت رسولؐ نے ایسا ضعیف کر ڈالا تھا کہ اب وہ قبیلہ اسلام کو کسی پہلو سے ضرر رسانی کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ ایسے قبیلہ کو حضرت شیخین نے سر نو سے تروتازہ کر ڈالا۔ یہ بد حال قبیلہ تھوڑے ہی عرصہ میں مالک شام ہو کر تمام بلاد اسلام کا بھی مالک ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ اگر حضرت شیخین کو حدیث ثقلین کی تبعیت خس برابر بھی مد نظر رہتی تو حضرت شیخین سب کچھ کرتے مگر بنی امیہ کو ثروت کی راہ پر نہ لے آتے۔ آپ دونوں صاحبوں کی اس بنی امیہ پروری نے قریب قریب خاندان پیغمبر کا خاتمہ کر ڈالا اور طرح طرح کے مظالم بنی ہاشم پر کرنا شروع کر دیے اور آج تک کر رہے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ قبیلہ بنی امیہ کو حکومت شام پر مستولی بنانے کے بعد بھی اگر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بن جانے کا سامان نہ کر جاتے تو بھی خاندان رسالت یعنی قبیلہ بنی ہاشم اس درجہ ابتر ال کو نہیں پہنچ جاتا جو حضرت عثمانؓ کی خلافت یابی کی بدولت پہنچ گیا حقیقت حال یہ ہے کہ شام میں تو بنی امیہ حضرت شیخین کی بدولت حاکم وقت ہو ہی رہے تھے۔ ہر طرح کی ثروت اس قبیلہ ملعونہ کو حاصل ہو ہی چکی تھی۔ حضرت کی خلیفہ یابی سے جو قبیلہ بنی امیہ کے ایک معروف بزرگ تھے بنی امیہ کے تمام مرد و دواہن ذرگاہ خدا و رسولؐ مثل مروان وغیرہ وغیرہ خلیفہ صاحب کے گرد بلا لیے گئے۔

پھر کیا تھا تلم بلاد اسلام میں بنی امیہ ہی فعال مایرید نظر آنے لگے۔ قبیلہ بنی ہاشم کا تو ایک چپاڑی بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ بنی امیہ کی ایسی قوت یابی کے بعد علی مرتضیٰ حضرت عثمانؓ کے بعد کو مکر خلیفہ بلاد اسلام

رہ سکتے تھے اور جب حضرت علیؓ خلیفہ نہ رہ سکے تو حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسینؓ کی خلافت کا ذکر ہی خارج از بحث ہے۔ ایسی حالت میں آپ ہر دو امانتوں کا خلیفہ رہنا تو درکنار آپ حضرات کے زندہ رکھے جانے کی بھی کیا توقع ہو سکتی تھی اور وہ توقع بنی امیہ سے جنگی سرشت میں بیدینی نفس پروری ناخدا ترسی الحاد دنیا طلبی خون ریزی جفا شکاری بد نفسی ستم پروری پُر دغا ئی بے ایمانی حق کشی اور ہر طرح کی خباثت وغیرہ وغیرہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ اہل فہم اور صاحب انصاف کے نزدیک دین خدا اور آل محمد کی تباہی کے سبب قریب یا سبب بعید ہی حضرت شیخین ہو سہیں۔ اگر حضرت شیخین نہ ہوتے تو نہ دین خدا تباہ ہوتا اور نہ آل محمد کی خونریزیان مختلف اوقات میں ظہور پذیر ہو سکتیں حتیٰ یہ کہ حق پسندوں کے نزدیک آل محمد کی خونریزیان تمام تر تباہی دین خدا کا حکم رکھتی ہیں۔ بالخصوص راقم کی تحریر بالا پر نظر کرنے سے حضرات ناظرین یا انصاف پر روشن ہو جائیں گے کہ یہ شعر یعنی سہ چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ۔ کہ کشتہ شد حسین اندر ثقیفہ کس قدر پر معنی قول ہے اور کس قدر قرین حق با واقعی تعجب ہے۔ ایسے مہاجرین سے جنہوں نے حضرت رسولؐ کی کوئی جہادی اعانت نہ کی۔ ہمیشہ اپنی جانوں کی حفاظت مد نظر رکھی احکام نبویؐ کی تعمیل سے بھاگتے رہے۔ رسول اللہؐ پر حملہ کے فعل قبیح کے مرتکب ہوئے اور حضرت رسولؐ کے بعد ایسے ایسے افعال کے مرتکب ہوئے جن سے خاندان رسولؐ کو طرح طرح کے صدمات سخت پہنچتے گئے۔ اس پر بھی ایسے مسلمان امت محمدیؐ کہلاتے ہیں۔ واہ وا برعکس نند نام زنگی کا نور۔

واضح ہو کہ واقعہ کربلا ایک نہایت سخت واقعہ گزرا ہے۔ اس کے تمام معاملات دوستداران اہل بیت کے لیے ایسے حیرت انگیز اور غم افزا نظر آتے ہیں کہ احاطہ بیان سے باہر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان خاندان پیغمبرؐ سے زیادہ شقی کوئی قوم نہ سابق میں گزری ہے اور نہ آئندہ ظہور کرے گی۔ معاذ اللہ۔ راقم ایسے ملا عین کے ذکر سے اس جگہ اپنے قلم کو روک کر ذیل میں کچھ ایسے اقوال حضرت خرم کے حوالہ قلم کرتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سعادت دین خدا کے ساتھ میں ہے جسکو چاہے اس سے مشرف فرمائے۔ یہ کوئی اختیاری امر نہیں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ درگاہ واہب العطا یا میں توفیق خیر کے لیے دعا مانگتا رہے اور اُس کے رحم و کرم کا دل سے امیدوار رہے۔ اُس کے رحم و کرم کے بغیر خیر کی دولت نصیب ہونا احاطہ خیال سے باہر ہے۔

یوں تو جگر بندان حضرت امام علیہ السلام نے جیسے حضرت علی اکبرؓ و حضرت عباسؓ علیہ السلام اور حبیب ابن مظاہرؓ تھے جان نثاری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور یکے بعد دیگرے شہادت

نوش فرماتے گئے۔ مگر حضرت حُر نے جو لشکر اعدا میں ایک ممتاز پایہ رکھتے تھے ایسی جانبازی کا تماشا دکھلایا کہ اس کی نظیر تاریخ و سیر میں کم نظر آتی ہے۔ آپ لشکر اعدا میں ایک بڑے بہادر کی حیثیت رکھتے تھے۔

جب حضرت امام علیہ السلام کو فد کے قریب آپہنچے تو حضرت حُر حضرت امام کے آگے بڑھنے سے سدا رہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ آپ ہی حضرت امام کو دشت کربلا کی طرف لے آئے۔ مگر جب ہدایت خداوندی شامل ہوئی تو آپ لشکر اعدا سے علیحدہ ہو کر حضرت امام کی خدمت والا درجہ میں حاضر ہو گئے۔ مورخ محدث ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے خطبے کا اثر حرا بن ریاحی کے دلِ سعادت منزل پر ایسا ہوا کہ وہ گھوڑا بڑھا کر عمر بن سعد کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ خدا تمہیں صلاحیت عطا فرمائے تو حسین سے ضرور قتال کریگا۔ عمر بن سعد نے کہا کہ ہاں خدا کی قسم ایسا قتال کروں گا کہ بہت سے تن بے سراو بے دست و پا ہوں گے۔ حُر نے کہا کہ جو باتیں حسینؑ نے اپنی تقریر میں تمہارے سامنے پیش کیں، ان میں سے ایک بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ابن سعد بولا کہ اگر حکومت میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں ضرور اُن باتوں پر نظر کرتا لیکن ابن زیاد کے حکم کو کیا کروں۔ پھر صاحب تاریخ کامل لکھتے ہیں کہ ابن سعد کا جواب سن کر حُر آہستہ آہستہ امام حسینؑ کی جانب بڑھے مگر اُس وقت حضرت حُر کا بدن کانپ رہا تھا۔ آپ کے بدن میں رعشہ دیکھ کر ابن سعد کے لشکر کا ایک شخص مہاجرین سے آپ سے بولا کہ اے خُروالد تیری موجودہ حالت مجھے شک میں ڈالتی ہے کیونکہ جو کیفیت تیری اس وقت دیکھ رہا ہوں وہ میں نے کسی مہرک میں نہیں دیکھی تھمکو تو میں اہل کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر جانتا تھا پھر تیرا یہ کیا حال ہے۔ حضرت حُر نے کہا کہ والدِ مہرین اس وقت اپنے کو اس امر میں مختار پاتا ہوں کہ چاہوں جنت کو اختیار کروں چاہوں دوزخ کو لیکن میں جنت ہی کو اختیار کروں گا چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر حُر نے گھوڑے کو چابک لگایا اور حضرت امام علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ خدا مجھے آپ پر خدا کرے اے ابنِ رسول اللہ میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو راہ سے واپس جانے نہ دیا اور مجبور کر کے اپنے ساتھ بیان لایا۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ کسی طرح آپ کی نصیحت سے متاثر نہ ہوں گے اور آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے اب میں تائب ہو کر آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کا ساتھ دوں اور آپ کے قدموں پر اپنی جان نثار کروں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائیگی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ بیشک خدا تیری توبہ قبول کرے گا اور تیری مغفرت فرمائے گا۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حُر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گھوڑے سے اتر پڑے اور حضرت امام کی رکاب کو بوسہ دیکر عرض کرنے لگے کہ اے فرزندِ رسول اللہ مجھے گمان نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہو جائیں گے بلکہ میں سمجھتا تھا کہ بالآخر آپ سے صلحت کریں گے

لیکن اب اکھاظم اور ترمذ دیکھ کر مین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا خدا میری توبہ قبول فرمائے گا؟
 حضرت امامؑ نے ہاتھ بڑھا کر حر کے چہرے پر پھیرا اور فرمایا کہ اے حُر بندہ ناچیز خدا کا کیسا ہی گناہ کرے
 لیکن جب توبہ اور استغفار کرتا ہے تو خدا اے کریم اسے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ اُس نے قرآن مجید
 میں ارشاد کیا ہے کہ خدا ایسا کریم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اے حُر اس سے پہلے جو فوج
 تمھ سے ہوئی مین نے اُس کو معاف کیا اب تو مردانہ وار جنگ کے لیے آمادہ ہو اور اس دن کو روزِ بارِ احد
 اور اس میدان کو جلوہ گاہ شہادت یقین کر۔ تاریخ ابن جریر مین مندرج ہے کہ یہ بھی حضرت امامؑ نے حر سے
 فرمایا کہ اے حوتیری مان نے تیرا نام بہت ٹھیک رکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تو دنیا مین بھی حُر ہے اور
 آخرت مین بھی آزاد رہے گا۔ سورخ اثیر جزری تاریخِ کمال مین لکھتے ہیں کہ پھر حُر نے دشمنان حضرت امامؑ کے
 ساتھ شدید جنگ کی اور یزید بن سفیان کو قتل کیا۔ اس کے بعد حسبِ مضمون تاریخِ کمال جب لشکرِ اعدائے
 سوارانِ لشکر حضرت امامؑ پر سخت تیربارانی کی جس کی وجہ سے حسینؑ کے کل سوار پیدل ہو گئے۔ اس موقع
 پر بھی حضرت حُر نے دشمنوں سے دل توڑ کر جنگ کی۔ اُس کتاب تاریخ مین یہ بھی مذکور ہے کہ مصیب ابن مظاهر
 کے شہید ہو جانے سے حضرت امامؑ بہت سست اور افسردہ ہو گئے پھر حسبِ تحریر سورخ ابن اثیر حضرت حُر
 اور زبیر بن القین نے دشمنوں سے خوب ہی قتال کیا۔ روضۃ الاحباب مین ہے کہ عمر بن سعد نے حضرت
 حُر کو میدانِ جنگ مین دیکھ کر صفوان بن حظلہ سے کہا کہ تو حاکم حُر کو نصیحت کر اور میرے پاس واپس لا
 اور اگر نہ آوے تو تلوار سے اُس کا سر کاٹ لے۔ صفوان نے حضرت حُر کے پاس آکر کہا کہ اے حُر تو نے
 مردِ عاقل ہو کر خلیفہ یزید سے کیوں روگردانی کی۔ حضرت حُر نے جواب دیا کہ اے صفوان مجھے تعجب ہے
 کہ تو خود خلافتِ عقل یہ بات کہتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ یزید ناپاک اور فاسق ہے اور امام حسینؑ پاک
 پاکیزہ نژاد ہیں رسول اللہؐ نے ان کو اپنا ریحان فرمایا ہے صفوان بولا کہ اے حُر مین یہ سب جانتا ہوں۔
 مگر جاہ و دولت یزید ہی کے ساتھ ہے اور مین مردِ سپاہی ہوں مجھ کو جاہ و منصب ہی چاہیے۔ حضرت حُر
 نے کہا کہ اے صفوان تو حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔ صفوان نے عقب مین آکر حضرت حُر کو نیزہ مارا۔
 حضرت حُر نے اُس کے وار کو روک کر کے ایسا نیزہ لگایا کہ اس کی انی صفوان کی پیٹھ سے نکل گئی۔ بعد کہ
 حضرت حُر نے لشکرِ دشمن سے یہاں تک قتال کیا کہ نیزہ ٹوٹ گیا اور جب نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوارِ ایمان سے
 نکال کر ایسی غمشیر رانی کی کہ کسی کو سر سے سینہ تک کاٹا اور کسی کو کمر کے پاس سے دو ٹکڑے کیا۔ یہ دیکھ کر
 شمر نے لشکر کو آواز دی کہ سب ملکر حُر کو گھیر لو۔ چنانچہ عمر بن سعد کے لشکر نے حضرت حُر پر چاروں طرف سے
 تیر و غمشیر کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ناگاہ تصور بن کناہ نے ایسا نیزہ حضرت حُر کے سینہ پر مارا کہ آپ

ہلک زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑے اور پکارے کہ یا بن رسول اللہ اس جان نثار کی خبر لیجیے۔ امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر میدان جنگ میں جا کر حضرت کو اٹھا لائے اور آپ کا سر زانوے مبارک پر رکھ کر آستین سے اُن کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حضرت حُرَیْن غوڑی جان باقی تھی آپ نے اپنا سر حضرت امام کے زانو پر دیکھ کر تبسم کیا اور کہا یا بن رسول اللہ آپ مجھ سے راضی ہیں؟

حضرت امام نے فرمایا کہ میں بھی راضی ہوں اور میرا خدا بھی۔ حضرت نے یہ بشارت سن کر خلدیرین کی راہ لی۔ راقم کتا ہے کہ تقدیر ہو تو ایسی ہو۔ کہاں یزید کا ساتھی کہاں مرتے دم حضرت امام کے زانوے مبارک پر سر رکھے ہوئے خلدیرین کو سدھارے۔ خدا کے معاملات سمجھ میں نہیں آتے۔ سچ یہ ہے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ کیا تا شاہ ہے کہ یزید اور یزید کے تمام شکری مستوجب سزا ہے نہ ہوں مگر ایک ان میں سے سزاوار حجت قرار پائے۔ اب ذیل میں راقم حکیم جزمین میسومار میں کی تحریر کو اپنی کتاب صباغِ اظلم سے نقل کر کے حوالہ قلم کرتا ہے۔ یہ تحریر واقعہ کر بلا کے متعلق ایسی لاجواب ہے کہ راقم کے خیال میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ہے۔ واقعہ کر بلا کی ایسی توجہ راقم کی نظر سے نہیں گزری ہے۔ حضرات ناظرین اسکی خوبیوں سے لطف اٹھائیں۔

حکیم موصوف کی تحریر ذیل سے ظاہر ہو گا کہ جناب امام حسینؑ نے ہرگز ملک گیری یا مال اندوزی کی ہوس میں واقعہ کر بلا کے مصائب اپنے اوپر گوارا نہیں کیے بلکہ اپنے نانا کے دین کو بربادی سے محفوظ رکھنے کی غرض سے یہ سخت سے سخت کارروائی اختیار فرمائی ہے تباہی میں سفینہ آچکا تھا۔ جد کی اُمت کا۔ یہ کشتی بحرِ خون میں ڈوب کر شے نے نکالی ہے۔ ذیل میں اس حکیم روشن خیال کی کتاب سیاست اسلامیہ کی ساتویں فصل سے کچھ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے ”یزید کے ولی عہد قرار دیے جانے کے بعد امام حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی امیہ کی حرکتیں جنہیں عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور ریاست روحانی پر بھی وہ مسلط ہو چکے تھے عنقریب مسلمانوں کے عقیدہ کو اُن کے جد کے دین سے منزلزل کر دیں گی اور دوسری جانب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لیں یا نہ کریں بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کر دینے میں کسی قسم کی فروگزاشت نہ کریں گے اور اگر تھوڑے دنوں بھی یہ حالت باقی رہی تو دنیا میں بنی ہاشم کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ پس یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی امیہ کے برخلاف اسلام میں ایک انقلاب قائم کرنے کا مصمم قصد فرمایا تھا۔ چنانچہ جس وقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا اسی وقت سے آپ نے اس کی اطاعت سے انکار کو اپنے واسطے واجب سمجھ لیا اور آپ اپنی اس مخالفت کے

کسی سے پوشیدہ نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر یزید بھی آپ سے بیعت لینے اور آپ کو اپنا مطیع بنانے کے واسطے مصر اور کوشان تھا۔ یہ وجہ تھی کہ آپ نے دیرہ دانستہ اُس اعلیٰ خیال کے واسطے جو آپ کے دماغ میں موجود تھا آپ نے اپنے لیے موت کو گوارا کر لیا اور اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ انقلاب قائم کرنے کی جہت سے آپ نے شہید ہونے پر پیش قدمی کی۔

جو شخص اُس زمانہ کے حالات اور بنی اُمیہ کی طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہوں پر ان کے غالب آجانے اور مسلمانوں کی سُست اعتقادی سے اچھی واقفیت رکھتا ہے وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدوں کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برقی احساس آپ کے شہید ہونے سے مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا تو ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہیں رہتا اور چونکہ ابھی اس کا ابتدائی کارخانہ تھا اس لیے یہ بات ممکن تھی کہ اس کے رسوم اور قوانین بالکل نابود ہو جاتے۔ چونکہ امام حسینؑ کا اپنے والد کے انتقال کے بعد سے اُس عالی مطلب کے پورا کرنے کا پکا ارادہ تھا اس لیے آپ نے یزید کے جانشین معاویہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مدینہ سے اس بنا پر سفر اختیار کیا تاکہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقامات میں جیسے مکہ و عراق وغیرہ میں پہونچ کر اپنے اعلیٰ خیال کو منتشر فرمائیں۔ یہ آپ کی سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہاں جہاں آپ قدم رکھتے تھے وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں بنی اُمیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ چونکہ یزید بھی ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ اگر کسی چھوٹے مقام میں بھی آپ کا خیال کارگر ہو گیا اور آپ نے علم مخالفت بلند کر دیا تو بے لحاظ اُس نفرت کے جو مسلمانوں کے دلوں میں بنی اُمیہ کی طرز معاشرت و حکومت کے پیدا کر دی ہے اور بلحاظ اُس قلبی توجہ کے جو مسلمانوں کو حسینؑ کے ساتھ اُس وقت میں موجود ہے نہایت سرعت کے ساتھ آپ کا وہ خیال تمام اسلام ممالک میں جاری و ساری ہو جائیگا اور سلطنت بنی اُمیہ کا دائمی قلع و قمع ہو جائیگا۔ یہ سب تھا کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام باتوں سے پہلے حسینؑ کے قتل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ بنی اُمیہ کی سیاسی غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی یہی تھی اور یہی ایک سیاسی خطا تھی جس کے سبب سے اپنے نام و نشان کو بنی اُمیہ نے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔ بہت بڑی دلیل اس بات پر کہ حسینؑ قتل گاہ تک گئے اور ہرگز اُنکا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنے کا نہ تھا یہ ہے کہ حسینؑ اپنے اُس علم سیاست و تجربہ سے جو انھیں اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالی وقار کے زمانہ سے بنی اُمیہ کے ساتھ جنگِ جدل کرنے کے متعلق حاصل تھا خوب جانتے تھے کہ بحالت نہ ہتیا ہونے اپنے اسباب کے اور بہ سبب

اس اقتدار و عظمت یزید کے اس کے ساتھ مقابلہ کسی طرح ممکن نہیں ہے دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے پروردگار کے مقتول ہونے کے بعد اپنے مقتول ہونے کی ہمیشہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ اور حبوت سے کہ مدینہ سے آپ نے حرکت کی صاف صاف اور بہ آواز بلند کہتے تھے کہ میں مقتول ہونے کے لیے جا رہا ہوں اور اپنے ہمراہیوں سے بھی محض اتمامِ حجت کے لیے یہی بیان کرتے تھے تاکہ جو کوئی جاہِ مال کے حرص و طمع میں ہل رہا ہو جدا ہو جائے اور یہی بات اُن کے در و زبان تھی کہ قتل گاہ کا راستہ میرے سامنے ہے اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ حسینؑ کا اگر یہ اگر ارادہ نہوتا تو غرور و فخر و علم و ارادہ کے ساتھ مقتول ہو جانے پر آمادہ نہ ہوتے اور اس طرح اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے میں بقدر امکان کوششِ عمل میں لاتے نہ یہ کہ جو ہمراہ تھے اُنھیں بھی متفرق اور پراگندہ کر دیتے۔ چونکہ کوئی قصدِ سوائے مقتول ہو جانے کے جو اُن خیالاتِ عالی اور اُس مقدس ریولوشن (Revolution) کا مقدمہ تھا نہ نظر اُن کے نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے یہی سمجھا کہ بہت بڑا ذریعہ اُس کا بیسی اور مظلومیت ہی ہے اسی کو اختیار کیا تاکہ اُن کی مصیبتِ دلوں میں زیادہ مؤثر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اگر اس کے ساتھ اپنی قوت بڑھانا چاہتے تو ایک بڑا لشکر فراہم کر سکتے تھے مگر اس صورت میں اگر مقتول بھی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت اور بادشاہی کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا نتیجہ عظیم الشان ریولوشن یعنی انقلاب تھا حاصل نہ ہوتا۔ پس سوائے ان لوگوں کے جن کی جدائی امکان سے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا مثل فرزندِ برادر بھتیجے اور بنی عام اور چند مخصوص احبابِ با وفا کے۔ تاہم اُن سے بھی فرمایا کہ تم بھی ہمیں چھوڑ کر جدا ہو جاؤ۔ مگر انھوں نے منظور نہیں کیا۔ اور وہ بھی ایسے حضرات ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک تقدس اور جلالِ قدر کے اوصاف رکھتے ہیں اور اُن کا حسینؑ کے ساتھ قتل ہو جانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت و تاثیر کا سبب ہوا۔ حسینؑ نے اپنے علم و سیاست کی قوت کے ساتھ بنی اُمیہ کے ظلم و ستم کے اشتائیں اور اُن خیالات کے اظہار میں جو بنی ہاشم اور اولادِ محمدؐ کی عداوت میں اُن لوگوں کے دلوں میں تھے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ان میں ایک بات یہ ہے کہ چونکہ بنی اُمیہ کی عداوت کو آپ اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ جان چکے تھے کہ میرے قتل کے بعد بنی ہاشم کی عورتیں اور بچے جو کہ آلِ محمدؐ تھے اسیر و مقید ہو جائیں گے تو یہ واقعہ مسلمانوں میں علی الخصوص عرب میں اس درجہ پر پڑتا ہے جو جائیگا کہ جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بنی اُمیہ کے ظالمانہ حرکات اور ان کے بیرحمانہ سلوک جو انھوں نے اپنے بنی کے محذرات اور اطفال کے ساتھ برتے مسلمانوں کے دلوں میں ایسی تاثیر کر گئے جو کسی طرح حسینؑ اور اُن کے

ہمراہیوں کے قتل سے کم نہ تھے اور جس نے خاٹن محمد کے ساتھ بنی امیہ کی دشمنی کو اور اسلام کے ساتھ
 اُنکے عقائد کو اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کے برتاؤ کو اچھی طرح واضح کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ حسینؑ اپنے
 اُن دوستوں سے جو انھیں اس سفر سے مانعت کرتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول
 ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ پر
 انھیں اطلاع نہ تھی اس سفر سے مانعت میں اصرار کرتے تھے جس کا آخری جواب حسینؑ کی طرف سے
 یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے۔ میرے نانائے مجھے یہی حکم دیا ہے اور جب یہ اصرار کرتے تھے کہ جب آپ
 مقتول ہو جانے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لیجائیے تو جواب میں فرماتے تھے
 کہ خدا کی مشیت یہی ہے۔ کہ میرے عمال اس وقت مقید ہوں اور حسینؑ کے کلمات اس وقت چونکہ دھانی
 ریاست کی حیثیت سے تھے لاجواب تھے یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات
 کی کہ حسینؑ سوائے ان عالی خیالات کے جو اُن کے دماغ میں تھے۔ کوئی دوسری غرض خیال میں لاتے ہی
 نہ تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب انھوں نے سلطنت و بادشاہی کے لیے برداشت نہیں کیے اور نہ
 بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکہ عظیم میں انھوں نے قدم رکھا جیسا کہ ہمارے بعض مؤرخین نے خیال کر لیا ہے
 اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے اُن مخصوص احباب سے جن کا دماغ روشن اور عقل سلیم تھی اس
 واقعہ کے سالہا سال پیشتر اپنی مصیبتوں پر تسلی دینے کی غرض سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے قتل
 ہو جانے کے بعد اور اُن جانناہ مصائب گزر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا
 جو حق کو باطل سے جدا کر دے گی اور ہماری قبروں کی زیارت کیا کرے گی اور ہماری مصیبتوں پر دیا کرے گی
 اور دشمنانِ آل محمد کو اچھی طرح ہلاک کرے گی۔ یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانائے شریعت کی ترویج
 کریں گے اور میں اور میرے جد بزرگوار انھیں دوست رکھیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ مشور
 ہوں گے۔ اے حضرات ناظرین کیا جائے تعجب ہے کہ ایک نامسلمان قوم کا عالم واقعہ کہ بلا کی حقیقت
 بوضع بالایوں بیان کرے کہ جس سے جناب سید الشہداء علیہ السلام کی انتہا درجہ کی عظمت ثابت ہوتی
 ہے اور ہزاروں ہمدستان اور افغانستان کے ملا اور غیر ملا دعویٰ اسلام رکھ کر جناب امام حسینؑ علیہ السلام
 کی طرف ایسے نامحسوس و صفات منسوب کریں جو ذیلوں کے سوا شریفوں میں کبھی وجود نہیں رکھ سکتے۔ راقم سے مولوی
 فلاں اور مولوی فلاں نے چند بار یہ کہا ہے کہ حضرت امامؑ نے بیکار اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا۔ آپ
 ہرگز شہید نہیں ہوئے خلیفہ وقت سے بغاوت کی بنا پر قتل کیے گئے۔ اگر زید سے جو خلیفہ وقت تھا بیت کرتے تو مستوجب قتل نہ ہوتے مگر
 انھوں نے سلطنت کا خواب دیکھنا شروع کر دیا پس جیسے کام کا نتیجہ ہونا چاہیے تھا ہوا۔ راقم کہتا ہے کہ نہ مانو یہ ریزید کا گزرتا ہے

لاکھوں معاویہ اور یزید صفحہ ہستی پر موجود ہیں اور تاقیامت موجود رہیں گے راقم نے جگہ جگہ سیکڑوں معاویہ اور یزید جبہ و دستار میں دیکھے ہیں۔ ایسے دشمنانِ خدا ان پیڑ سے اب بھی زمانہ مملو ہے۔ یتیم حقیقی ایسے ناسلمانوں سے عداوت اہل بیت نبوی کا آخر بدلے لیگا تب یہ مولویانہ وردیان جبہ و دستار کی غضبِ الہی کی آگ سے جل جلا کر خاک سیاہ ہو جائیں گی۔ آخر میں عرضِ راقم یہ ہے کہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت امام حسینؑ نے جان ویدی گھر بھر کا شہید کیا جانا گوارا فرمالیا۔ مگر یزید کی بیعت پر غیاضی نہ ہونا تعجباً نہ ہوئے۔ اس کے برخلاف معاملہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نظر آتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں نافع سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی اولاد اور متوسلین کو جمع کر کے یہ اہیچ دی کہ ایہا الناس میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا اور جب کہ ہم یزید کی بیعت کر چکے ہیں تو میری رائے میں اس سے زیادہ اور کیا غداری ہو سکتی ہے کہ بیعت کرنے کے بعد یزید سے لڑائی ٹھانیں۔ پس تم میں سے جو شخص میری رائے کے خلاف یزید کی بیعت سے علیحدہ ہوگا میں اُس سے جدائی اختیار کروں گا ظاہر ہے کہ معاملہ یزید میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا رنگ حضرت عبداللہؓ سے تا متر برعکس نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ خوب جانتے تھے کہ یزید ایسے باپ کا بیٹا ہے جس کو آپ کے باپ یعنی حضرت عمرؓ نے ثروتِ یاب بنایا تھا۔ یعنی آپ کے باپ کی دستگیری سے میر معاویہ حاکمِ شام مقرر ہوئے تھے اور پھر اپنے وقت پر تمام بلادِ اسلام کے خلیفہ بھی ہو گئے کوئی شک نہیں کہ آپ کے باپ ہی کی دستگیری سے قبیلہ بنی امیہ سرِ نوسے زندہ ہوا تھا۔ ورنہ حضرت رسولؐ تو دس برس کی محنت میں اُسے اس قدر کمزور کر گئے تھے کہ اس قبیلہ میں مطلق قدرتِ شیطنت کی باقی نہیں رہی تھی۔ حضرت رسولؐ کی کارروائیوں سے وہ قبیلہ ایسا نہیں رہا تھا کہ وہ سلطنت کا خواب بھی دیکھ سکتا۔ مگر حضرت یحییٰ خاں صکر کہ حضرت عمرؓ کی سرپرستی سے وہ دن معاویہ صاحب کو نصیب ہو گیا کہ آخر کار انھیں خلافت تک نصیب ہو گئی اور اُن سے اپنے وقت پر وہ خلافت منتقل ہو کر یزید کو پہنچ گئی اور یزید کے بعد پر سونہ خلافت قبیلہ بنی امیہ سے ایک خلیفہ کے بعد سرِ خلیفہ کو منتقل ہوتی رہی۔ پس یہ امر خلافتِ توحہ نہیں تھا جو حضرت عبداللہؓ نے اپنی اہیچ بالا میں یزید کی موافقت میں زور دار مضامین ارشاد فرمائے حضرت کے تحت جگر ہو کر کیا حضرت عبداللہؓ اتنی بھی وفاداری یزید کے ساتھ ملحوظ نہ رکھتے۔ لیکن نہیں تھا کہ اپنے پوری تعلقات کو فراموش کر جاتے۔ انھیں پوری تعلقات کی بنا پر تو حضرت عبداللہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ باپ کے معاملات کا خیال بیٹے کو ایک ضروری امر ہے۔ آپ طریقہ پدی سے

اختران نہیں کر سکتے تھے۔ یہ امر بالکل معیوب دکھائی دیتا کہ حضرت عمر تو معاویہ صاحب اور بنی ہاشمیہ کے سرپرست بنیں اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ زید سے بیعت کے بعد وگردانی اختیار کریں۔ حضرت عبداللہ ایسا مقدوح کام نہیں اختیار کر سکتے تھے۔ اپنے پرنامدار کی بیعت میں اگر زید کے ساتھ آپ نے وفاداری کا پہلو اختیار فرمایا تو خلافت خاندان کچھ نہ کیا۔ الولد سر لامیہ ایک نہایت متعقول ہے۔ یہی قول حضرت امام حسینؑ پر بھی صادق آتا ہے کہ جنھوں نے اپنے کو بیعت زید سے کنارہ رکھا۔ اگر آپ زید کی بیعت کر لیتے تو آپ مخالف علی اور حضرت رسولؐ کے ہو جاتے۔ راقم کی دانست میں حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ درون نے اصول وفاداری کو خوب برتا۔ پختہ کاری ایک بڑی دولت ہے پختہ کاری پر مدار آخرت ہے۔ ایسی پختہ کاری کی بدولت امام حسینؑ بعد رحلت وہاں ہوں گے جہاں مرضی خداوندی نے آپ کے لیے سامان قیام فرمایا ہوگا اور اسی طرح حضرت عبداللہ بھی اسی پختہ کاری کی بدولت وہاں ہوں گے جہاں آپ کے لیے بھی مرضی خداوندی نے سامان قیام فرمایا ہوگا۔ کوئی شک نہیں کہ اس پختہ کاری نے اپنے اپنے رنگ کے گل کھلائے ہوں گے۔

مصائب حضرت امام زین العابدینؑ سید الساجدین علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام خاندانِ پیغمبر کے بارہ ائمہ سے چوتھے امام ہیں اور داخل چارہ معصوم ہیں۔ آپ کی سرگزشت الم افزایہ ہے کہ باپ کے مصائب کی انتہا اور بیٹے کی مصیبتوں کی ابتدا گویا ساتھ ہی ساتھ ہوئی۔ ابو اسحاق اسفرائینیؒ نے اپنے ”مقتل“ میں لکھا ہے کہ حضرت نبی سلام اللہ علیہا بیان فرماتی ہیں کہ ہم ایک خیمہ کے اندر بیٹھے تھے کہ ناگاہ بہت سے لوگ خیموں کے اندر چلے آئے اذ انجل ایک شخص انق چشم تھا اُس نے کل اسباب خیمہ کا لے لیا اور پھر اُس نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ایک چمڑے پر پڑے ہیں اس نے اُس چمڑے کو اُن کے نیچے سے کھینچ لیا اور آپ کو زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد قوم اشقیاء بنی زادیوں کو لوٹ کر جناب امام بیمار کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ کے قتل کا قصد کیا۔ جناب ام کلثومؑ یہ حال دیکھ کر اپنے کو آپ پر گر کر چلائیں کہ اگر اس بیمار کا قتل ضروری ہے تو اول تم لوگ ہم سب کو قتل کر ڈالو۔ پس ان میں سے ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ بیمار ہے اس کا قتل جائز نہیں۔ اس کے بعد حضرت امام کو طوق و زنجیر میں مقید کر کے ایک اونٹ پر بٹھا دیا چونکہ آپ بیمار تھے اس لیے آپ کے دونوں پاؤں اونٹ کے پیٹ سے باندھ دیے گئے تھے۔ پہلے اسیروں کا جائزہ عمر سعد کے پاس ہوا پھر وہاں سے چکر ابن زیاد کے جائزہ کے لیے کوہن دخل ہوا

کوفہ سے اسیروں کا قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ آفت رسیدہ دربار یزید میں پہنچے تو اُس نے امام حسینؑ کے سر کو ایک طشت میں رکھوا کر اپنے سامنے منگایا اور حسب روایت کامل لوگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے امام حسینؑ کے دانتوں پر چھڑی لگانے لگا یہ دیکھ کر ابو ہریرہ اسلمی نے کہا اے یزید اس چھڑی اُن دانتوں سے ہٹا لے۔ میں نے بارہا رسول اللہؐ کو انھیں چستے ہوئے دیکھا ہے میں اے یزید جب تو بروز قیامت میدانِ حشر میں آئیگا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور حسینؑ کے شفیع اُن کے جدِ محمد مصطفیٰؐ ہوں گے اور وسیلۃ النجاة میں ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کے سر کو چھڑی سے چھیر کر چند شعر پڑھے جن کا حاصل مقصود یہ ہے کہ کاش آج میرے وہ بزرگوار جو جنگ بدر وغیرہ میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھے داد دیتے کہ میں نے اُن کا کیسا انتقام لیا اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا۔ بیشک میں عقبہ کی نسل میں شمار ہوتا اگر آل محمدؐ سے بدلا نہ لیتا۔ درحقیقت بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ اُن کے پاس نہ کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی۔ راقم کہتا ہے کہ بنی امیہ حضرت رسولؐ کے خون سے مسلمان ہوئے تھے درحقیقت یہ سب نامسلمان تھے۔ کوئی شک نہیں کہ معاویہ یزید و مردان وغیرہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے یوں جمیع اہل سنت معاویہ کو اور ایک فرقہ ان کا یزید کو خلیفہ پنجم و خلیفہ ششم مانا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت زینبؑ نے امام حسینؑ کے سر کو دیکھا تو واحدہ و امجدہ کی فریاد بلند کر کے کہا کہ اے یزید تو نے اپنی عورتوں کو پردے میں بٹھایا اور دخترانِ محمد مصطفیٰؐ کو دربار میں بلایا۔ یزید نے کانپ کر پچھا کہ یہ کون ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ امام حسینؑ کی بہن زینبؑ ہے۔ اتنے میں حضرت ام کلثومؑ نے اٹھ کر کہا کہ اے یزید اجازت دے تو اپنے بھائی حسینؑ کا سر ہاتھ میں لیکر اُس کی آخری زیارت کر لوں۔ یزید نے اجازت دی۔ ام کلثومؑ نے بڑھکرا امام حسینؑ کا سر اٹھالیا اور منہ پر منہ لگا کر بیہوش ہو گئیں۔ یزید نے پوچھا کہ کیا یہ عورت بھی امام حسینؑ کی بہن ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر یزید نے زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہو کر دریا کیا کہ یہ کون ہے۔ حاضرین نے کہا کہ علیؑ بن حسین۔ یزید بولا کہ میں نے تو سنا تھا کہ علیؑ بن حسینؑ قتل کیے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ حسینؑ کے تین بیٹے تھے جن میں سے علیؑ اکبر اور علیؑ اصغر قتل ہوئے اور یہ علیؑ بن حسینؑ بیمار تھے اس وجہ سے ان کو قید کر کے لائے ہیں۔

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ نے یزید سے کہا کہ اے یزید میرے باپ اور اختہ کے سر مجھے دیدے تاکہ اُن کے بدن سے ملحق کر کے انھیں دفن کروں اور مجھ کو مع زنان اہل بیت مدینے جانے کی اجازت دے کہ وہاں جا کر اپنے جدِ امجد کے روضے کی محاورت اور اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر کئی بروز جمعہ مجھے اس قدر موقع دے کہ منبر پر جا کر خدا و رسولؐ کی مدح و ثناء ادا کروں

یزید نے ان باتوں کو منظور کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو امام زین العابدین نے منبر پر جا کر ایسا فصیح و بلیغ خطبہ
 حمد و نست پڑھا کہ لوگ متحیر ہو گئے۔ اور ایسے مؤثر طریقے سے مقاصد و عطا و پند بیان فرمائے کہ سگدون کے
 دل بھی موم کی طرح گھٹلنے لگے۔ بعد اس کے ارشاد کیا کہ اے اہل شام تم میں سے جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے
 کہ میں فرزند رسول مختار ہوں۔ میں فرزند سردارِ اخیار ہوں۔ میں فرزند شہسوارِ میدانِ ہلِ الٰہی ہوں۔ میں فرزند
 فاطمہ زہرا ہوں۔ میں سبط رسولِ حسنِ مجتبیٰ کا بھتیجا ہوں۔ میں نورِ دیدہ مصطفیٰ سرورِ سینہ مرقیٰ مبتلا
 کرب و بلا حسین شہیدِ کربلا کا میٹا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اہل مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر
 مؤذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ مؤذن نے اٹھ کر کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر امام زین العابدین نے
 فرمایا کہ الحق کوئی شے اُس کی شان سے بزرگتر نہیں ہے۔ مؤذن نے کہا اے اللہ اکبر اللہ اکبر امام
 زین العابدین نے فرمایا کہ سچ ہے۔ میرا گوشت اور پوست اس کا شاہد ہے۔ پھر جب مؤذن نے کہا
 اشھد ان محمد الرسول اللہ تو امام زین العابدین نے عامہ سر سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ اے
 مؤذن تجھے انھیں محمد کی قسم دنا ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر یزید سے خطاب کیا کہ اے معاویہ کے بیٹے سچ بتا کہ یہ محمد رسول اللہ
 میرے جدِ بنی یا میرے۔ اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے اور اگر میرا جد کہے تو پھر تو نے میرے پدرِ بزرگوار
 کو بہترین آلِ رسول تھے کیون شہید کرایا۔ کیون انکی مخدرات عصمت و طہارت کو گنہگار قید یونکی طرح شہید کر
 پھرایا۔ کیون مجھے بے پردہ کیا اور کیون میرے جبر کے دین میں رخنہ ڈالا۔ یہ کہہ کر امام زین العابدین نے اپنا گریبان
 چاک کر ڈالا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تلو خدا کی قسم سچ بتاؤ کہ میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کا جد
 خدا کا نبی اور حبیب ہو۔ امام زین العابدین کی تقریریں کراہل شام اس قدر روئے کہ اُن میں اکثر بیہوش ہو گئے
 یزید ڈرا اور اُس نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیکر سب کو نماز میں مشغول کر دیا۔ تاریخِ کامل اور روضۃ الاحباب
 سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل بیت رسالت صلوٰۃ اللہ علیہم باجارت یزید دمشق سے مدینہ پہنچے تو اہل بیت
 میں کھرام مچ گیا اور اولادِ مہاجرین و انصار سے سب چھوٹے بڑے روتے ہوئے اُنکے استقبال کو باہر نکلے
 صاحبِ تاریخِ کامل لکھتے ہیں کہ اس وقت دخترِ عقیل بن ابی طالب چند غمناک اشعار پڑھتی ہوئی آئیں
 جن کا حاصل مقصود یہ ہے کہ اے اُمّتِ آخرہ کے لوگو رسولِ مقبول کو کیا جواب دو گے جب وہ پوچھیں گے
 کہ تم نے میرے بعد میری عسرت و اہل بیت کے ساتھ کیا کیا جو میں سے بعض تعذیب ہوئے اور بعض قتل
 ہو کر اپنے خون میں آلودہ پڑے ہیں۔ میری ہدایت اور نصیحت کا یہ بدلا تھا کہ تم نے میری اولاد کے ساتھ
 ایسا بڑا سلوک کیا۔ پھر روضۃ الاحباب میں ہے کہ ناگمان حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا نالان و گریان
 کر بلا کی خاکِ خون شدہ کا شیشہ ہاتھ میں لیے مع دخترِ بیمار امام حسین کے اپنے حجرے سے باہر تشریف لائیں

جب قافلہ اہلبیت نے حضرت ام سلمہ کو اس حالت سے آتے ہوئے دیکھا تو ان کا سوز و گلزدونا ہو گیا۔ اور مقتل ابی محنت میں ہے کہ ام کلثومؓ با چشم گریان و دل بریان مسجد نبویؐ کی طرف بڑھ کر کہنے لگیں کہ السلام علیک یا جد امجد میں آپ کے پاس حسینؑ کی خبر شہادت لائی ہوں۔ ان کے جگر خراش میں پر توجہ اور بکا کا شور اور زیادہ ہو گیا۔ پھر امام زین العابدینؑ نے قبر رسولؐ کی طرف بڑھ کر چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے جد اے خیر المرسلین میں آپ کے پاس فریاد لایا ہوں اس حالت سے کہ غم زدہ بیمار اور اسیر ہوں۔ نہ میرا کوئی حامی ہے نہ مددگار۔

تذکرۃ الحفاظ ذہبی و احیاء العلوم عراقی و جواہر العقیدین سمودی و حلیۃ الاولیاء ابو نعیم و ریاض مستطاب یحییٰ عامری و روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کثیر الطاعت تھے اور اپنا وقت عبادت میں بسر کیا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا لقب زین العابدین و سید الساجدین قرار پایا ہے۔ آپ علم دین میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس کمال عبادت و علم کے ساتھ آپ اپنے بزرگوں کی طرح صاحب خیر بہت تھے۔ آپ رات کے وقت اپنی پشت پر روٹیاں لا کر اہل حاجت کو ان کے مکانوں میں پوشیدہ طور پر دے آتے تھے۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ مدینہ میں ایسے بہت لوگ تھے جو نہیں جانتے تھے کہ وہ کیونکر اور کہاں سے بسر کرتے ہیں۔

جب امام زین العابدینؑ نے وفات پائی تو ان لوگوں کا وہ سامان معیشت بند ہو گیا جو رات کو ان کے گھروں میں پہنچ جایا کرتا تھا۔ دائرہ تمام خاندان محمدؐ ایسا ہی تھا کہ ہر ایک ان میں سے اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ بلاشبہ و شک بنی برحق تھے۔ اگر حضرت محمدؐ صاحب سچے نبی نہ ہوتے تو آنحضرتؐ کے اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام اس قدر صفات حمیدہ سے متصف نہ ہوتے۔ جھوٹے نبی کے اہل بیت ضرور تھا کہ معاویہ یزید وغیرہ اور ان کے معاونان کی طرح ہوتے اور قبیلہ بنی امیہ کی طرح سفاک بیرحم نشہ خوار زانی پرفریب بدکردار عیش باز جاہ طلب انصاف کش دین فروش دغا باز حاسد دنیا پرست غدار وغیرہ وغیرہ ہوتے۔ ہر فرد اہل بیت نبویؐ صلعم کے حالات پڑھ کر حضرت رسولؐ مقبول پر بے اختیار درود پڑھنے کی رغبت ہوتی ہے برعکس اس کے معاملہ بنی امیہ و معاونان بنی امیہ کا نظر آتا ہے کہ طبیعت کو ان کے ناموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور جس قابل وہ اثر رکھتے ان کے اذکار پر ویسے ہی حسب حال الفاظ دل کی زبان پر بے بلائے آجاتے ہیں۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ مدینہ میں حضرت امام زین العابدینؑ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھے طاعت خداوندی میں زندگی بسر فرماتے تھے۔ اس پر بھی اشتیاق آپ کو آرام سے رہنے نہیں دیتے تھے۔

تاریخ ابوالفتح امین درج ہے کہ اہل مدینہ بغاوت کے بعد حکم یزید سے خوب ستائے گئے۔ ان کی ایک بڑی جماعت جو شہل اشراف و انصار پر تھی قتل کی گئی۔ مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کو شکست دیکر اور تین دن تک قتل عام جاری رکھ کر لوگوں کے اسباب لوٹ لیے اور عورتوں کے ساتھ حرام کاری کو طلال کر دیا۔ پھر جناب القلوب میں دیکھا جاتا ہے کہ ہزاروں شرفاء و عوام اور حفاظ قرآن اور مردان نبی قریش تر تیغ بے دریغ کر دیے گئے۔ علانیہ طور سے فسق و زنا مباح کر دیا گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے حرام کے بچے جنے۔ علاوہ برین مسجد نبوی کے اندر گھوڑے بندھوائے گئے جنہوں نے وہاں بولیں و براؤ کیا اور جو اہل مدینہ قتل سے بچ گئے اُن سے یزید کی غلامی کی بیعت اس شرط سے لی گئی کہ یزید چاہے اُن کو بیچ ڈالے چاہے آزاد کر دے۔ چاہے اُن سے خدا کی اطاعت کرائے۔ چاہے اُن کو خدا کی نافرمانی کا حکم دے۔ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ بالآخر لوگوں نے یزید کی غلامی کا اقرار کر کے بیعت کر لی اور جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا سو امام زین العابدین علیہ السلام کے چنانچہ جب وہ مسلم بن عقبہ کے پاس لائے تو باوجودیکہ مسلم مذکور اُن کو اور اُن کے بزرگوں کو برا کہہ رہا تھا مگر سامنا ہوتے ہی کانپنے لگا اور سر و قد تعظیم دیکر امام زین العابدین کو اپنے برابر بٹھالیا۔ بعد ازاں جب امام وقت وہاں سے واپس گئے تو لوگوں نے مسلم بن عقبہ سے پوچھا کہ جس وقت تک وہ صاحبزادے نہ آئے تھے اس وقت تک تو اُن کو اور اُن کے بزرگوں کو برا کہہ رہا تھا پھر کیا سبب ہوا کہ انکے آنے پر تو نے اُن کی بڑی قدر و منزلت کی۔ مسلم نے کہا کہ میں نے قصداً اُن کی تعظیم و تکریم نہیں کی۔ بلکہ اُن کو دیکھتے ہی میرے قلب پر ایسا رعب بھاگیا کہ میں مجبور ہو گیا۔ دوسرا واقعہ حضرت امام علیہ السلام کے ستائے جانے کا یہ ہے کہ جب یزید مرا تو اُس کے بیٹے معاویہ بن یزید خلیفہ مقرر ہوئے۔ یہ صاحب چوکنہ بڑے دوستدار آلِ محمد تھے و لاے اہل بیت نبوی کے جرم میں مار ڈالے گئے۔ تب آپ کی جگہ پر بنی اُمیہ نے متفق ہو کر مروان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ مروان کی رحلت پر اُس کا بیٹا عبدالملک تخت خلافت پر متمکن ہوا اس خلیفہ کے حکم سے عامل مدینہ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق و زنجیر پہنا کر قید کیا تاکہ آپ کو نگہبانوں کی حراست میں خلیفہ کے پاس روانہ کرے۔ ذہری روایت کرتے ہیں کہ میں نے داروغہ محبس کے پاس جا کر حضرت امام سے ملنے کی اجازت چاہی اور بعد حصول اجازت قید خانے کے اندر جا کر اُن سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ کاش آپ کی جگہ میں قید ہوتا حضرت امام نے فرمایا اسے ذہری یہ نہ سمجھو کہ اس قید سے مجھے کچھ زحمت ہے اگر میں چاہوں تو ابھی رہائی ہو سکتی ہے۔ اس کہنے کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ اُنکے جسم سے بند قید علیحدہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اسے ذہری میں دو منزل ہے

زیادہ لوگوں کے ساتھ نہ جاؤں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اُن کو وداع کر کے چلا آیا۔ چوتھے دن میں نے دیکھا کہ جو لوگ حضرت امام کو اپنی حراست میں لے گئے تھے مدینہ واپس آکر انکو تلاش کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو انھوں نے کہا ہم لوگ ایک منزل میں مقیم تھے اور رات بھر علی بن حسین کی محافظت کرتے رہے مگر جب صبح ہوئی تو ہم نے انھیں پایا البتہ بذوقید محل میں موجود تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد اتفاقاً میں عبدالملک بن مروان کے یہاں حاضر ہوا تو اُس نے مجھ سے حضرت امام کا حال دریافت کیا۔ جو حالات معلوم تھے میں نے بیان کیے عبدالملک نے کہا کہ جس دن میرے گماشتوں کی حراست سے حضرت امام کا غائب ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس دن آپ میرے پاس آکر کہنے لگے تو کیوں میرے پیچھے پڑا ہے۔ میں نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم میرے پاس رہو حضرت امام نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُسی وقت باہر چلے گئے اور وائڈ مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور میں حضرت سے کچھ نہ کہہ سکا۔ واضح ہو کہ جن حضرات نے علم و حانیات کی تحصیل کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ اُن کو یہ معاملہ حیرت انگیز اور غیر ممکن الوقوع معلوم ہوگا۔ کوئی شک نہیں کہ پابند مادیات کی سمجھ سے یہ معاملہ ناممکن باہر ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے علم و حانیات سے کچھ بھی بہرہ رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ واقعہ ذیل ایک توجہ طلب قصہ ہے حضرت امام علیہ السلام کا ہے جس سے آلِ محمد صلعم کے ساتھ بنی اُمیہ کی مخالفت کا اندازہ ناواقفان حقیقت پر ہوتا ہے۔

حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اور وفیات الاعیان ابن خلکان اور صواعق مہرقہ میں ابن حجر مکی سے منقول ہے کہ جب ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کے زمانہ سلطنت میں حج کے لیے آیا اور ہنگام طواف اُس نے استلام حجر اسود کا قصد کیا۔ تو پوجہ اُردھام خواص و عوام باوجود کوشش حجر اسود تک نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً ایک طرف منبر پر بیٹھ کر مجمع کی سیر دیکھنے لگا اور منبر کے گرد سردارانِ شام نے حلقہ کر لیا تاکہ ہشام کی سلطوت شاہزادگی سب پر عیان ہو۔ اتنے میں امام زین العابدین علی بن الحسین طواف کے لیے تشریف لائے اور جب انھوں نے حجر اسود کی جانب رخ کیا تو لوگ فوراً ادھر ادھر ہٹ گئے اور امام زین العابدین نے بلا حلف حجر اسود تک پہنچ کر شرط استلام ادا کی اعیان شام میں ایک شخص نے متعجب ہو کر ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کی ہیبت سے لوگ ہٹ گئے۔ ہشام نے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل شام کا میلان علی بن حسین کی امامت و خلافت کی جانب ہو جائے بولا کہ میں اس شخص کو نہیں پہچانتا اتفاقاً اس مجمع میں فرزدق شاعر حاضر تھا۔ ہشام کا تجاہل عارفانہ دیکھ کر فرزدق سے نہ رہا گیا۔ اس نے

شامیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس شخص کو میں جانتا ہوں مجھ سے سنو کہ یہ کون شخص ہے یہ کبکرا اُسی جگہ صبح امام وقت و اہل بیت نبوی میں ایک قصیدہ فوری طور پر اپنی غایت طباعی کے زور سے اُس عاشق خدا و رسول و آل رسولؑ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس قصیدہ کا شعر اول حوالہ قلم ہوتا ہے۔

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَا وَطَاتِهِ وَالْبَيْتَ يَعْرِفُهُ وَالْحُلَّ وَالْحَرَمَ

(معنی) یہ وہ شخص ہے جسکو خانہ کعبہ اور حل و سرم سب پہچانتے ہیں اور جس کے قدم رکھنے کی جگہ کو زمین بطحا بھی محسوس کر لیتی ہے۔ صواعقِ محرقہ وغیرہ میں ہے کہ جب ہشام نے یہ اشعار سنے تو جیتے جی فی النار ہو گیا اور اسی غلش پر اس دشمنِ آلِ محمدؑ نے فرزوق کو بمقام عسکان قید کر دیا۔ کیونکہ جو جس قدر بنی اُمیہ کو اہل بیت نبویؑ سے عداوت لاحق تھی اُسی قدر وہ قبلہ و ناپاک دوستدارانِ اہل بیت نبویؑ سے بھی برسرِ کینہ رہتا تھا۔ راقم کہتا ہے وہ رے اجماع ثقیفہ تو نے کیا کیا کُل کھلائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت وفات آپؐ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ سنِ رحلت ۹۴ یا ۹۵ ہجری تھا۔ صواعقِ محرقہ میں ہے کہ آپؐ کو ولید بن عبد الملک نے زہر دلا کر شہید کر ڈالا۔ امام ابنِ صباغ مالکی کی فضول الیمینہ میں سببِ رحلتِ زہری دیکھا جاتا ہے علامہ سبط ابن جوزی بھی اپنی تذکرۃ خواص الامت میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

زہر خورانی کا مضمون روضۃ الصفائے حقۃ المجالس شواہد النبوة۔ ینابیع المودة فی القربی وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے اور فریقین کے اور علما اور محدثین کی جماعت کثیرہ نے بھی اس واقعہ کو اسی صورت میں لکھا ہے آپؐ اپنے چچا امام حسن علیہ السلام کے پاس جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

واضح ہو کہ قیدِ شام سے رہائی پا کر حضرت امامؑ نے جو بیس برس کا ل محض خانہ نشینی اور عزت گزینی میں کاٹے۔ آپؑ کا مشغلہ عبادتِ الہی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ عبادت کے سوا اکثر آپؑ کا نشانی بھی فرمایا کرتے تھے۔ امام اسحاق اسفرائینی اپنی کتاب مقتل میں لکھتے ہیں کہ جب کھانا اور پانی آپؑ کے سامنے لایا جاتا تھا تب آپؑ روتے تھے۔ ایک خادم نے ایک بار یہ حالت دیکھ کر عرض کیا کہ میری جان آپؑ پر فدا ہو اے ابنِ رسول اللہؐ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپؑ اپنے کو ہلاک نہ کر ڈالیں حضرت امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں کسی شخص سے اپنے حدودِ الہم کی شکایت نہیں کرتا مگر اپنے پروردگار سے اور میں خدا کی طرف سے اُن تمام چیزوں کو جانتا ہوں جو تمکو معلوم نہیں۔ میں قتلِ سادات کا جس وقت خیال کرتا ہوں اگر یہ مجھے گلو گیر ہو جاتا ہے۔ پانی دیکھ کر نہ ڈروں۔ یہ وہی پانی ہے جس کے پینے سے میرے باپ کو منع کیا گیا اور جسے وحشی اور سب چرند و پرند پیتے تھے۔ مگر صرف میرے باپ ہی اسے شہید کیے گئے واضح ہو کہ راقم امام زین العابدین علیہ السلام کے مصائب کو یاد کر کے اکثر رویا کرتا تھا اور اب تک

رویا کرتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ روتا ہوا قبر میں جائیگا جب راقم چار بار حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تین بار مولائے کائنات اور دو بار حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور ایک بار حضرت امام حسینؑ اور دو بار حضرت امام حسین شہید کربلا اور ایک بار حضرت امام محمد باقر اور حضرت جعفر صادق علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارتوں سے عالم رویا میں مشرف ہو چکا تو اس کا صدمہ راقم کو برابر لاحق رہا کہ واحسرتا زیارت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی کبھی نصیب نہ ہوئی۔ متناسے زیارت تو بہت کچھ تھی مگر اپنے اختیار کی بات ہی کیا تھی بہر حال ولایے حضرت امام علیہ السلام نے آخر کار اس مشرف اندوزی سے راقم کو محروم نہیں رکھا۔ ایک شب زیارت حضرت علیہ التیمم والثناء کی اس طور پر حاصل ہوئی کہ راقم نے آپ کو ایک جگہ شریف رکھے ہوئے دیکھا۔ میں جب قرب حضرت میں گیا تو مہم غیبی نے خبر دی کہ حضرت ہی امام زین العابدین سید الساجدین ہیں۔ حضرت ایک ایسی غم کی تصویر نظر پڑے کہ آپ کی غمزدگی کا بیان راقم یا کسی سے بھی احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا ہے۔ راقم کے خواب کے وقت عمر حضرت کی پچاس برس کی معلوم ہوئی۔ رنگ آپ کا صاف دکھائی دیا ریش مبارک اعتدال کا انداز رکھتی تھی۔ موئے شریف سر مبارک اور ریش مقدس کے سفید و سیاہ سے مرکب معلوم ہوئے۔ چہرے کی غمزدگی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد لب حق کو پر خندہ تو درکنار رستم کی جھلک بھی نہیں آئی ہوگی۔ یہ عالم خواب کا کچھ دیر تک راقم پر گزرا کیا اور یہ رویت حضرت امام عالی مقام کی ایسی صفائی رکھتی تھی کہ اس وقت تک ریش شریف کے بال بال راقم کے پیش نظر ہو رہے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ راقم کو ولایے رسالت مآب اور خاندان رسالت کا اجر اسی عالم نصیب ہو گیا ہے اور ایسی سیری طبیعت کو حاصل ہو گئی ہے کہ عالم آخرت کے اجر کی خس بھر بھی متناہی نہیں ہے۔ ان رویاے صادقہ سے راقم کو بہت دینی فوائد مترتب ہوتے گئے ہیں۔ حضرت مولائے کائنات صلوٰۃ اللہ علیہ کی تعلیم سے راقم پر معاملات قبر کے انکشاف کی شکل پیدا ہوئی ہے اور حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے دین اسلام کے امور حق و ناحق پر اطمینان کے ساتھ آگاہی حاصل ہوئی ہے

مصائب جناب امام محمد باقر علیہ السلام

یہ امام عالی مقام خاندان پیمبر کے امہ اثنا عشر سے پانچویں امام ہیں اور اپنے آبائے کرام کی طرح داخل چہارہ معصوم ہیں۔ فریقین کے محدثین و مورخین کا یہ مسلمہ ہے کہ واقعہ کربلا کے وقت آپ کا سن شریف پانچ برس کا تھا اور آپ اپنے پدر نامہ امام زین العابدین اور جد بزرگوار امام حسین علیہما السلام

ہمراہ تھے۔ اس بنا پر کربلا کے تمام مصائب صعب اپنے عمد طفولیت میں آپ نے ضرور اٹھائے اور طفلان
الہییت کے ساتھ اسیر ہو کر زندان کوفہ کی آفتون کو بھی بلاشبہ آپ کو برداشت کرنا پڑا۔ پس کوئی شک
نہیں کہ پانچ ہی برس کے سن سے آپ کے مصائب کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن کتب اہل سنت میں آپ کے
مصائب کا ذکر اس سے زیادہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے باپ کی طرح سے مسموم ہو کر حلت فرمائی
معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کے علماء و محدثین خلیفہ وقت کے خوف سے آپ کے مصائب کو حوالہ قلم
نہیں کر سکے ہیں۔ لیکن جب آپ کی حلت زہر کے ذریعہ سے ظہور میں آئی تو کیا کیا ستم خلیفہ وقت کی طرح
آپ پر نہ دھائے گئے ہوں گے۔ شیعہ علماء تو آپ کے مصائب بہت کچھ حوالہ قلم کر گئے ہیں مگر چونکہ ہم
کو علمائے شیعہ کی تحریرات سے اس رسالہ میں کوئی امر داخل کرنا منظور نہیں رہا ہے اس لیے صاحب
صواعق محرقہ کی تحریر پر اپنی تحریک اس جگہ خاتمہ کرتا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں تو نے مسموماً گامیہ
و دفن فی بیت الحسن علیہ السلام (یعنی) اپنے والد کی طرح سے زہر سے شہید کیے گئے اور
قبہ امام حسن علیہ السلام میں (بمقام جنت البقیع) مدفون ہوئے۔

واضح ہو کہ روضۃ الاحباب میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی ولادت باسعادت بمقام مدینہ
ماہ صفر ۱۰ شہر جمادی الاول ۱۱۱۰ ہجری میں بروز جمعہ ہوئی تھی۔ آپ کا نام محمد اور لقب باقر ہے۔ تاریخ انجمن میں مذکور ہے
کہ تھم و توسع علمی کی وجہ سے آپ باقر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ تہذیب نووی میں یہی دیکھا جاتا ہے
کہ آپ کا لقب باقر اس وجہ سے ہوا کہ آپ کے تھم نے علم کو شکافتہ کر کے اس کی جڑ اور باریکیوں کو سمجھ لیا
تھا۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں درج ہے کہ امام محمد باقر سردار بنی ہاشم تھے اور تھم علمی کے باعث باقر کے لقب سے
مشہور ہوئے۔ یعنی آپ نے علم کو شوق کر کے اس کی اصل اور باریکی کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح وفیات علیہ
ابن خلکان میں مرقوم ہے کہ امام محمد باقر علم زمان اور سردار کبیر الشان تھے اور توسع فی العلم ہونے کی وجہ
سے آپ کا لقب باقر ہوا۔ چنانچہ آپ کی مدح میں کسی شاعر نے یہ شعر کہا ہے۔ ترجمہ اُس کا یہ ہے کہ اے
پرہیزگاروں کے لیے علم کو شکافتہ کرنے والے اور اُن بہترین اشخاص سے جو پہاڑوں پر لبیک کہتے ہیں۔
روضۃ الاحباب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک روز جابر بن عبد اللہ انصاری کا
میرے پاس سے گزر ہوا۔ جب کہ وہ ٹاپنا ہو گئے تھے۔ میں نے اُن کو سلام کیا۔ اُنھوں نے میرا نام پوچھا
میں نے کہا محمد بن علی بن الحسین۔ جابر نے مجھے اپنے نزدیک لا کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں کو
بھی بوسہ دیں۔ میں اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ اُنھوں نے کہا کہ جناب رسالت مآب نے تم کو سلام کہا ہے
میں نے کہا کہ علیہ السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر جابر سے میں نے اس کی تصریح دریافت کی۔ اُنھوں نے

کہا کہ میں ایک دن رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے جابر ممکن ہے کہ تم
 ایسے وقت تک رہو کہ میرے ایک فرزند کو دیکھو جس کا نام محمد بن علی بن حسین ہوگا اور خدا اُس کو نورِ حکمت
 عطا فرمائے گا۔ اگر تم اُس سے ملو تو میرا سلام کہنا۔ یہ سلام رسائی کا مضمون تاریخ ابن جریر میں بھی اس طور
 سے دیکھا جاتا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن جابر بن عبد اللہ انصاری نے میرے پاس
 آکر کہا کہ اپنا سینہ کھولے۔ میں نے کھول دیا۔ اُنھوں نے میرے سینہ پر بوسہ دیکر کہا کہ رسول اللہؐ نے
 تم کو سلام کہا ہے پھر صواعقِ محرقہ میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن جناب رسالتؐ کی
 خدمت میں حاضر ہوا حسین بن علی رسول اللہؐ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ
 اے جابر حسینؑ کا ایک فرزند ہوگا علی اور جب بروز قیامت منادی بیان کرے گا کہ اُٹھ اے سید العابدین
 تو وہ اُٹھیں گا اور اُس کا ایک فرزند ہوگا محمد۔ اے جابر اگر تم اُس سے ملنا تو میرا سلام کہنا۔ مختصر یہ ہے کہ
 امام محمد باقر علیہ السلام کچھ ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے فرزند تھے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت جابر بن
 عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے اپنے سلام کو آپ تک پہنچا دینے کی ہدایت فرمائی تھی و اے
 ہزار و اے برہنہ امیہ و جمیع معاونان بنی امیہ کہ ایسے امام وقت کو اُن خباثتِ آب نے زہر دیکر رشید کڑوا
 وضع ہو کہ جس کی نظر میں انصاف ہے اُسے اس سے چارہ نہیں ہے کہ خاندانِ حضرت رسولؐ
 کو محبت اور تعجب کی آنکھ سے دیکھے۔ ایک ایک بزرگوار اس خاندان کے جن سے مراد ارقم وہ چارہ
 معصوم ہیں جن میں نچیتن پاک اور آئمہ اثنا عشر داخل ہیں ایسے متصف بہ صفات حمیدہ دکھائی
 دیتے ہیں کہ ہر ایک کا وجود اسلام کے برحق ہونے کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ یہ چارہ
 معصوم تقاضائے فطرت سے عابد زاہد صابر شاکر رحیم حلیم کریم صادق قانع سخی شجاع سپر چشم
 طالب آخرت تارک دنیا کم آزار راحت رسان غریب پرور نرم دل وقایہ پیشہ منکسر مزاج علم دوست
 طالب خیر مستقل مزاج دستگیر یکسان فیاض زمان حق جو صامت دل صامت طبیعت نیک طبیعت
 عدل پرور خدا پرست خدا ترس متقی پرہیزگار عالی نظر دین پرور اخلاق مند راست باز راست گنبد
 اور حق پسند گزرے ہیں۔ و اہب العطایا نے ہر ایک کو علم دین سے ہر وہافر بھی بخشا تھا اور اس
 علم کے ساتھ حسن عمل کی توفیق بھی ایسی بخشی تھی کہ سوائے انبیاء کرام کے کسی دوسرے میں نہیں
 پائی جاسکتی ہے۔ ان صفاتِ لاتعداد و لا تحصى کے موجود رہنے پر بھی امتیازِ گمراہ نے از سر و کانات
 صلعم تا امام عسکری علیہ السلام ایک تن پاک کی خس برابر بھی توفیق نہ نظر نہ رکھی۔ بعد رسالت مآبؐ میں
 امتیازِ گمراہ احکامِ نبوی سے سرتابی کرتے ہی رہے اور آن صلعم کے بعد انھیں یاد بھی نہیں رہا کہ

حدیث تشلین آپ کا قول مبارک تھا یا نہیں۔ اس فراموشی کے باعث حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے ساتھ حضرت رسول اللہ کی رحلت فرماتے ہی طرح طرح کے ظالمانہ برتاؤ شروع ہو گئے تا وقت شہادت علی رضی کو نامطوع اسی سے سامنا ہی رہا۔ پھر ازاں امام حسن مجتبیٰ تا امام حسن عسکری علیہم الصلوٰۃ والسلام امتیانِ گمراہ خاندانِ پیمبر کے ساتھ ان ایذا رسان کارروائیوں کے مرتکب ہوئے کہ آدمی کسی ذی جان کے ساتھ جائز نہیں رکھ سکتا ہے۔ حضرت پیغمبر و خاندانِ پیغمبر کے ساتھ ایسے مقدوح سلوک انسانی سمجھ سے باہر ہیں۔

راقم کا یہ قول کہ امتیانِ گمراہ حد سے زیادہ قابلِ نفرت تھے یا اس وقت بھی ہر اوقات کے اعتبار سے ہرگز غلط نظر نہیں آتا ہے۔ یہ بنی امیہ جو خلفائے وقت ہوتے گئے امتیانِ محمدی سے تھے مگر ان کے اعلیٰ درجہ کے ہائم سمجھے جانے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ از امیر معاویہ تا معاویہ ابن حارثہ بنکنا خلیفہ عبدالعزیز ابن میں کیا کوئی بھی ایسا ہے کہ جس کی طرف انسان کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ خونریزی سفاکی میاکی۔ بیرحمی منہ خواری زنا کاری عیاری کیادی زشت خوئی خود غرضی حرص پروری جفاکاری و دیگر افعالِ قبیحہ بنی امیہ کا شیوہ عام دیکھا جاتا ہے۔ ان میں ایک خلیفہ نے اپنی ایک جاریہ کے ساتھ اس کے مرنے پر ایک ہفتہ تک وطن کو جائز رکھا اور اگر متوفیہ کی سڑن کی بنا پر اس خلیفہ کے ساتھی متوفی کی لاش کو دفن نہ کر ڈالتے تو وہ خلیفہ ہائم خصلت نہیں معلوم کپ تاک ایسے فعلِ قبیح کو جاری رکھتا۔ اسی طرح ایک اور خلیفہ نے ایک اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ فعلِ بد کا مرتکب ہونا چاہا تھا۔ مگر اس کے مظلوم بھائی نے کسی طرح اپنے کو اپنے بھائی کے ظالمانہ قصد سے مامون رکھا۔ پھر خلفائے بنی امیہ سے ایک نالائق نے اپنی بیٹی کی بکارت زائل کی ہے اور اپنے اس فعل پر اس بے حیائے اپنی دانست میں ایک داد طلب شعر کہا ہے۔ اسی خلیفہ نے قرآن کو تیر بار ان بھی کیا تھا علیہم ما علیہم۔ بنی امیہ جس طرح کانٹا ہنجا قبیلہ تھا اس کے اطوار پر نگاہ ڈالنے سے نہایت حسرت ہوتی ہے کہ کیوں حضرت شیخین نے ایسے فرقہ ملعونہ کو سرخڑ چھا کر سرفرو سے زندہ کر ڈالا حضرت رسول نے تو اس قبیلہ کو پاک کو دس برس کی جانفشانی سے استقدیر کیا کر ڈالا تھا کہ اب اُسے اسلام کے مقابلہ میں کچھ شطنت کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر اپنی قائم کردہ خلافت کو برقرار رکھنے کے لیے حضرت شیخین کو وہ راہ اختیار کرنی پڑی جس سے بنی امیہ نے بہت زور آور ہو کر خاندانِ پیمبر کا قریب قریب خاتمہ کر ڈالا اور دنیا کو فسق و فجور اور الحاد سے بھر دیا حضرت شیخین کو ابوسفیان کے حاکم شام بنادینے سے البتہ کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ مگر ابوسفیان کی سرپرستی سے حضرت شیخین کا یہ بھی مطلب نکلنے والا تھا کہ اس مقدوح کارروائی سے بنی ہاشم کی سرکوبی ہو جائے گی

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ راقم اس کتاب کے سابق حصوں میں دکھلاتا چلا آیا ہے کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین نے بہت کچھ سچو سچو جھگڑا بوسفیان کو ملک شام حوالہ کیا تھا۔ بیک کرشمہ دو کار کا مضمون حضرت شیخین کی کارروائی بالا سے ثابت ہوتا ہے۔ سرپرست توقا تم کردہ خلافت کے استغناظ کی صورت کارروائی بالا ہو گئی اور آئندہ بنی ہاشم کے تہ وبالا کر ڈالنے کا بھی سامان پیدا ہو گیا حضرت شیخین بنی امیہ کی افتاد طبیعت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ آپ دونوں صاحبوں کو بنی امیہ سے اس کی پوری توقع تھی کہ بنی امیہ اہل قوت اور اہل ثروت ہو کر بنی ہاشم کا کام تمام کر ڈالیں گے اور حق بھی یہی ہے کہ تمام قبائل عرب میں بنی ہاشم کی سرکوبی کسی اور قبیلہ کے ذریعہ سے صورت امکان نہیں رکھتی تھی۔ آپ دونوں بزرگوار قبیلہ بنی امیہ کے معاملات سے قیام مکہ میں پوری واقفیت رکھتے تھے اور مدینہ اگر اس قبیلہ سے آپ کی قنیت میں اور زیادہ ترقی کی صورت پیدا ہو گئی تھی حضرت رسول اور بنی امیہ کے معاملات کو حضرت شیخین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ جنگ بدر میں ہر دو بزرگوار شریک تھے گو خلیفہ اول صاحب سے کوئی جنگی کارروائی رسول اللہ اعانت میں نظم و ضبط پر ہو سکی۔ پھر اسی طرح خلیفہ ثانی صاحب نے سارے تماشے جنگ بدر کے دیکھے گو اپنے اپنے ماموں کے رشتہ مند ہونے کی بنا پر کوئی جہادی کارروائی نہیں اختیار کی اس کے بعد جب اُحد کا معرکہ پیش آیا تو دونوں بزرگوار بنی امیہ اور دیگر کفار قریش سے لڑنے کو اُحد تک گئے مگر تاب جنگ نہ لاکر فرار ہو گئے۔ اس کے بعد غزوہ خندق پیش آیا۔ اس جنگ کے وقت بھی حضرت شیخین مدینہ میں موجود تھے مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خلیفہ اول صاحب نے کون ایسی محفوظ جگہ اختیار کر لی تھی کہ آپ سے کسی وضع کی جہادی کارروائی ظہور میں نہیں آسکی۔ اس غزوہ میں خلیفہ ثانی صاحب شریک تو ضرور ہوئے مگر آپ حکم حضرت رسول کے برخلاف عمر ابن عبدود سے مقابلہ کرنے میں برسرِ کار رہے۔ اس لڑائی میں بھی بنی امیہ و دیگر کفار قریش وغیرہ شکست نصیب پھر مکہ کو واپس چلے گئے۔ آخر میں حضرت رسول کو حنین میں اہل قریش سے مقابلہ کا اتفاق ہوا۔ حضرت شیخین حسبِ ستور سابق فرار ہو گئے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام غزوات بالا کی فقہین جو برد ازل حیدر کر اغیر فرار کے نام میں لکھی گئی تھیں ظہور میں آئیں بہ حال خلاصہ راقم کی تحریر بالا کا یہ ہے کہ قبیلہ بنی امیہ سے حضرت شیخین ہر طرح کی پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ہر دو بزرگوار حضرت رسول کی نفرت بنی امیہ سے بھی پوری اطلاع رکھتے تھے اور یہ بھی آپ دونوں صاحبوں کے احاطہ علم میں ضرور تھا کہ قرآن میں خدا سے پاک قبیلہ بنی امیہ کو شجرہ ملعونہ قرار دے چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ دونوں بزرگوار کو اس کی بھی کامل طور پر اطلاع تھی کہ بنی امیہ خاندانی عداوت قبیلہ بنی ہاشم کے ساتھ رکھتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ تمام قبائل عرب میں بنی ہاشم کا مقابل بنی امیہ کے سوا دوسرا کوئی قبیلہ نہ تھا۔ اس طرح

کی اطلاع یا یون کے ساتھ حضرت شیخین کا ابوسفیان کو حاکم شام بنانا اپنی قائم کردہ خلافت کو برپادی سے بچا لینے کی نظر سے خالی اس مقصد سے بھی نہ تھا کہ بنی امیہ بنی ہاشم کی خیر ابد الابد تک لیتے رہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود حضرت شیخین بنی ہاشم کو صدمے پہنچاتے رہے جیسا کہ طلب بیعت و احراق خانہ فاطمہؑ و رکض بطن فاطمہؑ و غصب مذک و غیرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا جائشین بھی جو تجویز کیا وہ ایک بنی امیہ ہی کو تجویز کیا جس سے امارت بنی ہاشم سے بہت دور پڑ گئی اور آئندہ ثروت بنی امیہ کی جڑ نہایت مستحکم ہو گئی۔ اس تقویت بنی امیہ سے امیر معاویہ کو غاصب خلافت ہونے میں کچھ دیر نہ لگی اور امیر معاویہ سے ایسا سلسلہ خلفائے بنی امیہ کا جاری ہوا جو ۴۹ سال تک جاری رہا۔ اتنے عرصہ میں بنی ہاشم اور ائمہ بنی ہاشم پر کیا کیا نہیں گزر گئی۔ اس کا حساب منتقم حقیقی کو معلوم ہے اور وہ رفوف جزا منکشف ہو جائے گا۔ اس قدر بنی ہاشم اور ائمہ بنی ہاشم کی خونریزیان حشر میں ضرور رنگ لائیں گی اور ان کے سبب قریب اور سبب بید کی قلعی اس دن کھل جائیگی۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ اپنی قائم کردہ خلافت کے استحفاظ کے لیے حضرت شیخین نے ایک ایسے قبیلہ کو سرنو سے پُر زور کر دیا جو حضرت رسولؐ کا گچلا ہوا تھا اور جناب الہی کا لعنت کردہ۔ اگر شیخین اپنی خلافت کو بچا لینے کی نظر سے ملک شام دیکر ابوسفیان سے آشتی پیدا نہ کر لیتے اور اپنے عہد میں حضرت عمر امیر معاویہ کو حکومت شام پر قائم نہ کر دیتے اور اپنے بعد حضرت عثمانؓ کے خلیفہ طے پا جانے کا سامان نہ کر جاتے تو حضرت رسولؐ کی قوم اور حضرت رسولؐ کے جانشینان ان جناؤں سے محفوظ رہ جاتے جو ان پر خلفائے بنی امیہ کے ہاتھوں سے پہنچتی رہیں۔ کوئی اہل انصاف سے جب ہر عہد کے بنی ہاشم کی مظلومیت پر نظر کرتا ہے تو اس کو اسکے سوا چارہ نہیں رہتا ہے کہ کم سے کم دل میں حضرت شیخین کو یاد کر کے یہ نہ کہے کہ لے باد صبا این ہمہ آوردہ تست۔

واضح ہو کہ امام محمدؑ یا قرعلیہ السلام وہ امام ہیں کہ جیسا کہ بالا میں مذکور ہوا حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کو حضرت رسولؐ نے حضرت امام کو اپنا سلام کہنے کے لیے ہدایت کی تھی۔ معاذ اللہ ایسے امام کا عیاقام کی نسبت علماء اہل سنت سے صاحب دراست البلیب لکھتے ہیں کہ حضرت امام کاذب اور مفری تھے اسی طرح اور علماء اہل سنت بقیۃ حضرت ائمہ اثنا عشر کی نسبت اسی طرح کے بے ادبانہ الفاظ استعمال کرتے گئے ہیں۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔ حضرات اہل سنت کے علماء سے نہ حضرت رسولؐ اور نہ ائمہ خاندان رسولؐ محفوظ رہے ہیں۔ اس پر بھی ایسے علماء صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ائمہ اور مجتہدین مانے جاتے ہیں ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنا تنقیص و توہین و تحقیر حضرت رسولؐ و خاندان رسولؐ پر واقع ہوئی ہے۔ ظاہر اتو یہی دکھائی دیتا ہے کہ حضرات اہل سنت کے لیے جو کچھ ہیں حضرت ثلثہؑ ہیں اور کچھ نہیں۔

مصائب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

حضرات امام داخل چار دہ معصوم ہیں اور ائمہ اثناعشر سے چھٹے امام ہیں صواعق محرقہ میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے چھوٹے فرزند چھوڑے جن میں افضل و اکمل حضرت جعفر صادق تھے اور آپ کو آپ کے والد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنا خلیفہ اور وصی کیا و فیات الاعیان میں ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق سادات اہل بیت سے تھے۔ صدق مقال کی وجہ سے آپ کا لقب صادق ہوا اور اُن کا فضل محتاج بیان نہیں ہے۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم میں عمرو بن المقداد سے مروی ہے کہ جب میں حضرت جعفر صادق کو دیکھتا تھا تو میرا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ شخص اولاد نبی سے ہے۔ کاشش ویسی ہی آنکھیں این تیسیر بخاری علامہ شبلی وغیرہ کو نصیب ہوئی ہوتیں۔ راقم کہتا ہے کہ شان خاندان پیغمبر کا یہی تقاضا تھا کہ جو کسی کوئی دیکھتا تھا بشرطیکہ اُس کی آنکھیں نور معرفت سے بہرہ رکھتی تھیں ضرور تھا کہ اُس برگزیدہ میں حضرت رسول کے آثار بزرگی درک کرے۔ اگر خلفائے بنی امیہ مسلمان ہوتے تو انھیں بھی عمرو بن المقداد کی طرح اس قبیلہ گمراہ کے خلیفہ کو ائمہ خاندان پیغمبر حضرت رسول کی شان کے نظر آتے۔ واضح ہو کہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں امام ابو حنیفہ صاحب کا یہ قول دیکھا جاتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق سے بڑھکر علم دین کا عالم نہیں دیکھا۔ راقم کہتا ہے کہ اگر خاندان پیغمبر کے ائمہ ایسے صاحب علم نہ ہوتے تو پھر کون ہوتا۔ مگر تعجب ہے کہ اس اعتراف کے ساتھ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد میں رہکر امام ابو حنیفہ صاحب کو کیونکر یہ جرأت پیدا ہو سکی کہ آپ نے فقہ کی دوکان کھول ہی ڈالی معلوم ہوتا ہے کہ حصول دنیا کی نظر سے آپ نے ایسی دوکانداری قائم کی تھی چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے بخاری ہونا چاہا تھا۔ پھر شاعر بننے کا قصد کیا۔ پھر حافظ قرآن ہونا چاہا۔ مگر ایسے کاموں میں خوشحالی کی صورت جو نظر نہ آئی تو ہمیشہ فقہ کو اختیار کر لیا اور یہ اس بنا پر کہ اس پیشہ کے ذریعہ سے قرب شاہی و حصول مدارج کا حاصل ہو جانا بعید از توقع نہ تھا۔ پس ایسا ہی ہوا کہ جب خلیفہ منصور عباسی تک آپ کی رسائی ہو گئی تو اُس خلیفہ مقہور نے یہ حکم دیدیا کہ جو کوئی کسی مسئلہ فقہ کی تحقیق امام ابو حنیفہ سے کرے اُسکو ایک اشرفی انعام دی جائے اور جو کوئی حضرت امام صادق علیہ السلام کی طرف رجوع لائے اُس سے ایک اشرفی جرمانہ کے طور پر وصول کی جائے۔ پھر کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ صاحب کی دوکانداری ایسی چل مچلی کہ شاید و باید۔ ظاہر ہے کہ سلطنت جس مجتہد کا ساتھ دے اُسکو کیونکر فروغ نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اگر منصور مقہور تک امام ابو حنیفہ صاحب کی رسائی نہیں ہوئی ہوتی تو امام صاحب کے مذہب کا دنیا میں

وجود نہیں ہوا ہوتا۔ پس عہد خلافت بنی عباس میں یہ مذہب جرہ پکڑ چکا تو آئندہ کی سلطنتوں میں اس کا رواج پاجانا ایک طبعی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کثرت کے ساتھ اس مذہب کے پیرو پر اعظم ایشیا میں دیکھے جاتے ہیں خاصکر ہندوستان میں جو اب مرکز امام صاحب کے مذہب کا نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا علم حدیث بہت مختصر تھا اس لیے اہل حدیث مذہب حنفی سے اس قدر گریزان نظر آتے ہیں کچھ شک نہیں کہ امام صاحب اجتہاد مسائل میں بہت کچھ قیاس کو دخل دیتے گئے ہیں چنانچہ حیۃ المیوان میری میں ابن شبرہ سے منقول ہے کہ ایک دن ہم اور ابو حنیفہ صاحب حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے ابو حنیفہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ نقیہ عراق ہیں۔ حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ شاید نعمان بن ثابت ہی ہیں جو اموریں میں قیاس کو دخل دیتے ہیں۔ ابو حنیفہ صاحب نے کہا کہ میں ہی نعمان بن ثابت ہوں۔ حضرت امام صادق نے اس پر فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور دین کے معاملات میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دو۔ کیونکہ اولاً جس نے ایسا کیا وہ ابلیس ہے چنانچہ اُس نے حکم الہی کے مقابلہ میں یہ کہا کہ مجھکو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ قیاس میں خطا کر کے گمراہ ہوا۔ اسی طرح تاریخ ابن خلکان میں مذکور ہے کہ امام صادق نے ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ تم اُس مجرم کے باب میں کیا فتوے دیتے ہو جس نے ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے جو جنگور باعی کہتے ہیں۔ ابو حنیفہ صاحب نے کہا کہ یا ابن رسول اللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس باب میں حکم شرع کیا ہے۔ امام صادق نے فرمایا کہ تم قیاس تو خوب دوڑاتے ہو مگر اتنا نہیں جانتے کہ ہرن کے وہ دانت ہوتے ہی نہیں ہیں جنگور باعی کہتے ہیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے اور بھی قصے قیاس رانی کے ہیں مگر ان کو بیان درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے بخیر یہ ایک نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کی موجودگی میں امام ابو حنیفہ صاحب کی دوکانداری کو اس قدر فروغ ہو سکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فروع کی بڑی وجہ سلطنت کی سرپرستی ہوئی تھی۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ خاندان پیہر سے مسلمانوں کو بے تعلقی ایک عرصہ دراز یعنی خلافت شیخین ہی کے عہد سے ہو چکی تھی۔ عموماً دین آل محمد کی طرف انھیں کچھ بھی رجحان باقی نہیں رہا تھا۔ اگر یہ حال نہ ہو اہوتا تو کبھی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت امام صادق علیہ السلام کے رہتے ہوئے اپنے کو مسلمان کہنے والے کبھی امام ابو حنیفہ صاحب کی طرف رخ کرتے۔ بڑے غضب کی بات مسلمانوں کے لیے یہ ہوئی کہ امام وقت کی پیروی سے اُس وقت کے مسلمان محروم رہ گئے اور اس وقت تک ایسا رنگ بندھا ہوا ہے کہ خاندان پیہر کے اماموں کی پیروی سے کروڑوں مسلمان محروم چلے آئے ہیں اور قیامت

محروم رہ جائیں گے۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ منصور مقہور سادات بنی حسن کو تباہ کر کے امام جعفر صادق علیہ السلام کی جان لینے کی فکرین کرنے لگا۔ بار بار آپ کی طرف اشارہ کر کے حضرت امام کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہ میرے گلے کی انگلی ہوئی پڑی ہے۔ منصور دنیاوی حکومت کے علاوہ دینی امارت کا بھی بے حد متمنی تھا مگر جبکہ حصول آپ کی موجودگی میں دشواری سے خالی نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دستگیری ابوحنیفہ صاحب کی اسی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ امام ابوحنیفہ کی دستگیری سے اُسے حضرت امام صادق علیہ السلام کی زک وہی مد نظر تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے حضرت امام علیہ السلام کا کچھ نہیں بگڑا۔ وہ خود گھائے میں رہا اور جن لوگوں نے حضرت امام علیہ السلام سے علیحدہ دینی راہ اختیار کی بلا شہمہ گھائے میں رہے۔ بہر حال حضرت امام علیہ السلام کی جان لینے کے لیے وہ مقہور پانچ مرتبہ سے کم نہیں آپ کو پاس طلب کرتا گیا مگر آپ کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔ حضرت امام کے گھر میں آگ تک بھی لگا دی گئی۔ پس جب اس نے دیکھا کہ تیغ و خنجر سے آپ کا قتل انجام پانے والا نہیں نظر آتا ہے تو پرانی ترکیب زہر خورانی کی عمل میں لایا۔ اپنی حکومت کے دسویں سال ۲۷ھ ہجری میں اُس دشمن خدا نے محمد ابن سلیمان والی مدینہ کے پاس زہر آلود انگور بھجوائے جس کے کھانے سے امام عالی مقام علیہ السلام اپنے نانا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہر دوسرا اور دادا جناب علی مرتضیٰ شیعہ خدا صاحب ہل انی صلوٰۃ اللہ علیہ کی خدمت والا برکت میں شریعت شہادت پیے ہوئے حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز ستہ گار بدر روزگار۔ ہما نذر ولعنت پادگار

مصائب حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام داخل چہارہ معصوم اور خاندان پیہر کے ائمہ اثنا عشر سے ساتویں امام ہیں۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ ۲۷ھ ہجری میں آپ موضع ابوا میں پیدا ہوئے۔ اس کتاب کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ صاحبزادے تھے۔ ان میں سے حسب تحریر روضۃ الاحباب آپ بروے قدر و منزلت بزرگترین اہل عالم تھے اور اپنے پدر بزرگوار کی نص کے مطابق اُن کے بعد ولی امر امامت ہوئے۔ اسی طرح صواعق میں ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام علم و معرفت و کمالات و فضائل اپنے والد ماجد کے وارث ہوئے اور ان کا لقب کاظم اس وجہ سے ہوا کہ وہ بے انتہا بردبار اور حلیم المزاج تھے۔ اہل عراق میں انکا لقب ”باب قضاء الحوائج عند اللہ“ مشہور تھا۔

یعنی خدا کے نزدیک حاجت روائی کے دروازہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھکر عابد اور عالم اور سچے تھے۔ تاریخ ابن خلکان میں بھی ہے کہ امام موسیٰ کاظم بہ لحاظ عبادت و اجتہاد عبد صالح کے لقب سے پکائے جاتے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ حضرات اللہ خاندان پیغمبر کے سب کے سب ایسے صفات سے متصف نظر آتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے انبیاء محترم کے سوا اور کسی طبقہ کے بنی آدم میں ان صفات کا جلوہ دکھائی نہیں دیتا ہے۔ واقعی یہ حضرات اللہ ہر چند کوئی نبی نہیں ہیں مگر ضرور عند اللہ ان حضرات کا کچھ ایسا ہی رفیع درجہ ہے کہ ہم انسانی اُسکے درک سے قاصر ہے۔ ایک فرقہ مسلمانوں کا ایسا بھی ہے کہ حضرات چہارہ معصوم کو چہرہ خدا مانتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ گمراہی کی بات ہے۔ مگر رشتہ شان ان معصومین کی ایسی ہی نظر آتی ہے کہ انسان بدحواس ہو کر ایسی گمراہی اختیار کرے۔ حق یہ ہے کہ حضرت رسول اور اللہ خاندان حضرت رسول خدا نہیں ہیں۔ مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔ اللہ اکبر۔ لاریب خاندان نبوی کے ایک ایک امام باللہ العظیم خدا دان خدا نما اور خدا شان ہیں۔ یہ تو تخریز خیز عالم خاندان پیغمبر کے خیل اللہ کا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ امتیان محمدی کے جو جو سلوک ہوتے رہے ہیں وہ ایسے نظر آتے ہیں کہ واللہ باللہ کسی کا فریہ شقاوت سے بھی ظہور میں نہیں آسکتے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

ان تمام بدسلوکیوں کی بنا یہی نظر آتی ہے کہ امتیان محمدی حدیث ثقلین کے مضمون کو پورے طور پر بھول گئے یا ابتائے جنس کے اثر سے بھولائے گئے۔ اس فراموشی کا پہلا نتیجہ حضرت شیخین کی قائم کردہ خلافت ہے اور اس کے بعد کے نتائج خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس وما یعلق بھما ہیں

۵ خشت اول چون ہند ما رنج تاثر یا می رود دیوار کج

ہزارا فسوس کہ طالبان دنیا نے مغرب بہ اسلام ہو کر بھی خاندان پیغمبر کی خس برابر قدر شناسی نہ کی۔ لیکن جب مسلمانان نامسلمان طالب دنیا ہی تھے تو خاندان پیغمبر کے قدر شناس کیونکر ہو سکتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کے سلوک خسروانی پر اب دوستاران اہلبیت نبوی اپنی توجہ مبذول فرما دیں جو واعی محرقہ میں ہے کہ جب وہ خلیفہ عباسی حج کو آیا تو مسلمانان نامسلمان نے حضرت امام کے بارے میں چیخلی کی کہ آپ کے پاس ہر طرف سے مال چلا آتا ہے۔ اتفاق سے ایک روز ہارون رشید خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت امام علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور کہنے لگا کہ تم ہی ہو جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں حضرت امام نے فرمایا کہ ہم دونوں کے امام ہیں اور تم جموں کے۔ یعنی حقیقتاً امام ہم ہیں گویا ہر تم سمجھے جاتے ہو۔ نیز کتاب بالامین ہے کہ ہارون رشید نے حضرت امام علیہ السلام سے پوچھا کہ تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہ کی فدیت ہیں حالانکہ تم علی کی اولاد ہو اور ہر شخص اپنے دادا سے

منتسب ہوتا ہے نانا سے نہیں۔ حضرت امامؑ نے فرمایا کہ خدا کے کریم قرآن مجید میں ارشاد کرتا ہے ومن ذریئہ داود و سلیمان و ایوب و ذکر یا و یحییٰ و عیسیٰ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے پس جس طرح وہ اپنی والدہ کی نسبت سے ذریئہ انبیاء میں طحی ہوئے اُسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی جناب فاطمہؑ کی نسبت سے جناب رسول خدا کی ذریئہ تھیں۔ پھر فرمایا کہ جب آیہ مبارک نازل ہوئی تو مبارکہ کے وقت پیغمبر خدا نے سوا علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے کسی کو نہیں بلایا اور بھو اسے ایناعنا حسنؑ اور حسینؑ ہی رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے۔ وائے ہزار وائے ہارون رشید تھیں کہ تیرا دل ولانے آئی محمدؐ سے تا متر خالی تھا۔ تجھے خوب معلوم تھا کہ مخالف اہلبیت قطعی جہنمی ہوتا ہے۔ اس پر بھی امامؑ وقت کے ساتھ تو نے وہ سلوک کیے جو تیرے پہلے کے دشمنان اہلبیت سے ظہور میں آتے گئے تھے ہارون رشید کی بدکرداری کا ایک اور واقعہ یہ ہے (دیکھو و فیات الاعیان) کہ جب وہ حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے روضہ مقدسہ پر جناب رسالتؐ کے حاضر ہوا تو اُس کے گرد قریش اور دیگر قبائل عرب جمع تھے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی اُس وقت وہاں موجود تھے۔ ہارون نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر مبارک کی طرٹ مخاطب ہو کر کہا کہ سلام ہو آپ پر اسے رسول اللہؐ اسے ابن عم تب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام ہو آپ پر اسے پدر بزرگوار۔ یہ سنکر ہارون کا رنگ فن ہو گیا اور اُس نے حضرت امام کو اپنے ہمراہ بغداد لیجا کر قید کر ڈالا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت امام علیہ السلام نے حسب تاریخ ابوالفدا سلسلہ ہجری میں بمقام بغداد قید خانہ ہارون رشید میں وفات پائی اور تاریخ خمیس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھئی بن خالد ربکی نے حکم ہارون عاقبت برباد سے آپ کو رطب مین نہر دیا اور اخبار الخلفاء ابن السامی میں ہے کہ بر بنائے اخبار صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام علیہ السلام بحالت مظلومی سموم ہو کر شہید ہوئے اور بغداد کے اُس مقبرے میں دفن کیے گئے جو مقابر قریش کے نام سے مشہور ہے لعنت خدا بر جمیع ظالمان آل محمدؐ تا ابد الا باؤ۔ حضرت امام علیہ السلام کی رحلت کے بعد آپ کی لاش کے ساتھ جو بے ادبیاں روا رکھی گئیں وہ یہ تھیں کہ جب ملازمین خلیفہ کے انتظام سے لاش اٹھائی گئی تو حسب بیان سیب دربار ہارون کے نقیب و چہ دار (لعنت آپہ اور اُن کے آقاے نامسلمان پر) یہ ندا کرتے چلے جاتے تھے کہ جسکو خبیث ابن خبیث کو دیکھنا منظور ہو وہ اس میت کو دیکھ لے۔ اس اشارہ میں سلیمان ابن ہادی جو ہارون لعین کا بھائی ہوتا تھا لاش مقدس کو دیکھ کر بوچھنے لگا کہ یہ کس کی لاش ہے۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ لاش پاک حضرت امام علیہ السلام کی ہے اور آپ نے قید خانہ میں انتقال فرمایا ہے اور حکم شاہی یہ ہے کہ لاش مظلوم کو بغداد کے پل پر رکھ دو اور کوئی شخص نماز جنازہ کا شریک نہ ہو تو وہ خلوص پرور (رحمت خدا کی سپر)

منایت متاذا ہی ہو کر سو پا بہنہ دوڑا اور نقیبوں اور چوکیداروں کو بہت ڈانٹا اور حکم دیا کہ لایعنی کلمات بالا کے عوض یہ کہیں کہ جس شخص کو طیب ابن طیب کو دیکھنا ہو اس لاش پاک کی زیارت کرے۔ اس کے بعد سلیمان نے آپ کے جنازے کا خود انتظام کیا۔ جملہ اکابر و علماء بغداد اور تمام شہر کے خواص و عوام جمع ہوئے اور سلیمان کے ساتھ شریکیہ یون دما تم ہوئے پھر لیٹ و سرافن قیمتی جس پر پورا قرآن لکھا ہوا تھا آپ کی لاش مطہر کو سلیمان نے تدر کیا اور بڑے اعزاز و اکرام سے جنازے کو کاندھا دیکر مقابر قریش یعنی کاظمین مقدس میں مدفون کر دیا۔ معاذ اللہ کس قسم کے مسلمان ہارون رشید اور اُس کے ہمبھنس تھے جو امام وقت اور ایسے امام عالمی مقام کی لاش کے ساتھ اس طرح کا سلوک بد روا رکھ سکے۔ اسے سنی سید بھائیو ایسے مسلمانوں کی اس وقت بھی کمی نہیں ہے۔ آپ حضرات نے جس دین کو اختیار کیا ہے اُس دین میں ایسے مخالفان الہبیت کی بالقولے کمی نہیں ہے بالفعل نہونہو۔

واضح ہو کہ علمائے اہل سنت کو اس سے اعتراض ہے کہ ہارون رشید نے امام کاظم علیہ السلام کو زہر دیا کہ رشید کر ڈالا چنانچہ صواعق محرقہ میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے سندی کو حضرت امام علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا اور سندی میں اور بروایتے رطب تازہ میں آپ کو زہر دیدیا۔ پھر ابن حجر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہارون آپ کو مدینہ سے بغداد لے گیا اور وہاں آپ کو قید میں رکھا یہاں تک کہ زہر سے آپ کا کام تمام کر ڈالا۔ ملا عبد الرحمن جامی بھی شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ یحییٰ ابن خالد برکی نے ہارون کے حکم سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو زہر دیا۔ اسی طرح تاریخ روضۃ الصفا میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ یحییٰ ابن خالد برکی نے ہارون الرشید کے اعزاز سے حضرت امام علیہ السلام کو قید خانہ میں زہر دے کر قتل کر ڈالا۔ لعنت اللہ علی الظالمین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قید خانہ میں حضرت امام علیہ السلام رکھے گئے تھے وہ ایک طرح کا بنجر تھا اور ایسا تنگ تھا کہ حضرت امام اس میں کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتے تھے مگر وہ رے صبر اور عادت عبادت گزارہ حضرت امام کی کہ اُس بنجرے میں ایک عرصہ تک آپ بلا شکوہ و شکایت زندگی بسر کرتے رہے اور کوئی دم یا خدا سے غافل نہیں رہے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کی اولاد کے ساتھ ایسے ایسے ستم روا نہیں رکھے ہیں جیسے کہ امتیان محمدی سے ظہور میں آتے گئے ہیں اور آج تک بھی اُن کا ظہور بند نہیں ہوا ہے۔ اہل انصاف کے نزدیک یہ سب تماشے اجماع سنیغہ بنی ساعدہ کے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صرف واقعہ کربلا ہی نہیں نتیجہ طبعی اُس اجماع حق کشی کا ہے بلکہ جتنے مظالم زمانہ گزشتہ میں ہوئے ہیں یا آج بھی ہو رہے ہیں یا قیامت ہوتے رہیں گے یہ سب کے سب تماشے اُسی اجماع کے مقصور ہیں زمانہ حال میں یہ سلطنت انگلشیہ ہی کی خیر پرت ہے

کہ اب تک ہندوستان میں آل محمد کا وجود باقی ہے۔ میری اس تحریر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سلطنت انگلشیہ سادات پرور ہے۔ مراد میری اس تحریر سے یہ ہے کہ اس سلطنت کے اصول حکمرانی اس نہج پر واقع ہوئے ہیں کہ جن سے ضعیف و ناتوان کو سرکش اور زور آور فرقہ سے کسی درجہ تک امن کی صورت حاصل رہتی ہے۔ اگر مصالح خداوندی سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت قائم نہ ہوئی ہوتی تو دستدارانِ اہلبیت نبوی جن کی تعداد ہندوستان میں بہت نہیں ہے اور اسی طرح کے اور کم تعداد فرقے نامتعدادمردم ہو جاتے

مصائب حضرت امام علی رضا علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام خاندانِ پیغمبر ائمہ اثنا عشر سے آٹھویں امام ہیں۔ آپ کا لقب امام ضامن ثامن ہے۔ آپ اپنے آبائے کرام کی طرح ذی علم تھے۔ علامہ سید شریعت جرجانی شرح مواقف میں لکھتے ہیں کہ جعفر اور جامعہ حضرت علی علیہ السلام کی دو کتابیں ہیں جس میں بطریق علم الحروف اُن تمام حوادث کا ذکر ہے جو انقراضِ عالم تک واقع ہوں گے اور جامعہ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد سے تھے وہ جعفر اور جامعہ کو جانتے تھے اور اُن دونوں کے موافق حکم دیتے تھے حضرت امام رضا علیہ السلام بھی اپنے آبائے کرام کے جعفر اور جامعہ پر حاوی تھے۔ چنانچہ شرح مواقف میں ہے کہ جو کتبہ قبول ولیمہ دی کا امام علی رضا نے مامون کو لکھا اس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ مامون نے ہمارے اُن حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو اُسکے آبا و اجداد نے نہیں پہچانا تھا۔ لہذا میں نے اُس کی درخواست ولیمہ دی کو قبول کیا اگرچہ جعفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہیں پہنچے گا۔ صواعقِ محرقہ میں درج ہے کہ حضرت امام ہفتم یعنی امام موسی کاظم کی اولاد میں حضرت امام رضا علیہ السلام قدر و منزلت کے اعتبار سے اجل و افضل تھے اور صاحبِ اکسیر بھی لکھتے ہیں کہ افضل اولاد امام موسی کاظم علیہ السلام بلکہ اشرافِ مخلوق زمانہ علی بن موسی الرضا تھے۔ وسیلۃ النجات میں ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کو علم ماکان و مایکون آبا و اجداد سے ورثاً پہنچا تھا۔ پھر روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ امام علی رضا ہر زبان اور لغت میں فصیح اور دانائے ترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا آپ اُسے اُسی زبان میں جواب دیتے تھے آپ کے وفورِ علم کا پتا اس سے بھی لگتا ہے کہ علامہ قزوینی نے شرح حاوی صغیر میں اور ملا محمد مبین لکھنوی نے وسیلۃ النجات میں جامع الاصول ابن اثیر جزری سے نقل فرمایا ہے کہ صدی دوم کے آغاز پر مذہبِ امامیہ کے مجدد حضرت علی بن موسی الرضا تھے علاوہ وفورِ علم کے امام رضا علیہ السلام اپنے آبائے کرام کی طرح بہت کچھ توفیقِ عبادت رکھتے تھے۔

اور تمام اُن صفات سے متصف تھے جو حصّہ امّہ خاندان پیغمبر کا ہے۔

واضح ہو کہ ہارون الرشید نے دو بیٹے چھوڑے ایک امین اور دوسرا مامون۔ امین اپنے باپ کا جانشین ہوا (تاریخ ابوالفدا) تاریخ الخلفاء میں مندرج ہے کہ جب امین نے ارادہ کیا کہ مامون کو ولیعہدی سے علیحدہ کر دے اور جب اس ارادے کی خبر مامون کو معلوم ہوئی تو مامون نے امین سے مقابلہ کا سامان کیا۔ لڑائی میں مغلوب ہو کر جب مار ڈالا گیا تو حسب تحریر ابوالفدا مامون سلطنت عباسیہ کا مستقل بادشاہ ہو گیا۔ بادشاہ ہو کر حسب تاریخ اختلاف سیوطی مامون نے یہ منادی کرائی کہ شخص امیر معاویہ کا ذکر اچھائی کے ساتھ کرے گا اُس سے میں (مامون) بری الذمہ ہوں۔ پیغمبر بھی اعلان کیا کہ رسول اللہ کے بعد علی بن ابی طالب (صلوٰۃ اللہ علیہ) افضل خلق اللہ ہیں۔ فتوح البلدان بلاذری میں یہ بھی ہے کہ مامون نے حکم دیا کہ فذک کی جائداد اولاد فاطمہ کو واپس کی جائے۔ چنانچہ مبارک طبری کو لکھ بھیجا کہ فذک کی جائداد معہ اُسکے حدود و حقوق کے وراثت فاطمہ بنت رسول اللہ کو واپس دی جائے صاحب وسیلۃ النجات لکھتے ہیں کہ پہلے مامون نے ارادہ کیا تھا کہ خود امر خلافت سے معزول ہو کر منصب خلافت حضرت علی رضا علیہ السلام کو سپرد کرے اور جب اُس نے اس بات کا اظہار حضرت امام سے کیا تو آپ نے مامون سے فرمایا کہ اگر تیری خلافت منجانب اللہ ہے تو یہ کب جائز ہو سکتا ہے کہ تو اُسے دوسرے کو بخشے اور اگر خلافت تیرا حق نہیں ہے تو تیری تفویض سے کیا ہوتا ہے راقم کہتا ہے کہ اللہ ری حضرت امام کی حق جوئی اور حق گوئی۔ کہن خلافت سے استغنا اور کہان سقیفہ بنی ساعدہ کی خلافت جوئی اور امیر معاویہ اور یزید کی خلافت یابی کے لیے خونریزی) مامون نے کہا کہ یا ابن رسول اللہ میری درخواست قبول کر حضرت امام نے فرمایا کہ میں اپنی مرضی سے ہرگز قبول نہ کروں گا (راقم کہتا ہے کہ واہ ری حضرت امام کی سیر چٹپی اور دینی حوصلہ مندی۔ حق یہ ہے کہ آل نبی اور اولاد علیؑ اور امام خاندان پیغمبر ہوئے بغیر اس طرح کی دنیا سے لاپرواہی کسی نفس میں پیدا نہیں ہو سکتی ہے) چنانچہ دو بیٹے تک یہی سہماحتہ پیش رہا کہ مامون اصرار کرتا تھا اور حضرت امام علیہ السلام انکار فرماتے تھے۔ مامون نے کہا اچھا اگر تم خلافت کو قبول نہیں کرتے ہو تو ولیعہد ہونا منظور کرو۔ حضرت امام نے فرمایا کہ میرے پورے خبری ہے کہ میں مسموم ہو کر تجھ سے پہلے اس جہان فانی کو چھوڑ دوں گا پھر کیونکر ولیعہد ہونا منظور کروں۔ بالآخر بعد گفتگو سے بسا حضرت امام نے فرمایا کہ خیر تیرے اصرار پر میں اس شرط سے ولیعہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ کسی کو مقرر کروں نہ کسی کو معزول کروں اور بساط حکومت پر دور ہی سے نظر کروں اس کے قریب نہ جاؤں (راقم کہتا ہے کہ ایسی شرطوں کے لگا دینے سے حضرت امام نے حق یہ ہے کہ خلافت تو خلافت

ولیعہدی سے بھی اپنے کو دور رکھا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت امام کیا تارک دنیا تھے کہ حصول دنیا کی ہوا بھی اپنے کو لگنے نہ دی۔ اسے سنی سید بھائیو ناحق کے طالبان خلافت پر نظر ڈالیے۔ ایسے حضرات حصول خلافت کے لیے کیا کیا نہیں کر گزرے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مامون ان شرائط پر راضی ہوا اور حضرت امامؑ نے آسمان کی طرف منھ کر کے فرمایا کہ خدا تو جانتا ہے کہ میں اس امر کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہوں اور بضرورت اسکو منظور کرتا ہوں۔ بارالہا مجھ سے اس باب میں کوئی مواخذہ نہ فرما جس طرح تو نے اپنے دو بندگان پیغمبر یوسف اور دانیال سے مواخذہ نہیں کیا جبکہ انھوں نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی جانب سے ولیعہد ہونا قبول کیا تھا۔ پروردگار میرے کوئی عہد نہیں ہے مگر تیرا عہد اور کوئی ولایت نہیں مگر تیری جانب سے (راقم کہتا ہے کہ حضرات اہل انصاف حضرت امام علیہ السلام کے معاملات خلافت و ولیعہدی کو امیر معاویہ اور یزید کی خلافت و ولیعہدی سے مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ خدا پرستی اور دنیا پرستی کا کیا فرق ہوتا ہے۔ تارک دنیا اور طالب دنیا کی مثال معاملات بالا سے بہتر کہیں دکھائی نہیں دیتی ہے) یہ حکم حضرت امام علیہ السلام نے بادل ناخواستہ ولیعہد ہونا قبول کیا اور جب عید کا دن آیا تو مامون نے حضرت امام کو کہلا بھیجا کہ نماز کے لیے سوار ہوں اور عید گاہ جا کر نماز اور خطبہ پڑھیں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ میں نے یہ شرط کر لی ہے کہ بساط حکومت کے نزدیک نہ جاؤں گا۔ لہذا مجھے نماز خطبہ سے معاف رکھو۔ مامون نے بہت اصرار اور الحاح کیا۔ اسپر حضرت امام نے فرمایا اگر تو معاف کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں نماز عید کے لیے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد جناب رسول خدا شریف لیجاتے تھے مامون نے کہا تمہیں افتیاء ہے جس طرح چاہو جاؤ۔ بعد ازاں خدام و سپاہ کو مامون نے حکم دیا کہ حضرت امام کے دروازے پر حاضر ہوں چنانچہ بعد طلوع آفتاب حضرت امام نے کپڑے پہنے۔ دستار سفید سر پہ باندھی عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لیکر عید گاہ کے لیے تیار ہوئے۔ اس کے بعد حضرت امام باہر نکلے۔ پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر ان کے ساتھ خادمین اور لشکریوں نے بھی تکبیر کی راوی کا بیان ہے کہ جب حضرت امامؑ تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ درود پوار زمین و آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے۔ پس یہ حالت ہوئی کہ تمام اہل شہر گریہ و زاری کرنے لگے جب اس کی اطلاع مامون کو ہوئی تو فضل بن سہیل نے مامون سے کہا کہ اگر حضرت امام اسی حال سے عید گاہ تک جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہوگا اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیونکر سلامت رہیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حضرت امام کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ میں تمہیں عید گاہ جانے کی تکلیف دیکر متاسف ہوں اور اب تمکو مشقت میں لانا نہیں چاہتا

ہوں۔ مناسب ہے کہ اپنے قیام گاہ کو واپس آؤ اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ اٹھاؤ۔ ذیل میں راقم امام
 برحق اور مصنوعی کا فرق دکھلاتا ہے جس سے امام برحق اور امام مصنوعی کے انداز میں طور پر ظاہر ہوتے ہیں
 واضح ہو کہ امام برحق خداے تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا امام ہوتا ہے اور امام مصنوعی خود ساز ہوتا ہے
 یا دشاہ وقت کا فروغ دادہ۔ امام برحق احکام خداوندی کی طرف دعوت کرنے والا ہوتا ہے اور امام مصنوعی
 کو حصول دنیا کی فکر کے سوا کوئی دوسری فکر نہیں ہوتی ہے۔ امام برحق کی مثال اللہ خاندان پیغمبر ہیں۔
 از علی مرتضیٰ تا امام آخر الزمان علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امام مصنوعی کی مثال امام ابو حنیفہ صاحب
 اور آپ کے شاگرد قاضی امام ابو یوسف صاحب وغیرہ۔ خود امام ابو حنیفہ صاحب کے بیان سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ آپ نے فقہ کی دوکان حصول منفعت دنیاوی کے لیے کھولی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم نے
 سخنوی حافظ قرآن یا شاعر بننا چاہا تھا۔ مگر ایسے پیشوں میں ہم نے صورت بہت منفعت کی نہیں دیکھی
 تب فقہ کی دوکان اس بنا پر کھولی کہ فقہ سے غرض سلاطین و امرا و اہل دول کو ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ
 ایسا ہی ہوا کہ پیشہ فقہ کو اختیار کرنے کے بعد آپ کی رسائی منصور عباسی تک ہو گئی اور چونکہ آپ بہت
 زکی الطبع تھے منصور پر سکے فوراً جما ڈالا۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے منصور نے پوچھا کہ تم نے
 علم اندوزی کس سے کی۔ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ ابن عباس سے۔ ابن عباس کا نام سنتے ہی
 منصور مقہور باغ باغ ہو گیا۔ اس وقت سے منصور اس فکر میں ہو گیا کہ آپ کے اجتہادات کشادہ پیشانی
 کے ساتھ ملک میں رواج پاویں۔ چنانچہ اُس دشمن آل محمد نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی کسی مسئلہ کی
 تحقیق حضرت صادق علیہ السلام سے کرے اُس سے ایک اشرفی جرمانہ کے طور پر وصول کی جائے
 اور جو امام ابو حنیفہ صاحب کی طرف رجوع کرے اُس کو ایک اشرفی انعام کے طور پر دی جائے۔ ایسی کیسی
 آپ کی دوکانداری فقہ کی بہت جلد رونق پکڑ گئی۔ حتیٰ کہ آپ امام وقت ہو گئے۔ کوئی شک نہیں کہ خلیفہ
 وقت نے آپ کو خوب بڑھایا۔ یہ اسی قسم کا بڑھانا تھا جیسا کہ اس زمانے میں غیر متدین اجلاس میں بھی
 کبھی کوئی کونسل یا وکیل نامدوح طریقہ سے فروغ یاب ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے امام ابو حنیفہ
 صاحب کے معاملات پر نظر ڈالی ہوگی وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب منصور
 عباسی کے امام بنائے ہوئے تھے خدائے پاک نے آپ کو امام کو نہیں بنایا تھا۔ آپ نے حصول دنیا کے
 لیے فقہ کی دوکان کھولی تھی اور مساعدت وقت سے آپ امام اعظم قرار پا گئے۔ ایسا حال آپ کے شاگرد
 قاضی امام ابو یوسف صاحب کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی منفعت اندوزی کی نظر سے فقہ کا پیشہ
 اختیار کیا تھا۔ آپ اپنے پیشہ کی ایسی قابلیت رکھتے تھے کہ اگر آپ کا وجود باوجود نہ ہوتا تو امام ابو حنیفہ صاحب

کی دوکانداری منصور عباسی کی اعانت کے ساتھ بھی وہ فروغ نہیں پاسکتی جو آپ کی بدولت اُسے نصیب ہو سکی۔ قاضی صاحب کی منفعت اندوزی کی ایک مثال ذیل میں درج کیجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں فقہ کا پیشہ ویسا ہی نفع انگیز تھا جیسا کہ اسوقت میں بیرسٹری اور وکالت کا پیشہ دیکھا جاتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اُس وقت کے پیشہ فقہ کو یا اسوقت کی بیرسٹری یا وکالت کو کی طرح کی خدائی نسبت حاصل نہیں ہے۔ نہ اُس وقت کا کوئی مصنوعی امام اور نہ اس وقت کا کوئی بیرسٹر یا وکیل خدا سے تعالیٰ کا امام مقرر کردہ مانا جاسکتا ہے۔

۱۔ الخلفاء سیوطی میں ابن مبارک سے منقول ہے کہ جب ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گیا اور اُس سے مقاربت کی خواہش ظاہر کی۔ لونڈی نے کہا کہ میں تمہارے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں۔ مگر ہارون رشید کا عشق ایسا شدید تھا کہ اُس نے اُسی وقت قاضی ابویوسف کو بلا کر کہا کہ اُس لونڈی کے حلال ہونے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ قاضی حنا نے کہا کہ کیا یہ لونڈی جو کچھ کہے اس کو سچ باور کر لینا چاہیے؟ ہرگز نہیں۔ آپ اس کی بات کو نہ مانیں کیونکہ وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کس پر تعجب کروں۔ آیا اُس بادشاہ پر جس نے اپنے باپ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا یا لونڈی پر جس نے بادشاہ کی خواہش سے انکار کیا یا قاضی صاحب فقہیہ زمانہ پر جنہوں نے ہارون رشید کو اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی متہک حرمت کر کے اپنی خواہش کو پورا کرے۔ راقم کہتا ہے کہ مجھے نہ بادشاہ اور نہ لونڈی پر تعجب گزرتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے قاضی صاحب پر جنہوں نے اس طرح کی شرعی قرم ساقی کو روا رکھا۔ اسی طرح عبداللہ ابن یوسف سے مروی ہے کہ ہارون نے قاضی ابویوسف سے کہا کہ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے اور چاہتا ہوں کہ بلا انتظار مدت استبراء اسی وقت اُس سے مباشرت کروں۔ آیا اس کے حلال ہو گا کوئی حیلہ تمہارے پاس ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں۔ آپ وہ لونڈی اپنے کسی لڑکے کو مہبہ کر دیجیے بعدہ خود اُس سے نکاح کر لیجیے۔ راقم کہتا ہے کہ واقعی اس طرح کے فقہا فقہ کا پیشہ کرتے تھے اور اسی طرح کہاتے تھے۔ جیسے اس زمانہ میں بیرسٹر وکیل وغیرہ کافی طور پر کہاتے ہیں۔ ایسے اماموں کو خاندان پیغمبر کے اماموں سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ایک امام علی الرضا علیہ السلام کو دیکھیے کہ اماموں خلافت پسند کرتا ہے اور آپ خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرماتے ہیں۔ حضرت امام کے برعکس پیشہ ور اماموں کا طور نظر آتا ہے جو شرعی حیلوں سے شکم پروری کیا کرتے تھے۔ وائے اُن پر جو خدائی اماموں کو چھوڑ کر شکم پرور اماموں کی تبعیت کرتے تھے مآذا اللہ ثم معاذ اللہ۔

ایک نقل قاضی ابو یوسف صاحب کی زرا ندوزی کی یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ حسب روایت اسحاق بن راہویہ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف صاحب کو رات کے وقت بلا کر فتویٰ لیا اور حکم دیا کہ قاضی صبح کو ایک لاکھ درہم بطور انعام دیے جائیں قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ رقم مجھے اسی وقت ملجانی چاہیئے۔ ایک شخص نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر میں ہے اور دکانات شہر کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب میں بلا گیا تھا تب بھی دروازے بند تھے۔ پس جس طرح پہلے کھولے گئے تھے اسی طرح پھر کھولے جاسکتے ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ اسٹوری زہر پرستی اور زرا ندوزی۔ یہ قاضی صاحب وہ ہیں کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے شاگردوں میں حسب تحریر علامہ ابن خلکان آپ کا مثل دوسرا نہ تھا اگر آپ نہوتے تو ابو حنیفہ صاحب کا کہیں ذکر بھی نہ ہوتا۔ امام ابو حنیفہ صاحب اور آپ کی ترکیبوں کے اماموں کے حالات پڑھ کر ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان نبوت کی امامت اور شے تھی اور آپ حضرات کی امامت کچھ اور شے۔ سچ ہے کہ فرہی اور ہے اور آس اور ہے۔ قاضی امام ابو یوسف کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیشہ و فقہ کو امام ابو حنیفہ صاحب کی طرح زرا ندوزی کی نظر سے اختیار کیے ہوئے تھے۔ بادشاہ وقت سے بھی رشوت لیکر بادشاہ وقت کی ضرورتوں کے مطابق فتاویٰ صادر فرماتے تھے۔ تب آپ ضرور حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا کرتے تھے۔ نفع ہے ایسی اوقات کہ ایسی بد ترکیبوں سے اگر حصول زر کی صورت آپ پیدا فرمایا کرتے تھے تو ہزار بار لاجل ثم ہزار بار لاجل۔ واضح ہو کہ حضرت امام ہشتم علی رضا علیہ السلام کی رحلت بھی زہر خورانی کے سبب سے واقع ہوئی جیسا کہ خلاصہ تذبذب تہذیب الکمال و مختصر تاریخ الخلفاء و معجم البلدان یا قوت جموی اور کتاب انساب سمعانی کی تحریرات سے عیان ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل قبیح کا مرتکب مامون اپنی قوم یعنی عباسیوں کے اغواء سے ہوا۔ تاریخ ابن الوردي سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلہ ہجری میں مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنایا تھا اور یہ امر عباسیوں پر نہایت شاق گذر رہا تھا۔ تعجب نہیں کہ عباسیوں نے مامون کو حضرت امام کی شہادت پر آمادہ کر دیا جس سے حضرت امام کی شہادت ظہور میں آگئی۔ ہرثمہ ابن اعین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مامون نے حضرت امام علیہ السلام کو زہر دلوا دیا۔ یہ شخص مقرب ترین دربار مامون سے تھا۔ اس کا بیان کوئی شک نہیں کہ قابل لحاظ نظر آتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حقیقت حال کے دریافت کا اُسے پورا موقع حاصل تھا۔ اس لیے راقم ہرثمہ کے بیان کو غلط نہیں سمجھتا ہے۔ حضرت امام علیہ السلام وقت زہر خورانی طوس میں تشریف رکھتے تھے اور مامون بھی انتظام ملکی کی ضرورتوں سے طوس میں قیام پذیر تھا۔ بعد رحلت حضرت امام

ارض طوس میں مدفون ہوئے طوس ملک خراسان میں واقع ہے۔ اس وقت تک دوستداران آل محمد حضرت امام کی قبر کی زیارت کے لیے خراسان جاتے ہیں اور حضرت امام کی زیارت خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ راقم جب بعد نماز حضرت امام کی زیارت پڑھتا ہے تو افراط و تفریط سے حواس میں نہیں ہٹتا ہے۔ حضرت امام کی زیارت اس قدر بکا انگیز ہے کہ خیال سے باہر ہے۔ اس زیارت کی ابتدا السلام علیک یا غریب الغریب کچھ ایسی مکی ہے کہ راقم اُسے زبان قلم پر لاتے ہی بچپن ہو رہا ہے غیر مستدل آل محمد پر تو ظاہر ہے کہ یہ الفاظ بالاکوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ راقم کو ایسے مسلمانوں سے نہ اس دنیا میں تعلق روحی پیدا ہو سکتا ہے اور نہ آئندہ کی دنیا میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی سروکار رہیگا۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ اس وقت بھی مسلمانوں کا وہی رنگ باقی رہ گیا ہے جو حضرات ائمہ علیہم السلام کے وقت میں تھا۔ اس وقت کے مسلمانان نامسلمان مخالفان اہلبیت نبوی کی کارگزاریوں پر کیا کیا ناگزرتے ہیں جبکہ ہاتھ دیکھئے ایک نسخہ المامون کا دست آویز نجات کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ انیسویں صدی مولوی شبلی صاحب وغیرہ پر کہ انکو خاندان پیمبر کا کوئی شخص ایسا نہیں ملا کہ جسکو وہ حضرات اسلام کا ہیرو (HERO) قرار دے سکتے۔ اسلام کی حیثیت تمام تر مذہبی ہیرو اسلام کے ہیرو بہادران خاندان پیمبر کے سوا کوئی دوسرے نہیں ہو سکتے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں مامون کو کیا حق ہو سکتا ہے کہ جانے کا ہے۔ امام رضا علیہ السلام وہ ہیرو ہیں کہ مامون کی خلافت پر لات مارتے رہے اور جس برابر بھی حصول دنیا کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ علاوہ اس طرح کی بے نیازی کے آپ کے صفات حمیدہ ایسے ہیں کہ سوائے انبیاء کرام کے دو کروڑ ہارون یا مامون میں پائے نہیں جاسکتے مگر حق یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب کو ایسی کتابوں کے لکھنے سے چارہ بھی نہ تھا۔ اگر مولوی صاحب مرحوم المامون کی جگہ الرضا لکھتے تو ایک مسلمان وقت الرضا کی ایک کاپی بھی خرید کر تاخیر داری تو درکنار مولوی صاحب مرحوم بے وقربی کے ساتھ اس دنیا سے ناپائدار سے عالم جاودانی کی طرف سدھارتے۔ یہ تو حالت مسلمانان وقت کی ہو رہی ہے اور یہی حالت مسلمانان کی عہد حضرت رسول صلم سے چلی آئی ہے اور تا قیامت چلی جائیگی۔

مصائب جناب محمد تقی علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام خاندان پیمبر کے ائمہ اثنا عشر سے نوین امام ہیں۔ وفیات لاعیان ابن خلکان میں ہے کہ ۱۹۵ھ ہجری میں آپ پیدا ہوئے اور آپ کی ولادت با سعادت بمقام مدینہ جمعہ کے دن ظہور آئی۔ روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی الرضا علیہ السلام کے

پانچ صاحبزادے تھے۔ ان میں حسب تحریر صواعق محرقہ سب میں اجل اور افضل حضرت امام تھے۔ صاحب روضۃ الاحیاء لکھتے ہیں کہ حضرت امام کے مشہور القاب تقی اور جوادین۔ وسیلۃ النجاة میں ہے کہ جب معتمد خلیفہ ہوا اور اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کے فضائل کا آواز سننا تو براہ بغض و عناد آپ کو مدینہ منورہ سے بغداد طلب کیا۔ حضرت امام جب مدینہ سے چلنے لگے تو آپ نے اپنے فرزند حضرت علی نقی علیہ السلام کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دیکر کتب علوم الہی و آثار جناب سالت پناہی انھیں سپرد کر دیے۔ بدرازان مدینہ سے روانہ ہوا نوین محرم ۲۰ ہجری کو بغداد پہنچے اور معتمد نے اسی سال حضرت امام کو شہید کر ڈالا صواعق محرقہ میں ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے پچیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور بقیام مقابر قریش اپنے جدا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نہر سے شہید کیے گئے مگر علامہ نواب سید صدیق حسن خان صاحب کتاب فرج نامی میں حیات صاف طور پر لکھتے ہیں کہ امام محمد تقی کو معتمد عباسی نے نہر دیکر شہید کیا اور وہ اپنے جدا امام موسیٰ کاظم کے روضہ میں مدفون ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل سنت نے بالتفصیل حضرت امام علیہ السلام کی نہر خورانی کے احوال کو الہ قلم نہیں کیا ہے مگر علامہ محمد باقر کتاب عیون المعجزات کے اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے تو خلفہ معتمد نے ام الفضل کو حضرت امام کا مخالفت صعب پاکر اس کو آپ کے قتل پر راضی کیا۔ یہ ام الفضل خلیفہ مامون کی بیٹی تھی اور حضرت امام علیہ السلام کی زوجہ۔ اس بد بخت عورت نے پُرانے طور پر حضرت امام کو نہر کھلادیا جسکی وجہ سے آپ نے وفات پائی۔ معاذ اللہ امتیان محمدی کا عجب رنگ لکھا جاتا ہے اور تماشا یہ ہے کہ وہ رنگ ابھی تک اہل نہیں ہوا ہے۔ سلطنت انگلشیہ اس رنگ کو کھلنے نہیں دیتی۔ اگر خدا نخواستہ سلطنت انگلشیہ کا اثر مٹ جائے تو اس رنگ میں چوگونہ شوخی آجائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ثقلین کے مضمون امتیان ماضی و حال کو کبھی خبر ہی نہیں ہو سکی۔ نفوذ بادشاہ امتیان محمدی کی کیا سلطانی ہے۔ ایسی سلطانی کو سوسلام مسلمانوں کی تنقیص و تحقیق و تدلیل حضرت رسول و آل رسول کا کچھ ایسا عالم ہے کہ عقل کے احاطہ دیک سے تمام تر باہر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت امام تقی علیہ السلام علمائے اہل سنت کے نزدیک ایسے بے اعتبار سمجھے گئے ہیں کہ ایمان صحاح سے آپ کا نام ہی ساقط کر دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ عداوت اہل بیت نبوی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مصائب جناب علی نقی علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام خاندان پیغمبر کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے دسویں امام ہیں۔ روضۃ الاحیاء میں ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے چار فرزند چھوڑے۔ ان میں صاحب تحریر صواعق محرقہ اجل و افضل

حضرت علی نقیؑ تھے جو بڑے علم و فضل اپنے والد علیؑ کے وارث ہوئے۔ اور سوا حق محرقہ میں یہ بھی ہے کہ متوکل عباسی نے امام کو دینے سے بہرمن راستہ جبراً طلب کر لیا۔ وفيات الاعیان ابن خلکان میں ہے کہ بعض نے لوگوں نے متوکل سے چغلی کی کہ حضرت علی نقیؑ کے گھر میں ہتھیار اور کتابیں وغیرہ جمع ہیں جو ان کو ان کے احباب پہنچایا کرتے ہیں اور متوکل کو یہ بھی وہم دلا یا گیا کہ حضرت علی نقیؑ اپنے لیے امر خلافت کے طالب ہیں متوکل نے چند سپاہی مقرر کیے کہ رات کو انھیں گرفتار کر کے لے آئیں۔ سپاہیوں نے شب کو اچانک حضرت امام کے گھر میں پہنچ کر دیکھا کہ وہ بالون کا کرتا پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقیہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں (راقم کتابہ کہ والدہ ان حضرات ائمہ شاعر علیہم السلام سے ہر فرد ایسے ہیں کہ جن کے وجود باوجود سے رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کی پورے طور پر برحق ثابت ہوتی ہے۔ ہر شجر را از قریباید شناخت۔ یہ انگریزی کہ اور سیڑی از نوں بانی اش فروٹ (EVERY TREE IS KNOWN BY ITS FRUIT) ایک نہایت منفعت قول سے اگر حضرت رسالتاً سچے نبی نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ جانشین یکے بعد دیگرے اس طرح کے ذی خلق ذی مروت صابر شاکر جواد عابد زاہد و جمیع صفات حسنہ سے اس طرح پر ہرگز ہرگز متصف نہوتے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ بلاشبہ یہ جمیع حضرات خاصانِ خدا سے تھے اور گوانیہا کا لقب نہیں رکھتے ہیں تب بھی صفات حسنہ میں حضرات انبیاء سے کسی طرح پر کم نہیں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان حضرات علیہم السلام کے مدارج اعلیٰ اور ارفع نظر نہ آویں جب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمودہ ہے کہ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ مگر آپ حضرات ائمہ علیہم السلام تو عینیت حضرت رسولؐ کی بنا پر علماء امتی کے مضمون سے بیش از قیاس بلند تر پایہ رکھتے ہیں جب حضرت رسولؐ نے مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰؑ کے حق میں حکم کجی و دمک و دمی و نفسک و نفسی و روحک و روحی فرمایا ہے تو بقیہ نعت جگر ان پیغمبر کے لیے دوسرا کوئی قول کیونکر ہو سکتا ہے۔ واقعی یہ حضرات ائمہ علیہم السلام محبت دین خدا میں اور نبوت حضرت رسولؐ کے برحق ثابت کرنے والے ہیں اللہم صل علی محمد و آل محمد کثیراً کثیراً الی یوم القیام۔ بہر حال سپاہیوں نے حضرت امام کو اسی حالت میں لیا کہ متوکل کے روبرو پیش کر دیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب لیے ہوئے میوٹی کر رہا تھا۔ حضرت امام کو دیکھ کر اُس نے تعظیم دی۔ اور آپ کو اپنے پلو میں بٹھایا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ آپ کے گھر میں کوئی شے از قسم اسلحہ و کتب وغیرہ نہیں ملی اور نہ ایسی کوئی بات پائی گئی جس سے آپ پر شک یا الزام لاحق ہو یہ سکر متوکل نے وہ جام شراب جو اسکے ہاتھ میں تھا حضرت امام کی جانب بڑھایا۔ (راقم کتابہ کہ وہ اسے تجھیر سے متوکل کہ تو نے امام کو نہیں پہچانا اور تو نے امام کو اپنا سا شراب خواہ

قیاس کیا۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ بالبشر حضرت امام نے فرمایا کہ میرا گوشت اور خون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا مجھے اس سے معاف رکھ متوکل نے کہا کہ اچھا اگر شراب نہ پیو تو کچھ اشعار پڑھو۔ حضرت امام نے فرمایا کہ مجھے شعر گوئی میں چند ان مداخلت نہیں ہے۔ متوکل نے نہ مانا اور کہا کہ ضرور کچھ سناؤ حضرت امام نے مجبور ہو کر چند اشعار پڑھے جنکا حاصل مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سکونت اختیار کی انکو بھی موت نے نہ چھوڑا اور عترت کی بلندی سے خاک مذلت پر کر کر کشان کشان قبروں میں پہونچا دیا۔ اب اگر انکو آواز دی جاتی ہے کہ اسے قبر والو تمھارے تخت و تاج و لباس نفیس کہاں گئے تو ان کی قبر زبان حال سے جواب دیتی ہے کہ دنیا میں وہ مدت تک کھاتے پیتے رہے آخر کار خود لقمہ دہان اجل ہو گئے اور ان پر کیڑے رینگتے ہیں جب حضرت امام نے یہ اشعار پڑھے تو متوکل اور حاضرین پر کمال درجہ رقت طاری ہوئی اور متوکل اس قدر رویا کہ اُسکی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بعد اُس نے حکم دیا کہ شراب اٹھا لیجائے اور حضرت امام کو آپ کے گھر واپس کیا بخدا تمام ائمہ علیہم السلام کے ایک ایک فعل اور قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات خاصان خدا سے تھے اور سچے جانشین حضرت خیر الوری علیہم السلام کے۔ افسوس ہزار افسوس کہ امتیاز گمراہ نے اپنے پیغمبر عالی مرتبت کے اہمیت کرام کی قدر نہ جانی اور ان حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام کو طعن دُنیاوی کی وجہ سے ہر طرح کی ایذا میں پہونچاتے رہے۔ الغیث الغیثات -

متوکل کی سلطنت کی ایک مثال تاریخ کامل میں یہ دیکھی جاتی ہے کہ اُس نے مسلمانوں میں یہ حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کا مزار اور اسکے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کیجائے اور لوگوں کو اس مقام میں جانے کی ممانعت کر کے یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دیکھا وہ قید کیا جائیگا۔ چنانچہ اس منادی سے لوگ اس قدر خائف ہوئے کہ انھوں نے قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت ترک کر دی ظاہر ہے کہ ایسے ظالمانہ حکم سے حضرت مظلوم کربلا کا کیا بگڑا۔ شہد حسین کی زیارت آج تک تہی ہے اور دو مہینہ ان خاندانِ پیغمبرِ تاقیامت کرتے رہیں گے۔ متوکل ایسا بے نشان ہو گیا کہ کوئی جانتا بھی نہیں ہے کہ اُس ظلم پروردگار مدفن کہاں ہے۔ اس کے برعکس حضرت شہید کربلا کا روضہ اقدس کس قدر پروردگار ہے اور تاقیامت پروردگار رہے گا اور کروڑوں در کروڑوں زائرین وہاں تاقیامت حصول سعادت کی نظرت حاضر ہو کرین گے۔

منزل سلمیٰ کہ باشد از من اور اصد سلام پیر صدای سار بانان مبنی و بنگ جریں

واقعی امتیاز محمدی کی بے راہ روی کی حد نظر نہیں آتی ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ

خواص الامۃ سبط جوزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ معتز باللہ کے زمانہ خلافت میں حضرت امام زہرے شہید کیے گئے۔ جلال الیوم چونکہ شیعہ مذہب کی ہے اُس میں بھی حضرت امام کی شہادت کا ذریعہ زہر ہی دیکھا جاتا ہے اور زہر خورانی کی نسبت خلیفہ وقت کی طرف درج تحریر پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ امامانِ خاندانِ پیغمبر کی شہادتوں کا باعث خلیفہ وقت کے سوا دوسرا کوئی دہہ سکتا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت امام نقیؑ اور بھی آپ کے صاحبزادے امام حسن عسکری علیہم السلام کی نسبت سنیوں کے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں پر واجب تھا کہ فلان فلان سے اگر کسی ایک کو اپنا استاد بناتے تو ان کو قواعد اسلام معلوم ہو جاتے۔ اندری سنیوں کی تحقیر و تذلیل خاندانِ پیغمبر۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت رسول تو ان ائمہ شاعشر کو اپنا ممدوح قرار دین اور فرقہ اہل سنت انکی تحقیر و تذلیل کو اپنا دین سمجھیں۔ اگر حقیقت حضرات اہل سنت دین حضرت رسول پر ہوتے تو یہ شیوہ نہیں اختیار کرتے۔

مصائب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

حضرت امام علیہ السلام خاندانِ پیغمبر کے ائمہ شاعشر علیہم السلام سے گیارھویں امام ہیں۔ آپ آپ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے اور آپ کا سن ولادت باسعادت حسب تاریخ خمس ۳۳۱ھ ہجری ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ حضرت امام علی النقی علیہ السلام نے پانچ فرزند چھوڑے اور حسب تحریر صواعق محرقہ ان سب میں اجل اور افضل حضرت امام تھے۔ اسی کتاب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی وفات اٹھائیس سال کی عمر میں بمقام سامرہ واقع ہوئی اور آپ اپنے والد امام نقی علیہ السلام کے روضہ میں مدفون ہوئے سبب رحلت زہر خورانی کہا جاتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ آپ بھی اپنے آبائے کرام کی طرح زہر سے شہید کیے گئے۔ زہر خورانی کی نسبت معتز باللہ کی طرف کی جاتی ہے اور بجائی جاتی ہے۔ اور کسی کو اس خلیفہ کے سوا کیا غرض لاحق تھی کہ آپ کی شہادت کا خواہان ہوتا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے سوا اپنے اکلوتے بیٹے حضرت ابوالقاسم محمد الحجۃ کے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت عمر حضرت امام دوازدم یعنی حضرت امام مہدی امام آخر الزمان کی پانچ سال کی تھی لیکن ابی العطاء نے آپ کو اتنی ہی عمر میں علم و حکمت کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ مذکور ہے کہ حضرت مخلوق کی نظر سے مخفی اور مستور ہو گئے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شمرانی کتاب الیواقیت و الجواہر میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام آخر الزمان موجود ہیں اور موجود رہیں گے تا اینکہ قریب قیامت حضرت عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ مجتمع ہوں گے اور حضرت کی عمر ہمارے زمانہ ۹۵۰ھ ہجری تک ۶۶ سال کی ہوئی ہے اور وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے کہ انھیں کچھ

شیعہ ہمدی موعود گمان کرتے ہیں اور صواعق محرقہ میں بھی ہے کہ شیعوں کا قول ہے کہ وہی حضرت امام ہمدی علیہ السلام ہمدی موعود ہیں۔

راقم صواعق محرقہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بچپن کا ایک واقعہ ذیل میں اس غرض سے حوالہ قلم کرتا ہے کہ سچے امام کو خدا سے پاک سے بچپن میں بھی تعلق خاص پیدا رہتا ہے۔ مصنوعی امام پیٹ کا بندہ ہوتا ہے اور سچا امام خاص بندہ خدا کا۔ سچا امام مصوم پیدا ہوتا ہے مصومیت کے ساتھ جیتا ہے اور مصومیت کے ساتھ مرتا ہے۔

ابن حجر لکھتے ہیں کہ ایک روز بچپن میں حضرت امام علیہ السلام چند لڑکوں کے قریب کھڑے ہوئے رو رہے تھے اتفاقاً دھڑ سے بھول کا گر ہوا۔ اُس نے حضرت امام کو روٹا دیکھ کر کہا کہ تم افسوس نہ کرو میں تمہارے کھیلنے کے لیے بھی کوئی شے خرید کر کے لاتا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے کم عقل ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا ہوئے ہیں بھولوں نے پوچھا پھر کس لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت امام نے فرمایا علم و عبادت کے لیے۔ بھولوں نے کہا یہ تمکو کہاں سے معلوم ہوا حضرت امام نے فرمایا کہ قول خدا عزوجل سے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے وہ کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمکو مہمت کھیل کود کے لیے پیدا کیا ہے اور تمہاری بازگشت ہماری طرف نہ ہوگی۔ حق یہ ہے کہ سوائے امام برحق کے ایسا عبرت انگیز خیال بچپن میں کسی دوسرے داغ میں جگہ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ تو قصہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بچپن کا ہے۔ اب ذیل میں وہ معاملہ حوالہ قلم ہوتا ہے جو حضرت امام کی امامت حقہ کا تامہ مثبت نظر آتا ہے۔

صاحب صواعق محرقہ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ جب بمقام سامرہ شدید قحط پڑا تو خلیفہ معتد باللہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکلنا نہ استقامت پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہ برسا چوتھے روز بعد اذکے نصارا کی جماعت صحرا میں آئی اور اُن میں سے ایک راہب نے آسمان کی طرف اپنا ہاتھ بلند کیا اسکا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسا شروع ہو گیا۔ اسی طرح راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور اُس دن بھی باران رحمت کا نزول ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب گزرا حتیٰ کہ اکثر شخص کے دلوں میں شک پیدا ہو گیا بلکہ بعض اُن میں سے اُسی وقت مرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت ہی شاق گزرا اور اُس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو طلب کر کے کہا کہ اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گو یوں کی خیر لو اور اُن کو اس حادثہ عظیم سے بچاؤ۔ حضرت امام علیہ السلام نے حال دریافت کر کے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ پھر وہ میدان میں جا کر دعائے باران کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دوں گا۔ پس جب تیسرے دن وہ لوگ طلب باران کے لیے مجتمع ہوئے تو اُس راہب نے مہمبول کے مطابق

آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہان آسمان پر بارش ہوا اور مینھ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام نے ایک شخص سے کہا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز اس راہب کے ہاتھ میں ہو لے لو۔ اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی۔ تب اُس شخص نے راہب سے اُس ہڈی کو لیکر حضرت امام کے سامنے پیش کیا۔ حضرت امام نے اُسے لیکر راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کر اُس نے ہاتھ اٹھا یا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ نکل آئی۔ لوگ کمال متعجب ہوئے اور خلیفہ نے حضرت سے پوچھا کہ اے ابو محمد یہ کیا چیز ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کسی نبی کی ہڈی ہے جسکی وجہ سے راہب اپنے دعائیں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائیگی تو بارانِ رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سن کر لوگوں نے اُس ہڈی کا امتحان کیا تو اسکی وہی تاثیر دکھی جو حضرت امامؑ نے بیان کی تھی۔ پس لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے مطلقاً زائل ہو گئے اور حضرت امامؑ اُس ہڈی کو لیکر اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔ اخبار الدولِ فرمائی ہیں یہ بھی ہے کہ پھر آپ نے اُس مقدس ہڈی کو ملفوف کر کے دفن کر دیا۔ راقم کتاب ہے کہ انبیاء و صیحاء اور اولیاء کے معلومات عوامِ بنی آدم سے جدا ہوتے ہیں۔ یہ خاصانِ خدا تلمیذ الرحمن ہونے کے باعث اسرارِ خداوندی سے کسی درجہ تک اطلاع رکھتے ہیں۔ ظاہر و اقصاء بالاحیرت خیر معلوم ہوتا ہے مگر خاصۃ الاشیا کا منکر جاہل کے سوا عالم نہیں ہو سکتا ہے۔ اہل واقفیت عودِ صلیب کے اس خاصہ سے کہ اس کی تعلیق سے مضرع کو بین فائدہ ہوتا ہے یا تانبے کی تعلیق سے انسان ہیفیضہ سے مامون رہتا ہے برسرِ انکار نہیں ہو سکتے۔ اگر عودِ صلیب یا تانبے کا ایسا اثر ہوتا ہے تو خلاف عقل نہیں ہے کہ نبی کی ہڈی نزولِ باران کی صورت پیدا کر سکے۔

گزشتہ اقر

اربابِ صدق و صفا کی خدمت میں عرض ہے کہ اس کتاب میں مسلمانوں کے کچھ قابلِ لحاظ حالات و معاملاتِ عمدہ حضرت رسالتِ مآبِ صلعم سے لیکر زمانہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک بسبیلِ اختصار درج کیے گئے ہیں۔ راقم اسید کرتا ہے کہ جن حضرات ناظرین کی آنکھوں پر چمچہ تعصب کا نہیں چڑھا ہوا ہوگا اُن بزرگوار کو اس سے چارہ نہ ہوگا کہ تقاضا سے حقِ نبوی سے اس کتاب کی راست نگاری پر اپنی نظرِ توجہ مبذول فرمائیں گے۔ یہ کتاب ایسے حضرات کے لیے لکھی گئی ہے کہ جنکو خداے پاک نے تعصب کی بلا سے پاک رکھا ہے اور جنکو اس وجہ سے حق و باطل کی تمیز عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جن حضرات کو فطرت یا تقدیر نے بے تعصبی کی دولت سے محروم رکھا ہے انھیں اس کتاب کے ملاحظہ کی کوئی حاجت متصور نہیں ہے۔ پس ایسے حضرات اپنے کو بے ضرورت کی زحمت سے باز رکھیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

عرض راقم بخدمت حضرات سنی سادات بہار

آپ حضرات جو قومیت کے رو سے سادات کرام کے لقب سے شرف امتیاز رکھتے ہیں آل نبویؐ اور اولاد علیؑ ہیں۔ حضرت صلعم نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ آپ کی نسل دنیا میں بیٹی کے ذریعہ سے پھیلی۔ وہ برگزیدہ بیٹی حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء صلوٰۃ اللہ علیہا و آلہا زوجہ علی مرتضیٰ تھیں۔ شوہر پاک آپ کے نائب خیر الورعی صلعم تھے۔ حضرت علیؑ سے گیارہ امام علیہم السلام پیدا ہوتے گئے۔ چونکہ علی مرتضیٰ خود امام تھے اس لیے آپ کی ذات پاک ملا کر عدد حضرات ائمہ علیہم السلام کا بارہ دیکھا جاتا ہے اور چھ حضرات ائمہ علیہم السلام خاندان پیغمبر کے ائمہ اثنا عشر کہلاتے ہیں۔ ان ائمہ علیہم السلام کا مذہب عام اہل سلام کے مذاہب سے جدا واقع ہوا تھا۔ بعد حضرت رسولؐ کے ضرورت مذہبی سے پہلے پہل حضرت علیؑ نے اجتہادات مذہبی شروع کیے اور اپنے وقت میں ہر امام نے حسب ضرورت اجتہادات کا سلسلہ قائم رکھا۔ اسی لیے حضرات ائمہ علیہم السلام کے مذہب کو مذہب امامیہ کہتے تھے اور اس مذہب کی پابندی اکثر بنی ہاشم کو ایک عرصہ دراز تک رہی۔ اسی طرح غیر امامیہ مسلمانوں میں مجتہد ہوتے گئے جن کی پیروی آج تک حضرات غیر امامیہ میں مروج ہے۔ غیر امامیہ کے مذہب کے رواج پانے کی تاریخ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو مسلم ہوا کہ علی مرتضیٰ اجتہادات کیا کرتے ہیں اور بنی ہاشم اور دوستان بنی ہاشم آپ کے اجتہادات کی پیروی کرتے ہیں تو حضرت خلیفہ نے زید ابن ثابتؓ و ابی بن کعبؓ وغیرہ کو اجتہاد مسائل کے لیے مقرر فرمایا۔ یہ مقرر کردہ حضرات اجتہادات مسائل کرنے لگے اور غیر بنی ہاشم نے انکی پیروی اختیار کرنا شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ مذہب قائم ہو گئے ایک مذہب علی جو اس وقت مذہب امامیہ کہلاتا ہے اور دوسرا زید ابن ثابت کا جو مذہب ہاشم کے نام سے اب معروف ہے کوئی شک نہیں کہ عدد ائمہ اثنا عشر تک اکثر سادات و دوستان سادات مذہب ائمہ اثنا عشر قائم رہے۔ مگر جب زید ابن ثابت کے مذہب کی سلطنتیں دنیا میں قائم ہوتی گئیں تو بغیر ان الناس علی دین ملوکہم اکثر سادات بھی مذہب آبابی یعنی مذہب امامیہ سے کنارہ کش ہو مذہب زید ابن ثابت کی پیروی کرنے لگے یعنی سنی ہو گئے آپ سادات بھی ایسے ہی بزرگوار کی یادگار ہیں جو ہندوستان میں پہونچ کر سنی سلاطین دہلی کی مذہبی تاثیر سے مذہب آبابی کے تارک ہو گئے۔ یا تفسیر کی راہ اختیار کر کے اپنے کو سنی دکھلانے لگے دو چار پشتوں میں تفسیر کا پردہ ہوا ہو گیا اور درحقیقت آپ حضرات سادات ایسے سنی بن بیٹھے کہ آپ کو کوئی نسب یا دینی تعلق گویا خاندان پیغمبر کے اماموں کے ساتھ کبھی تھا ہی نہیں۔ آپ حضرات حضرت علیؑ اپنے دادا کو خلیفہ چہارم اور من جمیع الوجہ خلفائے ثلاثہ

مفضول ماننے لگے اور اس طرح کی بے تعلقی کی وجہ سے حضرات ائمہ علیہم السلام کے نام تک بھول گئے۔ شاید آپ حضرات سنی سادات میں اس وقت ایک لاکھ میں ایک ہی کوئی صاحب ہونگے جو مسلسل طور پر حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ناموں سے باخبر ہوں گے۔ معاذ اللہ حضرات سادات اور اپنے اجداد کرام سے ایسی پیچیدگی فی الحقیقت یہ روئے کا مقام ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی لاعلمی کے ساتھ آپ حضرات کو اپنے اجداد کرام کے مذہب سے کیا باخبری ہو سکتی ہے۔ مذہب اہل سنت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حضرات ائمہ علیہم السلام کے حالات و معاملات کی طرف توجہ نہیں کی جائے۔ اسی لیے عوام اہل سنت کی اطلاع حضرات خلفائے ثلاثہ و حضرات خالد و حضرت معاویہ وغیرہم میں محدود نظر آتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس وقت کے سادات صوبہ بہار کے سادات بنی اُمیہ کا حکم رکھتے ہیں اور کمال لاعلمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس وقت اٹکا انقلابی مذہب ہے وہی مذہب اُن کے خاندان کا ابتداء ہی سے تھا۔ اس وقت کے اکثر سادات بہار مختلف فرقے کے سنی دکھائی دیتے ہیں۔ زیادہ جتنی ہیں خال خال شافعی بھی ہیں۔ کچھ مذہب و بابی رکھتے ہیں۔ کچھ اپنے کو صوفی قرار دیتے ہیں بہت کم تفصیلی نظر آتے ہیں۔ کچھ اپنے کو اہل القرآن کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کچھ نو ایجاد مذاہب کے بھی قایل دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب مذاہب کے سادات اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ خاندان پیغمبر کے مذہب سے تامل کرنا رہ کر کش نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن سادات کو جس طرح کے اہل مذہب سے سابقہ پڑا ہے اُسی کا مذہب اُن حضرات نے اختیار کر لیا ہے۔ خود حضرات سادات صوبہ بہار میں علمی اطلاع رکھتے ہوئے بہت کم نظر آتے ہیں۔ زیادہ حصہ اٹکا مذہبی اعتبار سے اہل اناس کا حکم رکھتا ہے۔ بعض حضرات سادات جو کچھ مذہبی کتابیں پڑھی بھی ہیں تو اُن کی تعلیم مولویان دیوبند و دہلی وغیرہ وغیرہ کی نگرانی میں وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ایسے معلم معاملات خاندان پیغمبر سے اپنے تقاضے تعلیم کی بنا پر تامل و قوت نہیں رکھتے ہیں۔ پس ایسے معلموں سے خاندان پیغمبر کے فضائل و محامد سے اطلاعیابی کی صورت معلوم۔ البتہ ایسے معلمین سے حضرات خلفائے ثلاثہ و حضرت خالد و حضرت امیر معاویہ کے کمالات کی حقیقت جس قدر کوئی چاہے دریافت کرے پس اس طرح کی تعلیم بابی کے بعد کوئی صوبہ بہار یا کسی ملک کا سنی سید خاندان پیغمبر کے ائمہ علیہم السلام کی غریبوں سے کیونکر و قوت پاسکتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس طرح سنی سید عروا امیر معاویہ و دیگر مخالفان خاندان پیغمبر کی تادم مرگ شیفہ بنا رہے اور اس کو دیکھ کر دیگر سادات سنی بھی جو غیر محصل ہیں تادم مرگ وہی رنگ اختیار کیے رہیں۔ راقم کی سرگزشت بھی تو ایسی ہی ہے۔ تقاضے تعلیم سے راقم تمام مخالفان خاندان پیغمبر کا دوتدار بنا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ بتجسیت و تعلیم استاذی جناب مولوی سید محمد گل صاحب مرحوم یزید کو بھی یہ تقاضا سے

شروط خلافت خلیفہ برحق ماننا تھا۔ مگر راقم کے نصیب میں مخالفان خاندانِ پیغمبر سے علیحدگی مقدّمی ستادی
 جناب مولوی عبدلکریم صاحبِ حرم کی ممانعت سخت کے بعد بھی ہر طرف ہر مذہب کی کتب بینی سے راقم باز نہ آیا جس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ اقم کے خیالات میں حد درجہ کے مذہبی انقلابات پیدا ہوتے گئے اور یہ انہیں انقلابات کا نتیجہ ہے کہ میا الحق مصباح الظلم
 اور اس مناظر المصائب کی تصنیف ظہور پکڑتی گئی الحمد للہ علی ذالک ثم الحمد للہ و ثم الحمد للہ اے خداے پاک
 اور اے باہمی حقیقی پیغمبر افضل ہی افضل تھا کہ تو نے راقم کو تحقیق حق کی توفیق دی۔ اگر تیرا فضل شاہِ حال نہ ہوتا تو یہ اقم بھی روزِ جزا
 معاذ الہ و رزید کے ساتھ مشور کیا جاتا۔ ابجہ اسکی پوری سچائی کہ قبولے الامنان مع من احیہ راقم بعد فنا اپنے آبائے کرام کے
 سایہ فضال میں جگہ پائیگا۔ بالخصوص خدمتِ حضراتِ ساداتِ بہادریں اقم کی عرض ہے کہ جن میں سے کبھی پانچ آپ حضرات
 اس وقت ہو رہے ہیں آپ اس مذہب کی حقیقت پر نظر غور ڈالیں جو آپ حضرات میں کتب بینی پر قادر ہوں کتب بینی کی
 زحمت گوارا فرمادیں۔ کتب بینی سے دریافت حق کی صورت ہو جائیگی۔ دریافت حق کے بعد آپ حضرات ناخواندہ سادات کو بھی
 تفہیم حق کے ذریعہ سے راہ حق پر لاسکیں گے۔ اس وقت کی جو حالت آپ حضرات کی ہو رہی ہے وہ معاذ اللہ ہے۔ آپ
 حضرات آلِ نبی اور اولادِ علیؑ میں مگر تماشہ ہے کہ آپ حضرات مخالفانِ خاندانِ پیغمبر کا دم بھر رہے ہیں۔ تشر اگر آپ
 حضرات سے کسی صاحب کو جو تحقیق حق کا موقع حاصل نہ تو بلا تعصب راقم کی مصباح الظلم اور اس مناظر المصائب کے
 مطالعہ ہی پر اکتفا فرمادیں لیکن مطالعہ کے لیے بلا تعصبی شرط ہے۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں کہ بے تعصبی کے ساتھ
 کتب بینی کے مطالعہ کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ پس ایسے حضرات تعصبِ آب کے لیے یکسان ہے کہ کتب بینی کی
 زحمت گوارا فرمادیں یا فرمادیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ فقط

آخر عرض اقم

الحمد للہ کہ کتاب مناظر المصائب اختتام کو پہنچ گئی۔ اب اقم اس کے ضماّم کی طرف حضراتِ ناظرین کی توجہ کا
 طالب ہے۔ اس حصہ مناظر المصائب کا نام راقم نے خطباتِ اثریہ لکھا ہے۔ ان ضماّم کے ملاحظہ سے بھی اہل انصاف پرورش
 ہو جائیگا کہ امتیازِ محمدی کے برتاؤ حضرت رسولؐ و آلِ حضرت رسولؐ کے ساتھ کس کس نہج پر ظہور پذیر ہوتے گئے ہیں۔ حضرت
 رسولؐ و آلِ حضرت رسولؐ پر امتیوں کے ہاتھ سے کیسی جتنی ظلمیں آئی گئی ہیں۔ جانی مالی اور لکڑی لکڑیا کیا نہیں حضرت رسولؐ و آلِ حضرت رسولؐ
 امتیوں کی تم شکاری سے پہنچتے گئے ہیں۔ خداے پاک تکلّم امتیوں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ خدا کے تعالے
 و حضرت رسولؐ و آلِ رسولؐ کی تم شکار کے لیے کھلے طور پر عمل میں لائی گئی ہے اور دینِ خدا کے برباد کرنے میں کوئی دقیقہ ٹھانہ نہیں رکھا
 رکھا گیا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ راقم امید کرتا ہے کہ حضراتِ ناظرین خطباتِ اثریہ بھی اپنی توجہ مبذول فرما کر تقاضاے حقِ مبین سے
 راقم کی اس تحریری عذر داری کے شریک ہوں گے فقط
 امداد امام اثر عفی عنہ

فہرست خطبات اثریہ مشتمل برسی و شش ضمایم

ضمیمہ نمبر ۱۔ نبی سولت ہی اسلام کی سپر تھادی

جو بکے کفر کی شمشیر بن گیا م ۱۳

ضمیمہ نمبر ۲۔ حضرت علی کی بے وقوفی از دست معاذین

ضمیمہ نمبر ۳۔ لیکن توحید کے نزدیک

ضمیمہ نمبر ۴۔ سب قاتلانِ خاندانِ پیغمبر سنی مذہب کے

ضمیمہ نمبر ۵۔ حضرت عمر کی عدل پر

ضمیمہ نمبر ۶۔ معاملہ ابو بکر و عمر حضرت عمر

ضمیمہ نمبر ۷۔ حضرت علی اور حضرت رسول کی دینی سلطنت

ضمیمہ نمبر ۸۔ سیدنی نباشد

ضمیمہ نمبر ۹۔ سربراہِ ممالک اور خلفاءِ اربعہ یعنی حضرت ابو بکر

حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی

ضمیمہ نمبر ۱۰۔ جسٹس سید محمود صاحب مرحوم اور مذہبِ اسلامیہ

ضمیمہ نمبر ۱۱۔ مذہبِ اسلام کو تقلید و تہذیب کا

ضمیمہ نمبر ۱۲۔ مذہبِ اسلام پر زمانہ میں ترقی کی سلامیت کہتا ہے

ضمیمہ نمبر ۱۳۔ حضرت عمر و قتادہ قرطاس

ضمیمہ نمبر ۱۴۔ حضراتِ اہلسنت اور صحابیت

ضمیمہ نمبر ۱۵۔ حضرت عمر اور خلافت

ضمیمہ نمبر ۱۶۔ حضرت رسول و حضرت عمر کی خلافت دریاں

ضمیمہ نمبر ۱۷۔ خدائے تعالیٰ و تقدس جناب حضرت مالت

ابو بکر و عمر جناب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جناب علامہ شبلی حنا یک طرف

ضمیمہ نمبر ۱۸۔ معاملات قرآنی

ضمیمہ نمبر ۱۹۔ دایان نجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ضمیمہ نمبر ۲۰۔ جناب حضرت خواجہ نظامی خاں اور حضرت کی کشمکش

ضمیمہ نمبر ۲۱۔ حضرت شیخین اور خلافت

ضمیمہ نمبر ۲۲۔ جناب علامہ شبلی خاں حضرت عمر کو نام حضرت علی کا ہر

ضمیمہ نمبر ۲۳۔ حقیقتِ خلافت

ضمیمہ نمبر ۲۴۔ مذہبِ اہلسنت اور مذہبِ اہل تشیع دو جہاد

مذہبِ اہل بیت اور دونوں مذہب کے خدا و رسول علیہ علیہ

ضمیمہ نمبر ۲۵۔ امام بخاری صاحب اور ان کی اہلیت

ضمیمہ نمبر ۲۶۔ خاندانِ پیغمبر اور دوست و دشمنانِ پیغمبر کو مصائب

ضمیمہ نمبر ۲۷۔ مولوی سید ظفر الدین حنا نوروی بی ایم کی

ضمیمہ نمبر ۲۸۔ ام کلثوم بنت حضرت علی ابی طالب شریف حضرت فاطمہ

ضمیمہ نمبر ۲۹۔ حضرت شیخین اور اہلیت نبوی کی مالی ضروریات

ضمیمہ نمبر ۳۰۔ حضرت عمرؓ مکہ میں درندہ دین میں کبھی حضرت رسول

کے مددگار ثابت ہوئے

ضمیمہ نمبر ۳۱۔ اخلاقِ حضرت شیخین

ضمیمہ نمبر ۳۲۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی جلالتِ وقت

ضمیمہ نمبر ۳۳۔ ریاستِ دنیوی کے ساتھ ریاستِ نبوی بھی

ضمیمہ نمبر ۳۴۔ حضرت ابو بکرؓ کی سلوک حضرت رسول کیساتھ

ضمیمہ نمبر ۳۵۔ حضرت عمرؓ کو حضرت رسول کا ہم پل بنادینے

کی کوشش از جانب حضرت اہلسنت

ضمیمہ نمبر ۳۶۔ اثباتِ نبوت ان صلعم و اثبات

امامت اثنا عشر از تورات و انجیل

خطباتِ اشریہ

(زمیمہ نمبر)

نبی سے ملتے ہی اسلام کی سپر تھا وہی
جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

راقم کی ایک روز کی سرگزشت یہ ہے کہ وہ بہ سواری ریل کیس جاتا تھا اس کی گاڑی میں کئی ہفت
نہ تھا وحشت تنہائی کے دفع کرنے کی صورت یہی تھی کہ وہ کسلی کی کتاب فلسفہ پڑھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ جب گاڑی
ایک ایسے اسٹیشن پر پہنچی جہاں اردو کے اخبار دستیاب ہو سکتے تھے تو اس نے چند اخبار خرید کئے اور
انہیں پڑھنا شروع کیا۔ ان اخبارات میں "سیاست" بھی تھا۔ اس میں چند شعراہِ صیام کی نسبت تھے۔
اشعار غزل کی صورت رکھتے تھے۔ اسکی روایت "آیا" اور قافیہ "صیام" کلام "غیرہ" تھا۔ اس کا آخر شعر یہ تھا۔

نبی سے ملتے ہی اسلام کی سپر تھا وہی

جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

راقم کو لفظ سپر سے پہلے یہ خیال گزر کہ اس کا اشارہ حیدر کرار غیر فرار کی طرف ہے مگر دوسرے مصرع سے
یقین ہو گیا کہ اس کا اشارہ الیہ کوئی دوسری ذات ہے اس لئے کہ علی مرتضیٰ کا کوئی حصہ زندگی کفر کی شمشیر کا
حکم نہیں رکھ سکتا ہے۔ علی مرتضیٰ از وقت ولادت تا دمِ نجات شرک سے ہمیشہ پاک رہے۔ خانہ کعبہ میں پیدا
ہو کر جو اسٹجھ کھولی تو حضرت رسول خدا صلعم کے چہرہ مبارک کو دیکھا آنحضرت کے لعابِ دہن کو چوسا پھر سائے
رسالت مآب صلعم میں پرورش پاتے رہے اور اس طرح پر سابقِ اسلام ہوئے جیسا کہ خود فرماتے ہیں سبقت کمر
۱۸ سالہ طوراً علاماً ما بلغت اوان حملہ۔ جب اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو کسی اسٹیشن میں ایک صاحب
بزرگ صورت کو دیکھ کر ان سے اس شعر کی حقیقت دریافت کی۔

اُن صاحب نے فرمایا کہ اس شعر کے مضمون کا اشارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ چونکہ تاریخی واقعات
شعرا کو کوئی علاقہ معلوم نہ ہوا اس لئے جواب سے سخت حیرت و متنگی ہوئی۔ اب حضراتِ ناظرین ملاحظہ فرمادیں کہ
حضرت عمر اپنے کس حصہ زندگی میں اسلام کے سپر بنے۔ عہدِ رسول اللہ میں تو حضرت عمر کبھی اسلام کی سپر
نہ بنے اگر بے تو علی مرتضیٰ بنے۔ واقعات تاریخی سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر علی مرتضیٰ کی ذات پاک جو
نہ رہتی تو اسلام عہدِ رسول اللہ میں قائم نہیں ہو سکتا۔ ضرور تھا کہ اسے مختلف طبقہ کے کفازیت نابود کر
ڈالتے۔ حضرت عمر کی طرف سپر اسلام بننے کی نسبت تمام تر ایک بے مغضہ مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔

افسوس ہے کہ اس غلط خیالی میں ایک بڑا حصہ اہل اسلام کا مبتلا رہا ہے اس وقت بھی مبتلا ہے اور تاقیامت بہ اسباب ظاہر مبتلا رہیگا۔ یہ کیسی غلط خیالی ہے، نفوذِ بائبل کچھ بھی تو انسان عقل سے کام لے۔ عقل کس دن کیلئے دی گئی ہے۔ خیر۔ یہ امر کہ حضرت عمرؓ رسولِ شہیدؐ میں کبھی سپر اسلام نہ بنے راقم کی تحقیرِ ذیل سے ہویدا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ مشرک پیدا ہوئے اور ایک حصہ دزار تک صرف مشرک نہ رہے بلکہ انہماکِ مشرک کی وجہ سے بہت دنوں تک حضرت رسول خدا صلعم کے ایک بڑے بہاری دشمن بھی بنے رہے۔ آپ نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرتؐ نے ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی ہے تو آپ کو سخت غیظ و غضب لاحق ہوا۔ آپ تلوار لیکر حضرت رسول صلعم کے قتل کو چلے۔ راستہ میں کسی نے جب یہ کہا کہ قتلِ محمد صلعم کو تو چلے ہو مگر بنی ہاشم خونِ محمد کا عوض تم سے ضرور لین گے۔ اس عاقلانہ گفتگو کا اثر آپ پر یہ ہوا کہ آپ کا غیظ و غضب غائب ہو گیا اور قتلِ محمد کے خیال سے آپ باز آ گئے۔

آپ خس برابر دلیر آدمی نہ تھے پیغمبرِ صاحب کے قتل کا ارادہ محرر غیظ و غضب کے تقاضے سے آپ کو ہوا تھا۔ مال کا جو آپ کو سوجھا دیا گیا تو آپ کا غیظ و غضب رخصت ہو گیا۔ پھر کیسی تیغ کشی اور کیسا قتلِ محمدؐ اس کے بعد آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے پر آپ کا فرض منصبی تھا کہ آپ علی مرتضیٰ کی طرح سپر اسلام بننے۔ کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس غرض سے مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہو کر ضرور تھا کہ آپ کچھ بھی خدمتِ اسلام کی عمل میں لاتے تاریخ دوسرے تو کچھ آپ عہدِ رسولِ امینؐ میں سلامی کارگزاری ظاہر نہیں ہوتی ہے بلکہ معاملات اس کے عکس ظاہر ہوتے ہیں حتمہ تاریخ کہتا ہے کہ جب حضرت رسول کفار مکہ کے مظالم کی وجہ سے مدینہ کو ہجرت فرما گئے تو اور مہاجرین کی طرح حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کی رحمت گوارا فرمائی۔ کوئی شک نہیں کہ آپ نے برملا طور پر ہجرت گوارا فرمائی یعنی پوشیدہ طور پر مکہ سے مدینہ نہیں چلے آئے۔ اس دلیرانہ کارروائی کا سبب آپ کی ذاتی دلیری نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کے مامون ابو جہل نے جو ایک قوی روسائے مکہ سے تھے یہ لوگوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ اگر کوئی شخص حضرت عمرؓ کو کسی طرح کا گزند پہنچائے گا تو اس کی پوری خبر لجا لیگی۔

حضرت عمرؓ مدینہ میں قرار لیکر عافیت کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگے۔ مگر تھوڑے ہی دن کے بعد غزوہ بدر پیش آ گیا۔ حضرت رسول صلعم کو کفارِ قریش سے سامنا کرنا پڑا۔ میدانِ جنگ میں حضرت عمرؓ کو بھی جانا پڑا آپ اس بنیاد پر کہ ابو جہل بھی لڑنے کو آئے ہیں شرکتِ جنگ سے باز رہے۔ اس لڑائی میں علی مرتضیٰ کی تلوار نے کفار مکہ کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اگر حضرت رسولؐ کو اس لڑائی میں شکست ہو جاتی تو آنحضرتؐ صلعم کا دین بھی صفحہ عالم سے غائب ہو جاتا۔ اس لڑائی کو بیبل آف دی برج (Battle of the bridge) کا دین بھی صفحہ عالم سے غائب ہو جاتا۔ اس لڑائی کو بیبل آف دی برج (Battle of the bridge) کا دین بھی صفحہ عالم سے غائب ہو جاتا۔

سے یہ مناسبت ہو کہ اگر اس لڑائی میں امت حضرت مسیح علیہ السلام کو شکست ہو جاتی تو دین مسیحی کا وجود دنیا میں باقی نہیں رہتا۔ یہ لڑائی حضرت مسیح کے ایک سو برس بعد درمیان قسطنطنیہ اور کفار رومی کے واقع ہوئی تھی اور اس لڑائی کو پہلے والی لڑائی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مسیحین کو ایک معروف پہلے کے نزدیک پیش آیا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اس قابل لحاظ لڑائی میں حضرت عمر خس برابر بھی شریک نہ ہو سکے بلکہ سپر اسلام بننے کے عوض ابو جہل کے سپر بنے رہے۔ اس امر کے بعد حضرت رسول صلعم کو معرکہ احد پیش آیا اس بار کفار قریش بڑی تیاریوں کے ساتھ آنحضرت صلعم سے مقابلہ کے لئے آئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر اور مہاجرین کی طرح نہ لڑے نہ بھڑے میدان سے صاف ہباگ نکلے۔ خود آپ کا بیان ہے کہ بھاگ کر میں پہاڑ کے چٹانوں پر بڑھ کر وہی کی طرح کودتا تھا اس لڑائی میں حضرت رسول سخت زخمی ہوئے اور اگر حضرت علی کا وجود باوجود نہ ہوتا تو پھر اسلام کا پتہ نہیں ملتا۔ اس جنگ کے معاملات راقم اس کتاب میں درج کر چکا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت عمر سے خس برابر بھی کوئی کارروائی جو مفید اسلام ہوتی ظہور میں نہیں آسکی۔ کیا فرار کا دوسرا نام سپر اسلام ہے خود اہل انصاف اس کا فیصلہ کر لیں۔ جنگ احد کے بعد غزوہ خندق رونما ہوا۔ اس بار کفار قریش اور بھی بڑے سامان کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ حملہ آور دن میں ایک یہودی عمرو بن عبدود بھی تھا جو تمام ملک عرب میں قوی ترین اور بہادر ترین نبرد آزما مانا جاتا تھا۔ اس حملہ آور سے مقابلہ کرنے پر کوئی شخص مہاجرین اور انصار سے راضی نہ ہوا۔ ہر جنہ حضرت رسول صلعم نے حضرت عمر کو بھی مقابلہ کا حکم صادر فرمایا مگر آپ ایسے مشہور مرد میدان سے مقابلہ نہ کیا اور اندیشی کے خلاف کچھ اور تعمیل حکم نبوی سے باز رہے۔ آخر یہ لعین بھی طعمہ ذوالفقار حیدری ہو گیا اور کفار مکہ اس قتل کے ہونے کے بعد میدان چھوڑ کر مکہ کو واپس چلے گئے۔ حق یہ ہے کہ اگر شیر خدا اس جنگ کے شریک نہ رہتے تو اسلام رخصت ہو چکا تھا۔ حضرات ناظرین انصاف فرمادیں کہ کیا حکم نبوی سے سترابی کو سپر اسلام ہونا کہتے ہیں۔ اس کے بعد جنگ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ ہی کی تلوار نے مرحب و حارث کی خبر لی اور اسی تلوار نے قلعہ خیبر کو یہودیوں سے پاک کر ڈالا۔ خوب معلوم ہے کہ حضرت عمر حضرت ابوبکر کے ساتھ خیمہ رسول اللہ تک برابر مرحب و حارث کے مقابلہ سے بھاگ آتے تھے اور کفار خیبر اہل اسلام کو سخت و سست سنایا کرتے تھے۔ اب خدا ارادے اہل انصاف فرمائے تو کہ کیا فرار کو سپر اسلام کہتے ہیں۔ ان معروف غزوات کے علاوہ کمین اور غزوات اور سرایا میں بھی حضرت عمر کی کسی اسلامی کارگزاری کا پتہ نہیں ملتا ہے حضرت عمر کیا حضرت ابوبکر و دیگر مہاجرین کا بھی یہی حال تھا کہ فرار اور عدم کارگزاری کے سوا کوئی مفید اسلام امران سے ظہور میں نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی غزوہ اتنی امر قابل تحسین ان سے ظہور میں آیا ہے تو مخالفان علی

اس کا پتہ دین۔ آخر مشہور غزوہ حضرت رسول صلعم کا غزوہ حنین تھا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر ایسے بھاگ نکلے کہ پھر میدان جنگ میں تشریف نہ لائے۔ ہر چند رسول صلعم کا پتہ ہی رہے کہ اسے فرار میں نہ بھاگو۔ گویا وہ کب خدا و رسول کی سنتے ہیں۔ جان ہے تو جہاں ہے۔ معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔ اس لڑائی میں بھی ذوالفقار علی کی بدولت حضرت رسول خدا کو فتح نصیب ہوئی۔ کیا سپر اسلام ایسی ذات کو کہہ سکتے ہیں کہ نہ خدا کی خواہش نہ رسول کی اپنی جان کی خیریت کے لئے حضرت رسول کو زعمہ احد امین چھوڑ کر نہ چکر ہو جائے۔ خدا ہی رحم کرے ایسے مسلمانوں پر جنہوں نے غلط خیالیوں کو اپنے مذہب کی جان قرار دے رکھا ہو اور اپنی غلط خیالیوں پر جان دینے کی کئے ہر دم دہر غلطہ آدہ رہتے ہیں شعر ابلا کی غلط خیالی کے علاوہ ایک اور غلط خیالی کی مثال رقم پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سنی صاحب کو مرثیہ نگاری کا شوق ہوا۔ آپ نے ایک مرثیہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا نظم فرمایا۔ ایک ٹیپ کے آئینہ مصرعین آپ فرماتے ہیں ”لڑتے تھے اور لب پہ دم جاریا تھا“ قرینہ قیاس نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے پروردگار تعالیٰ کا نام کے ساتھ فرار میں غزوات حضرت رسول صلعم سے بھی استمداد بہت کی ہو۔ دستور یہی ہے کہ جنگ آور کارزار میں کسی معروف بہادر آدمی کا دم بہتر ہے۔ ایسے وقت میں کسی بزدل ترسندہ جان اور فرار کا نام نہیں لیتا۔ مسلمان یا علی کہتا ہے اور ہندو جے مہا بیر عقل سے بہت بعید ہے کہ جنگ کے وقت حضرت امام علیہ السلام اپنے پروردگار گھر شیر خدا کے ساتھ حضرات خلفائے ثلاثہ کو بھی افزائش بہت کی نظر سے یاد فرماتے ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ سامعین اہلسنت میں ٹیپ کے مصرعہ بالائے ایک عجب جوش کا عالم پیدا کر دیا تھا تحمیں کی صدا ہر طرف سے بلند تھی اور ہر سنی صاحب کے در و زبان وہ مصرعہ ہو رہا تھا۔ اس مجمع شہور افزا میں حضرت امام علیہ السلام کا ذکر تو گاؤں گاؤں اور ذکر دیا گیا تھا جو کہ تھا حضرات خلفائے ثلاثہ کا ذکر نہ ہو رہا تھا۔ عجیب مجلس غزائے سنی من چمی سرایم مٹنورہ من چمی سداؤ کا عالم نظر آتا تھا۔ خیر غزواتی معاملات تو حضرت عمر کے دیے تھے جو ابلا میں عرض ہوئے۔ اب کہہ اور حضرت کے معاملات پر اہل انصاف نظر ڈالیں جس سے آپ کا سپر اسلام ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

واضح ہو کہ حضرت عمر کے معاملات اسلامی سے بہت قابل لحاظ معاملہ وہ ہے جو صلح حدیبیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ صلح حدیبیہ کا ذکر رقم اس کتاب میں کر چکا ہے لیکن یہ سبیل اختصار اس کا اعداد و سلسلہ بیان کی ضرورت سے بیان پر بھی کرتا ہے۔ اس صلح کی حقیقت یہ ہے کہ کلمہ خدا حضرت رسول صلعم کفار قریش سے صلح کرنے پر آمادہ ہوئے مگر حضرت عمر کو آنحضرت صلعم کی آادگی پسند آئی اس پر بھی آنحضرت صلعم نے معاملہ صلح کو طے کر ڈالا۔ آنحضرت کی اس کارروائی سے حضرت عمر کے دل میں آنحضرت صلعم کی نبوت کی طرف سے غلط فہم پیدا ہوئی۔

جیسا کہ علامہ عینی و صاحب تاریخ الخنیس و صاحب تفسیر مشورہ سیوطی و صاحب مدارج النبوة کی تحریرات و معانی تاہم صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بزور صلح حدیبیہ میں نے پیغمبر صاحب سے کہا کہ کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیشک ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیشک ہم حق پر ہیں اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر کیوں اس وقت ہم دین میں نقص اور خفت گوارا کریں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سنو میں خدا کا رسول ہوں اُس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے۔ راقم کہتا ہے کہ قعدہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ایمان کامل نہ تھا اگر ہوتا تو شک فی النبوت اور اس طرح کے خطرہ عظیم کا پیدا ہونا چہ معنی دارد۔ حضرت عمرؓ کی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ جب لڑائی آپؐ سے تو لڑائی سے فراد کر جائیں اور جب حکم خدا صلح کی تقریب پیش آئے تو صلح سے اظہار بیزاری کریں۔ تماشایہ ہے کہ صلح ہو جانے پر بھی حضرت عمرؓ اس فائدہ میں لگے رہے کہ کسی طرح حضرت رسول صلح کی قائم کردہ صلح ٹوٹ جائے۔ خدا و رسول کے حکم سے یہ سترابی کیسی۔ یہ کیسی مسلمانی تھی جو خدا و رسول کے حکم سے سراسر مخالفانہ رنگ رکھتی تھی۔

اس سترابی کی حقیقت یہ ہے کہ حسب تاریخ کامل ابن اثیر بنو زعلخانہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابو جندل بن سہیل پابند پیغمبر صاحب کی طرف سے گزرا اور اس وقت اصحاب رسول کے دلوں میں صلح کے ہو جانے سے ایسی سخت بدگمانی پیدا ہو گئی تھی قریب تھا کہ وہ گمراہ ہو جاویں۔ پہل ابو جندل کو گرفتار دیکھ کر اس کے باپ سہیل نے خباب رسالت آب سے کہا کہ ابو جندل کے آنے سے پہلے ہی میرے اور آپ کے درمیان میں کل معاملہ طے پا چکا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سچ ہے اور قصد کیا کہ ابو جندل کو سہیل کے حوالے کر دیں۔ ابو جندل نے غل مجاہد کہ اسے گروہ اسلام کیا میں مشیر کن کی طرف اس لئے واپس کیا جا رہا ہوں کہ وہ مجھے بیدین کر ڈالیں۔ یہ نکرہ مسلمانوں کے دلوں میں جو فساد جوش زن ہو رہا تھا اس میں اور بھی طغیانی ہو گئی۔ خباب رسالت آب نے ابو جندل سے ارشاد کیا کہ صبر کر اور پتھر اور نہو اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے کشائش اور غلصی کی راہ نکالنے والا ہے۔ چونکہ مجھے اور قوم محمدؐ سے اس بات میں معاہدہ ہو گیا ہے لہذا میں اس کے خلاف نہیں کرنا چاہتا۔ حسب تحریر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت عمرؓ عمر نے یہ حال مشاہدہ کیا تو اپنی جگہ سے جست کر کے ابو جندل کے پاس پہنچے اور اسکو صبر کی تلقین فرما کر ارشاد سہیل کے قتل پر ترغیب دینے لگے۔ تاکہ اگر ابو جندل سہیل کو قتل کر ڈالے تو معاملہ صلح دہیم اور برہم ہو جائے مگر ابو جندل نے اس فعل کو گوارا نہ کیا۔ راقم اہل انصاف سے پوچھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ کیسی مسلمانی تھی۔ خدا و رسول چاہیں کہ صلح قائم رہے اور حضرت عمرؓ عمر ہیں کہ اس فکر میں لگے رہیں کہ معاملہ صلح غت رہو ہو جائے۔ اس قعدہ صلح سے حضرت عمرؓ کا سپر اسلام ہونا ثابت ہوتا ہے یا برعکس؟

ظاہر ہے کہ مخالف خدا و رسول سپر اسلام نہیں ہو سکتا۔ مصلحت خداوندی کے خلاف کار بند ہونا مسلمان بنی نہیں کہا جاسکتا ہے معاذ اللہ غم معاذ اللہ۔ واقعی حضرت عمرؓ کو جب مسلمان تھے کہ غزوات رسول اللہؐ سے توفیر کیا کریں اور جب کی معاملہ صلح پیش آئے تو اس سے بڑے طور پر رد گردانی اختیار کریں۔ اسی معاملہ صلح کے ساتھ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی کارروائی قابل ذکر ہے۔ مورخ ابن الورودی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ قریش نے پیغمبر صاحب کا ارادہ جنگ معلوم کر کے سہیل بن عمروؓ کو آنحضرت کے پاس صلح کی درخواست لیکر بھیجا جسکو آپ نے منظور فرمایا اور حسب تاریخ کامل جب رسول مقبول نے سہیل کی درخواست منظور کر لی تو حضرت علیؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل بولا کہ ہم یہ نہیں جانتے لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم چنانچہ یہی لکھا گیا۔ پھر جناب رسالت مآب نے حضرت علیؓ سے کہا کہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی بنا پر محمد رسول اللہؐ نے سہیل بن عمروؓ سے مصالحت کی سہیل نے کہا اگر ہم تمکو رسول جانتے تو قتال پر کیوں آمادہ ہوتے۔ لہذا بھلے رسول اللہؐ کے انپا اور اپنے والد کا نام لکھو پیغمبر صاحب نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اچھا لفظ رسول اللہؐ کو نکال ڈالو۔ انہوں نے کہا کہ میری مجال نہیں جو لفظ رسول اللہؐ کو محو کر سکوں۔ یہ سنکر آنحضرت نے کاغذ لے لیا اور لفظ رسول اللہؐ کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھ کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اسے علی ایک وقت تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ ان صلح نامہ کا یہ فرمودہ روضۃ الاحباب معارج البقا و تاریخ الخلفاء اور روضۃ الصفا میں بھی دیکھا جاتا ہے نبی کا فرمودہ غلط نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ وہ دن حضرت علیؓ کو پیش آگیا جیسا کہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیا جاسے حیرت ہے کہ دشمنان علیؓ جیسے مولوی محمد قاسم وغیرہ حضرت پر نافرمانی کا الزام لگاتے ہیں کہ جب حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؓ کو صلح نامہ سے لفظ محمد رسول اللہؐ نکال ڈالنے کے لئے حکم دیا تو حضرت علیؓ حکم نبوی کو نہیں بجالائے۔ اس سمجھ پر خدا کی رحمت۔ مخالفت علیؓ نے مخالفان علیؓ کو اندھا کر رکھا ہے۔ علیؓ کی خوبیاں تعصب کے اندھوں کو کیونکر نظر آ سکتی ہیں یہ فعل حضرت علیؓ کا قابل تحسین تھا یا قابل اعتراض ایسی سمجھ پر خدا کی بار اور حق کا پانی۔

ختم اللہ علی قلوبہم الی آخر و دوسرا امر جو حضرت عمرؓ کے سپر اسلام ہونے کا مبطل ہے وہ براہ عقبہ حضرت رسول صلعم پر چلا آوری کا واقعہ ہے۔ راقم اس واقعہ کو بھی اس کتاب میں درج کر چکا ہے۔

ہیان پر بھی ضرورتاً مختصر طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ اس واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب معاملہ غم غدیر کے بعد حضرت رسول خدا صلعم مدینہ کی طرف سفر معاودت اختیار کر کے بوقت شب مقام عقبہ کو پہنچے تو کچھ جاقت بر باد مسلمان سدا راہ ہو کر ان صلعم پر چلا آوری کیلئے آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ سے علماء اہلسنت کو اعتراض ہے مگر اہلسنت کی کتابوں میں حملہ ورون کے نام نہیں دیکھے جاتے مگر ان کے عنوان تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت ان کے نام نہیں بتلائے گئے ہیں مگر شیعی کتابوں میں حملہ ورون کے نام واضح طور پر درج دیکھے جاتے ہیں۔

حملہ آوردن میں نام حضرت عمر کا بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ راقم نے اس کا التزام کر لیا ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا جائے اہلسنت ہی کی کتابوں سے لکھا جائے راقم شیعی مصنفین کی تحریر کے مطابق حضرت عمر یا دیگر مہاجرین سے کسی اور پردہ و ٹول الزام حملہ آوری کا نہیں عائد کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ضرور ہے کہ راقم قرینہ و قیاس کو دخل دے۔ واضح ہو کہ عقبہ کا واقعہ ایک صحیح امر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ حملہ آوری کا فعل راہ زنون یا غیر مسلمانوں کا نہ تھا۔ یہ فعل تمام تر رسول اللہ کے ہمراہیوں کا تھا۔ تب دیکھنا چاہئے کہ ہمراہیوں کا کیا مدعا حملہ آوری سے تھا۔ عقل اور دل کو لگتی ہوئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ معاملہ غم خدیر سے دنیا طلب مسلمانوں پر یہ امر ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت رسول صلعم علی مرتضیٰ کو اپنا جانشین یا خلیفہ بنا چکے جسکی وجہ سے اب ایسے افراد کو جو خلافت کی خواہش رکھتے تھے یا علی مرتضیٰ سے عداوت رکھتے تھے جانشینی یا خلافت حضرت رسول کی توقع ہو نہیں سکتی تھی۔ پس ایسے رنجیدہ دل اشخاص نے یا خود حملہ آوری پر کمر باندھ ہی یا دوسروں سے حملہ آوری کا سامان کرایا۔ اگر خود حملہ آور ہوئے تو شیعی مصنفین کا قول راست معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حملہ آور گروہ میں حضرات خلفائے ثلاثہ و دیگر اکابر مہاجرین داخل تھے۔ کچھ تعجب نہیں کہ ایسے مہاجر حملہ آور ہوئے ہوں۔ اسلئے کہ جب حضرت خدیفہ نے حملہ آوردن کے جانوران سواری پر ہنر پیشکاری شروع کر دی تو سائے حملہ آور رونچہ کر ہو گئے۔ اس طرح کے فزاع کی عادت تو خواص عوام مہاجرین کی ہی ہے ہر باگ بچنے میں دیر لگتی۔ پس شیعی مصنفین کی تحریر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن اگر نفس نفس اکابر مہاجرین حملہ آوری کے مرتکب نہیں ہوئے تو ضرور ہے کہ عوام مہاجرین سے اکابر متاثر ہونے یہ فعل کرایا۔ یہ ظاہر ہے کہ عوام مہاجرین کو رسول اللہ کی خلافت یا جانشینی کی کسی صورت سے امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پس اگر عوام مہاجرین حملہ آوری کے فعل کے مرتکب ہوئے تو اکابر مہاجرین کی ترغیب سے ہوئے۔ اس صورت میں بھی اہلسنت کے سپر اسلام حضرت عمر یا آپ کے گرد ہتھیال کو الزام حملہ آوری سے چسکا را نہیں ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ حملہ آوری کا واقعہ ایک نہایت مذموم رنگ رکھتا ہے۔ لاریب طلب خاتمہ اس حملہ آوری کی یہی تھی کہ حضرت رسول مقبول کو شہید کر ڈالیں تاکہ حضرت رسول مقبول کی کارروائی غم خدیر کی فوراً گادو خورد ہو جائے۔ اگر آپ کی شہادت ظہور میں آجاتی تو طالبان خلافت فوراً اس کارروائی پر قادر ہو جاتے جس پر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت رسول صلعم کے آنکھ بند کرتے ہی قادر ہو گئے۔ یعنی جو واقعہ آنحضرت صلعم کے رحلت فرماتے ہی ثقیف میں ظہور پذیر ہوا اور مدینہ ہی میں ظہور پذیر ہو جاتا۔ راہ مدینہ ہی میں حضرت عمر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا ڈالتے اور تب جثیت خلیفہ حضرت ابوبکر کا دخل مدینہ میں ہوتا۔ تمام مہاجرین کے معاملات بنظر غور ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مہاجرین چہ خاص و چہ عوام حضرت رسول صلعم کی ہجرت کے شرکب غرض دنیا دی سے ہوئے تھے اس کا ثبوت یہ ہے

کہ یہ حضرات غزوات سے جی چراتے تھے۔ اگر مجبوری سے شریک غزوہ ہوئے بھی تھے تو اپنی جان بچانے کی نظر سے حضرت رسول صلعم کو زہرہ اعدا میں چھوڑ کر محل بھاگتے تھے۔ یہ دورانہ پیش سمجھتے تھے کہ جب جان ہی چلی جائیگی۔ تو حصول دنیا کی شکل کیونکر ہو سکے گی۔ یہ دورانہ دنیا خیال اککا غلط نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر غزوہ احمدا اور کسی غزوہ وہ حضرات ہلاک ہو جاتے تو نہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر خلیفہ بنا سکتے اور نہ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر بفحوا سے اہل جزاء الا احسان الا احسان استخلاف کے رو سے دنیا میں خلیفہ چھوڑ سکتے اور نہ حضرت عمر اپنی رحلت کے وقت حضرت عثمان کی خلافت کا سامان کر جاسکتے۔ یہب خلافتیں جو حضرات غیر بنی ہاشم کو نصیب ہوتی گئیں۔ نتائج خوشگوار اُن اکابر ماجرین کی اُن دورانہ بیاضہ کار و ایون کے نظر آتے ہیں جو اُن سے غزوات رسول شہر صلعم میں بار بار ظہور میں آتی گئیں۔ حق یہ ہے کہ بار بار کے فرار کی بدولت اُن اکابر ماجرین کو وہ پہلے دن نصیب ہوتے آگے جن کے دیکھنے کے وہ حضرات خس برابر بھی متحمل نہ تھے۔ اب راقم تحلف حبش اُسامہ کے واقعہ کو جس سے حضرات اہل سنت کی سپر اسلام کو بھاری قلع نظر آتا ہے حوالہ قلم کرتا ہے۔

راقم اس واقعہ کو بھی درج تصنیف ہذا کر چکا ہے۔ ضرورتاً اب اس کا اعادہ یہاں کرتا ہے۔ یہ واقعہ اس طور پر ظہور میں آیا کہ حضرت رسول مقبل نے حسب نحریر مورخ ابن الوردی بحالت بیماری اُسامہ بن زید کی افسری میں ایک لشکر تیار کیا اور اُس کی روانگی کے لیے تاکید فرمائی۔ محدث دہلوی تاریخ النبوة میں حوالہ قلم فرماتے ہیں کہ پھر دوسرے دن باوجود شدت مرض آن حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک علم جنگ بنا کر اُسامہ کو دیا اور فرمایا کہ بسم اللہ جاؤ اور خدا کی راہ میں کفار سے جہاد کرو۔ اُسامہ نے باہر نکل کر وہ نشان بریدہ کو دیا اور مدینہ سے روانہ ہو کر مقام حرب میں قیام کیا تا ایک فرج و سپاہ وہاں مجتمع ہوئی۔ پیغمبر صاحب نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ سوا حضرت علیؑ کے اور کل اعیان ماجرین و انصار یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ و سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ وغیرہم اُس لشکر میں اُسامہ کے ساتھ جائیں۔ بعض اصحاب کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ ایک غلام کو اُن حضرت نے اکابر ماجرین و انصار پر امیر مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس باب میں سر مجلس چہ میگوئیان کیں (راقم کہتا ہے کہ چہ میگوئیان والے عجب اصحاب تھے جنھوں نے رسول اللہ کے حکم کے خلاف میں انھما نارضا مندی کیا۔ لاجل ثم لاجل۔ ایسی صحابیت پر تفت ہے۔ دنیا طلب اصحاب کو اصحاب رسول اللہ ہی کہنا گناہ عظیم معلوم ہوتا ہے) خیر۔ جب یہ خبر رسول اللہ کے گوش مبارک تک پہنچی تو آنحضرت رنجیدہ خاطر ہوئے اور باوجود پت در در سر بہ حالت غضب مجلس سے باہر کر ممبر پر تشہیف لگے اور آپ نے بطور خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اُسامہ کے میر لشکر ہونے پر کر رہے ہو جیسا کہ غزوہ موتہ میں بھی تم نے پد اُسامہ کے سردار فوج ہونے پر کی تھیں۔ خدا کی قسم اُسامہ سزاوارا نارت ہے

اور اُس کا باپ بھی امیر فوج ہونے کے قابل تھا (راقم کتاب ہے کہ ایسی صحابیت پر ثقت بالاسے ثقت ہے جو فرمانبرداری حضرت رسول سے معراثتی۔ اس طرح کے نافرمان صحابی بالیقین دین کے لیے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اصل غرض اُن کی حصول مال و جاہ تھی۔ نود بائند ثم نود بائند) پھر صاحب کتاب مل و نخل شہر تانی لکھتے ہیں کہ اُن حضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد کیا کہ لشکر اُسامہ کی جلد تیاری کرو اور جو شخص حبش اُسامہ سے تخلف کرے گا وہ خدا کے نزدیک ملعون ہوگا۔

راقم کتاب ہے کہ بہت سے اکابر صحابی نے ملعون خدا ہونا قبول کر لیا۔ مگر گھر سے باہر نہ گئے۔ سبحان اللہ ایسے حضرت صحابی کا کیا ایمان تھا کہ تاکیدِ حکم رسول اللہ کی تعمیل کو فرض نہ سمجھا اور اپنی فکر و نین لگے رہے لاجل ثم لاجل۔ ایسے صحابیوں کی شکاوت بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت رسول صلعم شدتِ مرض کی تکلیف سے مبتلا سے آرام ہو رہے تھے۔ اس پر بھی صحابیوں کی بے عنوانیوں کی خبر سنکر دولتِ سراسے باہر آئے اور منبر پر تشریف لیا اگر لشکر اُسامہ کے متعلق یہ مشکل خطبہ تاکیدِ بصورتِ حکم صادر فرمایا۔ مگر طالبانِ دنیا اپنے حال پر رہے۔ لاجل ثم لاجل۔ ایسے صحابیوں کو ساتِ سلام اور حقہ کا پانی۔ حضرت رسول صلعم کی اس تکلیف فرمائی کے بعد حسبِ تحریرِ مدارج النبوة اُسامہ نے حسبِ حکم نبوی لشکر گاہ میں جا کر کوچ کا حکم دیا اور جب وہ خود سوار ہونے لگے تو اُن کی مان نے خبر دی کہ رسول اللہ حالتِ نزع میں ہیں۔ یہ سنکر اُسامہ اور دیگر اشرافِ صحابہ واپس آئے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر ہنوز مدینہ میں موجود ہی تھے۔

راقم کتاب ہے کہ حضرت شیخین ایسے کم عقل نہیں تھے کہ ایسے وقت میں آپ دونوں بزرگوار مدینہ سے باہر چلے جاتے۔ حالات موجودہ کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت رسول مقبول کے حکم کی تعمیل کی بیوقوفی کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر حضرت شیخین اُسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ کو کھجور ڈرتے تو خلافت آپ دونوں صاحبوں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتی۔ آپ دونوں بزرگوار دیکھ رہے تھے کہ حضرت رسول کی رحلت کا وقت قریب آپہونچا ہے اس وقت لڑائی بھڑائی کے لیے مدینہ سے چلے جانا ہمیشہ کے لیے خلافت سے دستِ دار ہونا ہے۔ واقعی اگر دونوں صاحبِ حکم نبوی کی تعمیل پر مائل ہو جاتے تو آپ صاحبوں کی غیبت میں حضرت رسول صلعم کی رحلت کے بعد حضرت علی آسانی کے ساتھ سند آرائے خلافت ہو جاتے۔ ایک تو تقاضا سے دود اندیشی کی بنا پر حضرت شیخین منزلوں لڑائی بھڑائی سے دور رہنا چاہتے تھے پھر یہ کہ ایسے وقت میں مدینہ سے باہر چلے جانے کے نتیجہ سے بھی بے خبر نہ تھے۔ اس لیے نہایت فرزانگی سے مدینہ میں ڈٹے رہے اور استقلال کی بدولت اپنی مرادوں میں کامیاب ہو گئے حتیٰ کہ حضرت شیخین غزواتِ رسول اللہ میں غایتِ دشمنندی سے اس طور پر کار بند ہوتے رہے کہ نہ کسی کے بدن چنٹ لگا یا اور نہ اپنے بدن پر خط لگنے والے

اب اُن سامہے سال کی خوش تدبیر یوں کے مال سے اپنے کو کیونکر محروم رکھنا پسند کر سکتے تھے پس ضرور ہو کہ حبیش اُسامہ کی شرکت کا مطلق خیال نہ کریں۔ معاملات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن جبرائیل صاحبون کے ہم خیال مہاجرین نے دینی مقاصد کی بنا پر ہجرت کی زحمت گوارا نہیں فرمائی تھی۔ اُن تارکین وطن نے یہ سمجھ لیا تھا کہ محمد صاحب ایک ہونا ر آدمی ہیں اور مکہ میں دنیاوی پہلو سے کوئی بہتری کی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ ایسی صورت میں مدینہ چلا جانا بجا نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ ایسے مہاجرین کسی طرح سے دینی خیال کی بنا پر ترک وطن کیے ہوتے تو انہیں غزوات رسول میں ترسندہ جانی لاحق نہ ہوتی۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کی تمام غزواتی کارروائیاں کیے دیتی ہیں کہ آپ حضرات حضرت رسول مقبول کی ریاست دینی کو ریاست دینی نہیں سمجھتے تھے اگر ریاست دینی سمجھتے تو غزوات سے جان نہیں بچراتے غزوات سے فرائض اختیار کرتے اور حضرت رسول کے وقت آخرین حبیش اُسامہ کی شرکت سے گریز نہ کرتے۔ دل سے مسلمان ہونے پر کوئی مسلمان ایسے غیر مطبوع امور کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے۔ اب اہل اصناف دیکھیں کہ حضرت عمر یا آپ کے انداز کے دیگر حضرات سپر اسلام کیے جانیکا خس براہ بھی استحقاق رکھتے ہیں یا نہیں۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت رسول بھی مہاجرین کی حقیقتوں سے ناواقف نہیں تھے ہر مہاجر کے انداز و روش سے خبر رکھتے تھے۔ تقاضائے نبوت کے علاوہ آپ مردم شناسی کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ آن حضرت صلعم کی مردم شناسی آنحضرت کے وقت آخر تک اپنے حال قائم دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک میں لکھتے ہیں کہ جناب سالتاب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی بیماری یعنی مرض الموت کی حالت میں ارشاد کیا کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ حضرت عائشہ نے کہا کاش آپ ابو بکر کو بلاتے اور حضرت حفصہ نے کہا کاش آپ عمر کو بلاتے۔ اتنے میں یہ حضرات وہاں مجتمع ہو گئے۔ آن حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ واپس جاؤ اگر تمھاری ضرورت ہوگی تو میں خود تمکو بلالوں گا۔ یہ سنکر وہ حضرات چلے گئے۔ دانا را حرفے بس ست۔

آخر میں راقم قصہ قرطاس درج ذیل کرتا ہے جس سے حضرات اہل سنت کے سپر اسلام یعنی حضرت عمر کی بے عنوانیوں کا اندازہ کسی وجہ تک کیا جاسکتا ہے۔ یہ قصہ اس طور پر کتب اہل سنت میں دیکھا جاتا ہے کہ جب جناب رسول خدا صلعم کا وقت احتضار ہوا تو دولت کدہ نبوت میں حضرت عمر بن الخطاب اور دیگر اصحاب مجتمع تھے۔ حضرت رسول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ آو میں تمھارے لیے کچھ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر بولے کہ پیغمبر صاحب غلبہ مرض کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں قرآن ہمارے لیے کافی ہے۔ اس بات پر حضار جلبہ میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ کے

حکم کی تعمیل کرنا ضرور ہے تاکہ آنحضرتؐ جو کچھ چاہیں تمھارے لیے تحریر فرمائیں اور بعض حضرت عمرؓ کے ہم زبان تھے جب اس بات پر بہت شور و اختلافت ہونے لگا تو جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ پس حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی وہ جیسے جو لوگوں کے شور و اختلافت کی وجہ سے رسول اللہؐ کے ارادہ کتابت میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ لکھ سکے۔ مضمون بالا صحیح میں روایت ابن عباسؓ درج ہے اور صحیح بخاری میں بھی بروایت سعید بن جبیر مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ایسا فرمایا مگر اتنی افزائش کے ساتھ کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہذیان پر مبنی تھا وہ یہ کہ نبی کریمؐ کے حضور میں تنازع مناسب تھا۔ یہ مضمون کتابت اور ہذیان گوئی کا مسند احمد میں بھی بروایت سعید ابن جبیر لکھا جاتا ہے اور یہ روایت سعید ابن جبیر صحیح مسلم میں بھی درج ہے۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری و مسند احمد کے علاوہ شمساب الدین خفاجی کتاب نسیم الریاض شرح شفاے قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ حدیث بالا کے بعض طرق میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبر صاحب ہذیان کہتے ہیں۔ کتاب ثل و ثل میں بھی علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ بخاری نے کتاب صحیح میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ سے یوں روایت کی ہے کہ جب رسول اللہؐ کے مرض میں زیادتی ہوئی تو ان حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے سامان کتابت دو تاکہ میں تمھارے لیے کچھ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد گمراہ ہو۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پیغمبر صاحب غلبہ مرض کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں (راقم کتاب ہے کہ ایسا کہنے کا مطلب ہذیان گوئی کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یعنی غلبہ مرض میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اول قول کہتے ہیں) ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے۔ چنانچہ جب اس بات پر شور و غل ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ تم لوگوں کو لازم نہیں کہ میرے حضور میں تنازع و اختلافت کرو اسی پر عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ مصیبت اور عظیم مصیبت تھا وہ اختلاف جس نے ہمارے اور پیغمبر صاحب کے درمیان حائل ہو کر ان حضرتؐ کو کتابت سراپا ہدایت سے باز رکھا۔ واضح ہو کہ اسی فساد کا نام قصہ قرطاس ہے جس کا ذکر شاہ غزالی پیرایہ میں استادناسخ مرحوم نے اپنے شعر ذیل میں فرمایا ہے

خطوہ لکھتے ہیں مگر لکھنے نہیں دیتے قیب ماجرایہ بھی کم از قصہ قرطاس نہیں

کتابت بالا کے قصہ کو طبرانی نے بھی بروایت حضرت عمرؓ بن لکھا ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے بحالت مرض ارشاد کیا کہ کاغذ اور دوات وغیرہ (سامان کتابت) میرے پاس لے آؤ تاکہ میں ایک ایسا کتبہ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ مخدرات عصمت نے پردے کے اندر سے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم لوگ رسول اللہؐ کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے اُن بیبیوں کو جواب دیا کہ تمھاری مثال صلوات یوسف کی ہے کہ پیغمبر صاحب کی بیماری میں روتی ہو اور بوقت صحت اُن کی گردن پر سوار ہوتی ہو۔

(راقم کہتا ہے کہ ماشاء اللہ کیا جواب صادر ہوا سوال از آسان و جواب از یسار) یہ منکر آن حضرت نے فرمایا کہ ان عورتوں سے متعرض نہ ہو یہ تم سے پھر بھی غنیمت اور بہتر ہیں (راقم کہتا ہے کہ یہ فرمودہ حضرت رسول صلعم کا لغو نہ تھا۔ اس لیے کہ ان عیسویوں سے کوئی بھی زلفہ اعدا میں رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر کبھی فرار نہیں ہوتی تھیں پس حسب مودہ رسول وہ بیلیان حضرت عمر سے پھر بھی غنیمت اور بہتر تھیں)

واضح ہو کہ قصہ قرقاس کے صحیح ہونے میں کسی کو جالے گفتگو نہیں ہو سکتی۔ اب حضرات ناظرین اس قصہ کے اجزا پر نظر انصاف ڈالیں کہ اس کے اجزا سے کیا کیا باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اس قصہ کے متعلق ایک نہایت ممتاز بزرگ حضرت عمرؓ نظر آتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ اپنے وقت آخرین کچھ ایسے امر کو والدہ تعالم کرنا چاہتے تھے کہ جو امت کے لیے ایسا ضروری تھا کہ جس سے امت مگر ابی سے بچ سکتی تھی مگر حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ صلعم کے حکم کو ہڈیاں یا نتیجہ مرض قرار دیکر آن صلعم کو کتابت سے باز رکھا اور آن حضرت صلعم کو اس ضروری امر کی کتابت پر قادر بنونے دیا۔ کیا جائے تعجب ہے کہ حضرت رسولؐ اس وقت پورے حواس میں تھے اگر پورے حواس میں نہیں ہوتے تو خالفان کے شور و غل پر ان مخالفین کو اپنے سامنے سے چلے جانے کے لیے کیوں حکم دیتے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ نبی کے حضور میں شور و غل سرزادار نہیں ہے اس امر پر پورے طور پر دال ہے کہ حضرت رسولؐ پورے طور پر حواس میں تھے اور مرض کے باعث ہڈیاں یا کوئی لغو امر زبان پر نہیں لا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی یہ جرأت کہ آن حضرت صلعم کی طرف ہڈیاں یا لغو کوئی کی نسبت کر کے آن حضرت کو کتابت ضروری سے باز رکھا صاف کلمہ دیتی ہے کہ حضرت عمرؓ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اگر حضرت رسولؐ کو حضرت عمرؓ نبی برحق سمجھتے تو تو ایسی حرکت حضرت عمرؓ سے زہنا زہور میں نہیں آتی۔ کم سے کم حدیبیہ کا شک فی النبوت تو حضرت عمرؓ کے دل سے نہیں گیا تھا علاوہ اس کے حضرت عمرؓ کے معاملات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ آن صلعم کی نبوت کو نبوت نہیں سمجھتے تھے آن حضرت صلعم کی نبوت کو حصول ریاست دنیوی کا ذریعہ جانتے تھے۔ اگر آن حضرت کی نبوت کو نبوت سمجھتے تو چاروں حضرت عمرؓ سے سرزد ہوا کیے اور جن کے بیانات پر یہ تصنیف راقم کی مشتمل ہے۔ ہرگز ہرگز سرزد نہیں ہو سکتے تھے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص دل سے اقرار نبوت کرے اور نبی کے حکم کی تعمیل سے حضرت عمرؓ کی طرح دو گردانی کرے۔ حضرت عمرؓ کے معاملات سے تو یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ہمتیال فراڈ کی طرح حکام نبوی سے سر تابی کرتے رہے بغیر و ات رسول اللہؐ میں حضرت رسولؐ صلعم عمرؓ کو کو چنچ چنچ کر پکارتے ہی رہے کہ نہ بھاگو مگر جماعت فرارین نے کبھی حضرت رسولؐ کی ایک بھی نہیں سنی صلعم حدیبیہ میں حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے مخالف بنے رہے۔ جیش اُسامہ کے ساتھ حضرت رسولؐ مقبول نے جانے کی تاکید اکید کی حتیٰ کہ حکم نبوی سے مخالفت کرنے والے کو ملعون خدا بھی فرمایا۔ مگر حضرت عمرؓ کو گھر سے باہر نہ نکلے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ ایسی نافرمانیوں کے بعد کوئی دعویدار اسلام سلمان کہے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر حضرت عمر دل سے اقرار نبوت رکھتے تو حضرت رسولؐ کے سامان کتابت طلب کرتے ہی ہو کر حکم نبویؐ بجا لاتے امت وہی امت ہے کہ جو اپنے نبی کا حکم بجا لائے۔ ایسا شخص کبھی سلمان نہیں ہو سکتا جو نبی کے حکم سے علی الرغم کسی حالت میں سرتابی کرے اور اپنی سرتابی کو قرین صواب سمجھے۔ حضرت رسولؐ نے جس وقت سامان کتابت کی فراہمی کا حکم دیا تھا اس وقت بھی آن حضرت رسولؐ تھے۔ علالت کی وجہ سے عہد رسالت سے معزول نہیں کیے گئے تھے۔ پھر حکم رسولؐ سے سرتابی چہ معنی دارو۔ یہ بھی نہیں تھا کہ علالت کی وجہ سے کوئی نامربوط کلام آن حضرت صلعمؐ بان پر لائے تھے۔ عند اللہ جو آپ کا عہدہ تھا اس کی بجا آوری فرما رہے تھے یعنی کچھ نہایت ضروری امر جو الہ قلم کر کے امت کو گمراہی سے بچا لینا چاہتے تھے۔ ہزار افسوس کہ حضرت عمرؓ نے ایسے ضروری اور ہدایت انگین امر کو حوالہ قلم ہونے نہ دیا اور ہزاروں امت محمدیؐ کو اپنی طرح مبتلا سے گمراہی پہنچے دیا۔ یہ امر کہ حضرت رسولؐ حکم قرطاس و قلم صادر فرمانے کے وقت تمام تر ہوش و حواس میں تھے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعد واقعہ قرطاس کے حسب تحریر صاحب روضۃ الاحباب حضرت فاطمہؓ سے حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میرے فرزندوں کو لاؤ۔ حضرت سیدہ حسنین علیہم السلام کو لائیں۔ دونوں صاحبزادے سلام کر کے اپنے جد کے پہلو میں بیٹھ گئے اور آن حضرت کو تکلیف مرض کی حالت میں دیکھ کر ایسا روئے کہ دیکھنے والے رونے لگے۔ حسنؓ نے اپنا منہ رسول اللہؐ کے منہ پر اور حسینؓ نے اپنا سر آنحضرت کے سینے پر رکھ دیا۔ آن صلعمؐ نے انکھیں کھول دیں اور شاہزادوں کو بنظر شفقت و الفت پسار کر کے دونوں شاہزادوں کی تعظیم و محبت کے باب میں سب کو وصیت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ میرے برادر عزیز علیؓ کو لاؤ۔ حضرت علیؓ آئے اور جناب رسالتاب کے سر پر ہاتھ بیٹھ گئے۔ آن حضرت نے اپنا سر مبارک بستر سے اٹھا کر ان کے بازو پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اے علیؓ فلاں یہودی مجھ سے من نے تجھ پر جیش اُسامہ کے لیے اس قدر قرض لیا ہے خبردار اس کو ادا کرو یا اور اے علیؓ تم وہ شخص ہو جو میرے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے اور میرے بعد تم کو بہت سخت صدمات پہنچیں گے تم ان کو بطریق صبر برداشت کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگوں نے دنیا کو اختیار کیا تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔ اے پیروان حضرت عمرؓ ایک کو اب آپ خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ کیا ایسا یا رجا اپنی بیٹی سے یہ کہے کہ میرے نواسوں کو بلاؤ۔ اور جب نواسے آویں تب اپنی امت کو ان کی تعظیم اور محبت کے بارے میں وصیت کرے پھر اپنے بھائی حضرت علیؓ کو بلا کر ادا اس قرض کی ہدایت کرے پھر اُسے سب سے پہلے حوض کوثر پر وارد ہونے کی خوش خبری سناوے اور اسکے بعد صبر کی تعلیم فرمائے اور دنیا کو چھوڑ کر دین کے اختیار کرنے کی ہدایت کرے کبھی بدحواس قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا ایسے بیار کی نسبت کبھی ہزیان کی نسبت تھا کی جاسکتی ہے یا اس کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ

غلبہ مرض کی وجہ سے قول لایینی زبان پر لا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر کا ایسا کہہ جانا مطلب خاص سے تھا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے جو دینی طریقہ پر غم خیز میں حضرت علیؑ کا اپنا جانشین قرار دیا تھا اس کا اعادہ اب تحریری طریقہ پر بھی فرما دیں۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو تحریراً بھی اپنا جانشین قرار دینے کو تھے مگر حضرت عمر کی مخالفت کے باعث تحریری طور پر حضرت علیؑ کو اپنا جانشین نہیں بناسکے۔ حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو حضرت رسولؐ صلعم تحریری طریقہ پر اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اگر یہ سچ ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ پر جو ظلم کیا سو کیا۔ اہلبیان محمدیؐ پر اور بھی زیادہ ظلم کیا۔ اس لیے کہ اگر حضرت رسولؐ حضرت ابو بکرؓ کو تحریری طریقہ پر اپنا خلیفہ بنا جاتے تو خلافت کا جھگڑا ہی پاک ہو جاتا۔ خلافت کے متعلق مسلمانوں کی مخالفت باخود ہا کبھی ظہور میں نہ آسکتی۔ اس مخالفت نے اس وقت تک مسلمانوں کو ہزار ہزار طرح کے صدمے پہنچائے ہیں اور تاقیامت پہنچاتے رہیں گے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ حضرت رسولؐ صلعم سامان کتابت کا فراہم کرنا غلبہ مرض کی حالت میں فرما رہے ہیں سرایا دروغ دروغ اور مبنی بر مطلب خاص تھا۔ کوئی شک نہیں کہ بہ ثبات ہوش و حواس حضرت رسولؐ صلعم نے سامان کتابت کے پیش کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ مگر اس فرمانے سے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خوت پیدا ہو گیا کہ کہیں غم خیز کے دینی معاملہ استخلاف علیؑ کو اپنے وقت آخرین آپؐ تحریری نہ کر ڈالیں اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت کے حکم کی نسبت بدحواسی کی ایک نفرت آگین بیج لگا دی۔ واہ و اسجان اللہ کیا حضرت عمرؓ کی حق گوئی اور صدق مقالی نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ اب پیروان حضرت عمرؓ کی جگہ ایماناً بتلاوین کہ کوئی شخص ایسی ناصح گوئی اور غیر صدق مقالی سے متصف سپر اسلام کہے جانے کا استحقاق رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ ہزار حیف کہ حضرت عمرؓ کی جگہ کو نے حضرت رسولؐ کی تحریری ہدایت کو وقوع میں آنے نہیں دیا۔ لاریب آن حضرت صلعم ضرور کوئی امر والد قلم فرمانے کو تھے اور وہ کوئی ایسا امر تھا کہ جس کی تبعیت سے امت محمدیؐ گمراہی سے بچ جانے والی ہوتی۔ مگر آخرین کیسے حضرت عمرؓ کو کہ اپنے خدشات کی بنا پر امت محمدیؐ کو آئندہ کی گمراہی سے محفوظ رہنے نہ دیا۔ ایسی کارروائیوں کے بعد بھی شاعر صاحب نے اپنے شعر مرقومہ بالا میں حضرت عمرؓ کو سپر اسلام باندھ ہی دیا۔ آپ فرمانے ہیں کہ

بنی سے ملتے ہی اسلام کی سپر تھا وہی جو بن کے کفر کی نمشیر بنیام آیا

یہ شعر تامتروسیا ہی ہے کہ جیسا ایک سنی صاحب مرثیہ گو کی ٹیپ کا یہ مصرع ہے۔ ع

”لڑنے تھے (امام حسینؑ) اور لب پدم چار یا تھا“

واقعات کے ملانے سے تو تامتروسیا ہی ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ صلعم سے نہ ملتے ہی اور نہ آن حضرت صلعمؐ کسی عہد میں سپر اسلام بنے آن حضرت کی رحلت کے بعد اگر کسی وقت میں سپر اسلام بنے ہو تو بنے ہوں۔

حق یہ ہے کہ اہل انصاف جو اس کتاب یا اس کے اس ضخیمہ پر نظر ڈالیں گے ہرگز حضرت عمر کو سچا سلام نہیں کہہ سکیں گے۔ یوں اہل تعصب حضرت عمر کو جیسا چاہیں ویسا قرار دیں۔ راقم کو اہل تعصب سے نہ کوئی بحث ہے اور نہ کوئی امید خیر۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ حق کوئی وحی پرستی سعید اذلی کا شیوہ ہے اور امر ہدایت کا متر خدا کے ہاتھ ہے۔ حضرت حذیفہ کو خدا نے نگہبان حضرت رسول مقبول کا بنایا۔ اہل عقبہ سزاوار نہ ہو گئے۔ علی مرتضیٰ کو اپنا شیر بنایا۔ فرارین غزوات رسول مبتلا سے رو باہ بازی رہے۔ حر کو لشکر کفار سے علیحدہ کر کے مددگار وجان نثار حسینؑ کر دیا۔ اہل شام مستوجب لعنت ابدی ہو گئے۔ مولوی شیخ احمد دیوبی کو ابو ذبنا دیا گیا اہل دیوبند امیر معاویہ کے نام لیوا بنے رہے شیخ صاحب علیہ الرحمۃ کے حسب حال شعر ذیل نظر آتا ہے ۵

گہ آری خلیے زجنانہ کنی آشنائی بہ بیگانہ

معاملات خداوندی کچھ سمجھ میں نہیں آتے بقول ذوق علیہ الرحمۃ ۵

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اسکی کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے خداوند سبحان شکر تیرا کہ راقم کی زندگی ولا سے اہلبیت علیہم السلام میں بسر ہو رہی ہے۔ اس کی پوری امید ہوتی ہے کہ اس کی بقیہ زندگی بھی اسی ولا کے ساتھ بسر ہو جائے گی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بھجواس الانسان مع من احبه ابدالاً بآذناک سایہ خاندان مصطفوی میں اُسے روحی آسائش نصیب رہیگی من و دست و دامان آل رسول

ضمیمہ نمبر ۲

حضرت علیؑ کی بے وقریٰ از دست معاندین

ایک سنی صاحب فرماتے ہیں کہ علیؑ میں کیا ہے جو دوست داران علیؑ پر اسقدر فریضہ نظر آتے ہیں۔ علیؑ داماد رسولؐ اور چچیرے بھائی حضرت صلعمؑ کے تھے اس کے سوا علیؑ میں کیا صفت ایسی ہے جو حضرت شیخینؑ پر اُن کو ترجیح کی صورت حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب راقم یہ ہے کہ ایسا قول اُسی کا ہو سکتا ہے جس کو تعصب اور عداوت علیؑ نے اندھا بنا رکھا ہے۔ مولوی معنوی نے خوب فرمایا ہے کہ

توبہ تاریکی علیؑ را دیدہ زان سبب بروے دیگر گزیدہ

راقم کہتا ہے کہ تمام اہل اسلام میں علیؑ کی وہ ذات ہے جس کی نظیر ابتداء ظہور اسلام سے اس وقت تک کہیں نہیں دیکھی جاتی۔ فضائل و محامد علیؑ کے راقم کسی درجہ تک کتاب مصباح الظلم اور اس کتاب بنابر المصاب میں بھی حوالہ ظلم کر چکا ہے مگر اب ضرورت وقتی سے بقدر ضرورت بہ سبیل اختصار بیان اس اعادہ پر اپنے کو مجبور پا کر اہل انصاف سے طالب داد ہوتا ہے۔

(۱) پہلے راقم حضرت علیؑ کے مضمون دامادی اور اخوت رسولؐ پر نظر تنقید ڈالتا ہے۔ واضح ہو کہ اگر اہلسنت کی آنکھیں یہ صفتیں دامادی اور اخوت کی محقر معلوم ہوں تو ہوں۔ مگر بجائے خود یہ دونوں صفتیں اس درجہ کی ہیں کہ ذات علیؑ کے لیے خداے پاک نے اٹھا رکھی تھیں۔ شوہر فاطمہ علیہا السلام اور برادر رسولؐ ہونا دشمنان خاندان مصغویؑ کی آنکھوں میں جو ایک امر ذلیل یا معمولی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسے بد ترکیب مسلمانوں کی نظروں میں خدا اور رسولؐ دونوں ہی کی وقعت خس برابر نہیں ہے اور فرمودہ خدا و رسولؐ کوئی وزن ہی ایسے دشمنان اہل بیتؑ کے نزدیک نہیں رکھتا ہے۔ ایسی حقارت کے الفاظ کے ساتھ حضرت علیؑ کو یاد کرنا اس امر پر دل ہے کہ ایسے قائل کے نزدیک قول خدا و رسولؐ کوئی شے نہیں ہے۔ مخالفان علیؑ یاد رکھیں کہ حضرت فاطمہؑ کے ازہ نجبت پاک ہیں۔ حضرت فاطمہؑ آیہ تطہیر اور آیہ سابلہ میں شامل ہیں۔ یہ نجبت حضرت رسولؐ و حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ و حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ہیں ان کے سوا اور کوئی شخص داخل نجبت نہیں۔ گو کچھ متعصب اور ناحق شناس مسلمانوں نے حضرت عائشہؑ اور بعض دیگر افراد کو داخل اہل بیت ہونے میں ناکامیابی کے ساتھ کوشش کی ہے۔ پس جانتا چاہیے

کہ حضرت فاطمہؑ ایسی بیٹی رسولؐ کی ہیں کہ داخل نجسین ہیں۔ ضرور تھا کہ ایسی بیٹی کا بیاہ بھی ایسے ہی شخص سے ہو جو داخل نجسین ہو۔ حضرت علیؑ سے جو حضرت فاطمہؑ کا بیاہ حضرت رسولؐ عمل میں لائے تو یہ بیاہ نہایت برابری کا دیکھا جاتا ہے۔ اگر حضرت رسولؐ حسب درخواست حضرت عمرؓ حضرت سیدہؑ کا بیاہ حضرت عمرؓ کے ساتھ کر دیتے تو یہ برابر کا بیاہ نہ ہوتا۔ حضرت علیؑ کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ ایسی پاک ذات بیٹی کا بیاہ حضرت رسولؐ نہیں کر دے سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی درخواست پر حضرت رسولؐ نے مطلق توجہ نہیں فرمائی اور حضرت عمرؓ سے فرمادیا کہ ابھی فاطمہؑ کم عمر ہے چونکہ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ حضرت فاطمہؑ مطہر و پاک پیدا ہوئی ہیں۔ آپؐ کو چارہ اس سے نہ تھا کہ حضرت علیؑ کے سوا کسی اور شخص کی زوجیت میں آپؐ کو دین۔ حضرت علیؑ وہ مطہر اور پاک تھے کہ داخل آیت تطہیر ہونے کے علاوہ آپؐ اپنے کسی حصہ عمر میں مبتلائے شرک نہیں ہوئے تھے اور نہ اپنے کبھی شراب ہی پی تھی۔ حضرت عمرؓ کا مذہب ایک عرصہ دراز تک مشرکان قریش کا مذہب رہا تھا اور حسب رواج قریش شراب پیتے رہے تھے اور جب تک شراب اسلام میں حرام نہیں کر دی گئی تھی آپؐ شراب پیتے رہے اور بعد حرم شراب کے بھی آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرح شراب پی۔ نجسین پاک علیہم السلام سے کسی وقت میں ایک نفس نے کبھی شراب نہیں پی اور کسی بُت کی پرستش نہیں کی۔ حضرت فاطمہؑ کا بیاہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک بے جوڑ بیاہ ہوتا۔ پس بیاہ حضرت سیدہؑ کا حضرت علیؑ کے ساتھ برابر کی حیثیت کے ساتھ ہوا اور یہ بیاہ مرضی خدا اور رسولؐ کے ساتھ ظہور میں لایا گیا جیسا کہ کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کو اپنی ناکامیابی کی وجہ سے بُرا گزند گزرا اور اسی کامیابی کی بنا پر حضرت عمرؓ کو تمام عمر حضرت فاطمہؑ اور بھی حضرت علیؑ سے عناد لاحق رہا۔ جیسا کہ کتب تاریخ سے ہوا ہے۔ خود قول حضرت عمرؓ کا کہ ”فاطمہؑ از زنی نیست“ آپؐ کے عناد قلبی سے پورے طور پر خبر دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ عناد قلبی کے بغیر کوئی قائل ایسا قول لایینی زبان پر نہیں لا سکتا ہے۔ ایسی ذات کو جو فرزند رسولؐ ہو اور بھی داخل نجسین ہو اس بے ادب و انداز سے یاد کرنا کہے دیتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت فاطمہؑ کے ساتھ کس طرح کا عناد لاحق تھا جو اس طرح کا قول دور از ادب زبان پر لاسکے۔ سہذا اللہ ثم معاذ اللہ۔ یوں تو حضرت عمرؓ فطرت سے سخت گوارا و بد زبان تھے مگر قول بالا میں آپؐ کی ناکامیابی کا پورا اثر دیکھا جاتا ہے سخت گوارا و بد زبان عادل نہیں ہو سکتا۔ یہ حق حضرت فاطمہؑ کا کہ آپؐ کی شان میں کوئی مسلمان کوئی بے ادبی کا کلمہ زبان پر نہ لاوے جمیع مسلمان پر ہے۔ حضرت عمرؓ کا حضرت سیدہؑ کو اس حقارت کے ساتھ یاد کرنا حضرت سیدہؑ کی بڑی حق تلفی سے

خبر دیتا ہے۔ اگر حضرت عمر عدل پرور ہوتے تو حضرت سیدہ کے اس حق سے روگردانی نہ کرتے۔ خیر مخالفان علی و فاطمہؑ سمجھیں کہ حضرت رسول کی دامادی کوئی لاشے امر نہیں ہے۔ اور اس رشتہ برتر کو حضرت عمر کی آنکھ سے نہ دیکھا کہ اس کہنے کے مرکب نہ ہوں کہ ”علیٰ بن رسول کی دامادی کی صفت کے سوا اور کیا صفت حاصل تھی“ ما ذا الله ما ذا الله۔

اذ خدا خواہیم تو فیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب
اب دوسرا امر جو اخوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی نسبت راقم یہ عرض کرتا ہے کہ یہ صفت حضرت علیؑ کی کچھ کم قابل لحاظ نہیں ہے۔ تحریر ذیل پر حضرات ناظرین نظر توجہ ڈالیں۔
حضرت علیؑ حضرت رسول صلعم کے حقیقی چچا زاد بھائی اور محسن زادے تھے۔ آپ مان اور باپ دونوں طرف سے نبی با شتم تھے۔ کس واسطے کہ مان آپ کی فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم تھیں اور آپ کے والد بزرگوار حضرت ابوطالب حضرت رسول صلعم کی طرح اولاد ہاشم سے تھے۔ آپ حضرت رسول صلعم کے محسن زادے کے جانے کا استحقاق اس طور سے رکھتے ہیں کہ آنحضرت یتیم تھے حضرت ابوطالب نے ان حضرت کو پالا اور بے پردی کے غم کو آپ کے قلب مبارک میں نہ آنے دیا۔ جب تک حضرت ابوطالب زندہ رہے جان و مال سے ان حضرت کے معین و مددگار رہے اور کفار مکہ کے وار روکتے رہے اور اپنے عرصہ حیات تک جناب پیمبر خدا صلعم پر کسی طرح کا آسیب آنے نہ دیا۔ حق شناس کے نزدیک حضرت علیؑ کی محسن زادگی کوئی امر خفیت مقصور نہیں ہو سکتی۔ خلفائے ثلاثہ میں یہ صفت محسن زادگی کی نامتر معدوم نظر آتی ہے۔ اگر کسی مخالف علیؑ سے ہو سکے تو اس صفت کی نسبت کا ثبوت حضرات ثلاثہ کے لگاؤ سے پیش کرے۔ یہ کہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے چچا زاد بھائی تھے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ حضرت عمر ہی کا یہ جگہ اٹھا کہ طیش کی حالت میں بول گئے کہ علیؑ رسول اللہ کے بھائی نہیں تھے۔ یہ کون سا عدل ہے کہ کسی کا بھائی اُس کا بھائی نہ مانا جائے۔ واقعی حضرت عمر کی یہی سی عدل پروری تھی کہ حضرت علیؑ کے برادر رسولؐ ہونے سے زور و شور کے ساتھ منکر ہو گئے۔ واہ ری آپ کی عدل پروری اور واہ ری آپ کی خوبی مزاج۔ حضرت عمر کے پیرو صاحب جو میری اس تحریر کے مخاطب ہیں ہر چند حضرت عمر کی طرح منکر اخوت رسولؐ نہیں ہوئے ہیں تاہم اس صفت اخوت رسولؐ کو جیسا کہ بالا میں حوالہ قلم ہو چکا ہے نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اُن سے راقم کی یہ عرض ہے کہ اخوت بالا کے مضمون پر نظر حق ڈالیں تب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ مضمون بالا کیا بلند پایگی رکھتا ہے۔ یوں تو یہ رشتہ اخوت کسی حال میں قدر و منزلت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مگر جب حضرت رسول صلعم

بہ شان علی مرتضیٰؑ یہ فرمایا کہ انت اخى فى الدنيا والاخرۃ۔ یعنی اے علی تم میرے بھائی دنیا اور دین میں ہو تو اس اخوت کا رنگ کچھ اور ہی ہو گیا۔ اخوت آخرت کی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ وہ اخوت ہے کہ جسکی بنا پر حضرت رسول صلعم کا تعلق حضرت علی کے ساتھ دوامی حیثیت کا دکھائی دیتا ہے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ تعلق دوامی ہی اصل شے ہے۔ حضرت رسولؐ کے اس تعلق دوامی سے حضرت علیؑ کا پایہ عجب طرح کی شکل امتیاز رکھتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خداے پاک کے نزدیک حضرت علیؑ ہی ایسا درجہ امتیاز رکھتے ہیں کہ جس کی نظیر تمام امت محمدیہ میں نہیں دیکھی جاتی ہے دنیا کی اخوات ایک عارضی خواہش کے جو تھوڑے عرصہ میں طے ہو جاتی ہے۔ دنیا کیا اور اس کی اخوت کیا۔ یہ اخوت آخرت ہی ہے جس کو دوامی بقا کی صورت حاصل ہے۔ اسی لیے حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے آپ کے ساتھ اپنے تعلق دوامی کا اظہار کر دیا معترض صاحب دکھائیں تو کہ حضرت رسول صلعم نے کبھی بھی ایسا اظہار تعلق ان کے کسی پیشوا کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس قائل قول بالا کا حضرت علیؑ کو الفاظ حقارت انگیز کے ساتھ یاد کرنا حق کشی پر مبنی ہونے کی وجہ سے مقدوح در مقدوح ہونے کے سوا اور کیا قرار دیا جاسکتا ہے۔ راقم کو جب سے حضرت رسول صلعم کے قول بالا پر نظر غور ڈالنے کا اتفاق ہوا ہے تب سے اخوت دنیا کو وہ ایک ذلیل شے سمجھے ہوئے ہے۔ اُس کا وزن اُس کے پاس اسی قدر ہے جتنا ہرنوی شے کا وزن طالب آخرت کو ہونا چاہیے۔ بالخصوص حضرت رسول کی اخوت حضرت علی کے ساتھ ہرگز ایک محقر شے نہیں سمجھی جاسکتی ہے اور ہرگز اس کے قابل نہیں ہے کہ حقارت انگیز لفظوں سے یاد کی جائے جس شخص نے تحقیر کے ساتھ اس کو یاد کیا ہے حق یہ ہے کہ اُس نے حضرت صلعم کی تحقیر روا رکھی ہے اور حضرت صلعم پر دعوائے اسلام کے ساتھ سخت ظلم کیا ہے۔ یہ وہ درجہ اخوت ہے کہ امتیاز محمدی سے کسی کو نصیب نہ ہوا اور حضرت علیؑ کے ساتھ مختص کیا گیا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مدینہ میں حضرت رسول نے اپنے امتیوں کے ساتھ دو دو آدمیوں کے درمیان رشۃ اخوت قائم فرمایا اور حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی قرار نہیں دیا۔ جب حضرت علیؑ نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے علی تم میرے بھائی دنیا اور دین میں ہو۔ اے مخالفان علیؑ بتلائے کہ جب ایسا شرف کسی کو امتیاز محمدی سے نصیب نہ ہوا تو یہ ایسا شرف ہے جو مخالفت علیؑ کی بنا پر کوئی مسلمان یہ کہہ نہیں سکتا ہے کہ برادر رسولؐ ہونے کے سوا علیؑ میں اور کیا صفت موجود تھی۔ اب ذیل میں راقم اور بھی ایسی صفات حضرت علیؑ کی حوالہ قلم کرتا ہے جو دامادی اور اخوت کی صفات کے علاوہ ایسی صفات ہیں جن سے پیشوایان اہل خلافت و جمیع امتیاز محمدی کو کوئی علاقہ نہیں نظر آتا ہے۔ یہ صفات سبیل اختصار رتبہ وار حوالہ قلم ہوتی ہیں۔

(۱) حسب و نسب میں جناب مرتضیٰ رسول خدا کے ہمسرتھے۔ حضرت خنین کو یہ شرف حاصل نہ تھا حضرت شیخین دو گنا قبیلہ کے بزرگوار تھے۔ آپ کے قبیلوں کو قبیلہ بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ حضرت خلیفہ ثالث حیثیت قبیلہ کے اعتبار سے حضرت رسول صلعم کے مد مقابل تھے۔ مگر پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی بزرگوار یوں کے باعث قبیلہ بنی امیہ مردود خدا و رسول دکھائی دیتا ہے۔ خداے تعالیٰ اس قبیلہ کو شجرہ ملعونہ کے خطاب سے یاد فرماتا ہے اور حضرت رسول صلعم کو اس قبیلہ سے بے حد نفرت لاحق تھی (۲) حضرت علیؑ حضرت رسول صلعم کے جان و تن تھے جیسا کہ لکھک لمی و دمک دمی و فسک و فنی و روحک و روحی سے عیان ہوتا ہے۔ مخالفان علیؑ اگر ہو سکے تو کسی امت محمدی کی شان میں ایسی حدیث دکھلا دیں۔ اس حدیث کی بنا پر حضرات ثلثہ علی مرتضیٰ سے کسی نہج پر صاحب عقل و انصاف کے نزدیک افضل مانے جاسکتے ہیں۔ مگر لکھک بھی یہ حدیث نبوی ہے۔ بے صل علیؑ نام علیؑ بے ادبی ہے حضرات ثلثہ کا موازنہ حضرت علیؑ کے ساتھ شکل امکان ہی نہیں رکھتا۔ شقی ازلی کے سوا کوئی بھی امتیان محمدی سے کسی کو علیؑ سے افضل اور برتر نہیں مان سکتا ہے۔ اس حدیث کے بعد نفوذ باللہ کون علیؑ کا ہمسر مانا جاسکتا ہے۔ جو ناعاقبت میں علیؑ کو کسی طرح پر مفضل سمجھتے ہیں وہ دراصل عبدالرحمن بن ملجم کے گروہ کے اشخاص ہیں۔

(۳) جب فرمودہ حضرت رسول صلعم کا یہ ہے کہ انا و علی من نور واحد یعنی ہم اور علیؑ نور واحد سے ہیں تو حضرات ثلثہ یا کسی کو حضرت علیؑ کے ساتھ کیونکر دعویٰ ہمسری کا ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث مقبولہ بڑے بڑے علما کی ہے پیچارے شاہ عبدالعزیزؒ بہ تبعیت ملائے نصر اللہؒ کا بی اُسے نہ مانیں تو نہ مانیں۔ جن ناظرین کو رفع شک کرنا ہو کتاب اتحاف الاسلام کے صفحہ ۵ کو ملاحظہ فرمائیں (۴) آپ داخل آل عبا ہیں۔ یعنی داخل آیہ تطہیر ہیں یہ شرف حضرات ثلثہ کو کب حاصل ہوا اس آیت کی بنا پر آپ یکے از پنجتن پاک مانے جاتے ہیں۔ (۵) آپ یکے از اہل بیت نبویؐ ہیں جیسا کہ آیہ تطہیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ شرف بھی حضرات ثلثہ کو کبھی نصیب نہ ہوا۔

(۶) آپ یکے از چارہ مصوم ہیں وجود چارہ مصوم کا ابن عباس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ یہ شرف حضرات ثلثہ کو کب حاصل ہوا۔

(۷) آپ اول خیل امہ ہیں۔ حسب فرمودہ رسولؐ آپ یہ حیثیت رکھتے ہیں۔

(۸) آپ آیت مباہلہ کے رو سے بھی داخل اہل بیت نبویؐ ہیں۔ سعد ابن ابی وقاص سے مسلم

روایت کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تب جناب رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا اللھم ھوۃ لاء اھل بیتی ھضرات ثلثہ کو اگر یہ شرف حاصل ہوا ہے تو مخالفان علیؑ اس کا ثبوت دیں۔

(۹) آپ حضرت رسول صلعم کے نزدیک محبوب ترین شخص تھے جیسا کہ حدیث طبر سے ظاہر ہوتا ہے اس حدیث کو ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ اگر اس طبر بریان سے حضرات ثلثہ کو ایک ہٹی بھی ملی ہو تو مخالفان علیؑ اس کا پتہ دیں۔

(۱۰) آپ حضرت رسول صلعم کے لیے حضرت ہارون کی حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ حدیث انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھو بخاری اور مسلم) مخالفان علیؑ کسی اور امتی کے لیے ایسی حدیث بتلا تو دیں۔

(۱۱) آپ کو رسول اللہ کے ساتھ عینیت کا درجہ حاصل تھا جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان علیاً منی وانا منہ دھو ولی کل مومن (دیکھو ترمذی) عینیت کا ثبوت حدیث نور و حدیث ملک وحمی وغیرہ سے بھی ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں سے حضرت عمر خیرین رکھتے تھے ورنہ مواقع بسیار میں آپ حضرت علیؑ کے ساتھ درشتی کے ساتھ پیش نہ آتے مثلاً حضرت عمر کا حضرت علیؑ سے فرمانا کہ میں تیری گردن ماروں گا اور تو رسولؐ کا بھائی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہ قرینہ غالب حضرت عمر بتلا لے لائے تھے۔ اس لیے کہ مدینہ کی ایک بڑھیا بھی جانتی تھی کہ حضرت عمر کو علم قرآن کچھ نہیں حاصل تھا۔ اور یہی حال آپ کی حدیث دانی کا نظر آتا ہے۔ اس پر بھی اہل سنت آپ کو حضرت ابوبکر کی طرح خلیفہ مجتہد مانتے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ بہر حال راقم خواستگا رہوتا ہے کہ مخالفان علیؑ کوئی حدیث ان علیاً منی کے درجہ کی حضرات ثلثہ کی شان میں دکھلا دیں۔

(۱۲) آپ جمیع مومنین کے مولیٰ اسی طرح ہیں جیسا کہ حضرت رسولؐ جمیع مومنین کے مولیٰ ہیں حضرات ناظرین مولیٰ کے مفہوم کی دریافت کی نظر سے راقم کی کتاب مصباح الظلم کے صفحہ ۷۰ واء کو ضرور ملاحظہ فرمادیں۔ بہر حال مخالفان علیؑ کوئی ایسی حدیث حضرات ثلثہ کی شان میں دکھلا دیں جو حدیث من کنت مولاه فعلی مولاه کے برابر دکھائی دیتی ہو۔

(۱۳) آپ رسول اللہ کی جانب سے ادا سے حق کرنے کے واسطے تامتر سزاوار تھے۔ اس قول کی مثبت یہ حدیث یعنی علی منی وانا من علی و لا یودی عنی الا انا وعلی۔ راوی اس

حدیث کے جس بن خادہ ہیں۔ معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور
 نہیں کوئی حق ادا کرے گا میری طرف سے مگر میں یا علیؑ۔ اس حدیث کا قصہ نقص عہد مشرکین سے تعلق
 رکھتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو احکام خداوندی لیکر اہل مکہ کی طرف
 بھیجا تھا۔ مگر کچھ منزل حضرت ابوبکرؓ کی طرف جا چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی جس کا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ
 خود مکہ کو تشریف لیجائیں یا اپنے برابر کے عزیز سے احکام خداوندی کو اہل مکہ تک پہنچا دیں۔ اس وحی کے
 آنے پر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ راہ میں حضرت ابوبکرؓ
 احکام خداوندی کو لیکر اہل مکہ کو سنا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکرؓ مدینہ کو واپس چلے آئے۔
 حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل کی صلاحیت یا حضرت رسولؐ رکھتے تھے،
 یا حضرت علیؑ۔ جب حضرت ابوبکرؓ میں یہ صلاحیت موجود نہ تھی تو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ میں کیا ہوگی
 تب حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے یہ حضرات ثلاثہ حضرت رسولؐ صلعم کے بعد کیونکر آں صلعم کے خلیفہ برحق
 مانے جاسکتے ہیں۔ حضرت رسولؐ صلعم کی سلطنت سلطنت دینی تھی آں صلعم کے جانشین کو آں صلعم کی
 صلاحیت کا آدمی ہونا چاہئے تھا نہ کہ ایسا کہ جس میں اس صلاحیت کا فقدان بالکل ظاہر طور پر پایا جائے
 قصہ بالا سے باخبر ہونے کے بعد عقل و حواس کا آدمی حضرات ثلاثہ کو برحق جانشین حضرت رسولؐ صلعم کا
 نہیں مان سکتا ہے۔ یوں تعصب و عداوت علیؑ کا گرفتار جیسا چاہے سمجھے۔

(۱۴) آپؐ کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی شہادت مسجد میں۔ کعبہ میں حیات اور مسجد میں ممات جو کچھ پایا
 خدا کے گھر سے پایا (دیکھو غمیں دیا ربکری و مطالب السؤل و خواص الامۃ) حضرت علیؑ کے اس خاص
 شرف کو ڈوبادینے کے لیے تیسری صدی میں ایک روایت حکیم بن حزام کے لیے وضع کی گئی ہے جس سے
 یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شخص بھی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ روایت کوئی شک نہیں کہ سنیت کی جلیہ
 رکھتی ہے۔ راقم کہتا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہے تو اس سے حضرات ثلاثہ کا کیا شرف ثابت ہوتا ہے
 اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرات ثلاثہ بھی حضرت علیؑ کی طرح خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔
 (۱۵) آپؐ سب سے اول اسلام قبول کرنے والے ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔ سبقتکمہ الاسلام طور
 خلاصاً ما بلغت او ان علم۔ لفظ طراً قابل لحاظ ہے۔ یہ تو عالم اسباب کی بات ہے ورنہ حقیقت
 حال یہ ہے کہ جب آپؐ لحکم و لحمی و دمک و دمی و ففسک نفسی و روحک و روحی اور انا
 و علی من نور واحد اور ان علیا منی و انا منہ و هو ولی کل مومن کے مصداق ہیں تو کسی وقت
 میں بھی آپؐ کی طرف شرک و کفر کی نسبت نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف معاملہ حضرات ثلاثہ کا

نظر آتا ہے کہ آپ حضرت صرف مشرک پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایک عرصہ دراز تک مشرک و کافر رہے۔
چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

(۱۶) آپ بڑے صاحب علم و حکمت تھے جیسا کہ فرمودہ حضرت رسول ہے کہ انادار الحکمت و
وعلی بابہا۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے۔ یہ حدیث انامدینہ العلم کی لفظوں کے ساتھ بھی
مشہور ہے آپ کے اقوال خطبات اشعار اجتادات وغیرہ وغیرہ آپ کی بڑی حکیمانہ اور عالمانہ حیثیت سے
خبر دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ آپ کے علم و حکمت کے مقابلہ میں حضرات ثلثہ کوئی موقر حیثیت نہیں رکھتے ہیں
(۱۷) آپ سے بڑھ کر امتیان محمدی میں کوئی شخص علم سے آگاہ نہیں رکھتا۔ آپ کا علم قرآن و سائنس
جیسا کہ امام کو ہونا چاہیے۔ حضرات ثلثہ کا علم قرآن کا مترناقص تھا خاص کر کے علم قرآن حضرت عمر کا۔
(۱۸) آپ کو اور قرآن مجید کو حضرت رسول صلعم نے ساتھ ساتھ یاد فرمایا ہے جیسا کہ فرمودہ آن حضرت
صلعم کا ہے یعنی القرآن مع علی و علی مع القرآن۔ اس پر بھی حضرت ابو بکر کی یہ کارروائی دیکھی
جاتی ہے کہ جب آپ نے قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو آپ نے حضرت علی کی طرف رخ بھی نہیں کیا نیز بین
ثابت وغیرہ کو اس کام کے انجام کے لیے مقرر کر دیا اور اس جماعت مقرر شدہ نے قرآن جمع کیا جلے
تعجب ہے کہ قرآن جمع کرنے کا اہم معاملہ اختیار کیا جائے اور خلیفہ وقت ایسی ذات کی طرف جس کا
علم قرآن کامل ہو اور جس کی معیت قرآن کے ساتھ حسب فرمودہ رسول ایک امر مقبول ہو یعنی تک نہ کریں
اگر حضرت ابو بکر کو حضرت علی کے ساتھ ذاتی عناد تھا بھی تو اس عناد کو اپنی جگہ پر رہنے دیتے مگر ایسے مذہبی
کام میں حضرت علی سے بے رخی چہ معنی دارد۔ عہد خلیفہ اول کے بعد جب زمانہ خلیفہ ثالث صاحب
یعنی حضرت عثمان کا آیا تو آپ نے قرآن کی تصحیح و ترتیب کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کام کے انجام کی
نظر سے آپ نے سیکڑوں نسخے قرآن موجود کے جلو ڈالے۔ لیکن ماحصل تمام کارروائیوں کا اسی قدر
ہوا کہ کئی آیتیں مدنی آیتوں میں اور مدنی آیتیں مکی آیتوں میں داخل کر دی گئیں جس کی بدولت
احکام و مضامین کا سمجھنا وقت سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر راول
(RODWELL) کا قرآن اس وقت میں موجود نہ ہوتا تو راقم کو صحیفہ عثمان کے سمجھنے میں آسانی
نصیب نہ ہوتی۔ یہ تو حال قرآن کی ترتیب کا ہے اب اس کی تصحیح کی طرف حضرات ناظرین توجہ فرمائیں
ظاہر اس کی ضروری تصحیح اسی پتھل معلوم ہوئی ہے کہ قرآن خداوندی سے نام علی اور ذکر آل محمد کا
بڑی مستعدی اور دلیری کے ساتھ خارج کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی عناد ذاتی کی بنا پر
حضرت عثمان نے بھی حضرت ابو بکر کی طرح ایسے معاملہ اہم میں حضرت علی کی شرکت گوارا نہ رکھی۔ واہ وا

کیا کہنا ہے۔ جس کی شان میں القرآن مع علی وعلی مع القرآن ہو وہ ذات معاملات قرآنی میں پوچھی
تک نہ جائے۔ واہ رے امتیان محمدی کا اسلام اور واہ رے خلافت ہائے خود ساز کے اہتمام۔
حضرت علیؑ کو تصحیح و ترتیب قرآن میں شریک نہیں کرنے کی یہ بھی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی موجودگی
میں آپ کے نام اور ذکر آل محمد خارج از قرآن کرنے میں رفقاء حضرت عثمان کو وقت لاحق ہوتی۔ پس
آپ کی غیر موجودگی میں کارروائی بالآسانی کے ساتھ انجام پاسکی۔ امور بالاسے صاف صاف معلوم
ہوتا ہے کہ مسلمانان وقت نے اسلام کو حصول دنیا کا ایک قوی ذریعہ سمجھ لیا تھا کوئی شک نہیں کہ اسی لیے
مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے۔ کیسی ہجرت اور کیسی حضرت رسولؐ کی تبعیت و اطاعت۔ وہ تنگ چشم
جو حضرت رسولؐ کی سلطنت دینی کو دنیاوی سلطنت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اگر سلطنت دینی سمجھتے تو
حضرت علیؑ پر معاملات قرآن کو چھوڑ دیتے۔ اس لیے کہ بعد حضرت رسولؐ صلعم حضرت علیؑ سے بڑھ کوئی عالم
قرآن نہ تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کی شان میں القرآن مع علی وعلی مع القرآن
نہ فرمائے ہوتے۔ پس حضرت ابوبکرؓ کی ناتوہی یا حضرت عثمانؓ کی پیروی حضرت ابوبکرؓ کی کہتی ہے
کہ حضرت علیؑ سے دونوں صاحبوں کی عدم توجہی تا مگر اعتراض دنیوی پر مبنی تھی۔ دونوں صاحبوں کے
دل سے یہ بات لگی ہوئی تھی کہ امور خلافت سے جہاں تک ممکن ہو آل محمد دور رکھے جاوین جس کی وجہ سے
اُن کی خلافت خود ساز کو شکل استحکام حاصل ہے۔ یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی تھا کہ لایعنی حضرت
عمرؓ کا منشا ابوسفیان و معاویہ کو سرنوسے قوی و درقوی بناؤ النابھی اُسی پالیسی کا تھا جو خلافت مقاصد
حضرت رسولؐ صلعم کے تھی۔ اگر خلافت ثلاثہ دینی بنا پر قائم ہوئی ہوتی تو آل محمدؐ سے اس قدر بے تعلقی
حضرات ثلاثہ کو لاحق نہیں ہو سکتی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ حضرات خلفاء کی خلافتیں دینی ریاستیں
نہ تھیں۔ یہ ریاستیں دنیاوی اسباب سے حاصل کی گئی تھیں اور روحانیات سے کوئی علاقہ نہیں
رکھتی تھیں۔ روحانی امور آل محمدؐ پر ختم تھے۔ اور جب آل محمدؐ کو کسی طرح کا لگاؤ حضرات خلفاء کی
خلافتوں سے پیدا نہ تھا تو اُن خلافتوں میں روحانی انداز کو نہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۱۹) آپ قرآن ناطق ہیں جیسا کہ خود فرمودہ آپ کا ہے۔ آپ کو غیر صادق القول وہی سمجھے گا جو
امیر معاویہ وغیرہ کی طرح گمراہ ازلی ہوگا۔ راقم مخالفان علیؑ سے پوچھتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ قرآن ناطق تھے
یا نہیں یا قرآن کے ساتھ کسی قسم کی نسبت رکھتے تھے یا نہیں۔ جواب اس کا سوا نہیں کے ان نہیں ہو سکتا۔
(۲۰) آپ عترت جناب رسول خدا صلعم ہونے کے باعث عظمت میں کتاب اللہ یعنی قرآن کے برابر
ہیں۔ یہ فرمودہ حضرت رسول صلعم کا یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لہن تضلوا

کتاب اللہ و عتقی و اہل بیعتی کافی طور پر اس کا مثبت ہے کہ علی مرتضیٰ عترت و اہلبیت مصطفیٰ میں داخل ہیں۔ یہ شرف حضرات ثلثہ کو نصیب ہے یا نہیں۔ نہیں نہیں کے سوا اور جواب کیا ہو سکتا ہے (۲۱) آپ حیرت انگیز قوت قضا رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اقصیٰ علی اور واقعی آپ کے فیصلے ایسے ہوتے تھے کہ دنیا اُسے تعجب کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ آپ کے بعد لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ قضیۃ ولا ابا حسن لھا۔ یعنی مقدمہ تو ہے مگر حضرت علی نہیں جو فیصلہ کریں۔ مخالفان علی بتا دیں کہ حضرت رسول صلعم نے خلفائے ثلثہ سے کسی کو بھی اقصیٰ فرمایا ہے یا نہیں۔ نہیں نہیں اور سو بار نہیں۔

(۲۲) آپ نہایت حلیم کریم رحمہ نفس کش حیا دار باذل سخی جواد شجاع سیر حیرت قانع پاک باز منکسر حق گو خدا ترس مردم شناس علم دان علم پرور علم دوست صابر شاکر جفاکش صاحب ریاضت خوش جمال خوش خصال خوش خیال صادق المقال با استقلال فہم ذکی متین اور آخر میں تھے۔ مخالف علی بتا دیں کہ اتنے اوصاف کے جامع حضرات ثلثہ تھے یا نہیں۔ راقم کہتا ہے کہ کھلے کھلے طور پر رحیمی کی صفت سے حضرت عمر کو نہ نظرت نے محروم رکھا تھا۔ اہل عرب آپ کو سنگدل جانتے تھے چنانچہ جب حضرت ابو بکر نے اپنے آخر وقت میں حضرت عمر کو اپنا جانشین بنایا تو اُس پر بعض لوگ کہہ پڑے کہ تم نے ایک درشت خوشگدل کو ہم پر حاکم کیا ہے۔ حضرت عمر کی بے رحمی کی بہت مثالیں ہیں۔ جن سے اہل واقفیت انکار نہیں کر سکتے (دیکھو کتاب مل و نخل) اسی طرح حضرت عثمان کو حیا داری سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ عوام میں آپ کا صاحب حیا ہونا آپ کی ایک خاص صفت مانی جاتی ہے۔ راقم پوچھتا ہے کہ کبھی کسی حیا دار سے ایسے افعال زشت سرزد ہو سکتے ہیں جن کا ذکر راقم نے ہفت کی مستند کتابوں سے مصباح العظمیٰ میں کیا ہے۔ پیارے ابو ذر اور شرفائے کوفہ کے معاملات ایسے ہیں کہ جن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کو حیا داری کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ آپ کے تمام معاملات حیا چہ کتنی است کہ پیش مردان بیاید کے مصداق نظر آتے ہیں۔ اب رہی صفت شجاعت کی اس سے حضرات ثلثہ تمام تر بے بہرہ تھے۔ شجاعت کی نسبت بھی کسی حال میں آپ حضرات کے ساتھ نہیں کیجا سکتی ہے۔ آپ حضرات کو شجاع کہنے سے زیادہ کوئی جھوٹا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۲۳) کوئی شک نہیں کہ صفات حمیدہ میں علی مرتضیٰ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ علمائے اسلام اس مادے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ مگر مسٹر کارلائل نے بھی آپ کے اوصاف گرامی یوں حوالہ عظم کیے ہیں کہ یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا جسے ہر شخص ضرور ہی پسند کرے گا (راقم کہتا ہے مخالفین اہل بیت کے

سواجن کا عدد دیوبند و دیگر مقامات ہند میں روز بروز رو بہ ترقی ہے) اس کم عمری میں وعدہ نصرت بنی کے علاوہ اس کی اور باتوں سے جو اس سے ہمیشہ ظہور میں آتی رہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا خلیق فاضل اور حد درجہ کا با وفا اور بہادر شخص تھا جس کی آگ کے مانند چیز اور تنہا جرات کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب انداز کی جو اندری تھی۔ بانی کوثر نبی کے ایک فاضل بیچ نے ایک مذہبی فیصلہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ علی کو سب لوگ دوست رکھتے تھے اور وہ اس قابل بھی تھے (راقم کتا ہے کہ حضرات ثلثہ و تابعین حضرات ثلثہ کے سوا جن میں ایسے بڑے مع اپنے اجزاء خاندان داخل ہیں اور اس وقت علماء دیوبند وغیرہ کا وہی رنگ ہے اور رہیگا) اُس زمانہ میں جب کہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے ضرغام آل ابوطالب اسد اللہ الغالب آپ کا لقب تھا اور لوگ آپ کو اشجع عرب کہا کرتے تھے۔ شجاعت۔ بہمت۔ حکمت۔ عدالت سخاوت اور نہر و تقویٰ کی صفتیں آپ پر ختم تھیں اور جن کی مثال صفحات تاریخ عالم میں بہت کم نظر آتی ہے (راقم کتا ہے کہ کاش مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی کو علی مرتضیٰ کے اوصاف گرامی کے درک کی قوت حاصل رہتی تو اس قدر حق کشی کے مضامین حوالہ قلم نہ کر جاتے)

(۲۴) آپ کی محبت مومنین پر فرض ہے آپ کا مخالف مومن نہیں ہو سکتا جیسا کہ فرمودہ حضرت رسول صلعم کا ہے۔

(۲۵) آپ کی شان میں آیات قرآنی بہت ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

- (۱) اٰمَنَّا وَلِيَكُمْ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (ب) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ
 - (ج) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (د) وَيَتْلُوهُ (ر) وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ
 - (س) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (ش) الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
 - (ص) يَوْمَ نَبْلُوَنَّكُمْ (ط) آيَةُ تَطْهِيرٍ (ع) آيَةُ مِبَاهِلَةٍ۔
- اہل انصاف دیکھیں کہ ایسی آیتیں اور کسی امتیاز محمدی کے لیے قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

(۲۶) آپ حدود اللہ میں نفسانیت کو دخل نہیں دیتے تھے۔ بلکہ جہان نفسانیت کا خون دیکھتے تھے وہاں ایسی کارروائی فرما جاتے تھے کہ جس میں نفس کی شرکت کی صورت باقی نہیں رہتی تھی جیسا کہ اس قصہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس کی نسبت مولوی معنوی صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اُدخِو انداخت بروے علی استخار ہر بنی و ہر ولی

آپ کے حدود اللہ کے معاملات کو اہل انصاف خالد بن ولید کی کارروایوں سے موازنہ فرما دیں تو معلوم ہو جائیگا کہ خدا کی راہ میں قدم مارنا اور رہے اور نفسانیت کی کارروائی اور رہے۔

خالد صاحب اہل سنت کے بڑے رضی اللہ عنہ ہیں جہاں ذکر علی مرتضیٰ کا آجاتا ہے وہاں خالد صاحب کا ذکر اہل سنت ضرور کر بیٹھتے ہیں۔ خالد صاحب عہد حضرت ابوبکر میں جب قبیلہ یربوع کی طرف بھیجے گئے تو اس کے سردار مالک بن نویرہ کو اُس کی حسین جو روپ قابض ہو جانے کی غرض سے مار ڈالا۔ پھر فوراً ہی اس مقتول کی جو رو کے ساتھ زنا کے مرتکب ہو گئے۔ واہ ری مسلمان! مسلمان ہو تو ایسی ہو۔ اس سے زیادہ قبیح نفسانیت کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس پر بھی اہل سنت خالد صاحب کو بڑی عظمت کے ساتھ علی مرتضیٰ کا مقابل سمجھتے ہیں۔

چہ نسبت است بہ رند صلاح و تقویٰ! سلع و عطا کجا فتنہ رباب کجا
اے خدا دنیا سے کیا انصاف اٹھ گیا ہے جو باتیں حضرات اہل سنت کی دیکھی جاتی ہیں حیرت انگیز انداز کی دیکھی جاتی ہیں۔ اے اونٹ تیری کون کل سیدھی۔

(۲۷) آپ کو درجہ شہادت بھی حاصل ہوا۔ آپ کی رحیمی اور کریمی اپنے قاتل کے ساتھ ایک قابل لحاظ امر ہے۔ تمام امتیاز محمدی میں اس کی نظیر نہیں دیکھی جاتی ہے۔

(۲۸) آپ کسب حلال کی نظر سے مزدوری کیا کرتے تھے۔ مثلاً اجرت پکنوئین سے پانی نکالتے تھے (۲۹) آپ کی غذا محض سادی تھی۔ بیشتر جو کی روٹی کھاتے تھے اور وہ اسی قدر کتن میں جان باقی لپٹاں کا بھی یہی طور تھا کہ تکلف سے تامر بڑی تھا۔ اس طرح کا طریقہ گزران امتیاز محمدی سے کسی کا نظر نہیں آتا ہے۔

(۳۰) آپ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم جانتے تھے اور کبھی رد سوال نہیں فرماتے تھے۔ نمازین سائل کو انگشتی دے ڈالی اور نذر کے تین روزے کے معاملہ سے اہل واقفیت پوری خبر رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر یہ سخاوت یہ جو دیہ بذل یہ کرم کہیں دنیا میں نہیں دیکھا جاتا ہے تا یہ غیبی کے بغیر ایسے کام انسان سے انجام نہیں پاسکتے۔ انھیں روزہ ہائے نذر کی نسبت خداے تعالیٰ قرآن مجید میں آیت یوفون بالنذر سے ارشاد فرماتا ہے۔

(۳۰) آپ صاحب عرفان کامل تھے اور خدا کا یقین ایسا رکھتے تھے کہ اُس سے زیادہ یقین کا امکان دشوار ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ اگر اُلٹ جاتا پردہ تو میرا یقین نہیں بڑھتا۔ آپ کی خدا شناسی کا کیا درجہ تھا کوئی نہیں بتا سکتا۔ آپ کا عرفان انبیاء کرام کا عرفان تھا۔ یہ عرفان

امتیان محمدی سے نہ کسی کو حاصل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ آپ کے عرفان سے برابری کرنے والے صرف آپ کے جانشینان برحق تھے۔ اور حق یہ ہے کہ عرفان کامل کا معاملہ خاندان پیغمبر کے ساتھ مختص رہا۔

(۳۲) آپ دنیا کو محض بے حقیقت جانتے تھے۔ یہ بات آپ کے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتی تھی اسباب دنیا سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نان جوین کھاتے تھے اور مومے کپڑے پہنتے تھے اور اکثر زمین پر لیٹے ہوئے یاد آتی میں مشغول رہتے تھے۔ اسی لیے حضرت رسول صلعم آپ کو ابو تراب فرماتے تھے۔ ایسا تبارک دنیا امتیان محمدی سے نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اس صفت میں آپ کی برابری کرنے والے اگر ہیں تو آل محمد ہیں اور کوئی نہیں ہے۔

(۳۳) آپ اپنے حق کے رو سے ویسے ہی سید ہیں جیسے جناب رسول خدا اور حضرت سیدہ و حضرت لاجم و امام حسین علیہم الصلوٰۃ والسلام نعمت سیادت سے از جانب خداے تعالیٰ بہرہ ور ہیں۔ اسی لیے آپ کی وہ اولاد بھی جو غیر نبی فاطمہ ہیں سادات علوی کہے جاتے ہیں واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتن پاک علیہم السلام کو مرحمت ہوا ہے۔ اگر ظالمان امیر معاویہ حضرات پنجتن کو سید نہ مائین نہ مائین۔ اس سے سیادت پنجتن میں کوئی بقا نہیں لگتا۔

(۳۴) آپ کے قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں جن برحقوں نے حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا الزام لگایا ہے اُن کو مولانا شمس الدین فاخوری کے اس قول پر کہ واسطے رحمتانے کہ علیؑ قاتل او باشد۔ نظر ڈالنے کی حاجت ہے۔

(۳۵) آپ کے ساتھ جناب رسول خدا کو بڑا تعلق دلی تھا حضرت عطیہ جو صحابیہ تھیں روایت فرماتی تھیں کہ روانہ کیا جناب رسول خدا نے ایک فوج کو جس میں علیؑ بھی تھے۔ پس ہم نے جناب رسول اللہ کو دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا کہ اللہ میرے مت مار بھجک جب تک کہ تو علیؑ کو مجھے پھر دکھلانے واقعی جگر جگر ہوتا ہے اور دگر دگر۔ وہ بھی کیسا جگر بند لاجواب مطیع فرما جگر دار خداست گزار اور بکار آمد۔

(۳۶) آپ نے جس طرح بیٹی رسول اللہ سے اُسی طرح ذوالفقار خداے پائی۔ یا یہ کیسے کہ دونوں خداے پائی (۳۷) آپ حضرت رسول صلعم کی شب بھرت جان پر کھیل کر پست رسول اللہ صلعم پر سو رہے۔ اس ہمدردی کی نظیر دنیا میں نہیں دیکھی جاتی ہے۔ تب ہی تو حضرت جبریل جو حکم خدا آپ کی حفاظت کے لیے تعینات ہوئے تھے۔ آپ سے کہتے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابوطالب کون آپ کے برابر ہو سکتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کی نسبت فرشتگان آسمان سے مباہات کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی شان میں خداے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ جو خدا کی

رضاجوئی میں اپنی جان بیچتا ہے اور خدا اپنے بندوں کے ساتھ بھد مہربان ہے (دیکھو نہیں تفسیر کبیر و تفسیر ثعلبی وغیرہ وغیرہ) تعجب ہے کہ حضرات اہل سنت اس واقعہ پر نظر انصاف نہیں ڈالتے۔ ہمیشہ معصیت غار کا راگ گائے جاتے ہیں۔ واقعہ غار پر نظر ڈالنے سے تو صاف حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر کہ سہ ترا از دہاگر بود یا ر غار اذان بہ کہ جاہل بود غمگسار۔ قرین حال معلوم ہوتا ہے۔ (۳۸) اپنے صیغہ سنی میں جناب رسول خدا صلم کے پاس پرورش پائی حتی کہ لعاب دہن حضرت رسول صلم کا وقت پیدائش چوسا اور غسل پیدائش آن حضرت صلم کے ہاتھ سے پایا۔ سب سے پہلے جناب رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ظاہر ہے کہ یہ شرف حضرات اہل سنت کے خلفاء یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت معاویہ کو نصیب نہ ہوا۔

(۳۹) آپ بت شکنی کی غرض سے حضرت رسالت مآب صلم کے دوش مبارک پر سوار ہوئے۔ یہ شرف حضرات خلفائے ثلاثہ و حضرت معاویہ کو نصیب نہیں ہوا۔

(۴۰) آپ علم میں حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ درجہ خلقت حضرت ابراہیم کا رکھتے تھے ہیبت آپ کی موسیٰ کی ہیبت کی سی تھی اور عبادت آپ کی عیسیٰ کی عبادت کے مانند۔ رع انچہ زبان ہمہ دارند تو تنہا داری۔ کیا امتیان محمدی میں کوئی آپ کا نظیر سمجھا جاسکتا ہے؟ نہیں جانیں (۴۱) آپ جناب رسول اللہ صلم کے غسل و کفن کے متکمل ہوئے اور خود آپ کو غسل و کفن ملا لگے گیا ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلم کو آپ نے غسل و کفن چھوڑ کر حصول خلافت کی نظر سے نفیغہ کی طرف دوڑ جاتے تو ملا لگہ آپ کو غسل و کفن نہیں دیتے۔

(۴۱) آپ حسب حکم رسول اللہ صلم بحالت جنابت بھی مسجد نبوی میں جانے کے ماذون تھے۔ یہ اجازت سوائے اہلبیت علیہم السلام کے کسی کو نہ ہوئی اور کیوں نہ ہوتی جب آپ اور جمیع اہل بیت مورد آیت تطہیر ہونے کے باعث ہر حال میں مطہر تھے عقل کہتی ہے کہ مطہر نبی کے جانشین کو بھی مطہر ہونا چاہیے۔ غیر مطہر حضرت رسول صلم کا برحق جانشین ہو نہیں سکتا۔ اگر موافقت زمانہ سے جانشین بن بھی جائے تو برحق جانشین مانا نہیں جاسکتا ہے۔ رسول اللہ صلم کی سلطنت دینی سلطنت تھی آپ کے جانشین کے لیے مطہر جانشین کی حاجت تھی۔ دینی سلطنت کا تقاضا یہ نہیں ہو سکتا کہ جو چاہے حضرت رسول صلم کا جانشین بن بیٹھے۔ افسوس ہے کہ حضرات اہل سنت نے خلافت حقہ کیلئے ایسے شروط ایجاد کیے ہیں جس کی بنا پر نیز یہ بھی حضرت رسول صلم کا خلیفہ برحق قرار پاتا ہے۔ اسی لیے ایک فرقہ اہل سنت کا زید کو خلیفہ برحق مانا ہے۔ اہل سنت کے شروط خلافت کے رو سے خلیفہ کا

نیک و بد ہونا کوئی شے نہیں ہے۔ شروع خلافت سے ایک شرط کے بھی حاصل رہنے سے خلافت حقہ قرار پا جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عصمت خلافت حقہ کے لیے کوئی ضروری شرط نہیں ہے تو حضرات ثلاثہ کے ساتھ معاویہ یزید مروان وغیرہ وغیرہ سب کے سب جو خلیفہ برحق مانے جاتے ہیں بجا مانے جاتے ہیں۔ اس اصول سے معاویہ جیسا آدمی بھی جس کی سرشت میں خونریزی حرص مکرو فریب و فاحش ستانی مردم آزاری وغیرہ وغیرہ کے صفات ذمیمہ داخل تھے حضرت رسولؐ کا جانشین برحق کیونکر نہیں مانا جاسکتا ہے۔ معاویہ پرستی کا تماشا جس کو دیکھنا ہو دیوبند میں دو چار روز رکھ کر دیکھ لے۔ ایسے محترم اور مطہر نبی کے جانشین برحق معاویہ قرار دیے جاتے ہیں۔ واقعی مذہب اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ مطہر کا جانشین اس پہلے کا نام مطہر کچھ ایسا امر ہے کہ سمجھ سے باہر ہے۔ خداے تعالیٰ اپنے ہر بندے کو نیک و بد کے پرکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی پر آخرت کے نیکے بد کا مدار ہے۔ تماشا ہے کہ ولید بھی حضرت رسولؐ کا خلیفہ مانا جاتا ہے۔ یہ شخص مردود و خوار و رسول تھا مگر جانشین حضرت رسولؐ قرار پا گیا۔ لاجل ثم لاجل۔

(۴۳) آپ کا اور آپ کے جگر گوشگان یعنی ائمہ معصومین علیہم السلام کا ذکر قورات و انجیل میں دیکھا جاتا ہے۔ کما لا یخفى علی اهل العلم۔

(۴۴) آپ مفتی ہر چہ را در دفتر تھے جیسا کہ راقم اس امر کی تحقیق کتاب مصباح الظلمین حوالہ ظلم کر چکا ہے (۴۵) آپ نے کبھی کسی کا حق منہض نہیں کیا۔ یہی طور جمیع ائمہ معصومین علیہم السلام کا دیکھا جاتا ہے (۴۶) آپ نے ناجائز رنگ پر ایک قطرہ خون بھی کبھی نہیں بہایا۔ سیکڑوں دشمنان اسلام کو تر تیغ کر ڈالا مگر کبھی اپنے نفس کے لیے کسی کی جان نہیں لی۔ حضرات ناظرین خالد صاحب کے معاملات پر نظر ڈالیں۔ جن کی خونریزیان قابل لحاظ ہیں۔ اس پر بھی حضرات اہل سنت خالد صاحب علیہ السلام کا شجاعت میں مقابل جانتے ہیں بلکہ بعض اُن سے خالد صاحب کو شجاعت میں ترجیح دیتے ہیں واضح ہو کہ سباحت یعنی درندگی اور شے ہے اور شجاعت اور شے۔ خالد صاحب کے حالات راقم اس کتاب میں حوالہ ظلم کر چکا ہے اور ضرورہ کچھ اس کا اعادہ یہاں پر بھی کرتا ہے۔

آپ کی سباحت کی ایک مثال یہ ہے کہ حسب تحریر مورخ ابو الفدا جب حضرت رسولؐ نے بدر فتح مکہ بعض صحابیوں کو مع مختصر لشکر کے حوالی مکہ میں اس عرض سے بھیجا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن کسی سے قتال نہ کریں تو اذان جملہ خالد کو بھی روانہ کیا۔ جب خالد چٹمہ بنی خزیمہ پر پہنچے تو بنی خزیمہ کے لوگ مسلح ہو کر باہر آئے۔ خالد نے اُن سے کہا کہ ہتھیار ڈال دو جب انہوں نے

ہتھیار رکھ دیے تو خالد نے اُن کے ہاتھ بندھ کر سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جب اس کی خبر حضرت رسول صلعم کو ہوئی تو آنحضرت صلعم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند فرما کر کہا کہ خداوند! جو حرکت ناشائستہ خالد سے ہوئی ہے میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ حضرت خالد کی اس ظالمانہ اور وحشیانہ کارروائی کا ذکر مدارج النبوة میں بالتصریح دیکھا جاتا ہے۔ اُس کتاب میں دیکھا جاتا ہے کہ خالد نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ ان مظلوموں کے ہاتھ شانوں پر باندھ دو بعد ازاں ہر ایک اسیر کو اپنے رفقا کی سپردگی میں دیا اور جب صبح ہوئی تو حکم دیا کہ جو اسیر جس کی سپردگی میں ہے وہ اُس کو قتل کرے چنانچہ وہ اسیران بے گناہ اُسی وقت قتل کیے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ جب خالد کے کئے سے بنی خزمیہ کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے تو خالد نے تلوار لیکر تقریباً سو آدمی اس قبیلے کے قتل کر ڈالے۔ بنی خزمیہ کے ایک شخص نے جب جناب رسالت مآب کو اس واقعہ کی خبر دی تو آنحضرت صلعم نے غضبناک ہو کر تین بار فرمایا کہ خداوند! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حسب تحریر ابو الفدا بیہیم نے حضرت علیؑ کو کچھ مال و زر دیکر قبیلہ بنی خزمیہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان متولوں کا خونہا اور تلف شدہ مال کا عوض ادا کریں چنانچہ حضرت علیؑ نے حکم نبویؐ کی تعمیل فرمائی۔ معاذ اللہ خالد صاحب کا قصہ بالاکس درجہ کی سباحت سے خبر دیتا ہے۔ افسوس ہے کہ اہل سنت سباحت اور شجاعت میں کوئی فرق نہیں سمجھتے ہیں اور خالد صاحب کو علی مرتضیٰ کا ہم پلہ شجاعت میں قرار دیتے ہیں بلکہ کمال تقصیب سے حضرات سنت خالد صاحب کو علی مرتضیٰ سے اشجع سمجھتے ہیں۔ دوسری مثال خالد صاحب کی وہ ہے جو اسی ضمیمہ میں مالک بن نویرہ کے واقعہ عجیبہ کے لگاؤ سے حوالہ قلم ہو چکی ہے یہ مثالیں درندگیوں کی ایسی ہیں کہ اگر تاقیامت حضرات اہل سنت خالد صاحب کا نام رضی اللہ عنہ کے ساتھ لیا کریں گے تو خدا سے عادل کبھی خالد صاحب سے راضی نہیں ہو سکتا۔ حضرت رسول صلعم کی بیزاری سخت کے مقابلہ میں حضرات اہل سنت کی دعائے رضا جس بھرا کام نہیں کر سکتی ہے تعجب ہے کہ حضرات اہل سنت خالد صاحب کو خطاب سیف اللہ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی ظالم خون ریز بے رحم حق ستان زنا کار سیف اللہ کیونکر مانا جاسکتا ہے۔ درحقیقت یہ خطاب اسد الغالب ابن ابی طالب حضرت علی مرتضیٰ کا ہے۔ اس خطاب کو بھی خطابات صدیق و فاروق کی طرح حضرات اہل سنت نے غضب کر لیا ہے۔ صدیقہ کے خطاب کی بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ یہ خطاب گرامی حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا ہے۔ اس خطاب کو بھی حضرات اہل سنت نے حضرت ممدوح سے غضب کر کے حضرت عائشہ کے نام کے ساتھ لگا دیا ہے۔ جن حضرات کو خطابات کی

تحقیق منظور ہو راقم کی کتاب مصباح النظم کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۷) آپ اپنی صلاحیت نیک اور رغایت کریم النفسی سے بھی اسلام کی خدمت کیا کرتے تھے صرف یہی نہ تھا کہ اشاعت دین میں ذوالفقار حیدری ہی سے کام لیتے تھے بلکہ آپ کی تیغ علم و کرم بھی آپ کی ذوالفقار سے کچھ کم خدمت اسلام کی نہیں کرتی تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حسب مضمون تاریخ طبری جب خالد صاحب ین کو اس غرض سے روانہ کیے گئے تھے کہ اہل ین کو مسلمان ہوئیگی ترغیب دین۔ لیکن جب وہ اس امر میں ناکام ہوئے اور ان کی کوشش سے کسی نے اسلام قبول نہ کیا تو حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کو اس اختیار کے ساتھ ین کو بھیجا کہ خالد اور ان کے ساتھیوں میں سے جس کو چاہیں معزول کریں۔ چنانچہ علی مرتضیٰ نے جا کر اہل ین کو رسول مقبول کا مکتوب سنایا جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک ہی دن میں تمام قبیلہ ہمدان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے رسول مقبول کو اس کار نمایان کی اطلاع دی۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ سلام ہو قبیلہ ہمدان پر۔ اس کے بعد اہل ین یکے بعد دیگرے داخل دین اسلام ہوئے۔ حضرت علیؑ نے پیغمبر صاحب کو پھر یہ حال لکھ بھیجا۔ آن حضرت صلعم نے فرط مسرت سے بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر ادا فرمایا۔ اس نصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ میں صرف جہاد ہی کی نہیں بلکہ ہر طرح کی صلاحیت حاصل تھی۔ کسی ملک کے ملکی مذہب کو اس آسانی کے ساتھ تبدیل کر دینا آسان کام نہ تھا۔ اگر خالد صاحب ین سے ایک فرد کو بھی مسلمان نہیں بنا سکے تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ دوسو برس سے پادریان انگریزی شرفاء ہندوستان کے عیسائی بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر ہنوز روز اول کا نقشہ ہے۔ چار دوسادہ ڈوم اور کچھ جنگلی اور کوہی اقوام کے سوا بہت کم شرفاء نے مذہب عیسائی کو اب تک اختیار کیا ہے۔ علی مرتضیٰ کے اثر سے اس قدر جلد اہل ین کا مشرف بہ اسلام ہو جانا آپ کی بڑی صلاحیت نیک اور استعداد پسندیدہ سے خبر دیتا ہے۔

اسی طرح جب حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کو بنی نجران سے رقوم جزیرہ و صدقات وصول کرنے کے واسطے بھیجا تو حسب تحریرہ مورخ ابن الوردی آپ اس کام کو بھی انجام کر کے حجۃ الوداع میں حضرت رسول صلعم سے ملاقی ہوئے۔ اُن حضرات مخالف کا جو یہ خیال ہے کہ حضرت علیؑ عدم صلاحیت و استعداد نا کافی کے باعث خلافت حضرت رسولؐ کے سزاوار نہ تھے ایک محض پوچ اور پوچ خیال ہے کیا حضرت علیؑ حضرت عثمان سے بھی زیادہ ناقابل خلافت تھے۔ حضرت عثمان میں تو دینی اور دنیوی صلاحیتوں سے ایک صلاحیت بھی حاصل نہ تھی۔ زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کا ایک عجیب زمانہ

بنی اُمیہ کے فسادات کا گزرا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت علیؑ ایسے زمانہ میں خلیفہ قائم ہوئے کہ جب بنی اُمیہ اپنے پر پڑے سنبھال چکے تھے۔ آپ کی چار سال کی خلافت کا عرصہ حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کے فسادات میں بسر ہو گیا۔ خانہ جنگیوں سے حضرت علیؑ کو فرصت ہی کیا ملی جو اسلام کی بہودی میں صرف کی جا سکتی۔ اگر اسلام کے نصیب اچھے ہوتے تو رحلت حضرت رسولؐ کے بعد ہی حضرت شیخین علیؑ و رضیؑ کو جانشین حضرت رسولؐ مان کر بحیثیت وزراء اسلام کی قلع رسانی میں غرق ہو جاتے اس کے عوض حضرت شیخین نے وہ فساد کی راہیں پیدا کیں جن سے آج تک اسلام مبتلائے آفات ہو رہا ہے۔ اور تاقیات مبتلائے آفات رہے گا۔ حق یہ ہے کہ اسلام میں رسولؐ وار کا تخم پویا ہوا حضرت شیخین کا ہے۔ بعد حضرت رسولؐ صلعم کے جتنی خوزریان آج تک ظہور میں آئی گئیں ہیں وہ صاف صاف دونوں صاحبوں کے غیر مدبرانہ کارروائیوں کے نتائج نظر آتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ حضرت رسولؐ صلعم نے اسلامی دنیا کو اپنی امان کے سامان کی راہ بتا کر رحلت فرمائی تھی مگر حضرت شیخین نے فوراً نقیضہ کا ہنگامہ برپا کر دیا جو غیر متعصب اہل تحقیق کی نظر میں رسولؐ وار کے تخم کا حکم رکھتا ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کی پہلی پولیٹیکل غلطی یہی ہوئی کہ انھوں نے بنی ہاشم سے حکومت کو منسوخ کر ڈالا۔ پہلے حضرت شیخین نے اُسے اپنی اپنی طرف منتقل کیا اور بعد ازاں اُسے بنی اُمیہ کی طرف منتقل کر ڈالا۔ یہ بنی اُمیہ حکومت اسلام کے حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے تھے۔ اُن سے بڑھ کر اسلام کا دشمن کوئی دوسرا قبیلہ نہ تھا۔ یہ قبیلہ تمام تر مرد و دودھا و رسولؐ تھا۔

کمالیہ یعنی علیؑ اہل تحقیق حضرت شیخین اگر سچے پولیٹیکل داغ رکھنے والے اور سچے دوستدار اسلام کے ہوتے تو زہار بنی ہاشم سے حکومت کو منسوخ کرنے کے کار بند نہ ہوتے۔ سودا اسلام کے لیے وہی پولیٹیکل راہ اختیار کرتے جو منظور نظر حضرت رسولؐ صلعم کی تھی۔

(۴۸) بروز اُحد آپ کی نسبت غیب سے یہ صدا پیدا ہوئی کہ لا فتنی الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقارؑ ظاہر ہے کہ حضرات ثلاثہ کی نسبت یہ آواز غیبی نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ آپ حضرات سے کسی غزوات رسولؐ اللہ میں کوئی بہادرانہ کارروائی ظہور میں نہ آ سکی۔ غزوات دسرایا میں آپ حضرات یا مطلق بیٹھے رہے یا حضرت رسولؐ اللہ کو زعماء اعدا میں چھوڑ کر فرار ہوتے رہے۔

(۴۹) جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کتاب مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں کہ ناد علیؑ مظہر العجائب کا نزول معرکہ اُحد میں ہوا ہے حضرت محدث کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چاروں مصرعے وحی کا انداز رکھتے ہیں یعنی کلام بشر نہیں ہیں ایسے کلام خدا ہیں جو حضرت علیؑ کے لیے نازل ہوئے۔ علامہ میبذی بھی اپنی فوائج میبذی میں ان چاروں مصرعوں کی نسبت

ایسا ہی لکھتے ہیں۔ اگر حضرات خلفائے ثلاثہ کے لیے بھی ایسے چار مصرعے نازل ہوئے ہوں تو مخالفان علیؑ اس کا نشان دین۔ ظاہر ہے کہ فراہین احد کے لیے ایسے چار مصرعے نازل نہیں ہو سکتے تھے۔ خدا عادل ہے کسی حال میں نا اتفاقی جائز نہیں رکھ سکتا۔

(۵۰) آپ بہت حاضر طبیعت اور بڑے حاضر جواب تھے۔ مگر اپنے اقوال میں غیر راست گفتاری اور ناحق گوئی کو کبھی داخل ہونے نہیں دیتے تھے۔ امیر معاویہ کی طرح کلام میں مکر و فریب کو دخل پانے نہیں دیتے تھے۔ راستی کے ساتھ حاضر جوابی ایک بڑی نعمت خدا ہے۔ یہ نعمت اُسی کو حاصل رہتی ہے جو پاک خیال حق پسند اور حق شناس ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ علی مرتضیٰ سے زیادہ بعد آن صلعم کے پاک خیال حق پسند اور حق شناس اُمت محمدی میں کوئی نہیں گزرا ہے۔ اگر آپ کے ماثل افراد نظر آنے میں تو وہی خاندان پیغمبر کے ائمہ علیہم السلام نظر آتے ہیں۔

(۵۱) آپ کے لیے آفتاب نے دوبار رجعت کی جیسا کہ حضرت یوشع کی دعا پر آفتاب ٹھہر گیا (دیکھو حوالات مندرج کتاب مصباح الظلم صفحہ ۱۰۱) کسی اُمت محمدی کے لیے ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا ہے (۵۲) آپ کو اسد اللہ اور یہ اللہ کا خطاب ملا۔ اس وجہ خطاب کو معاملات شب معراج سے تعلق ہے (۵۳) آپ کا خطاب صدیق اور فاروق بھی ہے حضرت شیخین کے نام کے ساتھ یہ خطابات اہلسنت کے صنم کردہ ہیں (دیکھو حوالات مندرج کتاب مصباح الظلم)

(۵۴) آپ کو حکم خدا آن حضرت نے خرقہ معراج عنایت فرمایا۔ یہ شرف امتیاز محمدی سے کسی کو نہیں بخشا گیا۔

(۵۵) شب معراج میں آنحضرت صلعم نے عرش پر لکھا دیکھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وایدناہ بصلیٰ یعنی خدا کے سوا کوئی خدا نہیں محمد خدا کے رسول ہیں اور محمد کے مددگار ہیں۔

(۵۶) آپ یعنی علی مرتضیٰ قائل قول سلونی تھے (دیکھو شواہد ملا جامی) ملا موصوف لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے ایک خطیب میں فرمایا ہے کہ جس کو جو چاہے مجھ سے پوچھے سوائے عرش کی بات کے۔ میرے سینہ میں علم کثیر ہے بسبب جناب رسول اللہ کے لعاب دہن کے جو مجھے وقتاً فوقتاً چسایا گیا ظاہر ہے کہ کوئی شخص دیگر ایسے قول کا قائل کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۵۷) آپ نے فرمایا کہ میں بندہ خدا براہِ رسول اور وارث رسول خدا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ میں ناکم سید الناس بنت رسول اللہ ہوں اور سید الاوصیا اور خاتم الاوصیا ہوں اور میں وہ ہوں کہ میرے سوا جو ان فضائل کا دعویٰ کرے اس کو خدا تعالیٰ مبتلا سے بلا کر نکالے (دیکھو شواہد النبوة)

(۵۸) آپ نے دیر کے نزدیک چشمہ نکالاجس کو دیکھ کر راہب دیرسلمان ہو گیا (دیکھو شواہد ملا جامی)
 (۵۹) آپ کا وصی ہونا امام شافعی صاحب کے قول سے بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اپنی رباعی
 میں فرماتے ہیں۔ وصی مصطفیٰ حقاً۔ وصی مصطفیٰ امتیان محمدی میں علی مرتضیٰ کے سوا کوئی نہیں۔
 (۶۰) آپ راہ ہدایت بتانے والے اور گمراہی سے بچانے والے ہیں (دیکھو مستدرک حاکم) رسول اللہ
 فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے میرا جینا اور میرا مرنا اور رہنا اُس بہشت میں جس کا وعدہ مجھ سے
 میرے رب نے کیا ہے تو چاہیے اُس کو کہ تو لا کرے علی ابن ابیطالب سے کہ وہ تم کو کبھی نہ نکالے گا
 ہدایت سے اور ہرگز داخل گمراہی ہونے نہ دے گا ایسی کوئی حدیث شان میں خلفائے ثلاثہ خالد صاحب
 اور امیر معاویہ وغیرہ کی اگر ہو تو حضرات اہل سنت اس کا حوالہ دین۔ تو لا کی جو ہدایت نبوی ہے اس کا
 یہ حال ہوا کہ یہ بزرگوار علی مرتضیٰ سے تو لا کے عوض ہمیشہ ہر طرح کے معاذ نہ برتاؤ کے کاربند رہے۔
 پس عدم تو لا کی وجہ سے حضرات بالا کو حضرت رسول کا سانہ جینا نصیب ہوا اور نہ مرنا۔ معاذ اللہ
 ثم معاذ اللہ۔ اور اس عدم تو لا کی وجہ سے حضرات بالا ہدایت مرتضوی سے محروم رہ کر داخل گمراہی
 رہ گئے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

(۶۱) حاکم مستدرک میں عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے علی سے فرمایا
 کہ یا علی طوبی لمن احبک وصدقنی فیک وویل لمن ابغضک وکذب فیک۔ حضرات
 اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ و امیر معاویہ وغیرہ علی مرتضیٰ کے ساتھ کیا کیا دوستی کے
 برتاؤ عمل میں لاتے گئے۔ حضرات بالا اپنی تمام کارروائیوں سے طوبی لمن کے مصداق نظر آتے
 ہیں یا ویل لمن کے۔

(۶۲) عبداللہ ابن عباس اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کی نسبت رسول اللہ
 کو وحی ہوئی کہ آپ سید المومنین امام المتقین اور قاعد الغر المحجلین ہیں اگر حضرات ثلاثہ و خالد صاحب
 و امیر معاویہ صاحب یا امتیان محمدی سے کسی کی شان میں ایسی وحی ہوئی ہے تو اس سے حضرات
 اہل سنت خبر دین۔

(۶۳) آپ کا منہ دیکھنا عبادت ہے مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے
 کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ۔ انظروا لی وجہ علی عبادۃ۔ اللہ اکبر عبادت کا مضمون کچھ ایسا بلند ہے
 کہ خیال سے باہر ہے۔ شمس العلماء مولوی محمد سعید صاحب حنفی عظیم آبادی غفر اللہ ذنوبہ فرماتے ہیں
 ذات پاکش منظر ذات جناب کبریات بین جمال اللہ در آئینہ روئے علی

حضرات اہل سنت دکھلاؤ کہ ایسی حدیث امتیان محمدی سے کسی اور کی شان میں بھی ہے۔

(۶۴) حضرت رسول صلعم یہ بھی فرماتے ہیں کہ ذینوا عجا لسنکھ بذا کو علی۔ رسول اللہ صلعم تو ذکر علی کی ہدایت فرماتے ہیں اس تکم نبوی کے برخلاف حضرت امام ابو حنیفہ صاحب ذکر علی کی ممانعت کرتے ہیں اس لیے کہ اس ذکر سے مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوتی ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بہر حال امتیان محمدی سے کسی اور شخص کے ذکر کے لیے حضرت رسول صلعم نے تاکید فرمائی ہو تو حضرات اہل سنت اس کا نشان دین (۶۵) آپ بروز قیامت حامل لو اور الحمد ہوں گے اور تمام انبیاء اس کے نیچے ہو کر چلیں گے اس بوا کی چمک تاج کے طور پر آپ کے سر مبارک پر ہوگی (کتاب معارج النبوة) مخالفان علی امتیان محمدی سے کسی کو علی مرتضیٰ کے برابر یا صاحب شرف تبار دین۔

(۶۶) بہ روایت ام سلمہ علی مرتضیٰ کو گالی دینا رسول اللہ صلعم کو گالی دینا ہے (دیکھو کتاب مشکوۃ لمصالح باب مناقب علی) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آن حضرت صلعم جانتے تھے کہ امتیان محمدی سے ایسے بدبخت بھی ہوں گے جو علی کو گالی دیں گے۔ بانی سب علی امیر معاویہ ہوئے اور یہ سب کا سلسلہ عہد خلیفہ عبدالعزیز میں جا کر ختم ہوا۔ معاویہ پرستوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ معاویہ صاحب نے سب رسول کیا۔ واقعی اہل سنت کا عجب مذہب ہے جس میں امیر معاویہ جیسے بد ترکیب صاحب بزرگان دین سے شمار کیے جاتے ہیں۔ معاویہ صاحب کے خلیفہ بنجیم ہونے کے اہل سنت کو انکار نہیں کر سکتا واداہ۔ امیر معاویہ عجب خلیفہ ہیں جو حضرت رسول کو گالی دیتے تھے اور تا عہد عبدالعزیز گالی دلاتے رہے۔ اسے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اگر پورے معاویہ پرستوں کو دیکھنا ہو تو آدمی دیوبند چلا جائے یہ قصبہ بھی امیر معاویہ کے عہد کا دمشق دکھائی دیتا ہے۔

(۶۷) جب آپ ہوا زن اور بنی ثقیف کے بتوں کو توڑ کر جناب پیغمبر خدا کی خدمت میں تشریف لائے تو حضرت رسول نے اپنی مسرت ظاہر کی اور تخلیہ میں علی مرتضیٰ سے بڑی دیر تک راز کی باتیں ہوتی رہیں۔ صحبت تخلیہ نے اس قدر طول کھینچی کہ حضرت عمر نے استعجاباً جناب رسالت مآب سے اس کے بعد پوچھا کہ آج تو آپ نے اپنے ابن عم سے بہت دیر تک تخلیہ میں باتیں فرمائیں۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ مجھے خود باتیں کرنا نہ تھیں مگر ہاں کچھ راز خدا تھے جو حکم خدا علی مرتضیٰ سے بیان کیے گئے (دیکھو معارج النبوة و نیز صحیح ترمذی) حضرت عمر کا استعجاب بے وجہ نہ تھا۔ آپ شب و روز کے ساتھ رہنے پر بھی حضرت علی کی بند بائگی سے واقف نہ تھے اور خلافت کے فسادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آخر وقت تک بھی آپ واقف نہ ہو سکے۔ بہر حال اس صحبت تخلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ خدا

ورسول کے رازوں کے امانت دار تھے اور آپ کے سوا کسی صحابی کو اس امانت داری کا شرف حاصل نہ تھا۔ ایسے شرف کے حاصل رہنے پر بھی حضرات اہل سنت حضرات ثلاثہ کے مقابلہ میں آپ کو فضول سمجھتے ہیں۔ واہ یہ کیسا مذہب ہے کہ جس کو حق شناسی سے کوئی علاقہ ہی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ رازدار خدا و رسول کو جانشین حضرت رسول نہیں قرار دیا جائے اور جو افراد ایسے شرف سے خالی ہوں اُس کے مقابلہ میں رسول اللہ کے جانشین برحق قرار پادیں۔ اے اونٹ تیری کون کل سیدھی۔ (۶۸) آپ ہمیشہ مراحم نبوی کے مورد رہے۔ مگر مواقع ذیل میں حضرت رسول صلعم نے خاص طور پر آپ کو سرمایہ امتیاز بخشا اور ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ جن سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری جمیع مومنین پر فرض نظر آتی ہے۔ یہ مواقع کسے دیتے ہیں کہ ان مواقع میں جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو اپنا جانشین قرار دیا تھا یا یہ کہ آنحضرت صلعم کی بیعت یا خواہش تھی کہ جناب علیؑ مر گئے آپ کے جانشین ہوں۔ انصاف ہی کہتا ہے یون مخالفان علی جیسا چاہیں کہیں۔

موقعہ اول۔ کتاب ازالۃ الخفا و کتاب نسائی یعنی انخصائص سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول صلعم نے دعوت اقرار کے فرمایا کہ وراثت ابن عمی دون عمی۔ یعنی میں نے اپنا وارث بنایا اپنے چچا زاد بھائی کو برخلاف اپنے چچا کے۔ اس قصہ کو مورخ ابوالفدا المختصر فی احوال البشرین لکھتے ہیں کہ اس دعوت میں آنحضرت نے اپنے اہالیان خاندان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا۔ تب کسی نے کوئی جواب نہ دیا لا علیؑ مرتضیٰ جنھوں نے بڑی خوشی کے ساتھ عرض کیا کہ میں آپ کا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہوں گا۔ اس پر آنحضرت نے علیؑ سے فرمایا کہ تو میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا۔ یہ قصہ ابتداء سے ظہور اسلام کا ہے اور کچھ شائقین کہ ابتداء سے اسلام ہی میں حضرت رسول صلعم نے کارروائی بالاسے اپنا جانشین تجویز کر لیا تھا۔ قصہ بالاکا مطلب صاف صاف ہے۔ مگر مخالفان علیؑ کو اختیار ہے کہ جس رنگ سے چاہیں اُسے رنگیں۔

موقعہ دوم۔ علی مرتضیٰ کو آنحضرت صلعم نے روز ہجرت اہل مکہ کی اداسے امانت کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور خاص اپنے بستر پر سلوایا اور اپنا کپڑا اڑھایا۔ یہ سب کام بہت ہی دشوار صورت تھے۔ ایسی قائم مقامی اُسی سے انجام پاسکتی تھی جو حضرت رسول صلعم کا اقبالی بھائی وزیر وصی اور خلیفہ تھا۔ اس قصہ سے صاف طور پر نمایاں ہے کہ حضرت رسول صلعم علیؑ مرتضیٰ کو اپنا نائب جانتے اور مانتے تھے۔ خداے تعالیٰ قرآن شریف میں بھی حضرت علیؑ کی اس کارروائی کا مداح نظر آتا ہے کہ قوله تعالیٰ ومن الناس من یشتزی نفسه ابتغاء مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ سَوْفَ بِالْعِبَادِ۔

یعنی کون ہے بیچنے والا اپنی جان کا خوشنودی خدا کے واسطے اور خدا اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ کوئی شک نہیں کہ قصہ بالا حضرت علیؑ کی نیابت کا ہر پہلو سے منیت نظر آتا ہے۔

موقع سوم۔ جس سال بیعت الرضوان ظہور میں آئی تو مردمان گروہ قریش غلاموں کو واپس لینے کی نظر سے حضرت رسول صلعم کے پاس آئے۔ حضرت رسول صلعم نے اُن سے فرمایا کہ اے گروہ قریش خدا کی قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر ایک مرد مبعوث کرے گا جس کے ایمان قلبی کا اللہ تعالیٰ امتحان کر چکا ہے۔ البتہ وہ شخص تم کو دین پر چلائیگا۔ اور بعض کو تم میں مارے گا۔ جب اصحاب اَن صلعم نے اس شخص کی نسبت اَن حضرت صلعم سے دریافت کیا تو اَن حضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ شخص وہ ہے جو اس وقت میرا جو تا مرمت کر رہا ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ نعل شریف حضرت رسول صلعم کی مرمت کر رہے تھے دین پر چلانے اور مارنے کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص متصرف امور دنیا و دین ہو گا جو شان رسول اللہ کے خلیفہ برحق کی تصور ہے۔ حضرت رسول صلعم کے قول بالا سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ حضرت رسول صلعم حضرت علیؑ کو اپنے جانشین کی نگاہ سے دیکھتے تھے تب تو بوضع بالا ارشاد فرمائیے یون مخالفان علی جیسا چاہیں ویسا کہیں۔

موقع چہارم۔ یہ موقع حضرت رسول صلعم کی خلافت بخشی کا تا مقرر فیصلہ کن نظر آتا ہے۔ یہ موقع سورہ برات کی تبلیغ سے علاقہ رکھتا ہے اور معاملہ تبلیغ کی سرگزشت یہ ہے۔

واضح ہو کہ جب سورہ برات نازل ہوئی اور حضرت رسول خدا نے حضرت ابوبکر کو واسطے تعلیم مناسک حج کے مکہ کو روانہ کیا تو سورہ برات کے ادائے کی چالیس آیتیں آپ کو دے کر حکم دیا کہ مشرکین کو سنا دو۔ ان آیات میں ایسے احکام تھے کہ کوئی شخص برہنہ طواف نہ کرے وغیرہ وغیرہ مگر حضرت ابوبکر کی روانگی کے بعد جبریل امین نازل ہوئے اور حکم خدا لائے کہ اے محمدؐ تبلیغ رسالت تمہارا کام ہے خود جاؤ یا ایسے شخص کو بھیجو کہ جو تم سے ہو۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد جناب حضرت رسول صلعم نے عقب حضرت ابوبکر کے حضرت علیؑ کو رضی کو روانہ فرمایا ابوبکر سے ملاقاتی ہونے پر حضرت علیؑ رضی نے سورہ ہجرات کی وہ آیتیں حضرت ابوبکر سے واپس لیں اور خود حج میں پڑھ کر سنائیں جب حضرت ابوبکر مدینہ کو واپس آئے تو آپ نے حضرت رسول خدا سے عرض کیا کہ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا کہ سورہ برات واپس لے لی گئی۔ اَن صلعم نے فرمایا کہ کوئی قصور کی بات نہ تھی لیکن جبریلؑ مجھ پر اس حکم کے ساتھ نازل ہوئے کہ اے محمدؐ نہیں کوئی ادا سے حق کرے گا تجھ سے الا تو یا کوئی مرد جو تجھ سے ہو اور حال یہ ہے کہ علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا

وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری اُمت میں اور میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور کوئی شخص اداے حق مجھ سے نہیں کرے گا مگر علی (دیکھو کتاب اعلام الوریٰ جمیب السیر اور ازالہ الخفا) امور بالا سے جو نتائج صاف صاف طور پر ہویدا ہوتے ہیں یہ ہیں -

الف - امر وحی اس قدر بھاری ہے کہ اُس کی تبلیغ کے لیے خداے تعالیٰ نے حضرت رسول کی ذات پاک کو مختص فرمایا یا آن حضرت کی جگہ ایسی ذات کو جو امر تبلیغ میں حضرت رسول صلعم کی نیابت کا سزاوار تھا جب خود حضرت رسول صلعم تقاضائے وقت سے مکہ نہ جاسکے تو تبلیغ کے لیے حضرت علی کو اس کام پر مامور فرمایا۔ اس کا ردوائی سے حکم خدا کی تمیل ہو گئی۔ اس لیے کہ حکم خداوندی یہ تھا کہ تم خود جاؤ یا ایسے شخص کو بھیجو کہ جو تم سے ہو۔ علی مرتضیٰ کا انتخاب کئے دیتا ہے کہ آپ کی ذات مقدس بھی ایسی ہی با وزن تھی کہ جو وحی خداوندی کے ہم پلہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت رسول صلعم نے قرآن اور اپنی عترت کو نقلین یعنی دو امر بزرگ فرمایا ہے اور انھیں ایک دوسرے کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ خداے پاک نے بھی اپنے حکم بالا سے پورے طور پر ظاہر کر دیا کہ امر وحی اس قدر بھاری شے ہے کہ اس کی تبلیغ کے لیے اُس کے برابر کا صاحب وزن شخص ہونا چاہیے۔ حضرت علیؑ کے بھیجے جانے سے صاف طور پر ہویدا ہو گیا کہ حضرت رسول صلعم کے بعد حضرت علیؑ کی ذات کے سوا اور کوئی ذات اُمت محمدیٰ میں ایسی نہ تھی جو امر تبلیغ میں آنحضرت صلعم کی نیابت کر سکتی۔ اس سے علی مرتضیٰ کی اُس بزرگی اور عظمت کو سمجھنا چاہیے جو خداے تعالیٰ اور حضرت رسول محترم کے نزدیک تھی۔ اس معاملہ سے نیابت حضرت علیؑ کی بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے خاص کر حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں جو تبلیغ وحی کے سزاوار درگاہ ایزدی میں نہیں سمجھے گئے۔ حضرت ابوبکر کی یہ ناسزاواری کئے دیتی ہے کہ کسی حال میں حضرت ابوبکر علی مرتضیٰ سے افضل نہیں قرار دیے جاسکتے ہیں خاص کر معاملات قرآنی میں کہ جن سے حضرت ابوبکر کو کسی قسم کا تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے اگر معاملات قرآنی میں جن پر اب بھی حضرت ابوبکر کو امتیاز کی صورت حاصل رہتی تو حضرات اہل سنت زمین اور آسمان کو ایک کڑالتے خیریت یہ گزری کہ حضرت ابوبکر کو خداے تعالیٰ نے نہ تبلیغ وحی کے قابل سمجھا اور نہ حضرت رسول صلعم نے حدیث انی تارک اور حدیث القرآن مع علی و علی مع قرآن میں جگہ دی۔

ب - حکم خداوندی تبلیغ کے متعلق یہ تھا کہ اسے محمدؐ تبلیغ رسالت تھا ارا کام ہے یا تم خود جاؤ یا ایسے شخص کو بھیجو جو تم سے ہو۔ پس جب علی مرتضیٰ مکہ میں بھیجے گئے تو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کا شمار ”جو تم سے ہو“ میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی حقیقت عوام مسلمین کی حیثیت سے

زیادہ نہیں ثابت ہوتی۔ پس حیثیت عوام رکھ کر حضرت ابوبکر علی مرتضیٰ سے افضل کیونکر قرار دیے جاسکتے ہیں اور آپ کا درجہ حضرت رسول صلعم کے بعد بزرگتر کیونکر مانا جاسکتا ہے یہ عجب خیال ہے کہ حضرات اہلسنت حضرت ابوبکر کو حضرت علی سے بزرگ تر سمجھتے ہیں اور اسی خیال کی پابندی سے حضرت علی کو مفضول جانتے ہیں۔ تعصب کا دنیا میں جواب نہیں ہے۔

(ج) جب حضرت ابوبکر مدینہ کو واپس آگئے تو آپ نے حضرت رسول صلعم سے وجہ پوچھی کہ سورۃ برات آپ سے کیوں واپس لے لی گئی۔ حضرت رسول نے فرمایا کہ کوئی قصور کی بات نہ تھی نیکن جبریل مجھے حکم خدا یہ لائے کہ اے محمدؐ نہیں کوئی ادا سے حق کرے گا تجھ سے الا تو یا کوئی مرد جو تجھ سے ہو۔ اس حکم سے یہ قید پیدا ہو گئی کہ ادا سے حق یعنی تبلیغ وحی یا حضرت رسول عمل میں لاوین یا حضرت علیؓ جنکو حضرت رسولؐ نے تبلیغ کے لیے عقب حضرت ابوبکر کے روانہ کیا۔ اس کے بعد حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؓ کو تبلیغ وحی پر مامور کر کے وجہ یوں بیان فرمائی کہ علیؓ مجھ سے ہے۔ یعنی علی منی وانا منہ۔ ظاہر ہے کہ اس حیثیت کا درجہ کسی کو حاصل نہ تھا۔ پس صفت عینیت کے رکھنے والے کے برابر نہ حضرت ابوبکر اور نہ اتیان محمدی سے کوئی صاحب ہو سکتے ہیں۔ تب حضرت علیؓ کو مفضول سمجھنا چہ سنی دارد۔ اس کے بعد حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ وہ یعنی علی میرا بھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صفت اخیت میں حضرت ابوبکر یا کوئی صاحب علی مرتضیٰ کے شریک نہیں ہو سکتے۔ تعجب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صاف صاف طور پر کہہ ڈالا کہ حضرت علیؓ حضرت رسول صلعم کے بھائی نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ رسول اللہؐ کی تکذیب اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کوئی کذب رسول اللہ صلعم کا مسلمان کہے جانے کا استحقاق رکھتا ہے یا نہیں خلیفہ رسول خدا کا کہا جانا تو درکنار پھر حضرت رسولؐ نے فرمایا میرا وصی ہے۔ یہ درجہ وصی کا کسی کو حاصل نہ ہوا سوا حضرت علیؓ کے۔ نہایت جلتے تعجب ہے کہ حضرات اہل سنت علی مرتضیٰ کے اس درجہ بلند کو قابل لحاظ نہیں جانتے۔ آپ حضرات بھولے سے بھی علی مرتضیٰ کے وصی رسول اللہؐ ہونے کا ذکر زبان پر نہیں لاتے ہیں۔ البتہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور رباعی میں حضرت علیؓ کو ”وصی مصطفیٰ حق“ کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ اس خطاب سے رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکر کو مشرف فرمائے ہوتے تو حضرات اہل سنت خدا جانے کیا صور اسرافیل بھونکے ہوتے۔ جانا چاہیے کہ وصی کا خطاب ایسا بزرگ ہے کہ اس کے سامنے حضرت ابوبکر کی افضلیت کا مضمون تامر ہو جاتا ہے۔ حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؓ کے سوا اتیان محمدی سے کسی کو اس خطاب سے بزرگی نہیں بخشی ہے۔ اگر یہ درجہ کسی کو حضرت رسولؐ نے بخشا ہے تو

مخالفان علیؑ اس کا نشان دین۔ اس کے بعد حضرت رسول صلعم علی مرتضیٰ کو اپنا وارث ارشاد فرماتے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس قول رسولؐ کی تکذیب سخن معشر الاذنیاء حدیث موضوع سے کی۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ مذہب رسولؐ مسلمان کے جانے کا استحقاق رکھتا ہے یا نہیں خلیفہ رسولؐ ہونا تو درکنار۔ آخر میں حضرت صلعم علی مرتضیٰ کو فرماتے ہیں کہ وہ ”میرا خلیفہ ہے“ میرے گھر میں اور میری امت میں۔ اس قول نبوی کے بعد حضرت ابوبکرؓ یا کوئی دوسرا شخص حضرت علیؑ کے سوا حضرت رسولؐ صلعم کا خلیفہ برحق کیونکر مانا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت رسولؐ صلعم صرف خلیفہ حضرت علیؑ کو فرما جاتے تو مخالفان علیؑ کو گفتگو کی گنجائش ممکن تھی۔ مگر جب آن صلعم نے ”میرے گھر میں“ کے ساتھ قید ”میری امت میں“ کی بھی لگا دی تو ایسی صورت میں نہ حضرت ابوبکرؓ اور نہ کوئی شخص امتیان محمدی سے حضرت رسولؐ صلعم کا خلیفہ برحق کسی حال میں مانا جاسکتا ہے۔ پس ثبات حواس کے ساتھ کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ رسولؐ اللہ نہیں مان سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رحلت آن صلعم کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ مگر خلیفہ رسولؐ اللہ نہیں ہوئے۔ آپ کا سچا لقب خلیفہ بنی ثقیف ہو سکتا ہے یا اگر آپ کو خلیفہ عمری کہیں تو بھی خلافت واقعہ آپ کا یہ لقب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے ہوئے تھے اور حقیقت حال بھی یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ نہ ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ کو کسی طرح کی خلافت نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت رسولؐ کا بحسب علی مرتضیٰ یہ فرمانا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری امت میں“ ایسا صاف صاف طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ علی مرتضیٰ کو حضرت رسولؐ صلعم اپنا ایسا خلیفہ قرار دے چکے تھے کہ جس کو آن حضرت صلعم متصرف بہ امور دنیا و دین کا سزاوار جانتے تھے۔ ایسی صورت میں حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ حضرت رسولؐ صلعم ماننا تا مگر بعید از عقل و ہوش نظر آتا ہے۔ بلکہ سخت گمراہی ہے۔ تعجب ہے حضرت ابوبکرؓ سے کہ آپ حضرت رسولؐ صلعم کے ارشاد کے خلاف خلیفہ بن بیٹھے۔ یہ کس طرح کی حضرت رسولؐ صلعم کی فرمانبرداری تھی لیکن آپ کی ذات پاک سے ایسے امر کا ظہور میں آنا کچھ بھی تعجب انگیز امر نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت رسولؐ صلعم کی فرمانبرداری کی طرف آپ کو بہت توجہ نہیں رہتی تھی۔ اگر کچھ بھی توجہ رہتی تو حضرت رسولؐ صلعم کے چیخ و چنگ کے پکارنے پر بھی آپ میدان احد سے حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ وغیرہ کی طرح فرار نہیں کر جاتے۔ فرار تو فرار بہ آواز بلند یہ نہ کہہ جاتے کہ حضرت محمدؐ مارے گئے تم لوگ اے مسلمانو! مذہب آبائی یعنی کفر کی طرف عود کر جاؤ۔ پھر مدینہ جا کر ابوسفیان سے عفو تقصیر کے طالب نہ ہوتے۔

اسی طرح اگر آپ کو حضرت رسول کی فرمانبرداری کا خیال رہتا تو جنگ خندق میں حضرت رسول صلعم کے ارشاد کے بغیر عمر ابن عبدود سے مقابلہ کے لیے مستعد ہو جاتے۔ اُس لعین سے مقابلہ تو درکنار اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ بروز غزوہ خندق آپ کہاں تھے۔ جنگ خیبر میں بھی آپ جب حارث و مرہب کے مقابلہ کو تشریف لے گئے تو خیمہ رسول اللہ تک وہ دونوں یہودیان خیبر آپ کو اور آپ کے شریک حال حضرت عمر کو پہنچا پہنچا گئے۔ اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کا کام تمام ہو چکا تھا۔ حارث و مرہب سے لڑکے مرجان کسی مسلمان کو کیا دستوار ہو سکتا تھا۔ ایمان کی سلامتی کے سامنے جان کی سلامتی کی قدر کون مسلمان کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت ابوبکر کا ایمان ناقص نہ تھا تھا حضرت رسول صلعم کو نزعۂ اعدا میں چھوڑ چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی غرض سے نکل بھاگا کیے۔ ماشاء اللہ۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔ پھر غزوہ حنین میں بھی یہی حال ہوا کہ آپ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی طرح میدان جنگ سے ایسے فرار ہوئے کہ پھر جنگ گاہ کا منہ نہ دیکھا حضرت رسول چیخ چیخ کر پکارتے ہی رہ گئے کہ نہ بھاگو نہ بھاگو۔ مگر بھاگنے والے نہ خدا کی سنتے تھے اور نہ رسولؐ کی۔ جب حضرت رسولؐ اللہ نے یا اھل السمرہ کہہ کر پکارنا شروع کیا تو بھاگے ہوئے تنہا آدمی واپس آگئے مگر حضرت ابوبکر اور آپ کے شریک فرار یعنی حضرت عمر و حضرت عثمان ایسے گئے کہ پھر میدان حنین میں لوٹ کر نہ آئے۔ ایک مثال اور حضرت ابوبکر کی نافرمانی کی یہ ہے کہ جب حبش اُسامہ کی روانگی کا حضرت رسول صلعم نے حکم صادر فرمایا تو یہ بھی تاکید فرمائی کہ حضرات ثلثہ بھی ہمراہ لشکرِ سامہ کے ضرور جائیں۔ اُسامہ لشکر لیکر مدینہ سے باہر بھی گئے۔ مگر حضرات ثلثہ اور آپ کے رنگ کے مسلمان گھر میں ڈٹے رہے۔ گھر سے ایک قدم بھی باہر نہ رکھا۔ یہ بزرگوار بہت صاحبِ ہوش تھے۔ اگر لشکرِ سامہ کی شرکت اختیار کر لیتے تو امرِ خلافت اور رنگ پر طے پا جاتا۔ دور اندیشی سے ملعون خدا ہونا گوارا کر لیا مگر موقعِ خلافت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پس جب حضرت ابوبکر کی فرمانبرداری کا یہ طور تھا تو حضرت رسول صلعم سے ارشاداتِ بحت علیؑ پاکر بھی اگر آپ حضرت رسول صلعم کی رحلت کے ساتھ ہی خلافتِ یابی کے سامان میں لگ گئے تو یہ امر کسی طرح پر حیرتِ خیز متصور نہیں ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کو حضرت رسول صلعم کے ارشاد کا کچھ بھی پاس ہوتا تو ایسی صورت میں کہ آن حضرت صلعم علیؑ مرتضیٰ کو خلیفہ اپنے گھر اور اپنی اُمت کا فرما چکے تھے تو آپ برضا و رغبت علیؑ مرتضیٰ کے خلیفہ ہونے میں کو شان ہوتے اور ہرگز ہرگز ثقیفہ بنی ساعدہ کو نہ دوڑ جاتے۔ آپ کی اس انصافانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوتا کہ حضرت رسول صلعم کی تعمیلِ ارشاد

کی وجہ سے اسلام میں کوئی پھوٹ واقع نہ ہوتی اور اسلام آئندہ کی خوزیریوں سے محفوظ رہ جاتا۔
 دینی اور ملکی اختلافات کو ظہور نہ ہوتا۔ کم سے کم دینی اختلافات جن سے آج بھی اسلام
 بد حال اور کمزور ہو رہا ہے شکل پذیر نہ ہوتے۔ کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں
 کی پہلی اور بڑی غلطی یہ نظر آتی ہے کہ معاملہ خلافت مرضی حضرت رسول صلعم کے مطابق طے نہیں
 کیا گیا۔ ارشادات بالا کے ساتھ حضرت رسولؐ نے بحق علیؑ مرتضیٰ یہ بھی فرمایا تھا کہ علیؑ بعد میرے
 دین کو چلائیگا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت شیخین نے ہنگامہ ثقیفہ برپا کر کے حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے
 نہ دیا تو حضرت رسول صلعم کے دین کو چلانے کا موقع بھی حضرت علیؑ کو نہ مل سکا۔ آپ کا دین جو حسب
 فرمودہ رسول صلعم آن صلعم کا دین تھا، آپ کے محروم خلافت رہ جانے سے قبیلہ بنی ہاشم اور
 آپ کے چند دوستان ان تک محدود رہ گیا۔ خلیفہ ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو جمع کر دنا شروع
 کیا۔ زید ابن ثابت وغیرہ کو قرآن کے جمع کرنے پر مقرر کر دیا۔ قول نبوی یعنی ”القرآن مع علی و علی مع
 القرآن“ کا بھی مطلق پاس نہیں کیا۔ تادمتر علی مرتضیٰ سے بے تعلقی رکھی۔ بے مشورہ علی مرتضیٰ
 قرآن کو جمع کر ڈالا۔ حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے جو حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ علیؑ بعد میرے
 دین کو چلائیگا، اس کا خیال افسوس ہزار افسوس تادمتر حضرت ابوبکرؓ کے دماغ مبارک سے جاتا رہا
 اور کیون نہ جاتا رہتا۔ جب خود حضرت ابوبکرؓ سے حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگوں
 میں شرک اتر کر گیا ہے۔ “تفسیر در مشورین درج ہے کہ بخاری نے ادب مفرد میں منقل بن یسار سے
 روایت کی ہے کہ میں ابوبکر صدیق کے ساتھ حضرت رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آن صلعم نے
 فرمایا ابوبکر تم میں شرک چوینٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی موجود ہے۔ پس ابوبکرؓ نے کہا کہ آخر شرک یہی تو ہے
 کہ آدمی خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود قرار دے۔ پھر ہم کب ایسا کرتے ہیں جو ہم میں شرک موجود
 ہوگا۔ تب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور تم لوگوں میں
 شرک چوینٹی کی چال سے زیادہ خفی موجود ہے۔ راقم کہتا ہے کہ ایک تو حضرت رسولؐ کا ایسا فرمانا
 وہ بھی قسم کھا کر۔ تب کیا ایسے لوگ خلیفہ رسول اللہؐ ہونے کے قابل سمجھے جاسکتے ہیں۔ لاجلہ لا
 قویہ۔ ہرگز نہیں اور ہزار بار نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایت دیکھی
 جاتی ہے۔ اس کے بعد کی پھر کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جاتی ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے شرک خفی
 کے دفع ہونے کے مضمون پر شامل ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک خفی آپ کا آپ کے دم آخر تک
 اپنے حال پر رہا تب اس شرک خفی کے ساتھ آپ خلیفہ رسول اللہؐ کیونکر مانے جاسکتے ہیں

ماقم دریافت کرنا چاہتا ہے کہ خلافت رسول اللہ کے لیے شرک کی شرط بھی ایک ضروری شرط تصور کیا
 بہر حال ظاہر ہے خلافت یا بی کے بعد اس کی حاجت ہی حضرت ابوبکر کو کیا باقی رہی تھی کہ قول
 نبوی کو پیش نظر رکھتے۔ اسی طرح حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں انھیں زید ابن ثابت وغیرہ کے ذریعہ
 سے اجتہادات مسائل کرانے لگے اور اُس دین کے بانی ہو گئے جو اب مذہب اہل سنت والجماعت کہلاتا
 ہے اور جو اس نام سے عہد خلیفہ معاویہ کے بعد شہرت یاب ہوا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخین اس
 ارشاد نبوی کو کہ علی میرے بعد دین کو چلائے گا "تامتفراموش کر بیٹھے اور اپنی اپنی راے پر امور دین
 کو چلانے لگے۔ معاذ اللہ ثم معاذا اللہ۔ نہایت جائے حسرت ہے کہ حضرت علی کے رہتے ہوئے زید
 ابن ثابت وغیرہ کا دین مسلمانوں میں بڑی کثرت کے ساتھ رواج پا گیا۔ حضرت رسول صلعم نے
 تو حضرت ابوبکر سے فرمایا تھا کہ "علی میرا دین چلائیگا" پھر زید ابن ثابت وغیرہ کون تھے جو حکم
 حضرت شیخین جامع قرآن اور بانی مذہب بن بیٹھے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین کی بدولت جو مذہبی
 کارروائیاں عمل میں لائی گئیں وہ حضرت رسول صلعم کی مرضی کے خلاف عمل میں لائی گئیں۔ ایسی کارروائیاں
 کو انصاف پسند قہین حق نہیں مان سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ زید ابن ثابت وغیرہ کا مذہب حضرت رسول
 صلعم کا مذہب کسے جانے کا مستحق نہیں نظر آتا ہے۔ حسبِ رمودہ حضرت رسول صلعم مذہب حق وہی مذہب
 کہ جس کے پابند علی مرتضیٰ تھے اور جس کو آپ اپنی مجتہدانہ کارروائیاں سے زمینت بخشتے رہے۔ اگر ارشاد
 نبوی درست ماننے کے قابل ہے تو ہر مذہب جو مذہب علی کے خلاف وجود رکھتا ہے لغو اور باطل تصور کیا
 آخر میں حضرت رسول نے یہ بھی فرمایا کہ "اور کوئی شخص اداے حق مجھ سے نہیں کرے گا مگر علی" ظاہر ہے کہ
 جب حضرت رسول صلعم نے یہ فرمایا کہ "علی مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا
 وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری امت میں اور میرے بعد میرے دین کو چلائیگا
 تب دوسرا کون ایسا ہو سکتا ہے جو اداے حق حضرت رسول صلعم کی طرف سے حضرت علی کے سوا
 کر سکتا۔ قول خدا بھی یہی رنگ رکھتا ہے جیسا کہ حضرت جبریل یہ حکم خدا لیکر نازل ہوئے کہ اے محمد
 نہیں کوئی اداے حق کرے گا تجھ سے الا تو یا کوئی مرد جو تجھ سے ہو" وہ مرد سوائے علی مرتضیٰ کے
 دوسرا نظر نہیں آتا ہے۔ حضرت ابوبکر اگر "مجھ سے ہو" میں داخل رہتے تو آپ سے سورہ برات کے
 واپس لیے جانے کا حکم کیوں درگاہ ایزدی سے نازل ہوتا۔

د۔ حضرت ابوبکر سے سورہ برات کے واپس لیے جانے کے بعد حضرت ابوبکر سے حضرت
 رسول صلعم کا یہ ارشاد فرمانا کہ علی مجھ سے ہے وہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے میرا وارث ہے

اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری اُمت میں اور میرے دین کو میرے بعد چلائیگا ایک ایسا فیصلہ کن ارشاد ہے کہ جس سے حضرت ابوبکر کی خلافت تامر ہو جاتی ہے۔ غیر متعصب اور حق پسند کو اس اقرار سے چارہ نہیں رہتا ہے کہ حضرت رسول صلعم نے علی مرتضیٰ کو اپنا ایسا خلیفہ بنایا کہ آنحضرت صلعم کے بعد جس کو متصرف بہ امور دنیا و دین ہوتا اُس کی شان سے تھا۔ غماشایہ ہے کہ اس ارشاد کے مخاطب خود حضرت ابوبکر تھے۔ مگر حضرت ابوبکر ارشادات بالا کو خس برابر بھی خیال میں نہیں لائے اور آنحضرت صلعم کے بعد ہی خلیفہ وثیقہ قرار پا کر متصرف بہ امور دنیا و دین بیٹھے۔ پھر بہ شرکت حضرت عمر بمقابلہ اہل بیت بنوی اُن ظالمانہ کارروائیوں کے حامل ہوئے کہ کوئی منکر دین محمدی بھی انھیں جائز نہیں سمجھ سکتا ہے۔ واضح ہو کہ حضرت رسول صلعم کا حضرت ابوبکر کے ساتھ بطریق بالا فیصلہ کن الفاظ میں گفتگو فرمانا خالی از وجہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم اپنے علم نبوت کی بنا پر ضرور جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر علی مرتضیٰ کی خلافت کے سدر راہ ہوں گے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول صلعم حضرت ابوبکر کی طرف سے مطمئن نہ تھے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی جذب القلوب سے ہویدا ہوتا ہے۔ محدث مروج لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت رسولؐ نے شہدائے احد کے قبور پر جا کر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میرے وہ اصحاب ہیں جن کے کمال ایمان کی بروز قیامت گواہی دوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر بوسے کہ یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے اصحاب نہیں ہیں۔ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ ”ہاں تم میرے اصحاب ہو، لیکن میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا کرو گے“ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر علی مرتضیٰ کی خلافت کے سدر راہ ہوں گے۔ تب تو ایسا کلمہ کہ ”میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا کرو گے“ ارشاد فرمایا قول نبی جھوٹ نہیں ہو سکتا جیسا حضرت رسول صلعم نے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا یہاں پر ایک امر قابل عرض معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بعض قبور شہدائے احد پر حضرت رسولؐ نے بطریق بالا ارشاد فرمایا تو حضرت ابوبکر کی دل شکنی کا خیال کر کے یہ البتہ نہیں فرمایا کہ آپ ایسے ہی صحابی ہیں کہ اسی میدان احد سے مجھے نزعۃ اعدا میں زخمی چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے مگر جواب میں کمال بلاغت کے ساتھ یہ فرمائیے کہ ”میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا کرو گے“ ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کو کچھ بھی خود داری کا خیال رہتا تو میدان احد میں حضرت رسول صلعم سے ایسا سوال نہیں کر بیٹھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت سوال اپنے فرار کا مضمون آپ کو یاد نہ آیا ورنہ حیا آپ کو ایسے سوال کی اجازت نہ دیتی بہر حال جو جواب آپ کو حضرت رسولؐ سے ملا وہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ جس سے حضرت رسول صلعم کی بدظہنیا فی حضرت ابوبکر کی طرف سے بدرجہ اتم ہویدا ہوتی ہے۔ خیر، حضرت رسول صلعم کے ارشادات بالا

ایسے الفاظ پر مشتمل دکھائی دیتے ہیں کہ جن سے علی مرتضیٰ کا خلیفہ رسول صلعم قرار پانا صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لطف بران یہ ہے کہ ان ارشادات کے مخاطب خود حضرت ابوبکر دکھائی دیتے ہیں پھر ایسے مخاطب کہ حضرت رسول صلعم کے رد پر وہ حاضر تھے۔ یہ بھی نہ تھا کہ پیام کے طور پر وہ ارشادات حضرت ابوبکر کو کہلائے گئے تھے۔ اس پر بھی تعجب ہے حضرت ابوبکر سے کہ جب وقت حضرت رسول صلعم کے خلیفہ قائم ہونے کا آیا تو حضرت علیؑ سے کہنے لگا کہ اس طرح پر خلافت یا بی کے سامان میں مشغول ہو گئے کہ گویا حضرت رسول صلعم نے آپ سے کبھی علی مرتضیٰ کے بارے میں خلیفہ فی اہلی و ائمتہ فرمایا ہی نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کے بارے میں جو کچھ حضرت رسول صلعم ارشاد فرما گئے اُس سے زیادہ واضح طور پر اور کیا فرماتے مگر افسوس ہزار افسوس آن حضرت صلعم کے بعد ہی امتیان محمدیؐ نے جس برابر بھی ارشادات نبویؐ کا پاس نہیں کیا افدایسی خود غرضانہ کارروائیاں اختیار کیں جو سچے مسلمانوں کے کبھی ظہور میں نہیں آسکتیں۔ اہل انصاف کی نظروں میں حضرت رسول صلعم کے ارشادات بالاکوئی سہم یا مشکوک یا کنایہ آمیز یا اشارہ خیز نقشہ نہیں پیش کرتے ہیں۔

جس کے دل میں انصاف ہے یہی کہے گا کہ صاف صاف طور پر حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کو زور و زور کے ساتھ اپنا خلیفہ بنایا۔ اس فیصلہ سے وہی انکار کر سکتا ہے جس کے دل میں حضرت علیؑ کی عداوت بھری ہوئی ہے۔ تعجب ہے حضرات اہل سنت سے کہ حضرت رسول صلعم کے ارشادات بالاکو امر خلافت کے بارے میں فیصلہ کن نہیں سمجھتے۔ ارشادات بالاکو ایسے فیصلہ کن نظر آتے ہیں کہ آئندہ خم غدیر میں حضرت رسول کو استخلاف بھن علیؑ کی حاجت نہیں رہی تھی۔ مگر حضرت رسول اپنے صحابیوں کی حقیقت حال سے تامل و اطلاع رکھتے تھے۔ اس لیے تجدید استخلاف کی کارروائیاں آن حضرت صلعم نے ایک بڑے وسیع میدان پر اختیار کیں۔ تماشہ ہے کہ حضرات اہل سنت حضرت رسول صلعم کے دو ٹوک ارشادات بالاکو خریطہ نسیان میں ڈالے بیٹھے ہیں اور نامربوط اور بے سرو پا معاملات سے حضرت ابوبکر کی خلافت حقہ کے ثابت کرنے میں کوئی حقیقہ اپنی کوشش کا اٹھانہیں رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرات اہل سنت لکھتے ہیں کہ ایک عورت حضرت رسول صلعم کے حضور میں حاضر ہو کر کسی امر کی خواستگاہ ہوئی حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ اُس کے کام کو ابوبکر انجام کر دیں گے۔ اس ارشاد نبویؐ کا یہ مطلب لگا یا گیا کہ جب حضرت رسول رحلت فرمائیں گے اور حضرت ابوبکر آن حضرت صلعم کی جگہ مسند آراء خلافت ہوں گے تو حضرت ابوبکر اس عورت کا کام کر دیں گے۔ سچ ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول صلعم کا

جواب بالا اس بات کا اشارہ ہے کہ بعد ان صلعم کے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت کے خلیفہ ہون گے۔ مضمون بالا ایک ایسی حدیث اہل سنت کا ہے جو تمام تر موضوع نظر آتی ہے اور اگر موضوع نہیں بھی تو اس سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حقہ کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ حضرات اہل سنت کچھ نہیں بتلاتے کہ وہ عورت کون تھی اور کس کام کے انجام کی خواستگار ہوئی تھی۔ یہ مضمون تو ”کسی ملک میں تھا کوئی بادشاہ“ کا رنگ کھتا ہے بالفرض اگر کوئی عورت کسی غرض سے حضرت رسول صلعم کی خدمت میں آئی بھی اور آنحضرت صلعم نے اس کی غرض کے انجام کا حوالہ حضرت ابوبکرؓ پر فرمادیا تو کوئی غیر متوقع بات ظہور میں نہ آئی وہ بات حضرت ابوبکرؓ سے انجام پانے والی ہوگی اس لیے ان حضرت صلعم نے اس کا حوالہ حضرت ابوبکرؓ پر فرمادیا۔ ایسا تو دنیا میں ہر روز نہ ہوا ہی کرتا ہے کہ سرداروں کے پاس اہل حاجت آتے ہیں اور سرداران وقت اپنے ماتحتوں پر ان کی حاجتوں کا حوالہ کر دیا کرتے ہیں۔ روز راقم کے پاس طرح طرح کے اہل حاجت آتے ہیں راقم ان کی حاجتوں کا حوالہ اپنے منجروں اور خاںسا مان خدمتگاروں پر کر دیا کرتا ہے۔ اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ راقم کے بعد راقم کے متوسلان راقم کے اہل بیت کے رہتے ہوئے راقم کے جانشین ہو جا دیں۔ ہاں اگر کوئی بات راقم کے بعد راقم کے متوسلون کے کرنے کی ہوگی تو راقم کے متوسل اسے انجام کر سکیں گے مگر حضرات اہل سنت کی حدیث بالا سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ عورت بالا کی غرض ایسی تھی کہ اس کا انجام آنحضرتؐ صائم کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت رسول صلعم کی رحلت کا مضمون قصہ بالا میں تمام تر حضرات اہل سنت کی طباعی سے خبر دیتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسے بے سرو پا قصہ سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو ثابت کرنا اہل سنت کے سوا کسی دوسرے کا کام نہیں ہو سکتا۔ کیا جائے حیرت ہے کہ حضرات اہل سنت حضرت رسول صلعم کے ارشاد ”خلیفتی فی اہلی و فی اُمتی“ کو تو بالاسے طاق لکھتے ہیں اور ایسے ایسے مہل فقہوں پر جان دیے دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ تاریخ ابن الوردی میں مرقوم ہے کہ ۹ھ ہجری میں حضرت رسول صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو مکہ معظمہ کی جانب روانہ کیا تاکہ مسلمانوں کے ساتھ حج میں شریک ہوں۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ آپ امیر الحجاج بنا کر وہاں بھیجے گئے تھے۔ جب تبلیغ سورہ برات کی خدمت بھی آپ کو سپرد کی گئی تھی تو کوئی شک نہیں کہ آپ امیر الحجاج بھی بنائے گئے ہوں گے۔ لیکن جب سورہ برات آپ سے واپس لے لی گئی اور آپ قبل از حج راستہ ہی سے مدینہ کو واپس کر لیے گئے تو ضرور ہے کہ آپ امیر الحجاج کی خدمت انجام نہیں کر سکے۔ لیکن حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ سورہ برات کے واپس لے لیے جانے پر بھی آپ مکہ پہنچے اور خدمت امیر الحجاج کو بڑے زور و دل کے ساتھ انجام فرمایا۔ ظاہر یہ

بیان حضرات اہل سنت کے جو شیعیت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نسائی نے انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت ابوبکر کو مع سورہ برات مکہ کی جانب بھیجا بعد ازاں اُن کو طلب کر کے فرمایا کہ ”سوا سے میرے یا ایسے شخص کے جو میرے اہل سے ہو اور کوئی شخص امر تبلیغ کو ادا نہیں کر سکتا“ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انھیں تبلیغ سورہ برات کی خدمت عطا فرمائی۔ نیز محدث موصوف نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر صاحب نے حضرت ابوبکر کو مع سورہ برات اہل مکہ کی جانب بھیجا اس کے بعد ہی اُن کے عقب میں مجاور روانہ کیا اور فرمایا کہ تم ابوبکر سے مل کر کتاب موصوف لیکر اہل مکہ کی طرف جاؤ چنانچہ میں نے انصار راہ میں ابوبکر سے مل کر کتاب موصوف لے لی۔ پس ابوبکر نے واپس آکر پیغمبر صاحب سے بادل شکستہ و محزون عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا میری نسبت کوئی حکم نازل ہوا جو آپ نے کار تبلیغ سے مجھے معزول فرمایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مجھے یہ حکم آئی ہوا ہے کہ یا میں خود اس کی تبلیغ کروں یا وہ شخص جو میرے اہلیت سے ہو اور ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ترمذی نے جس بن خبادہ سے روایت کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں کہ ”جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری جانب سے سوا میرے اور علی کے کوئی شخص امر تبلیغ کو ادا نہیں کر سکتا“

اور واقعی یہی ہے کہ حضرت ابوبکر کتاب سورہ برات کو حضرت علی کے سپرد کر کے مدینہ کو واپس چلے آئے اور مکہ نہ جاسکے۔ اور بالفرض اگر مکہ گئے بھی اور امیر الحجاج بنے رہے تو کسی امیر الحجاج کا درجہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس کی نسبت حضرت رسول نے فرمایا ہو کہ وہ ”مخلیفی فی اہلی و فی امتی“ ہے۔ امیر الحجاج ہونا اور ہے اور خلیفہ فی اہلی و فی امتی کا مورد ہونا اور ہے مجرم الحجاج ہونے سے کوئی شخص خلیفہ رسول اللہ نہیں ہو جاسکتا ہے۔ امیر الحجاج ہر سال ایک شخص بن سکتا تھا مگر ہر سال کوئی شخص خلیفہ فی اہلی و فی امتی کا مورد نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ یہ درجہ حضرت علی کے لیے خدا و رسول نے مختص کر دیا تھا جس کی بنا پر کسی دوسرے کو اس کا حق حاصل نہ تھا کہ اپنے کو آنحضرت صلعم کا خلیفہ بنا سکے۔

حضرت ابوبکر نے جو اپنے کو خلیفہ بنا ڈالا رضائے خدا و رسول کے خلاف یہ کام کیا۔ خلیفہ خود ساز نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ رسول اللہ ہونے کے لیے مرضی خدا و رسول و رکا رہے۔ خلیفہ رسول اللہ ہونے کے واسطے ”خلیفہ فی اہلی و فی امتی“ کا مصداق ہونا ضرور تھا۔

واضح ہو کہ ایک دن ایک انگریزی دان صاحب نے راقم سے یہ کہا کہ پیغمبر صاحب نے حضرت ابوبکر امیر الحجاج بنا کر مکہ کی طرف بھیجا تھا۔ پھر جو ضرورت معلوم ہوئی تو آپ کی روانگی کے بعد

علی صاحب حضرت ابوبکر کے اسسٹنٹ بنا کر مکہ کو روانہ کیے گئے۔ راقم نے کہا کہ آپ کے عجب جیف صفا ہیں جو عند اللہ تبلیغ وحی کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ یہ عجب معاملہ ہے کہ اسسٹنٹ کو تبلیغ وحی کی صلاحیت عند اللہ تھی اور جیف کو نہ تھی ایسے جیف سے تو اُس کا اسسٹنٹ لاکھوں درجہ زیادہ قابل قدر معلوم ہوتا ہے۔ میں ایسے جیف کو اُس کے اسسٹنٹ کو چھوڑ کر اپنا لیڈر بنانا حماقت ہی حماقت ہے اس پر وہ انگریزی دان صاحب گد مار رنگ کہہ کر کسی طرف روانہ ہو گئے۔ ذکر بالا سے راقم کی مراد انگریزی دانوں کی تو ہیں نہیں ہے انگریزی کتب و سیر کے پڑھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعصب مآبی مین میں طور پر کمی ہو جاتی ہے اس لیے کہ یورپین مصنفین کو اہل اسلام کے اندرونی معاملات میں تعصب کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی ہے۔ مگر جن صاحب سے بطریق بالا راقم کو مکالمہ کی نوبت آئی تھی۔ ان کے متعصبانہ خیالات میں شاید یہ تقاضا طبعیت کسی طرح کا انقلاب نہیں پیدا ہوا تھا۔ انصاف پسندی خدا کی دین ہے۔ تعلیم سے ظنیت نہیں بدلتی۔ بالخصوص تمام معاملات تبلیغ سورہ برات پر خیر متعصبانہ نظر ڈالنے سے پورے طور پر ہو دیا ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کیا تھے اور حضرت ابوبکرؓ کیا تھے اہل تعصب جیسا چاہیں ویسا سمجھیں۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ارشاد نبوی کے مطابق حضرت علیؑ حضرت رسول کے خلیفہ فی الہ و فی امتہ پورے طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف ایسے صاف لفظوں میں آن حضرت صلعم کو جانب سے شکل پذیر ہوا ہے کہ جس کے بعد کوئی اور شخص امت محمدی سے حضرت رسول صلعم کا خلیفہ میں بن جا سکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس اختلاف کے بعد حضرت رسول صلعم کو خم غدیر کے اختلاف کی خس برابر ضرورت نہیں رہی تھی۔ مگر چونکہ حضرت رسول صلعم اپنی امت کے پورے بغض شناس تھے خم غدیر میں تجدید اختلاف کو ضروری سمجھ کر وہ کاروائی عمل میں لائے جبکہ ذکر آئندہ آنے کو ہے مگر افسوس ہے کہ باغی اور متمر د امت نے اس اختلاف جدید پر بھی کچھ توجہ نہ کی اور آن صلعم کی رحلت کے ساتھ ہی افرخلاف کو اپنے رنگ پر طے کر ڈالا معاذ اللہ ثم سادہ موقع پنجم۔ آپ یعنی علی رضی بقول حضرت رسول صلعم سردار عرب تھے (دیکھو سترک اور ازالہ الخفا) حدیث نبوی جس کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ سردار عرب کو میرے پاس بلاؤ تو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ سردار عرب نہیں ہیں تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں سردار اولاد آدم ہوں اور علیؑ سردار عرب ہیں۔ اس سردار عرب فرما جانے پر بھی امت نے آپ کی سرداری کو قائم ہونے نہ دیا۔ ثقیف بنی ساعدہ کا ہنگامہ برپا کر کے آپ کو اس عالم ظاہر میں خلیفہ ہونے نہ دیا۔ مگر سب سے زیادہ تعجب حضرت ام المومنین پر آتا ہے کہ ایسی حدیث کی راویہ ہو کر علی رضی کے

عینِ عدل و خلافت میں امت محمدی سے ایک جماعت کثیر کو باغی خلافت بنا کر علی مرتضیٰ سے وہ لڑائی لڑیں کہ جس کا نام جنگِ جمل ہے اور جس میں مسلمانوں کے خونِ افراط کے ساتھ بہائے گئے۔ سردارِ عرب کے ساتھ حضرت رسولِ صلعم کے آنکھ بند کرتے ہی امت محمدی کی طرح طرح کی بے اعتنائیاں کچھ عجیب مضمون ہیں مگر حضراتِ اہل سنت از وقت حضرت ابوبکر تا بعد امیر معاویہ ان سب فسادات کے سکار لینے میں خسِ برابر کئی کرنے والے نظر نہیں آتے ہیں۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ امت ہو تو امت محمدی کی سی ہو کہ جس نے اپنے نبی محترم کے اہل بیت کے ساتھ کوئی دقیقہ فتنہ و فساد کا اٹھانا نہیں رکھا۔ خیر۔ راقم کا سوال یہ ہے کہ حضراتِ اہل سنت کہیں سے نشانِ دین کہ حضرت رسولِ صلعم نے حضرت ابوبکر کو بھی کبھی سردارِ عرب فرمایا ہے یا نہیں۔ جواب اس کا سوائے نہیں کے ہاں نہیں ہو سکتا۔ پس ایسی صورت میں حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے حضرت ابوبکر خلیفہ رسول اللہ کو نکرمانے جاسکتے ہیں سردارِ عرب ہو دوسرا اور خلیفہ رسول اللہ ہو دوسرا ایسا ہو نہیں سکتا۔ ضرور ہے کہ جو منصبِ رمودہ حضرت رسولِ عرب ہو وہی حضرت رسولِ صلعم کا خلیفہ بھی ہو۔ بالفرض اگر حضرت رسولِ صلعم صاف صاف طور پر یہ فرما جاتے کہ علیؑ سردارِ عرب ہیں مگر ابوبکر میرے خلیفہ ہوں گے تو کسی مسلمان کو حضرت ابوبکر کے خلیفہ رسول اللہ ہونے میں جائے گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر جب حضرت رسولِ صلعم نے حضرت علیؑ کو سردارِ عرب فرما کر حضرت ابوبکر کے اپنے خلیفہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا تو بے شان بے گمان طور پر حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کو جو یکے حضرت رسولؐ کی مسندِ خلافت پر نہیں بیٹھ جاسکتے ہیں۔ حضرت رسولِ صلعم کا حضرت علیؑ کو سردارِ عرب فرمانا تا مگر اہل انصاف کی نگاہ میں حکمِ استخلاف کا رکھتا ہے۔ یوں مخالفانِ علیؑ جیسا چاہیں ویسا کہیں۔ مگر عقل اور انصاف کا فتویٰ اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا کہ جو سردارِ عرب قرار پا چکا تھا وہی حضرت رسولِ صلعم کا خلیفہ برحق مانا جائے۔

موقعِ ششم۔ جب جناب رسول خدا نے آپ کو یعنی حضرت علیؑ کو سیدِ المؤمنین و امامِ المتقین و قائدِ الغر المحجلین فرمایا تو آپ کے سوا کوئی دوسرا رسول اللہ کا خلیفہ برحق نہیں بنا جاسکتا ہے۔ اگر ایسے القاب آن حضرت صلعم نے کسی اور کے حق میں فرمائے ہوں تو حضراتِ اہل سنت اس کا نشانِ دین۔ تعجب ہے کہ آن حضرت صلعم کی رحلت کے بعد اکثر امت محمدی نے آپ کو سیدِ المؤمنین نہیں مانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدی کا زیادہ حصہ منافقوں پر مشتمل تھا۔ اگر امت محمدی آپ کو سیدِ المؤمنین سمجھتی ہو تو حضرت عمرؓ حکمِ حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ علیہا السلام کا گھر جلانے کو نہ جاتے اور تعدی کے ساتھ آپ یعنی حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کے پاس نہ لیجاتے اور وہاں پہنچ کر آپ کی گردن مارنے کی بات نہ کرتے اور آپ کے

برادر رسولؐ ہونے سے انکار نہ کرتے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مومن سید المومنین کے ساتھ ایسا وحشیانہ طریقہ قرار دے گا۔ گفتار نہیں اختیار کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔ مسلمانان وقت کی یکمسی سلمانانی تھی کہ ارشاد حضرت رسول صلم کے برخلاف عامل ہونے کے لیے تکتے رہتے تھے۔

موقع ہفتم۔ بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کتاب ازالۃ الخفایں بہ شان علی مرتضیٰ یہ حدیث کہ انت ولی کل مومن بعدی ومومنۃ مندرج دیکھی جاتی ہے۔ ولی کے معنی حضرات اہل سنت دوست و ناصر و محبوب وغیرہ بتلاتے ہیں۔ مگر یہ معنی ہونہیں سکتے اس لیے کہ بعدی کا لکرا ایسے معنی کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلم کے ارشادات بے معنی کبھی نہیں ہوتے تھے ایسے معنی قائم کرنے سے حدیث بالا کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ حضرت رسول صلم ایسا بے معنی قول کیوں فرمانے لگے کہ اے علی تم میرے بعد تمام مومن ومومنہ کے دوست یا ناصر یا محبوب ہو۔ یہ حضرات اہل سنت کی ہٹ دھرمی نظر آتی ہے۔ ورنہ صاف صاف معنی ولی کے سردار اور امام کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے ہیں اور معنی حدیث بالا کے یہ ہوتے ہیں کہ اے علی تم میرے بعد تمام مومن اور مومنہ کے سردار اور امام ہو۔ چونکہ اس قول نبوی سے حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کو کے بھی سردار اور امام قرار پاتے ہیں گھبراہٹ کی حالت میں حضرات اہل سنت کو لفظ ولی کے معنی بطریق بالا درج تحریر کرنے کی مجبوری لاحق ہو گئی مگر اس گھبراہٹ میں ”بعدی“ کے لفظ کا خیال حضرات بالا کے ذہن شریف میں جگہ نہ کر سکا۔ یہی حال حضرات اہل سنت کا ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ بہ ضرورت خاص قرآن اور حدیث کے معنی بتلانے میں کوئی فراز و نشیب کا خیال آپ حضرات کو نہیں رہتا ہے جیسا کہ راقم اپنی کتاب صلب الظلم میں اس کی چند نظیریں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ یہ سب کجراہیان صرف اس غرض سے اختیار کی جاتی ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں پر کسی طرح کا داغ و لگ سکے۔ مگر ان سب کارروائیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خلافتیں اور زیادہ داغدار دکھلائی دیتی ہیں۔ اب سوال راقم یہ ہے کہ حضرات اہل سنت بتلاؤں کہ حضرت رسول اللہ صلم نے امتیان محمدی سے کسی کے حق میں انت ولی کل مومن ومومنۃ بعدی فرمایا ہے یا نہیں جواب نہیں کے سوا بان نہیں ہو سکتا۔

موقع ہشتم۔ حسب تحریر صاحب جذبا لقلوب و حدیث مندرج بخاری ایک بڑے عجمیہ میں حضرت رسول صلم نے نزول وحی کے مطابق یہ فرمایا کہ کسی کا دروازہ مسجد نبوی میں علی مرتضیٰ کے دروازے کے سوا کھلا نہ رہے۔ اس کی تفسیل سے بہت سے منافقین کے دل میں بہت حسد پیدا ہوا۔ اسی طرح جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ اے علی یہ مسجد میرے اور میرے سوا کسی شخص جنب پر حلال نہیں ہے۔ یہ دونوں فضیلتیں ایسی ہیں کہ

سوائے علی مرتضیٰ کے کسی غیر اہلبیت کے لیے نصیب نہیں ہوئیں۔ دوسری فضیلت کہ حضرت علیؑ حضرت رسول صلعم کی طرح جنب ہونے کی حالت میں بھی داخل مسجد نبوی ہو سکتے تھے اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت علیؑ بھی آنحضرت صلعم کی طرح خلعت کی رُو سے معصوم پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت علیؑ بھی حضرت رسول صلعم کی طرح معصوم پیدا ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں حضرت رسول صلعم کا خلیفہ برحق حضرت کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ یعنی ضرور تھا کہ معصوم کا خلیفہ معصوم یہ فضیلت بین طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کی مثبت نظر آتی ہے۔

موقع نہم۔ جناب پیمبر خدا صلعم نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو اپنا نائب اور قائم مقام اس طرح پر مقرر فرمایا کہ آپ کے سر پر اپنے دست مبارک دستار باندھی پھر آپ کو اپنے شتر پر سوار کر کے کفار کی جانب روانہ فرمایا اور وقت روانگی یہ ارشاد زبان مبارک پر لائے کہ اگر ایک شخص بھی علیؑ کے ہاتھ پر ایمان لائے گا تو وہ دنیا و مافیہا سے افضل ہوگا اس کے ساتھ آنحضرت نے یہ دعا بھی بحق علی مرتضیٰ فرمائی اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ وَاَهْدِ قَلْبَهُ (دیکھو مدارج النبوة جناب شیخ عبدالحق صاحب کی) حضرات اہل نضات فرمائیے کہ دستار بندی کا منہون جانشینی کی نشانی ہے یا نہیں۔ آج تک دنیا میں رسم جانشینی کی دستار بندی کے ساتھ انجام پایا کرتی ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت علیؑ اس امتیاز بخشی کے قابل بھی تھے۔ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان کے سروں پر دستار باندھ کر حضرت رسول صلعم کو کیا خیر کی امید ہو سکتی تھی جب یہ حضرات تلشہ ہر غزوہ رسول میں راہ فرار اختیار کیا کرتے تھے۔ درقرآنکند مرد باید بود۔ اے حضرات اہل سنت اگر بالاطرح کی دستار بندی کی رسم غیر اہلبیت کے ساتھ حضرت رسول صلعم کی جانب سے عمل میں آئی ہو تو اس کا نشان دیکھیے۔

موقع دہم۔ جب ملک یمن میں غنائم کی نسبت خالد بن ولید نے لوگوں کو ترغیب دیکر حضرت علیؑ کی شکایت کی نظر سے جناب رسول خداؐ کے پاس بھیجا تو آنحضرت صلعم کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا صاحب مدارج النبوة لکھتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت نے فرمایا کہ علیؑ کی شان میں گمان بردہ کر و اس لیے کہ وہ مجھ سے ہے۔ اور میں اُس سے ہوں اور وہ ولی تھا رہے۔ جس شخص کے ہم مولیٰ ہیں اُس کا علی مولیٰ ہے۔ ولی اور مولیٰ سے صاف صاف مراد حاکم ہے۔ یعنی اس کے حکم سے کسی مسلمان کو سزا نہیں چاہیے۔ کس واسطے کہ جیسے ہم تم لوگوں کے حاکم ہیں ویسے ہی وہ بھی تم لوگوں کے حاکم ہیں تم لوگوں کو اُس کے حکم میں شکایت کی مجال نہیں ہے۔ سیدے معنی تو ولی دو لے کے یہی ہیں مگر مخالفین علیؑ ان دونوں لفظوں کے کیا کیا اول قول معنی بتاتے ہیں جن سے اُن کے دلی عناد کا اظہار بد رجہ اتم ہوتا ہے

مخالفین علیؑ ولی و مولیٰ کے معنی ناصر یا دوست یا محبوب وغیرہ بتاتے ہیں جو حضرت رسول صلعم کے محل کلام سے کوئی علاقہ رکھتا ہوا نظر نہیں آتا ہے۔ حضرات اہل سنت نے جب ”غضبیت“ کو بہ معنی ”ذمت“ قرار دیا تو محبت خلفائے ثلاثہ میں ان حضرات سے جو کچھ عمل میں آئے تھوڑا ہے۔

بہر حال سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا ہوتا کہ آیا رسول صلعم نے حضرت علیؑ کے سوا حضرت ابوبکر اور کسی امتی صاحب کی شان میں لفظ ولی و مولیٰ بطریق بالا استعمال فرمایا ہے یا نہیں۔ جواب نہیں کے سوا ہاں ہو نہیں سکتا۔

موقع یا زدم۔ روانگی تبوک کے وقت حضرت علیؑ کو یہ فرمایا کہ اس علیؑ کیا تم اس امر پر رضی نہیں ہوئے کہ تم میرے لیے منزلت میں ویسے ہو کہ جیسے ہارون موسیٰ کے ساتھ تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اس حدیث منزلت سے حضرت علیؑ کا بہت بڑا درجہ ثابت ہوتا ہے مگر غایت عناد سے دشمنان علیؑ کہتے ہیں کہ یہ اتحلاف علیؑ کوئی بھاری امر نہ تھا۔ حضرت رسول نے علیؑ کو بچون اور عورتوں پر خلیفہ بنایا تھا۔ شہر مدینہ پر خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ وہ ناحق اندیش یہ نہیں دیکھتے کہ جب حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کو ہارون کے ساتھ تشبیہ دی تو بچون اور عورتوں کی کیا تخصیص باقی رہی اور اگر بالفرض آپ اہل و عیال ہی پر خلیفہ بنائے گئے تو عوام اہل مدینہ کیا تھے جن پر آپ کے خلیفہ مانے جاتے ہیں کوئی عذر کیا جاسکتا ہے۔ واہ وا یہ اسلام کے بدنام کرنے والے اہل بیت و عترت رسول اللہؐ کی کیا خوب قدر کرتے ہیں جو ایسی حقارت کے ساتھ اہل بیت نبوی اور عترت مصطفویٰ کو یاد کرتے ہیں۔ سوادانجب فی الدارین۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

واضح ہو کہ حسب تحریر سید علی ہمدانی صرف موقع بالا ہی میں حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ سے انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ نہیں فرمایا تھا بلکہ دس مقاموں میں بحق علیؑ مرتضیٰ حدیث بالا کو ارشاد فرمایا ہے (دیکھو کتاب مودۃ القربی) اس سے حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا صرف روانگی تبوک کے وقت اہل و عیال حضرت رسول صلعم پر نہیں بلکہ عام طور پر خلیفہ حضرت رسول صلعم ہونا ثابت ہوتا ہے بس یہ حدیث آپ کی خلافت حقہ کی ایک بڑی دلیل متصور ہے اس حدیث کو تمامی علماء اہل سنت نے باستثنائے اہل بدعت قبول کیا (دیکھو اتحاف اہل اسلام) شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اپنے تحفہ میں حدیث بالا کے قبیل کرنے والے نظر آتے ہیں مگر داسنیت دینے میں قاصر بھی نہیں دکھائی دیتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل این حدیث ہم دلیل اہل سنت است وراثت فضیلت جناب امیر مہجت امامت شان در وقت خود۔ آنرا کہ انین حدیث مستغلامی شود استحقاق آن جناب بروے امامت۔

پھر شاہ صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ مخالف اس حدیث کے نواصب میں۔ شاہ صاحب نے ”دروقت خود کی جو قید لگا دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علی مرتضیٰ کی خلافت اور امامت حضرت ثلثہ کی خلافت اور امامت کے بعد اپنے وقت خلافت میں مانی جائے۔ سبحان اللہ در وقت خود کی کیا خوب قید لگا دی ہے۔ گویا اتنا جناب رسول خدا صلعم کو فرمانا رہ گیا تھا کہ اُسے شاہ صاحب نے پورا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے صرف مذہب اہل سنت کے حق قرار دینے کے لیے اپنی طرف سے ایسی قید لگا دی ہے۔ ورنہ صاف صاف طور پر حضرت رسول صلعم کا یہ منشا تھا کہ علی کسی قسم کی قید کے بغیر آن حضرت صلعم کے بعد خلیفہ اور امام مانے جاویں۔ ہرگز ہرگز حضرت رسول صلعم کا یہ مطلب نہ تھا کہ خلفائے ثلثہ کے بعد علی کو درجہ خلافت و امامت نصیب ہو ان حضرت خلفائے پہلے نہیں یہ کس قدر خود غرضانہ خیال ہے جو شاہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ واقعی مولوی نصر اللہ کالی کی پیروی نے شاہ صاحب کو کس قدر جادہ انصاف سے دور بھینکا ہے کہ تحفہ کا تحفہ از خود رفتگی کا رنگ دکھتا ہے۔ حق یہ ہے کہ راقم ایسے تحفہ کو پڑھ کر سنی سے شیعہ ہو گیا۔ یہ کتاب عوام کے لیے جو عظیم کی صورت رکھتی ہو مگر جسے واہب العطایا نے کچھ بھی فہم کی دولت بخشی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اس کتاب کو بغور پڑھ کر اس کی عظمت کا معترف نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کوئی فہمیدہ سنی ہے تو اس کے پڑھنے سے ضرور ضیعہ ہو جائے گا۔ اسی ”دروقت خود“ کے اضافہ سے بین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب جو جہان مضامین کے سرج کتاب کرنے سے اجتناب نہیں کرتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں کہ شاہ صاحب حضرت رسول صلعم کے قول میں اپنے قول کو ملا دینے سے باز نہ آئے۔ اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ حضرت علی کی منصوبی خلافت و امامت حضرت ثلثہ کی غیر منصوبی خلافتوں کے بعد چھ معنی دارد۔ یہ کس قدر عقل و فطرت اللہ سے بعید ہے کہ پہلے تین غیر منصوب خلافتیں ظہور میں آئیں تب مخصوص خلافت و امامت ظہور میں آئے۔ سبحان اللہ کیا فہم ہے۔ برین عقل و دانش بیاہر گریست۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث منزلت سے جو مقبولہ اہل سنت ہے جیسا کہ بالامین حوالہ قلم ہو چکا ہے حضرت علی کی خلافت نصی ثابت ہوتی ہے برخلاف خلافت ہائے حضرت ثلثہ کے کسی طرح پر نصی نہیں ثابت کیجا سکتی ہے۔ احادیث صحیحین سے کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جاتی ہے کہ جس سے خلافت حضرت ثلثہ کی نصی ثابت کیجا سکے۔ اکثر علمائے محدثین بھی جیسے علامہ نووی ابن حجر صاحب فتح الباری امام مقرنی م مؤلف نہایت اعقول وغیرہ وغیرہ بھی خلافت حضرت ثلثہ کے نصی ہونے کے قائل نہیں نظر آتے ہیں۔ پس جب کہ حدیث منزلت کا نصی ہونا سخن علی مرتضیٰ ثابت ہے تو بمقابلہ ایسے حضرات کے جن کی خلافت کسی طرح پر

نفسی نہیں ثابت ہوتی ہے علیٰ مرتضیٰ افضل اور خلیفہ بلا فضل کیونکر نہیں مانے جائیں گے۔

موقع دوازدہم۔ یوں تو مواقع بسیار میں حضرت رسول صلعم حضرت علیؑ کو اپنے قول و فعل سے اپنا جانشین یا خلیفہ ظاہر فرماتے آئے تھے مگر مواقع بالا سے موقع چہارم و موقع دہم اور موقع یازدہم ایسے نظر آتے ہیں کہ ان مواقع کے بعد اس موقع دوازدہم میں حضرت علیؑ کے استخلاف کی ضرورت حضرت رسول صلعم کو خس پر برباتی نہیں رہتی تھی۔ مگر چونکہ آن صلعم اپنی اُمت کے بڑے نبض شناس تھے خوب جانتے تھے کہ حضرات غنیمین وغیرہ کیسے بزرگ ہیں اور آپ دونوں صاحبوں کے جانب داروں کا کیا رنگ ہے جیسا کہ حضرت صلعم کے اُس قول سے جس کے مخاطب حضرت ابو بکر ہو چکے اور وہ یہ تھا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے بعد تم کیا کرو گے صاف ہو دیا ہے کہ حضرت رسول صلعم کو مطلق اطمینان اپنے امتیان و اکابر امتیان کی طرف سے حاصل نہ تھا۔ ایسی صورت میں حضرت رسول نے حکم خدا یہ آخر مرحلہ استخلاف کی طرف توجہ فرمائی تاکہ کسی کو بھی موقع اس امر کے کہنے کا نہ رہ جائے کہ استخلاف کی کارروائی اعلان عام کے ساتھ عمل میں نہیں لائی گئی۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ اس اعلان عام سے بھی حسب مراد نتیجہ طور میں نہیں آسکا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت کے اُمتیوں سے زیادہ انہراد قول خداوندی فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا کے مصداق تھے۔ ایسے افراد نہ خدا کی سنت تھے اور نہ رسول کی۔ جیسا جی میں آتا تھا کر بیٹھتے تھے۔ غزوات و سرایا میں ہمیشہ عدول حکمی کرتے رہے صلح حدیبیہ میں حکم خدا و رسول کے خلاف ایک صاحب اکابر امت سے اڑ بیٹھے۔ ایسے افراد کے معاملات پر نظر غور ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افراد نے مجرد حصول دنیا کے لیے مکہ سے مدینہ آنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ کیسی ہجرت اور کیسی حضرت رسول صلعم کے ساتھ کسی قسم کی مذہبی عقیدت۔ مکہ میں ایسے افراد حضرت رسول صلعم کو کافی طور پر دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ آنحضرت ایک ہونا شخص ہیں ایسے ہونا شخص کا ساتھ دینا خالی از نفع نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے دنیا طلب مہاجرین اپنی اپنی مرادوں کو پہنچتے گئے۔ بہت کچھ مال غنیمت انھیں ہاتھ لگے۔ بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہوئے گئے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بے درپے تین حضرات منہائے حکومت کو پہونچ کر خلفا بھی کہلانے لگے۔ اتمام حجت کے لیے یہ آخر مرحلہ استخلاف کا بے محل یا غیر ضروری نہ تھا۔ اب حضرات ناظرین اس آخر استخلاف کے معاملات کے ہر جزو پر نظر انصاف ڈالیں اور تجویز فرماویں کہ اس استخلاف سے حضرت رسول صلعم حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ معنی متصرف بہ امور دنیا و دین بنا گئے تھے یا نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ نہ ہجری میں حضرت رسول صلعم ایک جمع کثیر کے ساتھ نظر ادا کئے گئے

کہ منظمہ کو تشریف فرما ہوئے (دیکھو معارج النبوه و تاریخ طبری) حضرت علی علیہ السلام میں میں تھے آپ
آپ بھی میں سے مکین بھنور آن حضرت صلعم ہو چنے۔ حضرت رسول صلعم نے مناسک حج ادا فرمائے اور
ایک خطبہ بھی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ پڑھا (دیکھو توضیح الدلائل سید شہاب الدین احمد کی اور
نیز معرکہ آل رشاہ سلامت اللہ صاحب کی) اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب وفات میری بہت نزدیک ہے
اور قریب ہے کہ فرستادہ عزوجل آئے اور میں لبیک کہوں۔ پس میں اپنے بعد تم لوگوں میں دو گران قدر
چیزیں چھوڑتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے بڑی ہیں اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں گی تا وقتیکہ حوض کوثر پر
میرے پاس نہ پہنچیں۔ اگر تم لوگ ان کی پیروی کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک رہو گے تو ہرگز ہرگز
گمراہی میں نہ پڑو گے اور وہ دونوں گران قدر چیزیں قرآن مجید اور میرے اہل بیت ہیں۔ یہ حدیث صحیح و
متواتر ہے (دیکھو ترمذی و تحفہ اثنا عشریہ و الزاۃ الخفا) اس حدیث کی صحت میں کسی کو گفتگو کی جگہ نہیں ہے
حج سے فراغت پا کر آن حضرت صلعم نے مدینہ کو معاودت فرمائی۔ راہ میں جب آن حضرت صلعم مقام غدیر
پر پہنچے کہ ذی الحجہ کی اٹھارھویں تاریخ تھی اور ظہر کا وقت تھا جبرئیل امین یہ خطاب رب العزت سے
لائے کہ اے رسول پہنچا دے اس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے
پس اگر تو یہ نہیں کرتا تو ہماری رسالت کی تبلیغ بھی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو شر و فساد سے محفوظ رکھے گا
اس وحی کے نازل ہوتے ہی آن حضرت صلعم وہاں ٹھہر گئے اور لوگوں کو از سر نو مجتمع فرمایا۔ اس ٹھہراؤ
کی جگہ کا نام خم غدیر ہے اور اس مقام سے راہ میں مختلف سمت میں نکل گئی ہیں۔ حج سے واپس ہو کر
جب ہمارے بیان حضرت رسول صلعم بیان ہو چنے تو بہت سے لوگ مختلف راہوں سے اپنے اپنے گھر کی طرف
روانہ ہو گئے۔ پس جناب حضرت رسول خدا نے ان لوگوں کے بلانے کے واسطے آدمی بھیجے۔ جب
گئے ہوئے لوگ واپس آچکے اور نیز جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی آنحضرت صلعم سے آئے تب
آن حضرت صلعم نے نماز پڑھی اور کجاوون کا منبر بنایا اور اس پر چڑھ کر تشریف آرا آدمی کی طرف مخاطب کر
یوں فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں مومنوں سے ذات مومنان کے اعتبار سے بہتر ہوں۔ سامعین نے
جواب میں عرض کیا۔ بلی یعنی ہاں۔ صاف مطلب اس سوال کا یہ تھا کہ کیا میں مومنین سے بہتر
اور برتر نہیں ہوں۔ کسی کو اس میں جانے گفتگو کیا ہو سکتی تھی سب نے یک زبان ہو کر یہ عرض کی کہ ہاں
آپ ایسے ہی ہیں۔ اس سوال کے بعد آن حضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو ام عظیم چھوڑے
جاتا ہوں ایک ان میں سے دوسرے سے بزرگ تر ہے اور وہ قرآن و اہلبیت ہیں۔ ان سے خبردار
رہنا اور دیکھنا کہ ان کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے حقوق کس طرح پر ادا کرتے ہو اور یہ

دو دن امر میرے بعد ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پہنچیں اس کے بعد آن حضرت نے فرمایا کہ میرا مولیٰ خدا ہے اور میں تمام مومنین کا مولیٰ ہوں۔ پھر اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے خدامیرے جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا علیؑ مولیٰ ہے۔ اے امیر میرے دوست رکھ اُس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن رکھ اُس کو جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اس کا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ دے اس کو جو چھوڑ دے علیؑ کو اور پھیر دے حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرسے اس کے بعد حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو ایک خیمہ میں بیٹھنے کے واسطے حکم دیا تا مومنین آپ کو مولائے مومنین ہو سکی مبارکباد دین۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کے خیمہ میں جا کر آپ کو مبارکبادیں دیں۔ (دیکھئے ترمذی خواص الامۃ سبط ابن جوزی و سیرت محمد ابن اسحاق و معارج النبوة روضۃ الصفا و حبیب السیر) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی بڑے جوشیلے الفاظ سے حضرت علیؑ کے مولائے مومنین و مومنات ہونے سے اعتراف کیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے تقاضائے مصلحت سے الفاظ مبارکباد میں پنج پنج کو بھی افزود کر دیا۔ مگر نہایت جلد افسوس ہے کہ حضرت شیخین کو ہنگامہ رقیفہ کے وقت اپنی مبارکبادیان مطلق یا دہمیں رہیں۔ بھولے ہو گیا ہوں گے۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ پورے کل مبارکبادیان تحقیق سنان سے کوئی شے مراد نہ تھی۔ اگر کچھ ہوتی تو تھوڑے ہی دن کے بعد مولائیت حضرت علیؑ کو بالاسے طاق رکھ کر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی مدد سے مولائے مسلمین نہ بن بیٹھتے۔ علاوہ مبارکبادی ہائے بالا کے شرانے بھی تنہا کے قصیدے لکھے۔ چنانچہ ان میں سے مشہور قصیدہ حسان بن ثابت کا جو صحیح اس واقعہ کا پورا ذکر ہے۔ حسان کہتے ہیں کہ ”جناب رسول خدا نے علیؑ مرقضی کو کھڑا کیا اور کہا کہ بتحقق میں نے تم کو اپنے بعد امام اور ہدایت کرنے والا پسند کیا (راقم کتبا ہے کہ حسان نے صاحب تحفہ کی طرح ”در وقت خود“ کی قید نہیں لگادی) پس جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ بھی اُس کا حکمران ہے۔ پس سب لوگ ان کے سچے مددگار مثل غلاموں کے رہو۔“ یہ کہہ کر جناب رسول خدا نے دعا کی اور فرمایا خدا یا جو علیؑ کا دوست ہے اُس کو تو بھی دوست رکھ اور جس نے علیؑ سے عداوت کی اُس کا تو بھی دشمن رہنا۔ پچارے حسان کو کیا معلوم تھا کہ معاذین علیؑ مولیٰ کے معنی میں کیا کیا خراش تراش پیدا کریں گے اور حضرت شیخین تھوڑے ہی دن کے بعد حضرت رسول کی ساری کارروائی اختلاف کو آن کی آن میں غت دہو کر دیں گے پچارے حسان کیا جانتے تھے کہ حضرت رسول کی رحلت کے بعد ہی حضرت شیخین حضرت علیؑ کو مجرموں کی طرح اپنے پاس کچھ انگائیں گے اور حضرت عمرؓ حضرت علیؑ سے بختنوت تمام کہیں گے کہ تم حضرت رسول صلعم کے بھائی نہیں ہو۔ ہم تمھاری گردن ماریں گے وغیرہ وغیرہ۔ پچارے حسان کیا خبر رکھتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ

کے خلیفہ قرار پانے کے بعد حضرت شیخین کے ہاتھوں سے حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا پر ایسا جسمانی اور روحانی تکلیفیں ڈالی جائیں گی اور معاملہ فہک میں کیا کیا ایذائیں اٹھائیں گی۔ واقعی اختلاف حضرت علیؓ پر حضرت شیخین کی مبارکبادی اور حضرت رسول صلعم کی رحلت کے ساتھ ہی دونوں بزرگوار کی حضرت علیؓ سے روگردانی کچھ عجیب منظر پیش کرتی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقت مبارکبادی زبان و دل حضرت شیخین کے ایک نہیں ہو رہے تھے۔ واہ رسی پولٹیکل زبان اور واہ رسی پولٹیکل دل۔ دونوں ایک سے ایک بڑے چڑھے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی طالب خدا اور صاحب ایمان کے ایسے زبان و دل نہیں ہو سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ منظر دنیا داری کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ حق یہ ہے کہ کون ایسے زبان و دل حضرت شیخین کے نہ ہوتے جہاں دونوں بزرگوار نے مجرد دنیا طلبی کی نظر سے کہ سے مدینہ چلے آنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ مدینہ میں رہ کر حضرت شیخین بہبودی کی صورتیں پیدا کرتے رہے مگر کمال ہوشیاری سے کبھی اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ پڑنے دیا عز و ات رسول اللہؐ سے فرار پر فرار ہی اختیار کرتے گئے۔ آخر رحلت حضرت رسول صلعم سے دونوں بزرگوار کو دنیا کی مٹھاسے کامیابی کا موقع ہاتھ آگیا پھر کسی خم غدیری کی مبارکبادی اور کیسا مولائیت علیؓ رضی اللہ عنہ کا اقرار۔ حضرت رسول دفن ہونے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پردے میں خلیفۃ المسلمین بن بیٹھے۔ طالبان دنیا نے بھی ان بزرگوار کا ساتھ دیا اور بہ اسباب ظاہر حضرت علیؓ خلیفۃ رسول اللہ قرار نہ پاسکے۔ واضح ہو کہ حسان کے شعار سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی تمام امت پر حکمران بنایا تھا اور اپنا ولی عہد قرار دیا تھا۔ مگر معاذین علیؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول صلعم نے لفظ مولیٰ کو بمعنی ناصر و دوستدار و محبوب استعمال فرمایا تھا۔ آخر حیا بھی کوئی چیز ہے۔ حیا جو ایمان ہے۔ جسے حیا نہیں ہوا اسے ایمان نہیں۔ ارباب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ اگر حضرت رسول صلعم کو اسی قدر بیان کرنا منظور ہوتا کہ علیؓ بھرا یاد و ستاد یا محبوب مومنین کے ہیں جیسا کہ شیخ ابن حجر و دیگر معاذین علیؓ کا قول ہے اور ان کے متصرف بلوہ دنیا و دین نہیں ہیں تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ خدا سے تعالیٰ بذریعہ وحی کے جناب رسول صلعم سے موکہانہ طور پر خطاب فرماتا کہ اے رسولؐ پہونچا دے اس پیام کو جو نازل کیا گیا تیری طرف تیری رب کی جانب سے پس اگر تو یہ نہیں کرتا تو تو میری رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے گا۔ یہاں پر یہ جزو آیت "واللہ یصمک من الناس" یہی قابل لحاظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم اہل شر و منافقین وغیرہ سے مطمئن نہ تھے اور ان کی طرف سے فساد کا احتمال غالب تھا۔ اس لیے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرت سے وعدہ حفاظت فرماتا ہے چنانچہ حافظ حقیقی نے عقبہ پر

حضرت رسول صلعم کو شرفنافقین سے بچا رکھا۔ عقبہ کے حالات راقم اس کتاب میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ اس کا مختصر معاملہ یہ ہے کہ بعد واقعہ ختم غدیر کے جب آن حضرت صلعم مدینہ کو واپس جا رہے تھے تو بوقت شب براہ حقہ امتیان محمدیؐ نے خود آن صلعم پر چلہ آوری کی یا عوام امتیان محمدیؐ سے کرائی مگر حضرت خذیفہ نے ان پر سخت حملہ آور دن کو اپنی چابک بازی سے بھگا دیا۔ لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ پھر آیت بالا کے نازل ہوتے ہی آن حضرت صلعم کیوں اس طرح پر ہمارے بیان کج کو جمع فرماتے اور پالان شتر سے منبر بنا کر اس پر جلوہ افروز ہوتے اور ان سے یہ سوال فرماتے کہ آیا ہم تم لوگوں سے تمہارے نفسوں کے اعتبار سے بہتر ہیں پھر ان سے جواب میں قول بلیٰ پاکر کتاب اللہ اور اپنی عسرت سے متمسک ہونے کی تاکید فرماتے۔ پھر خدا کو اپنا مولیٰ اور اپنے کو تمام مومنین کا مولیٰ بتا کر دست علیٰ کو پکڑ کے تاکید فرماتے کہ اے خدا میرے جس کا مولیٰ میں ہوں پس اُس کا مولیٰ اعلیٰ ہے۔ اے اللہ میرے تو دوست رکھ اُس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور تو دشمن ہو اُس کا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار اس کا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ دے اُس کو جو چھوڑے علیؑ کو اور تو پھیر حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرے۔ اگر اتنے اہتمامات سے خدا و رسول صلعم کی مراد اسی قدر تھی کہ علیؑ تھوڑا ناصربا دوستدار یا محبوب مومنین کے کسے جائیں تو دنیا میں کسی نبی یا کسی بادشاہ یا کسی حاکم یا کسی مدبر نے ایسی فضول کارروائی نہیں اختیار کی ہے۔ مگر حضرات اہل سنت اپنے حضرت ثلثہ کی محبت میں ایسے از خود رفتہ نظر آتے ہیں کہ مطلق حق و ناحق کی پروا نہیں کرتے۔ قابلِ کاٹ یہ بھی امر ہے کہ جب کلمات بالا آن حضرت صلعم علی مرتضیٰ کے حق میں فرما چکے تب آپ نے تنہا کی ہدایت فرمائی جس کے مطابق حضرات اہمات المؤمنین اور ماشاء اللہ خود حضرت شیخین نے بھی بنفس نفیس اداے مبارک باد میں کچھ کمی نہیں کی اور بقول امام حنبل علیہ الرحمۃ جو اہل سنت کے ائمہ اربعہ سے ہیں خود جناب رسالت مآبؐ نے بعد نزول اس آیت کے کہ آج کے دن کامل کر دیا میں نے دین کو تمہارے اور تمام آدمی تم پر نعمت اپنی اور راضی ہوا میں تمہارے دین اسلام سے“ اداے سپاس الہی کے طور پر یہ فرمایا کہ الحمد للہ علی اعمال الدین و اتمام نعمتہ و رضائہ برسالتی و ولایت علی من بعدی۔

او اہل نصاب بتائیے کہ حسب ارشاد نبوی اب علی مرتضیٰ کی ولی حمدی اور جانشینی میں کون سی ٹھیک لگی رہ جاتی ہے۔ کیا اب بھی حضرات اہل سنت کسے جائیں گے کہ خداے پاک اور حضرت رسول صلعم کی ساری کارروائیاں اور امتیان محمدیؐ کی مبارک بادیاں اور خود آن صلعم کی سپاس گزاری صرف اتنی بات کے لئے ظہور میں آئی تھیں کہ حضرت علیؑ صرف یا دوستدار یا محبوب مومنین کے مانو جاوین یہ سب کچھ سہی مگر مرغی کی وہی ایک ٹانگ پر حضرات اہل سنت کے مذہب کا مدار ہے۔

کوئی شک نہیں کہ تمام امور دنیا و دین میں حق پسندی سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔ انصاف سے درگزرنا سخت بے ایمانی ہے۔ اتنا پ شناپ طور پر خدا و رسول خدا صلعم کے اقوال کی تاویلات وہی کرے گا جو حیا کی صفت سے محروم پیدا ہوا ہے اور فقدان حیا کی وجہ سے خارج از ایمان ہے۔

واضح ہو کہ مواقع بالا سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ مگر موقع دوم یعنی قصہ غناہ ملک میں اور موقع یازدہم یعنی قصہ تبوک بھی بہت قابل لحاظ ہیں۔ موقع دوازدہم انھیں دنوں موقع استخلاط کے اعلان کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس موقع آخر سے پورے طور پر علی مرتضیٰ کی دلی عمدی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ یوں دشمنان علیؑ اور ارباب تعصب معاملہ خم غدیر کو جس نگاہ سے چاہیں دیکھیں۔ مگر اہل انصاف کی آنکھ میں یہ معاملہ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ جس سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل میں کوئی عذر کا پہلو باقی نہیں رہتا ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا کی بالیسی حسب مرضی خدا سے عذر و جمل ہی تھی کہ آن صلعم کے بے علی مرتضیٰ جانشین آن صلعم ہو کر پورے طور پر مقصوف بہ امور دنیا و دین ہوں اور جمیع امتیان محمدی ایک دل ہو کر اطاعت علی مرتضیٰ میں سرگرم رہیں اور اہل بیت علیہم السلام کی وہی توقیر بنی رہے جس کے وہ مستحق تھے اور اور جس توقیر کے ساتھ وہ حضرات علیہم السلام محمد رسول اللہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر ایسے بد بخت امتیان نے جو سلطنت رسول اللہ کو دینی سلطنت نہیں سمجھتے تھے اور جنھوں نے دل سے دین آن حضرت کو قبول نہیں کیا تھا اور اسی وجہ سے دنیاوی خواہشوں میں مبتلا تھے خدا و رسول کے فرمودہ کی طرف خس برا بھی توجہ نہیں کی اور حکم خدا و رسول سے ایسی انحراف و رذی اختیار کی کہ جسکی مثال تاریخ و سیر میں کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ یہ مردمان دنیا طلب ہر چند محمد رسول اللہ میں کچھ ایسے فسادات برپا نہ کر سکے کہ جس سے اُن کی چھپی بغاوت شہرت پذیر ہوتی مگر حضرت رسول صلعم ایسے افراد کی حقیقت حال سے بے خبر نہ تھے۔ اسی لیے بار بار حضرت علیؑ کے استخلاط کا اعادہ فرمایا کرتے تھے۔ بیان تک کہ موضع خم غدیر میں اپنی رحلت سے چند ماہ پیشتر استخلاط علی مرتضیٰ ایسے اہتمام کے ساتھ اعلان فرمایا جس سے مختلف فرقہ ہائے اہل سنت کے سیر و حدیث کی کتابیں مزین دیکھی جاتی ہیں بہر حال اتنے بڑے اعلان پر بھی اکابر امتیان محمدیؑ حضرت رسول صلعم کے ساتھ ہی اپنے اصلی رنگ میں نمودار ہو گئے۔ ان کی کارروائیاں ایسی محسن کشی تا فرمانی عدول حکمی حق کشی ایذا رسانی ستم پروری سنگ دلی بے رحمی کمینہ کشی احسان فراموشی بداندیشی اور حق ستانی سے خبر دیتی ہیں کہ جو آپ اپنی نظیر دکھائی دیتی ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ ان کی ایسی کارروائیاں نے صرف نہ اُس وقت کے اہل بیت اور بھی دین

رسالت پناہ صلعم کو ضرر عظیم پہنچایا بلکہ اُن مذموم کارروائیوں کی تاثیر تا بعد حضرت امام عسکری علیہ السلام نتائج بد پیدا کرتی رہی بلکہ اسوقت بھی وہ تاثیر پورے طور پر قائم ہے۔ اور تاقیامت قائم رہے گی۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ میں دو صفتیں ایسی تھیں کہ نہ حضرت ابوبکرؓ اور نہ امتیان محمدیؑ سے کسی میں آپ کی برابری پائی جاتی تھیں۔ یہ صفتیں شجاعت اور عبادت کی تھیں۔ شجاعت کی نسبت تو اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر حضرت ولایت مآب کی ذات نہ ہوتی تو روئے زمین پر اسلام قائم نہ ہو سکتا ایسے حضرت ابوبکرؓ آپ کی ذات سے موازنہ کرنا شجاعت کا خون کرنا ہے۔ علم سیر و تاریخ سے ہویدا ہوتا ہے کہ جن غزوات رسول اللہؐ میں حضرت ابوبکرؓ نے راہ فرار اختیار کی اُن غزوات میں صرف حیدر کرار ثابت قدم نہیں رہے بلکہ اُن غزوات کی فتحیں بھی آپ کے ہاتھ رہیں۔ حضرات اہل سنت خالد صاحب کو جو شجاعت میں حضرت علیؑ کا جواب پیش کرتے ہیں وہ حضرات شجاعت اور سباعت کی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ شجاع کو حلیم رحیم کریم بے نفس اور حق پرست ہونا ضرور ہے۔ خالد صاحب صفات حلم و رحم و کرم و بے نفسی و حق پرستی سے تامتر معزز تھے ۵

صلاح کار کجا و من خراب کجا بدین تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا
دوسری صفت علی مرتضیٰ کی جو عبادت کی ہے وہ ایسی ہی ہے کہ بقول پاک حضرت رسول صلعم تمام نیکو کاران ماضی و مستقبل و حال کی عبادت آپ کی عبادت کو پونج نہیں سکتی ہے۔ ایسی صورت میں حضرت ابوبکرؓ یا کسی نیکو کار عالم کا موازنہ آپ کی نیکو کاریوں کے ساتھ ایک فضول امر ہے۔

راقم علی مرتضیٰ کی دو صفتوں کو بھی حوالہ قلم کرنا مگر طولانی کلام کے خوف سے صرف ان دو صفتوں کی تحریر پر قناعت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف یہ دو صفتیں آپ کی افضلیت کے ثابت کر دینے کے لیے کیا کم ہیں۔ یہ ہونیں سکتا کہ کوئی شخص حضرت علیؑ سے ان دو صفتوں میں کم ہوا اور پھر حضرت علیؑ پر افضل قرار دیا جائے۔ ایسا شخص حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے حضرت رسول صلعم کا خلیفہ و برحق نہیں مانا جاسکتا ہے۔ یون متعصب اور حق کش ہونا اور بات ہے۔

بالا میں راقم نے کچھ صفات حضرت علیؑ کو صفات غیر تنابہ سی حوالہ قلم کر دیے ہیں۔ اس سے مراد راقم یہ نہیں ہے کہ صرف اسی قدر صفات حضرت ولایت مآب کے ہیں۔ صفات آپ کے لا تعد ولا تحصى ہیں۔ راقم کی کیا مجال کہ آپ کے جمیع صفات کو تحریر کر سکے ۵

جبار در مناقب او گفت ہل اسے کس راجہ زور و زہرہ کہ دصفت علی کند
بہر حال جتنے اوصاف گرامی آپ کے راقم نے داخل تحریر بالاسیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ

یا کسی امتی کو عہد حضرت رسول صلعم کے نصیب نہ تھے۔ اگر صفات بالا سے ایک صفت کے ساتھ بھی امتیان محمدی سے کوئی شخص متصف پایا جاتا ہے تو حضرت ولایت مآب کے توہین کرنے والے صاحب اس صفت کا نام بتلا دیں۔ اب یہ فرمانا معترض صاحب کا کہ حضرت علی مین دامادی اور اخوت حضرت رسول صلعم کے سوا کوئی اور صفت موجود نہیں تھی درست ہے یا نادرست اس کا فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ ہے۔ معاذ اللہ ناواقفیت جمالت اور تعصبات کی وجہ سے عوام مسلمانان میں ایسی غلط خیالیاں پھیل گئی ہیں کہ ان کی اصلاح کوئی آسان امر نہیں ہے۔ ظاہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک فضل خداوندی شامل حال نہیں ہوتا ہے غلط خیالوں کی غلط خیالیاں اپنے حال پر قائم رہیں گی۔

مَعَاذَ اللَّهِ ثُمَّ مَعَاذَ اللَّهِ



ضمیمہ ۳

لیکن توجیزے دیگری

ایک سنی صاحب صفات علی مرتضیٰ کے منکر و نہیں ہیں مگر حضرت عمر کو افضل مانکر فرماتے ہیں کہ ہاں حضرت علی میں خوبیاں ہیں مگر حضرت عمر اس کے مصداق ہیں کہ لیکن توجیزے دیگری“ یہ قول قائل صاحب کا تقاضا مذہب اہل سنت کے خلاف نہیں ہے۔ مذہب اہل سنت یہی ہے کہ حضرت عمر افضل ہیں اور حضرت علی مفضول راقم ضمیمہ نمبر ۲ میں واضح طور پر دکھلا چکا ہے کہ صفات حمیدہ میں حضرت ابو بکر کا موازنہ حضرت علی کے ساتھ ایک مفضول امر ہے۔ پس جب حضرت ابو بکر حضرت علی کے ہم پلہ صفات حمیدہ میں نہیں دکھائی دیتے ہیں تو حضرت عمر کو دعویٰ برابری یا دعویٰ برتری کیا ہو سکتا ہے۔ راقم بیان خود صفات حضرت عمر پر نظر ڈال کر ناظرین با انصاف کی توجہ کا طالب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ قائل قول بالا نے حضرت عمر کی کسی ایسی صفت کا ذکر نہیں کیا کہ جسکی بنا پر ”لیکن توجیزے دیگری“ کا مضمون اسباب ترجیح دکھلا سکتا ہے۔ اگر وجہ ترجیح سے راقم کو خبر ہو سکتی تو منصفانہ تنقید میں کوشاں ہوتا۔ بحالت موجودہ راقم کو اس سے چارہ نہیں ہے کہ چند صفات انسانی کا ذکر کر کے حضرت عمر کے لگاؤ سے اُن پر نظر تحقیق ڈالے اور جہاں تک ممکن ہو پوری منصفی کے ساتھ ان کا موازنہ حضرت علی کے صفات کے ساتھ عمل میں لاوے۔

الف۔ حضرت عمر حضرت علی کے برابر نسب میں نہیں ہیں۔ کتاب مثالب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے دادا نفیل ایک کنیز حبشیہ کے بطن سے جسکا نام صنہا کہ تھا پیدا ہوئے۔ یہ صنہا کہ حضرت ہاشم بن عبد مناف کی لونڈی تھی جو نفلہ بن ہاشم اور بعدہ عبد العزیز بن رباح کے تصرف میں یکے بعد دیگرے در آئی۔ یہاں تک کہ مضامین کتاب مثالب میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ نفلہ بن ہاشم عبد العزیز کے فرزند نفیل عبد حضرت عمر کے تھے۔ بہر حال اپنے وقت میں نفیل نے قبیلہ فہم کی کسی عورت سے رواج ملکی کے مطابق مواصلت پیدا کی جس سے خطاب حضرت عمر کے والد تولد ہوئے (دیکھو معارف ابن قتیبہ) یہ عورت بھی قبیلہ فہم کی لونڈی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ام الولد کے قاعدہ سے رواج جاہلیت کے مطابق آخر میں عمر بن نفیل کے تصرف میں آئی

واللہ اعلم بالصواب۔ واضح ہو کہ کتاب مثالب تصنیف ابوالمنذر ہشام بن سائب الکلبی کی ہے یہ بزرگ اکابر و اعظم علمائے اہل سنت سے ہیں اور اس درجہ کے ہیں کہ ترمذی اور ابن ماجہ ان کو اپنا شیخ مانتے ہیں اور بنو یحییٰ جیسے محقق اور مفسر نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل کو ان کی روایتوں سے بھر دیا ہے امام ابن تیمیہ اس عالم مستند کو علم نسب کا امام سمجھتے ہیں۔ علامہ سبط بن جوزی اور ابن خلکان بھی انساب کے متعلق ان سے بہت کچھ لیتے گئے ہیں اس سے سمجھنا چاہیے کہ کتاب مثالب کے مصنف کا کیا پایہ ہے پس ابوالمنذر ہشام کی تحقیق کی کس عظمت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ اب کوئی حاجت نہیں کہ راقم حضرت علی اور حضرت عمر کے نسبی معاملات پر اظہار رائے کرے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حضرت عمر کا ام کلثوم بنت فاطمہ کے ساتھ ازدواج کا قصد کرنا خالی از ذکر اہست متصور نہ تھا۔ مگر ہزار ہزار شکر کی جا ہے کہ حضرت عمر کے ازدواج کا قصہ دوسری ام کلثوم سے تعلق رکھتا ہے ام کلثوم بنت فاطمہ کے ساتھ اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال جن صاحبوں کو حضرت علی کے ساتھ حضرت عمر کی برابری نسب پر اصرار ہے ان کی خدمت میں راقم کو اس امر کے عرض کر دینے سے چارہ نہیں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت علی کے باپ اور دادا سے کوئی بھی ولد الحارہ نہ تھے۔

خداے تقدس و تعالیٰ نے نبوت و امامت کے بخشے میں شرافت و نجابت و بزرگی خاندان کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ راقم کا خیال واثق یہ ہے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی علیہ السلام علی درجہ کی نسبی بزرگی نہیں رکھتے تو خداے تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش از خیال درجہ کی نبوت اور حضرت علی امیر قضا کو اس بلند پایہ کی ولایت و امامت بخشا۔ صلوٰۃ اللہ بر محمد و صلوٰۃ اللہ بر علیؑ۔

اب قائل قول بالا صاحب فرما دیں کہ ”لیکن تو چیزے دیگری“ کی چسپانی امر نسب کے اعتبار سے حضرت عمر کے ساتھ ہوتی ہے یا نہیں۔

ب۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت عمر اطاعت رسول اور خدمت اسلام میں کیسے تھے۔ اطاعت کا تو یہ رنگ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت رسول کی اطاعت دل سے گوارا نہیں کرتے تھے۔ لیکن جو دل میں بات رہی ہے کبھی نہ کبھی ظاہر ہی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قصہ صلح حدیبیہ میں حضرت عمر کا اصل رنگ گھل گیا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم خدا کفار کہ سے صلح کرنے کے لیے مستعد تھے۔ مگر حضرت عمر اڑ بیٹھے کہ صلح نہیں ہونا چاہیے۔ ہر چند حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صلح ہو کہ جنگ کفار سے بحکم خدا کہتے ہیں مگر حضرت عمر اڑے کے اڑے رہ گئے۔ حکم خدا اور رسول سے اڑنا تو ایک طرف آپ نے صاف طور پر اپنے قول سے شک فی النبوة کا اظہار کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شک آپ کے دل میں ابتداء

چلا آتا تھا اس وقت آپ سے روکا نہیں جاسکا آپ نے اظہار شک کر دیا۔ کل انا میرے متبع بھائیہ
 اس اظہار شک کے بعد بھی آپ اس کے درپے رہے کہ جو صلح آن حضرت صلعم نے اہل مکہ سے کر لی تھی
 وہ شکست ہو جائے۔ یہ کون سی دینداری حضرت عمرؓ کی تھی اور کیسی اطاعت حضرت رسولؐ کی -
 معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ دوسرا قصہ آپ کی عدول حکمی کا یہ ہے کہ حضرت رسول صلعم نے ایک لشکر کفار کی
 طرف اُسامہؓ کی ماتحتی میں روانہ فرمانا چاہا تھا اور جمیع مسلمین کو یہ استثنائے حضرت علیؓ اس لشکر کی شرکت
 کا حکم صادر فرمایا تھا اور یہ حکم حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و سعد ابی وقاصؓ کے لیے بالخصوص
 صدور پایا تھا۔ مگر یہ سب بزرگوار گھر میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے ایک صاحب بھی لشکر اُسامہؓ کے
 شریک تاکید اکید کے ساتھ بھی نہ ہوئے۔ اس سے زیادہ نافرمانی خدا و رسولؐ کی اور کیا ہو سکتی ہے
 پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت شیخینؓ نے غرض خاص سے حضرت رسول صلعم کے حکم سے سرتابی کی تھی اور
 وہ یہ ہے کہ حضرت رسول صلعمؐ منہائے مرض الموت کو پہنچ چکے تھے۔ اگر وہ دونوں بزرگوار لشکر اُسامہؓ
 کے شریک ہو کر مدینہ سے منزلوں دور ہو جاتے تو دونوں حضرت خلافت یابی کی فراہمی سامان سے
 تامل متبرجور ہو جاتے اور خلافت کا انتظام اور طور پر انجام پا جاتا بہ قرینہ غالب امر خلافت اس طرح پر
 طے پا جاتا جیسا کہ منظور حضرت رسولؐ مقبول تھا۔ یعنی حضرت علیؓ خلیفہ ہو جاتے اور طالبان خلافت
 محروم رہ جاتے جس سے ہر دو بزرگوار کی دیرینہ آرزو خاک میں مل جاتی۔ بالتحق قرآن و دونوں قصوں سے
 بین طور پر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسول صلعمؐ کی فرمانبرداری سے منزلوں دور تھے حضرت عمرؓ
 کے بار بار کے فرار سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو آن حضرت صلعم کے ساتھ قلبی ہمدردی کچھ بھی نہیں
 تھی اگر کچھ بھی حضرت رسول صلعمؐ کی محبت حضرت عمرؓ با آپ کے ساتھیوں میں مرکوز ہوتی تو بار بار حضرت
 رسول صلعمؐ کو زعماء اعدائین چھوڑ کر ایسی بدترکیبی کے ساتھ یہ بزرگوار راہ فرار اختیار نہیں کیا کرتے۔
 غزوات حضرت رسول صلعمؐ سے اس طرح کا شرم آگین بار بار کا فرار پکار پکار کرتا ہے کہ ایسے فرار میں کبھی دل
 سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ سچا مسلمان ہرگز ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے
 آقاؐ سے دین و دنیا یعنی حضرت رسول صلعمؐ کو خوفناک حالتوں میں چھوڑ کر بار بار بھاگ جاسکتا۔ یہ
 بھاگنے والے ایسے ہی لوگ تھے جو دنیا طلبی کی نظر سے حضرت رسول صلعمؐ کے ارد گرد رہا کرتے تھے
 اور جب یہ دشوار وقت آپڑتا تھا فہر و ہو جاتے تھے۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ بھی تھے جن کے فرار کے
 مضامین سے کتابیں سر و حدیث کی مزین نظر آتی ہیں۔ اب ”لیکن تو چیزے دیکھری“ فرمانے والے صاحب
 حضرت عمرؓ کی خدمت اسلام کے مضامین مندرجہ ذیل پر نظر توجہ ڈالیں -

حضرت عمر کی اطاعت حضرت رسول صلعم کے احوال تو ویسے ہیں جو بالا میں ذکر پا چکے۔ اب آپ کی خدمت اسلام کے کچھ حالات عرض ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ اطاعت حضرت رسول صلعم کے مضمون سے خدمت اسلام کا مضمون جدا نہیں ہو سکتا اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بعد آنحضرت صلعم میں اسلام کی کوئی نمایان خدمت حضرت عمر یا آپ کے انداز کے کسی صحابی سے ظہور میں نہ آ سکی۔ کتب سیرت تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت رسول صلعم نے مکہ سے مدینہ میں آکر قرا کر کیا تو غھوڑے ہی عرصہ کے بعد کفار مکہ سے چٹمہ بدر پر آپ آنحضرت کو مقابلہ کی نوبت آئی۔ اس جنگ میں حضرت عمر اس بنا پر کہ آپ کے مامون ابو بکر اور حضرت رسول صلعم سے لڑنے کو آئے تھے کفار قریش کا سامنا ہی نہیں کیا۔ اگر اس جنگ میں حضرت رسول صلعم کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس جنگ میں حضرت علی کی تلوار نے کفار قریش کو ایسی شکست دی کہ دشمنان خدا جو زندہ رہ گئے تھے جنگ گاہ سے بھاگ کر مکہ کو واپس چلے گئے۔ اس کے بعد احد کی لڑائی واقع ہوئی حضرت رسول صلعم اس جنگ میں سخت زخمی ہوئے اور حضرت عمر حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کی طرح آنحضرت صلعم کو زخمہ اعدا میں چھوڑ کر فرار کر گئے۔ اگر حضرت علی نہ ہوتے تو اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس کے بعد جنگ خندق کا واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں اسلام کے لڑنے کے واسطے ایک ایسا عظیم پیکر کافر جس کا نام عمرو بن عبدود تھا آیا تھا کہ جس کے مقابلہ سے ہر مسلم نے اٹھا کر دیا۔ حضرت رسول صلعم نے خاص کر حضرات ثلاثہ کو اس کے مقابلہ کے لیے حکم دیا تھا مگر کس کو جان بھاری پڑی تھی کہ اس کے مقابل ہوتا۔ جب لشکر اسلام سے کوئی اس کا سامنا نہیں کر سکا تب آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو اس کے مقابلہ کی اجازت دی۔ شیر خدا نے اسے طعنے دوا الفقار کر ڈالا۔ اور لشکر کفار شکست کھا کر بھاگ نکلا جب اطمینان کی شکل پیدا ہو گئی تو حضرت عمر میدان جنگ میں تشریف لائے۔ ایک کافر جو حضرت علی کو دیکھ کر بھاگا جاتا تھا اس کی جانب حضرت عمر نے رخ فرمایا۔ آب کی حالت تعاقب میں جب اس نے دیکھا کہ حضرت علی تعاقب کنان نہیں ہیں اور حضرت عمرو و اسے آتے ہیں تو وہ پلٹ پڑا اور حضرت عمر کو ایک نیزہ لگا کر چل دیا۔ واضح ہو کہ تمام غزوات رسول اللہ میں حضرت عمر کا یہی ایک ضخیم انگیزہ واقعہ نظر آتا ہے جس میں آپ نے کسی کافر سے مقابلہ کا قصد دکھلایا ہے مگر سر موڑ لہتے ہی اوسے پڑے۔

اس واقعہ کے علاوہ کسی غزوہ رسول اللہ میں نہ آپ نے اور نہ حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان نے کسی کو خط لگایا اور نہ اپنے بدن پر خط لگنے دیا۔ اس جنگ خندق کے بعد آنحضرت صلعم کو جنگ خیبر کا اتفاق ہوا۔ حضرت عمر حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کی طرح دو دن تک یہودیان خیبر کے مقابلہ میں

شکست کھا کھا کر بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ فاتح خیبر یعنی حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے اُن دشمنانِ اسلام کا پورے طور پر قلعہ قمع کر ڈالا۔ اس کے بعد جنگ حنین پیش آئی۔ اس جنگ میں بھی حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرح فرار کر گئے اور ایسا بھاگے کہ اُن حضرت صلعمؓ جمع جمع کر فرار سے منع ہی کرتے رہ گئے مگر اصحابِ ثلاثہ سے ایک صاحب نے بھی آنحضرت صلعمؓ کی ایک نہ سنی۔

واضح ہو کہ یہ تو معروف غزوات حضرت رسول صلعمؓ کے تھے اور غزوات و سرایا میں بھی حضرت یا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عثمانؓ سے کوئی خدمتِ اسلام کی ظہور میں نہیں آسکی۔ مگر حضرت علیؓ خدمتِ اسلام انجام دیتے رہے جیسا کہ راقم اس کتاب میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ ان غزوات و سرایا میں نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت رسول صلعمؓ کی فرمائش کے بغیر بھی اپنی خواہش سے خدمتِ اسلام کرتے تھے۔ عہدِ رسول اللہؐ میں حضرت عمرؓ کی کوئی ممتاز خدمتِ اسلام کی ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ اگر کسی ایسی خدمت سے قائل ”لیکن تو چیزے دیگر“ کے خبر رکھتے ہوں تو راقم کو مطلع فرمادین۔

اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ دینِ محمدیؐ تامر قائم کردہ حضرت علیؓ اور کچھ سچے پیروان حضرت صلعمؓ کا ہے۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کی ذاکِ پاک کا وجود نہ ہوتا تو حضرت رب العزت خود ملائکہ یا اور کسی دیگر مخلوقِ مکرم کے ذریعہ سے اقامتِ دینِ محمدیؐ کی فرماتا۔ واقعی یہ تلوار علیؓ ہی تھی جس نے عرب میں دینِ اسلام کو قائم کر دیا۔ اس اقامتِ دینِ محمدیؐ میں خسِ برابر بھی شرکتِ حضراتِ خلفائے ثلاثہ کی نہیں دکھی جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوار نے بیکارِ ہجرت کی زحمت گوارا فرمائی تھی۔ آپ حضرات کے وجود سے عہدِ رسول اللہؐ میں اسلام کو کیا فائدہ حاصل ہوا ہے اسکا پتہ کتبِ تاریخ و سیر سے کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوار بالا اپنے منافعِ ذاتی کے لیے مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے اور اس تکلیفِ فرمائی سے عرضِ آپ حضرات کی ذاتی نفعِ اندوزی تھی۔ اگر ذاتی نفعِ اندوزی کا خیال دل میں نہ ہوتا تو اس قدر اپنی جانوں کی حفاظت کا خیال آپ حضرات کو مد نظر نہیں رہا کرتا۔ یہ ذاتی نفعِ اندوزی ہی کا خیال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے میدانِ احد سے فرار ہو کر یہ صدائے دُحراشِ بلند کی کہ محمدؐ مارے گئے اب تم لوگ یعنی اے مسلمانوں اپنے اپنے مذہبِ آبائی کی طرف رجوع کر جاؤ یعنی جیسے کافر تھے ویسے ہی کافر ہو جاؤ اور اس کے بعد مدینہ پہنچ کر آپ ابو سفیان صاحب سے عفوِ تقصیر کا سامان فرمانے لگے۔ حق یہ ہے کہ اگر ذاتی منافع کا خیال مرکوزِ خاطر نہ ہوتا تو نہ آپ میدانِ احد سے فرار گوارا فرماتے اور نہ صدائے بالا بلند کرتے اور نہ ابو سفیان صاحب سے عفوِ تقصیر کے خواہاں ہو کر اپنی جان کی سلامتی کا سامان فرماتے۔ لاریب اگر آپ کو

کچھ بھی یہودی اسلام کا خیال ہوتا تو آپ حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی طرح دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنی جان نذر اسلام کر دیتے۔ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ بالمختصر حضرت رسول صلعم کا دین اسلام تمامہ حضرت علیؑ اور آپ کے سچے پیروان کا قائم کردہ نظر آتا ہے۔ حضرت رسول صلعم کی سلطنت دینی ملک عرب میں کبھی قائم ہی نہیں ہوتی اگر حیدر کرار غیر فرار منظر العجائب والغرائب کو خدا سے جل شانہ نصرت حضرت رسول صلعم کے لیے مخلوق نہ کیئے ہوتا۔ پس اسی ذات کو جانشین آن حضرت صلعم بھی ہونا ضرور تھا۔ کسی حال میں اس ذات کے سوا دوسرا کوئی شخص آنحضرت صلعم کی جانشینی کا مستحق مانا نہیں جاسکتا ہے۔ لیکن تماشایہ ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کی مدد سے جانشین حضرت رسول صلعم کے بن بیٹھے۔ اس طرح کی کپی پکائی ہانڈی کامل جانا بھی ایک طرفہ مضمون ہے محنت دیگرے کردہ وعشرت دیگرے برد۔ حضرت ابوبکر کی خلافت تو درپردہ حضرت عمر کی خلافت تھی پس اہل انصاف کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر یا حضرت شیخین کی کارروائیوں سے بڑی حق تلفی حضرت علیؑ کی ظہور میں آئی۔ علاوہ اس کے کہ حضرت رسول صلعم بار بار کے استخلاف سے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین قرار دیے گئے تھے اور بھی یہ کہ حضرت رسول صلعم کی سلطنت دینی بلا گفتگو قائم کردہ حضرت علیؑ کی تھی اور اقامت سلطنت سے حضرت شیخین و حضرت عثمان کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ حضرات کے بار بار کے فرار سے ثابت ہوتا ہے تو لازم تھا کہ حضرت شیخین حضرت علیؑ کو اپنے عوض حضرت رسول کا جانشین قائم کر دیتے۔ ایسا کام تمام تر قرین مصلحت ہوتا۔ لایب اہل اسلام کی پہلی بڑی پولیٹیکل غلطی یہی دکھائی دیتی ہے کہ حضرت علیؑ حضرت رسول صلعم کی خلافت بلا فصل سے بہ اسباب ظاہر محروم رکھے گئے۔ حضرات ناظرین راقم کی دلیل ذلیل پر نظر ڈالیں۔ واضح ہو کہ حضرت علیؑ حضرت رسول صلعم کے بعد ایک ایسے قبیلہ کے سردار تھے جس قبیلہ سے بڑھکر مسلمانان عرب میں کوئی دوسرا قبیلہ، نقادہ قبیلہ بنی ہاشم تھا جس کے سردار یکے بعد دیگرے حضرت رسول صلعم اور علی مرتضیٰ علیہ السلام طبعی طور پر جوتے گئے۔ اس قبیلہ کا جواب اگر کوئی قبیلہ تھا تو بنی امیہ تھا۔ مگر یہ قبیلہ عداوت دین اسلام اور بھی اپنی بد اعمالیوں کے باعث خدا کی جانب سے ملعون قرار دیا جا چکا تھا۔ پس لازم تھا کہ اسلامی سلطنت عرب کو فائدہ پہونچانیکی غرض سے حضرت شیخین حضرت علیؑ کی جانشینی سے قبیلہ بنی ہاشم کی دنیوی سرداری کے قائم رکھنے میں کوشاں ہوتے۔ حضرت شیخین کا اپنی اپنی طرت قبیلہ بنی ہاشم کی سرداری کو منتقل کر لینا بلاشبہ ایک بڑی پولیٹیکل غلطی تھی اور یہ ایسی غلطی دو نون صاحبوں سے ظہور میں آئی ہے کہ جس کا نتیجہ بد

اس وقت تک اہل اسلام ہجرت رہے ہیں۔ آپ دونوں بزرگوار بنی تیم اور بنی عدی کے آدمی تھے یہ دونوں غیر معروف قبیلے تھے اس پر سے طرہ یہ تھا کہ بنی تیم اور بنی عدی آپ دونوں صاحبوں سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ان دونوں صاحبوں کو اپنے اپنے قبیلے میں کسی طرح کی وقعت حاصل تھی۔ حضرت عمر اگر واقعی ایسا پولیکل دماغ رکھتے ہوتے کہ جس میں اسلامی سلطنت عرب کو فائدہ رسانی کا خیال خلوص کے ساتھ مرکوز رہتا تو قبیلہ بنی ہاشم سے حکومت کو بنی تیم کی طرف منتقل ہونے نہ دیتے اور پھر بھی بنی تیم سے بنی عدی کی طرف منتقل کر کے بنی امیہ کے گلے نہیں منڈھ دیتے۔ حضرت عمر پولیکل دماغ رکھتے تھے مگر حضرت رسول کا سناہ عاقبت اندیش اور نہ خلوص پرور۔ آنحضرت صلعم کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علیؑ آنحضرت صلعم کے جانشین قرار پاتے۔ یوں تو حضرت علیؑ اپنے کمالات صوری و معنوی کے رو سے اس جانشینی کے مستحق ہی تھے مگر حضرت رسول صلعم کے انتخاب حضرت علیؑ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بنی ہاشم میں حکومت رہ جانے کے باعث سلطنت اسلامی عرب کی بھوٹ سے محفوظ رہ کر روز بروز رو بہ ترقی رہے گی۔ حضرت عمر نے حضرت رسول صلعم کی اس پالیسی سے تاملتہ برعکس راہ اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر کے خلیفہ ہوتے ہی بنی امیہ کے سردار قبیلہ ابوسفیان صاحب نے حضرت شیخین سے عرب کی اسلامی سلطنت میں ایک اچھا حصہ حاصل کر لیا۔ اس حصول ثروت سے بنی امیہ پر وبال بھالنے اور تھوڑے عرصہ میں حضرت رسول صلعم کے خلافت مقصد اسلامی سلطنت عرب کے مالک بن بیٹھے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ دس برس کی محنت میں حضرت رسول صلعم نے اس قبیلہ ناپاک کو زیر و زیر کر کے اس قابل نہیں لکھا تھا کہ اسلام کے خلافت وہ کسی طرح کی شیطنت کا کار بند ہو سکے مگر حضرت شیخین نے اپنی غلط کارروائی بالاسے اس میں ایک نئی روح پھونک دی جس کے باعث وہ مردہ قبیلہ سرنوزندہ ہو کر قریب قریب خاندان پیغمبر کا استیصال کر سکا۔ حضرت رسولؐ کو اس قبیلہ سے کراہت سخت لاحق تھی۔ خدا سے پاک بھی اُسے ملعون فراعچکا تھا۔ یہ قبیلہ اسلام اور بانی اسلام کا دشمن صعب تھا۔ اس قبیلہ کو حضرت رسول صلعم کی اسلامی سلطنت میں خس برابر بھی دخل پانے کا استحقاق نہ تھا۔ افسوس صد افسوس کہ حضرت شیخین کی پولیکل غلطی نے اس قبیلہ کو فرمانروائے سلطنت عرب بنا ڈالا کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی زمانہ میں سلطنت عرب کو رسول وار سے فراغت حاصل نہ رہی قبیلہ بنی ہاشم سے ہر چند حکومت جا چکی تھی۔ مگر اس قبیلہ کو بنی امیہ نیست و نابود نہ کر سکے۔ ہر زمانہ میں علوی بنی امیہ اور بھی بنی عباس سے لڑتے جھگڑتے ہی رہے۔ خونریز یوں کی حد نہیں رہی

علومین اپنے حقوق کے طالب رہے اور بہت سے مسلمان جو خاندانِ پیغمبر سے الفت رکھتے تھے علومین کا ساتھ دیتے رہے۔ ان خانہ جنگیوں کے باعث عرب کی اسلامی سلطنت نقصان اٹھاتی رہی جیسا کہ سولہ اور سے قومی نقصان لاحق ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اندرونی کمزوریوں کے بڑھنے سے آخر وہ سلطنت تاتاریوں کے ہاتھ سے معدوم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اگر حسبِ منشاء حضرت رسول صلعم امر خلافت طے پا جاتا تو عرب کی اسلامی سلطنت طرح طرح کے آفات سے محفوظ رہ جاتی اور تب عرب کی تاریخ ایک دوسرا ہی منظر دکھلاتی۔ مگر اہل اسلام کی پہلی پولیٹیکل غلطی نے طرح طرح کے نتائج پیدا کیے جن سے اہل علم اطلاع کافی رکھتے ہیں۔

خشت اول چون ہندو سما رکج تاثر یامی رود دیوار کج

کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول صلعم ایک بڑا ہی عاقبت اندیش دماغ رکھتے تھے اور حق ہی ہے کہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے فرمانروا کیج بمسٹر پیٹ اور جنرل ہونے کے علاوہ ایک بڑے وسیع خیال خیر اندیش اور با استقلال مدبر کے صفات سے بھی متصف تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایسا خلوص پرورد اور عاقبت اندیش نہیں پایا تھا آپ کے پولیٹیکل خیالات ایسے نہج کے نظر آتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ کے طالبانِ مناصب چیرمین ووائس چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ و مینونسپلٹی و مدارس ممبران کونسل وغیرہ کے اکثر ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح کے طالبانِ جاہ اکثر سچے پولیٹیکل صفات سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی پختہ عہد حضرت رسالت مآب میں فرمانا اور تھوڑے دن کے بعد ثقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامہ پیدا کر ڈالنا وہی منظور کھلاتا ہے جسے اس زمانہ میں اقسامِ بالا کے طالبانِ جاہ کی کارروائیاں ہندوستان کے ضلع ضلع میں پیش نظر کیا کرتی ہیں۔ سچا پولیٹیکل دماغ خلوص پروری اور خیر اندیشی سے خالی نہیں ہو سکتا ایسا دماغ حضرت رسول صلعم کا تھا حضرت عمرؓ کا نہیں تھا۔ اسی طرح آپس کے مزاج کا فرق درمیان حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت رسول صلعم حضرت عمرؓ کو بروز خم غدیر یہ فرما کر کہ جس کے مولیٰ ہم ہیں اس کے مولیٰ حضرت عمرؓ ہیں اپنا خلیفہ بنا ڈالتے اور اس اختلاف کے بعد حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو پنج پنج کہہ کر مبارک بادِ اختلاف دیے ہوتے تو تا عمر حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے برخلاف ثقیفہ بنی ساعدہ کے طور کا کوئی ہنگامہ پرپا نہیں کرتے۔ یہ صرف اس سبب سے نہیں کہ حضرت علیؓ حضرت رسولؐ کے بڑے فرمانبردار تھے اس لیے حضرت رسول صلعم کی فرمانبرداری کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے تھے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا مزاج خود خلوص پروری و استبازی بے نفسی شرافت مآبی حق پرستی صلح مکمل خیر اندیشی وغیرہ کی صفاتوں سے طبعی طور پر نہایت درجہ متصف تھا

حضرت علی ایسا کر نہیں سکتے تھے کہ آج کسی کی کامیابی پر مبارکباد دین اور کل اُس کا گلا کاٹنے کے لیے مستعد ہو جاوین۔ اس طرح کی خداری ستمگاری خود غرضی نفس پروری حق کشی بیوفائی وغیرہ کے صفات ذمیرہ سے آپ کی خلقت تمام تر پاک تھی۔ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اگر حضرت عمر کی شان میں حضرت رسول صلعم لفظ مولیٰ کو استعمال فرمائے ہوتے تو حضرات اہل سنت اس لفظ کے معنی ناصر و دوست و محبوب وغیرہ بتلانے کی زحمت اپنے اوپر گوارا نہ فرماتے۔ تب اس کے معنی آقا اور متصرف بہ امور دنیا و دین آنکھ بند کر کے مان لیے جاتے۔ دنیا میں ہٹ دھرمی کا جواب نہیں ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ جادہ انصاف سے گزر جانے والے اپنی راہ میں کانٹے بونے ولے ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو حق کشی سے بچائے۔

ج۔ بقرینہ غالب قائل ”لیکن تو چیزے دیگری“ کو حضرت عمر کے ایک بڑے فاتح اور جنرل ہونے پر بھی ایک بڑا ناز ہے۔ اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر نے عہد رسول صلعم میں تو خس برابر بھی فاتح اور جنرل کی قابلیت نہیں دکھلائی۔ ہمیشہ غزوات رسول اللہ میں یا معطل ٹھہرے یا میدان جنگ سے حضرت رسول صلعم کو چھوڑ چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی نظر سے فرار پر فرار گوارا فرماتے ہے مگر جب آپ کا زمانہ آیا تو آپ نے اپنے عہد میں لشکر آرائی کا اچھا سامان فرمایا۔ حق یہ ہے کہ آپ یا آپ کے انداز کے صحابی نے جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان بھی داخل ہیں تا عہد حضرت رسول خس برابر بھی اسلام کی مدد نہیں کی۔ مگر حضرت رسول صلعم کی رحلت کے ساتھ جب پکی پچائی ہانڈی آپ کے یا آپ کے ہم مذاق حضرات کو نصیب ہو گئی تو آپ صاحبوں نے ملک گیری کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ قائل ”لیکن تو چیزے دیگری“ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے آن کی آن میں پانچ ہزار شرف فرما کر ڈالے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں بہت فتحیں اہل اسلام کو نصیب ہوئیں اور عرب کی اسلامی سلطنت کا احاطہ ممیز طور پر افزائش پذیر ہو گیا۔ لیکن اس طرح کی فتوحات میں حضرت عمر کی ذاتی جانبازی کو چند ان دخل نہ تھا۔ کاش آپ کچھ فتوحات کی کوششیں عہد حضرت رسول صلعم میں فرمائے ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ ملکی انتظامات کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے مگر عربوں کے فتوحات کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل عرب کو فتوحات کی طرف ایک سیلان تقاضاے اسلام سے ہو گیا تھا اس لئے اہل عرب گاتھس اور وینڈلس (GOTHS, VANDALS) کی طرح تنزل پذیر سلطنت ہائے کسریٰ و رومائے مشرقی کے اعضاء سلطنت پر موردِ ملح کی طرح ٹوٹ پڑے اور ان کے حصہ ہائے ممالک کو آسانی کے ساتھ اپنے قبضہ میں در لائے۔ بوسیدہ سلطنتوں کی

یہ حالت ہو رہی تھی کہ عروج کے بعد ان کو زوال لاحق ہو رہا تھا۔ اقوام ایرانی درومی وغیرہ عیش پسندی اور کاہلی کی وجہ سے جن کا ظہور عروج کے بعد مرو و ایام سے ہر قوم میں طبعی طور پر ہمیشہ ہوا ہی کرتا ہے اس قابل نہیں رہے تھے کہ اہل عرب کے جوش اور جفاکشی کے دھارے کو روک سکتے۔ ناچار انھیں اہل عرب کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ سے بہت کم قابلیت کا اور کوئی خلیفہ بھی جوتا تو اس کے عہد میں بھی اہل عرب کے ہاتھ سے ایسے ہی فتوحات کو ظہور ہوتا۔ موصیٰفہ کے عوض اگر حضرت عمرؓ کی جگہ پر کوئی عورت ”منیزہ نم دخت افراسیاب“ کی نزاکت کی بھی اہل عرب کی سردار ہوتی تو ایسی ہی فحش رویا ہوتی۔ اگر اس طرح کے فتوحات کی بنا پر حضرت عمرؓ کی طرف سے رسول صلعمؐ پر بھی ترجیح حاصل ہونا چاہیے اس لیے کہ اتنے ملک حضرت رسول صلعمؐ کے وقت میں فتح نہیں ہو سکے تھے۔ قائل ”لیکن تو چیز سی دیگری“ کا یہ خیال عجب حیرت انگیز انداز رکھتا ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ ممتاز حیثیت کے ساتھ اہل عرب کو عہد حضرت عمرؓ میں فتوحات نمایاں ہوئے۔ لیکن حضرت علیؓ کو اس طرح کے فتوحات کیوں نہیں حاصل ہوئے۔ اس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس زمانہ کی معروف دنیا کے امصار جو ملک عرب کے جوار میں واقع تھے عہد حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ میں فتح ہو چکے تھے۔ ان سے زیادہ سلطنت عرب کو حصول فتح کا موقع نہ تھا۔ دوم یہ کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ ہوتے ہی انواع و اقسام کے تردوات سے سامنے کا اتفاق ہو گیا۔ اول یہ کہ سول وار کی ابتدا حضرت عائشہؓ نے کر دی اور اس کا مکملہ عہد امیر معاویہ کے ہاتھ سے ظہور میں آیا۔ سول وار کا تخم حضرت بخینؓ یا یہ کہیے کہ حضرت عمرؓ ہو چکے تھے۔ اب عہد علیؓ مرتضیٰ میں اس تخم سے ایک ایسا عظیم پیکر درخت پیدا ہو گیا کہ تا بقائے سلطنت عرب قائم رہ گیا۔ حضرت عائشہؓ کو زمانہ حضرت رسولؐ سے حضرت علیؓ کے ساتھ عداوت قلبی چلی آتی تھی پس جب حضرت علیؓ مرتضیٰ مسند آراء خلافت ہوئے تو حضرت ام المؤمنینؓ کو اپنی عداوت کھن کے نکالنے کا یہ موقع مل گیا کہ آپؐ خون حضرت عثمانؓ کے معاوضہ کی طالب حضرت علیؓ سے ہو گئیں۔ آپؐ نے جنگ آزمائی کی فراہمی کا کوئی سامان اٹھا نہیں رکھا۔ مخالفان علیؓ کو لیکر خود میدان جنگ میں تشریف لائیں اور حضرت علیؓ سے وہ لڑائی لڑیں جس کا نام جنگ جمل ہے۔ اس لڑائی میں حضرت مدوحہ کو پوری شکست ہو گئی۔ لیکن ازاں بعد اسے زمانہ بغاوت تا اختتام جنگ علی مرتضیٰ کو تردوات سے دم بھر کی فرصت حاصل نہیں رہی۔

ظاہر ہے کہ سول وار کی حالت میں ملک گیری کا موقع کسی فرمانروا نہیں ملتا ہے۔ اگر

حضرت عائشہ کے فسادات کے زمانہ میں حضرت علیؑ ملک گیری کی طرف اپنی توجہ مبذول فرماتے تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ پھر حضرت ام المومنین کے فسادات سے فرصت پاتے ہی حضرت علیؑ کو امیر معاویہ کے فسادات کی طرف رخ کرنا پڑا۔ پھر کیسی ملک گیری اور کیسی فوج کشی۔ ان پے درپے دو رسول وار کے عرصہ میں حضرت علیؑ کا مختصر عہد خلافت تمام ہو گیا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس طرح کے فسادات کا تخم حضرت شیخین بلکہ یہ کیسے کہ حضرت عمرؓ کا بویا ہوا تھا۔ اگر حضرت عمرؓ حضرت رسول صلعم کی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہوتے تو اس طرح کے فسادات سے عرب کی اسلامی سلطنت محفوظ رہ جاتی۔ اے باد صبا! ہمہ آور وہ تست۔ آپؐ نے قبیلہ رسول اللہؐ کی توقیر اور عظمت کو حتی الامکان کم کر دینے کی وجہ سے امتیان محمدیؐ کو ایسی گمراہی کا راستہ دکھلا دیا جس پر امتیان محمدیؐ ایک عرصہ دراز تک چلتے رہے اور آج تک چل رہے ہیں اور تاقیامت چلتے رہیں گے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ لیکن ”توحیدیں دیکری“ واقعی عجب توچرے دیکری تھے کہ جن کی بدولت اسلام میں ایسی بھوٹ پڑ گئی کہ تاقیامت ان میں باخود ہاکے میل کی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ اہل انصاف کی نگاہ میں جس قدر خاندان پیمروہو خواہان پیمیر کے خون بہائے گئے ہیں اس کے جواب وہ حضرت عمرؓ نظر آتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ تو ایک کل کے پتلے تھے جو حضرت عمرؓ کے اٹھائے اٹھتے تھے اور حضرت عمرؓ کے بٹھائے بیٹھتے تھے جیسا کہ مورخ ابن واضح لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ہر کام میں حضرت ابو بکرؓ پر غالب تھے۔ بالخصوص آپؓ کے فتوحات ممالک کے انداز میں ہی تھے جیسا کہ بالا میں حوالہ قلم کیا گیا ہے۔ اب آپؓ کے ایک عہدہ جنرل ہونے کے مضمون پر حضرات ناظرین اپنی توجہ مبذول فرمادیں۔ اس میں شک نہیں کہ آپؓ انتظام عساکر کی چھٹی قابلیت رکھتے تھے۔ لشکریان اسلام کو بلاد مختلفہ کی طرف روانہ کرنا اور انھیں صلاح معقول سے مستعد لشکر کشی کرنا خوب جانتے تھے۔ مگر اس کی صلاحیت مطلق نہیں رکھتے تھے کہ جنگ گاہ میں جا کر خود لشکر کا کمان کریں۔ راقم کے خیال میں جنرل تو نہیں مگر وارڈیہ پارمنٹ یعنی صیغہ جنگ کی فہمی کی قابلیت اچھی رکھتے تھے۔ چونکہ مزاج نیرد آزما واقع نہیں ہوا تھا۔ مدینہ سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ کبھی نہیں گئے۔ صرف ایک بار فلسطین کی طرف تشریف لے گئے تھے وہ بھی کب جب اس کی فتح قریب رونما ہونے کو تھی۔ اتنی جنگی کارروائیوں کی طرف توجہ فرمائی ہر خلیفہ کا فرض منصبی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت حضرت عمرؓ کی جنگی کارروائیوں کی بنا پر حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک شفقت خاص رکھتے ہیں۔ مگر راقم پوچھتا ہے کہ کیا حضرت رسول صلعم کے غزوات

حضرت عمر کے قابل توجہ نہ تھے۔ عہد حضرت رسول کے وہ غزوات تھے جنکی کامیابیوں سے حضرت رسول کی دینی سلطنت قائم ہو سکی۔ اگر حضرت رسول کے غزوات شکل بنا کامیابی پیدا کیے ہوتے تو حضرت عمر کی ملک گیریاں پر وہ عدم میں پوشیدہ رہ جاتیں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت رسول کے غزوات کی پاپے کامیابیوں کی نسبت انصاف کے ساتھ کس کی جانب کیجا سکتی ہے۔ اس کا جواب اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کی نسبت حضرت علی کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کیجا سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ حضرات اہل سنت فخر بدر و فتح احد و فتح خندق و فتح خیبر و فتح حنین کو بھولے سے بھی یاد نہیں کرتے ہیں اور حضرت رسول صلعم کے بعد معاملات ملک گیری پر جان دیے دیتے ہیں۔ ایک حضرت سنی صاحب نے مجھ سے یہ بھی نہ فرمایا کہ حضرت عمر کی خلافت حقہ کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ ایک بڑے جنرل تھے۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھ کو یہ صفت کسی کو خلافت حضرت رسول کا مستحق نہیں بنادے سکتی ہے۔ جنرل تو دنیا میں بہت ایسے گزرے ہیں کہ جو صفت جرنیلی میں حضرت عمر سے زیادہ مرغ نظر آتے ہیں۔ تو کیا وہ سب افراد حضرت رسول کی خلافت کے قابل سمجھے جاسکتے ہیں۔ کیا انٹریس سپیوینٹل جگنیز خان تیمور نادر شاہ احمد ابدالی ولیم قانع سوئیڈن کا چارلس دو اردہم نیپولین ڈیوک آف ویلنگٹن وغیرہ حضرت عمر سے جنرلی میں کم قابلیت رکھتے تھے۔ اگر یہ افراد نامی عہد حضرت رسول صلعم میں ہوتے تو کیا اپنی قابلیت جنرلی کی بنا پر حضرت رسول صلعم کی خلافت کے سزاوار مانے جاسکتے۔ حضرت رسول صلعم کی اسلامی سلطنت ایک دینی پیرایہ رکھتی تھی۔ تقاضا دینی سے جس شخص کو آپ نے اپنا خلیفہ انتخاب فرمایا تھا اس کے برخلاف کوئی شخص کیسا ہی جنرل ہو یا آسمان سے تارا توڑ کر لے آنے والا ہو آن حضرت صلعم کا خلیفہ برحق نہیں مانا جاسکتا ہے۔

ح۔ اب لازم ہے کہ راقم حضرت عمر کے اور صفات پر تنقید کی نظر ڈالے اور انصاف و دیانت کے ساتھ ان حقیقتوں کے مضامین کو قائل "لیکن تو چیزے دیگر کی" کی خدمت میں پیش کرے۔ انسان کے صفات عمیدہ سے ایک صفت شجاعت کی ہے۔ اس سے فطرت نے حضرت عمر کو تامر محروم رکھا تھا جیسا کہ عاملات بدر و احد و خندق و خیبر و حنین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حضرت عمر خس بلا پر بھی صفت بالائے متصف ہوتا تو اتنے غزوات میں کچھ تو اظہار شجاعت کیے ہوتے۔ اسکے کیا معنی ہیں کہ بدر میں مٹھلے پھو اور بقیہ غزوات دسرا میں بھی کوئی شجاعت کی کارروائی عمل میں نہیں لاسکے اور یہی طور حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کا بھی رہا۔ دوسری صفت انسانی رحیمی اور کریمی کی ہے۔ ان صفتوں سے بھی حضرت عمر محروم دکھائی دیتے ہیں

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے ساتھ جو سلوک آپ سے ظہور میں آئے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہیں مگر میں اپنی بہن اور بہنوئی کو جو ناحق زخمی کر ڈالا اس کی حقیقت سے اہل اطلاع بے خبر نہیں ہیں۔ ہمارے اسیران جنگ سے جس طرح پر آپ پیش آنا چاہتے تھے اگر حضرت رسول صلعم مانع نہ ہوتے تو آپ کی عاقبت اندیشانہ کارروائیوں سے تاقیامت اسلام پر بیکار کا الزام لگا رہ جاتا۔ نہایت حسرت خیز امر یہ ہے کہ میدان جنگ میں تو ایک کافر کو بھی نہ مار سکے۔ مگر اسیران جنگ کے قتل کر ڈالنے پر آپ نے بڑی مستعدیاں دکھلائیں۔ افسوس ہے کہ وہ چوڑی اور لابی تلوار آپ کی جودینہ کے اندر میان سے باہر ہی رہتی تھی میدان جنگ میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں میان کے اندر پڑی رہا کی۔ واضح ہو کہ شجاعت اور رحیمی اور کریمی کی صفتیں چلی دامن کا رنگ رکھتی ہیں جو شجاعت سے محروم پیدا ہوتا ہے وہ رحیمی اور کریمی کی صفتوں سے بھی محروم دیکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ عدم شجاعت کی وجہ سے حضرت عمرؓ میں اس طرح کی سنگدلی لاحق تھی۔ آپ کی سنگدلی کے ثبوت میں راقم کتاب مل و نخل پر حوالہ کرتا ہے۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کی وقت حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ بنایا جس پر بعض لوگ کہہ اٹھے کہ تم نے ایک رشتہ خو سنگدل کو ہم پر حاکم کیا ہے مخلص پروری بھی ایک بڑی صفت ہے اس صفت کا نقصان بھی حضرت عمرؓ میں پایا جاتا ہے اگر یہ صفت آپ میں ہوتی تو موقع ختم غریب میں بیخ فرما کر قتل ہی عرصہ کے بعد اپنے قول کو بالائے طاق نہیں رکھتے اسی طرح آپ عبادت و زہد تقوا سے میں حضرت علیؑ پر کسی طرح کی ترجیح نہیں رکھتے تھے حضرت علیؑ کی عبادت کی نسبت جس میں زہد و تقویٰ صریحی طور پر داخل ہیں حضرت رسول صلعم فرماتے ہیں کہ ”اگر تمام دنیا کے نیک کاروں کے اعمال نیک کا موازنہ آپ کے اعمال نیک کے ساتھ کیا جائے تو آپ کے اعمال نیک کا پلہ گران ثابت ہوگا۔“ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے علم قرآن کے ساتھ حضرت عمرؓ کے علم قرآن کو کوئی مناسبت نہیں تھی۔ تب تو اس حضرت صلعم نے حضرت علیؑ کی شان میں یہ سند مایا کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن۔ علاوہ اس کے حضرت علیؑ کے علم کے ساتھ حضرت عمرؓ کے علم کا موازنہ ایک فضول امر دکھائی دیتا ہے۔ اس پر شاہد یہ قول نبوی ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی باجھا علاوہ امور بالا کے حضرت عمرؓ میں حضرت علیؑ کے برابر کوئی وہ اوصاف نہیں دکھائی دیتے ہیں جنکو راقم نے اس کتاب کے ضمیمہ نمبر ۲ میں بسبیل اختصار حوالہ قلم کیا ہے۔ بس اب عرض راقم یہ ہے کہ قائل ”لیکن تو چیز بے دیگری“ ارشاد فرمائیں کہ وہ صفات حمیدہ حضرت عمرؓ کے کون کون ہیں جنکی بنا پر حضرت علیؑ پر حضرت عمرؓ کو ترجیح دیا جاسکتی ہے البتہ اُنکے معلوم ہو جانے پر راقم ان کی نسبت اپنے خیالات حوالہ قلم کر سکتا ہے۔

ضمیمہ (۴)

سب قاتلان خاندان پیغمبرستی مذہب تھے

پچیس برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک پیشوری مولوی صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ تو فضائل علیؑ ہمیشہ بیان کیا کرتا ہے۔ تو ایک سخت رافضی ہے میں تجھے چھری ماروں گا۔ میں نے موصوف کے پیامبر سے یہ جواب کہلا بھیجا کہ بیلین حق میں اگر میری جان بھی جائیگی تو میں اس کو اپنی بڑی سعاد سمجھوں گا۔ لیکن چھری مارنے کی دھمکی سے کرار غیر فرار صاحب ذوالفقار کا پوتا ہو کر میں پیشوری چھری سے کیا ڈر سکتا ہوں۔ اس کے بعد پھر کیسی دھمکی اور کیسی چھری۔ یہ انگریزی سلطنت کا زمانہ ہے عرصہ ہو گیا کہ ہوا پر تلوار مارنے والے ہوا ہو گئے۔ لیکن اگر دو برس کے لیے بھی یہ سلطنت معطل ہو جائے تو پھر ہزاروں ہزار چھری بند ظہور کر جائیں۔ کوئی شک نہیں ہے کہ امن و امان دینے والی سلطنت ایک بڑی رحمت الہی ہے جب تک کوئی سلطنت امن خلافت قائم رکھ سکتی ہے تب تک رحم الراحمین اس سلطنت کا زوال گوارا نہیں فرما سکتا ہے۔

خیر۔ مولوی صاحب موصوف ایک سنی المذہب بزرگ تھے۔ ان کا خیال مجدد آل رسولؐ کے مار ڈالنے کا خلاف توقع نہ تھا۔ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کون کون خاندان پیغمبر کی گرامی جانین مولوی صاحب موصوف کے ہم مذہبیوں کے ہاتھ سے تلف ہو گئی ہیں۔ کاش راقم کو بھی ایسی سادت عقبیٰ نصیب ہوئی ہوتی۔

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
حضرت فاطمہؑ	حضرت سیدہ کی رحلت طبعی طور پر ہرگز ظہور میں نہ آئی۔ علامہ شہرستانی اپنی ملائحل میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے بطن مبارک پر بروز بیعت ایسی ضرب لگائی کہ جس کی وجہ سے لڑکا مردہ ساقط ہوا۔ اس ہونے والے لڑکے کا نام
بنت حضرت رسول صلعم	محسن حضرت رسول صلعم کا رکھا ہوا تھا۔ کتاب مذکور میں یہ عبارت دیکھی جاتی ہے اِنَّ عَمْرَ بْنَ بَطْنِ فَاطِمَةَ يَوْمَ الْبَيْعَةِ حَتَّىٰ مَقَطِ الْحَسَنِ مِنْ بَطْنِهَا

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
حضرت فاطمہ (علیہ السلام) (یہ سلسلہ صحیفہ بانی)	یہ واقعہ ابن عبد اللہ کی کتاب العقد اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ عبارت عربی کی یہ ہے۔ ان عمر سر کض بطن فاطمة حتى سقط لمسن من بطنها۔ کتب بالا کے علاوہ کتاب معارج النبوة میں بھی حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا سبب وفات یہی حادثہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ سقاط کے باعث ہزاروں عورتیں ہلاک ہوتی گئی ہیں۔ بعض تو فوراً ضائع ہوتی ہیں اور بعض دیر کر کے۔ حضرت سیدہ کا یہ حال ہوا کہ ضربت بالا سے حوصلہ ساقط ہوا تو آپ کی صحت خراب ہو گئی جس سے آپ بیمار رہنے لگیں اور آخر کار چند مہینے کے بعد رحلت فرما گئیں۔ حضرت عمر کس قسم کے بزرگ تھے۔ اول یہ کہ عورت ہاتھ چھوڑنا کسی شریف سے عمل میں نہیں آسکتا۔ کاش وہ ہاتھ غزوات بدر و احد و خندق و خیبر و حنین و غیرہ میں دشمنان اسلام پر چھوڑا گیا ہوتا۔ دوم یہ کہ ضرب لگانا اس کے بطن پر سو م یہ کہ ایک بار در عورت کے بطن پر ضرب لگانا۔ چار م یہ کہ اس زور سے ضرب لگانا کہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔ لاریب شایستہ ترکیب کا آدمی ایسے فعل قبیح کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ کسی ملت اور مذہب میں ایسی بے رحمی کا فعل جائز نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ کیسی شقاوت تھی کہ حضرت عمر کو اتنا بھی نہیں خیال آیا کہ حضرت فاطمہ حضرت رسول صلعم کی بیٹی ہیں۔ اگر حضرت عمر کے دل میں کچھ بھی محبت آنحضرت صلعم کی ہوتی تو ایسی بیرحمی کے مرتکب نہ ہوتے۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ حضرت عمر کا اسلام کس طرح کا اسلام تھا۔ اللہ تیری پناہ۔ پناہ پناہ اور کرو بار پناہ بخدا۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت عمر کس مذہب کے بزرگ تھے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مذہب اہلسنت کے بانی ہیں۔ اس کی رو داد یہ ہے کہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اجتہاد مسائل کی ضرورت دیکھی۔ پس آپ نے زید ابن ثابت وغیرہ کو اجتہاد مسائل کے لیے مقرر فرمایا۔ اجتہادات زید ابن ثابت کے مذہب زید بن ثابت کہلانے لگے۔ مذہب زید بن ثابت کا نام بعد عہد امیر معاویہ کے مذہب اہلسنت و الجماعت قرار پایا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب امیر معاویہ نے اس سن کا نام جس میں آپ نے امام حسن سے خلع خلافت کرایا تھا عام الجماعت اور جس سن میں

نام مقول	نام قاتل مع کیفیت
حضرت فاطمہ (ع) (بہلول صفحہ بانی)	آپ نے حضرت علیؑ پر تبراجاری کیا تھا اس کا نام عام السنّت رکھا تو دوسری صدی ہجری میں مخالفانِ عترت نبویؐ اپنے کو اہل السنّت و الجماعت کہنے لگے اور یہ اس غرض سے کہ امیر معاویہ کی صلح جو امام حسنؑ کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور حضرت علیؑ پر تبراجاری رسم جو بعد ازاں قائم ہوئی تھی اس لقب اہل السنّت و الجماعت کے ذریعہ سے فراموش نہ ہو جائے۔ سبحان اللہ کیا مبارک اور پاک نام اس مذہب جلیل کو نصیب ہوا ہے (دیکھو ابوالفدا کتاب العقائد تاریخ الخلفاء منہاج التحقیق اور انوار الہدایہ) المختصر یہ نام السنّت و الجماعت امیر معاویہ کے دو سال کے ناموں سے مرکب ہے مگر ہزاروں ہزار بیچارے ایسے اہل سنّت و الجماعت ہوتے ہیں موجود ہیں جو اپنے مذہب پاک کی وجہ تسمیہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ خیر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب زید ابن ثابت کے بانی حضرت عمرؓ ہوئے ہیں۔ چنانچہ مذہب زید ابن ثابت کو مذہب فاروقی بھی کہتے ہیں جس طرح مذہب امامیہ کو اہل سنّت مذہب علیؑ بھی کہتے ہیں ایسے کہنے کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جب آنحضرتؐ صلعم کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے اجتہاد مسائل کرنا شروع کیا اور بنی ہاشم حضرت علیؑ کے مسائل کی پیروی کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے علحدہ زید ابن ثابت سے اجتہاد مسائل کرنا شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں میں دو مذہب قائم ہو گئے ایک مذہب علیؑ اور دوسرا مذہب زید ابن ثابت جس کے بانی حضرت عمرؓ ہوئے۔ واضح ہو کہ گو حضرت سیدہؓ نے بطن شریف پر ضرب کھاتے ہی تو نہیں رحلت کی۔ مگر کچھ شک نہیں کہ اس ضرب کے صدمہ سے بیمار رہ کر چند مہینے کے اندر جان بحق تسلیم ہو گئیں۔ اس ضرب نے نہ صرف حضرت سیدہ کی جان لی بیچارہ جنین محسنؑ بھی شہید ہو گیا۔ راقم پوچھتا ہے کہ اس دوہرے خون کا الزام کس کی گردن پر عائد ہوتا ہے۔ جواب اس کے سوا دوسرا ہونہیں سکتا۔ کہ بانی مذہب زید ابن ثابت کی گردن پر۔ ماشاء اللہ۔ اُس مذہب کا کیا کنا ہے کہ جس کے بانی قاتل حضرت سیدہؓ و محسن ہوں اور جس کے نام کو سراسر دشمنان اہل بیت نبوتیؐ سے تعلق ہو۔ یاد رہے کہ یہ پہلا خون خاندان محمدؐ صلعم کا ہے

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
حضرت علی مرتضیٰ	جس کی ابتدا حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے ہوئی۔ راقم واقعہ بالا پر نظر غور ڈالنے کے بعد حضرت ممدوح کی رحلت کو امر شہادت سمجھتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ جس کے دل میں خس یا بر بھی انصاف ہو گا بانی مذہب زید ابن ثابت کو حضرت سیدہ کا قاتل بلا گفتگو مانے گا۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ایک اور بار دار عورت کے پیٹ پر اسی طرح کی ضرب لگائی تھی وہ بچاری اس صدمہ سے جلد مر گئی اور اس کا حمل بھی جلد ضائع ہو گیا۔ حضرت عمر کی سنگدلی اور شقاوت خیال سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ کیا خاصان حسد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ آپ کا قاتل عبدالرحمن ابن بجم ہے۔ اس کا مذہب وہی تھا۔ جو زید ابن ثابت کا تھا اور کیون نہ ہوتا جب سرکاری مذہب یعنی اسٹیٹ ریلیجن (State Religion) کا تھا اور زید ابن ثابت کا ہو رہا تھا۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ عمران بن خطاب جو عبدالرحمن کا مداح اور مرثیہ نگار ہے تابعین سے ہے اور بخاری اور ابوداؤد نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں اور محدث عثمان النبی نے اُسے اہل سنت و جماعت میں شمار کیا ہے۔ ہم مذہبی بغیر عمران بن خطاب اپنے مرثیہ میں اس مضمون کے شعر موزون نہیں کرتا کہ کیا اچھی ضرب تھی اس دلی یعنی ابن بجم کی جس نے خوشنودی خدا کے ارادے سے وہ ضرب لگائی میں جو وقت ابن بجم کو یاد کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ اس کا میزان عمل خدا کے نزدیک تمام مخلوق سے پورا ہے۔ قاضی حسین بن محمد نے تعلیقات میں عمران کو صحابی بھی لکھا ہے (دیکھو کتاب الاصابہ ابن حجر عسقلانی کی) اور ابن جزم طاہری نے مبالغہ کے ساتھ کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اس کے متعلق کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ابن بجم نے علی ابن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ ابن بجم سمجھتا تھا کہ اس باب میں اس کی رائے خطا پر نہیں ہے بلکہ صواب پر ہے۔ یہ تو حالت سنی مسلمانوں کی تھی کہ ان کے ائمہ مجتہدین و راوی و صحابی و تابعین تک و قاتل حضرت علی کے طرفدار نظر آتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
	کہ مذہب فاروقی کے پابند خاندان پیغمبر سے تامتر بے تعلقی رکھتے ہیں۔ واہ وا۔ پیران حضرت عمر حدیث ثقلین کے کیا خوب یاد رکھنے والے نظر آتے ہیں حق یہ ہے کہ خود حضرت عمر نے حدیث ثقلین کی کما پیروی کی جو حضرت کے پیران کرتے یا آج تک کرتے ہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ راقم کتا ہے کہ یہ تو عالم مجتہدین و علماء اہل سنت کا ہے کہ قتل علیؑ کو ایک معمولی امر سمجھ کر بلا اختلاف اسے فرماتے ہیں کہ ابن طلحہ نے علیؑ ابن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس باب میں اس کی رائے خطا پر نہیں ہے صواب پر ہے۔ ابن طلحہ کے بے گناہ قرار دینے کے اہتمامات پر اہل انصاف نظر ڈالیں۔ ان ناعاقبت اندیشوں کی سمجھ کو تو دیکھیے۔ یہ مخالفان خاندان پیغمبرؐ نہیں خیال کرتے کہ علیؑ کون ہیں۔ علیؑ گوشت پیغمبرؐ بن خون پیغمبرؐ بن نفس پیغمبرؐ بن روح پیغمبرؐ ہیں۔ علیؑ پیغمبرؐ سے ہیں اور پیغمبرؐ علیؑ سے۔ علیؑ ویسے ہیں کہ محاذ خاص جن کے ضمیمہ نمبر ۲ میں راقم نے حوالہ قلم کیے ہیں۔ کمال شامت سے دشمنان علیؑ نہیں سمجھتے ہیں کہ درحقیقت قتل علیؑ قتل محمدؐ ہے۔ کوئی شک نہیں اگر عقبہ پر قتل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آجاتا تو عاشقان خلفائے ثلاثہ قاتلان حضرت محمدؐ کے لیے بھی ویسے ہی مضامین گزرتے جیسا کہ ابن طلحہ لعین کے لیے گزرتے ہیں۔ بے تکلف علما و مجتہدین اہل سنت کہہ جاتے کہ قاتلان محمدؐ صاحب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ قاتلان محمدؐ سمجھتے تھے کہ اس باب میں ان کی رائے خطا پر نہیں ہے صواب پر ہے۔ ایسے واقعہ قیامت خیز کے بعد دست سے قاضی حسین بن محمد کی ترکیب کے اہل سنت پیدا ہو جاتے جو فرماؤ گئے کہ قاتلان محمدؐ پر لعنت م کرو اس لیے کہ قاتلان محمدؐ صحابی تھے جیسا کہ قاضی بالانے فرما دیا کہ ابوالطیب طہری نے خطا کی جو عمران بن خطاب کی نسبت لعنت کی۔ حقیقت اس واقعہ کی راقم اس کتاب میں حوالہ قلم کر چکا ہے اور یہاں بھی اس کا اعادہ مناسب سمجھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب عمران بن خطاب نے ابن طلحہ کا مدعیہ مرثیہ یوزن کیا تو اس کے جواب میں قاضی ابوالطیب طہری نے اس مضمون کے شر تصنیف کیے کہ میں عمران بن خطاب کے اشعار سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جو اس نے ابن طلحہ ملعون خدا کی مدح میں بطور بہتان کے کہے۔ میں جب ابن طلحہ کو یاد کرتا ہوں تو اس پر کرو بار

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
	لعنت کرتا ہوں اور عمران بن خطان پر بھی لعنت کرتا ہوں جس نے ابن بطیم کی تعریف میں ان اشعار کو موزون کیا ہے۔ اس پر قاضی حسین بن محمد نے فرمایا کہ قاضی ابوالطیب نے خطا کی جو عمران بن خطان کی نسبت لعنت کے الفاظ استعمال کیے کیونکہ عمران بن خطان صحابی ہے اور اس پر لعنت جائز نہیں ہے۔ ماشاء اللہ حضرات اہل سنت کے کیا کیا صحابی اور راوی ہیں۔ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم۔ امام حسن علیہ السلام آپ کے قاتل معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے زہر کھلو اگر حضرت امام کو شہید کر ڈال (دیکھو کتابین تاریخ کی) مذہب معاویہ صاحب کا مذہب زید ابن ثابت کا تھا آپ حضرت عمر کے خاص پیروان میں سے تھے آپ ہی کے بعد مذہب زید ابن ثابت کا نام اہل السنۃ و الجماعت قرار پایا۔
امام حسین علیہ السلام	آپ کا قاتل یزید تھا جس کے حکم سے کربلا میں آپ شہید کیے گئے۔ مذہب اس کا مذہب اہل السنۃ و الجماعت کا تھا اور اس کے جتنے کارکنان تھے جیسے عمر ابن شمر ذی الجوشن خولی وغیرہ یہ سب کے سب اسی مذہب کے تھے جس مذہب کا پابند خود یزید تھا۔
امام زین العابدین علیہ السلام	صواعق محرقہ میں ہے کہ آپ کو ولید بن عبد الملک نے زہر دلا کر شہید کر ڈالا فیصلہ المینہ اور خواص الامتہ میں بھی یہی مضمون دیکھا جاتا ہے اسی طرح پر زہر خورانی کا مضمون روضۃ الصفا حقہ المجالس شواہد النبوة ینابیع المودت فی القربی وغیرہ میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ ولید بن عبد الملک مذہب اہل السنۃ و الجماعت رکھتا تھا۔ بنی امیہ ہو کر وہ بد نصیب سنی نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔
امام محمد باقر علیہ السلام	ابن حجر لکھتے ہیں کہ اپنے والد کی طرح زہر سے شہید کیے گئے اور قبۃ امام حسن علیہ السلام میں مدفون ہوئے۔ آپ کا قتل خلیفہ وقت کی ہدایت سے ظہور میں آیا تھا خلیفہ وقت کا اپنے حصول الطینان کی نظر سے آپ کو قتل کر ڈالنا کوئی خلاف امر نہ تھا۔ خلفاء بنی امیہ اور خلفاء بنی عباس خاندان پیڑ پر کے ساتھ اس طور پر کار بند ہوا کیے ہیں۔ جیسا کہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مذہب خلیفہ وقت کا وہی زید ابن ثابت کا مذہب تھا جس کے پابند خلیفہ عبدالعزیز کے سوا سب خلفاء بنی امیہ رہے۔

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
	کوئی شک نہیں کہ قاتل حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا بھی اپنے خاندانی تقاضات مذہب اہل سنت و جماعت رکھتا تھا۔ امام محمد مجتہد صادق اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ خلیفہ منصور مرقوم نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی جان لینے کے لیے پانچ مرتبہ سے کم نہیں آپ کو اپنے پاس طلب کیا۔ مگر آپ کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔ آپ کے گھر میں آگ تک لگا دی گئی۔ مگر حبیب اس نے دیکھا کہ تیغ و خنجر سے آپ کا قتل انجام پانے والا نہیں نظر آتا ہے تو پانی ترنگہ بہر خورانی کی عمل میں لایا۔ اپنی حکومت کے دسویں سال ۳۸۱ھ ہجری میں اس دشمن خدا و رسول نے محمد بن سلیمان والی مدینہ کے پاس نہ ہر آلودہ نگاہ بھیجوائے جس کے کھانے سے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے رحلت فرمائی۔ اس میں کوئی عیبائے گفتگو نہیں ہو سکتی کہ منصور مرقوم سنی مذہب اور امام ابوحنیفہ صاحب کا بڑا بھاری مرہب تھا۔ اگر منصور نہ ہوتا تو امام صاحب کا مذہب خریطہ نسیان میں ناقیامت پڑا رہ جاتا۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	حسب تاریخ ابو الفداء ۳۸۱ھ ہجری میں یہ مقام بغداد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قید خانہ ہارون رشید میں وفات پائی اور تاریخ خمیس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یحییٰ بن خالد برکی نے حکم ہارون رشید سے آپ کو طرب میں زہر دیا اور اخبار الخلفاء ابن السامی میں ہے کہ بر بناسہ اخبار صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام علیہ السلام بہ حالت مظلومی سموم ہو کر شہید ہوئے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ ہارون رشید اہل سنت و جماعت سے تھا یعنی مذہب زید ابن ثابت رکھتا تھا۔ اگر مذہب علی رکھتا تو خاندان پیغمبر سے اس کو اس قدر عداوت لاحق نہیں رہتی۔
امام علی رضا علیہ السلام	پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کی رحلت بھی زہر دیے جانے کے سبب سے واقع ہوئی۔ جیسا کہ خلاصہ تہذیب التذیب الکمال و مختصر اخبار الخلفاء و معجم البلدان یا قوت حموی اور کتاب انساب سمرانی کی تحریرات سے عیان ہوتا ہے تاریخ ابن الوردي سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰۱ھ میں مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور یہ امر عباسیوں پر نہایت شاق گذرا تھا تعجب نہیں کہ عباسیوں نے مامون کو حضرت امام کی شہادت پر آمادہ کروایا جس سے حضرت

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
	امام کی شہادت ظہور میں آگئی۔ ہرثمہ ابن اعین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مامون نے حضرت امام کو زہر دلوا دیا۔ یہ شخص مقرب ترین دربار مامون سے تھا۔ اس کا بیان کوئی شک نہیں کہ قابل لحاظ نظر آتا ہے۔ حقیقت حال کی دریافت کا اُسے پورا موقع حاصل تھا۔ اس لیے راقم ہرثمہ کے بیان کو غلط نہیں سمجھتا ہے مگر تعجب اس امر سے پیدا ہوتا ہے کہ مامون ایک ایسا شخص تھا جو ہمیشہ مباحثہ میں علمائے اہل سنت کا ناطقہ بند کیے رہتا تھا۔ علاوہ اس کے حضرت امام علیہ السلام کا بڑا ماننے والا تھا۔ ممکن ہے کہ وزرا و امراء مامون نے مامون کے نام سے حضرت امام کی زہر خورانی کا سامان کیا ہو۔ حضرت امام وقت زہر خورانی طوس میں تشریف رکھتے تھے اور مامون بھی انتظام ملکی کی ضرورت سے طوس میں قیام پذیر تھا۔ خیر۔ اس میں شک نہیں کہ زہر کھلانے والے عباسی ضرور تھے اور عباسی بیشتر سنی مذہب رکھتے تھے۔ بس لاریب حضرت امام کی شہادت مردمان سنی مذہب کے ہاتھ سے ظہور میں آئی۔
امام محمد تقی علیہ السلام	کتاب وسیلۃ النجاة میں ہے کہ جب معتمد خلیفہ ہوا اور اس نے امام علیہ السلام کے فضائل کا آوازہ سنا تو براہ بغض و عناد آپ کو مدینہ منورہ سے بغداد طلب کر کے شہید کر ڈالا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام زہر سے شہید کیے گئے۔ مگر علامہ ذہبی سید صدیق حسن خان صاحب کتاب فروع نامی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام کو معتمد عباسی نے زہر دیکر شہید کر ڈالا اور وہ اپنے جد امام موسی کاظم علیہ السلام کے روضہ میں مدفون ہوئے۔ خیر۔ حضرت امام جس نہج سے شہید ہوئے ہوں مگر آپ کا قاتل بلا گفتگو معتمد عباسی ہے۔ یہ خلیفہ ایک نہایت متعصب سنی مذہب تھا۔
امام علی نقی علیہ السلام	خواص الامت سبط جوزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ معتز باللہ کے زمانہ خلافت میں حضرت امام علیہ السلام زہر سے شہید کیے گئے۔ ظاہر ہے کہ امامان خاندان پیغمبر کی شہادتوں کا باعث خلیفہ وقت کے سوا دوسرا کون ہو سکتا تھا معتز باللہ مذہب سنی رکھتا تھا۔

نام مقتول	نام قاتل مع کیفیت
امام عسکری علیہ السلام	کتاب صواعق محرقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کا سبب زہر خورانی کہا جاتا ہے اور زہر خورانی کی نسبت خلیفہ مستبد اشتر کی طرف کی جاتی ہے۔ یہ خلیفہ بھی شیخی المذنبی

واضح ہو کہ نقشہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل تشیع کے چار دہ معصوم سے صرف دو معصوم ہیں جو قتل کیے جانے سے محفوظ رہے۔ ان دو میں ایک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور دوسرے امام آخر الزمان حضرت امام مہدی علیہ السلام۔ چونکہ مشیت ایزدی یہ نہ تھی کہ حضرت رسالت پناہ صلعم اپنے اہل بیت علیہم السلام کی طرح شہادت نوش فرماویں۔ اس لیے آن صلعم کے تشنگان خون اپنے ارادوں میں نا کامیاب رہ گئے راہ عقبہ میں جیسا کہ راقم اس کتاب میں بہ تصریح تمام حوالہ قلم کر چکا ہے ملائین حملہ آور کو نا کامی لاحق ہوئی۔ سامان تو دشمنان خدا نے اچھا باندھا تھا مگر حضرت حذیفہ اور مالک اشتر کی وفاداری نے ان عاقبت بربادوں کو منتشر کر ڈالا۔ اگر یہ دو بزرگوار جان نثار حضرت رسول صلعم کی خدمت میں حاضر نہ رہتے تو مسلمانان دنیا طلب کے ہاتھوں سے آن حضرت صلعم کی شہادت ظہور میں آجاتی۔ جس طرح پر اس جناب کے اہلبیت علیہم السلام کی شہادتیں وقوع میں آتی گئیں۔ عقبہ کی حملہ آوری کا سبب بھی وہی تھا جن اسباب کی بنا پر خاندان پیغمبر علیہ السلام کی شہادتیں رونما ہوتی گئی ہیں۔ اہل بیت نبوی علیہم السلام کی شہادتوں کا سبب عام مسلمانوں کی دنیا طلبی دیکھا جاتا ہے جیسا کہ راقم اپنی اس تصنیف میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ اُسی دنیا طلبی نے مسلمانان وقت کو حضرت رسول صلعم کی حملہ آوری پر بھی آمادہ کر دیا تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب مقام خم غدیر میں صاف ف طور پر حضرت رسول صلعم نے حضرت علی کو بڑے اہتمام کے ساتھ اپنا خلیفہ قرار دیا تو اس وقت منافقین امتیان محمدی نے بہ ظاہر استخلاف علی پر کچھ اظہار رنج نہیں کیا بلکہ خلاف توقع حضرت علی کو اس استخلاف کی مبارکبادیاں دیں۔ مگر جب خم غدیر سے حضرت رسول صلعم مدینہ کو روانہ ہوئے تو دنیا طلب مہاجرین براہ عقبہ حملہ آوری کے قصد سے آن حضرت صلعم کے سامنے آپہونچے یہ طائفہ حملہ آور اکابر مہاجرین پر مشتمل تھا یا ایسے مہاجرین پر جو ان اکابر مہاجرین کے بندے اور آمین گو تھے۔ غرض اس حملہ آوری کی یہ تھی کہ حضرت رسول صلعم کو شہید کر کے خم غدیر کے حکم خدا و رسول کو غت بود کر ڈالیں اور حضرت علی کو خلیفہ حضرت رسول صلعم نہ ہونے دیکھیں۔ اگر وہ

دشمنان خدا حملہ آوری میں کامیاب ہو جاتے تو جو امر خلافت کچھ دنوں کے بعد تھیغہ بنی ساعدہ میں انجام پاسکا وہ راہ عقبہ جی میں طے پا جاتا۔ بہر حال حضرت رسول صلعم اپنی اُمت جفاکار کی بددعا سے حسب مشیت ایزدی مامون رہ گئے۔ مگر اہل بیت نبوی کے ساتھ جن جن طرح آنحضرت صلعم کے اشتیاع اُمت پیش آتے گئے اہل واقعیت پر روشن ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اگر امام آخر الزمان علیہ السلام بھی سن رشد کو پہنچ جاتے اور اپنے اباے کرام کی طرح اس دنیا میں نشوونما پاتے تو اشتیاع اُمت محمدی آپ کے ساتھ بھی بطریق قدیم بڑی بڑی جفاکاریوں کے ساتھ پیش آتے اور آپ بھی شہدائے اہلبیت میں داخل کر دیے جاتے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ایسی اُمت جفاکار عداوت شاعر محسن کش نافرمان کسی نبی سابق کی نہیں دکھی جاتی ہے۔ حضرت رسول صلعم کی اُمت کے اشتیاع جو اس دنیا میں مورد عذاب بہت نہیں ہوئے تو اس کا سبب بھی معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلعم کی ذات پاک جسم رحمۃ للعالمین تھی۔ ورنہ اشتیاع اُمت محمدی کا مقصد و مقبول ہونا امم سابقہ کے طور پر بعید از توقع نہیں تھا۔

آخر میں گزارش راقم یہ ہے کہ اُس نے نقشہ بالا کو کتب اہل سنت کے اسناد کی بنا پر قائم کیا ہے۔ اُس سے حضرات ناظرین پر واضح ہوگا کہ قاتلان اہل بیت مصفویٰ بلا استثنا اہل سنت سے تھے۔ اہل سنت سے مراد راقم وہ مسلمانان ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ کو بہ اسباب ظاہر حضرت رسول صلعم کا خلیفہ بلا فصل ہونے نہ دیا جو اپنے عقیدہ کی پابندی سے حضرت علیؑ کو حضرت رسول صلعم کا خلیفہ بلا فصل نہیں مانتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اہل سنت میں بہت فرقے ہیں مگر بلا استثنا سب ہی فرقے حضرت علیؑ کے خلیفہ بلا فصل ہونے سے شدت کے ساتھ انکار رکھتے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قاتلان اہلبیت علیہم السلام سے کوئی بھی فرقہ یہودی نصاریٰ مجوسی وغیرہ وغیرہ سے نہیں ہے سب کے سب مسلمانان اہل السنۃ سے ہیں۔ اس سے بین طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اہل السنۃ کو تقاضا مذہبی سے اہل بیت مصفویٰ کے ساتھ محبت قلبی ہو نہیں سکتی بیشاؤ بھی ایسا ہی کتاب ہے۔ ایسے مسلمانوں کے لیے جو کچھ ہیں حضرات خلفائے ثلاثہ ہیں اور قابل توجہ وہی مسلمانان ہیں جو کھلے کھلے طور پر بخالفان اہل بیت علیہم السلام نظر آتے ہیں۔ جو حضرات راقم کی اس کتاب مناظر المصائب کو شروع سے آخر تک نظر انصاف کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے ان پر ثابت ہو جائیگا کہ مذہب اہل سنت کو کسی طرح کی ہمدردی کا دعویٰ حضرات اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اہل سنت کے دل میں کچھ بھی اہلبیت نبوی کے ساتھ ہمدردی ہوتی تو قاتل

علی علیہ السلام کی طرف سے اُس کی خوش نیتی کا معذرت نامہ یا کالت نامہ ہاتھ میں نہ لیتے یا مقام عقبہ کے حامی اور ابنِ حضرت رسولِ صلعم کے ناموں کو مخفی رکھنے کی طرف مائل نہ ہوتے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مصنفین اہل سنت کو ان اشقیاء کے ناموں کی خبر نہیں ہو سکی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ناموں کے اخفا کی ضرورت پڑی۔ مصنفین اہل تشیع ہر حملہ آور کا نام وضاحت کے ساتھ حوالہ ظم کر گئے ہیں۔ کیا اہل سنت کے علما کو ایک حملہ آور کے نام کا پتہ بھی نہیں لگ سکا جو سطح کی خاموشی اختیار کی۔ اس سکوت کی علت غائیہ یہی تھی کہ اظہار نام سے جو نتائج بد مترتب ہو سکتے تھے اُن سے مذہب اہل سنت مامون رہ جائے۔ حضرات ناظرین سے استدعا ہے راقم یہ ہے کہ جہاں اس نے معاملہ عقبہ پر اس کتاب میں نظر ڈالی ہے اس پر اپنی نظر غور اور نظر انصاف مبذول فرماویں۔ بے تعصبانہ نظر سے حقیقت حال اس معاملہ عجیب کی روشن ہو جائیگی۔ بالاختصار عجب مضمون نظر آتا ہے کہ جتنے قاتل خاندان پیغمبر کے ہیں سب کے سب مذہب اہل سنت رکھتے تھے یا یہ کیسے کہ مذہب علیؑ سے تا مترتب تعلق تھے کوئی شک نہیں کہ جیسا مذہب ہوتا ہے ویسے ہی اس کے پابند ہوتے ہیں۔

ہر شجر را از ثمر باید شناخت - جیسا درخت ویسا پھل

ضمیمہ ۵

حضرت عمر کی عدل پروری

حضرات اہل سنت کو حضرت عمر کی عدل پروری پر بڑا ہی تازہ ہے۔ اس صفت عدل میں آپ کو آپ کے ماننے والے بے نظیر جانتے ہیں۔ راقم اس کی تنقید آپ کے معاملات زندگی سے ذیل میں کرتا ہے۔ امید ہوتی ہے کہ اہل انصاف بے قصبانہ تقریر ذیل پر نظر توجہ ڈالیں گے۔

۱۲ الف۔ مکہ میں مشرف بہ اسلام ہونے کے قبل جب حضرت عمر نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے سنا تو آپ کو ایسا غیظ پیدا ہوا کہ آپ نے اپنی بہن اور ان کے شوہر کو تلوار سے زخمی کر ڈالا۔ ایسی کارروائی سے عدل تو نہیں مگر کمال بے رحمی سنگدلی مظلوب الضعیفی اور انہماک کفر کی صفات ظاہر ہوتی ہیں اگر آپ کی ساخت میں عدل داخل ہوا ہوتا اور آپ میں کچھ بھی بردباری اور تحقیق کی صلاحیت حاصل رہتی تو بے بوجھے سمجھے اُن بے گناہوں پر تلوار کا ہاتھ نہیں چھوڑ بیٹھتے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کیسے شجاع عرب تھے جو عورتوں پر ہاتھ چھو بیٹھتے تھے۔ یہ کیا عدل ہے کہ آپ نے بیچارہ کمزور اور بے گناہ بہن کو اس طرح پر زخمی کر ڈالا۔ حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے بطن مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ حمل محسن ساقط ہو گیا۔ آپ کا یہ کس طرح کا مزاج تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ مردانہ جرح و سنگدلی عدل پر ور ہو نہیں سکتے۔ بے رحمی اور سنگدلی بزدلی سے دست و گریبان ہوا کرتی ہے اسی لیے عمر حضرت رسول صلعم میں حضرت عمر سے کوئی کام شجاعت کا ظہور میں نہ آ سکا۔ ان دونوں صفت ہائے ذمیمہ کو عدل پروری سے کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ عدل پروری رحیمی اور کریمی سے خالی نہیں ہو سکتی۔

بالمختصر معاملہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل پروری کا مادہ آپ میں نہ ایام جاہلیت میں تھا اور نہ پذیرائی اسلام کے بعد۔

ب۔ جب ہنگامہ بدر پیش آیا تو اس جنگ میں حضرت عمر مظل بیٹھے رہ گئے عذر یہ پیش کیا کہ ابوہل مامون لڑنے کو آئے ہیں میں اُن سے کیونکر لڑ سکوں گا۔ اگر حضرت عمر میں عدل ہوتا تو دین خدا کے مقابلہ میں مامون صاحب کا مطلق خیال نہیں فرماتے۔ جنگ بدر ایسی پہلی لڑائی کفار کے مقابلہ میں تھی کہ

کہ اگر حضرت رسول صلعم کو شکست ہو جاتی تو دین اسلام صغیر دنیا سے رخصت ہو جاتا اسلام کے ایسے نازک وقت میں ایک اکفر مامون کا خیال عجب مضمون ہے اسی سے حضرت عمر کے اسلام کا خوب پتا چلتا ہے۔ اگر آپ دل سے مسلمان ہوئے ہوتے تو ایسا لشکر اعز پیش نہیں کیے ہوتے۔ کوئی سچا مسلمان عادل محمد صلعم پر ایک اکفر مامون کو ترجیح دینا قبول نہیں کر سکتا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر بزدلی اور عدم عدل و دلی اور ضعف ایمانی کی بنا پر شریک جنگ نہ ہو سکے۔ ایک لعین مامون کا خیال عدم شرکت جنگ کے لیے بہانہ ہی بہانہ تھا۔

ج۔ جنگ بدر کے بعد معرکہ احد پیش آیا۔ اس جنگ میں حضرت عمر دیگر فرارین کے ساتھ فرار ہو گئے ہر چند حضرت رسول ثابت قدمی کے لیے زوروں کے ساتھ پکارتے ہی رہے مگر بھاگنے والے کب خدا و رسول کی سنتے تھے بھاگ ہی نکلے۔ راقم پوچھتا ہے کہ اسی کو عدل کہتے ہیں کہ کفار کے مقابلہ میں کوئی اپنی ناپاک جان کو حضرت رسول صلعم کی جان پاک سے عزیز سمجھ کر راہ فرار اختیار کرے عدل کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت عمر حضرت رسول صلعم کے لیے اپنی جان نذر اسلام کرنے کو مستعد ہو جاتے۔

د۔ جنگ خندق میں حضرت عمر نے دیگر بڑے ماجرین کے ساتھ عمر عبدود کے مقابلہ سے انکار کر دیا۔ کیا یہ انکار قرین عدل سمجھا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ لاجل ثم لاجل۔

س۔ جنگ خیبر میں بھی حضرت عمر دیگر بڑے ماجرین کے ساتھ شکست کھا کھا کر دو دن متواتر خیمہ رسول اللہ تک بھاگ بھاگ آئے۔ اگر حضرت علیؑ کی طرح ثابت قدمی اختیار کرتے تو مہربان اور حارث کی حقیقت ہی کیا تھی۔ ان یودیون کو مغلوب کرنے کے لیے صرف ایمانی قوت درکار تھی۔ چونکہ یہ قوت حضرت علیؑ میں بدرجہ اتم حاصل تھی۔ اس لیے آپ فاتح خیبر ہو سکے۔ بہر حال عدل اس کا متقاضی تھا کہ حضرت عمر ثابت قدمی کو راہ دیتے اور اپنی جان کو دین خدا کے مقابلہ میں ایک خس کے برابر بھی قابل قدر نہیں خیال کرتے ہر بار جنگ سے فرار چہ معنی دارد۔ حضرت علیؑ جو غزوات خدا میں ہمیشہ کامیاب رہے اس کا خاص سبب یہ تھا کہ آپ اپنی جان پاک کو حکم خدا و رسول کے مقابلہ میں محض بے حقیقت سمجھتے تھے۔ صلوٰۃ اللہ پر محمد و صلوٰۃ اللہ پر علیؑ۔

س۔ جنگ حنین میں بھی حضرت عمر عدل کی پابندی نہیں کر سکے۔ حضرت رسول صلعم آپ اور آپ کی طرح کے ماجرین وغیرہ کو چیخ چیخ کر پکارتے ہی رہ گئے کہ نہ بھاگو نہ بھاگو۔ مگر حضرت عمر بزدلوں ایسے فرار ہو گئے کہ پھر میدان جنگ کا منہ نہیں دیکھ سکے۔ اگر حضرت عمر میں عدل پروری ہوتی تو اول راہ فرار نہیں اختیار فرماتے دوئم یہ کہ آنحضرت صلعم کے منع فرار پر کم سے کم لوٹ آکر پھر شریک

جنگ ہو جاتے۔ اسی طرح حضرت رسول صلعم کے غیر معروف غزوات و سرایا میں بھی حضرت عمر کا پابندِ عدل پروری ہونا کتابِ اہل سنت سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ص۔ معاملہ صلح حدیبیہ بہت قابلِ لحاظ ہے۔ اس معاملہ میں حضرت رسول صلعم حکمِ خدا سے پاک کفار سے صلح کرنے کے لیے جب مستعد ہوئے تو حضرت عمر اڑ گئے اور شک فی النبوت کا اظہار فرمایا حضرت رسول نے فرمایا کہ ہم جنگ و صلح حکمِ خدا کرتے ہیں تو بھی حضرت عمر کو فرمودہ آنحضرت صلعم سے تشفی نہیں ہوئی۔

صلح کے ہو جانے پر بھی اس فکر میں لگے رہے کہ معاملہ صلح ٹوٹ جائے۔ مقتضائے انصاف یہی تھا کہ حضرت عمر ویسا کرتے جس بیچ پر حکمِ خدا و رسول واقع ہوا تھا۔ حق یہ ہے کہ اگر عدل پروری آپ میں ہوتی تو حکمِ خدا و رسول پر اپنی رائے کو مقدم نہیں جانتے۔ چونکہ آپ برابر حکمِ خدا و رسول کے خلاف کاربند ہے اہل انصاف کی نظر میں یہ ہٹ دھرمی آپ کی قرینِ عدل پروری نہیں مانی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان علی الرغم حکمِ خدا و رسول سے اخراج و رزی نہیں کر سکتا۔ اس طرح پرچہ اخراج و رزی کر گیا وہ مسلمان سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اُس کی عدل کی نسبت کجا سکتی ہے۔

ط۔ اسی طرح جیشِ اُسامہ کا معاملہ نظر آتا ہے۔ اگر حضرت عمر میں عدل ہوتا تو آپ بڑی رضا و رغبت سے جیشِ اُسامہ کی شرکت کو ادا کر لیتے۔ آپ حضرت ابوبکر کی طرح گھر میں بیٹھے رہ گئے اور اُسامہ لشکرِ مکہ مدینہ سے باہر چلے گئے۔ حکمِ حضرت رسول صلعم کا مخالف ہرگز صاحبِ عدل نہیں ہو سکتا پس تقاضائے عدل یہ تھا کہ حضرت عمر حکمِ آنحضرت صلعم سے اخراج و رزی نہ کرتے۔ آنحضرت صلعم جیشِ اُسامہ کی نسبت بہت کچھ ارشاد فرماتے ہی رہے حتیٰ کہ مخالف حکمِ نبوی کو آنحضرت نے ملعونِ خدا بھی فرمایا۔ اس پر بھی حضرت عمر حضرت ابوبکر کی طرح حکمِ نبوی سے برسرِ اخراج ہی رہے۔ حکمِ خدا و رسول سے اس طرح کی اخراج و رزی کبھی کسی صاحبِ عدل سے ظہور میں نہیں آ سکتی تھی۔

ع۔ قصۃ قرطاس ایک بڑی مثال حضرت عمر کی نافرمانی کی ہے حضرت رسول صلعم بہ ثبات ہوش و حواس ایک امراہم کی تحریر کے لیے حاضرین سے کاغذ و قلم مانگیں اور حضرت عمر شدتِ مرض کی برجوئی آپ کی طرف منسوب کر کے آنحضرت صلعم کو کتابت سے باز رکھیں۔ واہ یہ کچھ عجیب حیرت انگیز معاملہ ہے کیا کوئی صاحبِ عدل ایسے فعلِ قبیح کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اپنا رسول اور وہ بھی آخرت میں کچھ ضروری امر دین کو حوالہ قلم کرنا چاہے اور حضرت عمر میں کہ زور و ن کے ساتھ اس کی کتابت کے مانع ہوں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ کسی سچے مسلمان سے ظہور میں نہیں آ سکتا ہے حضرت

رسول کو پورا حق بحیثیت رسول اپنے وقت آخرین کسی امروین کے حوالہ قلم کرنے کا حاصل تھا لاریب اس حق کے غضب کرنے والے کو نہ مسلمان کہہ سکتے ہیں اور نہ عدل پرور۔ اس قصہ قرطاس کے ساتھ حضرت عمر کا ازواج مطہرات کے ساتھ خفایت خشونت کے ساتھ گفتگو کرنا بھی عدل پروری سے نہایت بعید نظر آتا ہے۔

وہ اہانت زنا اور بے اعتدالانہ گفتگو حضرت عمر کی ایسی ہی تھی کہ جس پر حضرت رسول صلعم نے کمال آزر دگی کے ساتھ سے حضرت عمر سے فرمایا کہ وہ عورتیں تو بھی تم سے اچھی ہیں۔ معاملات بالا پر نظر انصاف ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اسلام کو اسلام کے لیے نہیں بلکہ کسی غرض خاص سے اختیار کیا تھا۔

و معاملات بالا حضرت رسول صلعم کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب راقم حضرت عمر کے ان معاملات پر نظر انصاف ڈالتا ہے جنکا وقوع آن صلعم کی رحلت کے بعد ظہور میں آتا گیا

پوشیدہ نہیں ہے کہ ابھی حضرت رسول کی تکفین و تدفین سے بھی اہلبیت نبوی کو فرصت نہیں ہوئی تھی کہ حضرت شیخین ثقیفہ بنی ساعدہ کی طرف امر خلافت کو طے کرنے کے لیے دوڑ گئے۔ خود یہ فعل آپ دونوں صاحبوں کا تمام مرتبہ نامعلوم ہوتا ہے۔ مقتضائے انصاف یہی تھا کہ حضرت شیخین و دیگر مہاجرین و انصار حضرت رسول صلعم کے دفن ہونے کا انتظار کر کے امر خلافت کے طے کرنے کی طرف توجہ فرماتے۔ مسلمانان غیر اہلبیت نبوی کی یہ حرکت کہہ دیتی ہے کہ ان میں اسلام کی

اخلاق آموزی نے کسی طرح کی تاثیر معقول پیدا نہیں کی تھی۔ پس حضرت عمر بھی دیگر مسلمان غیر اہلبیت کی طرح اخلاق محمدی سے معز تھے۔ بہر حال ثقیفہ کے ہنگامہ بے ہنگام کو حضرت شیخین نے یہ کہہ کر

کہ خلیفہ حضرت رسول کا اہل قریش سے ہونا چاہیے فر دیا اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا ڈالا مقتضائے انصاف یہی تھا کہ ہنگامہ بالا کے فرو کرنے کے بعد حضرت شیخین حضرت علی کے حضور میں

حاضر ہوتے اور جو داد آپ دونوں صاحبوں نے اہل ثقیفہ سے پائی تھی اسی داد کو حضرت علی کے مقابلہ میں پیش نظر رکھتے جیسا کہ خود حضرت علی نے حضرت شیخین سے فرمایا تھا کہ جو داد آپ صاحبوں نے اہل ثقیفہ سے پائی ہے وہی داد اب مجھے دیجیے۔ اس لیے کہ میں اہل قریش سے ہوں۔ برادر

رسول و دادا در رسول ہوں وغیرہ وغیرہ۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت شیخین میں خس برا بھی عدل کا مادہ ہوتا تو حضرت علی کو خلافت حاصل کردہ سپرد کر دینے میں دیر نہ کرتے۔ حضرت شیخین جو کہ

حضرت علی کی دلیل کے رد کرنے پر قادر نہ تھے چپ رہ گئے۔ مگر خلافت کی جانب نہ چھوڑی نہیں معلوم

کہ اُس وقت حضرت عمر کی عدل پروری کہاں جا کر سو رہی تھی کہ اس طرح کے بیدار کرنے پر بھی بیدار نہ ہو سکی خلافتِ یابی کے بعد حضرت یحییٰ کو خاص کر کے حضرت عمر کو یہ فکر ہوئی کہ حضرت علیؑ سے بھی بیعت خلافت لی جائے۔ اس بیعت کے حاصل کرنے کے لیے خلافت کی طرف سے حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے گھر جا کر بیعت کچھ شور و فساد برپا کیا۔ اسی فساد سے احراقِ خانہٴ فاطمہؑ اور ضربِ علیؑ بطنِ الفاطمہؑ اور تقاطعِ محسنؑ کو تعلق ہے۔ یہ سب معاملات زشت ایسے ہیں کہ جن سے حضرت عمر کی عدل پروری کی قلمی پورے طور پر کھلتی ہے۔ ان تشددات پر بھی حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی اور اس انکار سے راہِ حق پر پورے طور پر قائم رہے۔ حضرت عمر کی ظالمانہ حرکت یہ بھی ہوئی کہ جب حضرت علیؑ حضرت ابو بکرؓ کے پاس لائے گئے تو حضرت عمر نے نہایت جاہلانہ طور پر حضرت علیؑ سے بیعت طلبی شروع کی حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم برا در رسول نہیں ہو۔ ہم تمہاری گردن ماریں گے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ایسا برتاؤ کسی عدل پرور کا نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

معاملاتِ بالا سے ہویدا ہے کہ جتنی حرکتیں بطریقِ بالا حضرت عمرؓ سے ظہور میں آتی گئیں وہ سب عدل پروری سے بہ مراحل دور نظر آتی ہیں۔ کوئی عدل پرور اپنی محسنِ زادی یعنی دخترِ حضرت رسولؐ کے گھر میں آگ لگا دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا یا اُس کے بطنِ مبارک پر ایسی ضرب نہیں لگا سکتا تھا کہ جس سے اس کا محلِ ساقط اور اُس کا جنین ہلاک ہو جائے اور خود وہ مظلومہ اُس صدمہ سے چند مہینے کے اندر رحلت فرما جائے اور اُس کے شوہر عالیٰ تبار کو یہ کہا جائے کہ تم برا در رسول نہیں ہو ہم تمہاری گردن ماریں گے وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ایسے ظالمانہ افعال کو عدل پروری سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی عدل پروری کوئی ایسی بات ہے کہ عالمِ عقلا سے تعلق رکھتی ہے لایب حضرت عمرؓ جیسے بیرحم اور سنگدل بزرگ کی طرف عدل کی نسبت فہمِ انسانی سے باہر نظر آتی ہے۔ بیرحمی اور سنگدلی عدل پروری کے ساتھ تال میل نہیں رکھ سکتی ہے۔

ق۔ فتنہٴ بالا کے ساتھ معاملہٴ فدک نے ظہور کیا۔ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ نے پوری عداوت حضرت فاطمہؑ کے ساتھ خرچ کی۔ اس معاملہ کی کیفیت راقمِ بالتصریح کتابِ مصلحِ انظم میں حوالہٴ قلم کر چکا ہے۔ اس کے جزئیات کے اعادہ کی ضرورت بیان نہیں ہے۔ یہاں راقم کو صرف حضرت عمرؓ کے غیر منصفانہ برتاؤ کو دکھلانا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ روزِ فدک کا فیصلہ حوالہٴ قلم کر چکے تو حضرت عمرؓ کو کوئی ناسا حق اُس کے چاک کر ڈالنے کا تھا۔ آپ کا کیا عہدہ سرکارِ خلافت میں تھا۔

نہیں معلوم شاید آپ محکمہ خلافت کے محکمہ ایبل تھے۔ اگر ایسے فعل تھے تو بھی اس بے عزتانی کے ساتھ فیصلہ ماتحت کو چاک کر ڈالنے کے کیا معنی۔ کوئی شک نہیں کہ اس فعل نامطہوع سے آپ کے مزاج کی ترکیب پر اسے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آپ میں خض برابر بھی عدل پروری ہوتی تو آپ کچھ تو صبر و تحمل کے ساتھ فیصلہ ماتحت کے ساتھ کارروائی مناسب اختیار کرتے۔ اگر ایسا وحشیانہ فعل کسی غیر مسلم سے ظہور میں آتا تو بھی حیرت خیزی سے خالی نہوتا۔ چہ جائے کہ اُس کے خاقل ایسے حضرت ہوئے جن کی تبعیت آدمی سے زیادہ اسلامی دنیا کرتی ہے۔ بیشک دیگر اگر حضرت عمر محکمہ خلافت کے محکمہ ایبل نہ تھے تو آپ کا فیصلہ خلیفہ کو چاک کر ڈالنا قبیح و رقیح شکل رکھتا ہے۔ دونوں شکون میں حضرت عمر کے فعل بالا کو عدل پروری سے کوئی علاقہ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ واضح ہو کہ فدک کے تمام معاملے پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں شروع سے آخر تک حضرت عمر کے اُس ذاتی عناد کو جو آپ کو حضرت سیدہ کے ساتھ تھا داخل رہا ہے۔ واقعی آپ کی درشت خوئی درشت مزاجی اور درشت گوئی کا پورا جلوہ یہ معاملہ فدک پیش نظر کر دیتا ہے۔ اسی معاملہ کے دوران میں حضرت عمر بولے کہ ”کہ فاطمہ از زنے میں نیست“ راقم کتاب ہے کہ خاک ایسے مسلمان کے دہن میں جو خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کو عام زنانہ دنیا کے برابر بتلاوے۔ کوئی عدل پرور فاطمہ الزہراؓ صلوات اللہ علیہا کو عام زنانہ دنیا کے برابر نہیں کہہ سکتا ہے۔ اگر کوئی دعوے دار اسلام ہو کر ایسا کہے تو وہ دائرہ اسلام سے بالیقین خارج ہے۔ علیہ ما علیہ

لش۔ حضرت عمر نے شراب نوش کو چالیں درہ کے عوض انٹی ڈرے لگا دیے حالانکہ حضرت رسول صلعم ایسے مجرم کو چالیں ڈرے کی سزا دیا کرتے تھے۔ یہ افزائش چالیں ڈرے کی عدل عمری کے سوا اور کیا کہی جاسکتی ہے۔

ل۔ حضرت عمر نے جلے یعنی زین باردار کو سزا سے زنانہ میں رجم کا حکم دیدیا۔ اگر حضرت علیؓ نہ تھے تو بیگناہ جنین کی ہلاکت ظہور میں آجاتی۔ یہ کیسی عدل پروری تھی عاشقان حضرت عمر سے یو چھنا چاہیے۔ جس حاکم کو معاملات عالم کے فراز و نشیب کی تمیز نہ ہو وہ حاکم کیا اور اُس کا حکم کیا۔ ایسے حاکم سے عدل پروری کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

م۔ قابل لحاظ حق تلفی کی کارروائی حضرت عمر کی وہ ہے جس کی بدولت حضرت عثمانؓ آپ کے جانشین بن سکے۔ حضرت عثمانؓ اپنی عدم قابلیت کی وجہ سے عہدہ خلافت کے ہرگز سزاوار نہ تھے مگر حضرت عمر نے آپ کو خلیفہ بنا ہی چھوڑا۔ حضرت علیؓ کے رہتے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانا

ایک طرف امر ہے۔ حضرت عثمان کے حالات راقم کتاب مصباح العظمین حوالہ قلم کر چکا ہے۔ ایسی کارروائی کے بعد کیا کوئی عقل کا اندھا حضرت عمر کی طرف عدل پر درسی کی نسبت کر سکتا ہے۔ اگر حقیقت حال یہ ہے کہ بنی ہاشم کو مغلوب رکھنے کے لیے ایک سردار بنی امیہ کو خلیفہ بنا ڈالنے سے آپ کو کوئی چارہ نہ تھا۔ پس اس خوف سے کہ امین خلافت بنی ہاشم کی طرف عود نہ کر جائے۔ آپ حضرت عثمان کے خلافت یابی کا سامان کر کے راہی ملک عدم ہو گئے۔ یہ کس طرح کی عدل پروری تھی کہ حضرت علیؓ کو درجہ زیادہ حضرت عثمان سے خلافت رانی کی صلاحیت رکھتے تھے محروم خلافت کر دیے گئے۔ اگر حضرت عمرؓ میں خس برابر بھی عدل پروری ہوتی تو ابتدا ہی میں حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف بنی امیہ کے مردہ قبیلہ کو ملک شام دیکر زندہ نہ کر ڈالتے۔ بنی امیہ وہ قبیلہ تھا جو مرد و خدا و رسول تھا۔ اس کا سرپرست بن جانا چہ معنی دارد۔ رضائے خدا و رسولؐ کا مخالف خدا و رسولؐ کا دوست دار کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جان بوجھ کر رضائے خدا و رسولؐ سے مخالفت کی اس پر طرہ یہ ہو کہ اپنا جانشین بھی ایک بنی امیہ کو بنا گئے۔ حضرت عثمان کا خلیفہ ہونا کیا تھا کہ اسلامی دنیا میں جو کچھ ہو گئے بنی امیہ ہو گئے۔ بنی ہاشم یعنی قبیلہ رسولؐ خدا صلعم روز بروز ضعیف و کمزور ہوتا چلا اور آنحضرت صلعم کا قبیلہ مخالفت یعنی بنی امیہ غیر متوقع طور پر روز بروز قوی و زبردست۔ راقم پوچھتا ہے کہ ایسی زشت کارروائیوں کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی طرف عدل پروری کی نسبت درست مانی جا سکتی ہے یا نہیں۔ واضح ہو کہ تمام معاملات حضرت عمرؓ پر نظر غور ڈالنے سے اسکا پتا نہیں لگتا ہے کہ حضرات اہل سنت کس بنا پر صفت عدل کو بالتخصیص آپ کی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ آپ کے حالات سے تو کوئی وجہ اس تخصیص کی معلوم نہیں ہوتی ہے اب ایک امر اور ہے جس پر حضرات اہل سنت حضرت عمرؓ کی عدل پروری کے اعتبار سے بہت کچھ فخر و مباہات کرتے ہیں وہ امر اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ امر قصہ ابو شحمہ کا ہے جو آپ کے فرزند تھے اور جن کے متعلق ضمیمہ ذیل میں راقم اپنی تحقیق کو حوالہ قلم کرتا ہے۔



ضمیمہ نمبر ۶

معاملہ ابو شحمہ سپر حضرت عمر

حضرات اہل سنت کو ابو شحمہ کے قصہ حد زنا پر بڑا ہی ناز ہے۔ وہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرما رہے تھے کہ ایک عورت کو دین لڑکا لیکر آئی۔ اور اُس نے حضرت عمر کو اس امر سے آگاہ کیا کہ ابو شحمہ نے نشہ کی حالت میں اس کے ساتھ ارتکاب زنا کیا تھا جس سے وہ لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت عمر سلسلہ وعظ کو بند کر کے منبر سے اترے اور اپنے گھر جا کر ابو شحمہ پر حد زنا جاری کر دی یعنی تلوار ڈرتے ابو شحمہ پر لگوادیے جس سے ابو شحمہ کی موت آگئی۔

یہ قصہ حضرت عمرؓ کی عدل پروری اور شریعت مآبی کی ایک بھاری مثال دکھایا جاتا ہے جیسا کہ اس قصہ کو جناب شاد ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں درج فرمایا ہے اور حضرات اہل سنت عموماً اس قصہ کو بڑا سراہتے ہیں۔ اس قصہ سے حضرت عمرؓ کی درشت خئی شقاوت سنگدلی بے سیاق ترکیب کی کارروائی وغیرہ وغیرہ جو کچھ ظاہر ہوتی ہے محتاج بیان نہیں ہے مگر برائے خود عند لفظ قصہ بالا ایک فسانہ کا اندازہ دیتا ہے۔ ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہوا خواہان حضرت عمرؓ نے اس قصہ کو حضرت خلیفہ کی عدل پروری اور شریعت مآبی کے ثابت کرنے کی نظر سے گڑھا ہے جیسا کہ صاحب سیرۃ الفاروق کی تحریف میں سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ حضرت مصنف اُس کتاب کے صفحہ ۱۵۲ - طبع ثانی میں فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے بیٹے ابو شحمہ کو جس کا نام عبدالرحمن تھا شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابن عباس سے جو روایت منسوب کی جاتی ہے اگر صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچنا اور اپنے بیٹے سے عجب طریقے سے اقرار کروانا اور پھر دُورے لگوانا اور غلام کا یہ سکر دنا مگر حضرت عمرؓ کا دُورے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا لڑکے کا چیتنا اور بیتابی سے گرجانا لوگوں کا اور خود حضرت عمرؓ کا رونا لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمرؓ کا نہیں دینا اور آخر آخری دُورے پر اُس کے دم کا کل جانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے۔ مگر مختلف روایات کی اصلیت اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایک بیٹے عبدالرحمن المعروف ابو شحمہ نے مصر میں عمر ابن عباس کی حکومت میں اس قسم کا کوئی قصہ کیا تھا تو ان اُسکو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔ مگر حضرت عمرؓ نے اُس کو مارا اور اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا۔“

ضمیمہ

حضرت علی اور حضرت رسول کی دینی سلطنت

ایک سنی صاحبِ زمانے ہیں کہ حضرت علیؓ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ انھیں خلافت کا چانس (chance) یعنی موقع بھی ملا تو اس کے انجام سے قاصر رہ گئے۔ غلیفہ ہوتے ہی انھوں نے معاویہ کی معزولی کا حکم صادر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود خلافت سے معزول کر دئے گئے انھیں لازم تھا کہ معاویہ سے چھیڑ نہ نکالتے بلکہ معاویہ کو اپنا بنائے رکھتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیرون نے حضرت رسول صلعم کی دینی سلطنت کو نیپولین کی دنیوی سلطنت جان لیا ہے اس لیے اس طرح بیرون کے کلام زبان پر لایا کرتے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں جو اس طرح کے افراد بالا طرح طرح کے کلام لایا یعنی زبان پر لاتے ہیں واضح ہو کہ حضرت رسالت مآب کی دینی سلطنت کو حضرت عمرؓ دینی سلطنت نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ایسا سمجھتے تو اپنی قائم کردہ خلافت کو محفوظ رکھنے کے لیے ابوسفیان کو حکومت شام کے سپرد کرنے کے مرتکب نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ کا غزواتِ خدا سے بار بار کا فرار خدا و رسول کے حکم صلح سے کھلی کھلی سر تابی۔ حبش اُسامہ کی شرکت سے روگردانی حضرت رسول صلعم کی وصیتِ آخرہ کا منع کتابت علی الرغمِ تمیل حدیثِ ثقلین سے کنارہ کشی احراقِ خانہٴ فاطمہؑ کلامِ اہانتِ آگینِ سخن حضرت فاطمہؑ جابرانہ سلوک بمقابلہ حضرت علیؓ یہ سب امور ایسے ہیں کہ جن سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسول صلعم کو خدا کا رسول سمجھتے تھے اور نہ آنحضرتؐ کی دینی سلطنت کو دینی سلطنت جانتے تھے۔ خود یہ فعل آپ کا کہ ابوسفیان کو آپ نے ملک شام دیکر مردہ قبیلہ بنی امیہ کو زندہ کر ڈالا کہے دیتا ہے کہ آپ نہ حضرت صلعم کی رسالت کے دل سے قائل تھے اور نہ آن صلعم کی دینی سلطنت کو دینی سلطنت جانتے تھے۔ اگر آپ کے دل میں جس برابر بھی اقرار رسالتِ جگہ کیے ہوتا تو آپ ایک ایسے قبیلہ، ملعون خدا و رسول کے سردار کے ساتھ اس لطف و کرم کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر آپ کی قائم کردہ خلافت میں جانبِ امیہ ہوتی تو آپ ضرور بنی امیہ کی

لمونیت و مردودیت کو پیش نظر رکھ کر طریق بالائی پولیٹیکل کارروائی نہیں اختیار کرتے۔ دیکھیے حضرت علیؑ کو کہ جب ابوسفیانؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بولے کہ اسے علیؑ آپ اپنا ہاتھ نکالیے تاکہ میں آپ کی سبقت کر دوں اور سواران مکہ سے ابھی صحراے مدینہ کو بھر کر حضرت شیخین کی قائم کردہ سلطنت کو درہم برہم کر ڈالوں تو حضرت علیؑ نے کچھ بھی ابوسفیانؑ کا ساتھ نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ مسلمان ہو کر حضرت علیؑ قبیلہ بنی امیہ سے کسی طرح کا تعلق رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اگر آپ بیدین ہوتے تو پولیٹیکل چال اختیار کر کے ملعونان و مردودان خدا و رسولؐ کا ساتھ دے کر خلیفہ بن بیٹھتے جس سے حضرت شیخین کی قائم کردہ خلافت کا وُخورد ہو جاتی ہے۔ یہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

حضرت علیؑ کی کارروائی بالاسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کو رسول خدا سمجھتے تھے اور آنحضرتؐ کی دینی سلطنت کو دینی سلطنت مانتے تھے۔ اس لیے ابوسفیانؑ سے کنارہ کش رہے اور خلافت یابی کی تمنا کے گرد نہ گئے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو اس طرح کی تمنا کیونکر ہو سکتی تھی جب آپ حضرت رسولؐ صلعم کے خلیفہ بلا فضل من جانب اللہ تھے۔ خدا کی بخشی ہوئی چیز رکھ کر ایسی چیز کے خواہاں ابوسفیانؑ کے ذریعہ سے آپ کیونکر ہو سکتے تھے کہ اسباب ظاہر اگر آپ خلیفہ بلا فضل نہ ہوئے نہ ہوئے۔ آپ کی خلافت بلا فضل کو دس ہزار غاصبان خلافت چھین نہیں لے سکتے تھے۔ حضرت رسولؐ صلعم کی دینی سلطنت کی طرح آپ کو دینی خلافت بھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نام کے امتیاز محمدی میں حضرت عمرؓ کی طرح کے ہزاروں ہزار افراد ایسے تھے کہ ان صلعم کی دینی سلطنت کو دینی سلطنت نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کی دینی سلطنت کو نبولین کی دینی سلطنت جاتے تھے پس کیا عجب کہ اس وقت کے پیر و ان حضرت عمرؓ ہی ان صلعم کی دینی سلطنت کو دینی سلطنت سمجھ کر حضرت علیؑ کی شان میں کلمات لایعنی زبان پر لاتے ہیں یہ حضرت علیؑ کی مجرد دینداری کا تقاضا تھا کہ حضرت علیؑ نے خلیفہ ہوتے ہی امیر معاویہ کی مہربانی کا حکم صادر فرمایا حضرت علیؑ جانتے تھے کہ امیر معاویہ ایک بیدین شخص ہے ایک منٹ بھی اس کا کسی ملک اسلام کا حاکم ہونا مصالح دینی کے خلاف ہے۔ امیر معاویہ کیسے آدمی تھے اس کی حقیقت راقم کتاب ہذا میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ کوئی سچا خلیفہ حضرت رسولؐ صلعم کا امیر معاویہ کو کسی بلاد اسلام پر حاکم رہنے نہیں دے سکتا تھا۔ یہ علیؑ مرتضیٰ کے ایمان کی مجرد سچائی تھی جو آپ نے حکم بالا صادر فرمایا۔ آپ ایک دم کے لیے بھی ایسے مخالف خدا و رسولؐ کو حاکم شام رہنے نہیں دے سکتے تھے۔ ہاں چونکہ حضرت عمرؓ ایک پولیٹیکل آدمی تھے اور دینی معاملات پر آپ کو توجہ کرنے کی حاجت نہیں تھی اولاً ابوسفیانؑ کو حکومت شام کے سپرد کرنے کی آمادگی رکھنا اور جب وہ صاحب عذر پیری کی وجہ سے شام جانا قبول نہیں کر سکے تو ان کے بیٹے یزید ابن ابوسفیان

کو حاکم شام کر دیا۔ اور جب وہ حاکم شام مر گئے تو انکی جگہ اُن کے بھائی امیر معاویہ کو حاکم شام مقرر کر دیا۔ حق یہ ہے کہ دنیوی سلطنت کا بادشاہ یا خلیفہ بھی وہی کرتاجو حضرت عمر کر سکے۔ البتہ اس حیثیت سے حضرت عمر پر کوئی الزام عاید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مگر حضرت علیؑ کے لیے دینی پہلو سے نہایت نازیبا تھا کہ آپ امیر معاویہ کی حکومت شام میں برقرار رکھتے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو مرضی حضرت رسول صلعم کے خلاف آپ تمام تر کاربند ہوتے۔ اس لیے کہ حضرت رسول کو قبیلہ بنی امیہ سے نفرت تامہ لاحق تھی اور خداے تعالیٰ بھی اس قبیلہ کو قبیلہ ملعونہ قرار دے چکا تھا۔ یہ مجرد اطاعت رسول کا باعث تھا کہ حضرت علی ابوسفیان کی ترغیب دہی کی طرف خس برابر بھی مائل نہ ہوے۔ پھر اپنے عہد خلافت میں امیر معاویہ کی معزولی کے ذریعہ سے بے تعلقی پیدا کرنا چاہی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسول دس برس کی جانفشانی کے بعد قبیلہ بنی امیہ کو سر کر سکے تھے۔ اتنے عرصہ کے بعد اُس قبیلہ میں کسی طرح پر شیطنت کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت رسول کی رحلت کے بعد ہی اس قبیلہ میں جان تازہ پھونک ڈالی۔ اگر حضرت عمر کو کچھ بھی پاس حضرت رسول صلعم کا ہوتا تو ابوسفیان صاحب سے شیر و شکر نہ بن جاتے اور مسلمانوں کے درمیان وہ تختہ سول وامل ہمسالہ ہمسار کا بونہ جاتے جس کی وجہ سے تاریخ اسلام عجائب طرح کی خون ریزین کے ہیبت ناک مناظر پیش کر رہی ہے اور جس کا اثر آج تک مسلمانوں میں باقی ہے اور تا قیامت باقی رہیگا۔ اے باد صبا! ہم آوردہ تست۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت عمر کچھ بھی تہمت رسولؐ کے صلعم کی مد نظر رکھتے تو ہزاروں بلائیں جو اہل اسلام کو نصیب ہوتی گئیں ہرگز نصیب نہ ہوتیں خاصکر خاندان پیغمبرؐ بلاؤں سے محفوظ رہ جاتا۔ حضرت رسولؐ کی دینی پالیسی کا یہ منشا تھا کہ بعد اُن صلعم کے حضرت علیؑ آن صلعم کے جانشین ہوں جیسا کہ بار بار کے استخلاف سے ہو یا ہوتا ہے اور یہ کہ جمیع مسلمین حضرت علیؑ کا ساتھ دیں جیسا کہ حدیث نقلین سے ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر اُمت محمدیؐ اپنے رسول مقبول کی اس دانشمندانہ خواہش کی تبعیت کرتی تو عرب کی اسلامی سلطنت آئندہ کے فسادات سے مامون رہ جاتی۔ علیؑ شجاعت علم و حلم و ہنر خیالی معدلت زہد و تقویٰ فہم و فرائض کے اعتبار سے امتیان محمدیؐ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی جانشینی سلطنت اسلامی کو قائم رکھنے کے سوا ضرر نہیں پہنچا سکتی تھی۔ اگر حضرت عمرؓ کی وجہ کا پول لیٹکل دماغ رکھتے تو حضرت علیؑ کو جانشین حضرت رسولؐ بنا کر حکومت کو بنی ہاشم سے بچنے نہ دیتے۔ بنی ہاشم ہر اعتبار سے عرب کا ایک ممتاز ترین قبیلہ تھا اور زمانہ وراز سے اس کی ہر طرح کی ممتازیت جلی آئی تھی ایسے قبیلہ

سے حکومت کو نکال کر تیم و بنی عدی اور بنی امیہ کی طرف اس کا منتقل کر ڈالنا ایک بڑی پولیٹیکل غلطی سے خبر دیتا ہے اسی غلطی کا یہ صریحی نتیجہ ہے کہ اس وقت عرب کی اسلامی تاریخ کس قدر داغدار نظر آتی ہے اگر حضرت عمر کو سچا پولیٹیکل دماغ حاصل رہتا تو جس طرح پر آپ عمل فرما ہوئے ہرگز نہ ہوتے۔ ثقیف بنی عدی کی ایسی ناعاقبت اندیشانہ کارروائی آپ سے ظہور میں آئی تھی کہ اگر حضرت علیؑ اپنی غلطی و انشمنی دہم اور جمعیت ارشاد حضرت رسولؐ سے کام نہ لیتے تو حضرت صلعم کی رحلت کے ساتھ ہی عرب کی تازہ اسلامی سلطنت میں خونریزی سخت صورت سے پیدا ہو جاتی۔ اگر آپ خونریزی پر آمادہ ہو جاتے تو قبیلہ بنی ہاشم جس کے بعد آپ حضرت رسول صلعم کے طبعی طور پر سردار ہو گئے تھے سرفروشی پر مستعد ہو جاتا۔ پھر حضرت عمرؓ کی قائم کردہ خلافت رہتی یا نہ رہتی کوئی کہہ نہیں سکتا۔ مگر کچھ شک نہیں کہ بنی ہاشم کا بہادر قبیلہ اپنے اور اپنے دشمنوں کے خون بہا ڈالنے میں خس برابر بھی کمی نہ کرتا۔ ایسا امر صرف اس سبب سے ظہور میں نہیں آسکا کہ حضرت علیؑ نے کمال حوصلہ مندی سے خلافت یابی کے لیے میان سے تلوار نہیں کھینچی جس کے باعث بنی ہاشم کا قبیلہ بھی چُپ رہ گیا۔ حضرت علیؑ نے مقابلہ حضرت یحییٰ بنی ثعلبہ کے طلب حق کی کارروائی صرف زبان سے کر دی مگر اس کے لیے فوج آرائی نہیں کی اس سے زیادہ آپ کے کسی سخت تر کارروائی کے نہ اختیار کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت رسول صلعم نے آپ سے فرما دیا تھا کہ ابھی اسلام ابتدائی حالت میں ہے تم تلوار کھینچنا اور راہ صبر اختیار کرنا۔ حضرت علیؑ جیسے فرمانبردار حضرت رسول کے تھے، ظاہر ہے کہ مرضی حضرت رسول صلعم کے خلاف کاربند نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی تبعیت رسول کا تقاضا تھا کہ آپ ابو سفیان صاحب کے قصد مدد گاری کی طرف توجہ نہیں فرمائی اگرچہ خلافت آپ کو منظور نہ ہوتی تو ابو سفیان کے سواران کو حضرت عمرؓ کی قائم کردہ خلافت کو سخت رنج و کد دینے کی واسطے ضرورت سے زیادہ تھے۔ اسی کو ابو سفیان کی طرف نصرت یابی کی غلطی میں آپ پڑ جاتے تو قبیلہ بنی امیہ آپ کے ذریعہ سے وہی ثروت حاصل کر لیتا جو حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے وہ حاصل کر سکا اور اگر حسین علیہما السلام کی شہادت زہر و خنجر سے واقع ہو جاتی تو دونوں حضرت کے قتل کا سبب قریب یا سبب بعید حضرت علیؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھا جاسکتا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ بڑی آل اندیشی کی بنا پر ابو سفیان صاحب سے جو کنارہ کش ہوئے تو اس کنارہ کشی سے تا مگر مرضی خدا و رسول کی تبعیت کرنے والے بنے رہے۔ لاریب حضرت علیؑ کی کنارہ کشی دینی اور پولیٹیکل دونوں پہلو سے فستربین صواب نظر آتی ہے۔ اگر اس طرح کا سچا دینی اور پولیٹیکل دماغ حضرت علیؑ کو نہیں نصیب

ہوا ہوتا۔ تو آپ ابوسفیان کے ساتھ غیر و شکر بن جاتے جیسا کہ حضرت عمر اپنی ضرورت خلافت اور عناد خاندان پیمبر کی وجہ سے ہو گئے۔

بالمختصر جو حضرات حضرت علیؑ پر اعتراضات لایعنی وارو کیا کرتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کی دینی سلطنت کو نیپولین کی دنیوی سلطنت سمجھ ہوئے ہیں۔ اس طبقہ کے حضرات اکثر وہی ہیں جو ناقص طرح کی پوہین تعلیم پائے ہوئے ہیں اور جن کے دماغ اسی طرح کی ادھوری تعلیم کے باعث نامطبوع و نادرست پولیٹیکل خیالات کے معدن ہو رہے ہیں۔



ضمیمہ سہ

سید سنی نہ باشد

یہ ایک پُرانا قول ہے کہ سید سنی و دیک چوبی نہ باشد۔ اس کی تنقید کی نظر سے راقم اپنے خیالات فیل میں حوالہ قلم کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ سید کا سنی ہونا ایک حیرت خیز امر ہے مگر ہندوستان میں خاصکر صوبہ بہار میں سادات بکثرت سنی دیکھے جاتے ہیں۔ اسکا سبب خاص یہ ہے کہ اسلامی شاہانِ ہلی مذہبِ اہلسنت و الجماعت رکھتے تھے کچھ ان میں سے سخت سنی گزرے ہیں اور کچھ نرم مگر سنت سے کوئی خاندان شاہی خالی نہیں گزرا ہے بھولے انسان علما دین ملو کھم سادات کو بھی بحالت بالا مذہبِ سنی اختیار کرنا پڑا اور جو سادات نسل سے سنی نہ بنے پسبل تفسی سنی بنے رہے۔ حق یہ ہے کہ اگر آخر کے زمانہ مغلیہ میں کچھ صوبہ داران شاہی مذہبِ شیعہ نہ رکھتے تو ہندوستان میں کبتر کسی شیعہ پر نظر پڑتی۔ بہر حال اسوقت جو سادات موجود ہیں ہرگز دینِ آبائی پر نہیں ہیں بنی ہاشم کا مذہب حضرت رسول کے بعد ایک عرصہ دراز تک نے ہب علی رہا ہے کم سے کم دو صدیوں تک یا ستنائے چند افراد بنی ہاشم سنی نہیں نظر آتے ہیں مگر اس کے بعد سلطنتوں کے تقاضا سے بہت بنی ہاشم مذہب یا ابنِ ثابت یعنی مذہبِ اہلسنت اختیار کرتے گئے بعد خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس میں اگر کوئی شخص بنی ہاشم سے سنی ہو جاتا تھا تو اسے بنی ہاشم بُری نظر دیتے تھے جیسا کہ شاذیل ظاہر ہے

اذ العلوی تابع ناصبیاً بمذہبہ فضاہو من ابیہ

وان الکلب خیرٌ منہ طبعاً فان الکلب طبع ابیہ ضیہ

ترجمہ جب علوی نے مذہب میں تبعیت ناصبی کی کی تو وہ اپنے باپ کا نہ رہا پس گتا اُس سے بہتر ہے ، از روے طبیعت کے ہے کہ گتا اپنے مان باپ کی طبیعت کا انذار اٹھاتا ہے یعنی جو علوی ناصبی کا مذہب اختیار کرتا ہو تو اُس گتا بہتر ہے اس کے گتا اپنے باپ کا طور قائم رکھتا ہے۔ وضع ہو کہ علوی بیان مراد سید ہے۔ جاننا چاہیے کہ سادات بنی ظلمہ بھی علویین کے جاتے ہیں کتب تاریخ میں علویین کا لفظ جان مستعمل دیکھا جاتا ہے اُس مراد مؤرخین سادات بنی فاطمہ کے گوسادات علویہ بھی وہ سادات ہیں جو خاص نسل حضرت علیؓ غیر از بطرح حضرت سیدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں جیسے حضرت عباس علم بردار علیہ السلام۔ اس طرح صابی میں تمام ایسے فرقوں کو علویین داخل سمجھتے تھے جو مذہبِ علی کے پیروں تھے یعنی تمام پیران مذہب زید ابن ثابت جو حضرت علیؓ کے خاندانِ الفیہ سے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ہر دو شعر بالا سے بنی ہاشم کی سخت بیزاری ایسے افراد بنی ہاشم سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو مذہبِ آبائی یعنی مذہبِ علیؓ کو چھوڑ کر مذہبِ زید ابن ثابت اختیار کرتے گئے تھے کسی سید کا مذہب علویین یعنی مذہبِ سادات کو چھوڑ کر عام اس کے وہ سادات بنی فاطمہ یا سادات علوی سے ہوں مذہبِ غیر سادات کا اختیار کرنا بہتر سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔ اس چھوٹے پیکر کی وجہ اسکا سواد و سری نہیں ہو سکتی کہ یا اُس سید کو کوئی دنیاوی تعلق نہ ہو جاتا

یائے جہالت سے ایسی راہ اختیار کرنا پڑتی ہے۔ ہزاروں ہزار سید و خیامین سنی سلطنتوں کے اثر سے مسیحی بن بیٹھے ہیں اور پھر ان کی اولاد و خاندان سنی مذہب تسلماً بعد نسل چلا جاتا ہے۔ سیطرہ جب کسی سید کو فطر جہالت کی وجہ سے سنی ملاؤں کے سنی بنا ڈالا ہے تو اس کی نسل کا مذہب بھی سنی قرار پا گیا ہے۔ سنی سادات بہانکا یہی حال دیکھا جاتا ہے جیسا کہ راقم نے مصباح نظام سادات بہار کے سنی ہو جانے کی جوہرین حوالہ نقل کی ہیں۔ ظاہر کسی بنی فاطمہ کا سنی ہو جانا وحشت خیر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ کو حضرت خلفائے ثلاثہ سے مفضل جانتا جیسا کہ مذہب اہلسنت کا ہے۔ یا حضرت علیؑ کی پوری کناکوشی جیسا کہ مذہب خراج و نواصب کا ہے یا میر معاویہ کو جو ایک دشمن سخت حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے تھے خلیفہ برحق مانتا یا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے منکر و نایاب کچھ ایسی باتیں ہیں کہ بنی ہاشم کو انکا گوارا کرنا فطر کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ وہ مذہب جسکو حضرت پیران پیر سنی تصنیف جلیل یعنی غینۃ الطالبین میں مذہب اہلسنت والجماعت قرار دیتے ہیں اُس میں حضرت علیؑ کی صرف مفضولیت دیکھی جاتی ہے حضرت علیؑ سے کناکوشی کی تعلیم نہیں پائی جاتی ہے۔ اسیر معاویہ کی خلاف دامت حقہ دخل عقیدہ نظر آتی ہے۔ مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے انکار نہیں نمایاں ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت پیران پیر نے غینۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ درخج المحسین فقتل عن سیف جدم ممکن ہے کہ کسی قلمی نسخہ میں جملہ پایا گیا ہو جیسا کہ بعض اہل علم سے راقم کو ایسا معلوم ہوا ہے مگر غینۃ الطالبین کے چھپے ہوئے نسخے میں دیکھا نہیں جاتا ہے۔ راقم کو بھی تک اس کی تہمت نہیں ہوئی ہے کہ جہاں یا بلاد حقیقت حضرت پیران پیر کا تحریری ارشاد ہے یا نہیں۔ اب عصر کی کچھ بھی ہوئی عالم کلام کی کتابوں کا نقشہ دیکھا جاتا ہے کہ قلمی کتابوں کے بہت مضامین جو اہل سنت کے مذہب کے لیے ضرر رسان پہلو رکھتے ہیں نکال ڈالے گئے ہیں ممکن ہے کہ غینۃ الطالبین کے ساتھ بھی یہی ترکیب کی گئی ہو۔ بہر حال درخج المحسین فقتل عن سیف جدم کے مصدق ابوبکر ابن ابونی کا قول خالی نہیں نظر آتا ہے جیسا کہ علامہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب حج المکرّم میں لکھتے ہیں کہ ابن ابونی گفت کہ گشت یزید حسین اگر سیف جدم یعنی یزید کو دیدہ بود پس حسین برے باغی شد۔ زیرا کہ کسان بسیار امام برحیت ہی نمودند و استخوان پر لاد بر لافے اختیار کردند و بدو دستخلاف انجمن بغاوت کہ حسین کرد و خطبہ و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ حق بود و احوال مردم بروی بعد زوال امام حسن واقع شد کوئی شک نہیں کہ تقاضا مذہب اہل سنت سے ابوبکر ابن ابونی کا قول نادرست نہیں ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اصول عقائد کے رو سے اہل سنت کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے مگر جو حضرات اہلسنت سے اس کے برخلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہیں وہ یقیناً بے اصول سنی ہیں۔ راقم کتاب ہے اصول سنت کے مطابق یزید حضرت رسول صلعم کا خلیفہ برحق تھا یعنی حضرت رسول صلعم کی جگہ پر تھا۔ پس حسینؑ کی بغاوت یزید سے حضرت رسول صلعم سے بغاوت متصور تھی اس لیے جب یزید نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا تو حسینؑ اپنے جد رسول اللہؐ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اس عقیدہ کے علما کابل و بخارا و خیرہ کیطرن بہترین راقم کے استاد مولوی سیح گل صاحب کابل بھی تقاضا مذہب اہل سنت حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے قائل نہیں تھے شہادت میں کمال حسین جانتے تھے۔ اس عقیدہ کے دو جہ عالم اور بھی

اسی برس کا عرصہ ہوا ہوگا کہ صوبہ بہار میں بقید حیات تھے۔ ایک صدر الصدور مولوی رکن الدین خان صاحب اور دوسرے صدر الصدور مولوی نعمت علی خان صاحب یہ دونوں بزرگوار اپنے زمانہ کے مشاہیر وقت سے تھے۔ ان میں سے آخر بزرگ جناب والد مرحوم شمس العلماء سید وحید الدین خان بہادر کے استاد تھے اور اول بزرگ جناب غفران مآب کے ہمعصر۔ اس وقت بھی بیٹہ اور سواد بیٹہ میں اس شامی انداز کے افراد اگر بہت نہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔ راقم بھی ایک وقت میں اپنے تقاضا کے تعلیم سے اسی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر فضل خدا نے اس کے چہرہ و دل سے اس سیاہی کو دور کر ڈالا۔ اب وہ غلامان حضرت خرم علیہ السلام سے ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ غلامان حضرت حر کے ساتھ وہ معشور ہوگا۔ بہر حال یہ امر کہ کوئی شخص بنی ہاشم سے عقائد بالاکو اختیار کرے بہت ہی نامطوبع معلوم ہوتا ہے کچھ تعجب نہیں کہ عہد سابق کے بنی ہاشم نے اپنے ایسے افراد سے جو تقاضا سلطنت بنی امیہ اور بنی عباس سے اپنے خاندانی مذہب سے کنارہ کش ہو گئے تھے بیزار ہو کر ان کے لیے دونوں عربی شعر بالا کہے ہوں یا کسی غیر بنی ہاشم نے جو محبان اہل بیت سے تھا انھیں موزون کیا۔ بہر حال میں وہ دونوں شعر سچائی سے خالی نہیں معلوم ہوتے ہیں اور سید سستی نہ باشد کے مضمون کے ساتھ تامر مطابقت رکھتے ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ حق و ناحق کی تحقیق کر کے ہر شخص مختار ہے کہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔ مگر حضرت علی کو مفضول سمجھنا یا حضرت علیؑ سے کنارہ کش ہو جانا۔ یا امیر معاویہ یا یزید کی خلافت و امامت کو خلافت و امامت حقہ جانتا۔ یا حضرت امام علیہ السلام کی شہادت سے انکار کر بیٹھنا۔ یہ سب ایسے امور ہیں کہ کوئی سید تلمذ دنیاوی یا تعلیم عقائد مخالفانہ کے بغیر ان کی طرف میلان نہیں کر سکتا ہے۔ پس اپنی جگہ پر یہ قول کہ سید سستی نہ باشد و دیگر چوبی نہ باشد صداقت سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔ بفتوای عقل ایسا سید جو مذہب علیؑ سے کنارہ کش ہو رہا ہے نہ سید تو ضرور ہے مگر اس طرح کی کنارہ کشی سے خاندان نبوتش گم شد کا مصداق بھی ہو رہا ہے۔ راقم نے دو تین سید ایسے بھی دیکھے ہیں جو نسباً سید عالی نسب تھے مگر کم عمری میں پادریوں کو جو ہاتھ لگ گئے تو حضرت عیسیٰ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے لگے۔ ایسے سیدوں کی نسبت خاندان نبوتش گم شد کا کہنا اگر بجا ہوگا تو ایسے سیدوں کی نسبت بھی جو مذہب علیؑ سے کنارہ کش نظر آتے ہیں سعدی علیہ الرحمۃ بالاکو زبان پر لانا خلاف انصاف نہ ہوگا۔ سیدوں میں جو مذہب علیؑ سے روگردان ہو گئے ہیں اور جنھوں نے غیر مذہب علیؑ کو عام اس سے کہ وہ مذہب اہل سنت یا فواصیب کا ہو اختیار کیا ہے ایک سید صاحب نظر آتے ہیں

جن کا نام میر جوہر علی ہے۔ وہ صاحب کتاب اسرار الہدی کے مصنف بھی ہیں۔ اس کتاب میں میر صاحب نے حضرت علیؑ کو سخت و سست کہنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اسرار الہدی کا جواب موسوم بہ نجم الہدی مولوی سید نجم الدین حسین صاحب جاسی نے لکھ دیا ہے۔ اور خوب لکھ دیا ہے۔ خیر۔ یہاں پر اسرار الہدی کے جواب سے کوئی بحث نہیں ہے۔ یہاں میر صاحب موصوف کے شیعہ سے سُنی ہو جانے کا مضمون پیش نظر ہے مکن ہے کہ میر صاحب تعلق دینی کی بنا پر شیعہ سے سُنی ہو گئے ہوں۔ مگر زیادہ اس کا قرینہ معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب میں ایسا انقلاب تقاضاے تعلیم سے پیدا ہوا ہے۔ ہر ملک اور ہر دیار میں امرِ تعلیم ایک نہایت قابلِ توجہ شے ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ قابلِ قدر حق و باطل کی تیز ہے۔ تمام جہان کے کتب خانے اُلٹ ڈالنا عدم تیز حق و باطل کے ساتھ برائے خود ایک بڑی مصیبت ہے۔ اگر میر صاحب میں حق و باطل کی تیز کی صلاحیت مودعہ رہتی تو آپ اس بے باکی کے ساتھ حضرت علیؑ کو اپنی تصنیف میں سخت و سست نہ کہہ جاتے یہ تصنیف آپ کی حضرت علیؑ اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت سے معلوم ہوتی ہے۔ عداوت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس کو روی کے ساتھ میر صاحب حضرت علیؑ اور خاندانِ حضرت پیغمبرؐ کی خوبیوں کو کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ تیز حق و باطل ایک بڑی نعمت ہے۔

انسان کسی طرح کی تعلیم پائے لیکن اگر اس کو حق و باطل کی تیز مودعہ ہوئی ہے تو اپنے معلومات سے ضرور حق کو اختیار کرے گی اور باطل کو ترک کر دے گی۔ راقم کی ایک اعلیٰ پایہ کی فرنگ دوست ہیں جو یورپ اور ہندوستان کے تمام امتحانات کو پاس کیے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ وہ صاحبہ ایک علامہ وقت کا حکم رکھتی ہیں اور اس وقت سرشتِ تعلیم کے ایک ممتاز عمدہ پسر فرا بھی ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ ممدوحہ مشرف باسلام ہو گئی ہیں تو میں ممدوحہ سے ملنے کے لیے گیا ملاقات کا کارڈ بھیج دینے پر ممدوحہ نے مجھے بلا لیا۔ اس وقت ممدوحہ علمِ جرّی کے کسی سوال کا جواب حل کر رہی تھیں۔ مجھے ممدوحہ نے فرمایا کہ آیا مجھے اس علم کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت حاصل ہے یا نہیں۔ میں نے اس سوال کا جواب آسانی کے ساتھ حل کر دیا۔ اس پر ممدوحہ نہایت خوش ہوئیں اور دیگر علوم کا ذکر فرمانے لگیں۔ اُسی ایک نشست میں علمِ مثلث۔ علمِ ہیئت۔ علمِ الاصوات۔ علمِ الحركات۔ علمِ الماوا۔ علمِ البوا۔ علمِ موالید ثلاثہ۔ علمِ آثار کس۔ علمِ تاریخ اور شاعری پر گفتگو ہوتی رہی۔ ملاقات تین گھنٹے سے کمین زیادہ طول کھینچ گئی۔ آخر میں اس وعدے پر ممدوحہ سے رخصت ہوا کہ پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ دوسری صحبت میں میں مذہبی گفتگو کرتا رہا۔ ممدوحہ نے اپنے مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے

بیان کین جس سے مجھے معلوم ہو سکا کہ ممدوحہ غیر معمولی طور پر صلاحیت حق و باطل کی تیز رکھتی ہیں۔ ممدوحہ تمام ادیان دنیا سے خبر رکھتی ہیں اس تیز کے ساتھ ممدوحہ کا دین اسلام کو اختیار کر لینا کسی طرح پر دشوار صورت نہ تھا اس ملاقات میں ممدوحہ پر یہ بھی روشن ہو گیا کہ میں چند زبانوں میں تورات و انجیل کو پڑھ چکا ہوں۔ اور مذہب عیسائی کے مختلف شیعوں سے واقفیت رکھتا ہوں۔ وقت رخصت ہونے کے ممدوحہ نے ہنس کر فرمایا کہ نواب صاحب اپنے نام سے خطاب نواب کو دور کیجیے اس لیے کہ ہندوستان میں یہ خطاب اکثر جھلا کے نام کے ساتھ ضم دیکھا جاتا ہے۔ پھر اور صحبتوں میں مجھ پر یہ بھی روشن ہو گیا کہ ممدوحہ شیعہ اثنا عشری بھی ہیں۔ جب میں نے اس فرقہ میں داخل ہوئی وہ پوچھی تو نہایت اطلاع کے ساتھ ممدوحہ نے میری تشفی کر دی۔ ظاہر ہے کہ اگر ممدوحہ کو حق و باطل کی تیز واہب عطایا نے بخشی ہوئی تو اس کشادہ پیشانی کے ساتھ ممدوحہ مذہب اہل بیت کو نہیں اختیار کیے ہوتیں۔ ممدوحہ فوراً اطلاع کی بنا پر مشرف بہ اسلام ہوئی ہیں اور اپنے و فوراً اطلاع کی بنا پر مذہب شیعہ اثنا عشری کو اختیار کیا ہے لیکن ممدوحہ کو یہ شرف ہرگز حاصل نہیں ہوا ہوتا اگر خدا تعالیٰ نے ممدوحہ کو حق و باطل کی تیز بخشی ہوئی مجرور و فوعل سے ممدوحہ کا مشرف بہ اسلام ہونا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ میرے جوہر علی صاحب مصنف اسرار الہدے میں یہ صلاحیت تیز حق و باطل کی بہت کم دکھی جاتی ہے۔ اس لیے جو کچھ موصوف لکھ گئے ہیں قابل درگزر ہے۔ دوسری مثال صلاحیت حق و باطل کی میرے شہر مشنہ کے نواب سید یوسف علی خان صاحب مرحوم تھے۔ ممدوحہ بڑے صاحب جوہر تھے۔ ابتدا میں مذہب اہل سنت کے پابند تھے۔ مگر جب ممدوحہ نے علمائے اہل سنت کی بہت سی کتابیں دیکھ ڈالیں تو خود بخود اپنے مذہب سابق کو ترک کر کے شیعہ اثنا عشری ہو گئے۔

راقم کے والد مرحوم نے جب نواب صاحب سے تبدیل مذہب کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ مجھے تحفہ اثنا عشریہ نے شیعہ بنا ڈالا۔ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا دل سے سپاس گزار ہوں مجھے نہ جناب والد مرحوم کے سوال اور نہ نواب صاحب کے جواب سے کسی طرح کی خبر تھی۔ جب جناب والد مرحوم کو میرے شیعہ ہو جانے کی خبر ملی تو حضرت عفران آب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ میرے شیعہ ہو جانے کا کیا سبب ہوا تو میں نے عرض کیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے تحفہ نے مجھے شیعہ بنا ڈالا۔ اس پر ممدوحہ نے قصہ نواب سید یوسف علی خان صاحب مرحوم کے شیعہ ہو جانے کا بیان فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شک نہیں کہ تحفہ اثنا عشریہ ایسی ہی کتاب ہے کہ جو سنیوں کے ساتھ پڑھے گا شیعہ ہو جائیگا۔ جناب والد مرحوم نے شیعہ مذہب کی کتابیں جناب مولانا مولوی

سید ولد رعلی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ فی الجنتہ سے پڑھی تھیں اور اہل سنت کی کتابیں جناب شاہ سلامت صاحب کا پنوری علیہ الرحمہ سے۔ اس دفنہ اطلاع کے ساتھ جناب والد مرحوم کا یہ فرمانا کہ جو سنی تحفہ ثنائی عشرہ کو جو اس کے ساتھ پڑھے گا شیعہ ہو جائیگا حضرت مدوح کی بڑی فراست اور وفور علم سے خبر دیتا ہے۔ اگر حضرت کا قول بالاحق آگین نہ ہوتا تو نواب یوسف علی خان صاحب مرحوم اور راقم کتاب بالا کو پھلکھڑی کے سنی رہ جاتے۔ حالانکہ اس کتاب کے پڑھنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوستی شیعہ ہو گئے۔ بہر حال میر جوہر علی صاحب کے انداز طبیعت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرات اہل سنت کی جگہ میر صاحب کسی پادری کو ہاتھ لگ جاتے تو تیر حق و باطل کی صلاحیت نہیں رکھنے سے کچھ لوکا اور بطرس کی انجیلین پڑھ کر اپنی چوک کی سڑک پر یوں وعظ فرمانا شروع کر دیتے کہ ایٹھ مسیح (عیسیٰ مسیح) کھوڈا (خدا) کا بیٹا آسمان (آسمان) کا رہنے والا۔ ہم گوناہ (گناہ) کے کرنے والے وہ گوناہ (گناہ) کا بکنے والا (کا بخشنے والا) وغیرہ وغیرہ۔ کوئی شک نہیں کہ قوم بنی ہاشم کا کوئی آدمی جسے کافی طور پر مذہب علی اور مذہب زید ابن ثابت یعنی مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت سے باخبری ہوگی اور حق و باطل کی تمیز بھی اسے مودع ہوئی ہوگی مذہب علی کو چھوڑ کر مذہب زید ابن ثابت کو نہیں اختیار کرے گا۔ سید کو جب تک شیعہ سے سنی ہو جانے کے اسباب فراہم نہ ہو جائیں تب تک کوئی سید مذہب اہل سنت والجماعت کو اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ سید شیعہ کے سنی ہونے کے اسباب یہی ہیں جیسے کہ تعلق دنیوی افراط جہالت امور مذہب علی سے لاعلمی و محبت نسا وغیرہ وغیرہ۔ ورنہ کون آل محمد و اولاد علی سے ایسا شخص ہو سکتا ہے جو حضرت علی کو مفضل مانے یا معاویہ اور یزید کی خلافت و امامت کو برحق سمجھے یا حضرت امام حسین علیہ السلام کو باغی سرکار یزید مانکر آپ کی شہادت کا منکر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لاریب بنی ہاشم کی فطرت اس کی مقتضی نہیں ہو سکتی کہ امور بالا کو اختیار کر سکے۔ سید کی شان سے نہیں ہے کہ مذہب علی کے سوا وہ کوئی غیر مذہب علی کو اختیار کر سکے۔ یہ ایک نہایت منع قول ہے کہ سید سنی نہ باشد۔ سید کا سنی ہونا خاندان نبوتش گم شد کا مصداق ہونا ہے۔ راقم مصباح الظلم اور بھی اس کتاب مناظر المصائب میں واضح طور پر دکھلا چکا ہے کہ ہر طرح کے غیر مذہب علی کی بنا عام اس سے کہ وہ مذہب اہل سنت یا مذہب نواصب و خوارج کا جو مخالفت و عداوت علی و مخالفت و عداوت خاندان پیغمبر پر واقع ہوئی ہے۔ کیا کوئی ایسا باخبر سید ہو سکتا ہے جو دیدہ دانسہ غیر مذہب علی کو حق جانکر اختیار کر سکتا ہے۔ جتنے اس وقت سادات دنیا میں دیکھے جاتے ہیں یا وہ لاعلم ہیں یا تلمذ دنیاوی میں

بتلا ہو رہے ہیں یا چند پشت اُن کی سنی ہوتی آئی ہے یا سنی ملکوں میں رہنے سے ملکی مذہب کے پابند ہو رہے ہیں۔ یا نسوانی تعلقات سے سنی مذہب اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ایسے اسباب سے بری رہ کر کوئی سید سنی مذہب کا پابند نہیں ہو سکتا ہے

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حقیقت مذہب اہل سنت کی یہ ہے کہ حضرت علی خلیفہ چہارم مانے جاتے ہیں اور حضرت شیخین اور بھی حضرت عثمان سے مفضل سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بعد اہل سنت امیر معاویہ کو خلیفہ بنیخیم اور امام برحق قرار دیتے ہیں۔ بیان تک تو ہر اہل سنت کا یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اس میں کسی اہل سنت کو اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ بعد امیر معاویہ کے اہل سنت میں دو فرقے نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو امیر معاویہ کے بعد یزید کی خلافت اور امامت حقہ کا قائل ہے اور دوسرا وہ جو یزید کو آپ کے فسق و فجور کی وجہ سے آپ کو خلیفہ اور امام نہیں مانتا ہے۔ پہلا فرقہ حدیث خلافت دوازہ گانہ کے تقاضا کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابوبکر سے سلسل طور پر بشمول یزید اتنے اور خلفائے بنی امیہ سے اپنے خلفاء کو انتخاب کر لیتا ہے کہ اس کے خلفاء کی تعداد بھی حدیث خلافت دوازہ گانہ کے مطابق گیارہ ہو جاتی ہے حدیث خلافت دوازہ گانہ ایسی حدیث ہے جو قبول کردہ شیعہ اور سنی دونوں کی ہے۔ اس حدیث کے صحیح ہونے میں فریقین کو اختلاف نہیں ہے مگر فریقین اپنے اپنے خلفاء اپنے اپنے طور پر شمار کر لیتے ہیں۔ شیعہ بعد حضرت رسول صلعم کے حضرت علیؑ سے لیکر حضرت امام آخر الزمان تک اپنے اپنے حضرات ائمہ اشاعہ عشر کو برحق جانشین آنحضرت صلعم کے اور امام جانتے ہیں۔ اہل سنت بھی حضرت امام آخر الزمان کو خلیفہ حضرت رسول صلعم اور امام آخر جانتے ہیں اور اس اقرار سے اُنکے خلفاء کا عدد بھی بارہ پورا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی عقیدہ اہل سنت کا ہے کہ خلیفہ اور امام منجانب اللہ مقرر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف عقیدہ شیعہ کا ہے۔ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق تقریباً خلیفہ اور امام برحق کی یا اجماع یا استخلاف یا شورہ یا غضب و قہر کی بنا پر عمل میں آتی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر اجماع و حضرت عمر استخلاف و حضرت عثمان شورہ و امیر معاویہ غضب و قہر کی بنا پر خلیفہ برحق اور امام قرار پائے البتہ حضرت امام آخر الزمان کی خلافت اور امامت میں اہل سنت کا اصول خلافت و امامت ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے ظاہر اہل سنت امام آخر الزمان کی خلافت و امامت کو من جانب اللہ مانتے نظر آتے ہیں۔ یہ کچھ عجیب بات ہو کہ ایک حضرت امام آخر الزمان کی خلافت و امامت تو خلافت و امامت من جانب اللہ ملنی جاتی ہے اور قبل کے جتنے خلفاء اور ائمہ اہل سنت کو بنی خلیفہ و امام منجانب اللہ مانا جائے ہیں اس اقرار کو بعد بھی حضرت شیخین

حضرت امام آخر الزمان سے افضل سمجھے جاتے ہیں۔ اہل سنت کی یہ بھول بھلیان فہم انسانی سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ حضرات اہل سنت کی شرط خلافت حقہ بھی کچھ عجب رنگ رکھتی ہے۔ حضرت ابوبکر سے لیکر امیر معاویہ تک خلافت کا کوئی خاص قاعدہ نظر نہیں آتا ہے۔ حضرت ابوبکر اجماع کے ذریعہ سے خلیفہ برحق قرار پائے۔ لازم تھا کہ یہی قاعدہ اجماع کا تقرری خلیفہ آئندہ پر بھی برتا جاتا ہندوستان کے انگریزی دان اہل سنت ایکشن ایکشن کی صدا بلند کیے رہتے ہیں۔ لیکن خود حضرت ابوبکر نے مرتے وقت اس قاعدہ کو توڑ کر حضرت عمر کو استخلاف کے رو سے اپنا خلیفہ بنا ڈالا۔ اول تو حضرت ابوبکر کا اجماع ہی ناقص شکل تھا دوم یہ کہ حضرت ابوبکر کے فعل بالا سے اس ناقص اجماع کا مضمون بھی گاؤ خورد ہو گیا۔ پھر جب حضرت عمر رحلت فرمانے لگے تو حضرت عثمان کے خلیفہ بنانے کے لیے شورہ کی صورت پیدا کر دی۔ پھر جب امیر معاویہ نے خلافت حضرت امام حسنؑ سے چھین لی تو آپ کو خلافت حقہ غضب و قہر کے ذریعہ سے حاصل ہو گئی اور یہ شرط غضب و قہر کی امیر معاویہ کی خلافت حقہ کے لیے ایک جید شرط مانی جاتی ہے۔

ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب کو جس طور پر خلافت حاصل ہو گئی اس طور کا نام شرط خلافت حقہ رکھا گیا ہے۔ تماشا ہے کہ یزید میں دو شرطوں کا اجتماع بین طور پر نظر آتا ہے۔ امیر معاویہ یزید صاحب کے حق میں استخلاف کی کارروائی عمل میں لائے اور اہل سنت کے نزدیک دو غیر بنی ہاشم کے مجتمع ہو جانے سے اجتماع ہو جاتا ہے یزید صاحب کے لیے تو شام کا شام ہی اجماع کا حکم رکھتا تھا۔ پس یزید میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں کی شرط ہائے خلافت کا اجتماع دکھائی دیتا ہے۔ تعجب ہے اُن اہل سنت سے جو امیر معاویہ تک کو تو خلیفہ برحق مانتے ہیں مگر یزید کی خلافت امامت حقہ سے انکار رکھ کر اور افراد کو اپنے خلفاء اور ائمہ قرار دیتے ہیں۔ یزید کو مجر و فاسق و فاجر ہونیکے بنیاد پر زمرہ خلفاء سے خارج کر ڈالنا مذہب اہل سنت کے اصول خلافت سے بعید نظر آتا ہے خلیفہ کا گورا اور کالا کیا۔ کوئی بھی کسی شرط خلافت کے حاصل رہنے کے ساتھ زمرہ خلفاء برحق سے خارج نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لازم ہے کہ منکران یزید یزید کی حق تلفی سے توبہ کر کے آپ کو اپنے زمرہ خلفاء برحق میں شامل کر لیں۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز امر ہے کہ سنی منکران یزید امیر معاویہ کے بڑے تمسک میں کیا امیر معاویہ کوئی بے گناہ شخص تھے۔ علاوہ خون امام حسنؑ کے آپ نے اور بھی بہت خون کیے ہیں جیسا کہ راقم اس کتاب مناظر المصائب میں دکھلا چکا ہے۔ علاوہ اس کے آپ کی غداری مکاری حیلہ بازی سیرجی وغیرہ کی ایسی صفتیں اہل سنت کی کتابوں میں دیکھی جاتی ہیں کہ کوئی عقل والا

انہیں حضرت رسول صلعم کا خلیفہ برحق اور ناما وقت مان سکتا ہے۔ امیر معاویہ کو خلیفہ دامام برحق ماننا اور یزید کو ایسا نہ ماننا کچھ عجیب مضمون ہے۔ حق یہ ہے کہ جیسے امیر معاویہ ویسے یزید صاحب۔ پدر نام دار و پسر نامجو۔ ایک صاحب کو حضرت رسول اللہ صلعم کا خلیفہ برحق اور امام ماننا اور دوسرے صاحب کو بلا وجہ ایسا نہ ماننا تا متر خلاف عقل ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جو یزید کے دست پاک پر بیعت کر لی تو آپ کو حضرت رسول کا خلیفہ برحق اور امام وقت سمجھ لیا ہوگا۔ علاوہ حضرت عبداللہ کے بہت سے ممتاز امتیان محمدیؐ نے یزید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ پس ضرور ہے کہ حضرات اہل سنت سے جو حضرات یزید صاحب کی خلافت حقہ اور امامت سے انکار رکھتے ہیں اپنے عقیدہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ان حضرات کی سنت میں کسی طرح کا نقص نہ دکھائی دے۔ واضح ہو کہ حضرات اہل سنت کے عقائد بالاکچھ ایسے ہی ہیں کہ انہیں کوئی مسلمان واقفیت حقیقت کے ساتھ تصب سے بری ہو کر اور حق و باطل کی تیز رکھ کر ہرگز برگز قبول نہیں کر سکتا ہے۔ جب عام مسلمانوں سے کوئی شخص صاحب فہم عقائد بالاکچھ پابندی عمل میں نہیں لاسکتا ہے تو ایسا کوئی سید جسکو اپنے خاندان کے ائمہ معصومین کے حالات و معاملات سے باخبری قائل ہے اور بھی تلقین دنیوی سے محظوظ ہے کیونکہ اہل سنت کے عقائد بالاکچھ قرین حق سمجھ کر اختیار کر سکتا ہے۔ پس سید سنی نہ باشد کا مضمون تا متر قرین صحت نظر آتا ہے۔ حضرات اہل سنت میں مختلف درجہ کے عقائد رکھنے والے نظر آتے ہیں۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کی حقیقت خلافت کے قائل تو سب ہی اسنت ہوتے ہیں۔ اس اقرار سے تو کسی سنی کو چارہ نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر ایک طبقہ ہے۔ جو حضرت علیؓ کو ان حضرات خلفاء پر تفضیل دیتا ہے اور اس لیے تفضیلیہ کہلاتا ہے۔ یہ طبقہ شیعوں کی طرح خبیث پاک اور چارہ درہ معصوم کا بھی عقیدہ رکھتا ہے اور امیر معاویہ کی خلافت حقہ اور امامت کا منکر بھی ہے مگر تماشایہ ہے کہ یہ طبقہ حضرات پیران پیر کا متمسک ہو کر بھی امر تفضیل میں آپ کے ارشادات سے تمام تر انحراف ورزی کرتا ہے۔ اس طبقہ کے معاملات و عبادات اکثر حنفی یا شافعی مذہب کے مطابق پائے جاتے ہیں اور معاملات و عبادات ائمہ خاندان پیغمبر صلعم سے تا متر سرکاری رکھتے ہیں۔ اس مذہب کے بے تکہ پن کی بحث راقم نے اپنی تصنیف مصلح الظلمین حوالہ قلم کر دی ہے۔ دوسرے طبقہ اہل سنت کا وہ ہے کہ حضرت شیخین کی تفضیل کا قائل ہے بلکہ حضرت علیؓ کو حضرات خلفائے ثلاثہ سے ہمہ وجہ مفضول جانتا ہے۔ فرقہ شروط خلافت کی پابندی سے امیر معاویہ کی خلافت حقہ اور امامت کا بھی قائل ہے اور امیر بالاکچھ برحق خلیفہ بنجم ماننا ہے۔ اس اقرار سے تو کسی اہل سنت کو

چارہ نہیں ہے مگر امیر معاویہ کے بعد یزید کو بھی ایک فرقہ اہل سنت کا خلیفہ برحق اور امام مانتا ہے اس طبقہ کے افراد یعنی یزید کو خلیفہ برحق اور امام ماننے والے ہندوستان یا صوبہ بہار میں کم ہیں۔ لیکن امیر معاویہ کو خلیفہ برحق اور امام ماننے والے تو سب ہی اہل سنت ہیں حتیٰ کہ وہ سادات بھی جنھوں نے مذہب اہل سنت کو اختیار کر لیا ہے یا چند پشت سے سنی چلے آئے ہیں ایسے حضرات امیر معاویہ کی خلافت اور امامت کا اقرار دل سے اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ اہل سنت کے مذہب کا تقاضا ہے۔ میں ذیل میں ایک سرگزشت حوالہ قلم کرتا ہوں جو بحث ہذا سے تاملتعلق رکھتی ہے۔

پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا ہو گا کہ راقم پٹنہ کالج میں تحصیل علوم انگریزی کرتا تھا۔ اس کے محلہ سبزی باغ میں راقم کا ایک خاندانی گھر تھا کہ اس کے نصف میں راقم رہتا تھا اور اس کے دوسرے نصف میں راقم کے بڑے چچا نواب میر نجم الدین صاحب مرحوم۔ حضرت ممدوح مذہب متصوفین رکھتے تھے اور اسی مذہبی لگاؤ سے بہت سے حضرات متصوفین ہر طبقہ کے جناب عمویہ صاحب کے دائرہ دولت پر مجتمع ہوا کرتے تھے۔ حضرت عم غفران مآب مذہب تفضیلیہ رکھتے تھے اور غایت ولایہ اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے امیر معاویہ صاحب کی کسی قسم کی بزرگی کے معترف نہ تھے۔ کچھ عرصہ تک تو یہ ہسم صحبتی حضرات متصوفین کی بامراد طور پر چلی۔ لیکن ایک دن چچا صاحب نے اپنے کسی ہم صحبت سے فرمایا کہ میری صحبت میں ذکر امیر معاویہ صاحب کا فرمائیے۔ اس ارشاد کے مخاطب الیہ تو خاموش ہو بیٹھے مگر ایک متصوف صاحب جو حضرت عم مرحوم کے ہمسایہ اور بھی باقاعدہ سنی تھے چلا آئے کہ ذکر امیر معاویہ صاحب کی مانعت چہ معنی دارد۔ یہ بزرگ سادات سے تھے مگر تقاضا مذہب سے ولایہ امیر معاویہ میں سرشاری کا درجہ رکھتے تھے۔ ذکر امیر معاویہ کی مانعت کو سنکر بدحواس ہو گئے۔ حالت غیظ میں اُس مجلس متصوفین سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ جب امیر معاویہ کا ذکر ہی نہیں تو پھر سنیت کیا باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد میر صاحب نے حضرت عم سے قطع تعلق کر ڈالا اور اس معاملہ کی خبر جناب شاہ علی حبیب صاحب کو جو وقت کے سجادہ نشین پھلوار سی کے تھے ی۔ جناب شاہ صاحب نے حضرت عم کو اس بارے میں بہت ہدایت کی اور لکھ بھجوا کہ مذہب اہل سنت میں حضرت معاویہ برحق خلیفہ پنجم ہیں اور ان خلیفہ صاحب سے خوش عقیدگی تاملتعلق تقاضاے مذہب اہل سنت کے مطابق ہے۔ جناب شاہ علی حبیب صاحب مذہب اہل سنت کے ایک عالم جید تھے اور تقاضاے مذہب اہل سنت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ مگر آپ کے ارشاد تحریری کو حضرت عم نے قبول نہ فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر جناب شاہ صاحب

اور حضرت عم بن بحریری مناظرہ شروع ہو گیا حضرت عم نے دو چار سالے میر معاویہ کے خلاف میں لکھے اور جناب شاہ صاحب نے وہ کتاب جلیل تصنیف فرمائی جس کا نام نامی اسوہ حسنہ ہے۔ خلاصہ اس اختلاف باخود ہا کا اسی قدر تھا کہ حضرت عم فرماتے تھے کہ ”امیر معاویہ نہ خلیفہ رسول اللہ اور نہ کیسیط پر قابل عظمت تھے“ اس کے برخلاف جناب شاہ صاحب یہ فرماتے تھے کہ ”امیر معاویہ برحق خلیفہ خیم تھے اور ہر اہل سنت کو آپ کے دینی مرتبہ کا معترف ہونا چاہیے۔ اہل سنت ہو کر کوئی شخص حضرت معاویہ کی خلافت حقہ اور امامت کا منکر نہیں ہو سکتا ہے“ یہ جھگڑا جب طول کھینچ گیا تو جناب شاہ صاحب کے مریدوں اور عقیدت مندوں نے جناب شاہ صاحب کی طرح مناقب و محامد امیر معاویہ کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا اور اُسی درجہ توہین و تذلیل حضرت علیؑ میں کو شان ہوتے رہے۔ اسی زمانہ میں جناب قاضی مولوی سید نو الحسین صاحب خان بہادر مرحوم صدر الصدور نے یہ اٹھا کر ذیل حوالہ ظلم فرمائے تھے۔

اکہی این چه غوغا صبح و شام است سوادِ پٹنہ شاید ارضِ شام است
کسی را در بیانِ فضلِ شیخین بہ توہینِ علیؑ صدا ہتام است
معاذ اللہ ازین بے راہہ رفتن علی مرتضیٰ آخر امام است

ظاہر ہے کہ سوادِ پٹنہ سے مراد صدر الصدور صاحب کی قصبہ پھلواری ہے جو سوادِ پٹنہ کا حکم رکھتا ہے۔ بہر حال راقم کی اطلاع کے مطابق جناب شاہ صاحب نے اسوہ حسنہ میں کوئی ایسی بات نہیں تحریر فرمائی ہے جو مذہب اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف نظر آتی ہے۔ اہل سنت کو امیر معاویہ کے خلیفہ اور امام مانے جانے سے چارہ نہیں ہے پس حضرت عم کو سنی مذہب ہو کر جناب شاہ صاحب کے بطرز بالا اختلاف کرنا قرین صواب نہ تھا۔ اگر جناب معذور نے امیر معاویہ سے انحراف و ورزی اختیار کی تھی تو سنی اپنے کو کسکر جناب شاہ صاحب سے مقابلہ کرنا نہ تھا۔ کوئی شک نہیں کہ اس ہنگامہ میں جناب شاہ صاحب برسرِ حق تھے۔ کوئی شک نہیں کہ جناب شاہ صاحب نے اپنی تصنیف میں سنیّت کی بڑی داد دی ہے۔ ابتدا ہی سے حضرت والا نے اس داد گسٹری کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ عام مصنفین کے برخلاف علیؑ آلہ و اصحابہ کی جگہ حضرت رسول صلعم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں علیؑ اصحابہ و آلہ زبیر رقم فرمایا ہے۔ یعنی آلہ پر اصحابہ کو مقدم کر دیا ہے۔ بہر حال یہ کتاب از اجداد انتہا بڑی اطلاع علمی کے ساتھ تصنیف ہوئی اور مذہب اہل سنت کی پوری جگہ طوہ گری کا منظر دکھلاتی ہے۔ جناب حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ کے قبل کے حضرات سجادہ نشینان پھلواری مذہب اہل سنت میں

تفصیل علی کا داغ لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ تفضیلیہ ہونے کی نسبت اُن بزرگواروں کی طرف کی جاتی تھی۔ مگر جناب شاہ صاحب مدوح نے اپنی تصنیف جلیل سے اس دلع کو پورے طور پر مٹا ڈالا ہے اور اب اکثر بزرگان پھلوا ری ماشاء اللہ پورے طور پر تقاضائے مذہب اہل سنت کے پابند نظر آتے ہیں یعنی جیسا کہ اہل سنت کو ہونا چاہیے ویسے ہی ہیں۔ راقم کے خیال میں مسلمان یا سنی یا شیعہ ہو سکتا ہے۔ دونوں کے مذہب اپنے اپنے اصول رکھتے ہیں۔ مگر مذہب تفضیلیہ کسی اصول کا پابند نہیں نظر آتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جناب شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی کتاب اسوۂ حسنہ مذہب اہل سنت کا وہ رنگ دکھلاتی ہے جو مذہب اہل سنت کا حقیقی رنگ ہے۔ بالخصوص تصنیف جلیل حضرات اہل سنت کے لیے ایک بھاری کارنامہ کا حکم رکھتی ہے اور ایسی ہی ہے کہ کسی اہل سنت کو اُس سے روگردانی کی وجہ نہیں ہو سکتی ہے۔ راقم اس کتاب لاجواب کی تصنیف کے وقت مذہب اہل سنت رکھتا تھا مگر تقاضا تھا۔ طبیعت سے تحقیق حق کی طرف اُسے میلان عظیم بھی تھا۔ مذہب کا فیصلہ درمیان مذہب عیسائی اور مذہب اسلام کے کرچکا تھا۔ اور اب فرقہ ہائے اسلام کے مذہبوں کی حقیقتوں کی دریافت میں مشغول تھا۔ جب ہنگامہ بالاسیری باغ اور پھلوا ری شریعت میں درمیان حضرت عم غفران کا ب اور جناب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے برپا ہوا تو فریقین کی نزاع پر نظر غور ڈالنے سے راقم پر ناریا ہو گیا کہ حضرت عم سرگیا ایک غلط پہلو اختیار فرمائے ہوئے تھے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ صاحب تقاضائے مذہب اہل سنت کی بنا پر برحق تو مذہب اہل سنت رکھ کر میرجاوید کی خلافت و امامت سے گریز ایک بے معنی امر ہے۔ راقم چونکہ ہنگامہ بالالامین کوئی فریق کی حیثیت نہیں رکھتا تھا اس لیے آسانی کے ساتھ امر بالا کا فیصلہ اپنے لیے بطریق بالا کر سکا۔ لیکن جناب شاہ صاحب قدس سرہ کی تصنیف جلیل کے مضامین پر نظر غور ڈالنے سے راقم اسکا بھی فیصلہ کر سکا کہ مذہب اہل سنت کی بنیاداً متراخلاف و عناد و عداوت اہل بیت علیہم السلام پر واقع ہوئی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس تصنیف گرامی کے ہدایات کی پابندی کسی ایسے سید سے نہیں ہو سکتی ہے جسکو داعیہ العطایا نے علم و فہم و عدل و تمیز نیک و بد و قوت موازنہ کی لبت بخشی ہے۔ صفات بالا کے مہبوب ہونے پر کوئی غیر سید بھی اُن ہدایات کا پابند نہیں ہو سکتا ہے وہ ہدایات ایسے ہی ہیں کہ مجرد حضرات اہل سنت کے لیے زیب رقم ہو ہی ہیں اسی لیے عام طالبان تحقیق بے بے سروکاری کے حکم رکھتی ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۹

سر سید احمد خان اور خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علیؓ

کتاب ”خطوط سر سید“ کے صفحہ ۸۳ میں سر سید علیہ الرحمۃ کی تحریر ذیل دیکھی جاتی ہے
”خلافت کی نسبت بحیثیت انتظام ملکی کیا لکھا جاوے اور کون لکھ سکتا ہے۔ میں تو ان صفات کو
جو ذات نبوی میں جمع تھیں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں ایک سلطنت اور ایک قدوسیت
اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی۔ دوسری کی خلافت حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کو مگر یہ کہ مدینہ
تو آسان ہے مگر کس کو جرات ہے کہ اس کو لکھے۔ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو خراب کر دیا۔
حضرت ابو بکر تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے۔ پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت
کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا زیر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے جو ہوا سو ہوا جو گزرا سو گزرا“
سر سید فرماتے ہیں کہ ”خلافت کی نسبت بحیثیت انتظام ملکی کیا لکھا جائے اور کون
لکھ سکتا ہے“ راقم کو قول بالا بہت وزن دار نہیں دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے کہ جس نے مکتب میر
و تاریخ و صحف و تورات و اناجیل و کتب احادیث و تفاسیر و کتب علم تمدن کے ذرائع سے حضرت
رسول کے معاملات تمدنی و ملکی بنی امیہ و معاملات بنی تیم و معاملات بنی عدی و نیز معاملات دیگر
قبائل عرب پر اپنی توجہ مبذول رکھی ہے اور عہد حضرت رسول کی ہم عصر سلطنت ہائے دنیا اور
اقوام مختلفہ کے معاملات سے اطلاع پانے کی شکل پیدا کی ہے تو ویسا شخص خلافت کی نسبت بحیثیت
انتظام ملکی بہت کچھ حوالہ قلم کر سکتا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ خود سر سید ایسے شخص تھے کہ جو اس طرح کی تحریر پر پوری قدرت رکھتے تھے
مگر کوئی شک نہیں کہ ایسی تحریر حضرت ممدوح کے اعراض و مقاصد کے خلاف میں نتیجہ پیدا کرنیوالی
ہوتی۔ اسی لیے حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر کی نسبت دینی زبان کے ساتھ
کچھ اظہار خیال کر کے فرماتے ہیں ”پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ
تحریرات کا زیر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے جو ہوا سو ہوا جو گزرا سو گزرا“ ظاہر ہے کہ یہ ایسی

تحریر ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی نسبت طرح طرح کے خدشے پیدا کرتی۔ ایسی تحریر سے شخص ناواقف کے دل میں حقیقت حال سے واقف ہو جانے کی ایک بڑی ٹہل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے سراسر سید کی ہدایت بالا ایک ایسی ہدایت ہے کہ جسکی تمیل فن تاریخ نگاری کی مسدود و معدوم کرنے والی نظر آتی ہے۔ اسی طرح سراسر سید کے آخر کے یہ دو جملے کہ ”جو ہوا سو ہوا اور جو گزرا سو گزرا“ کچھ ایسے ہی ہیں کہ جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ دال میں کالا کالا ہے۔ ظاہر سراسر سید کی ممانعت بالا کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امور بالا کی نسبت سراسر سید کو اخفا حق یا حق سے چٹم پوشی کی ضرورت لاحق تھی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جناب ممدوح اپنی حق آگین تحریرات سے کچھ بھی اظہار حق پر مائل ہو جاتے تو علیگڑھ کالج ہرگز ہرگز وجود پذیر نہ ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ کالج زیادہ ایسے ہی حضرات کے رویہ سے وجود میں آیا ہے کہ جن کے عقائد مذہبی اس وضع کے تھے یا ہیں اگر سراسر سید کچھ بھی حق نگاری کا جلوہ دکھلا دیتے تو سراسر سید کے سارے منصوبے پست ہو جاتے اور خس برباد بھی کسی طرح کی کامیابی سراسر سید کو نصیب نہ ہو سکتی۔ واضح ہو کہ بہت ہی مختصر طور پر جو کچھ سراسر سید خلفائے اربعہ کی نسبت بالالین رقم فرمائے ہیں وہ ایسی تحریر ہے کہ تقاضاے مذہب اہل سنت سے منزوں دور ہے۔ مذہب اہل سنت یہ ہے کہ حضرت عثمان حضرت علیؓ سے اور حضرت شخین حضرت عثمان اور حضرت علیؓ دونوں سے من جمیع الوجہ افضل ہیں جیسا کہ تفصل شخین کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے۔ سراسر سید کی یہ تحریر کہ حضرت عثمان نے سب جزوں کو خراب کر ڈالا میں طور پر عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ اس پر بھی شک نہیں کہ سراسر سید کا قول بالا واقعات کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے۔ تب قول سراسر سید پر یہ سوال طبعی طور پر وارد ہوتا ہے کہ ایسے شخص جیسے حضرت عثمان تھے خلیفہ برحق مانے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں یا نہیں کیا خلیفہ برحق کا یہی کام ہے کہ اسلام کے سب جزوں کو خراب کر ڈالے اور پھر خلیفہ کا خلیفہ بنا بیٹھا رہے۔ حضرت عثمان کے معاملات پر نظر ڈالنے سے تعجب بالاسے یہ تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو بقول سراسر سید رسولؐ کی سلطنت رانی کے وارث تھے حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر کیے جانے میں اس قدر عرق ریزی کیوں کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کو اپنا جانشین بنانے میں کوئی دقیقہ چال کا اٹھا نہیں رکھا۔ کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر کیے جانے کا سامان نہیں کر جاتے تو عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان کے خلیفہ قرار پانے پر قادر نہ ہو سکتے حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ حضرت عثمان کس طرح کے آدمی تھے۔ اس پر بھی ایسے ناقابل شخص کو خلیفہ بنانا کچھ عجیب مضمون ہے کوئی شک نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ سا پاک و صاف

دماغ رکھتے تو حضرت عثمان کو خلافت سے منزلوں دور رکھتے۔ حضرت رسول واقعی نہایت اعلیٰ درجہ کا پوپٹکل دماغ رکھتے تھے اور ہمیشہ آن صلعم کی رائے پر سرحدواب جو اکریتی تھی۔ آپ سچے انداز کے ایک بڑے پولیٹیشن تھے۔ آپ کی سلطنت رانی کی نگاہ نہایت وسیع اور حق بین واقع ہوئی تھی حضرت عمر کے دماغ کو حضرت رسول کے دماغ سے کسی طرح نسبت حاصل نہ تھی۔ حضرت رسول اور حضرت عمر کے دماغ کا فرق صلعم حدیبیہ کے معاملات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حضرت عمر کو حضرت رسول کا دماغ مودع ہوا ہوتا تو حضرت عثمان کے خلیفہ قرار پانے میں حضرت خلیفہ ثانی ایک جو برابر کو شش نہیں کرتے۔ ایک ناقابل شخص کے خلیفہ بنانے میں اس قدر کا اہتمام چھ معنی دارد۔ امر واقعی یہی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عثمان کے خلیفہ بنائے جانے میں خلافت یا سلطنت عرب کے کسی طرح کے نفع کو مد نظر نہیں رکھا۔ آپ کی ساری غرض یہ تھی کہ حضرت علی اور بنی ہاشم خلافت سے دور رہ کر ہمیشہ کے لیے مبتلائے ذلت رہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر وسیع نظر کے سلطنت ران ہوتے تو حضرت علی اور بنی ہاشم کی تخریب کی غرض سے ایسے پوچ کام کی طرف مائل نہ ہوتے۔ راقم نے حضرت عثمان کی طرح طرح کی عجائب الحکرات بیان اس کتاب مناظر المصائب میں درج کی ہیں۔ البتہ سر سید کا یہ تحریر فرمانا کہ حضرت عثمان نے سب جزدوں کو خراب کر دیا تا مریض صبح اور بچا ہے۔ لیکن حضرت عثمان کی عجائب الحکرات یوں سے بھی اعجب العجائب امر یہ ہے کہ حضرت عمر نے بمقابلہ حضرت علی یا کسی دوسرے قابل خلافت شخص کے حضرت عثمان کی خلافت یا بی کیلئے کوئی دقیقہ کو شش کا اٹھا نہیں رکھا۔ حضرت عمر کی نسبت جو سر سید رقم فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت رسول کی قابلیت سلطنت رانی کی پائی تھی غلط محض ہے۔ حضرت عمر صرف چال کے آدمی تھے۔ اگر آپ میں سلطنت رانی کی قابلیت تھی تو وہ حضرت رسول کے درجہ اور ترکیب کی نہ تھی۔ حضرت رسول پولیٹیشن کی حیثیت میں بھی بہت عالی دماغ اور وسیع النظر تھے۔ فرق حضرت رسول اور حضرت عمر کی پالیٹکس کا معاملات بنی امیہ پر نظر ڈالنے سے آسانی کے ساتھ درک ہوتا ہے۔ حضرت رسول نے اس قبیلہ ملعونہ کو خوب سمجھ دیا تھا۔ یہ حضرت رسول کی نہایت باصواب پالیسی تھی کہ بنی امیہ سرکوب نہ رہیں۔ چنانچہ دس برس کی محنت میں آنحضرتؐ نے اس کجعت قبیلہ کو ایسا کر دیا تھا کہ ان میں سلطنت کی کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی قیام مدینہ کے زمانہ میں حضرت رسولؐ نے جنگ بدر و جنگ احد و جنگ خندق اور حنین میں ایسی ایسی شکستیں ڈالیں کہ حیدری کے وسیلے سے مفسدان بنی امیہ اور بھی دیگر قبائل عرب کو دین کہ بنی امیہ کوئی شے نہیں رہے۔ حق یہ ہو کہ

دنیا شیاطین سے پاک ہو گئی تھی۔ مگر حضرت رسول کی رحلت کے بعد ہی حضرت عمر نے قبیلہ بنی امیہ کے مردہ جسم میں ایسی تازہ روح پھونک دی کہ عرصہ قلیل میں بنی امیہ مالک خلافت ہو گئے۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام میں یہ دوسری پولیٹیکل غلطی حضرت عمر سے سرزد ہوئی، آپ کی پالیسی حضرت رسول کی پالیسی سے تواتر بضد واقع ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت عرب انار سے کبھی خالی نہ رہ سکی۔

راقم نے معاملات بالا کو کسی قدر تصریح کے ساتھ اس کتاب مناظر المصائب میں درج کیا ہے طالبان اطلاع ملاحظہ فرمالین۔ سرسید کا یہ تحریر فرمانا بھی کہ حضرت ابو بکر تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے۔ تواتر راستی سے ملو ہے۔ راقم کو اب تک پتہ نہیں لگا ہے کہ آپ کس مرض کی دوا تھے۔

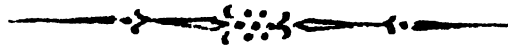


ضمیمہ نمبر ۱

جسٹس سید محمود صاحب مرحوم اور مذہب امامیہ

جسٹس محمود بڑے صاحبزادے نواب جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سید احمد خان صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما۔ خاندانی مذہب دونوں بزرگوار کا بتجیت سلاطین دہلی سنی تھا۔ سید صاحب غیر مقلدین سے تھے جیسا کہ مدوح کی تحریر سے ہو رہا ہوتا ہے۔ مگر جسٹس صاحب کا مذہب بعد تحقیقات تبلیغ کے امامیہ ہو گیا تھا جیسا کہ مدوح کے صاحبزادے نواب اس مسعود صاحب مسعود جنگ کی زبانی راقم کو دریافت میں آیا ہے۔ نواب صاحب موصوف نے چار سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ مقام حیدر آباد دکن میں باطنیان تمام مجھ سے فرمایا تھا کہ ”والد مرحوم نے مذہب امامیہ کے مذہب حق ہونے کے ثبوت میں ایک کتاب ہزار ورق فولسکیب کاغذ کی زبان انگریزی میں تحریر فرمائی تھی مگر وہ کتاب چھاپے جانے کے پہلے ہی جلا ڈالی گئی۔ سرگزشت اس کے ضائع ہو جانے کی یہ ہے کہ والد مرحوم اپنے آخر زمانہ نجات میں دلی سے باہر ایک ایسے مقام میں جا کر رہے تھے جو مسکن جناب مرحوم کے عزیزوں کا ہے۔ جناب مرحوم کی صحت خراب ہو چکی تھی پس تھوڑے ہی دنوں میں جناب مرحوم اسی مقام میں ودیعت حیات فرما گئے۔ آخر شعل جناب مرحوم کا اسی انگریزی کتاب کی تصنیف کا تھا۔ ہزار ورق تصنیف فرما چکے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت آگیا۔ عزیزان جناب مرحوم ویسے ہی سخت سستی تھے جیسا کہ دلی کے سنی ہوا کرتے ہیں۔ آپ کے عزیزوں نے جناب مرحوم کے رحلت فرماتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ آپ کی اُس انگریزی تصنیف کو آگ میں ڈال دیا۔“ نواب مسعود جنگ صاحب بڑے افسوس کے ساتھ مجھ سے فرماتے تھے کہ ”نہیں معلوم کیسے کیسے نکات والد مرحوم اُن ہزار ورق میں حوالہ قلم کر چکے تھے اور بڑی جائے حسرت یہ ہے کہ اسلامی پبلک کو اُن سے استفادہ کی شکل پیدا نہ ہو سکی۔“ راقم کہتا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون واقعی حضرات اہل سنت کے تعصب کی حد نہیں نظر آتی ہے۔ یہ ضل احراق جو عزیزان جسٹس صاحب سے ظہور میں آیا کہ قدر و حیثیت انداز رکھتا ہے اور کس قدر آپ کی تنگ چشمی اور حق کشی کی خبر دیتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جسٹس صاحب اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی طرح ایک بڑے صاحب دماغ بزرگ تھے نہ میں معلوم کیا کیا مضامین عالی مذہب امامیہ

کے برحق ہونے کے اثبات میں حوالہ قلم فرمائے ہوں گے۔ راہِ ری ناقدِ شناسون کی سنیت۔ اس واقعہ پر نظر ڈالنے سے مصر کے کتب خانہ کا احراق قریب عقل معلوم ہوتا ہے۔ یہ سنیت بلاشبہ تمام تر سنتِ عمری کا جلوہ دکھلاتی ہے۔ اگر خانہِ وفا طمہ بھی اس وقت میں موجود ہوتا تو عزیزانِ حبش صفا مرحوم ایک اور سنتِ عمری کو بھی ادا کر ڈالتے۔ کیا غضب کی بات ہے کہ حبش صاحب کی تصنیف کے جملانے والے سندی سادات کرام سے تھے۔ اس فعل سے زیادہ اقیح فعل بنی اُمیہ سے بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنی سادات کم سے کم افراد بنی اُمیہ کا حکم رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے سادات اپنے دینی نیک و بد سے بے خبر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنا رحم مبذول فرمائے۔



ضمیمہ اول

مذہب اسلام کی تقلید سے چارہ نہیں

اہل اسلام کے مذہب کا مدار تقلید پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ مذہب علیؑ یعنی مذہب اہل بیت اور مذہب زید ابن ثابتؓ یعنی مذہب اہل سنت والجماعت دونوں میں تقلید کی پابندی پورے طور پر دیکھی جاتی ہے۔ البتہ اہل حدیث یعنی حضرات و ہابی تقلید سے انکار رکھتے ہیں اور اس لیے غیر مقلد کہلاتے ہیں۔ ہر دو مذہب بالا کو تقلید سے تعلق دینی اسلام یعنی آن صلعم کے وقت ہی سے نظر آتا ہے۔ لیکن تقلید سے بے تعلق کا غلغلہ سرن چار سو برس سے کچھ زیادہ ہوا ہو گا کہ ظہور میں آیا ہے۔ اس کے پہلے کسی فرقہ اسلام کو تقلید سے بے سروکاری نہیں رہی ہے یعنی ہر فرقہ اسلام پابند تقلید رہا ہے۔

مذہب امامیہ کی تقلید کی پابندی کی یہ صورت رہی ہے کہ عہد حضرت رسالت مآب میں خاندان پیغمبر حضرت رسولؐ کی تقلید ہر طرح کے مذہبی امور میں کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد بنی ہاشم اور دوستان بنی ہاشم حضرت علیؑ کی تقلید کرنے لگے حضرت علیؑ کی تقلید اس بنا پر ایسے لوگوں نے اختیار کی کہ ایسے لوگوں نے حسب ارشاد نبوی حضرت علیؑ کو متصرف بہ امور دنیا و دین مان لیا تھا۔ پھر حضرت علیؑ کے بعد حدیث خلافت و امامت دو ازادہ گانہ کی بنا پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی تقلید بنی ہاشم اور دوستان بنی ہاشم یعنی حضرات امامیہ کرنے لگے اور یہ سلسلہ ان کی تقلید کا تا امام حسن عسکری علیہ السلام طاری رہا۔ ان ائمہ اطہار علیہم السلام کے بعد ان کا یعنی حضرات امامیہ کا سلسلہ تقلید آج تک قابل تقلید علمائے بنی حضرت مجتہدین کے ساتھ جاری ہے اور اسی طرح آئندہ بھی جاری رہے گا۔

واضح ہو کہ عہد جناب رسالت مآب میں سنی یا شیعہ کے لقب سے مسلمان نہیں یاد کیے جاتے تھے۔ عام اس سے کہ کوئی مسلمان دوستدار بنی ہاشم یا مخالف بنی ہاشم تھا وہ تقلید حضرت رسول صلعم سے انکار نہیں رکھتا تھا گو اس سے تقلید نبوی انجام نہ پاسکتی ہو۔

آن صلعم کے بعد بنی ہاشم اور دوستان بنی ہاشم نے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے حضرت علیؑ کی تقلید اختیار کی اور مخالفان بنی ہاشم نے وہ راہ تقلید اختیار کی جو قائم کردہ حضرت عمرؓ کی ہوئی۔ یعنی امور مذہبی میں ایسے حضرات نے زید ابن ثابتؓ کی تقلید اختیار کی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس وقت تک حضرات اہل سنت حضرت شیخین کو امور اصولی کے مجتہد مانتے ہیں اور امور فروعی کے مجتہد ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک امام حنبلی کو جانتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مخالفان مذہب علیؑ بھی تقلید سے انکار نہیں رکھتے ہیں اور جس طرح حضرت امامیہ پابند تقلید ہیں اُس سے کم نہیں حضرات اہل سنت بھی تقلید کی پابندی کرتے ہیں۔

اب جو اتنی صدیوں کے بعد فرقہ وہابیہ نے ظہور پکڑا اس فرقہ نے مضمون تقلید کو اپنے گمان میں بالکل رخصت کر دیا ہے۔ یہ فرقہ نہ اہل تشیع اور نہ اہل سنت کے اماموں کو قابل تقلید سمجھتا ہے۔ اس فرقہ نے اپنے مذہبی امور کا مدار احادیث پر رکھا ہے۔ اس لیے اس فرقہ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس فرقہ کو اجتہادات ائمہ اہل تشیع و ائمہ اہل سنت سے بے وفائی ہو گئی تو اس سے چارہ نہیں نظر آتا ہے کہ اس فرقہ کا ہر فرد بشر صاحب اجتہاد ہو جائے۔ اگر بالفرض ہر وہابی شخص کو یہ قابلیت ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر شخص کا ایک خاص مذہب ہو جائے گا یہ تو ظاہر ہے کہ ہر جاہل وہابی عقلاً صاحب اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ تب وہ اس ضرورت سے خالی نہیں ہو سکتا کہ اپنے امور مذہبی کو کسی ذی علم وہابی صاحب کی طرف رجوع لائے پس وہ ذی علم شخص جو راہ بتلاوے اس کو اختیار کرے۔ ایسی صورت میں اُس جاہل وہابی کو تقلید کے پہلو کے اختیار کرنے سے چارہ نہیں ہو سکتا۔ پس جب تقلید ہی کا مضمون عود کرتا ہے تو امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام یا امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تصور کیا کہ اُن بزرگوں کی تقلید سے حضرات اہل حدیث اس قدر بیزار دکھلائی دیتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اگر تقلید کا مضمون ہوا کر دیا جائے تو اہل علم وہابیوں میں ہزاروں شخصی مذہب پیدا ہو جائیں گے اور اُن کے طبقہ و جہال میں وہی تقلید کا مضمون نمودار ہو جائے گا۔ جو اسلام کے معروف مذہبوں میں دیکھا جاتا ہے۔ سرسید احمد خان صاحب علیہ الرحمۃ جو لاریب مسلمانوں کے سچے ہی خواہ تھے مذہب کے روتے غیر مقلد تھے جیسا کہ مدوح کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ایسی قابلیت بھی رکھتے تھے کہ مدوح کو کسی ذی علم الحدیث کی طرف رجوع لانے کی حاجت نہ تھی۔ چونکہ تقلید کی پابندی آپ کو تقاضاے مذہب سے کچھ نہ تھی آپ نے مڑوڑی مرغی کو حلال کر دیا۔ یہ ایسا اجتہاد ہوا کہ اور حضرات اہل حدیث اس کی پابندی کرتے

نہیں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح قید تقلید سے رہا ہو کر ہر ذی قابلیت خیر مقلد ایسے ایسے اجتہاد کر سکتا ہے کہ ان کو دیگر اہل حدیث ناجائز سمجھ کر اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سرسید علیہ الرحمۃ تقلید سے استہداجتہاد نہیں رکھتے تو مڑوڑی مرغی کی حلت کے قائل نہ ہو سکتے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ آپ کا اجتہاد شخصی مذہب کا حکم رکھتا ہے۔ مگر مصلحت ملکی و قومی کی بنا پر اس کی حاجت ہے کہ اس طرح کے شخصی مذاہب رواج نہ پاجائیں۔ شخصی مذاہب کے ظہور سے مصالح ملکی و قومی میں بڑے بڑے خلل واقع ہو سکتے ہیں۔ سرسید تو اپنے اجتہاد کے زور پر مڑوڑی مرغی کھانے لگے۔ مگر اب ضرور ہوا کہ اہل حدیث اور دیگر طبقہ کے اہل اسلام بھی مدوح کے ساتھ کھانا پینا اور ہر طرح کی معاشرت ترک کر دیں۔ اگر اسی طرح کے اجتہادات کا ہجوم ہو جائے تو طرح طرح کی مذہبی اور اخلاقی درجہ و برہمی کا وقوع میں آجانا خلافت توقع نہیں نظر آتا ہے۔ اتحاد خالص کے لیے مذہب میں ہم خیالی کی بڑی حاجت ہے اس کے فقدان سے قوم قوم کا حکم نہیں رکھ سکتی ہے اس طرح کے شخصی اجتہادات سے طرح طرح کے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں۔ مرزا رفیع سودا نے اس طرح کے نتائج غیر اجتہادات کی نسبت کیا خوب شوک انگیز مضامین محسوس ذیل میں حوالہ قلم کیے ہیں۔

بگڑا ہے آج مجتہدون بیچ کیا نیل ملا لطیف بوئے کھانا روا ہے چل

کتاب ہے چاند خان کیا کن نے حرام نیل حلت پینڈ کی کی میان جی کو سودیل

اک سفر ایہ کتا ہے کتا حلال ہے

راقم کی دانست میں تقلید سے مذہب اسلام کو جائے گریز نہیں ہے۔ وہ حضرات جو تقلید کے منکر دکھائی دیتے ہیں ان کو بھی راقم تقلید سے کامترازا د نہیں پاتا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یا امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں تو وہابی ملایاں وقت کی تقلید سے وہابی صاحبان علم خالی نہیں دکھلائی دیتے ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۱۲

مذہب امامیہ ہر زمانہ میں ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے

واضح ہو کہ امور اصولی مذہب امامیہ میں پانچ ہیں اور فروعی چھ ہیں۔ امور اصولی ایسے ہیں کہ مجتہد کو ان میں دست اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور وہ توحید و عدل و نبوت و امامت و معاد ہیں۔ اسی طرح امور فروعی چھ ہیں یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ خمس اور جہاد۔ انہیں حضرات مجتہد تقاضا و ضرورت سے دست اندازی کا حق رکھتے ہیں۔ اس طرح کا اختیار رکھنے سے حضرات بالا اسلام کی روز افزون ترقی کا سامان آسانی کے ساتھ پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ ان حضرات کو امور دینی کی ترقی میں کمی طرح کا روک لاحق نہیں ہو سکتا۔ پس اس طرح کی افتاد مذہبی کی بدولت اسلام کسی زمانہ میں کسی قوم دنیا سے عام اس سے کہ کوئی قوم کسی قسم کا مذہب رکھتی ہو دینی یا دنیوی ترقیوں کے اعتبار سے پیچھے نہیں پڑ سکتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مجتہد وقت کو دنیا کے اقوام کی پولیٹیکل سوشل مارل اور مذہبی حالتوں سے پورے طور پر واقفیت حاصل ہو۔ اس کی لاعلمی کی حالت میں کوئی حضرت مجتہد اسلام کو بامراد طور پر نفع نہیں پہنچا سکیں گے اور تب اسلام اقوام دنیا کی ہر قسم کی ترقی کا مقابلہ کر سکے گا۔ دنیا ہر آن انقلاب پذیر ہے۔ ممکن ہے کہ جو حکم حضرت مجتہد کا کل نفاذ پایا ہو آج کے لیے وہ مناسب حال باقی نہ رہے۔ پس اجتہاد جدید کی ضرورت میں جائے کلام نہیں ہو سکتی۔ لاریب مجتہد وقت کے ایسے با اختیار رہنے پر اسلام پر مانع ترقی ہونے کا الزام عاید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اکثر اہل یورپ کا یہی خیال ہے کہ جب تک اسلام کو وجود ہے اہل اسلام ترقی کرنے والے اقوام دنیا کی برابری نہیں کر سکتے ان کے متعصب افراد تو یہ بیان تک کہتے ہیں کہ بنی آدم کی بھلائی کے لیے اسلام کو دنیا سے مندرس ہوجانا چاہیے۔ لیکن اگر مذہب شیعہ کا اصول قاعدہ کے ساتھ برتا جائے تو بلا گفتگو اسلام مانع ترقی ہونے کے عوض ہر طرح کی ترقی کا باعث ثلثت ہو سکتا ہے۔ میں ذیل میں ایک اپنی سرگزشت عرض کر رہا ہوں جس سے ہویدا ہوگا کہ مجتہدان وقت مذہب شیعہ کے وہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کے کسی فرقہ کے کسی ہادی سے وہ کام انجام نہیں پاسکتا ہے۔

چند برسوں کا عرصہ ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک بہادر سرسید ممدی علی خان صاحب بہادر

کے۔ سی آئی۔ اسی مرحوم و مغفور بائبل پور بشرف لائے۔ میں حاضر خدمت رہا۔ رونق افروز ہونے کے بعد ہی جناب مدح نے مجھ سے فرمایا کہ مد میرا عرصہ قیام یہاں بہت ہی مختصر ہوگا آپ میرے ہی کمرے میں استراحت فرمائیے تاکہ مکالمہ کی حسرت باقی نہ رہ جائے میں نے ایسا ہی کیا۔ دوپہر کا وقت تھا اور زمانہ گرمی کا۔ برقی پنکھے چل رہے تھے سامان آسائش ہر طرح کے موجود تھے۔ مگر باخود ہاکی گفتگو میں نہ نواب صاحب سوئے اور نہ راقم محسن الملک بہادر شیعہ سے سنی ہو گئے تھے اور میں سنی سے شیعہ۔ مہذبانہ طور پر کچھ مذہبی گفتگو بھی ہوتی گئی۔ میں نے اشائے گفتگو میں یہ عرض کیا کہ مذہب امامیہ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مذہب کسی طرح پر زمانہ کی ترقیوں کا مانع نہیں ہو سکتا ہے۔ جناب مرحوم نے اس سے اعتراف فرمایا اور میرے قول کی تائید میں تقریر ذیل زبان پر لائے۔

”آپ جانتے ہیں کہ چند سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ انگریزوں نے ایران میں شاہنشاہ مرزا ناصر الدین سے تنباکو کی کاشت کی غرض سے ایک کافی مقدار میں زمین حاصل کی تھی۔ اسکا خراج وہ کاشتکاران فرنگ حسب معاہدہ ادا کیا کرتے تھے اور ایران کے مزدوروں پر بے جا طریقہ پر حکومت کرنے لگے جیسا کہ ہندوستان میں افیون کے کاشتکاروں پر کیا کرتے تھے تو ایرانی مزدوروں نے انگریزوں کی اس طرح کی بیجا حکومت کو گوارا نہیں کر کے اپنے شاہنشاہ وقت کو حقیقت حال سے خبر دی۔ بادشاہ وقت نے اس پر ارشاد فرمایا کہ ایسے معاملہ میں سلطنت ایران دست اندازی کا حق نہیں رکھتی ہے۔ سلطنت کی طرف سے ایسا جواب پا کر ان ایرانی مزدوروں کے کچھ افراد عراق کو چلے گئے اور اپنی مصیبتوں کی سرگزشت جناب سرکار میرزا نور اللہ مرقدہ کے حضور میں جو مجتہد وقت تھے عرض کی۔ حضرت شریعت مآب نے کچھ مناسب حکم اس بارے میں صادر فرمادیا اور وہ مزدوران ستم دیدہ ایران کو واپس چلے آئے۔ اس کے چند دن ہی کے بعد یہ امر طور میں آیا کہ شاہنشاہ ایران نے شکار سے واپس آکر خواہش تمام کے ساتھ شاہی حق بردار کو حکم دیا کہ ”قلیان بیار“ حق بردار نے فوراً عرض کیا کہ حق نوشی حرام ہے۔ شاہ کو کلام نے فرمایا کہ کس نے حرام کیا ہے۔ حق بردار مؤدبانہ عرض زبان پر لایا کہ سرکار میرزا نے حرام فرمایا ہے۔ حضرت شاہنشاہ خاموش رہ گئے۔ اس کے ساتھ ہی شاہنشاہ کو اطلاع ہو گئی کہ حکم حضرت مجتہد کا ایران میں اس طرح پر وصول ہوا ہے کہ حق نوشی اور تنباکو کی کاشت دونوں حرام کر دی گئی ہیں۔ پس کوئی اہل ایران سے نہ حق نوشی کر سکتا ہے اور نہ تنباکو کی کاشت کر سکتا ہے۔ حکم بالا کے نفاذ پاتے ہی ایران میں تنباکو کی کاشت کے لیے مزدوروں کا دستیاب ہونا سخت دشوار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکاران فرنگ تنباکو کے ایران سے ہمیشہ کے لیے چلے آئے۔ ان کے

چلے جانے کے بعد سرکار میرزا نواز اللہ مرقدہ نے ایران میں حکم ثانی یہ بھیجا کہ حقہ نوشی حلال اور تنباکو کی کاشت بھی ”پھر جس طرح ایران میں حقہ نوشی ہوتی تھی ہونے لگی اور جس طرح تنباکو کی کاشت ایرانی کرتے تھے کرنے لگے“ اس کے بعد نواب صاحب غفران ماب نے فرمایا کہ مذہب امامیہ میں تقاضاے وقت کے مطابق کار بند ہونے کی گنجائش بہت ہے۔ یہ مذہب زمانہ کی رفتار سے پیچھے نہیں رہ سکتا ہے بشرطیکہ مجتہدان وقت تقاضاے وقت کو ملحوظ رکھ کر صدور احکام فرمایا کریں۔ راقم کہتا ہے کہ اہل یورپ وغیرہ کا یہ الزام کہ بد اسلام آب بستہ کا حکم رکھتا ہے اس لیے وہ کسی طرح کی ترقی اس دنیا میں نہیں کر سکتا ہے۔ راستی سے خالی نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ استغناء مذہب تشیع اسلام کے تمام فرقوں کا وہی حال دیکھا جاتا ہے جیسا کہ اقوام یورپ وغیرہ عموماً اسلام کی نسبت اپنا خیال رکھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مذہب خیعہ کے حضرات مجتہدین اگر دنیا کے معاملات اور رفتار زمانہ کو ملحوظ رکھ کر اپنے احکام صادر فرما دیں تو اہل تشیع زمانہ کے سربراہ اور وہ اقوام سے دنیوی ترقی میں زمیندار پیچھے نہیں پڑ سکتے ہیں جو مواقع مناسب حصول ترقی کے فرقہ امامیہ کو تمدنی اور سیاسی اعتبارات سے حاصل ہیں کسی اور فرقہ اسلام کو حاصل نہیں ہیں۔ سب سے کم موقع ترقی کا فرقہ وہابیہ کو ہے جیسا کہ صوبہ بہار میں دیکھا جاتا ہے۔ اہل توحیب میں بدعت کا مضمون کچھ ایسا ہی ہے کہ یہ فرقہ بہت گنجائش ترقی کی نہیں رکھتا ہے۔



ضمیمہ ۱۳

حضرت عمر اور قصہ قرطاس

قصہ قرطاس کا معاملہ تمام تر حضرت عمر سے تعلق رکھتا ہے۔ راقم اس کی نسبت جو امور ضروری تھے انہیں اس کتاب میں کافی طور پر حوالہ قلم کر چکا ہے۔ یہاں راقم حضرت عمر کی وجہ ممانعت تحریر کو ذیل میں حوالہ قلم کرتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اپنے خلفائے ثلاثہ کے عشق میں ایسے بیخود ہو رہے ہیں کہ نہ انہیں آسمان نظر آتا ہے اور نہ انہیں زمین سو جھائی دیتی ہے حضرات خلفائے بالا کے عشق میں اگر ان سے خدا کی توہین ہو جائے۔ حضرت رسول کی تذلیل ہو جائے تو ہو جائے۔ قرآن میں نقص پیدا ہو جائے تو ہو جائے۔ قول نبی میں عیب لگ جائے تو لگ جائے۔ بالاختصار جو ہو جائے ہو جائے مگر خلفائے بالا کی جے بنی رہے۔ واضح ہو کہ اس قصہ قرطاس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر نے فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمر کی دانشمندی پر صد آفرین اور ہزار تحسین ہے کہ دوات اور کاغذ لانے نہیں دیا۔ لہذا کہیں رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کی جاتی تو آنحضرت اُس حالت میں کوئی جدید بات لکھوا دیتے جس سے آیت الہی کی صریح تکذیب ہو جاتی“ مطلب اس کا یہ ہوا کہ حضرت رسول مبتلا سے ہذیان ہو رہے ہیں اور اول قول یک رہے ہیں۔ ایسی ہذیانی حالتیں ضرور کچھ واہی تباہی بات لکھ ڈالنے کو تھیں۔ اول تو حضرت رسول تمام تر ہوش میں تھے اور ہذیان کی کوئی بات نہیں بول رہے تھے جیسا کہ راقم اس کتاب میں حوالہ قلم کر چکا ہے دوم یہ کہ شاہ صاحب موصوف خود اپنے تحفہ میں لکھتے ہیں کہ ”انبیاء علیہم السلام حالت غشی اور بیہوشی میں بھی ہذیان وغیرہ سے پاک ہیں۔ خداے تعالیٰ نے انبیاء کو اُن کی مرتبت و کرامت کی وجہ سے حالت بیہوشی میں بھی اُن امور سے جو خلاف مرضی خدا ہوں معصوم کیا ہے اور اُس حالت میں اُن سے مطابق مرضی خدا کے امور سرزد ہوتے ہیں اور اُن بزرگواروں کے دل خواب میں بھی روشن و منور ہوتے ہیں“ راقم شاہ صاحب کی روح پاک سے پوچھتا ہے کہ جب آپ کی تحریر کے مطابق حضرات انبیاء کی مرتبہ اور کرامت کی وجہ سے حالت غشی اور بیہوشی میں بھی ان حضرات سے کوئی کام مرضی خدا کے خلاف ظہور میں نہیں آسکتا ہے تو محمد صاحب نے کیا تصور کیا تھا کہ اُن سے

کوئی ایسی جدید بات تحریر میں در آتی جس سے آیت الہی کی صریح تکذیب ہو جاتی کیون جناب شاہ صاحب محمد صاحب نبی نہ تھے۔ محمد صاحب معصوم نہ تھے۔ پھر آپ حضرت عمر کی ہزار تحسین و آفرین کے ساتھ جملہ کیا بول اُٹھے کہ اُن سے کوئی جدید بات تحریر میں در آتی جس سے آیت الہی کی تکذیب ہو جاتی۔ آپ کی تحریر سے تو بین طور پر عیان ہوتا ہے کہ آپ محمد صاحب کو نہ نبی سمجھتے ہیں اور نہ معصوم۔ آپ راقم کو تو حضرت عمر ہی کی طرح کے مسلمان نظر آتے ہیں کیا جناب شاہ صاحب اسی کو آداب رسالت کہتے ہیں۔ لاحول ثم لاحول۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ اعوذ باللہ من ذالک۔ جناب شاہ صاحب۔ حضرت عمر کے دوات و قلم کی ممانعت کا اصل سبب وہی تھا کہ جسے حضرت عمر خوب سمجھے ہوئے تھے۔ یعنی یہ کہ حضرت رسول حضرت علیؑ کو تحریراً بھی اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے جیسا کہ خم غدیر میں چند مہینے پہلے تقریراً اپنا جانشین بنا چکے تھے۔ پس حضرت عمر نے حضرت علیؑ کی دشمنی کے باعث قلم و دوات حضرت رسولؐ کے آگے پیش ہونے نہ دیا۔ یہ امر کہ حضرت رسولؐ کیلئے کوئی شخص کسی بے ظاہر نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر خود حضرت عمر نے اس راز کو افشا نہیں کر دیا ہوتا۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ خود حضرت عمر کا قول ہے کہ رسول اللہ علیؑ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل فرما جاتے تھے اور اپنی وفات کے وقت قلم و دوات اس غرض سے طلب کی تھی کہ علیؑ کے نام خلافت لکھ دیں (دیکھو کتاب تشہید المطاعن) کیونکہ اے حضرت عمر۔ آپ کا منہ ہے کہ آپ حضرت رسولؐ کی شان میں یہ فرمائیں کہ حضرت رسولؐ علیؑ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل فرما جاتے تھے۔ شاہ صاحب عمر صاحب شاہ باش۔ حضرت رسولؐ اور اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل فرما جائیں۔ آسمان کیونکہ زمین ٹوٹ پڑتا ہے۔ یہ عجب قول آپ کا ہے آپ ہی فرمائیے کہ مسلمان کے منہ سے کبھی ایسی غیثانہ بات نکل سکتی ہے۔ لاحول ثم لاحول۔ نفوذ ثم نفوذ۔ واقعی آپ کی عجب مسلمانی تھی۔ تب تو آپ کے پیرو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب ہمدانی حن کش اور دروغ پرور نظر آتے ہیں۔ آپ کے ایسے اقوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے عند میں حضرت رسولؐ ایک ناحق پرست ناحق گو اور ناحق شناس آدمی تھے۔ نبیؐ کبھی ناحق پرست ناحق گو اور ناحق شناس ہو نہیں سکتا ہے۔ آپ کے اس قول سے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ آپ ان صلعم کو سرور انبیاؑ تو درکنار ایک چھوٹے درجہ کا بھی نبی نہیں مانتے تھے پس کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے پیرو ہو کر شاہ عبدالعزیز صاحب بھی حضرت رسولؐ کے ادب سے معذور نظر آتے ہیں۔ اب رہی حضرت علیؑ

کی محبت۔ حضرت رسولؐ کو علی سے محبت نہ ہوتی تو اے جناب عمرؓ آپ سے ہوتی۔ آپ وہی بزرگ ہیں کہ جنگ بدر میں شریک غزوہ ہونے سے انکار کر گئے۔ حضرت رسولؐ کو غزوہ احد میں چھوڑ کر بھاگ نکلے کہ لاحول ولا قوۃ۔ جنگ خندق میں عمرؓ ابن عبدود سے مقابلہ کرنے میں حضرت رسولؐ کے حکم سے دو ٹک انحراف کر بیٹھے۔ جنگ خیبر میں یہودیوں کی خیبر کے مقابلہ میں دو دن تک جنگ گاہ سے بھاگ بھاگ آئے۔ جنگ حنین میں حد درجہ کی بزدلی دکھلائی اور جنگ سے ایسے فرار ہو گئے کہ پھر میدان جنگ کا رخ نہ کیا۔ صلح حدیبیہ میں حضرت رسولؐ کے برابر مخالف بنے رہے معاملہ عقبہ میں ملائین حملہ آور کے کسی نہ کسی طرح شریک حال ہوئے۔ لشکرِ سامہ کے ساتھ جانے کے عوض گھرمین گھسے بیٹھے رہے۔ قصۂ فرطاس میں کچھ عجب رنگ کا پہلو اختیار کیا۔ پس آپؐ میں کون سی صفت محبوبیت کی تھی جس کی بنا پر حضرت رسولؐ آپؐ کی محبت کا دم بھرتے۔ یہ تمام امور بالا اس بات کے مثبت ہیں کہ آپؐ ہرگز دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بالخصوص آپؐ کی حقیقت کو پہچان کر حضرت رسولؐ آپؐ کے فدائی کیونکر ہو سکتے تھے۔

کچھ حضرات سنی مذہب نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت رسولؐ نے دوات و قلم حضرت ابوبکرؓ کو تحریری طور پر اپنا جانشین بنانے کی غرض سے طلب کی تھی۔ اگر حضرات موصوفین کا یہ قول صحیح ہے تو حضرت عمرؓ نے امت محمدیؐ پر یہ بڑا ظلم کیا جو حضرت رسولؐ کو تحسیر سے باز رکھا۔ اگر واقعی حضرت رسولؐ حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ بنانے کو تھے اور اگر اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتے تو حضرت رسولؐ کے بعد اسلامی دنیا میں خلافت کا کوئی جھگڑا ظہور نہیں کر سکتا اگر حضرات اہل سنت کا قول بالا سچ ہے تو کوئی شخص کسی نبیؐ کی امت میں حضرت عمرؓ سے زیادہ فساد انگیز تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ واقعی مذہب اہل سنت کچھ ایسا حیرت خیز مذہب ہے کہ جس کی نسبت یہ کہنا کہ اسے اونٹ تیری کون کل سیدھی ہے۔ تا مگر قرین راستی دکھائی دیتا ہے

ضمیمہ ۱۲

حضرات اہلسنت و صحابیت

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرات اہل سنت صحابیت کا اتنا بڑا درجہ سمجھتے ہیں کہ اسکے آگے اہل بیت نبویؑ کی کوئی حقیقت اُن کی نگاہ میں دکھائی نہیں دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم کی افضلیت اُن حضرات کے نزدیک داخل صحابیت ہے۔ وہ حضرات حضرت عائشہؓ کو تو تمام اہل اسلام سے ایسا افضل مانتے ہیں کہ عقل اسکے درک سے تا متر قاصر نظر آتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ صحابیت ایک بڑی شے ہے مگر وہ اتنی بڑی شے نہیں ہے کہ آل محمدؐ کے مقابلہ میں وہ ایک بزرگتر شے سمجھی جائے۔ حضرت رسول صلعم نے صرف قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کو ثقلین فرمایا ہے۔ ان کے سوا کوئی تیسری شے داخل ثقلین نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ حق یہ ہے کہ آل آل ہیں اور اصحاب اصحاب ہیں۔ بالفرض اگر آل محمدؐ حضرت رسولؐ کی نالائق آل ہوتے تو خیر اصحاب کے ساتھ افضلیت کا عقیدہ کچھ معنی رکھ سکتا تھا۔ مگر جب علی مرتضیٰ سے لیکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک وہ ایسے حضرات دیکھے جاتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں علم و فضل و زہد و تقویٰ و عبادت و جمیع صفات حمیدہ کے اعتبار سے اپنا نظیر نہیں رکھتے ہیں تو ایسے بزرگواروں پر مجرد صحابیت کیا ترجیح کی صورت پیدا کر سکتی ہے۔ اس میں جانے لگھو نہیں ہو سکتی کہ صحابیت ایک بڑی شے ہے۔ مگر اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اصحاب رسولؐ اللہ و نبی کے تھے۔ ایک اصحاب باایمان اور دوسرے اصحاب منافق۔ اصحاب باایمان ایسے تھے کہ حکم خدا و رسولؐ کی بجا آوری میں حتی الامکان پس پائی نہیں کرتے تھے حضرت رسولؐ کے ساتھ دلی محبت رکھتے تھے۔ حضرت رسولؐ کے دلی ہی خواہ تھے۔ خدا اور حضرت رسولؐ پر صدق دل سے ایمان لائے تھے۔ دنیا کے یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جو کام کرتے تھے جبراً کرتے تھے۔ جیسا حکم خدا و رسولؐ کا ہوتا تھا اسکو دل سے بجا لاتے تھے۔ حصول دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حکم خدا و رسولؐ میں دست اندازی نہیں کرتے تھے حضرت رسولؐ سے مقابلہ پر مستعد ہو جاتے تھے حضرت رسولؐ سے راہ خلافت اختیار کر نیکو کفر جانتے تھے جہاد سے جی نہیں چراتے

تھے۔ حضرت رسولؐ کو زعماء اعدا میں چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتے تھے۔ پیغمبرؐ سے نفرت و عداوت نہیں رکھتے تھے۔ خاندانِ پیغمبرؐ کی دشمنی کو حرام سمجھتے تھے۔ خاندانِ پیغمبرؐ کو کسی طرح ایذا نہیں پہنچاتے تھے آلِ محمدؐ کے حقوق کو نہ ضبط کرتے تھے اور نہ چلکے جاتے تھے طمع مال و زر سے کو سون دور تھے۔ شرک سے تمام تر بری تھے عام اس سے کہ وہ شرک خفی ہو یا جلی۔ ناحق کی خونریزی روا نہیں رکھتے تھے۔ مکرو و فب سے پناہ مانگتے تھے۔ مردودانِ درگاہِ خدا و رسولؐ کی سرپرستی نہیں کرتے تھے۔ شرفا کا ذلیل و خوار کیا جانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کسی طرح کی بے رحمی کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ بندگانِ خدا کو آزار نہیں پہنچاتے تھے۔ لشہ خواروں کی پشت پناہی نہیں کرتے تھے۔ قرآن کی پوری تنظیم مد نظر رکھتے تھے۔ قرآن کے نسخوں کو جلالتے نہیں تھے اور نہ قرآن سے خود غرضی کی بنا پر الفاظِ خداوندی کو خارج کر دیتے تھے۔ قرآنی نسخوں کو حصولِ دنیا کی غرض سے جھٹکوں پر آویزان نہیں کرتے تھے۔ بیگناہوں کو قتل نہیں کر ڈالتے تھے۔ دوستِ ارانِ اہلبیت علیہم السلام کو طرح طرح کی ایذاؤں نہیں پہنچاتے تھے جھوٹی حدیثیں وضع نہیں کراتے تھے۔ سچی حدیثوں کے بیان سے راویوں پر حد درجہ کی سختیاں نہیں جارتے رکھتے تھے۔ بیگناہ اصحابِ رسولؐ اللہ کو محبتِ اہلبیت کی بنا پر طرح طرح کی ایذا نہیں پہنچاتے تھے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ وضعِ بالا کے اصحاب ایسے اصحاب ہیں جنکو اہل تشیع صدقِ دل سے مانتے ہیں اور جن کی نسبت میر حسنؒ نور اللہ مرقدہؒ یوں فرماتے ہیں ۵

سلام اُنپہ جو اُن کے اصحاب ہیں وہ اصحاب کیسے کہا حباب ہیں
خدا اُن سے راضی رسولؐ اُن سے خوش علیؑ اُن سے رضی بتول اُن سے خوش

بحان اللہ۔ میر صاحب نے اپنے کلامِ بالا میں کیا خوب مضمون اصحابِ رسولؐ اللہ کی نسبت جو اہل قلم فرمایا ہے۔ حق یہ ہے کہ ایسے اصحاب اصحابِ حضرت رسولؐ کے نہیں ہو سکتے جن سے علیؑ و بتولؑ راض ہوں۔ حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کی نسبت حدیثِ نبویؐ یہ ہے کہ جس نے علیؑ و فاطمہؑ کو خوش کیا اُس نے ہمیں خوش کیا اور جس نے علیؑ و فاطمہؑ کو ناخوش کیا اُس نے ہمکو ناخوش کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت رسولؐ خوش ہوئے تو خدا بھی خوش ہوا اور جب حضرت رسولؐ ناراض ہوئے تو خدا بھی ناراض ہوا۔ ایسے اصحاب رسولؐ اللہ ہونے کے لیے یہ ضرور ہو گیا کہ اصحابِ رسولؐ اللہ وہی ہیں جن سے علیؑ و فاطمہؑ خوش ہوں۔ لیکن جو اصحاب ایسے نہیں ہیں تو اُن کا شمار اصحابِ رسولؐ اللہ میں نہیں ہو سکتا۔ ایسے اصحاب اُن پر دو نصاریٰ کے برابر دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے حضرت رسولؐ کا زمانہ دیکھا تھا اور حضرت رسولؐ کے حضور میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ مگر حضراتِ اہل سنت

کے نزدیک ہر وہ شخص جس نے حضرت رسول کا زمانہ دیکھا تھا عام اس سے کہ اُس سے علیؑ و فاطمہؑ ناراض یا خوش ہوں اور عام اس سے کہ وہ کیسا ہی بے ایمان بدکردار اور بدترکیب ہو جیسا کہ امیر معاویہ قاتل امام حسنؑ اور ابن ملجم قاتل حضرت علیؑ تھے گروہ صحابی میں شمار کیا جاتا ہے یہ دونوں بزرگوار صحابی ہونے کے علاوہ حضرات اہل سنت کے نزدیک باقاعدہ دلوں و حلیوں کا بھی شرف رکھتے ہیں۔ فاعتبرو یا اولی الابصار۔



ضمیمہ ۱۵

حضرت عمر اور خلافت

یہ ہنگامہ خلافت کا حضرت رسولؐ کی رحلت کے ساتھ ہی ہرگز ظہور میں نہیں آتا اگر حضرت عمر کو اسلام سے بے تعلق لاحق ہوتی۔ کوئی شک نہیں کہ اس ہنگامہ کے بانی حضرت عمر ہوئے اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو حضرت ابو بکرؓ میں اتنا دم نہ تھا کہ حضرت رسولؐ کو بے کفن و دفن چھوڑ کر قبیۃ کی طرف دوڑ جاتے اور انصار سے دنگا مشتی کر کے خلیفہ ہو بیٹھتے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر ایک پُر تدبیر اور بڑی چال کے آدمی تھے۔ البتہ خلافت کے قائم کرنے میں آپ کو ایک حضرت ابو بکرؓ کے سے آدمی کی بڑی ضرورت تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کا سادہ و سراسر آدمی جو اسلام سے متعلق رہتا موجود نہ تھا۔ پس اپنی پُر تدبیری اور چال سے حضرت ابو بکرؓ کے پردے میں آپ نے اپنے کو خلیفہ بنا ڈالا حضرت عمر کے نزدیک حضرت رسولؐ کا بہت وزن نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عمر حدیث ثقلین کی طرف حس برا بر بھی اپنی توجہ مبذول نہ کر سکے۔ یوں تو حضرت عمر حضرت رسولؐ سے بارہا اختلاف کر چکے تھے جیسا کہ مستند طریقہ پر راقم اس کتاب میں حوالہ قلم کر چکا ہے۔ اب اس کی کیا امید ہو سکتی تھی کہ حضرت عمر حدیث ثقلین کی تبعیت میں حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونے دیتے۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر کی آنکھ میں حضرت رسولؐ کی عظمت بہت ہی کم تھی۔ اگر آپ حضرت رسولؐ کو قابل عظمت سمجھتے تو آپ ایسا لایعنی قول کہ رسول اللہ علیؑ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ باطل کی طرف میل فرما جاتے تھے، ہرگز زبان پر نہیں لاتے۔ اس قول سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت رسولؐ کو خدا کا رسول نہیں جانتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جو رسول اللہؐ اکثر حق کو چھوڑ کسی امر میں باطل کی طرف میل کیا کیسے عقلاً وہ رسول خدا کا رسول نہیں ہو سکتا ہے۔ بلا گفتگو کوئی مسلمان جو قول بالا کا قائل ہو۔ ہرگز ہرگز مسلمان بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت رسولؐ کی رسالت کو دنیا طلبی کا ایک ڈھکوسلا سمجھتے تھے۔ پس ظاہر ہے کہ اس سمجھ کے ساتھ حضرت عمر مسلمان کہے جانے کا حق نہیں رکھتے ہیں دنیا میں انسان کی ہر کامیابی اور ناکامیابی کو اس کی سرشت سے بالضرور تعلق رہتا ہے۔ حضرت عمر جو حصول خلافت میں کامیاب نکلے تو مطلق جائے تعجب نہیں ہے۔ حضرت عمر کا کیر کمر

(Chamam) یعنی افتاد مزاج اور ترکیب اخلاقی کا تھا۔ معاملہ غم غریب سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ وہی حضرت عمر ہیں کہ آپ نے حضرت رسولؐ کے استخلاف علیؑ کے بعد پنج پنج کا غلطہ بلند فرمایا تھا اور یہ وہی حضرت عمر ہیں کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت رسولؐ کی رحلت کے واقع ہوتے ہی حضرت رسولؐ کو بے کفن و دفن چھوڑ کر سیفہ کی طرت دوڑ نکلے اور انصاف کو کسی طرح پر سالت کر کے یا یہ کیئے کہ بالابتا کر حضرت ابوبکر کے پردے میں خود خلیفہ بن بیٹھے۔ معاذ اللہ اس خلافت یابی کے بعد ہی آپ نے حضرت ابوبکر کی طرت سے حضرت خاتون جنت علیہا السلام کے مکان پر جا کر رنگ برنگ کے فساد برپا کر دیے۔ وہاں آپ سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوئے کہ مسلمان کیا کسی اکفر سے بھی ظہور میں نہیں آسکتے تھے۔ وہاں آپ نے حضرت سیدہ کے گھر میں لگا دی۔ اتنا بھی نہیں خیال کیا کہ وہ گھر حضرت رسولؐ کی بیٹی کا ہے۔ وہ مظلومہ باپ کے غم میں مبتلا ہو رہی ہے۔ آگ سے اُس کا پر ساچہ معنی دار د۔ پھر حضرت سیدہ کے بطن شریف پر اس زور سے مارا کہ حضرت محسنیؑ کا اسقاط ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس معصومہ آفت رسیدہ کو ایک ایسا تازیانہ لگا یا کہ اس معصومہ کا جسم پاک نیلا ہو گیا۔ اس پر اس ظلم کو افزو کر دیا کہ حضرت ابوبکر کے غلام قنفذ نے اُس جگر گوشہ رسولؐ کی دو پسلیاں بھی توڑ ڈالیں۔ ان سب ضرب رسانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت سیدہ بیمار رہ کر تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں امتیان جفا کار کی ایذا رسانیوں کا دفتر پیش کرنے کے لیے حاضر ہو گئیں۔ راقم پوچھتا ہے کہ معصوم محسن اور حضرت سیدہ کے خون کے دھوسے بروز جزا حضرت رسولؐ یا ہر دو شہیدان جفا کس پر کریں گے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بہر حال ایسی ایذا رسانیوں کے بعد حضرت عمر حضرت علیؑ کو دارالحکومت تک لیگئے۔ تب آپ کو قتل کی دھمکی وہاں حضرت عمر نے دی یا واقعی قتل کرنا چاہا اور آپ کے برادر رسولؐ اللہ ہونے سے زور و زور کے ساتھ انکار کیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت عمر نے فذک چھین لیا اور خمس بند کر دیا جس سے اہلبیت مصطفویٰ میں سخت محتاجی رونما ہو گئی۔ واضح ہو کہ خمس ایک قرآنی مضمون ہے اور حق آل محمد کا خدا سے تعالیٰ قرار دیتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ فسل مذموم حضرت عمر نے یہ کیا کہ بنی اُمیہ کے قبیلہ ملعونہ کو جو مردہ ہو رہا تھا سر نو سے صرت زندہ ہی نہیں کر دیا بلکہ اُن میں کچھ ایسی روح پھونک دی کہ اس قبیلہ زنا پاک کی بدولت ۹۴ برس تک اسلام میں قیامت پچی رہی۔ اس بنی اُمیہ پروری سے حضرت عمر نے خاندان پیمبر کا قریب قریب استیصال کر دیا اور شریعت محمدیؐ سے ایک علیحدہ دین اپنے اجتہادات کے ذریعہ سے قائم

کر دیا۔ اب حضرات ناظرین اُس پنج پنج کے ساتھ حضرت عمر کے افعال بالا پر نظر ڈالیں۔ اس تکلفین
فرمائی سے حضرت عمر کا کیر کٹر واضح طور پر سمجھ میں آجائیگا۔ حق یہ ہے کہ اگر ایسے ایسے افعال کے
ارتکاب کی صلاحیت آپ میں نہ ہوتی تو حصول خلافت میں مطلق کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر
آپ نہ ہوتے تو بچا پرے حضرت ابو بکر سے کیا ہو سکتا تھا۔ بڑے صاحب تواضع کے ساتھ کے
اندھا بوت کا انداز رکھتے تھے۔ بے حضرت عمر کے چلائے چل نہیں سکتے تھے۔ آپ یعنی حضرت
ابو بکر بقول سرسید رحمہ اللہ تعالیٰ "ایک نام کے بزرگ تھے" بلکہ بقول راقم نہیں معلوم کس مرض
کی دوا تھے۔ حضرت عمر کی کامیابی کی ایک اور وجہ یہ نظر آتی ہے کہ حضرت عمر حضرت رسول کی نسبت
یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت رسول حضرت علیؑ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل کر جاتے
تھے۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے ساتھ حضرت عمر حضرت رسولؐ کی حدیث ثقلین کی طرف توجہ نہیں
کر سکتے تھے۔ اس ناتوجہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہنگامہ خلافت کی بدولت حضرت رسول کی کارروائی
خم غدیر کو آپ غت رہود کر سکے۔ حضرت عمر کا کیر کٹر آپ کے بار بار کے فراغذوات سے بھی خوب
سمجھ میں آتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ بہت ہوشیار آدمی تھے۔ آئندہ کی بہبودی کی توقع میں
اپنے کو معرض خطر میں ڈالنا خلافت از عقل سمجھتے تھے۔ لاریب اس دور اندیشی کا آخر آپ نے پورے
طور پر فائدہ اٹھایا۔ یعنی اپنی جان کو اتنے دنوں تک ہلاکت سے محفوظ رکھ سکے کہ آخر آپ جلو افروز
مسند خلافت ہو سکے۔

ضمیمہ ۱۶

حضرت رسول سے حضرت عمر کی خلافت لڑنا

حضرت عمر کے معاملات زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت رسول خدا کی ریاست دینی کو ریاست دینی نہیں سمجھتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ حضرت رسول کی رسالت میں شک رکھتے تھے مگر صلح حدیبیہ کے وقت بقول آپ کے وہ شک آپ کا اتنا ترقی کر گیا تھا کہ ویسا شک آپ کو اس کے پہلے کبھی واقع نہیں ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ل کی رسالت کو ایک ویسا امر سمجھتے تھے کہ جیسے نیپولین بونا پارٹ نفس مذہب کی نسبت ایک خاص خیال رکھتا تھا۔ یہ نادر زمانہ کہتا تھا کہ شیرازہ قوم کو مضبوط رکھنے کے لیے مذہب کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر میرے ملک میں مذہب کو وجود نہ ہوا ہوتا تو ہم ایک مذہب قائم کر ڈالتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر حضرت رسول کو اُس دینی عظمت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے جیسا کہ مومن کو دیکھنا چاہیے آپ حضرت رسول کو مجرد ایک سلطنت کا بانی سمجھتے تھے اور وحی و رسالت کے مضمون کو ایک طرح کا ڈھکوسلا جانتے تھے اگر ایسا نہیں سمجھتے تو کچھ تو حدیث ثقلین کے مضمون کو قابل توجہ سمجھتے۔ آپ خود حدیث ثقلین کے مضمون کو نہ کبھی خیال میں لائے اور نہ اپنے پیروان وقت کو اُسکی یاد دلانے کی تکلیف گوارا کی۔ حضرت رسول کی رحلت کے ساتھ ہی حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایسے ایسے برتاؤ اختیار کیے کہ بحفیظہ بحفیظہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گوش مبارک تک گویا حدیث ثقلین کا ایک لفظ بھی نہیں پہونچا تھا۔ اگر آپ حضرت رسول کو واقعی خدا کا رسول سمجھتے تو آپ سے اس طرح کی بے اعتنائیاں ظہور میں نہیں آسکتی تھیں۔ آپ کی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرت رسول کی رسالت کو ایک امر مبنی بر مصلحت سمجھتے تھے۔ رسالت کے بارے میں آپ قریب قریب اپنے پیرویزید ابن معاویہ کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ راقم لفظ پیرو کو اس وجہ سے حوالہ قلم کرتا ہے کہ اگر یزید کا کوئی مذہب تھا تو وہ مذہب زید ابن ثابت کا تھا۔ جس کی بنا حضرت عمر نے زید ابن ثابت کے ذریعہ سے ڈالی تھی اور جو عہد حضرت عمر ہی میں جمیع مخالفین اہل بیت کا مذہب ہو گیا تھا۔ یہ خلیفہ وقت یعنی یزید نہایت آزادانہ بیخ پر کتا ہے کہ :-

لعبت الہا شتم نے الخلق ولا وحی جائز ولا خبر نزل

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ محمد صاحب نے ایک کھیل کھیلا تھا نہ خدا کے پاس سے کوئی وحی آئی تھی اور نہ کوئی حکم نازل ہوا تھا۔ البتہ حضرت عمرؓ نے اس کھلے طور پر رسالت حضرت رسولؐ کے متعلق کبھی اس طرح کا خیال ظاہر نہیں کیا تھا مگر رتبہ محمدیؐ کو کم کر دینے کی غرض سے یہ عقیدہ تو ضرور ایجاد کیا ہے کہ محمد صاحب نزول وحی کے وقت تو درجہ رسالت پر رہتے تھے در نہ اور وقتوں میں عوام بشر کی سی آپؐ کی حالت رہتی تھی۔ نفوذ بالشرع ثم نفوذ بالشرع۔ اس بنا پر آپؐ اپنے افعال و اقوال میں حضرت رسولؐ سے اختلاف کر جاتے تھے اور حضرت رسولؐ کے وقت آخر تک اختلاف کرتے رہے ظاہر ہے کہ ارتداد کے الزام سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی نظر سے آپؐ نے تفریق بالہ کی صورت نکالی تھی اور آپؐ کے پیروان بھی اُس تفریق کو آج تک پیش نظر رکھا کیے ہیں۔ چنانچہ جناب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب حضرت عمرؓ کے اختلافات کو منصب رسالت سے علیحدہ کر کے حضرت عمرؓ کو مخالفت رسولؐ سے اس طور بری کرتے ہیں کہ اُن تمام مثالوں میں مثالیہ اختلافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مثالیں حضرت رسولؐ کے منصب رسالت سے بے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں راقم ان مثالوں سے جن جن جناب شمس العلماء صاحب نے الفاروق میں درج فرمایا ہے ایک صلح حدیبیہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت عمرؓ کے افعال و اقوال کی تنقید کرتا ہے۔ جناب شمس العلماء صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے متعلق بھی حضرت عمرؓ کے افعال و اقوال ایسے تھے کہ جو حضرت رسولؐ کے منصب رسالت میں کسی طرح پر دست انداز نہیں دیکھے جاتے ہیں۔ اب حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ صلح حدیبیہ کا معاملہ کیا رنگ رکھتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حسب مورخ ابن الوزی جب قریش نے سہیل بن عمروؓ کو آن صلعم کے حضور میں صلح کی درخواست لیکر بھیجا تو آنحضرتؐ نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور صلح نامہ تمویل پا گیا۔ مگر یہ صلح حضرت عمرؓ کو پسند نہ آئی۔ آپؐ حضرت رسولؐ سے مباحثہ کرتے رہے اور تمویل صلح کے بعد بھی برابر اس فکر میں رہے کہ معاملہ صلح کا عنت رہو ہو جائے مگر آپؐ اس مخالفت حضرت رسولؐ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شمس العلماء صاحب حضرت عمرؓ کے اُن افعال و اقوال کو جو اُس معاملہ صلح سے تعلق رکھتے ہیں اُن کی نسبت اس امر میں کو شان دکھائی دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے وہ افعال و اقوال حضرت رسولؐ کے منصب رسالت کے نہیں بلکہ حضرت رسولؐ کی انسانی حیثیت کے مقابلہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ تعجب معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلماء صاحب صلح حدیبیہ کے متعلق جو افعال و اقوال حضرت عمرؓ سے ظہور میں آئے انھیں حضرت رسولؐ

کی انسانی حیثیت سے کیونکر متعلق سمجھتے ہیں۔ محدث دہلوی مدارج النبوة میں حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن میرے دل میں خطرہ عظیم گزرا اور میں نے رسول اللہ کے ساتھ ایسی مراجعت کی کہ پیشتر کبھی نہیں کی تھی (دیکھو علامہ عینی کی کتاب عمدة القاری فی شرح بخاری اور تاریخ الخمیس اور تفسیر درمنثور سیوطی بھی) چنانچہ رسول اللہ کے پاس جاہلین نے کہا کہ کیا تم پیغمبرِ برحق نہیں ہو؟ آنحضرت نے فرمایا کہ بے شک ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا کہ پھر ہم کیوں ایسی حقارت اور مذلت گوارا کریں اور اس طور پر صلح کر کے واپس ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے میں خدا کا رسول ہوں اور بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کرتا۔ وہ میرا ناصر اور مددگار ہے۔ یہ فرمودہ حضرت رسول کا صحیح بخاری و عمدة القاری فی شرح صحیح بخاری و تاریخ الخمیس و تفسیر درمنثور سیوطی میں دیکھا جاتا ہے۔ اب حضرات با انصاف تجویز فرمادیں کہ حضرت عمر کے افعال و اقوال بالا حضرت رسول کے منصب رسالت یا حضرت رسول کی حیثیت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اول تو اس طرح کی تفریق حضرت رسول کے اقوال و افعال میں ایک بے معنی امر ہے جیسا کہ عنقریب راقم اس کا مثبت ہوگا دوم یہ کہ اگر یہ تفریق قابل پذیرائی مان بھی لی جائے تو بین طور پر حضرت عمر کے افعال و اقوال بالا حضرت رسول کی حیثیت انسانی سے کوئی تعلق رکھتے نظر نہیں آتے ہیں۔ خود یہ قول حضرت رسول کا کہ اے خطاب کے بیٹے الخ کافی طور پر ثابت کرتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی تعمیل حضرت رسول نے بحکم خدا تعالیٰ کی تھی اپنے جی سے نہیں کی تھی اور جتنے افعال و اقوال حضرت رسول سے اس کے متعلق ظہور میں آئے وہ حضرت رسول کے بحیثیت رسول یعنی بہ تقاضاے منصب رسالت ظہور میں آئے شمس العلماء صاحب کا حضرت عمر کے افعال و اقوال بالا کو حضرت رسول کی حیثیت انسانی پر محمول کر دینا کچھ عجیب و غریب شمس العلماء صاحب کی نظر آتی ہے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب حضرت عمر کے بڑے رفوگر گزرے ہیں مگر شمس العلماء صاحب فن رفوگری میں شاہ صاحب سے کم نظر آتے ہیں۔

واضح ہو کہ افعال و اقوال حضرت میں تفریق بالا کا ایجاد خود حضرت علی کا ہے۔ اپنے کو الزام ارتداد سے بچانے کے لیے آپ اس فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔ حضرت کے پیروان اسی سنت پر قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے اس تفریق سے حضرت رسول کی کیا کر شان مقصور ہے اس کا خس برابر بھی خیال پیروان حضرت عمر کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ شمس العلماء صاحب بھی وہی

راگ گایا کیے ہیں۔ منوذا باللہ ثم نعوذ باللہ۔ حضرت عمر کے جوش محبت میں خدا و رسول و جمیع خاصانِ خدا کی توہین و تفضیح ہو جائے ہو جائے مگر حضرت عمر اپنے خیالی منصب و درجت پر جس طرح پرہو سکے قائم رہ جاوین۔ جناب تئس العلما صاحب تو اپنی رفوگری سے حضرت عمر کو آپ کی مخالفت حضرت رسولؐ سے تفریق بالاکہ بنا پر بری فرماتے ہیں مگر خود حضرت عمر حسب تحریر تاریخ انھیں یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس جرأت کے کفار سے میں جو بروز حدیبیہ مجھ سے واقع ہوئی تھی اکثر اعمال صالحہ مثل روزہ و نماز و صدقہ کے ادا کیے اور کرتا رہا۔ سیرت ابن ہشام میں بھی ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ جو فعل مجھ سے بروز حدیبیہ سرزد ہوا اسکے خون سے میں ہمیشہ صدمتے دیتا رہا اور بطور کفارہ صوم و بصلوۃ کرتا رہا۔ کیا خوب مدعی سست گواہ چست۔ راقم کہتا ہے کہ مجھے اسکا یقین نہیں ہوتا ہے کہ تئس العلما صاحب صلح حدیبیہ وغیرہ کے متعلق جو کچھ امور حضرت عمر کی نسبت تحریر فرما گئے ہیں اُنکے مطابق جناب ممدوح کا عقیدہ ذاتی بھی تھا۔ راقم کے شک کی وجہ تحریر ذیل سے منکشف ہوگی۔

چوڑہ یا پندرہ برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ میں کلکتہ میں اپنے چچا زاد بھائی آنریبل جسٹس سید شرت الدین صاحب مرحوم کا چند روزوں سے مہمان تھا۔ جب میں نے اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ برادر مرحوم پر ظاہر کیا تو مرحوم نے مجھے فرمایا کہ مولانا شبلی صاحب ایک مہینے کے لیے کلکتہ میں سیرے مکان قیام فرمانے کا قصد رکھتے ہیں اور کل تشریف لانے کو ہیں۔ بہتر ہوتا کہ تم اپنی معاوضتِ وطن کو کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیتے۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جناب علامہ تشریف لائے جناب ممدوح ایسے ہی بزرگ تھے کہ حضرت کی صحبت سے ہر طرح کے استفادہ کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ اکثر خدمت ممدوح میں میں حاضر رہتا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ میری دلچسپی ممدوح کی صحبت میں بہت ہوتی تھی۔ مولانا کو علومِ یورپ سے کم اطلاع حاصل تھی۔ میں اکثر علمائے یورپ کی تحقیقات علمی کا ذکر کیا کرتا تھا۔ مذہبی امور چھوڑ کر ہر طرح کے علمی مسائل زیر بحث آجاتے تھے۔ لاریب جناب ممدوح بڑے علم دوست اور علم پرور تھے اور مشرقی علوم میں ایک پایۂ امتیاز رکھتے تھے۔ اس طرح کی علمی صحبت پر جب تین ہفتہ کا عرصہ گزر گیا۔ تو ایک دن مولانا نے اپنے ”موازنۂ میرانیس اور مرزاویر کی نسبت مجھ سے دریافت رائے فرمائی۔ میں نے موقع سے سے کچھ اور امور کی طرف مولانا کی توجہ کو رجوع کر دیا۔ مگر مجھے بہت تعجب یہ گزرا کہ اٹھائے گھنگو میں مولانا نے کچھ ایسی باتیں واقع کر بلا کی نسبت مجھ سے فرمائیں کہ جن سے یہ تو مجھ پر ثابت نہیں ہو سکا کہ ممدوح مذہب امامیہ رکھتے تھے مگر اتنی بات تو میری سمجھ میں ضرور آگئی کہ وہ ارشاد

آپ کے ایسے تھے کہ انہیں آپ سنی دنیا کے سامنے تحریراً پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ایسا کیے ہوتے تو آپ اپنے ہی وقت میں سنی دنیا کی نظروں سے بالکل ہی گر جاتے اور آپ کی جہنم سنی دنیا کی نگاہوں میں آپ کے بعد بھی اس وقت ہے ہرگز باقی نہیں رہتی۔ اُس وقت مجھ پر پورے طور سے ہودیا ہو گیا کہ آپ ضرور دو مذہب رکھتے تھے۔ ایک عام اہل سنت کے لیے اور ایک اپنی ذات کے لیے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس دن کے بعد سے میری دھچی جناب ممدوح کی صحبت میں ویسی باقی نہیں رہی جیسی کہ اُس سے پہلے رہا کرتی تھی۔ اس کے بعد میں دو تین روز اور کلکتہ میں رہ کر وطن کو واپس چلا آیا۔

اب راقم یہ دکھاتا ہے کہ حضرت رسول ہر وقت اور ہر آن میں منصب رسالت پر قائم رہتے تھے۔ ایسا نہ تھا کہ وقت نزول وحی آپ رسول رہتے تھے اور اور وقتوں میں منصب رسالت سے علحدہ ہو جاتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی تفریق حضرت عمرؓ نے اپنے ارتداد کے الزام کو رفع کرنے کی نظر سے قائم کی تھی کوئی کہاں تک حضرت عمرؓ کی رفوگری کر سکتا ہے۔ جسکو تھوڑی عقل بھی ہوگی وہ بہ نظر تعجب دیکھے گا کہ حضرت عمرؓ عجیب بزرگ تھے کہ جب جنگ کا وقت پیش آیا تھا تو نہایت شرمناک طور پر میدان جنگ سے بھاگ نکلتے تھے اور جب صلح کا معاملہ پیش آتا تھا تو صلح کے معاملہ کے طے ہونے میں زوروں کے ساتھ رخنہ انداز ہوئے ہر حال اب حضرات مومنین حضرت رسول کے امر منصب رسالت پر نظر توجہ مبذول فرمادیں۔ راقم کہتا ہے کہ جب حضرت رسول آیت وما یطلق عن الہدیٰ ان ہو لادعی یوحی کے مودعہ تو حضرت عمرؓ ان کے پیروان کو تفریق بالا کے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں دکھائی دیتا ہے جب آیت بالا حضرت رسول یہ سبیل اجتہاد نہ کچھ کہتے تھے اور نہ کرتے تھے۔ آپ کے تمام افعال اقوال منی بروحی ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ جو کہ حضرت رسول سے تاراجت حضرت رسول ہستے امور میں حضرت رسول سے اختلاف کے مرتکب ہو اکیسے آپ کو تفریق بالا کے قائم کرنے کی بڑی ضرورت لاحق ہوئی۔ حق یہ ہے کہ اگر آپ حضرت رسول کو صاحب وحی سمجھتے تو آپ حضرت رسول سے کسی امر میں اختلاف کو جائز نہیں رکھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسول کو عام انسان کے برابر کا آدمی سمجھتے تھے اگر آنحضرت صلح کو صاحب وحی سمجھتے تو گستاخانہ برتاؤ کے عامل نہ ہوا کرتے۔ آپ کا یہ قول کہ ”رسول اللہ علیؐ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل فرما جاتے ہیں“ کافی طور پر ثابت کرتا ہے کہ آپ حضرت رسول کو بہت نیچی نگاہ سے دیکھتے تھے

آپ اگر حضرت رسولؐ کو صاحب وحی سمجھتے تو ایسا لایمینی قول زبان پر نہیں لاتے۔ آپ کے خیال و اقوال سے ٹپک رہا ہے کہ آپ حضرت رسولؐ کی رسالت کا دل سے اعتراف نہیں رکھتے تھے۔ آپ حضرت رسولؐ کی رسالت کو ایک امر بنی برصطت سمجھتے تھے جیسا کہ نیپولین کا خیال نفس مذہب کے بارے میں تھا۔ حضرت علیؑ کے بارے میں آپ کا قول بالا لکے دیتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے خیال میں حضرت صلعم عدل پروری سے بہت دور تھے اور عوام الناس کی طرح اپنے گھروالوں کی پاسداری ملحوظ رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تدبیر کبھی ایسی ذات پاک سے ظہور میں نہیں آسکتی جسے خدا تعالیٰ نے مورد و مایطعن عن الہویٰ کا بنایا تھا۔ لاریب ایسا خیال کسی مومن کے دل میں جاگزین نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے خیال کے لیے دل و دماغ منافق کا ہونا چاہیے۔ یہ امر کہ حضرت عمرؓ کو شک فی النبوت لاحق رہا کرتا تھا معاملہ حدیبیہ سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن ابی کے معاملہ میں بھی آپؐ کو اپنی نسبت یہ کہنا پڑا کہ ”مجھے اسلام میں لغزش کبھی نہیں ہوئی جو اس وقت میں ہوئی“ ان دونوں معاملات سے بین طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کا ایمان تو درکنار آپؐ کا اسلام بھی لغزش سے کبھی خالی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ایمان یا اسلام کے ساتھ آپؐ حضرت رسولؐ کی اطاعت یا متابعت کیا کر سکتے تھے۔ اور جب آپؐ اطاعت اور متابعت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو حضرت رسولؐ کی عظمت آپؐ کے دل میں کیا جگہ کر سکتی تھی۔

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کو ایک معمولی بشر سمجھ کر تیار ہوئے اور بے ادبیوں کے مرکب ہو کر رہے تھے۔ آپؐ حضرت رسولؐ کو اپنے ہی سا بشر قیاس کیا کرتے تھے۔ اگر آپؐ کو دولت ایمان حاصل رہتی تو آپؐ کم سے کم حضرت رسولؐ کو افضل البشر جان کر حضرت کی اطاعت اپنے اوپر فرض سمجھتے۔ آپؐ کا حضرت رسولؐ کو ایک معمولی بشر سمجھنا آپؐ کی ایک سخت خطا تھی اور آپؐ کے پیروان وقت جو ایسا سمجھتے ہیں نہایت برسر خطا ہیں۔ قول خدا یہ ہے کہ قل انما بشر مثکم یوحی الی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت رسولؐ سب آدمیوں کی طرح ایک آدمی تھے یوحی الی کی تخصیص کے ساتھ آپؐ نام طبقہ بشر سے علحدہ ہو جاتے ہیں۔ جناب مولانا شبلی صاحب عشق عمریؒ کے جوش میں کسر شان محمدیؐ کے خیال کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے ہیں حضرت عمرؓ کے عشق کا جادو آپؐ کے سر مبارک پر ہمیشہ سوار دکھائی دیتا ہے۔ ایسا خیال جو حضرت عمرؓ کا تھا اور اس وقت جو جناب شمس العلماء کا ہے کہ حضرت رسولؐ آپؐ ہی صاحبون کی طرح ایک بشر تھے

یہ خیال نہیں ہے درحقیقت حضرت رسولؐ کی رسالت اور عصمت پر ایک پوشیدہ حملہ ہے۔ ہرگز مرقضاً یہ نہ تھا کہ امت محمدی تفریق عمری کے مطابق کچھ افعال و اقوال حکم حضرت رسولؐ کو حسب تقاضائے حیثیت انسانی اور کچھ افعال و اقوال کو آنحضرت صلعم کے حسب تقاضائے منصب رسالت مانتے حکم عام خدا کا قرآن پاک میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اہل اسلام حضرت رسولؐ کی اطاعت اور متابعت کریں۔ امام محمد بن رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کی اطاعت و متابعت کے حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کل اوامر و نواہی میں معصوم ہیں اور واجب ہے کہ رسولؐ اپنے کل افعال و اقوال میں معصوم ہوں۔ پھر امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ تمام افعال و اقوال میں رسول اللہ صلعم کی پیروی واجب ہے اور بلاشبہ یہی اصل شریعت ہے یہ بھی امام ممدوح لکھتے ہیں کہ کوئی حکم آن صلعم کا یہ سبیل اجتہاد صدور نہیں پاتا تھا۔ ہر حکم آپ کا وحی پر مبنی ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ چونکہ حضرت رسولؐ کی متابعت سے اکثر انحراف و رزی کیا کرتے تھے آپ کو اس کی ضرورت لاحق ہوگئی کہ حضرت رسولؐ کے افعال و اقوال میں آپ تفریق پیدا کریں تاکہ الزام ارتداد سے آپ کو نجات کی صورت حاصل ہو سکے۔ مگر اس تفریق سے بھی برا بدعائی کم صورت پیدا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ بہر حال اگر حضرت عمرؓ کو دین محمدی سے کسی طرح کا تعلق لاحق نہیں ہوتا تو اسلام میں اس طرح کی تفریق کا مضمون دخل نہ پائے ہوتا۔ تب حضرت رسولؐ ہر حال میں حضرت رسولؐ سمجھے جاتے اور آن صلعم کی معقولیت حضرت عمرؓ اور آپ کے پیروان عجیب العقائد کے حملوں سے مامون رہ جاتی۔ نہایت جاے افسوس ہے کہ مردمان ناحق شناس حضرت عمرؓ کو داغ ارتداد سے بچانے کے لیے کسر شان مصطفویؐ کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں۔ نفوذ بالشر ثم نفوذ بالث۔

ضمیمہ ۱

خداے تعالیٰ و تقدس و جناب حضرت رسالت مآب یک طرفہ اور جناب
شاہ ولی اللہ صاحب و جناب علامہ شبلی صاحب یک طرفہ

حضرت رسول صلعم علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نسبت فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی آدم کو اُس کی صفوت کے ساتھ فوج کو اُس کی برکت کیساتھ سلیمان کو اُس کی مملکت کے ساتھ لقمان کو اُس کی حکمت کے ساتھ۔ ابراہیم کو اُس کی خلعت کے ساتھ۔ ایوب کو اُس کے صبر کے ساتھ یوسف کو اُس کے حسن کے ساتھ۔ داؤد کو اُس کے اخلاق کے ساتھ۔ موسیٰ کو اُسکی مناجات کے ساتھ۔ ادریش کو اُس کی منزلت کے ساتھ۔ عیسیٰ کو اُس کے زہد کے ساتھ اور محمد کو اُس کی اطاعت کے ساتھ دیکھنا چاہیے تو وہ میرے بھائی علی کو دیکھے۔ کسی صحابی کے پوچھنے پر آن صلعم نے فرمایا کہ میں اپنی جانب سے ایسا نہیں کہتا ہوں خود خدا نے علی کو اپنے کلام پاک میں پیران بالا کے برابر کیا ہے“ جیسا کہ آیات قرآنی سے حضرت رسول صلعم کے قول بالاکلی تصدیق ہوتی ہے۔ پس حضرت علی کا مرتبہ خدا و رسول کے نزدیک کیا ہے راقم کے احاطہ تحریر سے باہر نظر آتا ہے مگر علامہ شبلی صاحب پر نسبت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت عمر کا درجہ بھی کچھ ایسا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جبکو دریافت کر کے عقل حیرت زدہ ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بے ساختہ ہنسی بھی آتی ہے۔ جناب علامہ فرماتے ہیں کہ آپ یعنی حضرت عمر سکندر و القرنین تھے یح تھے سلیمان تھے نوح و ان تھے امام ابو حنیفہ تھے امام مالک تھے تیمور تھے وغیرہ وغیرہ۔ خوب کیا خوب۔ ماشاء اللہ کیا خوب جواب قول خدا و رسول کا حضرت علامہ دے سکے ہیں افسوس ہے کہ علامہ مدد رح نیرو (Nero) شاہنشاہ روم کے نام کا درج کرنا اپنی تصنیف گرامی میں بھول گئے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر کو نیرو کے ساتھ کچھ شکل مشابہت کی دکھائی دیتی ہے نیرو نے شہر روم میں آگ لگا دی تھی اور حضرت عمر نے خانہ حضرت رسول یعنی خانہ حضرت طاہرہ کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا ہے

یک گونہ نسبت بتو کافی بود مرا بلبل ہیں کہ قافیہ نگل بود پس است

واہ جناب غمیں العلماء صاحب آپ نے حضرت عمر کو حضرت علی کا خوب ہم پلہ بنانا چاہا ہے بلکہ

اسباب ترجیح کے پیدا کرنے میں کوئی کوشش اٹھانیں رکھی ہے۔ واقعی مذہب حضرات اہستہ کا کچھ عجب عالم رکھتا ہے۔ جو بات ہے نرالی ہے۔ سبحان اللہ۔ جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی۔ جناب علامہ صاحب آپ نے الفاروق میں یہ دکھلانا چاہا ہے کہ دنیا میں جتنے کمالات ہیں حضرت عمر کی ذات پر ختم تھے۔ حضرت رسول صلعم کی نسبت یہ مصراع سنا کرتے تھے کہ ”انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری“۔ مگر آپ نے تو حضرت عمر کو حضرت رسول کا مقابل بنا چھوڑا۔ بلکہ یہ کہیے کہ بحر العلوم صاحب کی طرح حضرت رسول کے اتالیق اور مصلح کا درجہ بھی حضرت عمر کو آپ نے بخشا ہے۔ ماشاء اللہ آپ کا کیا کہنا ہے۔ اب چونکہ آپ حضرت عمر کو درجہ رسالت تک بلکہ شیخ کچھ اس سے بھی بلند درجہ کو پہنچا چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں آپ کا ہمارے حضرت رسول سے بے نیاز ہو جانا بھی خیر مناسب نہیں نظر آتا ہے۔ دوسرے کی تبعیت کی ضرورت ہی کیا ہے چنانچہ ایسی حالت میں کہ آپ کے قائم کردہ رسول ہمارے حضرت رسول سے ہمیشہ مخالفت پر تلے رہتے تھے پس آپ کو آسانی اسی میں نظر آتی ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ کیساتھ عمر رسول اللہ فرمایا کیجیے۔ محمد رسول اللہ کہنا تو فضول ہی فضول دکھائی دیتا ہے۔ زشت باشندہ عروسے را دوشوہر داشتن کہیں کبیر دونوں نہ چڑھتے۔ ایک رسول شفاعت کے لیے کافی متصور ہے میرے لیے محمد صاحب آپ کے لیے عمر صاحب ۵

نو و طوبی و ما و قاست یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

بیان یہ گزارش کر دینا خلاص حق نہیں معلوم ہوتا ہے کہ راقم کے خیال میں علامہ مدوح کے ذاتی عقائد ویسے نہیں واقع ہوئے تھے جیسے کہ الفاروق وغیرہ میں دیکھے جاتے ہیں۔ اپنے وفور علم کے باعث جناب علامہ فضائل مرتضوی سے باخبری رکھتے تھے۔ اپنی تحریرات بالا میں جو اقسام بالا کے وحشت خیز مضامین درج فرماتے گئے ہیں وہ بہ اسباب ظاہر صرف اس غرض سے ہے کہ سنی دنیا میں ناموری اور محبوبیت کا درجہ حاصل ہو چنانچہ ایسی تحریرات سے جناب مدوح کو ویسا درجہ حاصل ہو گیا جو جناب مدوح کا مرکز خاطر تھا۔ البتہ ”موازنہ دبیر و انیس“ سے جناب مدوح کو درجہ حاصل شدہ میں ترقی کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی اور وہ اس سبب سے کہ دبیر و انیس کی مضامین آفرینی یا تو لاء اہمیت سے حضرات اہل سنت کو کوئی خاص وجہ دلچسپی کی نہیں ہو سکتی ہے بالخصوص فرقہ و ہابیہ کو جو نفس مرثیہ نگاری کو بدعت اور شرک جانتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جناب علامہ کا مذہب ہرگز امامیہ نہ تھا مگر راقم کے گمان میں جناب مدوح کے عقائد ویسے بھی نہ تھے

جو جناب ممدوح کی تصنیفات میں دیکھے جاتے ہیں۔ اے علم عند اللہ۔ اسی طرح میں ایک اور صاحب کی حقیقت حال سے خبر رکھتا ہوں جو دوہرا مذہب رکھتے تھے۔ یہ صاحب بھی ذی علم تھے اور خاص کر علم کلام سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ یہ صاحب گو ایک سخت سنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر اپنی اطلاع وسیع کی بدولت پورے طور پر امامیہ مذہب کے پوشیدہ طور پر اختیار کر چکے تھے اور میں اُن کے اس راز سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ یہ صاحب فضائل معاویہ میں رسالے پر رسالے لکھا کرتے تھے۔ میں نے ایک روز تنہائی میں پوچھا کہ جناب آپ تو مذہب امامیہ رکھتے ہیں پھر امیر معاویہ کی یہ فضائل سرائی کیسی۔ موصوف نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں طبابت کا پیشہ کرتا ہوں اور صوبہ بہار میں سینوں کی کثرت ہے۔ اس طرح کی فضائل نگاری سے مجھے اکتساب معاش کی صورت ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے میں سینوں کو فضائل معاویہ کے بیانات سے اُنکی مخالفت اہل بیت میں ترقی دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ گمراہ درگمراہ ہو کر مستوجب نار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بدخواہی کسی حال میں روا نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ راقم کی نظر میں اس طرح کے خیالات تاملتر مقدم نظر آتے ہیں۔ انسان کو انسان کا نیک خواہ ہونا چاہیے۔ نہ کہ بدخواہ ہونا وہ بھی اس طرح کا بدخواہ ہونا کہ کسی کی عاقبت بخیر نہ ہو سکے۔ مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لیے توفیق خیر اور فلاح عقبی کے لیے دل سے دعا کی جائے۔ عجب کیا ہے کہ مقلب القلوب تقدس و تعالیٰ اپنے کمال رحیمی سے ایسے داعی کی دعا قبول فرمائے۔ وہ پاک بے نیاز ہر امر پر قادر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جب اس کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو حُر ساء مخالف بھی حُر ہو جاتا ہے۔

ضمیمہ ۱۸

معاملات قرآنی

قرآن سے مراد ہے وہ اقوال الہی جو بہ سبیل وحی حضرت رسول صلعم پر اوقات مختلفہ میں نازل ہوتے گئے تھے۔ وحی برائے خود کیا شے ہے۔ اس کا ذاتی علم راقم کو نہیں ہے۔ اس لیے کہ وحی راقم پر کبھی نازل نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے مفہوم سے راقم اس قدر اطلاع رکھتا ہے کہ وحی پیغام خدا کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے کسی اہل بندہ کے ذریعہ سے اس کے عام بندوں تک پہنچ جاتی تھی۔ جو ذات مورد وحی ہوتی اُسے پیغمبر رسول یا نبی کہتے ہیں۔ اب وہ سلسلہ نزول وحی کا منقطع ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ بعد حضرت رسول صلعم کے پھر نہ کوئی پیغمبر ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ وحی ربانی پیغامات ہوتی تھی اُن اقوال الہی کو حضرت رسول بندگان خدا کو پہنچا دیتے تھے۔ جو افراد اُن اقوال کو پیغام خدا سمجھتے تھے وہ مسلمان کہے جاتے تھے اور جو اُن اقوال کو پیغام خدا نہیں سمجھتے تھے کافر کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اس وقت بھی بندگان خدا سے جو اُن اقوال کو پیغام خدا سمجھتے ہیں مسلمان کہے جاتے ہیں اور جو اُن اقوال کو پیغام خدا نہیں سمجھتے ہیں انہیں مسلمان کافر کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ وہ اقوال الہی بے شکل وحی حضرت رسول صلعم پر نازل ہوتے گئے تھے انہیں حضرت علیؑ نے عہد حضرت رسول ہی میں حسب روایت بخاری و سیوطی و امیری حوالہ قلم کر ڈالا تھا۔ اسی بنا پر حسب روایت بخاری آپ اعلان فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس قرآن مجید ترتیب دادہ حضرت رسول صلعم کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا سے پاک نے حضرت علیؑ کو اس کا عظیم کی ایک توفیق خاص بخشی تھی ورنہ جامع قرآن ہونا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ تب ہی تو یہ فرمودہ حضرت رسول صلعم کا ہے کہ القرآن مع علیؑ و علی مع القرآن۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت رسول کے عہد کے آپ جامع قرآن تھے تو آپ کا جمع کردہ قرآن بالیقین ہر طرح کی غلطیوں سے پاک تھا۔ آپ کے مقابل میں جامع قرآن ہونے کا دعویٰ کیا کوئی کر سکتا تھا۔ جس ذات پاک نے عہد حضرت رسول میں قرآن کے جمع کرنے میں اس قدر عرق ریزی کی تھی اُس کے علم قرآن کے سامنے کسی کا علم قرآن کیا حقیقت

رکھ سکتا تھا۔ حضرت علی کا قرآن ایسا تھا کہ اس کے ہر سورہ کا نام اور اس کے آیات کا نظم خود حضرت رسول صلم سے انجام پا چکا تھا۔ لیکن بدبخت مسلمانوں نے ایسے قرآن کو رواج پکڑنے نہ دیا۔ نہیں معلوم کہ وہ قرآن علی کا بلکہ یہ کیسے وہ قرآن حضرت رسول کا کیا ہو گیا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآن کا کوئی نسخہ سفاح عباسی کے وقت تک موجود تھا (دیکھو تاریخ الخلفاء فی ترجمہ سفاح العباسی صفحہ ۱۶۶) راقم کہتا ہے کہ جب عہد سفاح تک علی کا جمع کردہ اور حضرت رسول کا ترتیب دادہ قرآن موجود تھا تو عہد حضرت ابوبکر میں اس کے موجود رہنے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی خاص کر ایسے وقت میں کہ اس کے جامع حضرت علی بھی یہ نفس نفیس موجود تھے پس تعجب ہے حضرت ابوبکر سے کہ آپ حضرت علی سے اس کے طالب ہو طالب ہونا تو درکنار آپ نے مسند آراء خلافت ہونے کے بعد ہی ایک کمیٹی قرآن جمع کرنیکی مقرر فرمادی اس کمیٹی نے جس کے ممبر زید ابن ثابت اور ابی بن کعب وغیرہ تھے حضرت حلیفہ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کمیٹی کا قرآن تا عہد حضرت عمر اپنے حال پر رہا۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت شیخین نے حضرت علی سے ایسی بے رخی اختیار کی کہ آپ صاحبزادے نے حضرت علی کو اس کمیٹی کا ممبر تک مقرر نہ فرمایا بہر حال جب حضرت علی نے عہد خلافت اولیٰ میں اپنا جمع کردہ اور حضرت رسول کا ترتیب دادہ قرآن پیش کیا تو حضرت شیخین و مخالفانِ خاندانِ پیغمبر نے اس قرآن کو قبول نہیں کیا اور حضرت علی اُسے واپس اپنے گھر لے آئے اور وہ قرآن حضرت علی کا ایسا تھا کہ اس کی نسبت علامہ ابن سیرین جو اہل سنت کے ایک جید عالم گزرتے ہیں نہایت حسرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر علی کا مرتب کردہ قرآن ملتا یا قبول کر لیا جاتا تو اس سے علم کثیر حاصل ہوتا (دیکھو صواعقِ محرقة و تاریخ الخلفاء رسیوطی) تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن بہ ترتیب نزول شان نزول جمع کیا گیا تھا۔ اس ترتیب سے واقعات عہد حضرت رسول کے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتے تھے۔ اُس کو مذہب اسلام کی ایک صحیح تاریخ کی حیثیت حاصل تھی۔ اُس سے عداوت و فضائل صحابہ کے بامراد طور پر ہویا ہوتے تھے۔ اس سے خلافت خلفا کی قلعی بھی اچھی طرح کھلتی تھی افسوس صد افسوس کہ وہ قرآن مسلمانوں کی پہنچتی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ اگر وہ قرآن موجود رہ جاتا۔ تو اسلام کے بہت سے جھگڑے ظہور میں نہ آتے اور معانی آیات میں کسی کو رائے زنی کا موقع حاصل نہ ہو سکتا۔ مسلمان بھی عجب چیز ہیں۔ ایسا قرآن جو جمع کردہ حضرت علی کا اور ترتیب دادہ حضرت رسول کا تھا اس کو مسلمانوں نے نہیں قبول کیا اور زید ابن ثابت وغیرہ کے قرآن کو گلے لگا لیا۔ واقعی مخالفانِ خاندانِ پیغمبر کی عجب مسلمانی تھی کہ جس نے اسلام میں طرح طرح کے گلے کھلائے معاذ اللہ تم معاذ اللہ۔ اشرارے خاص کر حضرت عمر کا عناد حضرت علی کے ساتھ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے

قسم کھائی تھی کہ حضرت علی کی مخالفت سے کسی حال میں منہ نہ موڑیں گے۔ حضرت عمر کو معلوم تھا بلکہ حضرت ابو بکر کو بھی کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن حضرت رسولؐ کا فرمودہ ہے۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ کے قرآن سے روگردانی چہ معنی دارد۔ حق یہ ہے کہ یہ روگردانی حضرت علیؑ سے نہ تھی خود حضرت رسولؐ سے تھی۔ اس لیے کہ علیؑ کا جمع کردہ قرآن ترتیب دادہ حضرت رسولؐ کا تھا حضرت عمر حضرت علیؑ کی مخالفت سے کبھی خالی نہیں رہتے تھے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی مخالفت سے بھی آپؐ کا دل کبھی پاک نہیں رہتا تھا جیسا کہ ضمیمہ نمبر ۷۱ میں آپؐ کے اس قول کو کہ ”رسول اللہ علیؑ کی محبت میں اکثر حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میل فرما جاتے ہیں“، حوالہ قلم کر چکا ہے اور جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ تو آپؐ کو مخالفت تھی ہی حضرت رسولؐ کی بھی وقت آپؐ کے دل میں کچھ نہ تھی جس کی بنا پر آپؐ مخالفت حضرت رسولؐ پر تیار رہتے تھے اور حضرت رسولؐ کی مخالفت کو کوئی خوف انگیز امر نہیں جانتے تھے۔ آپؐ کی اس طرح کی مخالفت حضرت رسولؐ کی مثالیں بہت ہیں۔ اس معاملہ قرآنی کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس فرمودہ حضرت رسولؐ کو بھی القرآن مع علی و علی مع القرآن ایک بے وزن قول سمجھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علیؑ کے جمع کردہ اور حضرت رسولؐ کے ترتیب دادہ قرآن کو رد کر دینے پر جرات نہ کر سکتے۔ بالاختصار نہایت جائے افسوس ہے کہ مسلمانوں کی کبھی سے وہ قرآن جو حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا تھا اور حضرت رسولؐ کا ترتیب دادہ تھا قبول نہیں کیا گیا۔ نہیں قبول کیے جانے کا ایک مطلب یہ بھی تھا۔ کہ اس ناپذیرائی سے حضرت علیؑ اور خاندانِ پیمبرؐ کی توہین اور تفضیح کی صورت پیدا ہو جائے۔ قرآن بلا گفتگو نظام مذہب اسلام کا ایک اتنا اہم جزو ہے کہ تعلیم سے یعنی دوا امر عظیم سے ایک امر عظیم ہے۔ مخالفان علیؑ و دشمنانِ خاندانِ پیمبرؐ نے چاہا کہ علیؑ و خاندانِ پیمبرؐ کو اس امر عظیم سے بہ باب ظاہر بے تعلقی پیدا ہو جائے۔ اس لیے قرآن جمع کردہ علیؑ و ترتیب دادہ حضرت رسولؐ کو حسن پذیرائی سے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور حق کشی کا یہ نتیجہ صریح دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان حافظ قرآن ہو جاتے ہیں جلسہ قرآنی کیا کرتے ہیں اور روز تلاوت قرآن عمل میں لایا کرتے ہیں مگر ایک مسلمان بھی حدیث القرآن مع علی و علی مع القرآن کو دم بھر کے لیے اور خس کے برابر بھی اپنے دماغ میں کبھی جگہ نہیں دیتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مخالفان علیؑ و خاندانِ پیمبرؐ نے عدم پذیرائی بالاسم مذہب محمدیؐ کو ایک نئے قالب میں ڈھال ڈالا ہے اور وہ ایسا قالب ہے کہ جسکو بانی دین اسلام کے قالب سے نامعربے سرکاری دکھائی دیتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے قرآن کے جمع کرنے کا یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ حسبِ کم خلافت اولیٰ مسلمانان وقت قرآن کے اجراء لائے تھے یا زبانی آیتیں کمیٹی کے سامنے پڑھتے تھے اور جب اُن پر دو گواہ بیان گزرتا تھا تو وہ جزو قرآن کا درست مان لیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت شخین کے عہد کا قرآن جمع کیا گیا تھا کیا جائے تعجب ہے کہ اس طرز کا جمع کردہ قرآن تو رواج پا گیا اور حضرت علیؓ کا جمع کردہ اور حضرت رسولؐ کا ترتیب دادہ قرآن رکھ دیا گیا۔ خیر۔ عہد حضرت عمرؓ تک تو یہی کمیٹی والا قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہا۔ مگر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپؓ نے قرآن موجودہ کی تصحیح و ترتیب کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ تمام دیار اسلام کے نسخہ ہائے قرآنی آپؓ نے جمع فرمائے اور بعد جلاؤاٹے سب نسخہ ہائے قرآنی کے جو آپؓ لوگوں کا تصحیح و ترتیب یافتہ نسخہ قرار پایا اس کو تمام اسلامی دنیا میں مروج کر دیا۔ یہی قرآن آپؓ کا جو صحیفہ عثمانی کا حکم رکھتا ہے اس وقت تمام اسلامی دنیا میں کلام خدا مانا جاتا ہے۔ تصحیح و ترتیب کے متعلق یہاں پر اتنا حوالہ دقلم کر دینا ضروری ہے کہ تصحیح قرآنی اس طور پر عمل میں لائی گئی کہ قرآن سے الفاظ ”علی“ و ”آل محمد“ نکال ڈالے گئے جس سے منصوصی حیثیت علیؓ و آلِ محمدؐ کی رخصت کر دی گئی اور ترتیب قرآنی کا یہ طور ظہور میں آیا کہ کئی آیتوں میں مدنی آیتیں گھسیٹ دی گئیں اور مدنی آیتوں میں مکی آیتیں جس کی وجہ سے قرآن کا سمجھنا تفسیروں کے بغیر ایک سخت دشوار امر ہو گیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی تصحیح قرآن کی بدولت خاندانِ پیغمبرؐ کی جو مرمت ہو گئی محتاج بیان نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے تنقیص شان اہل بیت کی جو بنا ڈالی تھی اس کا تملکہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہو گیا۔ حضرت ناظرین معاملات قرآنی کی نسبت راقم کی تصنیف مصباحِ الظلم کو اس تحریر کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر یہ ہے کہ ما شاء اللہ مسلمانوں نے حضرت رسولؐ کی حدیث ثقلین کی خوب تعمیل کی۔ اہل بیت بنوی کی بربادی اور توہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اسی طرح قرآن کے ساتھ وہ کارروائیاں اختیار کیں جن کو کوئی ذی فہم کا فر بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ قرآن کے ساتھ خلافتِ ثلاثہ کے جو سلوک ہوتے گئے وہ اس کی حقمت کے ایسے کم کر دینے والے نظر آتے ہیں کہ پناہ بخدا۔ ایسی بے توقیری کا ایک بین نتیجہ وہ فعل میر معاویہ کا تھا جو اُن صاحب سے ظہور میں آیا جب وہ خلیفہ وقت یعنی حضرت علیؓ سے علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھے۔ یعنی امیر صاحب نے سیکڑوں نسخے قرآن کے جھنڈوں سے آویزاں کر ڈالے اور مسلمانوں کو یہ حرکت آپؐ کی مطلق ناگوار نہیں گزری۔ اسی طرح خلیفہ ولید نے قرآن کو تیر باران کر ڈالا۔ پوشیدہ نہیں ہے

کہ حضرت معاویہ اور حضرت ولید دونوں بزرگوار حضرت عمر یعنی زید ابن ثابت کے دین کے پابند تھے
پس کیونکر تعظیم قرآن سے اپنے کو آزاد نہ سمجھتے۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ زبان انگریزی میں ایک قرآن ہے جس کو
راڈول صاحب کا قرآن کہتے ہیں۔ اُس قرآن کی ترتیب نزول آیات کے اوقات کو ملحوظ رکھ کر
عمل میں لائی گئی ہے۔ مگر وہ قرآن زبان انگریزی میں صحیفہ عثمانی ہے کوئی دوسرا قرآن نہیں ہے
اس کو حضرت علیؓ اور حضرت رسولؐ کا جمع کردہ اور حضرت رسولؐ کا ترتیب دادہ قرآن نہیں کہیں
کرنا چاہیے لیکن اُس قرآن کو چاہیے کہ ہر قرآن خوان کم سے کم ایک بار ہی پڑھ لے۔ اس لیے کہ
اُس کی ترتیب علم قرآن معروف کے حاصل کرنے میں بڑی مددگار نظر آتی ہے۔



ضمیمہ نمبر ۱۹

وہابیان نجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اس وقت ہندوستان میں حجاز سے خبریں آرہی ہیں کہ وہابیان نجد مکہ مدینہ اور مدائن وغیرہ میں ایک مذہبی ہنگامہ برپا کیے ہوئے ہیں۔ اُن کے افعال و اقوال سے ہندوستان کے فرقہ باسلام یعنی شیعہ اور سنی دونوں بہ استثنائے فرقہ وہابیہ سخت نالاں ہو رہے ہیں۔ اہل نجد وہابی ہیں یعنی پیروان شیخ عبدالوہاب نجدی ہیں اور تقاضاے مذہب سے وہ اُمور اُن سے سرزد ہو رہے ہیں جن سے فرقہ اہل سنت و اہل تشیع میں اس طرح کی بھینسی پھیلی ہوئی ہے۔ فرقہ باہابیہ بھی اقسام اہل سنت سے ہیں مگر اہل سنت سے اس طور پر علیحدگی رکھتے ہیں کہ اہل سنت کے ائمہ اربعہ سے تامترتبہ سرکاری رکھتے ہیں۔ یعنی تقلید ائمہ اربعہ سے تامتر آزاد ہیں۔ یہ فرقہ عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اسی لیے اپنے کو اہل حدیث اور غیر مقلد کہتا ہے اس مذہب کے بانی شیخ عبدالوہاب نجدی گزرے ہیں جن کے زمانہ کو چار سو برس سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے وہ صاحب شیخ نجدی کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کا دین نجد سے شروع ہو کر ہندوستان میں بھی پھیل گیا ہے۔ ہندوستان میں اس کے بڑے رواج دینے والے سید احمد صاحب مرحوم گزرے ہیں۔ ستر برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ آپ کے مریدین ہندوستان میں بہت اشخاص موجود تھے۔ اس مذہب کے ایک مشہور بزرگ مولوی اسماعیل صنامرحوم نے بھی ناموری پیدا کی تھی۔ پٹنہ میں بھی اُس مذہب نے کچھ زور پکڑا تھا۔ مگر گورنمنٹ انگلشیہ کو جب علوم ہو گیا کہ اُس مذہب والے سرکار انگلشیہ سے بیسیل ہما د ہندوستان کو لے لینا چاہتے ہیں تو سرکار نے حضرات وہابی کی گرفتاری شروع کر دی جس سے ان کا زور بہت ٹوٹ گیا۔ اب بھی حضرات وہابی پٹنہ اور دیگر مقامات میں موجود ہیں مگر بہ اسباب ظاہر و پنهان فسادات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر سرکار انگلشیہ کو اُن سے اب کوئی وجہ مخاصمت کی نہیں ہے۔ اس فرقہ وہابیہ کے ایک نامی بزرگ سر سید احمد خان صاحب علیہ الرحمۃ بانی کالج علیگڑھ بھی تھے۔ یہ سارے حضرات وہابی اہل سنت سے تھے اور ہیں مگر پیروان حضرات ائمہ اربعہ اُنکو گمراہ سمجھتے ہیں اس طرح

وہ بھی پیروان حضرت ائمہ اربعہ کو گمراہ جانتے ہیں۔ اذروے عقائد مذہبی حضرات اہل حدیث خدا کو خدا اور رسول کو رسول اور خلفا کو خلفا مانتے ہیں۔ لیکن عام اہل سنت سے اس طور پر علیحدگی رکھتے ہیں کہ حضرات ائمہ اربعہ کی پیروی سے بے سروکاری رکھتے ہیں۔ ہم اہل تشیع کے نزدیک اہل حدیث اسبق در مسلمان ہیں کہ جس قدر پیروان حضرات ائمہ اربعہ مسلمان ہیں۔ لیکن اس وقت جو رنگ اہل نجد کا حجاز میں ہو رہا ہے وہ ایسا ہے کہ ہم اہل تشیع اُن کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت کے اہل نجد کا تو مذہب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضرت رسول کی رسالت سے بھی قولاً و فعلاً اقرار نہیں رکھتے ہیں۔ تب ہم اہل تشیع اُن کو محمدی کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ مالک حجاز ہو کر اہل نجد نے ایسی اُودھم مچا رکھی ہے کہ پناہ بخدا۔ تمام مقدس مقامات کو برباد کر ڈالا ہے۔ مزارات و مساجد و روضہ ہائے متبرک وغیرہ وغیرہ منہدم کر ڈالے ہیں اور اب حضرت رسالت مآب صلعم کے روضہ کو بھی منہدم کر ڈالنے کا قصد رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے روضہ کا نام اُن گمراہوں نے صنم اکبر رکھا ہے۔ بقرینہ غالب پولیٹکل خون سے وہاں بیان نجدی اس فعل رشت کے ابھی تک مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن رفع خون کے بعد اُن سے اس گناہ کے ارتکاب کا ظہور میں آجانا خلاف توقع نہیں نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل نجد نے مذہب وہابی میں ترقی کی صورت پیدا کر کے وہاں بیان ہندوستان کے عقائد سے ایک علحدہ سلسلہ عقائد کا پیدا کیا ہے۔ راقم کو اُن کی یہ ترقی زوال کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ ایسی پریشان خیالیوں کے ساتھ کسی دین یا مذہب کو استواری یا پائداری کی شکل حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اہل نجد کی چالیں اس وقت کی گاتھس اور وینڈلس (Goths and Vandals) کی نظر آتی ہیں جس طرح پرگا تھس اور وینڈلس صنم ہستی سے غائب ہو گئے یہ اہل نجد بھی غائب ہو جانے والے نظر آتے ہیں۔ مجھے کمال فہم ہے کہ وہاں بیان نجد نے مذہب وہابی میں اس طرح کی جدت کو دخل دیا ہے کہ حضرت رسول صلعم کی رسالت سے بھی برسرِ انکار ہو گئے ہیں۔ وہاں بیان ہندوستان حضرت رسول کی رسالت سے منکر نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اب وہاں بیان ہندوستان میں بھی وہی نجدی رنگ آنے لگا ہے اگر کچھ نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ وہاں بیان نجد کی سرسبزی سے وہ حضرات نہایت خرسند ہو رہے ہیں۔ خیر مذہب وہاں بیان کی بنا اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ اس کا دار و مدار کتب احادیث پر ہے۔ وہ کتابیں دون حیثیت رکھتی ہیں اور باقاعدہ مدارس اسلامیہ اہل سنت میں پڑھائی جاتی ہیں۔ کس قدر عقلاً حدیث کا علم قابل اعتماد ہے راقم کی تحریر ذیل سے واضح ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ حضرت رسولؐ اپنی امت کی تعلیم قوی اور فعلی ذرائع سے بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہی تعلیمات احادیث کا حکم رکھتی ہیں۔ حاضر باستان دربار مصطفویٰ یعنی محمد نبویؐ کے اہل اسلام حضرت صلعم کے افغانی اور اقوالی امور کو اپنی استعداد کے مطابق ذہن نشین کر لیتے تھے اور اُن کو یہ سبیل روایت اشاعت دیتے تھے۔ اس صورت سے احادیث کا کثرت کے ساتھ وقوع میں آجانا خلافت فطرت متصور نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی نہ ہمار خلافت فطرت نظر نہیں آتا ہے کہ احادیث کی روایتوں میں کمی بیشی کی صورت پیدا ہو سکے۔ چنانچہ اس فطری امر کو ملحوظ رکھ کر حضرت خلیفہ اول نے احادیث کی طرف اپنی توجہ بالکل کم کر دی تھی حضرت خلیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے تحقیق کے ساتھ پانچ سو حدیثیں جمع کیں مگر اُن کو بھی ناقابل وثوق سمجھ کر جلاؤالا۔ حضرت خلیفہ دوم نے اس سے بھی زیادہ سختی کی راہ اختیار کی آپ نے راویان حدیث کو قید کرنا اور دُڑے لگانا شروع کر دیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ مشکل دُڑے کھانے سے بچ گئے اور ابو ہریرہ صاحب روایت بازی سے تاعمد حضرت عمرؓ باز آ گئے۔ یہ تو روایت احادیث کا تاعمد حضرت شیخین میں نظر آتا ہے۔ لیکن محل استعجاب یہ ہے کہ امام محمد اسماعیل بخاری نے حضرت رسول صلعم کے دو چھتیس برس کے بڑے ضخیم کتاب حدیث کی ایسی مرتب کر ڈالی کہ جس کو اہل اسلام کتاب باری یعنی قرآن شریف کے بعد قابل عظمت مانتے ہیں۔ تماشاً ہو کہ حضرت شیخین تو روایت احادیث سے اس قدر اجتناب رکھتے تھے مگر امام بخاری نے ہر طرح کے رطب یا بس احادیث سے اپنی کتاب کو بھر ڈالا۔ ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص کی روایت حدیث پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا جو جنہوں نے نہ حضرت رسول صلعم کا زمانہ دیکھا اور نہ حضرت رسول صلعم کے صحابیوں کے ہم پل سمجھے جاسکتے ہیں۔ علاوہ اسکے امام موصوف کی کتاب کے بہت راوی ایسے ہیں کہ جو امیر معاویہ اور عبد الملک وغیرہ کی طرف سے وضع حدیث پر امور کیے گئے تھے اور ایسوں نے ہزاروں ہزار حدیثیں وضع کر ڈالیں علیہم ما علیہم۔ ظاہر ہے کہ ایسے راوی کیا اور اُن کی روایتیں کیا۔ لا حول ثم لا حول۔ جیسے بیدین خلیفہ ویسے اُن کے وضاع حدیث۔ راویان امام بخاری سے ایسے اشخاص بھی ہیں۔ جیسے مروان جس نے امام حسن علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم اُن اہلبیت سے ہو جو ملعون ہیں حالانکہ وہ لعین جو مردودان درگاہ خدا اور رسول سے تھا اور خود اُس قبیلہ کا ایک ممبر تھا جس کے لیے قرآن میں شجرہ ملعونہ نازل ہوا ہے۔ مجھے نہ مروان نہ عبد الملک نہ امیر معاویہ نہ حضرت عثمان اور نہ ابوسفیان اور نہ کسی بنی امیہ کے معاملات سے اس قدر حیرت ہوتی ہے جس قدر کہ حضرت عمرؓ کے اس فعل سے کہ قبیلہ بنی امیہ کو ملعون قرآنی جانکر اور بھی حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف اُس

قبیلہ کے پشت پناہ بن بیٹھے۔ جناب خلافت مآب کے فعل بالا کے نتائج سے کون پڑھا لکھا آدمی قوت نہیں رکھتا ہے۔ یہ حضرت خلیفہ ہی افعال نامناسب کا نتیجہ تھا کہ عہد حضرت عثمان میں صحابہ رسولؐ پر سختیاں طرح طرح کی گزریں شرفاء کو فہ وغیرہ ذلیل و خوار کیے گئے۔ حضرت کے مقرر کردہ گورنر نے مسجد میں شب کی پی ہوئی شراب حالت نماز میں تے کر ڈالی، دو رکعت نماز کی جگہ چار رکعت نماز پڑھا دی جتنے مردودان درگاہ خدا و رسولؐ و تنزیلی فاسق تھے مدینہ میں طلب کر لئے گئے پھر ان کے ساتھ طرح طرح کے لطعت و مدارات کے ساتھ حضرت خلیفہ پیش آتے گئے طرح طرح کی بے ایمانی غیطانی بے عنوانی حضرت خلیفہ کے عہد میں ظہور پذیر ہوتی رہیں یہاں تک کہ کثرت بے اعتدالی کی وجہ سے آخر خود حضرت خلیفہ کی جان پر آہنی۔ نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ میں کس صفت حمیدہ کا پر زور جلوہ دیکھا تھا کہ بڑی بڑی چالوں سے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ حضرت رسولؐ بنا گئے۔ ظاہر حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانے کی اور کوئی وجہ نہیں تھی الا یہ کہ حضرت عثمانؓ قبیلہ بنی امیہ کے ایک ممتاز ممبر تھے چونکہ قبیلہ بنی امیہ کو خدا نے قبیلہ ملعونہ قرار دیا تھا اور حضرت رسولؐ قبیلہ بنی امیہ سے نفرت تامہ رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں حضرت عمرؓ بنی امیہ کو سر پر نہ چڑھاتے تو کیا کرتے۔ اسی سر چڑھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ جنکو جناب رسالت مآب صلعم نے دس برس کی محنت شاقہ میں ایسا زیور برکھڑا لایا تھا کہ اب ان میں کسی طرح کی سلطنت کی طاقت نہیں باقی رہی تھی۔ صرف ایک قوی قبیلہ نہیں بن گئے۔ بلکہ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ بھی ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ ابوسفیان کے دستگیر بن جاتے اور حضرت عثمانؓ کو درجہ خلافت تک نہیں پہنچا دیتے تو دین اسلام کی تاریخ نے ایک دوسری صورت دکھائی ہوتی۔ حضرت عمرؓ کی بنی امیہ پرستی کی بدولت وہ سب امور ظہور میں آئے جو اس قدر نامطبیع رنگ رکھتے ہیں۔ مثلاً معاودت مردودان درگاہ خدا و رسولؐ کی مدینہ میں فسادات حضرت عثمانؓ کے عہد کے سول وارس (مدینہ) میں المسلمین جن میں جنگ صفین و واقعہ کربلا و خروج بنی ہاشم و دوستان بنی ہاشم داخل دکھائی دیتے ہیں ملحدانہ اقوال و افعال بنی امیہ عہد خلفائے بنی امیہ میں معاملات قرآنی عہد حضرت عثمانؓ میں ظہور و ضاع احادیث عہد امیر معاویہ و عہد الملک مین و من قبیل ذالک انواع طرح کے افعال قبیحہ جن کے مرتکب بنی امیہ کے سوا کوئی دوسرا قبیلہ ان کے ارتکاب کی استعداد نہیں رکھتا تھا چونکہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی مخالفت پر ہمیشہ دل سے تلے رہتے تھے۔ حضرت خلافت مآب کی نجات معاملات بنی امیہ کے لگاؤ سے کوئی حیرت انگیز نقشہ نہیں پیش کرتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

کہ حضرت عمرؓ اور اپنے کو حضرت رسولؐ کا مقابل سمجھتے تھے اور اگر حضرت رسولؐ کی رسالت کا دل سے اعتقاد رکھتے تھے تو بھی اس کے ساتھ اس رسالت کی شرکت کے اعتراض سے خالی نظر نہیں آتے ہیں۔ دوسرے مخالف حضرت علیؓ کے حریر بن عثمان رجبی دکھائی دیتے ہیں جو حضرت علیؓ کی تنقیص شان زورون کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ تنقیص شان مرتضوی کی مثالوں سے درگزر کر کے راقم صرف ایک واقعہ درج کرتا ہے کہ جب یحییٰ بن صالح سے کسی نے پوچھا کہ تم حریر سے کیوں روایت حدیث نہیں کرتے تو یحییٰ نے کہا کہ میں کیونکر ایسے شخص سے روایت کروں کہ جس کا یہ حال ہو کہ جب وہ مسجد سے نکلتا تھا تو ستر مرتبہ صبح اور ستر مرتبہ شام حضرت علیؓ پر نیت کر لیتا تھا۔ آفرین بر یحییٰ بن صالح کہ انھوں نے حریر کو قابل وثوق نہ سمجھا۔ مگر واہ امام بخاری صاحب آپ تو حریر کے بڑے قدردان نظر آتے ہیں لکڑس عاقبت برباد کی روایتوں سے اپنی صحیح کو مزین کر ڈالا۔ تیسرے امام بخاری کے قابل قدر عمران بن حطان دکھائی دیتے ہیں جو ایک مشہور خارجی تھا اور جس کا ذکر سابق میں القلم ہو چکا ہے۔ علیہ ما علیہ مختصر یہ ہے کہ صحیح بخاری بلکہ تمام صحاح ستہ کچھ عجیب رنگ کی کتابیں دکھائی دیتی ہیں کہ جنکی ترکیبوں کو دیکھ کر عقل تھیراؤر ششدر ہو جاتی ہے۔ بالخصوص اہل حدیث کے مذہب کی ساری کائنات ایسی ہی کتب حدیث ہیں۔ اسی سے مذہب اہل حدیث کے نیک و بد کو اہل انصاف موازنہ کر لیں۔ جس مذہب کی بنا ایسی کتابوں پر واقع ہوئی ہے اسکی نسبت زیادہ عرض کرنا فضول ہی فضول ہے عیان راجح بیان۔ خیر جس وضع پر مذہب اہل حدیث ہندوستان میں بواج پذیر ہوا تھا لاریب مذہب اسلام کے ایک فرقہ کے مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی جس طور پر اور فرقہ ہائے اسلام کے جانے کا حق رکھتے ہیں مذہب اہل حدیث بھی فرقہ اسلام کے جانے کا حق رکھتا ہے مگر جو امور اب اس مذہب کی نسبت ملک حجاز میں سنے جاتے ہیں وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں کہ وہاں کا مذہب اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ حجاز میں اہل نجد بہت سے وحشیانہ افعال کے مرتکب ہوتے گئے ہیں اور جو رہے ہیں۔ وہاں کے مقامات مقدسہ اور مزارات پاک کے ساتھ انکے سلوک ایسے بوسے ہیں کہ کوئی بھی شایستہ قوم دنیا کی ویسے افعال کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔ اہل نجد ایک جوشی فضائل گروہ نظر آتے ہیں۔ بہر حال وہاں بیان نجد اپنے افعال کو ذریعہ اندر اس شرک سمجھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام کو شرک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مگر جو اہل نجد کا خیال شرک کی نسبت ہے اسکا متقاضی اسلام نہیں ہے۔ اہل نجد لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ کو شرک قرار دیتے ہیں۔ عقل سلیم کے نزدیک یہ دونوں کلمے تمام تر علحدہ علحدہ ہیں۔ اول کلمہ مضمون تو حید پر مشتمل ہے۔

اور دوسرا اس مضمون پر کہ حضرت رسول اسی اللہ احد کے رسول ہیں۔ اس اقرار رسالت کو اللہ کے اقرار توحید سے تائید و توثیق کی لائق ہے پس اس اقرار رسالت کو اہل نجد و شرک کیونکر قرار دے سکتے ہیں اسی طرح اہل نجد کے نزدیک تمام عمارات تاریخی چھ مساجد و چھ مزارات بزرگان دین سب کے سب احاطہ شرک میں داخل نظر آتے ہیں۔ اسی لیے تمام یادگارانی کن حجاز میں صفحہ ہستی سے معدوم کر دی گئی ہیں۔ اب صرف ایک روضہ حضرت رسول صلعم کا بربادی سے باقی رہ گیا ہے وہ قریب ہے کہ منہدم کر دیا جائے۔ پولیٹیکل وجہ سے ابھی تک وہ عمارت مقدس اہل نجد کے ہاتھوں سے بچی ہوئی ہے مگر کب تک۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس طرح کے انہدام کی کارروائی اسلام میں اول اول ایجاد کردہ حضرت عمر کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل توہم اس سنت عمری کے قدر شناس ہو کر اس کے پابند ہو رہے ہیں۔ حضرت عمر کی اس طرح کی حیرت انگیز اور اندوہ خیز کارروائی کی سرگزشت ذیل میں حوالہ قلم کی جاتی ہے۔

جب حضرت رسول صلعم نے دیکھا کہ آپ کے اکثر مشیرون سے صنعت ایمان کی وجہ سے قریش کے مقابلہ میں استقلال کو راہ نہ دے سکیں گے۔ تو آنحضرتؐ نے ایک درخت سمرو کے نیچے اپنے امتیوں سے اس امر کی نسبت بیعت لی کہ اہل اسلام استقلال کے ساتھ دشمنان اسلام کے ساتھ مقابلہ کریں گے اور حسب عادت قدیمہ کارزار سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ اس بیعت کا نام بیعت تحت الشجرہ اور بیعت الیضوان کتابوں میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ بیعت تو مسلمانوں نے کر لی مگر اکثر ان سے اُس بیعت کی شرم ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ اُن بیعت کرنے والوں میں حضرات خلفائے ثلاثہ بھی تھے۔ اس بیعت کے کچھ زمانہ کے بعد ہی کفار قریش بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت رسولؐ کے مقابلہ کے لیے دیار اسلام کی طرف بڑھے۔ مقام حنین میں آنحضرتؐ صلعم سے صحت آرائی ہوئی۔ مختصر یہ ہے کہ اکثر بیعت کرنے والے میدان جنگ سے بھاگ نکلے حضرت رسولؐ پیچ پیچ کر بھاگنے والوں کو یا اہل السمرو کے خطاب سے پکارتے ہی رہے اور فرار سے منع فرماتے ہی رہے مگر بھاگنے والوں نے حضرت صلعم کی ایک بھی نہیں سنی۔ لیکن اس پکار کا البتہ اتنا نتیجہ ظہور میں آیا کہ بھاگی ہوئی جماعت سے ایک سو آدمی کے قریب میدان جنگ کو لوٹ آئے۔ مگر حضرات ثلاثہ ایسے بھاگے اور ابتداء جنگ ہی میں بھاگے کہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ کدھر غائب ہو گئے۔ فن تاریخ کتا ہے کہ اگر حیدر کرار اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے ہوتے تو ایک بھاری شکست اسلام کو لاحق ہو جاتی اور اسلام کا کیا حشر ہو جاتا محتاج بیان نہیں ہے۔ اہل تفسیر

پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ آخر جنگ تھی جو درمیان حضرت رسول اور کفار قریش کے واقع ہوئی۔ اس جنگ کے بعد قوم قریش میں کوئی حلاوت باقی نہیں رہی اور پھر کوئی فساد اسلام میں رونما نہ ہو سکا یہاں پر قابل عرض امر جسکو اہل نجد کی عمارات شکنی سے تعلق نظر آتا ہے وہ فعل حضرت عمر کا ہے جو حضرت کے عہد خلافت میں درخت بالا کے متعلق ظہور میں آیا تھا۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اسی فعل کے متبع سے اہل نجد اُن افعال کے مرکب ہوئے ہیں جن کی خبریں اس وقت سارے ہندوستان میں گشت کر رہی ہیں اور جنگ و دریافت کر کے ہر شیعہ اور سنی کے دل کو تکلیف عظیم لگائی ہو رہی ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ فعل حضرت عمر کا یہ تھا کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں اُس درخت سمرو کو جسکے نیچے آنحضرتؐ نے اپنی اُمت سے بیعت لی تھی کٹوا ڈالا اور وجہ کٹاؤ اسنے کی یہ بیان فرمائی کہ اس طرح کی یادگاروں سے انبیاء سلف کی استین گمراہ ہو گئی تھیں۔ یعنی مبتلائے شرک ہو گئی تھیں۔ یہ دلیل قرین عقل نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کہ شرک کو یادگار ان بزرگان سے کوئی تعلق نہیں نظر آتا ہے۔ اس اصول پر لازم تھا کہ حضرت عمر حضرت رسول کی قبر کو سب سے پہلے منہدم کر ڈالتے اس لئے کہ اُحال شرک اُس درخت کے اعتبار سے قبر حضرت رسولؐ سے بہت زیادہ تھا۔ کوئی جائے تعجب نہیں ہے کہ خلافت نبیسا ہی اگر گزرتے مگر پولیٹیکل دھون سے اس فعل اپسندیدہ سے باز رہے۔ کوئی شک نہیں کہ اُسی طرح کی پولیٹیکل دھون سے ابھی تک اہل نجد ایسے فعل زشت سے باز رہتے ہیں۔ حضرت عمر کے فعل بالا سے باز رہ جانے کی ایک اور وجہ بھی نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی قبیح کارروائی کے اختیار کرنے سے حضرت ابوبکر کی قبر کے ساتھ بھی آپ کو وہی سلوک روا رکھنا پڑتا جو حضرت رسولؐ کی قبر کے ساتھ آپ کو کرنا ہوتا۔

راقم کہتا ہے کہ درخت بالا کے قطع کر ڈالنے کے لیے حضرت عمر ہی کا سادل درکار تھا۔ غیر معمولی طور پر شقاوت دل رکھے بغیر کوئی شخص ایسے فعل کا مرکب نہیں ہو سکتا ہے جن کی یہ ہے کہ یا حضرت عمر اپنے زمانہ میں ایسے کام کے انجام پر قادر ہو سکے یا اس وقت اہل نجد ایسے کاموں پر قادر ہو رہے ہیں۔ کاش اس درخت قطع کردہ کی ایک انچ برابر چھال بھی راقم کو نصیب ہو جاتی تو اُسے تو شہ آخرت سمجھ کر اپنے ساتھ قبر میں لے جانے کے لیے مستعد رہتا۔

مر اعمدیت باجانان کہ تاجان در بدن دارم ہوا خواہان کویش را چو جان خویش تن دارم
لاریب اگر حضرت عمر کو حضرت رسولؐ کے ساتھ کسی طرح کا قلبی تعلق حاصل رہتا تو درخت بالا کے ضائع کر ڈالنے پر قادر نہ ہو سکتے۔ آپ کو تو حضرت رسولؐ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کی مخالفت ہی

لاحق رہی پس درخت بالا کو کاٹ نہ ڈالتے تو کیا کرتے۔ ظاہر ایک وجہ اور بھی درخت بالا کے کاٹ ڈالنے کی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اُس درخت کے نیچے حضرت رسولؐ کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی تھی کہ جنگ قریش سے فرانہیں کرینگے۔ مگر جب جنگ حنین پیش آگئی۔ تو آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرح سب سے پہلے میدان حنین سے فرار کر گئے نفوذ فم نفوذ۔ پس کوئی جائے تعجب نہیں ہے کہ اُس درخت کو دیکھ کر آپ کو اپنا اور اپنے ہم ذاقون کا فریاد آتا ہوگا جس سے دل میں آپ کو ندامت کی تکلیف سخت لاحق ہو ا کرتی ہوگی۔ پس کوئی شک نہیں کہ ایسے ایذا دہ درخت کا صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا جانا آپ کے لیے قرین راحت قلبی مقصور تھا۔



ضمیمہ ۲۰

جناب حضرت مولوی خواجہ حسن نظامی صفا اور حضرت کی مذہبی کشمکش

جناب خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی شہادت کا قصہ جیسا غمناک ہے ویسا ہی پیچیدہ ہے۔ ایک ایسا آدمی جو کسی فرقہ کی طرفداری نہ کرتا ہو جب حضرت عثمان کا واقعہ لکھے گا تو اُس کو بہت مشکل ہوگی کیونکہ وہ ایک طرف دیکھے گا کہ حضرت عثمان رسول خدا صلعم کے داماد اور بڑے مقرب صحابی تھے اور اُن کا ادب اس کے دل میں حد درجہ کا ہوگا۔ دوسری طرف تاریخی واقعات سے اُس کو حضرت عثمان کی چند ایسی بشری ناتوانی کی باتیں نظر آئیں گی جو اُن کی شہادت کے سبب میں معاون ہوئیں۔ ایسی حالت میں اُس کو چاہیے کہ واقعات سب لکھ دے اور اپنا ادب نہ چھوڑے۔ مین بنی ہون مجھے حضرت عثمان کی عزت و حرمت لازم ہے۔ اُن کی خلافت اور اس کے نزاعی واقعات کا فیصلہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ خدا کو معلوم کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ حضرات ناظرین۔ واقعی جناب خواجہ صاحب کی مذہبی کشمکش کی حالت نہایت افسوس انگیز نظر آتی ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ ”ایک ایسا آدمی جو کسی فرقہ کی طرفداری نہ کرتا ہو حضرت عثمان کا واقعہ لکھے گا تو اُس کو بہت مشکل ہوگی“ کچھ عجیب مضمون ہے۔ راقم کہتا ہے کہ غیر طرفدار کو تو خس برا بھی مشکل پیش نہ آئیگی۔ البتہ جو سنی لکھے گا وہ ہزار طرح کی مشکل میں پڑے گا۔ یہ قول جناب خواجہ صاحب کا کوئی اصلیت نہیں رکھتا ہے۔ مشکل اُسی پر آگئیگی جسے جناب خواجہ صاحب کی طرح تقاضاے مذہب سے مجبور ہو کر طرفداری کی راہ اختیار کرنے سے چارہ نہ ہوگا۔ ایسی طرفداری کے ساتھ کسی امر کی حقیقت سچائی کے ساتھ کسی حوالہ قلم نہیں ہو سکتی۔ اسی مجبور۔ سی کی وجہ سے حضرت مدوح سے جب کچھ کہتے نہیں بنتی تو تمام معاملات عثمانی کو خدا کے سر ڈالتے ہیں۔ خدا تو ہر امر کا فیصلہ ایک دن کر ہی دیگا۔ مگر کیا ضرور ہے کہ آج خلگی دی ہوئی عقل سے ہم کام نہ لیں حضرت عثمان کا قصہ ہی کیا ہے۔ البتہ سنی ہو کر انسان حضرت عثمان یا کسی مخالف اہل بیت کے معاملہ کے سمجھنے پر قادر نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ سرگزشت حضرت عثمان کی اسی قدر ہے کہ آپ کے از نامی مہاجرین و نامی اصحاب سے ہیں۔ مگر آپ جیسے نامی مہاجر و نامی صحابی ہیں آپ کی شان سے بہت بید تھا کہ آپ جنگ اعدا و جنگ حین سے حضرت رسول کو

نزہۃ اعدا میں چھوڑ کر بے محابا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح فرار کر گئے اور اسی طرح جنگ خندق اور جنگ خیبر میں کوئی خدمت حضرت رسولؐ اور اسلام کی عمل میں نہیں لاسکے۔ آپؐ کی خلافت یابی کی یہ صورت ہوئی کہ حضرت عمرؓ کی جان توڑ کوشش کی بدولت آپؐ کو درجہ خلافت حاصل ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کو آپؐ کی خلافت یابی کے لیے کوشاں ہونے کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ مضمون فرار کے اعتبار سے آپؐ کو حضرت عمرؓ کے ساتھ پوری برابری حاصل تھی۔ دوم یہ کہ حضرت عمرؓ کو جس قدر حضرت علیؓ کے ساتھ عداوت لاحق تھی اُس سے کم آپؐ کو بھی حضرت علیؓ کے ساتھ بغض و عناد لاحق نہ تھا۔ سوم یہ کہ خلفاء حدیث اُسامہ کے شرف میں بھی آپؐ حضرت شغین کے ماتر برابر تھے۔ چہارم یہ کہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے بنی امیہ سے جو قدر خلوص و تولا آپؐ کو حاصل تھا اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خلیفہ ہو کر آپؐ نے خلافت رانی ایسی کی کہ آپؐ کے حالات و واقعات کو حوالہ قلم کرنے وقت سنی تاریخ نگاروں پر کیا گزری ہوگی خدا کو معلوم۔ مختصر داستان آپؐ کی خلافت رانی کی یہ ہے کہ خلیفہ ہوتے ہی آپؐ نے اپنے قبیلہ کے تمام مرد و دان درگاہ خدا اور رسولؐ کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ ایک تنزیلی فاسق کو ایک ملک کا حاکم بنا دیا۔ اپنی قوم کے چند اشرار کو عتق دے ڈالیں۔ چند بد و ضنون کو بہت کچھ مال و زر سلطنت کے بخش دیے۔ بہت سے شرفاء مسلمین پر طرح طرح کی سخت جفائیں کیں۔ بہت سے اہل آبر و کو بے آبرو کر ڈالا۔

ایک نامی اور گرامی صحابی کے ساتھ نہایت بے شرمی اور بے رحمی کی کارروائی اختیار کی۔ کبیلہ عشرہٴ مبشرہ کے ساتھ ایسے سلوک کیے کہ کوئی سنی اسے پسند نہیں کر سکتا۔ پھر ایک خلیفہ زادہ کیساتھ اقبلو و اقلو کی ایسی چال چلے کہ ایسی چالوں کی بدولت آخر آپؐ کی جان پر آہنی۔ ایک طاوافت حقیقت بوجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جیسے ناقابل شخص کی خلافت رانی کے لیے حضرت عمرؓ کی کوشش بلیغ کے کاربند کیوں ہوئے۔ واضح ہو کہ حضرت عمرؓ کی ایسی کوشش معاملاً حکم نہیں رکھتی ہے۔ اس کوشش بلیغ کا مطلب صرف یہی تھا کہ خلافت یا حکومت بلا د اسلام کی نبیؐ یعنی قبیلہ رسولؐ اللہؐ کی طرف منتقل نہ ہو جاسکے۔ قبیلہ بنی امیہ میں جا پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت عمرؓ کی آرزو پوری ہو گئی۔

نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ کو حضرت رسولؐ اور قبیلہ حضرت رسولؐ یعنی قبیلہ بنی ہاشم کے ساتھ کس طرح کا عناد قلبی لاحق تھا کہ ان صلعم کی رحلت کے بعد ان صلعم کے خاندان والوں کے ساتھ شدت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا رہا۔ ہرچند خدا و رسولؐ قبیلہ بنی امیہ کو ملعون ٹھہراتے ہی رہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلافت رانی کی۔

راہ پر لا کر وہ کام کر ڈالا کہ جس کی بدولت بنی ہاشم کے خون صدیوں تک پانی کی طرح عرصہ نکلتی مین بہا لکے اور جس سے بنی ہاشم ہر طرح پر کمزور ہو گئے۔ واقعہ کہ بلا بالیقین ایک ممتاز نتیجہ حضرت عمر کی پالیسی بالا کا ہے۔ کیا جائے حیرت ہے کہ جب قدر خدا و رسول کو بنی امیہ سے نفرت لاحق تھی اسی وجہ حضرت عمر کو اس قبیلہ و ناپاک کے ساتھ محبت و تولا۔ چونکہ حضرت عمر کو قبیلہ بنی ہاشم سے عداوت قلبی لاحق تھی حضرت عمر کو اس سے چارہ نہ تھا کہ بنی امیہ کے دوست اور مربی بنے ہین بہ اسباب ظاہر حضرت عمر کو بنی ہاشم کے تباہ کر ڈالنے کا اسکے سوا کوئی ذریعہ ہی نہ تھا کہ بنی امیہ کے بغیر بنی ہاشم کو تباہ کر سکیں۔ بنی ہاشم کا مقابل جو قبیلہ تھا تو وہی بنی امیہ تھا۔ آپ کا قبیلہ بنی عدی یا حضرت ابوبکر کا قبیلہ بنی تیم کچھ ایسا بے وقور تھا کہ اُن کے ذریعہ سے بنی ہاشم کا ضرر یاب ہونا صورت امکان نہیں رکھتا تھا۔ علاوہ مضمون بے وقوری کے خود حضرت شیخین اپنے اپنے قبیلہ پر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے۔ اس بنا پر آپ دونوں صاحب اُن سے کسی طرح کی اعانت کی امید نہیں رکھ سکتے تھے۔ بہر حال چونکہ حضرت عمر کو نیل مرام کی دوسری صورت اسکے سوا نہ تھی کہ حضرت عثمان کو اپنا جانشین بنا سکیں آپ نے حضرت عثمان کی خلافت یابی کے لیے جان توڑ کوشش کی۔ حضرت عثمان مین کسی قسم کی قابلیت مودعہ نہیں ہوئی تھی۔ آپ مطلق ملک داری کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ جنگی ملکی اور مالی کاموں کی صلاحیتوں سے تا ستر معرا تھے۔ اس پر بھی حضرت عمر کے کام کے آدمی تھے۔ بہ اسباب ظاہر اُس وقت حضرت عثمان سے مناسب تر کوئی دوسرا شخص سارے عرب مین ایسا نہ تھا جسکے ذریعہ سے حکومت عرب قبیلہ بنی امیہ کی طرف متقل ہو سکتی حضرت عمر نے بلا لحاظ اس امر کے کہ اسلامی دنیا کو حضرت عثمان کی خلافت یابی سے کیا نتیجہ حاصل ہوگا۔ آپ کی خلافت یابی کا سامان کر کے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ خلیفہ ہو کر آپ نے ایسے جوہر دکھلائے کہ جس کی نسبت سر سید علیہ الرحمۃ لکھتے ہین کہ ”حضرت عثمان نے سب خراب کر دیا“ کوئی شک نہیں کہ مغزالیہ واقعی ایک قابل عظمت بزرگ تھے۔ گو راقم کے ہم مذہب نہیں تھے مگر اُن کی عظمت راقم کے دل مین اُن کی چند مذہبی تحقیقات کی وجہ سے بہت کچھ ہے۔ واقعی مرحوم مین وہ عظمت خدا کی جانب سے مودعہ ہوئی تھی کہ اس صدی کے اسلامی اہل علم و ظلم مین دیکھی نہیں جاتی ہے۔ یہ اُسی غفران آب کا کام تھا کہ جس نے ثابت کر دیا کہ حضرت رسول کا اسم معظم یعنی محمدؐ تو رات مین موجود ہے۔ بہ اطلاق راقم آج تک کسی اسلامی عالم سے یہ کام نہیں انجام پایا تھا۔ مرحوم باطبع خلوص پرور تھے بہر حال

جیسا سمجھتے تھے ویسا ہی زبان پر لاتے تھے یا حوالہ قلم کر دیتے تھے۔ ہر گفتار میں مرحوم کی زبان مرحوم کے دل کا ساتھ کسی درجہ تک دیتی تھی۔ مرحوم جس امر کو اپنے زعم میں قرین حق سمجھتے تھے اسکے اظہار میں تامل نہیں کرتے تھے۔ انھیں وجہوں سے بد مذاقانہ حب جاہ نہیں رکھتے تھے زیادہ حصہ اہل علم اور اہل قلم کا اس صدی میں ایسا ہی نظر آتا ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں کو دیکھ کر زبان قلم سے کام لیتا ہے۔ حق گوئی اور حق جوئی تو درکنار رات دن اسی فکر کی گرفتاری ہو کہ نام آوری اور وقار کی صورت کسی صورت سے قائم رکھئے یا حاصل کیجئے۔ کسی وقت میں راقم سے ایک معزز صاحب نے یہ کہا تھا کہ ”فرقہ کشیہ یعنی اہل سنت کے خلاف مذہب رکھ کر تم محبوبیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے“۔ یہ نصیحت یا موعظت اُن معزز صاحب کی راستی سے خالی نہ تھی۔ مگر حصول محبوبیت کے لیے نفوذ باللہ اظہار حق سے روگردانی لاریب اعلیٰ درجہ کی گمراہی اور غلطی ہے۔ کوئی شریف طبیعت اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری اطلاع میں ایسے اہل علم تھے اور کچھ اب بھی ہیں جو اپنی ضرورتوں کی بنا پر دوہرا مذہب رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداے تعالیٰ نامعقول طور کے حب جاہ سے اپنے بندوں محفوظ رکھے اور حق یہی ہے کہ جو خدا کے خاص بندے ہیں وہ اس طرح کی بلاؤں سے مامون ہیں بفضلہ ویمینہ تعالیٰ و تقدس جناب اجہ صاحب نام اہل سلام کے خوش کرنیکی غرض سے بلا لحاظ حق نگاری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رسول خدا صلعم کے داماد اور بڑے مقرب صحابی تھے ”جسکو حقیقت حال سے اطلاع ہوگی وہ ایسی ابہرہ موبی سے آپ کے دامن زور میں گرفتار نہیں ہو سکتا ہے۔ تحریر بالا کا عنوان یہ ہے کہ ناظرین یہ سمجھے کہ جیسے حضرت علی رسول خدا کے داماد تھے ویسے ہی حضرت عثمان بھی تھے اسی طرح کی ابد فریب تحریروں کے گرفتار ایک سنی صاحب نے کسی وقت میں مجھ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کے علی صاحب تو ایک فاطمی کی وجہ سے حضرت رسولؐ سے دامادی کا رشتہ رکھتے تھے مگر حضرت عثمان غنی حضرت رسولؐ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر تھے۔ تنقیص شان مرقضوی تو حضرات اہل سنت کا قدیمی شعار ہے۔ ہر حال اُس لایعلم کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ دولہو کیاں جو حضرت عثمان کے ازدواج میں درآئی تھیں قطعی طور پر حضرت رسولؐ کی صلیبی بیٹیاں نہیں کہی جاسکتی ہیں۔ اُن کے نام رقیہ اور کلثوم ہیں۔ ان کی نسبت مختلف کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے علمائے اہل تشیع کے درمیان امر بالا کی نسبت آپس میں اتفاق نہیں ہے ویسا ہی علمائے اہل سنت بھی برسر اتفاق نہیں ہیں۔ کچھ علمائے شیعہ اور کچھ علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ

دونوں لڑکیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے اور حضرت سرور کائنات کے صلب سے تھیں۔ اسکے برخلاف کچھ علمائے اہل تشیع اور کچھ علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ وہ دونوں لڑکیاں بطن حضرت خدیجہؓ اور اُن کے شوہر سابق سے تھیں مگر اُن کو آن صلعم نے پرورش کیا تھا۔ تیسرا خیال بعض علمائے شیعہ اور بعض علمائے سنی کا یہ بھی ہے کہ وہ دونوں لڑکیاں حضرت سولہؓ حضرت خدیجہؓ کی تھیں بلکہ وہ دونوں لڑکیاں حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی تھیں اور بعد از دواج آن صلعم حضرت خدیجہؓ کیساتھ حضرت کی خدمت میں آگئی تھیں۔ تمام روایات پر نظر ڈالنے سے کوئی شک نہیں کہ قطعی فیصلہ امر بالا کا دشوار دکھائی دیتا ہے۔ مگر راقم اُن دونوں لڑکیوں کو ہالہ کی بیٹیاں اس لیے سمجھتا ہے کہ اگر وہ لڑکیاں بھی حضرت فاطمہؓ کی طرح حضرت رسولؐ کی بیٹیاں ہوتیں تو اُن کی ممتاز بنیت کی بنا پر اُن کے حالات کو ارباب سیر و تاریخ و صاحت کے ساتھ درج تصنیفات کرتے۔ تب اس طرح کے اختلافات بسیار فریقین کے علماء کی تحقیقات میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ راقم کا خیال یہ ہے کہ وہ دونوں لڑکیاں ہالہ کی بیٹیاں تھیں اور حضرت خدیجہ کے زیر سایہ پالی گئیں تھیں یہ ایک فطری امر ہے کہ بے اولاد سنوان بہن کی اولاد کو اپنے پاس رکھ کر ان کی پرورش کرتی ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کو چہ نکہ اپنے سابق کے شوہر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اگر خدیجہؓ مدوحہ نے رقیہ اور کلثوم کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا ہو تو کوئی تعجب نہیں خاص کر کہ جب حضرت مدوحہ ایک ذمی دولت بی بی تھیں اور ہالہ حضرت مدوحہ کا مقدور نہیں رکھتی تھیں۔ بہر حال اتنے احتمالات کے ساتھ جناب خواجہ صاحب کا حضرت عثمانؓ کو حضرت رسولؐ کا قطعی طور پر داماد قرار دینا تقاضائے سنیت سے معلوم ہوتا ہے۔ تنزیلاً بالفرض اگر وہ دونوں لڑکیاں بطن حضرت خدیجہؓ اور صلب حضرت رسولؐ سے مانی بھی جائیں تو اس سے اُن دونوں لڑکیوں کو حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا والیہا سے مساوات نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ جناب سیدہ کا شرف اُن کی ذاتی صفات و کمالات نفسانی و روحانی پر مبنی تھا۔ اور وہ شرف آن صلعم کے دیگر اولاد کے لیے منحصر نہیں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کو ایسی قربت کے حاصل ہو جانے سے کوئی خاص شرف کی بات نہیں نظر آتی ہے۔ حضرت رسولؐ نے اپنی لڑکی زینب کو عمر عاص سے بیاہ دیا تھا جس وقت وہ کافر تھے۔ رقیہ و کلثوم اس وقت بیاہی گئی تھیں جب وقت کفار کو لڑکی دینا شرع میں حرام نہ تھا۔ اس طرح کی بہت سی نظیریں بدو اسلام میں دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے ازدواج سے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ کا ہم پلہ سمجھنا ایک طرفہ امر ہے ایسی سمجھ سنیت کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جناب خواجہ صاحب

ماشاء اللہ ایک بڑے ذی علم بزرگ ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ جناب ممدوح فریقین کے حضرات
علماء کے اختلافات بالا کے اطلاق نہیں رکھتے ہیں اس پر بھی تقاضا ضرورت سے حضرت عثمان کو
حضرت رسول کا داماد قطعی طور پر قرار دے ہی رہا ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان کو ایک مقرب صحابی
بھی بنا ڈالا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ جس صحابی میں مقرب صحابی کے اوصاف نہیں پائے جاتے ہیں اُسے
مقرب صحابی کہنا درست گوئی سے منزوں دور ہے۔ حضرت رسول کو جنگ احد اور جنگ خنین
میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرح زعفران اعدا میں چھوڑ کر کمال بزدلی سے فرار ہو گئے پھر غزوہ
خندق و خیبر بلکہ تمام غزوات و سرایا میں جس برابر بھی حضرت رسول اور دین خدا کی کوئی خدمت
نہیں کر سکے حضرت شیخین کے شریک حال تخلص حبش اُسامہ میں رہے اس پر بھی جناب خواجہ
صاحب حضرت عثمان کو مقرب صحابی قرار دیتے ہیں۔ خلیفہ ہی ہو کہ حضرت عثمان نے کیا کیا عمدہ کام
کیے جن پر بنی آدم کو ناز ہو سکتا ہے۔ خلیفہ ہوتے ہی آپ نے اپنی قوم کے تمام مرد و دان درگاہ
خدا و رسول کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ حکومتیں ایسے فاسقوں کے حوالہ کر دیں جنکو حق برابر حق اُن کے
پانے کا نہ تھا۔ غیر مستحقین کو مال و زربخشے۔ ممتاز اصحاب رسول پر ایسی سختیاں کیں کہ کسی صاحب
رحم اور صاحب حیا سے ظور میں نہیں آسکتی ہیں شرف اہل اسلام پر وہ جفائیں اُڑھیں کہ کوئی حق شناس
مسلمان اُن کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک خلیفہ زادہ کو بے سبیل فریب قتل کر ڈالنا چاہا۔
مگر اس کے قتل پر قادر نہ ہو سکے۔ قرآن پاک کے ساتھ ایسی کارستانیوں کے عامل ہوئے کہ قرآن قرآن
نہ رہا صحیفہ عثمانی ہو گیا۔ ضرور ہے کہ بروز جزا قرآن پیش داور محشر اپنی مظلومیت کا دادخواہ ہو
پس اگر حضرت عثمان کی طرح کے مقرب صحابی حضرت رسول کے ہوا کرتے تھے تو ایسے مقرب صحابیوں
کو دور ہی سے سات سلام۔ جناب خواجہ صاحب کی بقیہ تحریر ایسی ہی ہے کہ بے تسنہ ہوئے اسکی
قدر شناسی دشوار نظر آتی ہے اور حق یہ ہے کہ سنی ہوئے بغیر کوئی اُن سے لذت اندوز نہیں ہو سکتا
بقیہ تحریر کا منشا یہ ہے کہ سمجھو سب مگر بوجہ کچھ نہیں۔ جہاں سنی ہونے کی وجہ سے کہتے نہ بنے اس کو
خدا کے سردے مارو۔ حقیقت حال یہ ہے کہ چونکہ مذہب اہل سنت کی بنا عداوت اہل بیت پر
واقع ہوئی ہے۔ جناب خواجہ صاحب اور آپ کے ہم مذہبون کو اس سے چارہ نہیں ہے کہ معاندان
و مخالفان اہل بیت علیہم السلام کی دستگیری بوضع بالا کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسی دستگیری یا دشمنان
اہل بیت کے دوستداروں کی بروز محشر قاضی محشر کے آگے حضرات اہل بیت کے مقابلہ میں کچھ کام

نہ آئے گی۔ محنت برباد گناہ لازم۔ اب رنگ بالا کی ایک اور تحریر جناب خواجہ صاحب کی درج ذیل ہوتی ہے۔

جناب خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”خدا کی مرضی میں کس کو دخل ہے۔ ذرا دیکھنا بصرے کے سامنے لوگ کھڑے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ یہ حضرات رسول خدا کے مقبول یا رو اصحاب ہیں جنہوں نے اُس دن سے کچھ پہلے آدھی دنیا کو اسلام کے آگے سرنگون کیا تھا۔ جس کی تلوار کی دھاک سے روئے زمین کے بادشاہ لرزتے تھے ایک طرف حضرت علیؑ بنت رسولؐ کے شوہر اور خود رسولؐ کے بھائی اور تمام غویوں سے بھرپور جنہوں نے دنیا میں روحانیت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ دوسری طرف نبیؐ کی جہتتی حضرت عائشہؓ حبیبہؓ کی محبوبہ بیوی جن کے اوصاف سے احادیث نبویؐ بھری پڑی ہیں اور جن کی پاکی کو قرآن شریف نے ثابت کیا اور دونوں کیساتھ بیٹے بڑے اصحاب رسولؐ ہیں۔ طلحہ و زبیر وہ لوگ ہیں جن کے جنتی ہونے کی خود رسول اللہؐ نے بشارت دی تھی۔ مگر آج انہوں نے ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی ہے۔ آج یہ آپس میں خون بہانے کو جمع ہوئے ہیں اس کا سبب بھی جانتے ہو کیا ہے؟“

سنو! خداے تعالیٰ اپنی شانین دکھاتا ہے اور اپنے رسولؐ کی پیشین گوئی پوری کرانی چاہتا ہے کیونکہ حضرت نے فرمایا تھا کہ عثمان شہید ہوں گے اور اُن کے بعد تمہاری سپہیں غلبہ تلوار چلے گی۔ خدا کی حکمت میں کون دخل دے سکتا ہے۔ اسی کو معلوم ہے کہ اُس نے یہ تماشے کس مقصد سے دکھائے ہم لوگوں کو چاہیے کہ ان لڑائیوں میں دخل نہ دیں اور ہم ان کو بُرا نہ کہیں کیونکہ ہم کو دونوں برابر ہیں۔ اس لیے حق و ناحق کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔“

جناب خواجہ صاحب مخالفان و معاندان علیؑ کو الزام بغاوت سے بچانے کے لیے تحریر بالا میں طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے کام لیتے گئے ہیں حتیٰ کہ غلط نگاری کو بھی کام میں لائے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو حضرت علیؑ سے مقابلہ کے لیے بصرے کے سامنے کھڑے ہیں حضرت رسولؐ صلعم کے ایسے یار و اصحاب ہیں جنہوں نے اس دن سے کچھ پہلے آدھی دنیا کو اسلام کے آگے سرنگون کیا تھا۔ واضح ہو کہ ممتاز ترین حاربان علیؑ سے جنگ جل کے متعلق طلحہ و زبیر و ابن زبیر تھے مخالفان بالا سے ایک شخص بھی ایسا نہیں از روئے تاریخ عرب نظر آتا ہے کہ جس نے دنیا کے سولہویں حصہ کو بھی اسلام کے آگے سرنگون کیا تھا آدھی دنیا کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ یہ کیا طرز تحریر ہے۔ نفوذ باللہ۔ اس کو ابلہ فریبی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ طلحہ اور زبیر اسلام کے مجاہدین سے

کسی وقت میں نہیں نظر آتے ہیں نہ عہد حضرت رسولؐ میں اور نہ حضرت رسول اللہؐ کے بعد اپنی پیر کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ سی طرح مخالفان علیؑ سے جو شریک جنگ اجل ہوئے تھے ان میں سے کوئی ایسا شخص نہیں نظر آتا ہے کہ جس کی تلوار کی دھاک سے کوئی بادشاہ روئے زمین کا لرزا ہو۔ یہ تمام مخالفان علیؑ طلحہ زبیر اور ابن زبیر کے کلاس کے آدمی دکھائی دیتے ہیں اور بقرینہ غالب آپ ہی کے کیرکڑ یعنی اطوار کے بھی آدمی ہوں گے۔ کتب تواریخ کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ اور زبیر سخت درجہ کے حریص دنیا تھے۔ آپ دونوں صاحبوں نے ادھر حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی اور فوراً انکس بیعت کر ڈالی۔ بیعت کرنے کے بعد ہی آپ دونوں صاحبوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت علیؑ کے ذریعہ سے آپ صاحبوں کو مال نا جائز کے کتساب کی صورت پیدا نہ ہو سکے گی۔ پس تیر کی طرح حج کے ہانے سے مکہ کو روانہ ہو گئے۔ مکہ میں پہنچ کر فساد کے سامان شروع کر دیے اس فساد انگیزی کی شرکت کی صلاحیت حضرت عائشہؓ سے زیادہ اور کسی میں تھی نہیں۔ آپ بہ اغواءے طلحہ و زبیر علیؑ کے مقابلہ کے لئے فی الفور تیار ہو گئیں اور عداوت علیؑ کے زور پر باغیان علیؑ کے ساتھ بصرے کو روانہ ہو گئیں۔ اس وقت مکہ میں حضرت ام سلمہؓ موجود تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے جناب معظمہ کو بصرے چلنے کی بہت ترغیبیں دیں۔ مگر حضرت ممدوحہ کی متانت اور حق شناسی ایسی باغیانہ اور ظالمانہ فعل کے شریک ہونے کی آپ کو کب اجازت دے سکتی تھی آپ ایسے فساد کی شرکت سے نہ صرف تامل فرمیں بلکہ حضرت عائشہؓ کو بھی زور و زور کے ساتھ باز رکھنا چاہا۔ مگر حضرت ممدوحہ مفسدین کے پنجہ و فریب میں پڑ چکی تھیں اور خود بھی فطرۃ حق و ناحق کی تیز بین رکھتی تھیں بے محابا طلحہ اور زبیر کے ساتھ بصرے کو روانہ ہو گئیں اور نہایت جائے افسوس ہے کہ خدا اور حضرت رسولؐ کے اُس حکم کی تعمیل سے کہ ”اے ازواج رسولؐ اپنے اپنے گھر میں بیٹھی رہو“ قاصر رہ گئیں۔ بصرے کی راہ میں حضرت ممدوحہ کو واقعہ خواب کا پیش آیا۔ پھر کیا تھا جھوٹ گواہی دینے اور دلانے کے لیے طلحہ و زبیر و ابن زبیر موجود ہی تھے۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے جو ظہور میں آئی۔ معاذ اللہ کیا حرص دنیا طلحہ و زبیر پر غالب تھی۔ تو یہ ہی بھلی عشرہ بشر کا شرف جن کو حاصل ہو وہ بزرگوار کچھ بیان ہندوستان کے بے ایمانوں کی طرح جھوٹی گواہی دین اور دلوائیں اور اس پر بھی قطعی جنتی مانے جائیں۔ ہناشی عجائب۔ لاعول ثم لاعول۔

وہ مذہب ہی کیا وقعت رکھ سکتا ہے جس میں سچا اور جھوٹا برابر سمجھا جاتا ہے۔

یہ قول جناب خواجہ صاحب کا کہ ”ہم کو دو وزن برابر ہیں“ کچھ عجیب قول ہے۔ کوئی صاحب عقل علیؑ کو اور طلحہ وزیر کو برابر نہیں مان سکتا ہے۔ علیؑ مہرگز کاذب نہ تھے۔ برخلاف علیؑ کے طلحہ اور زیر اس الکذاب نظر آتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ جس مذہب میں حق و ناحق کی تمیز کوئی شے نہیں ہے درحقیقت وہ مذہب کوئی شے بھی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت رسولؐ نے طلحہ وزیر کو جنت کی بشارت دی ہے ایسا مضمون دکھائی دیتا ہے کہ عقل سلیم اس کو کسی حال میں باور نہیں کر سکتی ہے عقل میں یہ بات جگہ نہیں کر سکتی ہے کہ جن لوگوں نے حشمہ حواب پر جھوٹی گواہی دی اور دلواریٰ بھی حضرت رسولؐ کے بشارت یافتہ جنت تھے۔ جھوٹی گواہی دینے والا اور دلانے والا اس کے ساتھ علیؑ کا حارب نہ شہید مر سکتا ہے اور نہ قطعی جنتی ہو سکتا ہے۔ مگر جناب خواجہ صاحب اس ام عجیب کو باور فرماتے ہیں اور کیوں نہ باور فرماویں جب آپ زور وں کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ”سُنی ہوں“ حق بھی یہی ہے کہ سُنی ہوئے بغیر کوئی شخص ایسے عقیدہ حیرت افرا کا قائل اور پابند نہیں ہو سکتا ہے۔ واضح ہو کہ طلحہ وزیر و نیز بعض دیگر عشرہ مبشرہ والوں کے اطوار پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کا مضمون ایک بے بنیاد امر ہے۔ اول تو عشرہ مبشرہ کی تعداد ہی معرض گفتگو دکھائی دیتی ہے دوم یہ کہ عشرہ مبشرہ میں جب کھپت ایسے لوگوں کی دیکھی جاتی ہے جیسے طلحہ اور زیر تھے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کا مضمون ایک ساختہ مضمون ہے اور صرف ایسا مضمون ہے کہ اہل سنت کے سوا کسی فرقہ حق شناس کے کام کا نہیں ہے۔

جناب خواجہ صاحب باعیان علیؑ کی ستائش کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مداحی میں فرماتے ہیں کہ ”آپ وہ محبوب بی بی ہیں کہ جن کے اوصاف سے احادیث نبویؐ بڑی ہیں“

راقم پوچھتا ہے کہ جب حال یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بڑی تحقیق کے ساتھ بائچ سنو حدیث نبویؐ جمع کر کے اور اُن کو بھی غیر قابل اعتماد سمجھ کر جلا ڈالا اور حضرت عمرؓ راویان احادیث کو قید کرتے تھے اور دُرے لگاتے تھے تو اس قدر حدیثیں اوصاف حضرت عائشہؓ میں کہاں سے دستیاب ہو سکیں جیسا کہ جناب خواجہ صاحب بالا میں ارشاد فرماتے ہیں۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیثیں امیر معاویہ اور خلیفہ عبد الملک کے وجود باجوہ کی بدولت وجود پذیر ہوئی ہونگی اُن دنوں اہل سنت کے خلیفوں نے وضع احادیث کا بڑا سامان کیا تھا اور بڑے بڑے وضاغ حدیث اس کام پر مامور

کیے گئے تھے۔ بہر حال حضرت عائشہ کی مداحی کے لیے صرف یہ ایک صفت کافی ہے کہ حضرت مدوحہ ام المؤمنین ہیں۔ ہر مسلمان پر آپ کی عزت و عظمت فرض ہے۔ اس سے زیادہ آپ کی مدح سرائی حق کا خون کرنا ہے۔ آپ خلافتِ قول پیر و سنگی یعنی صاحبِ غینۃ الطالبین نہ افضل النساء ہیں اور نہ آپ کو دیگر اہمات المؤمنین پر افضلیت حاصل ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر آپ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی نہ ہوتیں تو اہل سنت آپ کو بھولے سے بھی نہیں یاد کرتے۔ یہی حال حضرت حفصہ کا بھی نظر آتا ہے کہ حضرت عمر کی بیٹی ہونے کی وجہ سے کسی قدر صورت امتیاز رکھتی ہیں۔ مگر محبوبیت کا درجہ نہ حضرت عائشہ کو حاصل تھا اور نہ حضرت حفصہ کو۔ محبوبیت کی صفت اگر دو میں سے ایک کو بھی ہوتی تو حضرت رسولؐ نہ حضرت حفصہ کو طلاق بھی دیتے اور نہ حضرت عائشہ کو طلاق دینے کے خیال میں ہوتے کمالا یحییٰ علی اہل التحقیق۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر کے ساتھ حضرت علیؑ کے خلاف میں جنگِ جمل کی شریک ہو گئیں۔ حضرت عائشہ کو حضرت علیؑ سے عداوت سخت لاحق تھی۔ صرف علیؑ ہی سے نہیں بلکہ حضرت فاطمہ و حضرت خدیجۃ الکبریٰ و حضرت حسنینؑ علیہما السلام سے بھی۔ حضرت علیؑ سے تو جنگِ جمل ہی آپ لڑیں۔ حضرت فاطمہ سے تو کبھی برسرِ ارتباط نہ رہیں۔ مری ہوئی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بدگوئی ان حضرت رسولؐ سے کرتی رہیں۔ مرے امام حسنؑ کو قرب حضرت رسولؐ میں دفن ہونے نہ دیا۔ اور اگر حد یزید تک زندہ رہ جاتیں تو قتلِ حسینؑ کی مبارکباد ضرور یزید کے پاس بھیجتیں۔ میں اس سے زیادہ حوالہ قلم کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتا ہوں۔ مگر میں ایسا بے ادب بھی نہیں ہوں کہ آپ کی پاکدامنی کے مضمون کو بلا ضرورت آپ کی اوصافِ شامری کے لگاؤ سے حوالہ قلم کیا کروں جنابِ خواجہ صاحب کی اس تحریر پر مجھے نہایت تعجب گزرتا ہے کہ آپ حضرت مدوحہ کے بیانِ اوصاف میں فرماتے ہیں کہ ”جن کی پاکی کو قرآن نے ثابت کیا“ آپ کی پاکدامنی پر کون رستی پرست حرف لگا سکتا ہے۔ ملعون اور دروغ پرور کے سوا ایسے فعل کا کون مرتکب ہو سکتا ہے آپ کی پاکدامنی کا بے محل ذکر کس قدر دخرِ اشرار معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی پاکدامنی اہل صفا اور حق شناسوں کے نزدیک خارج از بحث دکھائی دیتی ہے۔ خداے تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا روئے سخن اُن ملاعین کی طرف ہے جو حضرت رسولؐ کی ناموس و عزت کے دشمن تھے اور جنہوں سے بعض لعینوں نے حضرت کی آبروریزی کی نظر سے جوینِ مظلوم کی تھیں۔ راقم کے نزدیک یہ ایک بڑی بد مذاقی بلکہ بڑی بے ادبی نظر آتی ہے کہ حضرت مظلومہ کے بیانِ اوصاف میں حضرت

ممدوح کی "پاکی" کا بھی ذکر پیش لایا جائے۔ حضرت معظمہ لاریب پاک تھیں۔ پاک کو زور و دن کے ساتھ پاک کرنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ حضرات اہل سنت کا جیسا مذاق ہو مگر راقم ایسے ذکر کو فضول بلکہ قرین بے ادبی سمجھتا ہے۔ باقی تحریریں جناب خواجہ صاحب کی تامر کشمکش کا رنگ رکھتی ہیں۔ جناب خواجہ صاحب کے استدلال کا طور ایسا نظر آتا ہے کہ معاملات حضرت علیؑ و امیر معاویہؓ بلکہ معاملات امام حسینؑ اور یزیدؓ میں بھی مخالفان خاندان پیڑا آپ کے طور استدلال کو اختیار کر سکتے ہیں۔ المختصر جناب خواجہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت متقاضی اسی کا ہے کہ راویں بھی اچھا اور رام چندر بھی اچھے۔ شیطان بعین بھی اچھا اور جبریل امین بھی اچھے لیکن غنیمت مذہب ہنود کا دکھائی دیتا ہے کہ انکی ساری رامائن حق و ناحق کی تمیزت مملو نظر آتی ہے افسوس ہے سنی مسلمانوں پر کہ حق شناسی سے یہ تقاضاے مذہب تامر معتراد کھلائی دیتے ہیں حسب تحریر جناب خواجہ صاحب ظالم و مظلوم مومن و فاسق صادق و کاذب قانع و حرص طلب دنیا و طالب آخرت سب کے سب برابر سمجھے جاتے ہیں۔ واہ رے تقاضاے مذہب اہل سنت تیرا کیا کہتا ہے۔ ظاہر یہ دین تو محمدؐ عربی کا دین نہیں معلوم ہوتا ہے۔ یہ صریحاً ایک ساختہ عربی دکھائی پڑتا ہے۔ تعجب ہے کہ قرآن پاک کچھ اور کہتا ہے کہ قولہ تعالیٰ اخمن کان مومننا کمین کان فاسقا لایستون اور جناب خواجہ صاحب کچھ اور فرماتے ہیں۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قدسؒ باوجود اپنے تصبیات نامتناہی اور معتقدات لایعنی کے مقاتلان حضرت علیؑ کو اپنے تحفہ میں غیرہ حق و مخطی فرماتے ہیں اور حضرت علیؑ کو برسر حق مانتے ہیں لیکن جناب خواجہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے کہ جیسے علیؑ ویسے ہی طلحہ و زبیر وغیرہ بھی مردانِ خدا سے ہیں اور کوئی برسر خطا نہیں ہے۔ ایسے عقیدے کا پابند ہونا آسان کام نہیں ہے۔ ایسے عقیدہ کے لیے بڑے فقدانِ فہم کی ضرورت ہے۔ ہوش و حواس و قوت فیصلہ رکھ کر آدمی کیونکر ایسے خیال کو دماغ میں جگہ دے سکتا ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت علیؑ اور مخالفان حضرت علیؑ یعنی طلحہ و زبیر وغیرہ اور جنگِ صفین میں حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ وغیرہ اور جنگِ کربلا میں امام حسینؑ اور مردمانِ یزید سب کے سب برسر حق اور خطا سے بری تھے۔ اگر خدا ان فہم نہیں ہے تو ضرور ہے کہ ایسے عقیدہ رکھنے والے کو جب جاہ کا مرض لا و الا حق ہے اور محبوبیت کی ہوس دامگیر ہے۔ جنگِ جمل ہو یا جنگِ صفین یا جنگِ کربلا یہ سب جنگیں دنیا طلبی کی بنا پر واقع ہوئی تھیں۔ ماحصل سب کا دنیا طلبی تھا۔ طلحہ و زبیر نے سارے فسادات حصولِ خلافت و زریابی کے لیے برپا کیے تھے چونکہ

حضرت علی کی خلافت سے اُن دنیا طلبوں کو منفعت دنیاوی کی صورت نظر نہیں آئی لیکن بیعت کر کے حضرت ام المومنین کو آسانی کے ساتھ اپنا شریک حال بنالیا اور مسلمانوں کو سول وار (Ruler and Ruled) میں مبتلا کر کے ان کا خون پانی کی طرح بہایا اور ہوا یا۔ خلیفہ وقت سے خود بغاوت کیا کم گرا ہی تھی۔ اس گمراہی کے ساتھ بھی طلحہ و زبیر کی نسبت اہل سنت فرماتے ہیں کہ دونوں بزرگوار جنت کے بشارت یافتہ ہیں۔ واقعی عشرہ مبشرہ کا مضمون اہل سنت کو عجب کشمکش میں ڈالے ہوئے ہے اور یہ ایسا مضمون ہے کہ کسی سچے دین سے تعلق نہیں رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر طلحہ اور زبیر کے سے افراد جنت کے بشارت دادہ ہیں تو لاریب عشرہ مبشرہ کی حقیقت معلوم معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بھی عشرہ مبشرہ کے مضمون کو قابل توجہ نہیں سمجھے ہوئے تھے اگر اس کو قابل توجہ جانتے تو عبدالرحمن بن عوف کو مدینہ سے نہ نکلوا دیے ہوتے اور نہ سعد بن ابی وقاص کو عمدہ حکومت سے معزول کیے ہوتے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حسب عقیدہ اہل سنت عبدالرحمن موصوف داخل عشرہ مبشرہ ہیں اور حسب مضامین تاریخی حضرت عثمان کے محسن بھی ہیں۔ محسن اس معنی کر کے ہیں کہ اگر موصوف نہ ہوتے تو لاکھ برس حضرت عثمان حضرت عمر کے جانشین نہیں قرار پا سکتے۔ افسوس ہے کہ اہل اسلام سے حق پرستی غائب ہو گئی ہے ورنہ اس طرح کے لغو خیالات کے پابند اہل اسلام دکھلائی نہیں دیتے۔ بالخصوص جناب خواجہ صاحب کی تحریر بالا سے مذہب اہل سنت ایک ایسا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ جس میں تمام ظالمان و مخالفان خاندان پیغمبر پناہ گزین ہونے کا موقع رکھتے ہیں اور ہر طرح کے دشمن آل محمد کی کھپت نظر آتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنیاد اوت و مخالفت اہل بیت علیہم السلام پر واقع ہوئی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس مذہب کے ترتیب دینے والوں نے بھولے سے بھی کبھی حدیث ثقلین کو یاد نہیں کیا۔ اگر کبھی اس حدیث شریف کو یاد میں لائے ہوتے تو نہ حضرت فاطمہ کا گھر چلایا جاتا نہ اس مخدومہ پر تازیانہ لگایا جاتا نہ اس کے شکم مبارک پر ایسی ضرب لگائی جاتی کہ اُس کا حمل ضائع ہو جاتا نہ اس کی میراث ضبط کر لی جاتی۔ نہ اُس کا خمس بند کر دیا جاتا نہ اس کی بیحدایا بیوں سے اُس کی جان تلف ہو جاتی نہ اس کے شوہر گرامی گرفتار کر کے دارالحکومت میں لائے جاتے نہ اُس ناصر دین خدا و ماحی کفر و ضلالت کے ساتھ طرح طرح کی بے عنوانیاں عمل میں لائی جاتیں نہ جنگ جمل وقوع میں آتی اور نہ جنگ صفین نہ واقعہ کربلا کا ظہور ہوتا اور نہ آئمہ خاندان پیغمبر از علی مرتضیٰ تا امام حسن عسکری قتل

تجہ جنائے اہل نارہوتے۔ اسی طرح قرآن پاک کے ساتھ وہ سب سلوک عمل میں نہیں لائے جاتے جو عہد حضرت شیخین میں ہوتے گئے اور جس کا خاتمہ عہد خلافت ثالثہ میں ظہور پذیر ہوا سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات اہل سنت کس منہ سے اپنے کو پیروان حضرت رسول قرار دیتے ہیں جب کہ وہ حضرات حدیث ثقلین کے ایسے فراموش کرنے والے نظر آتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

آخر میں راقم اپنے دو شعر جناب خواجہ صاحب مدظلہ کی خدمت میں بہ اسید پذیرائی پیش کرتا ہے اور وہ درج ذیل ہوتے ہیں ۛ

حارب جو ہے علیؑ کا وہ حارب نبیؐ کا ہے حارب نبیؐ کا دشمن اللہ پاک ہے
پس حارب علیؑ و نبیؐ و خدا جو ہو وہ عاقبت خراب جہنم کی خاک ہے
ظاہر میں تو دونوں شعر بالا راقم کے دکھلائی دیتے ہیں مگر باطن میں وہ قول کسی حق فرما کا ہے
جو محتاج بیان نہیں ہے۔ حاربین جل و صفین اپنی خبر لیں۔ بہت بُرا دن پیش آنے کو ہے
والسلام علی من اتبع الهدی

ضمیمہ ۲۱

حضرت شیخین اور خلافت

جب حضرت رسول مکہ سے مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو اہل مکہ سے بھی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا آگے پیچھے مدینہ کو چلے آئے۔ یہی اہل اسلام مہاجرین کہلاتے ہیں۔ اہل مدینہ نے آن صلعم کی تشریف آوری کو دینی پہلو سے غنیمت سمجھ کر حضرت صلعم کے دین کو قبول کرنا شروع کیا اور مددگار حضرت رسول ہو گئے۔ ایسے اہل اسلام انصار کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مدینہ میں یہود و نصاریٰ اور کفار بھی بستے تھے مگر انصار کی وجہ سے آن صلعم کے مزاحم نہ ہو سکے۔ مدینہ میں تھوڑے ہی زمانہ میں حضرت رسول نے ایک چھوٹی سی دینی ریاست قائم فرمائی اور روزیہ ریاست رو بہ ترقی ہوتی جاتی تھی۔ ایک ہی سال کے اندر اس ریاست نے اتنی صورت پکڑ لی تھی کہ مہاجرین و انصار کھلے طور پر اسلام کے ارکان داکر سکتے تھے اور پو لیٹکل حیثیت اس ریاست کی اتنی ہو گئی تھی کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود و نصاریٰ اور کفار اس ریاست کے معاملات میں دخل دینا قویں مصلحت نہیں سمجھتے تھے۔ اس ریاست کے سردار حضرت رسول مانے جاتے تھے یعنی آن صلعم کو اس ریاست میں پیغمبر ہونے کے علاوہ اس ریاست کے مقنن، مجسٹریٹ، قاضی اور سرشکر کی حیثیت حاصل تھی۔ دس برس کے عرصہ میں حضرت رسول تمام بلاد اسلام کے بادشاہ بغیر لقب بادشاہ کے قرار پائے تھے اور حضرت رسول کی رحلت کے وقت بلاد اسلام کو ایک منظم سلطنت کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ شاہان دنیا کی آنکھوں میں عرب کی سلطنت اسلامی نے ایک کافی وقار پیدا کر لیا تھا اور اس کے انداز سے یہ ہویدا تھا کہ وہ سلطنت اسلامی ابھی بہت کچھ ترقی کرنے والی ہے اور اس کے بانی کا دین دنیا میں ابھی بہت پھیلے گا۔ حضرت رسول کی یہ سلطنت شخصی اور نہ جمہوری رنگ حکومت رکھتی تھی۔ حق یہ ہے کہ حضرت کی سلطنت خدائی رنگ رکھتی تھی۔ یعنی جب تک حضرت رسول پر نزول وحی ہوا کیا آن صلعم کی ریاست دینی کا انتظام احکام اسی کے مطابق انجام پاتا رہا۔ مختصر یہ ہے کہ عہد حضرت رسول کی ریاست دینی رنگ پر

انتظامی شکل حاصل کر چکی تھی۔ علامہ شبلی صاحب کا یہ قول کہ ”اسلام میں اگرچہ خلافت و حکومت کی بنیاد حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔“ سراپا غلط ہے۔ حضرت تینوں کو تو پکی پکائی ہانڈی ہاتھ لگ گئی۔ حکومت اور سلطنت رانی کے انتظامات تو حسب ہدایت اسی خود بانی اسلام کے عہد میں قائم ہو چکے تھے۔ جب قدر ممالک کفار داخل ریاست اسلام ہو چکے تھے اُن کا نظام بقدر ضرورت ظہور میں آچکا تھا۔ اس کا ثبوت کتب تاریخ کے علاوہ کافی طور پر خود قرآن پاک سے ملتا ہے علم تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے ممالک اسلامی کے لیے گورنروں کا تہ و منشی وغیرہ وغیرہ مقرر فرمادیے تھے۔ صیفہ مال کا انتظام بھی قرار پاچکا تھا۔ فوجی ڈپارٹمنٹ بھی نظم پاچکا تھا۔ حضرت رسولؐ نے ہرگز غیر منتظم حالت میں ریاست اسلام کو وقت رحلت میں چھوڑا تھا۔ بلا گفتگو آنحضرت صلعم کی رحلت کے وقت ریاست اسلام پریشانی کی حالت میں نہیں پڑی ہوئی تھی۔ کوئی شک نہیں ہے کہ جو وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا لیا اس اسلام کی حالت ایک منتظم انداز رکھتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے کارکن حضرت عمرؓ تھے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عہد حضرت ابوبکرؓ اور بھی اپنے عہد میں ممالک قدیمہ اور جدیدہ دونوں کا انتظام اپنے طور پر اچھا کیا یعنی صرف عہد حضرت رسولؐ کے مفتوحہ ممالک کے زیر نظام رکھا بلکہ اپنے عہد کے مفتوحہ ملک میں بھی وہی خوش انتظامی قائم رکھی خلیفہ ہو کر لاریب آپؐ نے اظہارِ قابلیت ضرور فرمایا۔ ایک بڑی قابلیت آپؐ کی یہ تھی کہ اہل رائے سے انجام امور اہم میں ضرور مشورہ کر لیتے تھے اور یہی ذریعہ آپؐ کی کامیابیوں کا ہوتا تھا۔ باوجود عناد حضرت علیؓ سے بھی طلب رائے کر لیتے تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ اور طرح کا حق میں حق جو اور حق اندیش دماغ پایا تھا۔ آپؐ کے مشورے ہمیشہ نتائج صحیح پیدا کرتے تھے اسی لیے حضرت عمرؓ نے بارہا فرمایا تھا کہ ”لو لا علیؓ لصلوات عمرؓ بلکہ یہ بھی حضرت خلیفہ کا قول ہے کہ اے خدا مجھے ایسے زمانہ میں زندہ نہ رکھنا کہ تبیین علیؓ نہ ہو“ حضرت عمرؓ کی انتظامی قابلیت کوئی شک نہیں اپنے طور پر بہت اعلیٰ درجہ کی تھی حق یہ ہے کہ قابل آدمی سب کچھ کر سکتا ہے اور ناقابل آدمی کئے ہوئے کو بھی برباد کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی نسبت سرسید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سب کو برباد کر ڈالا“ واضح ہو کہ آنحضرت عمرؓ کی قابلیت ملک داری کی زیر محبت ہے۔ یہ امر زیر بحث نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حق یا ناحق طور پر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا ڈالا یا حق ناحق طور پر آپؐ حضرت ابوبکرؓ سے خلافت یا ب ہوئے یہاں مجھو آپؐ کی قابلیت ملک داری کی گفتگو ہے۔ پس

واقعات پر نظر رکھ کر آپ کی اس قابلیت سے کسی اہل انصاف کو انکار نہیں ہو سکتا ہے لیکن علامہ شبلی صاحب کی خود غرضانہ بے سرو پا اور مبالغہ آگین تحریر میں اہل نظر کی آنکھ میں کوئی وقعت رکھنے والی دکھائی نہیں دے سکتی ہیں حقیقت حال اسی قدر ہے کہ حضرت رسول کی سلطنت اسلامی عہد رسول صلعم میں بقدر ضرورت صورت نظام حاصل کر چکی تھی مگر جب مسلمانوں نے فتوحات کے ذریعہ سے اس سلطنت میں توسیع کی متاثر شکلیں پیدا کیں تو حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے طور پر اس کے نظام میں کسی پہلو سے کوتاہی نہیں کی۔ اگر حضرت رسولؐ اس توسیع کے زمانہ میں بقیہ حیات رہتے تو کیا انتظام ممالک جدیدہ کا فرماتے راقم اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ممکن تھا کہ آن صلعم اُس سے بھی بہتر کوئی طریقہ ملک داری کا اختیار فرماتے اس لیے کہ قابلیت عامہ آن صلعم کی اپنے تمام امتیوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ جناب رسالتؐ ہر طرح کی قابلیتوں کے مجمع تھے۔ خاتم الانبیاء ہونے کے علاوہ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے مقنن فرمانروا مجسٹریٹ قاضی سیر لشکر مرد میدان حاکم مال اور مدیر تھے اور تعبد و زہد و جفا کشی و نفس کشی و دلاوری و استقلال و حاضر جوابی و ریحی و کریمی و جود و سخا و زود فہمی و مردم شناسی و حلم و بردباری و آخر مبنی و دور مبنی و وفاداری و خوش خلقی و خوش خضالی و خوش معاملگی و خوش کلامی و خوش تدبیری و خوش بیانی وغیرہ وغیرہ میں اپنے جواب آپ تھے۔ اگر آن حضرت صلعم میں اوصاف بالا مودعہ نہیں ہوئے ہوتے تو آپ کے ذریعہ اسلام ظہور پذیر نہیں ہو سکتا تھا۔ تب اور کسی ایسے ہی کی تقرری سرکار الہی سے ظہور میں آتی جو مقصفت بہ صفات بالا ہوتا۔ حق یہ ہے کہ اتنے اوصاف گرامی کا مجموعہ بنی آدم سے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ہے۔ انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری۔ اوصاف بالا کے ساتھ فکر معقول کی صلاحیت بھی آن صلعم کی ایسی تھی کہ اس کے بغیر خدا کی ریاست دینی قائم نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس فکر معقول کو ضرورت عظیمہ حضرت علیؓ کے زور بازو کی بھی تھی۔ حق یہ ہے کہ اگر شاہ لافٹی کا وجود باجود نہ ہوتا تو خدا کی ریاست دینی جس وضع پر قائم ہو سکی نہ ہو سکتی۔ تب ضرور ہوتا کہ خدا سے قدیر حضرت رسولؐ کو موید کرنے کے لیے کوئی اور ذات حضرت علیؓ کی سی پیدا کرتا۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے صاف ہویدا ہے کہ حضرت رسولؐ کی ریاست دینی حضرت علیؓ کے قوت بازو کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ تنوڈی دیر کیلئے حضرات ناظرین فرض کر لیں کہ حضرت علیؓ کی ذات وجود دین نہیں آئی تھی اور حضرت رسولؐ مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے

اور مدینہ میں آنحضرت صلعم ریاست دینی کے قائم کرنے کی فکر میں منہمک ہی ہو رہے تھے تو یہ سبب
ظاہر تمام امور بالا کا کیا نتیجہ ہوتا۔ ظاہر یہی نتیجہ ہوتا کہ نہ مدینہ اور نہ دنیا کے کسی میں سلام قائم ہو سکتا حضرت علیؑ
کے بغیر حضرت رسولؐ بدر کی لڑائی لڑنے کو جاتے تو حضرت رسولؐ شہید ہو جاتے اور اسلام کو صرف
ٹھکست ہی نہیں ہو جاتی بلکہ سارا لشکر اسلام تاپید ہو جاتا۔ اس جنگ میں تو حضرت ابوبکرؓ حضرت
رسولؐ کے پاس بیٹھے ہی رہے اور کچھ نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ اس بنا پر کہ جناب مامون صاحب قبلہ
یعنی ابوبہل لڑنے کو آئے ہیں شریک جنگ نہ ہو سکے۔ پھر تھا کون جو حضرت رسولؐ کے حضور
میں فتح کا تحفہ سامنے لا کر رکھ دیتا۔ البتہ کچھ بنی ہاشم تھے جو جانیا زنی میں کمی نہ کرتے مگر ضرور نہیں
تھا کہ قاتح بدر بھی ہوتے۔ جنگ بدر کے بعد معرکہ احد پیش آیا۔ فرض کیجیے کہ حضرت علیؑ اس جنگ
کے شریک نہیں ہوئے ہوتے۔ تو اس جنگ کا بھی وہی نتیجہ ہوا ہوتا۔ یعنی
حضرت رسولؐ شہید ہو جاتے اور دین اسلام صفحہ ہستی سے غائب ہو جاتا اور کیون نہ غائب ہو جاتا
جب حضرت عثمانؓ فرار ہو کر مدینہ کو جا پہنچے اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ بھی آگ کر کسی جانب
جانے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو صرف فرار ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہم صدائے شیطان ہو کر حالت فرار
میں یہ کہتے ہوئے بھاگے جاتے تھے کہ یہ تحقیق محمدؐ قتل ہو گئے اب تم لوگ اپنے مذہب آبائی
پر عود کر جاؤ۔ پھر مدینہ پہنچ کر یہ بھی کارروائی عمل میں لائے کہ ابوسفیانؓ سے عفو تقصیر کی کوشش
میں مبتلا ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ اگر وجود باجوہ حضرت حیدرؓ کرار غیر فرار کا نہ ہوتا تو اسلام کا خاتمہ
ہو چکا تھا۔ غزوہ احد کے بعد غزوہ خندق رونما ہوا۔ اس میں بھی فرض کیجیے کہ حضرت علیؑ
شریک جنگ نہ ہوئے ہوتے تو وہی نتیجہ پیش آتا۔ یعنی نہ حضرت رسولؐ سلامت رہ سکتے اور
نہ دین خدا سلامت رہ سکتا۔ عمر عبدود کے مقابلہ سے حضرت عمرؓ اینڈ کو یعنی آپؐ کی ترکیب کے
امتیان محمدؐ ہی انکار فرما ہی چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس دن کمان رو پوش تھے کچھ نہیں معلوم۔
حضرت عثمانؓ بھی بے نشان ہو رہے تھے۔ پس حق یہ ہے کہ صاحب ذوالفقار کے بغیر جنگ
خندق کی بلا بھی ٹل نہیں سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس جنگ کا بھی وہی نتیجہ ہوا ہوتا جو جنگ بدر
و جنگ احد کا ہوا ہوتا یعنی حضرت رسولؐ شہید ہوئے ہوتے اور اسلام نہایت ہوا ہوتا جنگ
خندق کے بعد معرکہ خیبر پیش آیا۔ حضرت علیؑ کی غیبت میں حارث و مرحب اسلام کا کام
تمام کیے ہوتے۔ امتیان محمدؐ سے کچھ بھی نہیں بن پڑتی تھی ہر روز وہ دونوں بطلان خیبر حضرت شیخینؓ
کو خیمہ گاہ حضرت رسولؐ تک پہنچا جاتے تھے اور کلام لائینی دل کھول کر اسلام اور اہل اسلام

کے حق میں زبان پر لایا کرتے تھے۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ بیچارے حضرت یحییٰ بن مہزیار نے مجبورانہ طور پر اور مسلمانوں کے ساتھ فرار گوارا کر لیا کرتے تھے۔ اگر قاتل خیر عالم وجود میں نہیں آئے ہوئے ہوتے تو یہودیان خیر اسلام کا خاتمہ کر ڈالتے۔ ہنرمین جنگ خنن ظہور میں آئی حضرت علیؑ کے بغیر اس جنگ میں بھی حضرت رسولؐ کو ضرر و فکست ہو جاتی اور اہل قریش اسلام کا نام تک صفحہ ہستی سے مٹا ڈالتے وقت جنگ حضرت رسولؐ کا حامی و مددگار ہی کون تھا۔ سب سے پہلے تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فرار کر چکے تھے۔ ان کے بعد اور امتیون نے بھی وہی راہ اختیار کی تھی۔ فرارین سے فتحیابی کی صورت کیا پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر ذات پاک شیر خدا کی شریک جنگ نہیں ہوتی ہوتی تو بلا گفتگو اسلام کو دنیا سے معدوم ہونا پڑتا۔ راقم حضرت رسولؐ کے اور غزوات و سرایا کے واقعات کو ذکر کرنا بے ضرورت سمجھ کر ترک کرتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اسلام کی بقا کا مدار حضرت علیؑ کے زور بازو پر نظر آتا ہے۔ علیؑ نہ ہوتے تو اسلام بے نشان ہو جاتا۔ مگر خداے حکیم و قدیر نے جب اسلام کو وجود میں لانا چاہا تو ذات حضرت رسولؐ کو مجموعہ اوصاف حمیدہ بنا کر نادرو طور پر فکر معقول کی حیثیت بھی اُس ذات مقدس کو مہبوب و سربمائی اور اس فکر معقول کو بکار آمد ہونے کے لیے حضرت علیؑ کے زور بازو سے مؤید کر دیا۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام کا وجود حضرت رسولؐ کی فکر معقول اور حضرت علیؑ کے زور بازو کا نتیجہ ہے۔ حضرت رسولؐ بحکم خدا اسلام کو ظہور میں لائے اور حضرت علیؑ نے اس دین پاک کو ضائع ہو جانے سے بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ محفوظ رکھا۔ صلوٰۃ اللہ بر محمد و صلوٰۃ اللہ بر علیؑ کوئی شک نہیں کہ جس کام کو حضرت رسولؐ کو کرنا تھا اسے رسولؐ نے کیا اور جس کام کو حضرت علیؑ کو کرنا تھا حضرت علیؑ نے کیا۔ لاریب یہ حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کی قائم کردہ ریاست دینی تھی جو کئی پکائی ہانڈی کسی طرح حضرت یحییٰ بن مہزیار کو نصیب ہو گئی۔ بلاشبہ یہ وہ دینی ریاست تھی جسے حضرت رسولؐ نے بہر شاہ لافنی قائم فرمایا تھا اور اس کے ضروری انتظامات کو کافی طور پر عمل میں لا چکے تھے۔ یہ جناب علامہ شبلی صاحب کی ہٹ دھرمی ہے جو فرماتے ہیں کہ ”اسلام میں اگرچہ خلافت اور حکومت کی بنیاد حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے“ ”الفاروق“ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اکثر حق نگاری سے بہت دور پڑنے لگے ہیں۔ اس بے راہ روی کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ آپ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ دنیا پڑے لکھے آدمیوں سے خالی ہو رہی ہے جو کچھ آپ حوالہ مسلم کر ڈالیں گے۔ اس کی تردید جہلا سے نہ ہو سکے گی۔ راقم کو تو ”الفاروق“ کی سیر سے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ حق نگاری سے آپ کو کوئی علاقہ ہی نہیں تھا۔ ساری کتاب آپ کی جھوٹے شاعرانہ کی قصیدہ نگاری کا رنگ رکھتی ہے۔ مین مثلاً ایک قول آپ کا اس جگہ درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ حضرت عمر کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ ”جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا“ آخر مبالغہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے یہ مبالغہ پروازی کیا ہے۔ صریحاً دروغ نگاری ہے۔ ایسی خرافات نگاری سے اہل سنت جو کچھ خوش ہوں لیکن حق بین کو ایسی تحریر سے کوئی تمذد نصیب نہیں ہو سکتا ۵

راست می گویم ویزدان نہ پند و جزوت
حرف نامہ است سرودن رویش ہر بہت

واضح ہو کہ حضرت عمر کی کشورستانی کے اسباب سے ایک سبب ایسا نظر آتا ہے کہ جس پر نظر کرنے سے انسان حضرت عمر کی کشورستانی کو حیرت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ حضرت رسول کی ریاست دینی حضرت عمر کو یہی پکائی بانڈی کی طرح ہاتھ لگ گئی تھی۔ حضرت رسول اُس کی آراستگی پر اپنی مناسب اور معقول فکر پر مبذول فرما چکے تھے اور حضرت علیؓ سے جو دشوار کاموں کا لینا تھا لے چکے تھے۔ آن صلحہ پیروان اسلام کی ردھون میں اُس وقت اسلامی کو بھونک چکے تھے جسکو ایک سچا اور پُر زور نبی بھونک سکتا ہے۔ پھر باقی کیا رہا تھا۔ حضرت عمر کو یہ جنگ بدر کرنی تھی اور نہ جنگ احد نہ جنگ خندق نہ جنگ خیبر اور نہ جنگ حنین۔ اسلامیوں میں عہد رسول میں قوت اسلامیہ مجموعی طرز پر مہیا ہی ہو چکی تھی عرب کے پیروان اسلام مالک کسریٰ و روم پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دونوں سلطنتیں جتلانے تئیش وضع تھیں تو وہی چکی تھیں مسلمانان عرب کا کیا سامنا کر سکتی تھیں۔ پس برابر مغلوب ہو اکین الہیتہ جو اسلامی سرداران فوج تھے ضرور جنگی قابلیت رکھتے تھے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی قابلیت کی قدر شناسی کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ براے خود حضرت عمرؓ سپاہی تھے اور اور نہ لشکر کے کمان کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر آپ سپاہی ہوتے تو غزوات رسول اللہؐ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرح مغرور نہ ہو جایا کرتے اور اگر آپ جنرل کی صلاحیت رکھتے تو ایک بار بھی کبھی کسی فوج کا کمان اپنے ہاتھ میں لے ہوتے۔ جتنے جنرل یا کشورستان گزرے ہیں ان کو کبھی فوج کے کمان کرنے سے چارہ نہیں رہا ہے۔ اگر ہمیشہ نہیں تو کم و بیش نور پانچھین کمان کی نوبت آ ہی گئی ہے وہ جنرل یا کشورستان کیا جس نے کبھی کمان نہیں کیا ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ لڑائی بھڑائی سے دور رہتے تھے اور اس

روش سے اپنی محاطت ذاتی بامراد طور پر کیا کرتے تھے۔ البتہ یہ خاص بات حضرت عمر کی تھی کہ آپ مدینہ میں اپنے تلوک آخر بیٹھے رہے اور فوج کا کمان آپ کے افسران فوج کرتے رہے اس میں بھی شک نہیں کہ آپ کو نگرانی افواج اور بھی نگرانی ملک کی صلاحیت ایک اعلیٰ پیمانہ پر مودعہ ہوئی تھی۔ بہر حال سب سے بڑا امر جو حضرت عمر کی کامیابیوں کا ذریعہ ہوا یا یہ کیسے کہ جس نے حضرت عمر کو کامیابیوں کی راہ چلنے کا موقع دیا۔ راقم اسے ذیل میں درج کرتا ہے تعجب یہ ہے کہ اس کا ذکر علامہ شبلی صاحب کمین بھی اپنی تصنیفات میں نہیں فرماتے ہیں ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ امر حضرت علیؑ سے تعلق رکھتا ہے اور اس سے حضرت عمر کی مداحی میں آپ کو اعانت کی صورت حاصل نہیں ہو سکتی تھی آپ اُس سے پورے طور پر چشم پوشی کرتے رہے پس وہ امر جس سے ایک سچا محقق یا موزن چشم پوشی کو روا نہیں رکھ سکتا ہر درج ذیل ہوتا ہے۔

اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف میں سنانی جنگ و جدال کی طرف کبھی رخ نہیں فرمایا صرف زبانی طلب حق فرما کر رہ گئے۔ اگر آپ کو خانہ جنگی (civil war) کے عامل ہو جاتے تو وہ مجموعی قوت اسلام کی باقی نہیں رہتی آپ کو رسولؐ وار کے برابر کرنے کا پورا موقع حاصل تھا۔ آپ قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے۔ بنی ہاشم صرف آپ کے حکم کے منظر تھے۔ اس وقت بنی ہاشم کمزور نہیں ہو گئے تھے۔ بنی ہاشم کے دستداروں کی بھی کمی نہ تھی۔ جناب ولایت مآب حضرت شیخین کی خلافت کی خبر لے سکتے تھے۔ علاوہ اس موقع جنگ آزمائی کے ابوسفیان حضرت علیؑ کی مددگاری کو مستعد ہو چکے تھے۔ موصوف اس وقت بنی امیہ کے سردار تھے۔ صرف یہی قبیلہ حضرت شیخین کی خلافت کو کاؤ خور و کڑا لے کے لیے کافی تھا۔ مگر ان سب خانہ جنگیوں کا یہ نتیجہ ہوتا کہ وہ مجموعی قوت اہل اسلام کی باقی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ اس قوت کے منتشر ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو فتوحات کا نصیب ہونا تو خواب و خیال ہو ہی جاتا سول وار سے خود سلطنت اسلامی بہت ضعیف ہو جاتی۔ ایسی حالت میں فرمانروایان فارس و روم وغیرہ تھوڑے ہی عرصہ میں سلطنت اسلامی کو صفحہ ہستی سے ناپید کر ڈالتے۔ واقعی یہ حضرت علیؑ کی بڑی حوصلہ مندی اور عاقبت اندیشی تھی جس نے حضرت علیؑ کو سول وار (civil war) کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا یا یہ کہنے کہ آپ کا رروائی بالا سے حضرت رسولؐ کی ہدایت کے کاربند ہو

اور وہ ہدایت پر سعادت یہ تھی کہ ”اے علی ابھی اسلام ابتدائی حالت میں ہے اپنے مخالفین کے مقابلہ میں تلوار نہ کھینچنا۔ اور اپنی مصیبتوں پر صبر کرنا“ کوئی خشک نہیں کہ آپ کے حوصلہ مندانہ کارروائی بالاکا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کی مجموعی قوت اپنے حال پر رہ کر حضرت عمر کے فتوحات آئندہ کی بید معین ہوئی بلکہ یہ کیئے کہ اُس مجموعی قوت کی بدولت مسلمانان عرب کثرت ستانی کے دشوار کام کو آسانی کے ساتھ انجام کر سکے۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان کے عہد اسلام کی مجموعی قوت حضرت عثمان کی بد ترکیبوں سے منتشر ہونے لگی اور آپ کے آخر زمانہ میں تو ایسی منتشر ہو گئی کہ بالآخر آپ کی جان پر آبنی۔ آپ کے قتل کے بعد جب حضرت علی ظاہر اسباب میں خلیفہ قرار پائے تو وہ زمانہ اہل اسلام میں بڑی شورش کا تھا۔ اسلام کی وہ مجموعی قوت جس سے حضرت عمر کے عہد میں فتوحات کی کثرت ہوئی تھی۔ تمام منتشر ہو چکی تھی۔ حضرت علیؓ کو رسول وار سے کب فرصت ملی کہ انتظام ملکی اور فتوحات کی طرف توجہ فرما سکتے۔ اسلامیوں میں انتشار کا مادہ بدرجہ اتم پیدا ہو چکا تھا ہر ممتاز مسلمان کو یہی حوصلہ امنگیہ ہو رہا تھا کہ خلیفہ بن جائیے یا ایسے شخص کو خلیفہ بنائیے کہ جس کے ذریعہ سے انکساب مال وجاہ کی صورت پیدا ہو سکے حضرت علیؓ کے خلیفہ قرار پاتے ہی طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ نے ایک اچھے پیمانہ پر سول وار کی صورت پیدا کر دی اس فساد کو حضرت علیؓ نے فرو ہی کیا تھا کہ امیر معاویہ نے دوسرے سول وار کا نقشہ جما دیا۔ اس کے بعد ہی حضرت علیؓ کی شہادت ظہور میں آگئی۔ اس حادثہ کے بعد پھر مسلمانوں کو کم و بیش طور پر صدیوں تک سول وار سے سروکار رہا کیا۔ یہاں تک کہ سلطنت عرب تا تاریخوں کے ہاتھ سے معدوم ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے عہد میں فتوحات کے نہیں ظہور میں آنے کی ایک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر اُس زمانہ میں فتوحات صورت امکان رکھتے تھے اہل عرب اُن پر قادر ہو چکے تھے۔ اس وقت میں اہل عرب برا و جاپان و آسٹریلیا و نیوزیلینڈ و برازیل و کلیفورنیا و ہنگری و سویڈن و ناروے و بلجیم و ہالینڈ و کیپ وغیرہ وغیرہ کے وجود سے بھی کوئی اطلاع نہیں رکھتے تھے انھیں فتح کیا کرتے۔ البتہ صرف جاتے ہوئے ملکوں کی فتحیں اہل عرب کر سکتے تھے اور اب فتح کرنے کو بہت کم باقی رہا تھا لیکن اگر فتح کرنے کو کوئی معروف ملک رہ بھی گیا تھا تو اُس کی فتح حضرت علیؓ کے ہاتھ سے صورت امکان نہیں رکھتی تھی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ سول وار سے اُس جناب کو فرصت ہی

نہیں ملی کہ فتوحات کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما سکتے۔ اس جگہ پر سائل سوال کر سکتا ہے کہ آخر رسول وار کے ظہور کی پڑنے کا سبب کیا ہو۔ اس کے جواب میں جواب دینے والے کی انگلی بے اختیار حضرت عمر کی طرف اٹھ جاتی ہے۔ اب حضرات ناظرین معاملات ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

راقم امر بالا کے متعلق اس کتاب میں کسی قدر مضامین ضروری حوالہ قلم کر چکا ہے۔ بہر حال اس کا اعادہ اس ضمیمہ کی غرض سے بے محل نہ ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بڑی پورک غلطی جو حضرت شیخین نے خلافت یابی کے بعد کی وہ یہ تھی کہ خدا و رسولؐ کی پالیسی کے خلاف آپ صاحبون نے بنی امیہ کی تقویت کا سامان کر دیا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی امیہ ایک ایسا قبیلہ تھا جو نص قرآنی کے رو سے ملعونہ قرار پا چکا تھا۔ اُس قبیلہ نے حضرت رسولؐ کے ساتھ مکہ میں بہت سی بدسلوکیاں کی تھیں اور جب حضرت رسولؐ مدینہ میں شاعت اسلام کے لیے کوشاں تھے تو یہ قبیلہ حضرت رسولؐ سے تخریب اسلام کی نظر سے جنگ بدر جنگ احد جنگ خندق اور جنگ حنین میں خوب خوب لڑتا گیا۔ اگر شاہ لافٹی خدا کی جانب سے ملائین بنی امیہ کی خبر لیتے کے لیے دنیا پر بھیجے گئے ہوتے تو یہ قبیلہ اسلام کا نام صفحہ روزگار سے معدوم کر دیتا۔ علاوہ عداوت اسلام کے اس قبیلہ کی زشت خوئیاں ایسی تھیں کہ اُن کے خیال سے ضرور ہے کہ ہر پاک طینت انسان کو اس سے نفرت کلی پیدا ہو۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ایسا قبیلہ تھا کہ بالیقین مردود خدا و رسولؐ تھا۔ تا شاید ہے کہ ایسے قبیلہ کے ساتھ حضرت شیخین نے ارتباط قلبی کی صورت پیدا کی علم تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت شیخین خلافت یابی کے ہم مین کامیاب ہو گئے تو ابوسفیان صاحب جو قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے حضرت علیؑ کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اے علی تم خاموش رہ گئے اور تمہارے مخالفوں نے امر خلافت کو اپنے حسب حال طے کر لیا۔ تم ہاتھ نکالو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر کے ابھی سواران مکہ سے صحرا سے مدینہ کو پُر کر کے خلافت شیخین کو دم کے دم میں گا دھور کر ڈالتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیان جب تم میل لائے کفر تھے اسوقت بھی فساد برپا کیا کرتے تھے اور اب کہ مشرف بہ اسلام ہوئے ہو اسی فساد انگیزی پر قائم ہو۔ کوئی خاک نہیں کہ یہ تقریر حضرت علیؑ کی بڑی حوصلہ مندی کی خبر دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ابوسفیان صاحب سے راہ خلافت اختیار کر کے آپ نے اسلام کی قوت مجموعی کو منتشر ہونے نہ دیا

اگر آپ ابو سفیان کی سن لیتے تو مسلمانوں میں بڑی پھوٹ پڑ جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فرما کر وایان اطراف عرب سر نو سے دلیہ ہو جاتے اور حضرت رسول کی قائم کردہ سلطنت دینی کے تباہ کر ڈالنے میں دیری کو راہ نہ دیتے۔ تعجب ہے کہ علامہ شبلی صاحب کو اتنی توفیق شامل حال نہیں ہوئی کہ حضرت علیؑ کی حوصلہ مندی بالاکو اپنی کسی تصنیف میں جگہ دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی خوبیوں سے جناب مدوح آنکھیں بند کیے رہتے تھے۔ بہر حال حضرت شیخین کی بنی امیہ پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا سے تعالیٰ کا ملعونہ قرار دادہ اور حضرت رسولؐ کا چور کیا ہوا قبیلہ بنی امیہ کا روز بروز زور آور ہوتا چلا شام میں تو وہ قبیلہ پڑ پڑ ہو ہی چکا تھا حضرت عمرؓ نے اپنے لیے بیچ سے خلیفہ بھی ایک فروغی امیہ کو بنا ڈالا اس کا ردوائی کی بدولت سلطنت عرب قبیلہ بنی امیہ میں جا پڑی اور چورانوسے برس تک اسی قبیلہ میں قائم رہی۔ حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ سے ذاتی عناد لاحق تھا۔ اسی طرح آپ دیگر بنی ہاشم سے بھی دلی مخالفت رکھتے تھے۔ قبیلہ بنی ہاشم کو خستہ و خراب کر ڈالنے کی صورت اگر ممکن تھی تو یہی تھی کہ بنی امیہ سر نو سے پر زور کر دیے جائیں۔ پر زور ہو کر اس قبیلہ نے جو جو آفتیں ڈھائیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت شیخین کا یہ فرض منصبی تھا کہ بنی ہاشم کے خیر خواہ ہوتے اس لیے کہ حضرت رسولؐ بنی ہاشم سے تھے اور قبیلہ بنی ہاشم خوش اطوار بھی تھا و فاداری ہرگز اسکی مقتضی نہ تھی کہ بنی ہاشم کو چھوڑ کر حضرت شیخین بنی امیہ کے سر پرست بن جائے علاوہ اس کے کہ قبیلہ بنی امیہ سخت بد اطوار تھا۔ دشمن حضرت رسولؐ و دین رسولؐ ہونے کی بنا پر سلطنت اسلام سے کسی طرح نفع اندوز ہونے کا استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ حضرت رسولؐ نے اس قبیلہ کو دس برس کی محنت شاقہ کی بدولت بے وجہ چور نہیں کر ڈالا تھا۔ ایسے قبیلہ کی سرپرستی حضرت شیخین یا حضرت عمرؓ کو شایان نہ تھی۔ اگر کچھ تو یہ حضرت رسولؐ کی آپ صاحبوں کو مد نظر ہوتی تو بنی امیہ کی تقویت سے اپنے کو منزلوں دور رکھتے لیکن عداوت حضرت علیؑ اور مخالفت بنی ہاشم سے حضرت عمرؓ مجبور ہو رہے تھے۔ حضرت علیؑ اور آپ کے قبیلہ کی تخریب سرپرستی بنی امیہ کے بغیر صورت امکان نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اپنے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت یا بنی کی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کسی طور پر خلافت رانی کی قابلیت نہیں رکھتے تھے تو بھی حضرت خلیفہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا ہی گئے۔ اس کا ردوائی سے غرض اسی قدر تھی کہ خلافت بنی ہاشم کی طرف چلی نہ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت عمرؓ کا مر کو ز خاطر تھا۔ ہر چند حضرت عمرؓ نے خلافت

اپنے طور پر خوش اسلوبی کے ساتھ کی مگر حضرت عثمان کو خلیفہ بنا کر سلطنت اسلام میں لانا
(Mawla) کا تخم بھی ہو گئے۔ جنگ جمل کی طرح جنگ صفین واقعہ کربلا اور جنتی
خونریزیوں کے مرتکب بنی امیہ ہوتے گئے اُن کا سبب قریب و بعید وہی حضرت عمر کی تخم ریزی
نظر آتی ہے۔ اگر خلافت حضرت رسول کے عندیہ کے مطابق طے پاتا یعنی تخم غدیر کی ہدایت
خدا اور رسول کے مطابق انجام پاتا تو سلطنت عرب سول وار سے محفوظ رہ جاتی۔ یہ مسلمانوں
کی بھاری بدبختی تھی کہ اُنکو حدیث نقلین کی طرف مطلق توجہ نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
د فور بدبختی سے اہل اسلام اُس قول نبویؐ کو اپنی غرض مند یوں کی بدولت بالکل فراموش کر بیٹھے
جس کی وجہ سے آل محمدؐ اور ہزاروں مسلمانوں کے خون پانی کی طرح بہتے رہے اور قرآن پاک
وہ باقی نہ رہا جو حضرت محمدؐ صلعم اور حضرت علیؑ کا قرآن تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی نسبت
اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ آپؐ ایسے ہی خلیفہ تھے کہ آپؐ نے جو فیصلہ حوالہ قلم کر کے حضرت
خاقون جنت کو دیدیا تھا اُسے بلا خوف و خطر حضرت عمرؓ نے حضرت مدوحہ سے لیکر چاک
کر ڈالا۔ یہ جرأت حضرت عمرؓ کی کہہ دیتی ہے کہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو لاشے سمجھتے تھے اور
کیون ایسا نہیں سمجھتے جب حقیقت حال بھی ایسی ہی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ تمام ستر ایک ساختہ پر دست
خلیفہ حضرت عمرؓ کے تھے۔ سر سید علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ حضرت ابوبکرؓ ایک نام کے بزرگ تھے
راستی سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔



ضمیمہ ۲۲

جناب علامہ شبلی صاحب حضرت عمر کو علم میں حضرت علیؑ کا ہمسر قرار دیتے ہیں

واضح ہو کہ حضرات اہل سنت حضرت ابو بکر کو اعلم الصحابہ فرماتے ہیں اور علامہ شبلی صاحب حضرت عمر کو علم میں حضرت علیؑ کا ہمسر قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت علیؑ کو زمرہ صحابہ میں شامل کر کے اہل سنت حضرت ابو بکر کو اعلم الصحابہ قرار دیتے ہیں تو یہ قول اُن حضرت کا فرمودہ حضرت رسولؐ کی اس بنا پر کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ والقوان مع علی وعلی مع القوان سراسر غلط ٹھہرتا ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کو زمرہ صحابہ سے نکال کر قول بالا ایسا ہے کہ اس کی نسبت راہِ حقین میں قدم رکھنا شکل امکان رکھتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ کو زمرہ صحابہ میں داخل کرنا ایک بڑی ستم پردی ہے۔ اس سے زیادہ نقیص شان مرقضوی اور کیا ہو سکتی ہے جو شخص کہ شریک آیت تطہیر اور آیت مباہلہ کا ہو جس کی شان میں آیت هل اثی ویوفون بالندار وغیرہ وغیرہ نازل ہوئی ہو جو شخص کہ حسبِ مودہ حضرت رسولؐ مورداً وعلی من نوراً واحد وعلی منی وانا منہ وغیرہ وغیرہ کا ہو۔ جس کا نام لوح عرش پر لکھا ہو اور حضرت رسولؐ نے شبِ معراج میں کھیا ہو۔ جسکی نسبت آوازِ لائقِ الاعلیٰ کی غیب سے سنائی دی ہو جس کو خدا کی جانب سے ذوالفقار اور حضرت رسولؐ کی طرف سے خاتونِ جنت کی سی دختر ملی ہو۔ جس کے لیے حضرت رسولؐ کو نادِ علیاً منظرِ العجاائب پڑھنے کی ہدایت خدا کی جانب سے اُتری ہو۔ جو کبار غیر فرما ہو جس کے دورِ بازو سے بدو واحد و خندق و خیبر و حنین کی فتحیں رونما ہوئی ہوں۔ جس کے اعمال تمام اعمالِ نیک کا دارِ عالم سے حسبِ فرمودہ رسولؐ زیادہ قرار دیے گئے ہوں۔ جس کی معیت قرآن کے ساتھ حسبِ مودہ حضرت رسولؐ پایۂ نبوت کو پہنچی ہوئی ہو۔ جو بقول حضرت رسولؐ باب العلم ہو۔ جس کی تلوار نے اسلام کو دنیا میں قائم کر دیا ہو۔ جو درحقیقت حامی دین و ماحی کفر و ضلالت ہو۔ جس کا مذکوریت و تجلیل میں حضرت رسولؐ کی طرح آیا ہو۔ جو واقعی شیرِ خدا اور غالب علیٰ کل غالب ہو۔ جو اول خیلِ ائمہ ہو جو مفتی چار دفتر اور واقف اسرارِ خفی و جلی ہو جو حضرت رسولؐ کا برادرِ جان برابر ہو اور جس کی نسبت حضرت رسولؐ نے انت اخنی فی الدنیا والاخرۃ فرمایا ہو۔ اور مختصر یہ ہے کہ جسکی مع طاقتِ انسانی

سے باہر ہو جیسا کہ سعدی شیرازی نے فرمایا ہے کہ کس راجہ زور و زبرہ کہ وصف علی کند۔ نہایت جائے تعجب ہے کہ ایسا شخص زمرہ صحابہ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ جب حال یہ ہے کہ زمرہ صحابہ میں خالد حبشہ کے سے ظالم سفاک اور زانی امیر معاویہ صاحب کے سے دشمن خاندان رسول اور قاتل مردان بے گناہ اور ابن ملجم سے قاتل مولاے کائنات اور ابن حطان سے مداح ابن ملجم و جمیع فرارین بدر و احد و خیبر و حنین داخل دیکھے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ سبحان اللہ کیا قدر دانی ہے کہ علیؑ زمرہ صحابہ میں داخل کیے جاتے ہیں۔ ایسے مذہب کو سات سلام۔ آخر کچھ تو نیک و بد کی تمیز انسان کے لیے درکار ہے بہر حال جب مضمون اعلم الصحابہ کی تنقید فرقہ صحابہ میں محدود رکھ کر کی جاتی ہے تو فرقہ صحابہ میں بھی حضرت ابوبکر اعلم الصحابہ دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ آپ سے تو ابی ابن کعب زیادہ ذی علم نظر آتے ہیں یہ وہی صحابی ہیں کہ جن کو حضرت ابوبکر نے قرآن جمع کرنے کی کمیٹی کا ایک ممبر مقرر فرمایا تھا اور بعد ازاں اپنے وقت میں حضرت عمر نے انھیں اجتہاد مسائل کی کمیٹی کی ممبری عطا فرمائی تھی۔ یہ وہی صحابی ہیں کہ جن کے مرنے پر حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آج عرب کا سردار مر گیا۔ یہ فرمانا اس سب سے بھی تھا کہ حضرت عمر اپنے تمام اجتہادات میں ابی ابن کعب سے مدد لیا کرتے تھے بلکہ یہ کہتے کہ منجل دیگر افراد کے ان صاحب سے زیادہ مشورہ کر کے اجتہاد مسائل فرمایا کرتے تھے۔ علم کے روتے حضرت سلمان فارسی بھی ایسے تھے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت سلمان سے علم میں کوئی مناسبت نہ تھی علاوہ ہر دو اصحاب بالا کے خود امیر معاویہ صاحب حضرت ابوبکر سے زیادہ پڑھے لکھے آدمی تھے۔ المختصر صحابہ رسول اللہ میں بھی حضرت ابوبکر اعلم الصحابہ نہ تھے۔ یہ قول صرف اس غرض سے گر لھا گیا ہے کہ جب اتفاق وقت سے آپ خلیفہ رسول اللہ قرار دیے گئے تھے تو ضرور ہو کہ آپ جمیع صحابہ سے اور صفات کے علاوہ علم میں بھی افضل قرار دیے جائیں۔ ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کا علم قرآن ناقص تھا احادیث نبوی سے آپ کو بہت کم اطلاع حاصل تھی اور آپ کا علم فقہ کیا تھا کیا نہ تھا کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ آپ کے علم قرآن کا یہ حال تھا کہ مسئلہ کلام کا حضرت عمر کی طرح آپ کے دم آخر تک آپ کی سمجھ میں نہ آسکا۔ آپ اتنا بھی نہیں معلوم تھا کہ قرآن کے روتے دادی کے ترکہ سے پوتے کا کیا حصہ ہوتا ہے۔ جامع حدیث ہونا بھی جو آپ نے چاہا تو بے شکل آپ پانچ سو حدیثیں جمع فرما لے تھے جب ان کی صحت پر آپ کو بھروسہ نہ ہو سکا تو اپنی ان جمع کردہ حدیثوں کو جلا ڈالا۔ فقہ میں آپ کیا امتیازی شکل پیدا کر سکے اس لئے اب تک راقم کو کسی طرح کی اطلاع نہیں ہو سکی ہے آپ کے نقصان علم قرآن و علم حدیث و علم فقہ کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کمتر آپ کو حضرت رسالت

کی صحبت گرامی نصیب ہوتی رہی تھی۔ یہی حال حضرت عمر کا بھی رہا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے حضرت شخنین مدینہ میں رونق افروز ہوئے، تب سے برابر تجاوتی کاموں کے سبب سے آپ صاحبزادہ کو مدینہ کی باز آرون میں زیادہ وقت بسر کرنا پڑتا رہا۔ حضرت رسول کی صحبت میں کتر حاضر رہ سکے مگر ظاہر ہے کہ ایسی مشغولیت کے ساتھ آپ دونوں بزرگوار علم قرآن و علم حدیث و علم فقہ کی طرف اپنی پوری توجہ کیونکر مبذول فرما سکتے تھے۔ مگر جب حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پا گئے تو آپ کے ہوا خواہوں کو تو اس کی ضرورت آپسی کہ آپ اعلم الصحابہ قرار دیے جائیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ نہایت نازیبا امر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص رسول اللہ کا خلیفہ مانا جائے اور اعلم الصحابہ کی حیثیت نہیں رکھتا ہو۔ یعنی ضرور ہوتا کہ اس کا علم قرآن و علم حدیث و علم فقہ حضرت رسول کے تمام صحابیوں سے تمیز طور پر زیادہ تر سمجھا جائے اور اسی طرح اس کے تمام اوصاف تمام صحابیوں سے بڑھے چڑھے دکھائی دیں۔ اسی اصول پر حضرت ابوبکر اشجع الناس بھی قرار دیے گئے ہیں۔ راقم نے آپ کے اشجع الناس اور اشجع الصحابہ کی حقیقت کو اپنی کتاب مصباح الظلم اور بھی اس کتاب مناظر المصائب میں حوالہ نقل کر دیا ہے۔ بیان اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ حق یہ ہے کہ جس طرح شجاعت میں آپ کا موازنہ حضرت علی کے ساتھ ایک لغو امر ہے۔ اسی طرح علم میں بھی آپ کا موازنہ اس باب العلم کے ساتھ ایک بے معنی امر ہے۔ پس جب حضرات اہل سنت کے اعلم الصحابہ کو علم میں حضرت علی کے ساتھ کوئی مقابلہ کی صورت نہیں نظر آتی ہے تو جناب علامہ شبلی صاحب حضرت عمر کو حضرت علی کا ہمسر علم میں کیونکر قرار دیتے ہیں اطرق قرأ اطرق قرأ۔ ان النعمان فی القرأ۔ جناب علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی کے سوا کوئی شخص اُن کا (عمر کا) ہمسر نہ تھا تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اسی طرح پیش آتے تھے جس طرح خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اس تحریر حیرت انگیز کے جواب میں مرزا عابد علی بیگ صاحب قزلباش مصنف الفرق اس طرح پر حوالہ نقل فرماتے ہیں کہ ”مسلمانوں میں اسوقت تک بالاتفاق اہل اسلام اس بات کے قائل چلے آتے ہیں کہ بعد پیغمبر افضل الناس علی مرتضیٰ تھے اور اُن کے فضل و کمال میں کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا علی مرتضیٰ کو جو ذی علم مصنف (علامہ شبلی صاحب) ہمسر حضرت عمر کا قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت حضرت علی کی شان فضل و کمال سے اُن کو گرا تا ہے۔ واقعات تاریخی اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ سوائے علی مرتضیٰ کے دیگر صحابہ رسول بھی اپنے اپنے فضل و کمال میں جب قدر اُن کو تھا حضرت عمر سے بہتر اور برتر تھے اور حضرت عمر اُن سے بھی علم و فضل حاصل کرتے تھے۔ جن لوگوں کو ذی علم مصنف (علامہ ممدوح) نے صحبت حضرت عمر کی

کی عزت دی ہے وہی لوگ درحقیقت اُن کے معلم تھے اور انھیں کی راہوں کے بموجب اکثر ہر ایک امر کو حضرت عمرؓ نے قبول کیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اُن کے ساتھ ویسے ہی پیش آتے تھے جیسے خرد بزرگ کے ساتھ۔
 راقم کہتا ہے کہ واہ واہ حضرت علامہ نے اظہار ہمسری بالا سے ایک اور باب العلم کا مضمون ایجا دفرمایا ہے۔ لاریب حضرت مدوح نے اپنی جادو نگاری سے ایک اور باب العلم کا ظہور دکھلایا ہے حضرت رسولؐ نے صرف ایک باب العلم سے خبر دی تھی۔ ماشاء اللہ جناب علامہ نے ایک کو دوبناؤالاہر اگر حضرت مدوح تھوڑی اور بھی خلائی کوراہ دیتے تو ایک سے دو مدینۃ العلم بھی قرار پا جاتے۔ طباطبائی اور سخن آفرینی اس کو کہتے ہیں ۵

دُورون کو تیرے نور نے اختر بنا دیا ہر تابہ ان کو نیز اکسیر بنا دیا
 تماشائے کہ حضرت علامہ کی ساری کتاب ”الفاروق“ اسی طرح کی سخن آفرینیوں اور بے سرو پا نگاریوں سے بھری دکھائی دیتی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ حضرات اہل سنت کو معتقدین خاص بنانے کے لیے ایسے پریشان مضامین پیدا کرتے گئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو سنی دنیا میں حضرت والا کو حصول وقار کی کیا صورت نمایاں ہو سکتی تھی۔ لاریب حب جاہ ایک بُری شے ہے۔ حافظ حقیقی اس بلا سے بچائے۔ کوئی شک نہیں کہ مبتلائے حب جاہ عدل پر در نہیں ہو سکتا ہے۔ امر حق یہی ہے کہ جناب علامہ کچھ عجب بزرگ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی تفریق معلوم کے پشت پناہ ہو کہ حضرت رسولؐ کی تفتیش شان کر گئے ہیں اور بالا میں تفتیش شان مرقضوی کی کوشش اُٹھانیں رکھی ہے۔ نہیں معلوم کہ حضرت رسولؐ خاندان رسولؐ سے علامہ صاحب کو کشیدگی کی وجہ کیا تھی۔ تعجب اسی سے ہے کہ حضرت علامہ صاحب نے حضرت عمرؓ کو درجہ نبوت کے قریب قریب پہنچا کر حضرت خلیفہ صاحب کو کھلے کھلے طور پر کیوں بنی نہیں بنا ڈالا۔ تماشائے کہ ظہور رسالتآب کے قبل بھی آپ کی تحریرات امیہ اور ہاشم کے معاملات میں امیہ کی جانب داری کا پورا رنگ رکھتی ہیں۔ بنی امیہ کے مقابلہ میں بنی ہاشم سے علامہ صاحب کا تنفر چھپی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ اس کیفیت قلبی کے ساتھ علامہ صاحب محمدؐ اور آل محمدؐ کے دوست نہ کیا ہو سکتے تھے۔ اسی لیے آپ کے ہیر و سبب یعنی مدوحین بھی دشمنانِ آل محمدؐ ہی نظر آتے ہیں۔ بنی امیہ سے ولید بن عبد الملک بھی آپ کا ایک ہیر و دکھائی دیتا ہے۔ واہ کیا کہنا ہے جیسی روح ویسا فرشتہ

ضمیمہ سہم

حقیقت خلافت

خلافت یعنی حضرت رسولؐ کی جانشینی ایک ایسا مضمون ہے کہ جس نے مسلمانوں میں ایک بڑی بے چینی پھیلا رکھی ہے۔ یہ امر ایسا ہے کہ جس کی بدولت اہل اسلام دو فرقوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی نزاعی حیثیت جو ہے وہ یہ ہے کہ ایک فرقہ اہل اسلام کا اس کی حقیقت کو ایسے حضرات کی طرف منسوب کرتا ہے جن میں سے ایک کے سوا جمیع دیگر حضرات کو دوسرا فرقہ اس نسبت کا سر اور انہیں ماننا ہے۔ یہ دونوں فرقے عبارت ہیں حضرات اہل سنت اور حضرات امامیہ حضرات اہل سنت حضرت ابوبکرؓ کو حضرت رسولؐ کا خلیفہ اول قرار دیتے ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ و دیگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباسؓ سلاطین و موم کو خلیفہ کے خطاب گرامی سے یاد کرتے ہیں۔ خلفائے ہالاسے چار خلفاء کو خلفائے راشدین کہتے ہیں باقی خلفاء کو مجرد خلفاء یعنی جانشینان حضرت رسولؐ مانتے ہیں۔ حضرات اہل تشیع خلفائے ہالاسے صرف حضرت علیؓ کو خلیفہ بلا فصل حضرت رسولؐ کا جانتے ہیں۔ اور دیگر خلفاء کو خلفائے حضرت رسولؐ نہیں سمجھتے۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرات اہل سنت کے خلفاء منصوص حیثیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے منصوص حیثیت صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھی۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ کو حضرت رسولؐ نے اپنا خلیفہ دو موقع پر صاف صاف طور پر فرمایا تھا اور اس لقب گرامی سے کسی دوسرے شخص کو کبھی ممتاز نہیں فرمایا۔ موقع اول یہ تھا کہ حسب کتاب ازالۃ الخفا و کتاب نسائی وغیرہ حضرت رسولؐ نے دعوت اقربا کر کے یہ فرمایا کہ وراثت ابن عمی دون عمی "یعنی میں نے اپنا وارث بنایا اپنے چچا زاد بھائی کو برخلاف اپنے چچا کے۔ اس قصہ استخلاف کو مورخ ابو الفدا المختصر فی احوال البشر میں یوں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے اہل بیان خاندان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا۔ تب کسی نے کوئی جواب نہیں دیا الا علی رضی اللہ عنہ نے جنھوں نے بڑے جوش کے ساتھ عرض کیا کہ میں آپ کا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہوگا۔ اس پر

آن حضرت نے حضرت علی سے فرمایا کہ تو میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا۔ یہ قصہ ابتداء سے ظہور اسلام کا ہے اور کچھ شک نہیں کہ ابتداء سے اسلام ہی میں حضرت رسول صلعم نے کارروائی بالاسے اپنا جانشین تجویز کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تجویز نبی برضاے الہی تھی۔ اس لیے کہ ایسا امراہم رضی خدا کے خلاف طے نہیں پاسکتا تھا۔ حضرت رسول اپنے جی سے نہ کوئی بات کہتے تھے اور نہ کوئی کام کرتے تھے۔ یہ حضرت عمر کا مجروح نقص ایمان تھا جس نے آپ سے کہلوایا تھا کہ حضرت رسول حضرت علی کی محبت میں حق سے تجاوز کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ۔ لاریب حضرت رسولؐ ما یبطل عنی الھدی کے مصداق تھے۔ ہرگز نہ کوئی لغویات کہتے تھے اور نہ کوئی لغو کام کرتے تھے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو بے مرضی الہی اپنا خلیفہ قرار دیتے۔ یوں حضرت عمر اور علامہ شبلی صاحب نفسانیت اور مخالفت علیؑ کے تقاضا سے جیسا جاہل کہیں۔ ایک امر اور بھی اس جگہ قابل درج معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے قول بالا وراثت ابیہمی سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ وراثت بنانے کا حق رکھتے تھے تب حضرت ابو بکر مخن معشر الانبیاء کی حدیث کہان سے اٹھا لائے لاجل ولا قوۃ۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کسی حدیث کو قابل وثوق نہیں سمجھتے تھے۔ اگر احادیث کو قابل وثوق سمجھتے تو اپنی پانچ سو جمع کردہ حدیثوں کو کیوں جلاؤاٹے علاوہ اس کے حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی دعوت قریش کے موقع پر اپنا وراثت بھی فرمایا تھا۔ اور سورہ برات کے واپس لے جانے کے بعد بھی حضرت ابو بکر کو خطاب کر کے حضرت علیؑ کو وراثت اپنا قرار دیا تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عن معشر الانبیاء کی حدیث ایک موضوع حدیث ہے بہر حال اب حضرات ناظرین حضرت رسولؐ کے دوسرے موقعہ اختلاف پر اپنی توجہ مبذول فرمادیں اس موقع پر بھی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ قرار دیا تھا۔ لاریب موقع اہل کی طرح موقع ثانی سے بھی حضرت علیؑ کی خلافت واضح طور پر مخصوص ثابت ہوتی ہے۔ اس موقع کی حقیقت یہ ہے کہ جب سورہ برات نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے حضرت ابو بکر کو اول چالیس آیتیں اس کی حوالہ کر کے حکم دیا کہ کہ جا کر انھیں مشرکین کو سنا دو جب حضرت ابو بکرؓ کی طرف روانہ ہو چکے تو جبریل امین نازل ہوئے اور یہ حکم خدا لائے کہ اسے محمد تبلیغ فرما تھا اور اکام ہے یا تم خود جاؤ یا ایسے شخص کو بھیجو کہ جو تم سے ہو۔ اس پر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکرؓ کے عقب میں روانہ کیا کہ تم اُن آیتوں کو حضرت ابو بکرؓ سے لیکر حکم خدا

بجالاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا اور حضرت ابوبکرؓ مدینہ کو واپس چلے آئے۔ مدینہ واپس آ جانے پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ سے یہ عرض کیا کہ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا کہ سورہ برات واپس لے لی گئی۔ آن صلعم نے فرمایا کہ کوئی قصور کی بات نہیں تھی۔ لیکن جبریلؑ مجھ پر اس حکم کے ساتھ نازل ہوئے کہ اے محمدؐ نہیں کوئی ادا سے حق کرے گا تجھ سے الا تو یا کوئی مرد جو تجھ سے ہو اور حال یہ ہے کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میرا بھائی ہے اور میرا مہر ہے میرا وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری امت میں اور میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور کوئی شخص ادا سے حق مجھ سے نہیں کرے گا مگر علیؑ (دیکھو کتاب اعلام الوریٰ حبیب السیر اور ازالۃ الخفاء) اس سے زیادہ فیصلہ کن کیا کوئی قول ہو سکتا ہے۔ واقعہ بالا سے بین طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استخلاف بالامت تمام منصوص حیثیت رکھتا ہے اس سے زیادہ ثبوت حضرت علیؑ کے خلیفہ منصوص ہونے کا اور کیا ہو سکتا ہے اگر آپ کے دشمنوں کو سوچ جائے تو اس کا جواب ہی کیا ہے۔ المختصر تمام امتیان محمدیؐ میں صرف حضرت علیؑ ہی ہیں کہ جن کی شان میں اور الفاظ گرامی کے ساتھ حضرت رسولؐ نے خلیفہ کے لفظ کو ارشاد فرمایا ہے۔ عقل یہی کہتی ہے اور انصاف بھی یہی کہتا ہے کہ جس ذات کو حضرت رسولؐ نے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے بلاشبہ وہی شخص حضرت رسولؐ کا منصوص خلیفہ مانا جاسکتا ہے اور خلیفہ حضرت رسولؐ کہے جانے کا مستحق ہے۔ اگر اور کسی کی شان میں حضرت رسولؐ نے خلیفہ کے لفظ کو ارشاد فرمایا ہے تو مخالفان علیؑ اس کا نشان دین۔ حق یہی ہے کہ منصوص خلیفہ حضرت رسولؐ کے صون حضرت علیؑ ہیں باقی جتنے حضرات خلیفہ کہلاتے ہیں خود ساز خلیفہ ہیں اور زمین کے انجمن ہیں۔

حضرات اہل سنت حضرت علیؑ کو خلیفہ مانتے ہیں مگر آنجناب کی منصوصی حیثیت کے قابل نہیں نظر آتے ہیں اور حضرت خلفائے ثلاثہ سے تمام تر مفضول ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرات اہل سنت حضرت علیؑ کو خلیفہ منصوص سمجھتے تو خلفائے ثلاثہ سے آپ کو مفضول سمجھتے۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل سنت کے خلفاء میں جانب الناس و جہ خلاف کو پہنچتے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں ان حضرات خلفاء کو خلیفہ رسول اللہؐ کہنے جانے کا استحقاق نہیں دکھائی دیتا ہے۔ تب خلیفہ رسول اللہؐ ہی مانا جاسکتا ہے جسکو کہ حضرت رسولؐ نے اپنی زبان مبارک سے اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔ علماء اہل سنت کا یہ دعویٰ

بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلفاء میں جانب اللہ و درجہ خلافت کو پہنچتے تھے۔ یہی عقیدہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ غازی صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بفضلہ و کرمہ ایک مقول شخص ہیں اور راست خیالی اور قابلیت عامہ کے اعتبار سے اپنے جواب آپ میں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جمیع خلفاء ضرورت وقت سے خلیفہ قرار پائے تھے۔ اس لیے اسلام میں امر خلافت کوئی دینی امر متصور نہیں ہے۔ اسی بنا پر آپ نے خلافت کے مضمون کو اپنی قلمرو یعنی سلطنت ترکی سے دور دفع کر ڈالا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ عبودیت تک خلافت کی ضرورت لاحق تھی خلفاء مقرر ہوتے رہے۔ اب چونکہ خلافت ایک غیر ضروری امر دکھائی دیتی ہے اور اس سے اسلام کو فائدہ کے عوض نقصان کی صورت نظر آتی ہے۔ اس لیے اس کا دور وقع کر دینا ہی قرین صواب نظر آتا ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ غازی صاحب کی اس کارروائی پر ہندوستانی اہل سنت نے بڑی واہلہ مچائی تھی مگر غازی صاحب نے ہندوستانی ناعاقبت اندیشان خود عرض کی ایک نہیں سستی۔ خلافت کے نام سے اپنی قوم کے لوٹنے والے شور و غل مچاتے ہی رہ گئے۔ مگر خلافت کی بلا سلطنت عثمانیہ سے گئی سو گئی ہندوستانی اہل سنت میں خلافت کے جو ولولے تھے وہ اپنے حال پر ہیں اور جب تک ناراست خیالی ان کے دماغ میں جگہ کیے رہے گی رہیگا۔ ایسے حضرات اہل سنت خلافت حال و ماضیہ کو اسلام کی جان سمجھتے ہیں اور گو ان کی خلافت ماضیہ مطلق منصوصی حیثیت نہیں رکھتی ہے مگر اس کی حیثیت کو منصوص حیثیت سے بھی زیادہ اہم قیاس کرتے ہیں۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسلام کا جزو اعظم مضمون خلافت ہے۔ ان کے خلفاء اگرچہ خود ساز یا من جابہ الناس تھے اس پر بھی حضرات اہل سنت کی وابستگی ان کے ساتھ ایسی ہے کہ اس کا سولہواں حصہ بھی اہل بیت نبوی کے ساتھ دکھائی نہیں دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل سنت کے گوش مبارک تک نہ حدیث ثقلین اور نہ قول خداوندی قل لا شکم پہنچا ہی نہیں ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ مختصر یہ ہے کہ حضرات اہل سنت کے لئے جو کچھ ہے مضمون خلافت ہے۔ پھر ان کی خلافت پرستی اس درجہ کو بڑھی نظر آتی ہے کہ حسب تحریر مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم و شمس العلماء مولوی شبلی صاحب مرحوم جناب خلیفہ ثانی صاحب یعنی حضرت عمر شریک نبوت دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں بیچارے اہلبیت نبوی علیہم السلام زمرہ خلافت پرستان میں کیا جائے امتیاز پاسکتے ہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

واضح ہو کہ عقل و انصاف کے رو سے خود ساز یعنی غیر مخصوص خلفا حضرت رسولؐ کے خلفائین مانے جاسکتے ہیں۔ لاریب وہی خلیفہ حضرت رسولؐ کا خلیفہ ہے جسکو حضرت رسولؐ نے خلیفہ کے لفظ سے مخاطب فرمایا ہے۔ جیسا کہ بالا میں راقم حوالہ قلم کر چکا ہے۔ ایسا خلیفہ البدیہ منصوص حیثیت رکھنے کی وجہ سے واقعی حضرت رسولؐ کے خلیفہ مانے جانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ لاریب ایسے خلیفہ کا شمار غیر منصوص خلفاء کے ساتھ ایک سخت ضلالت سے خبر دیتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ خود ساز خلیفہ نہ تھے۔ حضرت رسولؐ کے خلیفہ من جانب اللہ تھے۔ تب ہی تو آپؐ میں ساری خوبیاں حضرت رسولؐ کی مجتمع تھیں۔

(۱) آپؐ حضرت رسولؐ کی طرح بہادر تھے۔ بہادری کی خوبی حضرات خلفائے ثلاثہ میں تادمتر مفقود تھی جن جن عزوات حضرت رسولؐ میں آپؐ نے اپنی حیرت انگیز بہادری کی وجہ سے نقتین حاصل فرمائیں ان عزوات سے حضرات ثلاثہ شرمناک طور پر فرار پر فرار اختیار کرتے رہے۔

(۲) آپؐ حضرت رسولؐ کی طرح رحیم و مہربان تھے۔ اس صفت سے حضرت عمرؓ تادمتر معزز تھے۔ حضرت ثانی کی سنگدلی کچھ ایسی ہی تھی کہ جب خلیفہ ناول صاحب نے حضرت ثانی کو خلیفہ بنایا تو بہت سے مسلمان نہایت بیزاری کے ساتھ بول اُٹھے کہ خلیفہ ناول صاحب نے ہم پر ایک سنگدل شخص کو حاکم بنایا۔ (۳) آپؐ حضرت رسولؐ کی طرح صاحب حیا اور صاحب اخلاق تھے۔ صفت حیا اور اخلاق سے حضرت عثمانؓ تادمتر خالی تھے جیسا کہ راقم اس کتاب میں دکھلا چکا ہے۔ اگر حیا داری اور اخلاق مندی آپؐ میں بھی تھی تو ان صفتوں کو آپؐ اپنی قوم بنی امیہ میں صرف کرتے ہوں گے جیسا کہ کتابوں میں دیکھا بھی جاتا ہے۔

(۴) آپؐ مکرو فریب و دغل و طامعی و خونریزی وغیرہ کو حضرت رسولؐ کی طرح نہایت ہی امر مذموم سمجھتے تھے۔ یہ معائب حضرت معاویہ کے زیور تھے۔

(۵) آپؐ فسق و فجور و شراب خواری و جمیع مکروہات سے حضرت رسولؐ کی طرح مبتر تھے۔ یہ مکروہات عین شان خلیفہ یزید کے دیکھے جاتے ہیں۔

(۶) آپؐ حضرت رسولؐ کی طرح فساد انگیزی اور سلطنت کو قابل نفرت جانتے تھے۔ مروان کے لیے یہ صفتیں ناموری کا حکم رکھتی تھیں۔

(۷) آپؐ حضرت رسولؐ کی طرح قرآن کی عظمت ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے یا یہ کہیں کہ آپؐ قرآن کی عظمت کو اپنی عظمت کے برابر سمجھتے تھے اس لیے کہ آپؐ اور قرآن بقول پاک حضرت رسولؐ

برابری کا حکم رکھتے ہیں۔ خلیفہ ولید نے قرآن کو تیرا دان کیا۔
(۸) آپ حضرت رسول کی طرح دروغ پروری سے عداوت رکھتے تھے۔ خلیفہ عبدالملک نے
معاویہ کی طرح ہزاروں جھوٹی حدیثیں وضع کرائیں۔

المختصر تمام صفات ذمہ سے مبرا رہ کر حضرت رسول کے تمام صفات حسنہ کے نمونہ
حضرت علی نظر آتے ہیں۔ بقول حضرت رسول بلکہ بقول خدائے تعالیٰ بھی آپ انبیاء کرام
کی ممتاز صفاتوں سے بھی آراستہ و پیراستہ دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ راقم سابق میں دکھا چکا ہے
تب کیا تعجب ہے کہ حضرت رسول نے آپ کو منصوبی حیثیت اپنے خلیفہ ہونے کی بخشی۔ عقل ہی
کہتی ہے کہ حضرت رسول کا خلیفہ حضرت علی کو ہونا تھا۔ معائب بزدلی و سنگدلی و بے رحمی و
خونریزی و غداہی و فسق و فجور و مکاری و فساد انگیزی و دروغ پروری رکھ کر کوئی شخص حضرت
رسول کا خلیفہ نہیں مانا جاسکتا ہے۔ یوں حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت عائشہ
و حضرت زید و حضرت مروان و حضرت ولید و حضرت عبدالملک و جمیع خلفائے بنی امیہ و خلفائے
بنی عباس و خلفائے عثمانیہ رومی اپنے اپنے درجہ خلافت کو پہنچتے گئے۔ مگر ان میں سے کسی کو
بھی منصوبی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس لیے یہ سب خلفاء حضرت رسول کے خلیفہ نہیں سمجھے
جاسکتے ہیں۔ یہ سب خلفاء من جانب الناس تھے۔ خلیفہ من جانب اللہ وہی ذات مانی
جاسکتی ہے جس کو حضرت رسول نے اپنی زبان مبارک سے خلیفہ فرمایا ہو اور جس کو حضرت رسول
اور حضرت انبیاء کرام کی صفین حسب مودہ حضرت رسول حاصل تھیں۔ اس لیے وہ سب
غیر منصوبی خلفاء حضرت رسول کے خلفاء نہیں سمجھے جاسکتے ہیں۔ پس حضرت علی کے سوا کوئی
منصوص خلیفہ حضرت رسول کا حضرت رسول کے بعد نہ تھا۔ کوئی جائے تعجب نہیں ہے جو غازی
مصطفیٰ کمال پاشا نے غیر منصوص خلفاء کی طرف مذہبی حیثیت کی نسبت روا نہیں رکھی ہے۔ لاری
غازی ممدوح نے خلافت کے بارے میں ایک بڑی محققانہ راہ اختیار کی ہے گو یہ امر ہندوستانی
خلافت پرستوں پر نہایت شاق گزرا ہے۔ یہ بچا رہے ضعیف الرائے خلافت خلافت کا شور
جو ابتدائے عمر سے سنتے آئے ہیں وہی ان کا مذہب ہو گیا ہے اور ان کے تمام مذہب کا
خلاصہ وہی خلافت متصور ہے۔ خلافت پرستوں میں ایک شورش عظیم پیدا کر کے کچھ چالاک
لوگوں نے خلافت کے ہنگامہ کو اپنا ذریعہ روزگار بنالیا ہے۔ اس ذریعہ سے ایسے
حضرات ہست کچھ صاحب سرمایہ ہو گئے ہیں اور امیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے حضرات

خلافت کے چندے کے نام سے بیواؤں کے قانون سے بایان تک اُتر والی ہیں اور بہت سے اپنے ہم مذہبوں کو بے سرمایہ کر ڈالا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ دور نہیں ہے کہ ہر آدمی اپنا بویا ہوا کاٹے۔ ۵

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافاتِ عمل غافل مشو
آفرین بر غازی مصطفیٰ کمال پاشا کہ کارے کردہ است۔

ضمیمہ ۲۲

مذہب اہل سنت اور مذہب اہل تشیع دو علیحدہ علیحدہ مذہب ہیں اور دونوں
مذہب کے خدا و رسول علیہ علیہ ہیں

کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کا خدا مادی حیثیت رکھتا ہے انکے بڑوں
اہل تشیع کا خدا مادی حیثیت سے تمام تر بری دکھائی دیتا ہے۔ راقم دونوں مذہب کے عقائد کو
ذیل میں درج کرتا ہے۔ حضرات ناظرین اُن کے فیک و بد کا موازنہ فرمالین۔

عقیدہ اہل سنت کا ہے کہ اللہ کی صورت آدمی کی سی ہے (مشکوٰۃ) اللہ کے انگلیان
چہرہ۔ کمر بند۔ مٹھی۔ قبضہ۔ آنکھ۔ کان۔ قدم۔ پنڈلی۔ پہلو ہیں مگر ناک نہیں ہے (بخاری
کتاب التفسیر اور مشکوٰۃ کتاب الآداب) راقم کہتا ہے کہ اہل سنت کو مناسب تھا کہ کان کے
ساتھ ناک کو بھی لگا دیتے بے ناک کا خدا کیونکر خوبصورت معلوم ہو سکتا ہے۔ بلکہ خدا ہو یا
آدمی کبھی صورت دار نہیں دکھائی دے سکتے۔ ناک خوبصورتی کی ناک ہے۔ بہر حال خدا
سازان یونان دروما وغیرہ وغیرہ یعنی بت تراشان اقوام مختلفہ بے ناک کا خدا نہیں بناتے
تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن اقوام کے بت ساز حضرات اہل سنت سے خوشتر مذاق
بت سازی کا رکھتے تھے۔ ہر کیف جب خدا کے لیے جسم قائم کر لیا گیا تو ضرور ہوا کہ اُس کی
نشست کے لیے ایک کرسی بھی تیار کر لی جائے۔ بچا یا جسم دار خدا کہاں تک کھڑا رہ سکتا
تھا۔ اس لیے اُس کے لیے کرسی کا سامان بھی کر دیا گیا۔ اس کرسی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے
کہ اب وہ خدا اُس پر نزل کر گیا اور وہ خدا کے بوجھت آواز کرے گی (مشکوٰۃ وغنیۃ الطالبین
حضرت بڑے پیر صاحب) یہ بھی حضرات اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر رہتا ہے۔
عرش آسمانوں میں قہر کے مانند ہے اور وہ چرچر کرتا ہے اللہ کی عظمت سے (سنن ابن ماجہ جلد اول)
صحیح مسلم و جامع ترمذی) راقم کہتا ہے کہ خدائی انجینیروں کو لازم تھا کہ عرش کو کچھ زیادہ مضبوط
بناتے۔ یہ چرچانا اچھا نہیں۔ مبادا بار خداوندی سے کسی وقت ٹوٹ پڑے۔ یہ بھی

داخل عقیدہ اہل سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ خلقت پیدا کرنے سے پہلے ایک بادل میں تھا۔ اس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اس کے اوپر بھی ہوا تھی (جامع ترمذی جلد دوم و ابواب التفسیر) راقم کہتا ہے کہ نہیں معلوم کہ بادل کے اندر کا قیام خدا کو کیوں پسند تھا۔ حق یہ ہے کہ ایسے قیام کی مصلحت کو خدا جانے یا حضرات اہل سنت جانیں دوسرا کیا جانے۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ بادل خدا صاحب کو لچاٹ اور خشک کا کام دیتا ہو گا جس سے آسائش ہوتی ہوگی۔ اس لیے خدا صاحب بادل میں قیام رکھتے تھے۔ حضرات اہل سنت یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو جسوقت رات کا اخیر حصہ رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر اُتر آتا ہے (بخاری کتاب التہجد باب الدعاء و الصلوٰۃ) راقم کہتا ہے کہ اس تکلیف فرمائی کی آخر کوئی وجہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ رات کو عرش پر بے خوابی کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے خدا صاحب کی طبیعت گھبرا جاتی ہوگی نقل مکان کے خیال سے پہلے آسمان پر اُتر آتے ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے آسمان پر خدا صاحب کی کوئی مسجد ہو تہجد پڑھنے کے لیے اُتر آتے ہوں۔ یہ بھی عقیدہ حضرات اہل سنت کا بہت ہی خوب ہے کہ اللہ تعالیٰ بے ریش جوان ہے اور عرش پر جو ساتون آسمانوں کے اوپر بیٹھا ہے (بخاری کتاب الاذان) اللہ کی جلالت کے مضمون سے راقم کو اپنی جوانی یاد آتی ہے۔ اسے اللہ یہ کیا انصاف ہے کہ تو جوان ہی رہے اور میں جوان ہو کر بوڑھا ہو جاؤں۔ واقعی بڑا مقام رشک ہے۔ واہ واہ اپنے لیے سب کچھ میرے لیے کچھ نہیں۔ حضرات اہل سنت یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ کو اہل سنت اپنی موجودہ آنکھوں سے دیکھیں گے۔ راقم کہتا ہے کہ جب خدا جسم رکھتا ہے تو کچھ کیوں نہیں آئے اپنی موجودہ آنکھوں سے دیکھیں گے۔ بخاری مسلم اور جامع ترمذی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیدار خدا کے وقت خدا کے منہ پر صرف ایک چادر جلال کی پڑی ہوگی۔ اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت کا خدا اشیاء مادیہ کی طرح مجسم ہے۔ اور اسی طرح صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ہنستا ہوا مسلمانوں کے ساتھ چلے گا اور لوگ سب اُس کے پیچھے چلیں گے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرات اہل سنت کا خدا یونان اور روم وغیرہ کے مشرکین کے عقائد کے مطابق کا ٹھ یا پتھر کا تو نہیں ہے مگر خیالی بت ہونے سے خالی نہیں نظر آتا ہے۔ صحاح ستہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ہنستا ہے ہاتھ پھیلاتا ہے سرگوشی کرتا ہے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے منہ کا نقاب اُتارتا ہے۔ باغ میں جلسہ کرتا ہے کتاب لکھتا ہے آتا ہے جاتا ہے دوڑتا ہے تعجب کرتا ہے۔ بھاگتا ہے مصافحہ کرتا ہے ٹھٹھا کرتا ہے اور روتا ہے یعنی جو جو کام

اہل سنت کر سکتے ہیں وہ سب کرتا ہے۔ پس حضرات اہل سنت کے عقائد کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا ایک مادی شے ہے اور گو کا ٹھ یا پتھر کا بنا ہوا نہیں ہے مگر صورت و جسم کے اعتبار سے کا ٹھ اور پتھر کے برابر ہے۔ اب حضرات با انصاف خود تجویز فرمائیں کہ حضرات اہل سنت عقائد بالا سے اللہ تعالیٰ کی تکریم یا تذلیل کا اظہار فرماتے ہیں یا کیا۔ راقم ایسے خدا کو خدا مان سکتا ہے اور نہ اُسکی پرستش کی طرف رخ لا سکتا ہے۔

خداے اہل تشیع

واضح ہو کہ اہل تشیع کے اصول دین پانچ ہیں یعنی توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت اور قیامت ان میں اول توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے قل هو اللہ احد جاننا چاہیے کہ احد وہ ایک ہے جس کے لیے ثانی کا ہونا دائرہ امکان سے باہر ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ احدیت اثنتی سے تمام تر بے تعلق ہے لراقم تو ہے وہ ایک اے خدا میرے جس کا بہر دوسرا نہیں ہوتا۔ چونکہ خدا کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں ضرور ہے کہ اس کی صفات داخل ذات مانے جائیں ورنہ تقد و قدما ماننا پڑے گا۔ بہر حال جاننا چاہیے کہ صفات الٰہی دو طور کے ہیں ایک ثبوتیہ اور دوسری سلبیہ۔ ثبوتیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدیم قادر عالم حی صاحب ارادہ مدبرک ظاہر و باطن متکلم اور صادق ہے۔ سلبیہ یہ ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں وہ مرکب نہیں ہے جو ہر نہیں عرض نہیں عرش پر نہیں حلول سے بری محل حوادث نہیں مرئی نہیں۔ اہل تشیع خدا کی نسبت یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اُسکی صورت نہیں ہے وہ محدود نہیں ہے مکانی نہیں ہے زمانی نہیں ہے اور محتاج نہیں ہے ذات اُس کی بے نیاز ہے وہ ازلی خالق مالک اور رازق ہے۔ نہ اس کا باپ ہے نہ اس کی ماں ہے نہ کوئی اس کا بھائی ہے اور نہ بیٹا اور نہ کوئی رشتہ دار۔ وہ عادل بھی ہے اور اسکی ذات برائی سے پاک ہے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ خدا شیعوں کا ایسا ہے کہ جس سے کسی قائل خدا کو انکار ہو نہیں سکتا۔ اب حضرات ناظرین سنی اور شیعہ کا موازنہ کر کے اسکا فیصلہ فرمائیں کہ کون خدا اختیار کرنے کے قابل اور کون ترک کرنے کے قابل ہے۔ افسوس ہے کہ علماء اہل سنت معاملات الوہیت کی نسبت کیا کیا لا یعنی احمد حوالہ قلم کر گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے مخالفین اسلام جو کچھ اعتراض اسلام پر وارد کریں خلاف توقع نہیں ہے۔ بہر حال تجید و تقدیس جناب احدیت کی مذہب امامیہ میں ایسی نظر آتی ہے

کہ ویسی تجید و تقدیس دنیا کے کسی مذہب میں نہیں دکھائی دیتی ہے۔ مذہب عیسائی میں تو توحید ہی نہیں ہے جناب احدیت کی تجید و تقدیس کہاں سے آئیگی۔ یہی حال مذاہب صنام پرستان کا دیکھا جاتا ہے کمالا یختی علی اہل العلم

حضرات اہل سنت کے رسول

حضرات اہل سنت اپنے رسول کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے رسول پہلے بت پرست تھے تب خدا کے حکم کے مطابق بت پرستی چھوڑ دی (صحیح مسلم و صحیح بخاری) مگر اللہ رازی اپنی تفسیر کبیر میں بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔ اس تفسیر میں دیکھا جاتا ہے کہ اُن کے رسول بعثت سے پہلے چالیس سال کی عمر تک کا فراوربت پرست تھے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت ایسا عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں کہ حضرت شیخین کی بزرگی میں کمی کی صورت دکھائی نہ دے یعنی جب حضرت رسول چالیس سال تک بت پرست رہے تو حضرت شیخین جی اُسی نجاست میں مبتلا رہے حضرات اہل سنت اپنے رسول کی نسبت عقائد ذیل بھی رکھتے ہیں۔

(۱) ان کے رسولؐ نے شراب فنیع جو حرام ہے پی (جذب القلوب محدث دہلوی) یہ اسی غرض سے کہا جاتا ہے کہ حرمت شراب کے بعد بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے شراب پی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی شراب نوشی علامہ ابن حجرؒ کی تحریر سے ثابت ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کی کتاب فتح الباری شرح بخاری سے۔ اس کتاب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عالم نشہ میں لڑنے بن عوف کو ہڈی سے مارا تھا۔ اب حضرات اہل سنت کو اس کے سوا کیا چارہ رہا تھا کہ حضرت رسولؐ کو بھی جلسہ شراب خواران کا ایک ممبر بناؤ الین۔ لاجول ثم لاجول۔ ماشاء اللہ حضرات اہل سنت نے حضرت رسولؐ کو کیسی یک رنگی میں دکھا ہے۔ ہولی ہے ہولی ہے۔ نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ یہ کیا مذہب کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

(۲) اُن کے رسولؐ حضرت یوسف علیہ السلام سے صبر میں کم درجہ رکھتے ہیں (بخاری)

(۳) اُن کے رسولؐ حضرت یونس بن متی سے جو رسولؐ تھے بہترین ہیں (بخاری)

(۴) ان کے رسولؐ کا تین بار سینہ چاک کیا گیا۔ دل دھویا گیا۔ حکمت اور ایمان اُس

میں بھرا گیا اور شیطانی حصہ نکالا گیا (صحیح مسلم) معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت رسولؐ اور اُن کی ترکیب میں شیطانی حصہ داخل۔ واہ واہ۔ مذہب اہل سنت عجب العجائب ہے۔

(۵) اُن کے رسول نے کعب بن اشرفؓ کو یہودی کو پہنانے کے لیے روڈ والا۔
 (بخاری) یہ حضرت عمرؓ کے ایک نفس کے قتل کر ڈالنے کے جرم کو ہلکا کر دینے کے لیے کہا گیا ہے
 (۶) اُن کے رسول نے اونٹوں کی چوری کی علت میں عرنیہ گانوں کے لوگوں کو گرفتار کر کے اُنکے
 ہاتھ پاؤں کاٹے اور اُن کی آنکھیں پھوڑنے کا حکم دیا اور آخر میں اُنھیں پتھر پلے میدان میں ڈلوادیا
 (بخاری)

(۷) ان کے رسولؐ نے مال غنیمت سے ایک پیرہن حضرت عمرؓ صحابی کو چوری سے دیدیا
 (بخاری)

(۸) ان کے رسولؐ اپنے گھر کو گڑیوں کا بتخانہ بنائے رہتے تھے اور یہ حضرت عائشہؓ کو
 گڑیاں کھلانے کی غرض سے (مشکوٰۃ)

(۹) ان کے رسولؐ نے اپنی بی بی حضرت عائشہؓ کو گانا بجانا سنا یا اور مسجد میں حبشیوں کا
 کھیل دکھایا جبکہ ان کے رسولؐ کا گال حضرت مدوحہ کے گال پر تھا (بخاری) واضح ہو کہ
 بی بی عائشہؓ کی جھونگاری بخاری نے ایسی ایسی کی ہے کہ اگر میرے زمانہ میں بخاری ہوتے تو
 اُن کی جھونگاری کا مزاحم انکو بھر بیٹ چکھا دیتے۔

(۱۰) اُن کے رسولؐ نے بی بی صفیہؓ کو حج میں گالی دی اور وہ ایسے واہیات امر کے لیے
 جسکو راقم لکھنا پسند نہیں کرتا ہے (بخاری)

(۱۱) اُن کے رسولؐ کو اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہؓ کی تصویر ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر دوبار
 دکھائی (بخاری مسلم اور ترمذی)

(۱۲) ان کے رسولؐ نے اقدام زنا کیا۔ ایک عربی عورت کا قصہ بخاری اور مسلم نے حوالہ
 قلم کیا ہے۔ راقم اس کے اعادہ کا تحمل نہیں رکھتا ہے۔ اگر کوئی نبی ایسا کر سکتا ہے تو راقم
 اس کی نبوت کا قائل نہیں ہو سکتا ہے۔ راقم کا ایمان ہے کہ ہمارے حضرت رسولؐ کبھی
 ایسے فعل شنیع کے مرتکب نہیں ہوئے اور جو ایسا کہ لاریب وہ ازلی ملعون ہے۔ عام
 اس سے کہ وہ بخاری ہو یا مسلم یا اور کوئی بشر۔ ایسے ہی محدثوں نے اسلام کو بدنام کر ڈالا ہے
 ایسے ہی محدثوں کی بدولت یہود و عیسائی اور آریہ وغیرہ اسلام پر بُرے طور سے حملہ آور
 ہوتے گئے ہیں۔ راقم ایسے محدثین کی شان میں علیہم ما علیہم کہتا ہے۔

(۱۳) ایسے ہی قصہ عشق جو نبیہ کا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ واہ امام بخاری صاحب

خوب خوب حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں۔ ایسی حدیث اندوزی پر سو سو پھٹکار۔ آپ کی صحیح اہل سنت کے لیے قرآن کے بعد کا درجہ رکھتی ہے۔ لاحول ثم لاحول کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی اہانت انگیز حدیثیں آپ کو یہودیوں اور دیگر دشمنان اہل اسلام سے نصیب پائی ہیں۔

حضرات اہل تشیع کے رسول

واضح ہو کہ آفرینش مخلوقات سے پہلا خالق عالم نے نور محمد و نور علی علیہما الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا یہ نورین وقت پیدائش سے تقدیس و تہلیل کرتے رہے۔ پھر یہ دو ذون نور نسلاً بعد نسل اصلا ب طاہرہ میں گزرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک نور صلب سیدنا حضرت عبداللہ بن ابی طالب سے اور دوسرا صلب سیدنا حضرت ابوطالب سے منتقل ہو گیا۔ صلب سیدنا حضرت عبداللہ سے حضرت رسولؐ اور صلب سیدنا ابوطالب سے حضرت علیؑ اس عالم دنیا میں رونق افروز ہوئے حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کے آبا و اجداد ہمیشہ کے موحدا و ور دین خدا پر چلے آتے تھے۔

عقیدہ اہل تشیع کا یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ان پیدائش تا وقت جمع گناہ کبیرہ و صغیرہ سے پاک رہے ہیں اور تبلیغ رسالت و وحی میں کسی طرح ان سے سہو و نسیان ظہور میں نہیں آیا ہے۔ کتابوں میں جتنے قصے حضرات انبیاء کی خطا کی نسبت دیکھے جاتے ہیں ان کے وضع کرنے والے حضرات اہل سنت ہوئے ہیں۔ ان حضرات نے ایسے قصوں کو یہودیوں کی کتابوں سے لیکر اپنی تصنیفات میں اس غرض سے داخل کر ڈالا ہے کہ اپنے خلفائے معصیت شعار کے جرائم کے استخفاف کی صورت پیدا کر سکیں۔ اہل تشیع کے عقیدہ کے رو سے حضرت رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب پیغمبروں سے افضل اور خدا سے تعالیٰ کے منظر اتم ہیں۔ سراپا جلوہ صفات حسنہ تھے اور صفات ذمیمہ سے تمام تر پاک و منزه۔ حضرت رسولؐ تمام عرب و عجم اور تمام جن و انس پر مبعوث ہوئے۔ ان صلعم کا دین تمام ادیان کا ناخ ہے۔ آج حضرت صلعم کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ وہ سرور انبیاء شافع المذنبین ہیں۔ رحمۃ للعالمین ہیں۔ پاک مقدس معصوم ہیں صاحب اعجاز و شریعت ہیں۔ صاحب کتاب ہیں صاحب وحی ہیں اور تعلیم خدا کی وجہ سے ماکان و مایکون کے عالم ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ ایسا رسول ضرور خدا کا رسول ماننے کے قابل ہے بخلاف رسول اہل سنت کے جو تمام تر قابل اجتناب دکھائی دیتا ہے۔ اب راقم حضرات اہل سنت اور حضرات اہل تشیع کے خلفاء اور اماموں کا ذکر ذیل میں

حوالہ قلم کرتا ہے۔

خلفاء و ائمہ حضرات اہل سنت

مذہب اہل سنت کے روئے خلیفہ یا امام بجانب الناس مقرر کیا ہوا مانا جاتا ہے خلیفہ برحق مذہب اہل سنت کے روئے یا اجماع سے قرار پاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر یا اختلاف سے جیسے حضرت عمر یا شوری سے جیسے حضرت عثمان یا غضب و قہر و استیلا سے جیسے حضرت معاویہ عصمت شرط خلافت و امامت نہیں ہے۔ حدیث خلافت دوازده گانہ کے روئے جس کی پابندی سنی اور شیعہ دونوں کو ہے۔ اہل سنت اپنے بارہ خلفاء بلا خیال عصمت نامزد کر گئے ہیں۔ اس آنادی کی وجہ سے معاویہ یزید مروان ولید وغیرہ خلیفہ برحق یعنی خلیفہ حضرت رسولؐ مانے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں ہے تو ہر ظالم و جابر غاصب فاجر فاسق زانی و ہر طرح کا بدکار اور امام ہو سکتا ہے۔ تب بہت سے حضرات اہل سنت صوبہ بہا کے نزدیک خلیفہ برحق ہونے سے کیوں انکار کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ عقیدہ حضرات اہل سنت کا کہ خلیفہ مقرر کرنا آدمی کا کام خدا کا کام نہیں ہے باعث ہوا ہے ہر طرح کے بدکار افراد کے خلیفہ قرار پانے کا۔ واقعی یہ عجب عقیدہ ہے عقل کہتی ہے کہ جب آدمی رسول کا خلیفہ مقرر کر سکتا ہے تو رسول بھی مقرر کر سکتا ہے کوئی وجہ مجبوری کی نظر نہیں آتی۔

خلفاء و ائمہ حضرات اہل شیعہ

حضرات اہل شیعہ کے ہاں خلافت و امامت سے حضرت رسولؐ کی جانشینی مراد ہے۔ اس لیے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ یا امام کو با عصمت ہونا چاہیے۔ اہل تشیعہ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کا جانشین مقرر کرنا خدا کا کام ہے نہ امتیوں کا۔ نصب خلیفہ یا امام پر درگاہ پر واجب ہے۔ خلافت یا امامت کو من جانب اللہ ہونا چاہیے نہ من جانب الناس شیعوں میں خلافت اور امامت حضرت علیؑ سے شروع ہوتی ہے اور امام آخر الزمان تک ختم ہوتی ہے۔ یہ دوازده خلفاء و ائمہ کیسے گزرے ہیں۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے حضرات اہل سنت ان خلفاء و ائمہ خاندان پیغمبرؐ کو اپنے خلفاء سے ملا کر دیکھ لیں اور پھر جو ایمان کے اس کے مطابق کار بند ہوں۔

آخر میں راقم عرض کرتا ہے کہ مذہب اہل سنت کیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ
 اتنا بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی بنا مخالفت حضرت رسولؐ و آل رسولؐ پر واقع ہوئی ہے
 تمام کتابیں اہل سنت کی اس عداوت عامہ سے خبر دیتی ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔



ضمیمہ ۲۵

امام بخاری صاحب اور انکی تالیف

امام بخاری صاحب کی کتاب صحیح بخاری عوام مسلمانان میں قرآن کے درجہ کے بعد ہی کی مانی جاتی ہے۔ شمس العلماء شبلی صاحب اس کتاب کے بڑے فریفتہ نظر آتے ہیں۔ اس فریفتگی کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس ترکیب کی تصنیفات علامہ موصوف حوالہ قلم فرماتے گئے ہیں ان کی ترکیب کی معین کتاب بخاری تمام تر دکھائی دیتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مخالفان حضرت رسولؐ و خاندان حضرت رسولؐ کے لیے کتاب بخاری سے زیادہ بجا آمد کوئی کتاب حدیث کی نظر نہیں آتی ہے۔ بخاری صاحب کا تحریری دعویٰ ہے کہ انھیں تین لاکھ حدیثیں یا تین اُن میں سے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح۔ پھر خود تحریری ذریعہ سے فرماتے ہیں کہ انھیں چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔ ان دو قول سے کون صحیح ہے۔ اس کو خود بخاری صاحب جانیں۔ مگر علماء اہلسنت کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاکھ کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہزار کی بات ہے جیسا کہ تدریب اللہی کی عبارت سے ظاہر ہے کہ بخاری میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیث ہیں اور کمرات نکال دینے سے توکل چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں « علامہ شبلی صاحب علماء سیر و تاریخ کے اقوال پر بخاری صاحب کے اقوال کو مرجع سمجھتے ہیں حالانکہ سیر و تاریخ سے بخاری صاحب کو کم اطلاع کی شکل نظر آتی ہے راقم کی دانست میں صحیح بخاری کثکول فقیر کا انداز رکھتی ہے۔ اس میں طب یا بس ہر طرح کے مضامین داخل دیکھے جاتے ہیں۔ راویان بخاری ہر طرح کے اقوال نظر آتے ہیں۔ ان میں سے قدری خارجی قاتلان آلِ پیغمبر مدلس خاطی فی الحدیث وضاع و کذاب وغیرہ کی کمی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ تا شاہ ہے کہ امہ خاندان پیغمبر سے بیان تک بخاری صاحب کو اجتناب ہے کہ ان امہ خاندان پیغمبر سے بھی جو ہم عصر بخاری صاحب کے تھے کوئی روایت لیگئی نہیں دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ حضرات امہ عالم ترین اور تمام تر متصفت بہ صفات حسنہ اپنے اپنے عہد کے تھے۔ عجیب انداز محدثین اہل سنت کا ہے کہ کوئی تو امہ خاندان پیغمبر کو ضعیف بتاتا ہے اور کوئی لاشے اور کوئی مجاہل قرار دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس امر نامطبوع کو خیال کر کے ماضی و حال کے علماء اہلسنت

صرف اس وقت کے ایک عالم حق گو مولانا عمر کریم صاحب یون تحریر فرماتے ہیں کہ ”بخاری صاحب نے چار ائمہ اہلبیت کا زمانہ پایا۔ سیدنا حضرت علی بن موسیٰ الرضا سیدنا امام محمد تقیؑ سیدنا امام علیؑ اور سیدنا امام حسن العسکری علیہم السلام۔ مگر ان میں سے کسی بزرگوار سے کسی حدیث کی سماعت نہیں کی۔ اور تحقیق و تلاش حدیث میں ساری دنیا چھان ڈالی۔ مکہ۔ مدینہ عراق۔ شام اور مصر غرض کوئی جگہ نہ چھوڑی۔ یہ کیوں؟ راقم کہتا ہے کہ خداے تعالیٰ مولانا سے مدد و نفع کو ایسے سوال حق شناس اور حق طلب کا اجر نیک عطا فرمائے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ عہد حضرت رسولؐ ہی سے اہل بیت نبویؑ کے برخلاف ایک پروگنڈا (قائم دکھائی

دیتا ہے۔ اس لفظ انگریزی سے مراد ایک ایسی جماعت ہے جو اپنے مرکوزات و ارادات کے قائم اور شائع کرنے کی غرض سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اس پروگنڈا کے قائم کرنے والے حضرت عمرؓ نظر آتے ہیں۔ وہ پروگنڈا حضرت رسولؐ میں اہل بیت نبویؑ اور بنی ہاشم کو بہت ضرر نہیں پہنچا سکا اس لیے کہ حضرت رسولؐ زندہ تھے۔ مگر آپؐ کی رحلت کے ساتھ ہی اس پروگنڈا نے اور دن کے ساتھ اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ ابھی حضرت رسولؐ دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پردے میں خلیفہ رسول اللہ بن بیٹھے۔ اس کارروائی سے جو اہلبیت نبویؑ اور بنی ہاشم پر آبنی اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اپنے وقت میں حضرت عمرؓ نے اس پروگنڈا کو صرف زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ اس کو بہت کچھ فروغ دیا۔ پھر اپنے بعد اس پروگنڈا کو زندہ رکھنے کی غرض سے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا سامان کر گئے۔ حسن اتفاق سے بعد ازاں حضرت علیؓ جو خلیفہ قرار پا بھی گئے تو اسی پروگنڈا کی بدولت حضرت علیؓ کو جنگ جمل کی بلا سے سامنا کرنا پڑا۔ پھر اسی پروگنڈا کے سبب سے حضرت علیؓ کو امیر معاویہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ پھر اسی پروگنڈا کے سبب سے حضرت علیؓ کی شہادت بھی ظہور میں آئی۔ اسی طرح اسی پروگنڈا کے باعث حضرت امام حسنؓ کو خلع خلافت کرنا پڑا۔ آپؓ کی شہادت اسی پروگنڈا کی بدولت واقع ہوئی۔ اس پروگنڈا کی کامیابی سے حضرت امام حسینؓ اور ائمہ خاندان رسولؐ کا قصہ بھی پاک ہوتا گیا اور ساری سادات کشیان ہوتی رہیں۔ اُسی پروگنڈا کی بنا پر مذہب زید ابن ثابتؓ بھی قائم ہو سکا اور مذہب خاندان پیمبرؐ حسب مراد طور پر رواج نہیں پاسکا۔ اسی پروگنڈا کا یہ جلوہ ہے کہ محدثین اہل سنت تنقیص شان اہلبیت نبویؑ میں اس قدر کامیاب ہوتے گئے۔ بخاری صاحب کی کامیابی بھی اسی پروگنڈا کا نتیجہ نظر آتی ہے۔ واضح ہو کہ وہ پروگنڈا

آج تک قائم ہے اور یہ اسباب ظاہر تاقیامت قائم رہیگا۔ علامہ شبلی صاحب ہندوستان میں مانہ حال کے بڑے معین اسی پروگنڈا کے دکھائی دیتے ہیں۔ پس مولانا عمر کریم صاحب کے سوال کا جواب اسی قدر ہے کہ اسی پروگنڈا کے تقاضا سے بخاری صاحب نے اپنے عصر کے ائمہ خاندان پیغمبر سے کسی حدیث کا روایت کرنا گوارا نہیں کیا ہے۔ یہ کوئی چھوٹا امر تنقیص خاندان پیغمبر کا مقصور نہیں ہے۔ ایسی راہ کے اختیار کرنے سے بخاری صاحب اسی اصول کے پابند رہے ہیں جس کے پابند رہتے ہوئے حضرت عمر سے لیکر بخاری صاحب کے عہد تک کے علمائے اہل سنت چلے آئے ہیں اور بھی بخاری صاحب کے بعد کے علمائے اہل سنت آج تک پابند دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت عمر نے جو خاندان پیغمبر کی دنیوی ثروت کے ساتھ دینی ثروت کی بھی تحریب پیش نظر رکھی تھی اُس کو پیروان حضرت عمر نے برابر ملحوظ رکھا ہے۔ ایسی صورت میں بخاری صاحب کا اپنے عصر کے ائمہ خاندان پیغمبر سے روگردان رہنا کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔

راقم عرض کر چکا ہے کہ عوام اہل اسلام صحیح بخاری کو قرآن کے بعد کے درجہ کی کتاب قرار دیتے ہیں۔ مگر علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع نظر نہیں آتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے سنی علما اس پر جرح و قدح کرتے گئے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر جو عوام میں اجماع عام کا خیال پیدا ہو گیا ہے محض بے بنیاد ہے“ بحر العلوم صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین میں روایات متناقضہ جمع ہیں۔ اس لیے وہ کتابیں اور کتب حدیث پر ترجیح و فضیلت نہیں رکھتی ہیں۔ اُن کی ترجیح و فضیلت کا دعویٰ ہرگز برسر حق نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ بحر العلوم صاحب کے علاوہ دودرجہ سے بھی زیادہ ایسے محدثین نظر آتے ہیں جنہوں نے صحیح بخاری پر تقریفات اور جرحیں قائم کی ہیں۔ مثلاً ابن عبدالبر دارقطنی علامہ عینی ابن جوزی شیخ عبدالحق دہلوی ملا علی قاری محاسبی ہامی زعفرانی امام غزالی علامہ ذہبی وغیرہ وغیرہ۔ خود علامہ شبلی صاحب جو بخاری اور مسلم کی توثیق و تصدیق میں بجد سرگرم دیکھے جاتے ہیں بخاری پر کبھی خود اور کبھی دیگر محدثین کی طرف سے الزام لگاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ پھر علامہ صاحب کی ایسی خدفتگی بخاری صاحب کے ساتھ کس سبب سے ہے۔

واضح ہو کہ امام بخاری صاحب نہ دوست حضرت رسولؐ اور نہ خاندان حضرت رسولؐ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت رسولؐ کی نسبت امام موصوف نے جو مضامین جمع کیے ہیں وہ ایسے ہی ہیں

کہ جن سے نہ صرف رسالت ہی حضرت رسولؐ کی بالائے طاق ہو جاتی ہے بلکہ آنحضرت صلیم
 معاذ اللہ ایک غیر شریف ہوسناک اور شہوت پرست آدمی بھی ثابت ہوتے ہیں۔ خاندان پیغمبر
 کی مخالفت تو آپ کی تحریرات سے اظہر من الشمس ہے۔ خاندان پیغمبر کی کسی طرح کی خوبی آپ کے
 قلم سے نکلتی ہی نہیں ہے۔ اگر مجبوراً آپ کو اس کی تحریر کی مصیبت آ بھی پڑتی ہے تو اس کے
 اختصار میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھتے ہیں اور جس قدر موقع اس کے رنگ بدلنے کا ہوتا
 ہے کم گزرتے ہیں۔ حضرت عائشہ کی ضیعتی کی تو کوئی حد آپ کے ہاتھوں سے نظر نہیں آتی ہے
 راقم اس کے اعادہ پجرات نہیں کر سکتا۔ ویسے خیر مودبانہ اور ردیلاہ مضامین کو کیونکر اپنی کسی تصنیف
 میں جگہ دے سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابیں حدیث کی خاصکر صحیح بخاری ایسی تصنیفات
 ہیں کہ جن کی وجہ سے اسلام تامر زلت مآب نظر آتا ہے۔ ایسی ہی کتابوں نے یوہود نصاری
 و آریہ وغیرہ کو اسلام پر حملہ آوری کا موقع دیا ہے۔ سر ولیم میور وغیرہ ایسی ہی کتابوں کے زور پر
 اسلام پر اعتراضات سخت وارد کرتے ہیں۔ ایسے محدثین کی حدیث اندوزی سے کارروائیاں
 حضرت شیخین کی بہت زیادہ قابل قدر ستایش دکھائی دیتی ہیں۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت
 خلیفہ اول نے اپنی جمع کردہ حدیثوں کو جلاؤ الا تھا اور حضرت خلیفہ ثانی راویان حدیث کو قید کرتے
 تھے اور دوسرے لگاتے تھے۔ راقم کی دانست میں اگر محدثان اہل سنت حضرت عمر کے زمانہ میں ہوتے
 تو ہمیشہ مار کھاتے اور قید ہوتے رہتے۔

امام بخاری صاحب کی حقیقت اسی قدر معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے اُستاد علی
 ابن مدینی کو دعا دیکر امام حدیث کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بقول مسلمہ
 آپ کے اُستاد نے ایک تالیف تیار کی تھی جس کی اشاعت میں وہ بخل کرتے تھے۔ ایک روز
 کسی ضرورت سے اُستاد صاحب کہیں گئے ہوئے تھے کہ امام بخاری صاحب نے اُن کے
 کسی فرزند کو کچھ مال دیکر اس تالیف کو ایک دن کے واسطے لے لیا اور ایک ہی دن میں اس کی
 نقل کر ڈالی۔ جب اُستاد صاحب کو حقیقت حال سے اطلاع ہوئی تو اُستاد صاحب کو بڑا صدمہ
 لاحق ہوا یہاں تک کہ اُسی صدمہ میں اُستاد صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں جان بحق تسلیم ہو گئے
 تب بخاری صاحب اس تالیف کو لیکر خراسان تشریف لے گئے۔ وہاں پہونچکر بخاری صاحب
 نے اس تالیف کو اپنی کتاب صحیح کے نام سے شائع کر دیا جس سے بخاری صاحب کو بڑی ناموری
 حاصل ہو گئی۔ مختصر یہ ہے کہ بخاری مال مسنون کا حکم رکھتی ہے۔ ایسی کتاب سے شاعت حق

کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ جیسا درخت ویسا پھل۔ لیکن اگر مال مسروق نہ ہو تو بھی حضرات اہل سنت کا اُس کو کتاب خدا کے بعد کا درجہ بخشنا۔ کچھ عجیب مضمون ہوا ایسی کتاب بعد کتاب باری کیا ہوگی کتب خاندین میں زینت الماری کا بھی حکم نہیں رکھتی ہے۔

راقم اوپر لکھ چکا ہے کہ امام بخاری نے اپنے عصر کے ائمہ خاندان پیہر کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ یہی طور اہل سنت کے تمام اہل حدیث کا دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر ممکن ہوتا ہے خاندان پیہر کے بزرگوں سے روایت کرنے میں تا حد امکان اجتناب کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ تو اپنی اس روش پر ناز رکھتے ہیں۔ یہ صاحب تو دیگر اہل سنت کے علمائے حدیث کے اعتبار سے زیادہ حضرات آل محمد کے مخالف نظر آتے ہیں۔ بہر حال کچھ اہل سنت کے علمائے حدیث نے بخاری کی روش الا پر نظر کی ہے۔ چنانچہ ابن جہل اندلسی بخاری صاحب کی نسبت لکھتے ہیں کہ ”بخاری کی یہ عادت دیکھی جاتی ہے کہ جس حدیث میں حضرت علی کا ذکر آتا ہے اُس کو مختصر اور مقطوع کر کے ذکر کرنے ہیں“ معلوم ہوتا ہے کہ فضائل و مناقب حضرت علی کو پورے طور پر لکھنا بخاری صاحب کا دل قبول نہیں کرتا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ واہ حدیث نگاری ہو تو ایسی ہو اس شعار سے تدریج فی الحدیث کی امید آپ سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر کسی روایت کی نسبت وہی علامہ اندلسی ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”ہم نے اُس روایت کو صحیح مسلم سے اس لیے نقل کیا ہے کہ مسلم نے اس کو بہ تمام و کمال نقل کیا ہے بخلاف بخاری کے انھوں نے اس حدیث میں بہت حذف و اسقاط کیا ہے جو ان کی عادت ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ان کی تصنیف پر اس کا عیب لگایا گیا ہے خصوصاً ذکر علی کے ساقط کر دینے میں“

راقم کہتا ہے کہ یہ کیسی بددیانتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی بخاری صاحب امام حدیث ہونے کی شہرت رکھتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ کیسی عداوت بخاری صاحب کو حضرت علی کے ساتھ تھی کہ جس کی وجہ سے آپ عمداً احادیث آن صلعم کو ابتر کر ڈالتے تھے۔ ایسے افراد فن حدیث کے امام کیا ہو سکتے ہیں۔ ایسے مخرب اقوال نبی مومن کیا مسلمان کہے جانے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں علامہ شبلی صاحب سے زیادہ بخاری پرست کوئی نہیں گزرا ہے۔ اس بخاری پرستی کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جو مقاصد شبلی صاحب کے تھے اُس کے انجام میں کسی دوسرے عالم حدیث سے شبلی صاحب کو اُس قدر درد نصیب نہیں ہو سکتی تھا۔ لہذا یہ تفتیش خاندان پیہر و تفضیل مخالفین آل محمد کا سامان آپ کو بخاری صاحب کے برابر کسی دوسرے محدث سے نہیں

مل سکتا تھا جس طرح پر امام بخاری امۃ یا علماے اہل بیت کو ماقظ الاعتبار سمجھتے ہیں اسی طرح شبلی صاحب بھی اپنی تصنیفات میں امۃ یا علماے اہلبیت سے ایک حدیث کا لینا بھی جائز نہیں سمجھتے میں معلوم ہوتا ہے کہ بخاری صاحب کی طرح شبلی صاحب کو بھی خاندانِ پیغمبر سے عداوت و نفرت لاحق تھی۔ راقم کہتا ہے کہ شبلی صاحب کو اس طرح کی عداوت یا نفرت کیوں لاحق نہیں ہوتی جب حضرت عمرؓ کے قائم کردہ پروگندہ کی خیریت آپ کو ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی۔

راقم آخر میں عرض کرتا ہے کہ حضرت محمد صلم کے دین کی دنیا میں بامراد طور پر نہیں پھیلنے کی وجہ خاص یہی نظر آتی ہے کہ مسلمانوں یعنی اہل سنت نے اپنے خود ساز فن حدیث کی اسلامی ملکوں میں جاری پانے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اگر کاش یہ فن حدیث وجود میں نہیں آیا ہوتا تو اگر سولہ آنہ نہیں تو بارہ آنہ ضرور سکنا سے دنیا مذہب حضرت صلم کو اختیار کیے ہوتے۔ حق یہ ہے کہ حدیث کی کتابین اسلام کی اشاعت میں بڑی سدا رہ واقع ہوئی ہیں۔ کتب حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں یعنی اہل سنت کا خدا اگر کاٹھ یا پتھر کا بنا ہوا نہیں ہے تو مادی خدا یا خیالی بت تو ضرور ہے۔ یہ نقشہ تو خدا کا کھائی دیتا ہے حضرت رسول صلم ایک غایت درجہ کے شہوت پرست اور بدکار نظر آتے ہیں۔ خاندانِ پیغمبر ایک بے حیثیت خاندان کا جلوہ دکھلاتا ہے۔ حضرات اہل سنت کے خلفا بھی قابلِ عظمت نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی بڑا فعالی تو پورے طور پر ترمذی کی حدیث سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح بخاری کی حدیث سے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ایک نہایت فاسق شخص نظر آتے ہیں راقم آئندہ ضمیمہ نمبر ۳۱ میں ترمذی اور بخاری دونوں کی حدیثیں اس بارے میں حوالہ قلم کرے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تذلیل کا کوئی دقیقہ حدیث میں اٹھا نہیں رکھا گیا ہے۔ ایسی حدیثوں کے داخل کتب حدیث رہنے کے بعد یہود و نصاریٰ و آریہ اور دیگر مخالفین اسلام کو کیا کتے نے کاٹا ہے کہ اسلام کو قابلِ عظمت یا دینِ برحق سمجھ کر اسلام قبول کریں۔ امر واقعی یہ ہے کہ اگر حدیث کی کتابین وجود پذیر نہیں ہوئی ہوتیں تو اب تک بارہ آنے دنیا اسلام قبول کر چکتی۔ ایک رسالہ ایک یورپ کے ذی علم انگریز نے شائع کیا ہے

جس میں اُس نے مسلمانوں کے خدا کی ایک سچی تصویر کھینچی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ تصویر حضرت محمد صلم اور خاندانِ پیغمبر کے خدا کی تصویر نہیں ہے مگر امام بخاری و مسلم و دیگر ناسخ پر محدثین کے خدا کی تو ضرور ہے۔ اہل علم اور اہل انصاف کو تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام بخاری وغیرہ کا خدا ایسا ہی ہے کہ اُسے کوئی صاحب عقل و فہم خدا نہیں مان سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون



ضمیمہ ۲۶

خاندانِ پمیر اور دوستدارانِ خاندانِ پمیر کے مصنف

اس ضمیمہ کو راقمِ امام فن سیر و علم کلام جناب خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب بلگرامی مدظلہ رئیس کو اٹھ ضلع شاہ آباد کی کتاب اسوۃ الرسول کی مدد سے ترتیب دیتا ہے حضرت مدوح نے جن کی کفایتِ باری کی بھی قابلیت راقم نہیں رکھتا ہے سرخی بالا کی تحقیقات کے اسناد بہت کچھ مکاتیبِ خوارزمی سے اپنی کتاب لاجواب میں داخل فرمائے ہیں۔ امام ابوالموید اخطب خوارزمی جس پایہ کے عالم محدث اور محقق گزرے ہیں اُن کے کمالات اہل کمال سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہمارے مغزِ الیہ حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کدوہ مکاتیبِ خوارزمی شیعیمان نیشاپور کے ایک استفتا کا جواب ہے اور وہ جواب رسالہ کی صورت میں مصر کے مطبع یولاق سے ۱۲۹۵ ہجری میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اقتباسات اس رسالے حضرت سید صاحب نے اپنی تصنیف جلیل اسوۃ الرسول میں درج فرمائے ہیں انھیں رقم ذیل میں حوالہ رقم کرتا ہے۔

امام اخطب خوارزمی فرماتے ہیں کہ (اے شیعیمان نیشاپور) تم لوگوں اور ہم لوگوں کو خداے تعالیٰ صلاحِ خیر دے اور توفیقِ نیک۔ ہم وہ قوم مصیبت زدگان ہیں جن کے لیے خدا نے دولت دُنیا کو نہیں قرار دیا ہے بلکہ دارِ آخرت میں ہمارے لیے ذخیرہ فرمایا ہے اور جلدی ثواب عطا کرنے کی جگہ ایک وقت خاص پر اُن کے ثوابوں کو عطا فرمائے جانے کا اُن سے وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ دو قسم کے کئے گئے ہیں۔ ہماری ایک قسم تو شہید ہو کر فائزِ شہادت ہو چکی اور ایک قسم سخت مصیبت اور شدت میں اپنی زندگی بسر کر گئی۔ جو ہم میں سے زندہ ہیں وہ مرجانے والوں پر اُن کے مصائبِ گزشتہ کے باعث رشک کرتے ہیں اور اپنے نفوس میں اُن کے مصائب کی وجہ سے ذرا بھی روگردانی کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت امیر المومنین اور یسوب الدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رنج و غم ہمارے شیعوں پر اُس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے آدمی کے جسم پر ضرب

کے بعد آگاہ کیا گیا ہے۔ آپ کے اس کلام ہدایت الیام کی بنا اس پر ہے کہ آپ کی اولاد و ذریات کی خلقت و پیدائش اُس عام پُر آشوبی زوال اور فتنہ و فساد کے طالع میں واقع ہوئی کہ آپ کی اولاد و اعقاب کے زمانہ حیات تکلیف و شدت میں کٹے اور اُن کے قلوب مختلف فکر و کمزوریات میں مبتلا رہے۔ زمانہ اُن پر حملات متواتر کرتا رہا دنیا اپنی طرف مائل کرتی رہی گویا اُن کے پیچھے بڑی سی رہی لیکن با این ہمہ ہمارے اماموں کے شیعہ ہمیشہ اور ہر حال میں فرائض و سنن کی انجام دہی میں مصروف رہے اور اپنے امہ دین کے اخبار و آثار کے پورے اتباع و انقیاد میں تمام اور قبیلہ کو متروک فرماتے رہے۔ اُن کے اتباع آثار امہ کے حالات آلام و محن سے مفصلاً ظاہر ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا و علیٰ ابیہا کی میراث آبائی اُن کے اور اُن کی اولاد کے مقابلہ میں انقضاء سقیفہ کے دن غصب کر لی گئی۔ اور امیر المومنین کو سب سے آخر میں خلافت دی گئی۔ حضرت امام حسنؑ کو مخفی طور پر زہر دے کر شہید کر ڈالا اور اُن کے بھائی کو علانیہ طور پر قتل کر ڈالا۔ زید ابن علی کے مردہ کو کنا سہ میں سولی دی اور معرکہ جنگ میں اُن کا سر کاٹا اور اُن کے دونوں بیٹوں محمد اور ابراہیم کو عیسیٰ ابن موسیٰ النہاسی کے ہاتھوں قتل کرایا۔ اور حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے ہارون کے قید خانہ میں انتقال فرمایا اور حضرت علی رضا علیہ السلام کو اماموں نے زہر دلایا۔ اور یس ابن محمد مقام فح سے ہزیمت پا کر اور یکہ و تنہا ہو کر اندلس میں بے نام نشان ہو گئے۔ اور عیسیٰ ابن زید بھی یکہ و تنہا ہو کر پریشان حال پھرتے رہے اور یحییٰ ابن عبداللہ ابن زید کو امان دیے جانے حلف شرعیہ اٹھانے اور عہد و پیمان جائز اور ضمانت جان کیے جانے کے بعد بھی قتل کر ڈالا یہ صرف وہ لوگ ہیں جو حجاز و عراق میں شہید کیے گئے۔ اُن غریبوں اور اجل نصیبوں کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جن کو یعقوب ابن اللیث نے محض سادات علوی ہونے کے جرم میں علاقہ طبرستان میں قتل کرایا۔ اور اسی طرح محمد ابن زید اور حسن ابن القاسم الملقب بداعی کو قبیلہ آل ساسان کے ذریعہ سے قتل کرایا۔ ان کے علاوہ ان کے ابوالسباح تمام سادات علویہ کو مع اُن کی اولاد و ذریات کے بلا پردہ و سامان راحلہ حجاز سے سامرہ لے گیا اور یہ امر اس وقت واقع ہوا جب قتیبہ ابن مسلم باہلی عمر ابن علی کو قتل کر چکا۔ واقعہ یہ ہے کہ قتیبہ نے ایک دن ایک شخص کو دیکھ لیا تھا کہ وہ عمر ابن علی کی حفاظت جان اور مصیبت مرگ سے اُن کے امان کی ترکیب کر رہا ہے قتیبہ نے

عین ہاںی حالت میں مح ان کے باپ کے پکڑا بلوایا اور قید کر دیا۔ ایسے ہی حسین بن اسماعیل المصیبی نے خاص طور پر پچھی ابن عمر زیدی کے ساتھ ظلم و شقاوت برتی۔ اور ایسے ہی مظالم اور شدائد مزاحم بن خاقان نے کوفہ کے سادات علویہ کے ساتھ کیے یہ بجز بی شمار کر کے سمجھ لو کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی شہر ایسا نہیں چھوڑا جس میں آل ابی طالب نہ قتل کیے گئے ہوں اور انکے قتل و خون میں اموی اور عباسیوں نے شرکت نہ کی ہو اور ان کے اس فعل میں کسی عدنانی یا قحطانی نے مطابقت نہ کی ہو۔

کوئی شخص قبائل ذی یمن بنی بکر اور بنی نصر کے زندہ لوگوں میں ایسا نہیں چھوڑا جو ان مظالموں کے حین میں نہ شریک ہوا ہو ان جماعتوں کی طرح جو اونٹوں کے ذبح پر تیار ہوتے ہیں۔ ان مظلوموں کی حیا و غیرت نے موتوں کو پسند کیا اور ذلت سے جینے کو ناپسند فرمایا اور عزت کی موت مر گئے اور ان تمام نعمات پر فائز ہوئے جو دار آخرت میں ان کے لیے ذخیرہ تھیں اپنی پاک روحوں کو دنیا کے فانی کے علائق سے رہا کیا اور ان حضرات میں سے کسی نے کاسہ مرگ ایسا نہیں پیاجس کا ذائقہ ان کے بعد ان کے شیعوں نے اور ان کے دوستوں نے نہ چکھا ہو اور کوئی مظالم و شدائد نہ باقی رہے جو انھوں نے خیال کیے ہوں اور ان کے بعد ان کے انصار و متبعین پر نہ گزرے ہوں۔ حضرت عثمان ابن عفان نے حضرت عمار ابن یاسر کے شکم پر لات ماری اور حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ سے زندہ میں نکال دیا اسی طرح عامر بن قیس التیمی کو جلا وطن پر مجبور کیا اور اشتر نخعی اور عدی ابن حاتم الطائی کو ان کے گھر سے نکال دیا اور عمر ابن زرارہ کو بھی شام کی طرف بھیج دیا اور کیل ابن زیاد سختی کو عراق میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی اور ابی ابن کعب پر ایسے ہی ستم کیے اور ان کو خاتمہ تک پہنچا دیا محمد ابن حذیفہ پر ظلم کیے محمد ابن سالم اور کعب ابن ذی حطبہ کے خون میں ترکیبیں کیں اور جو طرز عمل کیے وہ اپنے مقام پر ہیں۔ ان کے بعد بنی امیہ نے انھیں کی تقلید اختیار کی۔ جو لوگ ان سے لڑے تھے (طرفداران علی جمل و صفین میں) ان کو قتل کر ڈالا۔ جو بچ گئے تھے ان کے ساتھ غدرو و فساد کیا۔ نہ ان کو مہاجرین نے پناہ دی اور نہ انصار نے ان کی اعانت کی اور نہ دنیا والوں نے ان کی قدر و منزلت کی۔ ان لوگوں نے بندگان خدا کو اپنی ملکیت اور مال اللہ کو خاص اپنی دولت سمجھ رکھی تھی۔ کعبہ منہدم کر دیا تھا۔ صحابہ کی پرستش کرتے تھے۔ نماز موقوفہ کو ترک کر بیٹھے تھے۔ آزاد

اور نیکو کاروں کو قتل کرتے تھے اور حرم رسول صلعم کی ان لوگوں نے وہ خرابی کی اور اس طرح اُس میں داخل ہوئے۔ جیسے حرم کفار میں داخل ہوتے ہیں اور بنی امیہ میں سے جب کوئی کسی ضلالت کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے بدلے میں اُس کو کوئی سزا و تکلیف نہیں دی جاتی تھی۔ معاویہ نے عمر بن حنظلہ خراسانی اور ہجر بن عدی الکندی کو بخلاف قسم ہائے شرعیہ اور وعدہ ہائے صحیحہ قتل کرایا اور زیاد بن سمیہ نے ہزاروں شیعہ یان کوفہ و بصرہ کو قتل کیا اور اُن کی کثیر تعداد کو مدت ہائے دراز تک قید رکھا۔ یہاں تک کہ معاویہ اپنی بد اعمالی کی سزا یا بنی کے لئے خدا کے دربار میں بلالیا گیا اور اُس کی عمر اُسکے بدترین اعمال کے ساتھ بالکل تمام ہو گئی۔ معاویہ کی تبعیت اس کے بیٹے نے اختیار کی۔ جو کچھ اس کے باپ نے چمپا چمپا کر کیا تھا یزید نے اُسے علانیہ دکھلا دکھلا کر کیا۔ ہانی ابن عروہ المرادی اور مسلم ابن عقیل الہاشمی کو پہلے علانیہ طور پر قتل کرایا اور اس کے بعد حرا بن زیاد الریاسی ابو موسیٰ بن قریظہ الانصاری حبیب ابن مظاہر الاسدی ابوسعید ابن عبداللہ الحنفی نافع ابن ہلال السجلی خیطلہ ابن سعد الشامی عابس ابن شعیب الشاکری شیعہ حنین علیہ السلام ہسرت نفوس کو معرکہ کربلا میں قتل کرایا۔ پھر بار دیگر اس واقعہ عظیمہ کے بعد ولد الحرام ابن ولد الحرام عبداللہ ابن زیاد نے شعیان قرب و جوار کو درختوں کی شاخوں پر سولیاں دلوائیں اور انواع و اقسام کے ساتھ ان کو قتل کرایا یہاں تک کہ خداوند عالم نے اُس کی پشت پر اُن بے گناہوں کے خون ناحق اور ہتک حرمت کی بے شمار معصیت کا بار کرایا اور اس درمیان میں ایک جماعت مخلصین کو نصرت الہیہ کی توفیق ہوئی اور خداوند عالم نے اُن لوگوں کے ذریعہ سے ان ظلمہ وقت کی سزا دہی کا ارادہ فرمایا اور اس جماعت نے ان شہیدان مظلوم کے خون ناحق کا معاوضہ اس ولد الحرام سے لینا چاہا۔ مگر اُن کی قلت اعداد آخر میں زیادہ نہ ہو سکی اور اُن کو کمک پہونچنے کی امید منقطع ہو گئی۔ اسرار کوفہ کی جماعت کثیر اُن کے مقابلہ اور مقاتلہ پر تیار ہو گئی اور اپنے جان و مال سے مستعد ہو گئی۔ یہاں تک کہ سلیمان ابن صرور خراسانی مسیب ابن نخعہ العزازی عبداللہ ابن واصل التیمی جو اختیار مومنین اور نیکو کار تابعین شمار ہوتے تھے اور شہسواران اسلام اور اولاد ہدایت انام کہلاتے تھے قتل کیے گئے اور اس کے بعد حجاز و عراق پر ابن زبیر کا تسلط ہو گیا اور مختار نے مظلوم غریب اور شہید مصیبت کا طلب خون کیا اور اُس کے تمام قاتلوں کو قتل کیا اور اُن کے دشمنوں کو ایسے ہی ذلیل و خوار کیا اور عمر بن کیساں احمر ابن شمیط

رفاعہ ابن یزید سائب ابن مالک اور عبداللہ ابن کمال اور تمام جماعت شیعہ نے ان کا ساتھ دیا اور قاتلان حسین کو اُسی طرح قتل کیا جس طرح انھوں نے شعیان حسین کو قتل کیا تھا یہاں تک کہ خدا نے عبداللہ ابن زبیر کے وجود سے تمام امصار و بلاد کو ظاہر کیا اور اُس کے بھائی مصعب کی طرف سے بھی تمام دنیا کو آرام و اطمینان ہو گیا اور ان دو بڑوں کو عبدالملک ابن مروان نے قتل کیا۔ اسی طرح ایک ظالم کے بعد دوسرا ظالم قائم ہوتا گیا اور اُن سے انواع و اقسام کے مظالم عمل میں آتے گئے۔ اس سے قبل ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو قید کیا تھا اور اُن کو جلا کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ عبداللہ ابن عباس کے تمام فضائل و مناقب سے انکار کیا تھا اور اکثر اوقات اُن پر سخت ظلم بھی کیے تھے۔ اور جب تمام ملک آل مروان کے لیے خالی ہو گیا تو حجاج پہلے تمام حجاز پر پھر بعد ازاں تمام عراق کا والی مقرر ہوا۔ وہ بنی ہاشم کے ساتھ طرح طرح کے کھیل کھیلا اور بنی فاطمہ کو تمام ڈرایا اور دھمکایا۔ شعیان علیؑ کو بلا تامل قتل کیا اور اہل بیت رسولؐ کی بنیادیں کھود ڈالیں۔ کھیل ابن زیاد غشی پر جو مصائب گزرے وہ گزرے۔ یہ تمام مصیبتیں اور مظالم بنی امیہ کے وقت سے لے کر بنی عباس کے زمانہ تک جاری اور قائم رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے اُن کی مدت حکومت کو ختم کیا اور اُن کے گناہوں کو دُنیا کے تمام لوگوں کے گناہوں سے عظیم ترین قرار دیا اور اُن کے مظالم کی پاداش میں اُن کے ایام حکومت کو تمام کر رہا۔ آخر ایام بنی امیہ میں جب حق مہل اور دین معطل ہو چکا تھا تو زید ابن علیؑ نے احقاق حق کے لیے سعی و بیخ کی۔ اہل عراق نے اُن کے ساتھ نفاق کیا اور اُن کو چھوڑ دیا۔ اہل خام نے آخر کار اُن کو قتل کیا اور اُن کے ساتھ شیعوں کو مثل نصر ابن خزیمہ اسدی۔ معاویہ بن اسحاق انصاری اور ان کے ہمین کی جماعت کثیر کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو بھی مار ڈالا جو اُن لوگوں سے قرابت اور عزیزداری رکھتے تھے۔ یاد وہ لوگ جو اُن کی طرح و ثنا کرتے تھے۔ جب ان ظلم و وقت نے یہاں تک اُن صاحبان حرمت کی حد تک دو تہین کی اور اُن کے گناہ و معصیت اس شدت و مصیبت تک پہنچ گئے تو خدا نے اُن پر اپنا غضب نازل فرمایا اور اُن سے استزاع ملک کر لیا۔ ان پر ابو مجرم کو مسلط کیا پھر نظر قدرت علویوں کے ساتھ ابو مسلم کی سختی اور عباسیوں کے ساتھ اُس کی نرمی کو برابر دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے اس کردار و رفتار میں خوف خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی خود غرضی کی متابعت اختیار کر لی۔ اپنی آخرت کو

دنیا کے لئے بیچ ڈالا۔ اُس کے یہ طرز عمل یوں ظاہر ہوئے کہ اُس نے عبداللہ ابن معاویہ بن جعفر ابن ابی طالب کو قتل کیا اور کافران خراسان و سجستان و اکراد و اصفہان کو آل ابی طالب کے قتل و غارت پر متعین کیا اور اُن ستمکاروں نے آل ابی طالب کو بہاڑوں میدانوں دریاؤں اور ریگستانوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا یہاں تک کہ اس پر (ابو مسلم پر) ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جو اس کے (ابو مسلم) کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا یعنی اسفاح جس نے اس کو ویسی ہی قتل کیا جیسے اُس نے کثیر بندگان خدا کو قتل کیا تھا اور اُس سے بھی اُس سے ویسا ہی مواخذہ کیا جیسے اس نے اپنی بیعت کے لیے مواخذہ کیا تھا اور اس شخص کو اس کا یہ طرز عمل بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا کیونکہ اس کی سورتدبیری غضب خدا کا باعث ہوئی اور حصول مدعا کے بعد وہ اپنی ہوا و حرص کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دنیا کو اُس نے اپنے لئے حلال کر لیا۔ دنیا میں اس کے اعمال خبط ہو گئے اور تمام دنیا کو اُس نے جور و ظلم سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا اور تمام ملک کے قید خانے اہل بیت نبوی اور معدن طیب و طہارت سے بھر گئے اس کے بعد اس کے ورثا اور خلفائے بھی اس کی متابعت کی۔ عبداللہ ابن محمد بن محمد بن عبد اللہ الحسنی کو علاقہ سندھ (ہندوستان) میں عمر ابن ہشام بن عمر ثعلبی کے ذریعہ سے قتل کرایا۔ اُس کی وجہ صرف خلافت سلطنت کے شبہ و شک کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتی اور یہ واقعات تو اُن مظالم کے مقابلہ میں جو ہارون الرشید نے اہل بیت کے ساتھ کئے یا موسیٰ عباسی کر گیا بہت ہی قلیل اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ حضرات شیعیاں خراسان سایلان فتویٰ خود واقف ہیں جو موسیٰ عباسی کے ہاتھوں سے حسن بن علی ثقفی بے نفس زکیہ پر مقام فح (قریب مدینہ) میں گزرا اور علی ابن اخطس حسینی پر ہارون کے ہاتھوں سے جو مظالم گزرے اور محمد بن زید بن علی اور قاسم بن علی الحسین پر قید و داد علی ابن عثمان الخزاز اسی پر گرفتاری اور رو بکاری کے مصائب ہارون کے ہاتھوں سے جو گزرے ہیں وہ مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ ہارون مر گیا۔ ایسی حالت میں کہ وہ شجرہ رسالت کو قطع اور نخل امامت کو مستاصل کر چکا تھا۔ اور اے شیعیاں نیشاپور خداوند عالم تمہارے امور میں اصلاح و خیر دے تم لوگ نعمت دین میں اعمش سے زیادہ حصہ نہیں رکھتے جنگو طرح طرح کی عقوبت سے خوں زدہ کیا گیا اور علی بن قیطین پر اہتمام لگایا گیا اور انھیں بزرگوں کی طرح زمانہ سابق میں زید ابن صوحان العبیدی کو پہلے پھر بعد اُن کے عثمان ابن حنف النضاری اور آخر میں

مالک ابن کعب ارجبی مقتل ابن قیس ریاحی اور حرث بن الاعور ہمدانی اور ابو طفیل الکسانی کو بھی ایسی ہی مصیبتیں پیش آئیں اور حارثہ ابن قدامۃ المعدی اور جندب بن زبیر الاسدی اور شریح ابن ہانی المرادی اور ان میں سے کوئی متنفذ ایسا نہیں بچا جو قتل نہ کیا گیا ہو یا جو بچ گیا اُس نے گھربند کر کے حقیقتاً اور فقیرانہ زندگی نہ بسر کی ہو اور برابر علی مرتضیٰ پر سب دشمنی نہ سنا ہو اور ان کی تردید و تکذیب کی مجال رکھتا ہو یا ان کے اوصیا و ذریات کو قتل ہوتے نہ دیکھتا ہو لیکن با این ہمہ اُن کے عقائد میں کوئی تغیر نہ آیا اور یہ مظالم اور مفسدات کو کوئی ہرح نہ پہنچا سکے جیسا کہ جابر جعفی رشید ہجری اور رزاق ابن اعین کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ یہ بزرگوار اولیاء اللہ (یعنی ائمہ اطہار کے) دوست اور تھے اور ان کے دشمنوں سے بیزار تھے اور ظلم و ستم کے نزدیک ان کا یہی جرم عظیم اور عیب کبیر تھا۔ اب بنی عباس کے کردار کا ذکر کروں۔ ان کے ذکر میں بھی ہم کو بہت سے اقوال ملیں گے اور اُن کے اقوال میں عجائب و غرائب مشاہدات پیش آئیں گے۔ بیت المال کی تقسیم کو گویا اُن لوگوں نے قبایل و طہم اقوام ترک اندس اور فرغانہ کے لیے خاص کر وقف کر دیا تھا اور جب ائمہ ہدی کے طبقہ میں کوئی امام مرجأتا تھا یا اہل بیت مصطفیٰ میں کوئی سید القوم انتقال فرماتا تھا تو کوئی فرد واحد اُن کے جنازے میں شریک مشائیت نہیں ہوتا تھا اور کوئی اس کا مقبرہ نہیں بناتا تھا بخلاف اُن کے جب کوئی مسخرہ قول گانے والا یا شاہی بجالانے والا مرجأتا تھا تو تمام علماء و قضاة اُس کے جنازے کی مشائیت کرتے تھے اور بزرگان و رئیسان کے مقبرہ و مسجد میں اُس کی قبر بناتے تھے۔ بنی عباس اُن لوگوں سے جو مذہباً و ہر یہ سونسطایہ ہوتے اُن سے بلجاسن سلوک پیش آتے اور یہ لوگ اگر ملک و قوم کو کتب فلسفی کی تعلیم دیتے تو اُن سے مطلق اعراض نہ کرتے تھے۔ لیکن جب کسی شیعہ کو پہچان لیتے تھے تو اُس کو قتل کر ڈالتے تھے اور جس شخص کا نام علی ہوتا ہے تو اُس کی گردن مارتے تھے علی ابن خنیس کو علی ابن داؤد نے قتل کیا اور ابو تراب مروزی کو جسدِ دہل کی سزا دی۔ ان لوگوں نے اپنے ذمہ وہ مظالم لیے ہیں جن سے وہ کبھی بری نہیں ہوسکتے اور وہ آتش مفسدہ برپا کی ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی اور وہ صدمات و زہمتاں کاری ہو چکا ہے ہیں جو کبھی التیام نہیں پاسکتے۔ اُن لوگوں نے اُن جہلا شعراء قریش کی تو معاونت کی جنہوں نے اپنے اشعار میں جناب امیر المومنین کی ہجو کی لیکن اُن شعراء اسلام کی تعریض و تنبیہ کی جنہوں نے اپنے اشعار و قصائد میں حضرت علی مرتضیٰ کی مدح و ثنا کی تھی بنی عباس نے

خاصکر ان کے اشعار جو یہ کو طلب کیا اور ان کے تمام اخبار و دیات کیا اپنے اہتمام سے خاص طور پر شائع کیا اور انہیں اخبار و آثار سے واقف دی جب بن منیۃ التیمی کلی مشرقی بن القلام ہاشم بن عدی اور داب بن الکدانی نے دفتر کے دفتر مرتب کئے۔ بعض شعراے شیعہ نے علیحدہ نہیں بلکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر معجزات کے ساتھ جناب علی مرتضیٰ کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا اُس غریب کی زبان کٹوالی گئی اور اسکا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ اس طرح عبداللہ ابن عمار البرقی کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیے گئے اور کیت ابن زید اسدی کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیے گئے۔ منصور بن الریقان نمبری کی توقیر تک اس جرم میں کھود ڈالی گئی۔ اور ایسے ہی مصائب و نوائب و جبل خزاہی اور ان کے رفتار مردان ابن ابی حفصہ الیامی اور علی ابن جہم الشامی کے ہاتھوں ان کی انتہائی نا صیبت کی وجہ سے گزر گئے۔ یہاں تک کہ بارون اور جعفر متوکل جو متوکل بہ شیطان تھا و متوکل علی الرحمن یہ دونوں ایسے ظلمہ وقت ثابت ہوتے ہیں کہ انھوں نے اپنے دولت و ثمنان آل ابیطالب کے انبار و عطایا کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے تمام فرقہ نواصب کی بڑی بڑی مدد کی جب دشمنان آل ابیطالب کے درمیان علاریں عبداللہ ابن مصعب ابن النضر و دیب ابن دہب البختری کے ساتھ اور شعرا میں مروان ابن ابی حفصہ الاموی کے ساتھ اور ابی عبد الملک ابن قریب الاصمعی کے ساتھ بڑے بڑے گرانمایہ سلوک کیے۔ پھر اسی طرح جعفر کے زمانہ میں بکار ابن عبداللہ زبیری اور ابی السمط بن ابی الجون الاموی و ابن ابی شوارب العیشی کے ساتھ عطایا سے واقف کیے۔ اور اسے حضرات مخاطبان (خیالانیشاپور) نے غلامانہ عالم تم کو رشتہ و ہدایت عطا فرمائے۔ وہم لوگ عروۃ الوثقیٰ کے ساتھ متمسک ہیں اور ہماری دنیا کی بنا بھی ہمارے اساس دینی پر مبنی ہے۔ ہکو جتنی بصیرت دین حاصل ہو چکی ہے اُس سے گھٹنے والی نہیں۔ ہمارے عقائد محکمہ میں اُن منکران اسلام کے نقصان فی العقائد سے کوئی نقص واقع نہیں ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے دین میں عجیب و غریب بدعتیں پیدا کی ہیں اور کلمہ اللہ و حکم رسول اللہ سے بالکل منحرف ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم تو جو کو چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے مگر دار حاقیت نیک کا رون کے لئے ہے۔ ہر آج کے بعد کل آنے والا ہے اور ہر یوم السبت کے بعد یوم الاحد کا ہونا ضروری ہے۔ جناب عمار یا سر رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے روز فرماتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہکو مارتے مارتے تباہی اور جدائی کے اُس سرے تک بھی پہنچا دین تاہم ہم یہی یقین کرتے رہیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ ضرور باطل پر ہیں۔ یہ بھی غور کے قابل ہے

کہ پہلے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کو ہزیمت ہوئی اور پھر آپ کے لشکر نے مخالفین کو شکست پر شکست پہنچائی۔ اسی طرح پہلے تبلیغ و توسیع میں تاخیر واقع ہوئی اور بعد ازاں تقدیم۔ پھر اسی کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”کیا وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف اس کمدینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں جھوٹ دیے جائینگے اور کیا وہ لوگ فتنہ و فساد نہیں کرتے ہیں؟“ اور حقیقت میں اگر مومن کی تعداد کم اور ان کے مصائب زیادہ نہ ہوتے تو پھر دوزخ پر اور ملو ہو کر کیسے کہتی کہ مجھے ابھی زیادہ اور دیا جاوے اور اگر خدا نے نہ فرمایا ہوتا کہ اکثر لوگ جاننے والے نہیں ہیں تو پھر صبر کرنے والوں کو بے صبروں سے اہل شکوک و صاحبان کفر سے اور اہلیانِ جزا کو مجرمانِ سزا سے کیونکر بچانا جاتا۔ ہم لوگوں کے مصائب ایسے ہیں جن کے لیے ہم سے اجر و توفیق کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور تحقیق کہ رجعت دولت و نعمت کے انتظار کرنے کا ہم کو حکم ہو چکا ہے اور ہم اس کا انتظار کر رہے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے پاس ہماری تمام حالتوں کے لیے ایک دلیل اور وسیلہ ہے اور ہر مقام کے لیے ہمارے پاس ایک حجت ہے۔ مصیبت کے وقت ہمارے پاس صبر ہے اور نعمت و دولت کے وقت شکر ہے اور اگرچہ ایک ہزار مہینوں تک جناب امیر المومنین علیہ السلام پر برسرِ منبر لعنت کی گئی۔ مگر ہم لوگوں کو آپ کے وصی برحق ہونے میں ذرا بھی اشکال واقع نہیں ہوا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پندرہ برس تک تکذیب ہوتی رہی اور اہلبیت طعنوں ان امور قبیحہ میں اپنی طرف سے مدد پہنچانے میں ہمیشہ زیادتی ہی کرتا رہا۔ مگر ہم اُس پر (اہلبیت پر) برابر لعنت ہی کرتے رہے۔ کیوں؟۔ اس لیے کہ ہمارے مصائب اور ہماری آزمائش فطرت حقہ کے مطابق ہے اور ہم اس کے تمام آثار پر پورے یقین رکھنے والے ہیں۔ ہم برابر ایک امام کے قتل کے بعد دوسرے امام کے قتل پر مدافعت کرتے رہے اور ایک رضاے الہی کے بعد دوسرے پر راضی برضا رہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ان کے یہ مصائب ان کی صحت امامت کے لیے دلیل واضح اور حجت قاطع تھے اور یہ امور بمصدق آیہ ”وکان وعد اللہ مفعولاً“ (خدا کا وعدہ ہو کر رہے گا) مقدر ہو چکے تھے اور ضرور ہونے والے تھے۔ ”مخالفین کو معلوم ہو جا اور تاکید اُکھا جاتا ہے“ ان کو ایک دن معلوم ہو جائے گا“ اور ”جن لوگوں نے ظلم کیے ہیں وہ معلوم کر لیں گے کہ ان کی کیسی بازگشت ہونے والی ہے اور ان کو اس وقت کے بعد اس کی خیر ہوگی“ اور اسے حضراتِ مخاطبانِ شیعانِ خراسان آپ لوگ یقین کر لیں کہ نبی اُمیہ ہی ہیں

جن کے لیے قرآن میں شجرہ ملعونہ کہا گیا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو طاغوت و شیطان کے مطیع و فرمانبردار مشہور ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کے محاسن کو مخفی کرایا اور جنھوں نے اجرت دیدے کر حدیثوں میں جناب رسول خدا صلعم پر جھوٹ بنوایا اور اُن تمام موضوعات سے تمام دیار و ہزار بیت المقدس سے لیکر مدینہ تک پُر اور ملو کر اُسے خلافت کو ذلہ سے اٹھا کر دمشق میں لے گئے اور اُن امور قبیحہ کی تعمیل و نفاذ پر اپنے عمال کو مقرر کیا۔ وہ استخفاف احادیث رسول اسقاط اخبار فضائل اہلبیت پیمبر تحریف القرآن اور دفع مظالم معاندین علی اوس ائمہ طاہرین کا تدارک نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص فضائل عترت طاہرین بیان کرتا تھا تو اُس میں سے بعض بعض لوگ اُن کے دنائیل و محبت کو سن سن کر رونے لگتے تھے۔ مگر بائین ہمہ یہ اثر و ہیبت نہ انہیں کوئی فائدہ پہنچاتی تھی اور نہ وہ اپنے غلط طریقہ سے باز آتے تھے۔ حق ہمیشہ عزیز ہی رہتا ہے اگرچہ صاحبانِ حق کتنے ہی ذلیل کیے جائیں اور اگرچہ اُن متبعین کیسے ہی قلیل اور محدودے چند ہوں اور باطل کو ظاہری صورت میں کتنا ہی آراستہ و پیراستہ کیا جاوے مگر وہ ہمیشہ بد نما اور ذلیل ہی دکھلائی دے گا۔ نبی اُمیہ کے بعد پھر ایسے لوگوں کو کیوں ملزم نہ لہا جاوے جنھوں نے اپنے عام کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا اور بخلاف اُن کے دیار ترک و دیلم کے باشندوں کو سونے اور چاندی سے بھر دیا۔ جنھوں نے اقوام مغربی اور فرغانی کی استمداد و استعانت کی اور قبائل حجاز و انصار پر مظالم کیے۔ اقوام انباط سب کو اپنا وزیر بنایا اور اقوام ناممنون عجم و طلمطم کو اراکین امر اسطنت مقرر کیا اور آل ابی طالب کو نہ اُن کی مان کی وراثت دی اور نہ اُن کے جد بزرگوار کے خاص نے اور خمس سے اُن کو کچھ حصہ دیا اور جب کسی علوی نے اپنی قوت لایموت کے لیے سعی و خواہش کی تو اُس کی سخت مانعت کی۔ یہاں تک کہ یہ حالت گر سنگی اکل میتہ اُن پر حلال ہو گیا۔ انھیں تکالیف میں اُن کی عمر میں تمام ہو گئیں۔ مگر کبھی انھوں نے سیر ہو کر روئی نہیں کھائی۔ بخلاف اُن کے خراج مصروا ہوا و صدقات حرمین و حجاز ابن مریم المدینی (حکیم نصرانی) ابن جامع النہمی رقاص و مغنیان سلطان اور نجاشیوع نصرانی طیب شاہی کی جاگیرات کے دینے اور اہل بلد کے وظیفہ پہنچانے اور بغلے ترکی اور افشین رومی کے غلام و کنیز کے مصارف میں اٹھایا جاتا تھا اور مزید برآں محلات شاہی کے مصارف یومیہ میں آتا تھا جن میں سے متوکل کی نوٹدیوں کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے مگر سادات اہل بیت میں ایک سید غریب ایک حبشی یا سندھی عورت کے ساتھ اپنی عمر

کانت دیتا تھا تمام اموال خراج صدقات زکوٰۃ جلا دون خواجہ سرلون کتون اور بھالو بندر میں کی خود کار تھا شاکر نے والوں
مثل زور زاور عمریانہ للمسی کے مصارف میں صرف کرا جاتا تھا اگر ان میں سے بنی فاطمہ کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ سخت نکل
کیا جاتا تھا اور یہ تمام اموال و دولت مصارف عیش اور غریبات غنا وغیرہ میں لٹا جاتی تھی اور جو کچھ تھی
وہ فوج و لشکر کے مصارف میں آتی تھی اور اُس قوم کی جن کے لیے خمس حلال اور صدقہ حرام بنایا گیا تھا یہی حکمت
مکرم و تعظیم و محبت و موت لازم و واجب کی گئی ہے ایسی ناکفہ بہ حالت تھی کہ وہ نہایت منگی
اور شدید عسرت میں بسر کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی اپنی تلواریں رہن کرتا تھا کوئی کپڑے بچکر
گزران کرتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے گھر میں مرین پڑا ہوا دیکھتا تھا جو شدت ضنفت سے سہکتا تھا
مگر اُس کے علاج و تدارک پر قادر نہیں تھا اور یہ مصائب و نوائب صرف اس جرم کی وجہ سے
تھے کہ اُن کا اُن جد بزرگوار نبی تھا پدر نامدار وصی تھا اُن کی ماں فاطمہ تھیں اور دادی خدیجہ
مذہب اُن کا ایمان تھا ہادی اُن کا قرآن“

آزمین بر روح پاک امام اعظم خوارزمی کہ جنھوں نے حق پرستی کے تقاضا سے
بڑی قابلیت علمی اور اطلاع وسیع کے ساتھ بے ایمان مسلمانوں کی بدترکیبوں کو بالائین خوب
ہی حوالہ قلم فرمایا ہے۔ امام ممدوح اہل سنت سے تھے مگر خدا سے پاک نے جو آپ کو توفیق
حق پرستی کے ساتھ متصف فرمایا تھا تو آپ نے اظہار حق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کاش
یہی توفیق نیک امام ابن تیمیہ اور علامہ شبلی صاحب کو بھی مرحمت ہوئی ہوتی۔ یہ دونوں صاحب
مخالفت خاندان پیمبر سے اپنی کسی تحریر میں خالی نہیں نظر آتے ہیں۔ قابلیت علمی ان دونوں
صاحبوں کی امام خوارزمی سے کم نہیں دیکھی جاتی ہے مگر چونکہ تقدیر نے ان دونوں صاحبوں کو
خاندان پیمبر کی ولا سے منزوں دور رکھا تھا۔ اس لیے معاملات خاندان پیمبر میں اُن کے قلم سے
کبھی حق شناسی کی کوئی بات نہ نکلی۔ اگر ولایہ خاندان پیمبر کی دولت ان دونوں صاحبوں کو
نصیب ہوئی ہوتی تو مکاتیب خوارزمی کی سی تحریر پر بخوبی قادر ہو سکتے تھے۔ بہر حال نہایت
مقام افسوس ہے ان دونوں صاحبوں پر کہ اپنے نقصات کی وجہ سے حق نگاری کے حقوق
آپ دونوں صاحبوں سے خس برابر بھی ادا نہ ہو سکے۔ راقم اب ذیل میں کچھ امدھی بیابان
مسلمانان رفتہ کے حالات بہ اسناد مستبرہ حوالہ قلم کرتا ہے۔

امام مدینی لکھتے ہیں کہ ”معاویہ نے سال جماعت کے بعد ایک فرمان عام عملان
ملکی کے نام اس مضمون کا لکھا کہ جو شخص فضائل علی و اہلبیت کے متعلق کوئی روایت بیان

کرے تو ہم اُس سے بری ہیں۔ یہ بلا مصیبت اہل کوفہ پر جن میں زیادہ تر شیعیان علی تھے ہفت سے اور زیادہ ہو گئی جب سے معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور بصرہ بھی اسی کے متعلق کر دیا اور وہ ان دونوں مقاموں کے شیعوں سے خوب واقف تھا اس لیے کہ حضرت علیؑ کے وقت میں وہ بصرہ کا عامل رہ چکا تھا۔ بدبخت ابن زیاد نے شیعیان علیؑ کو تمام آبادی ویرانوں اور میدانوں میں جہاں پایا قتل کیا۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ ان کی آنکھوں میں سلاکیاں پھر وادین۔ درختوں کی شاخوں میں سولیاں دلوائیں۔ گھروں سے نکال دیا۔ پھر ملک عراق سے خارج البلد کر دیا یہاں تک کہ معروفین شیعہ میں سے ایک متنفس بھی نہ بچا۔

بار دیگر اس کے بعد معاویہ نے ایک اعلان شاہی تمام عمالان ملکی کے نام جاری کیا یہ این مضمون کہ جس وقت ہم کسی شخص کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شیعہ علی وحب الہبیت ہے تو تم اُسی وقت اُس کا نام اپنے دیوان سے کاٹ دو۔ اس کا روزینہ بند کر دو۔ اور اُس قوم کے ساتھ موالات و موافقات قائم رکھنے کی وجہ سے اُن کو مجرم قرار دو۔ اسکا مکان گرا دو۔ اس حکم شاہی کی تعمیل کی وجہ سے یہ بلا و مصیبت ترقی کر کے حدود انتہائی تک پہنچ گئیں اور تمام مالک عراق سخت بلا میں مبتلا ہو اخصراً ہالیان کوفہ پر تو اُن بلاؤں کا یہاں تک اثر پہنچا کہ اگر کوئی شیعہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لیے اُس کے گھر جاتا تھا تو خاصکر اُس سے خلوت میں ملاقات کرتا تھا اور اُس کے ملازمین و ملوکیں سے یہی خوف کرتا تھا یہاں تک کہ اُن خادمین سے حلف و قسم شرعی لیتا تھا اس لیے کہ وہ کسی غیر پر اس کا شیعہ ہونا ظاہر نہ کرے۔ اس زیادہ ظلمت میں کثیر التعداد احادیث موضوع و ہتان صریح تمام بلاد اسلامی میں ذائع و شائع ہوئے اور انھیں احادیث پر علما و فقہا اور عمالان ملکی عمل پیرا ہوئے۔ ان بلا و مصیبت میں سب سے زیادہ بلائے عظیم قاریان راویان اور اُن ضعفاے محدثین کی ہے جنھوں نے اپنی ظاہری خشوع وغیرہ کو دکھلا کر اور تاصبیت کو ضامن دے کر حدیث سازی شروع کی اور نقل و بیان حدیث کو اس لیے اپنا پیشہ بنا رکھا تھا کہ اس کے ذریعہ سے اُن کو والیان ملک اور امراء دولت کا تقرب حاصل ہو ان کے دربار میں رسائی ملے اور اس طریقہ سے وہ مال و دولت و عزت اور عمدہ و نفیس عمارت پر قادر ہوں۔ یہاں تک کہ یہی اخبار و احادیث اُن مولفین و مصنفین

اسلامی تک پہنچے جو ان کا ذیبا و افترا یات کی حقیقت نہ کہ پہنچ سکے۔ انہوں نے ان کو قبول کر لیا اور اپنی تالیفات میں ان کو نقل کر دیا اور یہ گمان کیا کہ یہ مرویات صحیح اور فی الواقع ہیں۔ اگر یہ ان کو معلوم ہوتا کہ یہ سب جھوٹی حدیثیں ہیں تو وہ کبھی ان کو نقل نہ کرتے اور نہ ان کی تہذیب میں فرماتے۔ ان پر عنوانیوں کی یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ حضرت امام حنفیؒ نے وفات فرمائی تب یہ بلا و فتنہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے۔ کوئی شخص شیعیاں علیؑ میں سے ایسا نہیں تھا جس کو ہمد م اپنے قتل کے جانے یا خارج البلد کے جانے کا خون نہ لگا تھا اور شہادت امام حسینؑ کے بعد تو اس بلا و مصیبت میں اور شدت ہو گئی۔ عبدالملک کے زمانہ خلافت میں شیعیاں علیؑ پر اور سختی ہوئی۔ ان پر حجاج ابن یوسف ایسا ظالم عامل مقرر ہوا۔ اور اُس کے دربار میں صاحبان علم اور اہل بیان صلاح و دین صرف علیؑ کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والے دشمنوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مواخات اختیار کر نیکے باعث مقرب بنائے گئے۔ اس لیے دشمنان علیؑ کے فضائل و مناقب اور سوابقات کے متعلق کثیر التعداد روایتیں بنائی گئیں اور سطح کثیر التعداد روایتیں مناقص و مطاعن حضرت علیؑ میں تیار کی گئیں جیسا کہ علامہ ابن عوف الملقب بلفظ یہ جو علم تاریخ کے بہت بڑے عالم اور علم حدیث کے علم اللسان محدث تھے اپنی تاریخ میں اس خبر کو نقل کرتے ہیں کہ احادیث موضوع نہایت کثرت کے ساتھ بنی امیہ کے زمانہ میں ان کے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے فضائل صحابہ و غیرہ میں بنائی گئیں اور اس سے ان کی خاص مراد بنی ہاشم کی توہین تھی صاحب درجات الشیعہ علامہ مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اجراء و نقل احادیث موضوع کا حکومت بنی امیہ تک اسی طرح قائم رہا اور پھر مادہ سلطنت بنی عباسیہ میں بھی اسی طرح جاری رہا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خراب اور ابر و باعث ضرر و فساد ثابت ہوا اور ان کے زمانہ حکومت میں اہل بیت علیہم السلام اور ان کے تمام متبعین و مخلصین نے وہ تمام آلام و مصائب دیکھے جو انہوں نے عہد بنی امیہ میں نہیں دیکھے تھے جیسا کہ مشہور ہے۔ قسم خدا کی بنی امیہ نے ان کے حق میں وہ نہیں کیا جو بنی عباس نے ان لوگوں کے زمانہ زندگی میں مظالم کیے۔ زمانہ گزرتا گیا اور ان کی پریشانیان بڑھتی گئیں۔ شعلہ ہائے ظالم بڑھتے گئے۔ زمانہ ان کے ساتھ بھر مہری اور بے التفاتی کے اور کچھ نہیں کر سکا۔ بالاخر ان ہی شعلہ و مصائب کی وجہ سے کثیر التعداد شیعہ بڑے بڑے شہر اور مقامات میں شرط تقیہ اختیار کر کے زانو نشین ہو گئے۔ اور ان تمام بلا و مصیبت پر صبر اختیار کر کے حصول درجات رفیعہ آخرت کیلئے

مستحق ہو گئے۔

راقم کتا ہے کہ کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں نے استیصالِ خاندانِ پیغمبر و دوستانِ خاندانِ پیغمبر کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بھی مذہبِ علی کی یحکنی کی بڑی کوشش عمل میں لائے۔ مگر شانِ کبریائی ہے کہ نہ دنیا سے شیعہ غائب ہو گئے اور نہ ان کا مذہب معدوم ہو گیا اس ساداتِ کشتی اور شیعہ کشتی پر بھی ان کی تعداد اور ان کا مذہب اس وقت قابلِ لحاظ ہے۔ ہر وقت ایران کی سلطنتِ عظمیٰ تا مگر شیعہ مذہب رکھتی ہے۔ ترکانِ عثمانی سب قول ایک ترکِ فندی کے ایک ربیعِ شیعہ ہیں۔ مسلمانِ رعایا سے روس بہ کثرت مذہبِ شیعہ کے پابند ہیں شیعہ جمہوری ریاستیں روس میں چند ہیں اکثر گرج اور سرکش قبائل کا مذہبِ شیعہ ہے۔ سواحلِ افریقہ پر ہزاروں ہزار افرادِ شیعہ بود و باش رکھتے ہیں۔ سواحلِ بحرِ احمر پر بہت سے شیعہ قبائل آباد ہیں افریقہ میں شیعہ کی تعداد کم نہیں ہے۔ بہت سے جزائرِ شیعہ کے دم سے آباد ہیں۔ کابلستان تک شیعہ سے خالی نہیں ہے۔ شاہنشاہی چین میں بہت سی شیعہ ریاستیں ہیں اور اس شاہنشاہی میں چھ کروڑ شیعہ سے کم نہیں بستے ہیں۔ ہندوستان میں بھی باوجود اسکے کہ ایک وقت میں عرصہ دراز تک یہ ملک سنی جبارین کے زیرِ اثر رہ چکا ہے۔ اہل تشیعِ معدوم کا حکم نہیں رکھتے ہیں۔ المختصر ہزار شکر کہ دینِ خاندانِ پیغمبر یا کئے حضرت رسول کا اب تک باقی ہے اور افضالِ خداوندی سے اسید کی جاتی ہو کہ آئندہ بھی تاقیامت قائم رہ جائیگا۔ اللہ اکبر اب نہ بنی امیہ ہیں اور نہ بنی عباس لیکن انکے نام لیوا سنی دیاروں میں کروڑوں ہیں اور تار و درجزا رہیں گے۔ ان کے باقی رکھنے سے مطلبِ خداوندی یہ ہے کہ مظالمِ بنی امیہ اور بنی عباس کے آثار محو نہ ہو جاویں



ضمیمہ ۲

مولوی سید نظیر الدین صاحب نیوردی - بی۔ اے کی رل

موصوف راقم کے بھتیجے اور تقاضائے وقت کے اعتبار سے ایک پورے تعلیم یافتہ جوان ہیں اور اس وقت سلطنت انگلشیہ میں ایک ممتاز عہدہ مال اور فوجداری پر سرفراز ہیں اس قدر علمی کے ساتھ بہت بڑے صاحب دماغ بھی ہیں جس کی بنا پر موصوف کا صاحب راے ہونا خلاف توقع نہیں ہے۔ مذہب کے متعلق اپنے کو محمدی کہتے ہیں اور مذہب ائمہ اثنا عشری کو برحق اور باقی تمام مذاہب کو مذہب حضرت رسول کا مخالف سمجھتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ جو دین حضرت رسول صلیم خداے تعالیٰ کی طرف سے دُنیا میں لائے یعنی جس دین کے ساتھ آنحضرت صلیم مبعوث ہوئے اس دین کی تعلیم حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو دی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علیؑ میرے دین کو چلائے گا۔ پس اس دین کے چلانے والے علی مرتضیٰ ہوئے ایسی صورت میں اہل تشیع کو شیعان علیؑ کے عوض مناسب یہ کہ اپنی کو صرف محمدی کہیں دیگر فرقہ ہائے اسلام اپنے ادیان کا جو نام رکھیں رکھیں مگر اہل تشیع کو کسی نام رکھنے کی ضرورت نہیں دیکھی جاتی ہے اس لیے کہ جس دین کے اہل تشیع پابند ہیں وہ دین حضرت رسولؐ کا لایا ہوا ہے اور وہ دین دین محمدیؐ ہے دیگر فرقہ ہائے اسلام جو اس دین سے علیحدہ علیحدہ دین اختیار کرتے گئے ہیں انکو اس کی ضرورت پڑتی گئی ہے کہ اپنے دین کا علیحدہ علیحدہ نام رکھیں۔ لاریب اہل تشیع ایسی محتاجی سے تامل بری دکھائی دیتے ہیں۔ پس انھیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے دین محمدیؐ کو کسی اور نام سے امتیاز بخشیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام حضرات اہل تشیع اپنے کو محمدی کہیں اور اس نام کے سوا دینی اعتبار سے اپنے کو کسی دوسرے نام سے خطاب نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اور فرقہ ہائے اسلام کو اس کی ضرورت پڑتی گئی ہے کہ اپنے اپنے فرقوں کو مختلف ناموں سے پکاریں۔ اہل سنت والجماعت نے جو اپنے فرقہ کا نام اہل سنت والجماعت رکھا ہے مبنی بر ضرورت ہے۔ اس مذہب کے بانی حضرت عمرؓ ہوئے ہیں۔ آپؓ نے زید ابن ثابتؓ کے ذریعہ سے اپنے مذہب کو رواج دیا تھا۔ تب عہد امیر معاویہ کے بعد وہ مذہب مذہب اہل سنت والجماعت کے نام سے قائم ہوا۔

پھر اس مذہب اہل سنت و الجماعت سے مذاہب خوارج و نواصب و اہل حدیث و مرزائی وغیرہ ظہور میں آتے گئے۔ پس جس نو ایجاد مذہب کو جیسے نام کی ضرورت رونما ہوئی اسی ضرورت کے تقاضا سے وہ مذہب نام پکڑا گیا۔ دین حضرت محمدؐ کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کے لیے کوئی دوسرا نام گڑھا جائے وہ حقیقتاً مذہب حضرت رسولؐ کا ہے۔ پیروان علیؑ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے کو پیروان علیؑ کہیں مناسب یہی ہے کہ اپنے کو محمدی کہیں اس لیے کہ خود حضرت علیؑ پیرو مذہب محمدؐ ہی اور بقول حضرت رسولؐ چلانے والے اسی مذہب کے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ راقم کو اپنے کو محمدی کہنے یا کہے جانے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہر پیرو علیؑ درحقیقت پیرو حضرت رسولؐ ہے۔ بقول شکسپیر گلاب جس نام سے پکارا جائے اس کی بویائی اور لطافت اپنے حال پر رہے گی۔ بلکہ فرقہ ہائے اہل اسلام کو جو شیعہ کے نام سے وحشت ہوتی ہے محمدی کے نام سے ان کی وحشت میں ضرور کمی لاحق ہوگی



ضمیمہ ۲۸

ام کلثوم بنت علیؑ از بطن شریف حضرت فاطمہؑ

حضرات اہل سنت خاندان پیغمبرؐ کی توہین اور تذلیل سے کبھی غافل نہیں دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم کا معاملہ عقد بھی کچھ کم سنظر آل محمدؐ کی توہین و تذلیل کا نہیں پیش کرتا ہے۔ واضح ہو کہ واربرٹن مین جو ملک پنجاب کا ایک مقام ہے کچھ عرصہ ہوا کہ ایک مناظرہ درمیان حضرات اہل سنت اور اہل تشیع کے قائم ہوا تھا۔ اس میں اہل حدیث مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری طرفدار اہل سنت نے بمقابلہ سلطان المناظرین مولانا مولوی مرزا احمد علی صاحب ”شیر ہند“ کے تقریریں فرمائی تھیں۔

”ہمارے خلیفے سب نیک بخت گزرے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ایسے نیک بخت تھے کہ حضرت علیؑ جیسے بزرگوار انسان نے اپنی لڑکی اُن کو بیاہ دی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے سے بھی اچھے آدمی کو دامادی کے لیے تلاش کرتا ہے۔ کیا کوئی شیعہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی لڑکی کسی بد معاش کے ساتھ بیاہی جائے۔ تو پھر اگر حضرت عمرؓ بڑے ہوتے تو حضرت علیؑ کس طرح گوارا فرما سکتے تھے کہ ایسے شخص کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دیتے۔ افسوس کہ تم لوگ مولیٰ علیؑ کے داماد کو بُرا کہتے ہو“ اس کے جواب میں مولانا احمد علی صاحب تقریریں زبان حق ترجمان پر لائے تھے۔

”مولوی صاحب یعنی مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو اپنی لڑکی بیاہ دی تھی۔ یہ واقعہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے یہ واقعہ رسول کے بکھرانے کو دکھ دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔ (راقم کتاب کے لاریب فیہ) مگر جھوٹ چھپ نہیں سکتا سوچنے کی بات ہے کہ عمر حضرت عمرؓ کی اس وقت ساٹھ برس کی تھی اور جس لڑکی کے ساتھ آپ کی نادی ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی عمر چار سال کی تھی جیسا کہ ”براہین قاطعہ“ سینون کی معتبر کتاب میں لکھا ہے کہ اس وقت ام کلثوم کی عمر چار سال کی تھی۔ یہ واقعہ ایسا ہے کہ سامعین کا دل کانپ جائے گا اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر

مجھے بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن چونکہ مولوی صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے اس لیے میں آپ کو بتلاے دیتا ہوں کہ انھوں نے خاندان رسولؐ کی کس کس طرح توہین کی۔ آپ کی معتبر کتاب براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ صفحہ ۲۶۵ پر ہے کہ نادختر ام کلثوم زینت کردہ نزد عمر فرستادہ شد چون عمر اور ایدید برخاست کہ بجانہ متوجہ شود۔ عمر ساق اور اگر گفت باو گفت قد رضیت قد رضیت یعنی ام کلثوم عمر کے پاس بنا سنوار کر بھیجی گئی عمر نے اسے بغل میں لے لیا اور بوسہ دیا جب وہ گھر جانے لگی تو عمر نے اُس کی پنڈلی پکڑی اور کہا اپنے ابا سے کہو۔ میں راضی ہوں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ ساٹھ سالہ بوڑھا اور چار سالہ لڑکی سے یہ کروت۔ کیا یہی اسلامی اخلاق آپ غیر مسلموں کو دکھانا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے افتراؤں سے باز آئیے۔ کہیں تو اس نام میں راویوں کو دھوکا ہوا ہے۔ اور کہیں وتذلیل و تحقیر کے خیال سے ایسی روایات گڑھی گئی ہیں۔ راقم کا دل اس معاملہ عجیب پر بے اختیار چلا اٹھتا ہے کہ اسے ساکنان دنیا اب دجال کی آمد کے منتظر نہ ہو۔ زمانہ ہوا کہ دجال آچکا ہے تو بہ تو بہ اور ہزار بار تو بہ۔

اب اہل انصاف و مصلحت فرمائیں کہ اگر صاحب صواعق محرقہ کی تحقیق صحیح ہے یعنی حضرت عمرؓ نے واقعی ایک چار سال کی لڑکی سے ساٹھ برس کے سن میں اپنا ظالمانہ دباؤ اُس کے باپ اور اس کے عزیزان پر ڈال کر عقد کر لیا تو ایسے ظلم و ستم کو انسان کہہ سکتے ہیں یا کیا۔ ظاہر ا دیو و دے بھی ایسا فعل قبیح ظہور میں نہیں آسکتا ہے۔ لاریب ایسا شخص کسی فرقہ انسان کا سزاوار نہیں مانا جاسکتا ہے۔ ایسا شخص خلیفہ رسول اللہؐ کیا ہوگا۔ بلاشبہ اس اخلاق ذمیمہ کا آدمی کسی مذہب میں عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ عقل ایسے بد اخلاق کو کسی حال میں قابل تحسین نہیں سمجھ سکتی اگر واقعی حضرت عمرؓ جیسا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کہتے ہیں ایسی ذلیل حرکت کے مرتکب ہوئے تھے تو توہین و تذلیل خاندان پیغمبرؐ تو درکنار خود حضرت عمرؓ پر نفس نفیس ایک بھاری ذلت مآب ثابت ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ بُرے سے بُرا آدمی ایسے فعل قبیح کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی امید ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اس سجد ذلیل اور ظالمانہ فعل کے مرتکب نہیں ہوئے ہوں گے چنانچہ فریقین کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا عقد ام کلثوم بنت علیؓ سے نہیں ہوا تھا ام کلثوم بنت ابوبکرؓ سے ہوا تھا۔ لاریب یہ واقعہ ایجاد کردہ دوستداران حضرت عمرؓ دشمنان حضرت علیؓ کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ راقم کی تحریرات ذیل سے ظاہر ہوگا۔ کوئی شک نہیں کہ

دوستداران حضرت عمرؓ نے خلافت مآب کی دوستی میں خلافت مآب کی توہین و تذلیل کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی انھیں دوستداران حضرت عمرؓ کی روش اختیار کی ہے اور اپنی دانست میں اپنی تقریر کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ سے افضل دکھلانا بھی چاہا ہے۔ تب تو وہ اہل حدیث صاحب فرماتے ہیں کہ ”یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے سے بھی اچھے آدمی کو دامادی کے لیے تلاش کرتا ہے“ مگر ہزار افسوس کہ وہ اہل حدیث صاحب حضرت عمرؓ کی توہین و تذلیل کو اپنی ان خود رنگی کے باعث اپنے دماغ میں جگہ نہ دیکے واقعی اگر جناب مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت عمرؓ کے دوست دانا ہوتے تو ایسے ارشاد کی طرف میل نہ فرماتے۔

واضح ہو کہ راقم نے اپنی کتاب مصباح الظلم میں عقد ام کلثوم کے واقعہ کو کافی طور پر حوالہ قلم کر دیا ہے۔ حضرات ناظرین ہذا اس کتاب مطبوعہ سمرہ روز گار پریس آگرہ کو صفحہ ۶۱ سے صفحہ ۶۵ تک ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ اب راقم ذیل میں ایسے امور حوالہ قلم کرتا ہوں جسے ظاہر ہوگا کہ یہ واقعہ حیرت خیز کبھی غور میں آیا ہی نہیں۔

ہرچیز صاحب تاریخ انھیں لکھتے ہیں کہ عقد حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم کے ساتھ وقوع میں آیا اور اس مواصلت سے ایک بیٹا زید نامی کبھی پیدا ہوا اور ایک بیٹی زینب نامی بھی پیدا ہوئی مگر صاحب رسالہ المامیہ لکھتے ہیں کہ درحقیقت نکاح خلیفہ ثانی کا حضرت ام کلثوم دختر حضرت علیؓ کے ساتھ ہرگز نہیں ہوا۔ مصنف رسالہ بالا تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس دو بیٹیاں تھیں اور دونوں کا نام ام کلثوم تھا ایک ام کلثوم دختر حقیقی حضرت علیؓ کی بطن حضرت فاطمہ علیہا السلام سے تھیں اور دوسری ام کلثوم دختر حقیقی حضرت ابوبکرؓ کی بطن ام بنت عمیس سے۔ اس بنت عمیس جب زوجیت حضرت علیؓ میں درآئیں اور حضرت علیؓ کے گھر میں رونق افروز ہوئیں تو ایک بیٹی بھی ساتھ لائیں۔ یہ وہی بیٹی ام کلثوم تھیں جو دختر حقیقی حضرت ابوبکرؓ کی تھی۔ یہ لڑکی حضرت عمرؓ کے وقت استدعا سے نکاح کے بلوغ کو پہنچ چکی تھی یا پہنچ چکی تھی۔ پس ممکن ہے کہ اس سے زید و زینب پیدا ہوئی ہوں گو دونوں کا پیدا ہونا بھی قرین عقل نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وقت استدعا سے نکاح حضرت عمرؓ کی عمر ساٹھ برس کی ہو چکی تھی اور نکاح کے بعد حضرت عمرؓ صرف تین ہی برس اور بھی زندہ رہے لیکن دعوت حضرات اہل سنت کا کہ حضرت عمرؓ نے ام کلثوم دختر علیؓ سے نکاح کیا اور اس مواصلت

کوئی اولاد ہوئی تا مگر فطرت کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ بیان اہل سنت ہے کہ وقت نکاح حضرت عمرؓ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور حضرت ام کلثومؓ کی صرف چار سال یا پچھ سال کی اور پوری عمر حضرت عمرؓ کی عمر ۶۳ سال ہوئی۔ تو اس حساب سے حضرت عمرؓ کے انتقال کے وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر سات یا نو سال کی ثابت ہوتی ہے۔ پس زمانہ بلوغ کے قبل زید و زینب کا پیدا ہونا تا مگر خلاف فطرت نظر آتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا دعویٰ اہل سنت کا کوئی بنیاد نہیں رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا دعویٰ اہل سنت یا تو ہین و تذلیل خاندان پیغمبرؐ کی نظر سے کرتے ہین یا دو لڑکیوں کے ہننام ہونے کی وجہ سے ایسے دعوے نے ظہور کیا ہے۔ لیکن زیادہ قرینہ اسی کا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی تعظیم و تجبید کی نظر سے ایسا قصہ گڑھا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہوا خواہان حضرت عمرؓ ہین دیکھنے کا ایسی تعظیم و تجبید سے حضرت عمرؓ کی بڑی توہین اور تذلیل رونما ہوتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر واقعہ بالا حسب بیان اہل سنت صحیح مان لیا جائے تو حضرت عمرؓ کی بڑی تفضیح کے اسباب مہیا ہو جاتے ہین تب حضرت عمرؓ ایک بڑے ظالم حق کش مردم آزار اور درشت خونا بت ہوتے ہین۔ تب عقل ایسے نامدوح شخص کو کسی حالت سے خلیفہ رسول اللہؐ نہیں مان سکتی ہے۔ یہ ہین نہیں کتا کہ حضرت عمرؓ کی تعظیم پوری کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ مگر واقعہ حضرت ام کلثومؓ کا حسب بیان اہل سنت تا مگر غلط ثابت ہوتا ہے بلا گفتگو یہ امر حضرت عمرؓ سے کبھی دور نہیں تھا کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی عداوت کے تقاضا سے آپؐ ایسے ظالمانہ فعل کے مرتکب ہو جاتے لیکن ایسا فعل آپؐ نے ظہور میں نہیں آیا۔ یہ صرف حضرات اہل سنت کی طبیعت داری ہے کہ ایسا وحشت انگیز قصہ آپؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بہر حال یہاں پر حضرت عمرؓ کو جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے عداوت تھی اس کی حقیقت کو حوالہ تعلیم کر دینا بے محل دکھائی نہیں دیتا ہے ہزاروں کیا لاکھوں ایسے بنی آدم ہین چہ مسلمان اور چہ غیر مسلمان جو حضرت عمرؓ کی اس عداوت کی حقیقت سے بے خبری رکھتے ہین حقیقت حال یہ ہے کہ ایک وقت میں حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ سے عقد حضرت فاطمہؓ کی خواستگاری کی تھی۔ مگر حضرت رسولؐ نے انکار کر دیا انکار کی تین وجہیں معلوم ہوتی ہین۔ اول یہ کہ عمرؓ کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کا جو حضرت سیدہ کے ساتھ نہ تھا۔ اسی بنا پر حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ ”ابھی فاطمہؓ بہت عغیرین ہے“ دوم یہ کہ حضرت رسولؐ حضرت عمرؓ کو ایک زخمت خوا اور شقی القلب آدمی سمجھتے تھے جیسا کہ

اس وقت بھی حضرت خلیفہ صاحب سمجھے جاتے ہیں۔ سوئم یہ کہ حضرت عمر ایک کم نسب آدمی تھے۔ آپ کا جوڑ کسی بنی ہاشم لڑکی کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا حضرت فاطمہ تو اور ہی کچھ درجہ شرف رکھتی تھیں جن لوگوں نے کتاب مثالب پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت عمر کا خاندان کیسا تھا۔ راقم اس جگہ اعادہ اپنی تحقیق کا اپنی کتاب مصباح الظلم سے درج ہذا کرتا ہے۔ حضرت عمر کی خاندانی حالت یہ ہے کہ مین اطمینان کے ساتھ نہیں عرض کر سکتا ہوں کہ آپ مین ہاشم بن عبدمنات کا خون ہے یا نہیں۔ کتاب مثالب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے دادا نفیل ایک کنیز حبشہ کے بطن سے جس کا نام ضہاکہ تھا پیدا ہوئے یہ ضہاکہ حضرت ہاشم بن عبدمنات کی لونڈی تھی جو نفیلہ بن ہاشم اور بعدہ عبد العزیٰ بن ربیع کے نصرت مین یکے بعد دیگرے در آئی۔ یہاں تک کے مضامین کتاب مثالب مین پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ نفیلہ بن ہاشم یا عبد العزیٰ کے فرزند نفیل تھے بہر حال اپنے وقت مین نفیل نے قبیلہ فہم کی کسی عورت سے رواج ملکی کے مطابق موصلت پیدا کی جس سے خطاب حضرت عمر کے والد تولد ہوئے (دیکھو معارف ابن قتیبہ) یہ عورت بھی قبیلہ فہم کی لونڈی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ ام الولد کے قاعدہ سے رواج جاہلیت کے مطابق آخر مین عمر بن نفیل کے نصرت مین آئی واللہ اعلم بالصواب۔ واضح ہو کہ کتاب مثالب تصنیف ابو المنذر ہشام ابن سائب الکلبی کی ہے۔ یہ بزرگ اکابر اعظم علمائے اہل سنت سے ہیں اور اسی درجہ کے عالم ہیں کہ ترمذی اور ابن ماجہ ان کو اپنا شیخ مانتے ہیں اور بغوی جیسے جیسے محقق اور مفسر نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل کو ان کی روایتوں سے بھر دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ اس عالم مستند کو علم نسب کا امام سمجھتے ہیں۔ علامہ سبط ابن جوزی اور ابن خلکان بھی انساب کے متعلق ان سے بہت کچھ لیتے گئے ہیں۔ اسی سے سمجھنا چاہیے کہ کتاب مثالب کے مصنف کا کیا پایہ ہے۔ پس ابو المنذر ہشام کی تحقیق کس عظمت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین حضرت رسولؐ اپنی دختر والانسب کو حضرت عمر سے بیاہ نہیں سکتے تھے۔ لاریب سرور انبیاء و کرام حضرت صلعم ایسا ظلم اپنے جگر گوشہ محترمہ پر روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اس ناکامیابی کی چوٹ تاجر حضرت عمر کے دل پر بیٹھی رہی۔ ایسی صورت مین بھی آپ سے کچھ دور نہ تھا کہ آپ دختر فاطمہؑ و علیؑ سے مناکحت کا قصد اس حالت مین بھی کر لیتے کہ اگر عمر اس کی چھ یا چار برس

کے عوض ایک ہی برس کی ہوتی۔ مگر الحمد للہ کہ ایسا واقعہ حیرت انگیز و قیامت خیز ظہور میں نہیں آیا۔

راقم کتاب ہے کہ جب مضامین بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا عقد حضرت ام کلثوم کے ساتھ کسی طرح پر ثابت نہیں ہوتا تو مولوی ثناء اللہ صاحب کا بہ اطمینان تمام یہ کہنا کہ ”تم لوگ (یعنی اہل تشیع) مولیٰ علی کے داماد کو برا کہتے ہو“ کچھ عجیب مضمون ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اپنے حضرات شیخین بلکہ حضرات ثلاثہ کی محبت میں ایسے از خود رفتہ ہو رہے ہیں کہ خدا و اہل آل محمد و قرآن و عقل و فہم کی بھی اہمیت اُن کے دماغ میں جگہ نہیں رکھتی ہے۔ یہ فرقہ اہل سنت کا جس میں دہلوی خارجی ناصبی اور مرزائی وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں کچھ عجیب فرقہ دکھائی دیتا ہے اس فرقہ کے مسلمان خدا کو جیسا کہ ضمیمہ نمبر ۲۴ میں دکھلایا گیا ہے ایک مادی اور مجسم ذات مانتے ہیں حضرت رسولؐ پر اقدام زنا شراب نوشی دزدی اور سفاکی کی تممت لگاتے ہیں حضرت علیؑ کو بھی شراب خواری کے ساتھ منسوب کرتے ہیں بلکہ اُن کے سردار دین یعنی حضرت عمرؓ تو اسی عقد حضرت ام کلثوم کے لگاؤ سے حضرت علیؑ پر زنا کا مقدمہ قائم کرنے کو تھے۔ اسی طرح وہ حضرات تمام خاندانِ پیغمبرؐ کی تنقیص و توہین و تذلیل و تحقیر کو اپنا جزو ایمان جانتے ہیں۔ الحق اگر یہ فرقہ اہل سنت کا وجود میں نہیں آیا ہوتا تو بالیقین دنیا کے سولہ حصہ میں اسکا بارہ حصہ اسلام کو ضرور قبول کر لیتا لیکن جس مذہب میں ایسے ایسے علما گزرے ہیں جیسے امام بخاری امام ابن تیمیہ اور حال کے علامہ شبلی صاحب تو اسلام دنیا کا مذہب عام کیونکر ہو جا سکتا ہے۔ نہایت جائے تعجب ہے کہ مذہب تنکیت یورپ ایشیا امریکہ افریقہ اور جزائر مختلفہ میں تو بامراد طور پر پھیل جائے اور مذہب حضرت رسولؐ جو مذہب توحید ہونے کی وجہ سے بلاشبہ خدا کا مذہب ہے۔ دنیا میں ٹھہر کر رہ جائے اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلامی علما یعنی علمائے اہل سنت نے اس دین کو دنیا میں پھیلنے نہیں دیا ہے۔ قابلِ لحاظ ہے کہ کوئی غیر مسلم کتاب بخاری کو پڑھ کر کیونکر داخل اسلام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کے اور علمائے بھی اس کا پورا سامان کر رکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم دائرہ اسلام میں جگہ پانے نہ پاوے۔ کوئی شک نہیں امام بخاری وغیرہ ایسے عالموں نے اسلام کو سخت ضرر پہنچایا ہے اور ان کے چیلے چانگرا سوقت بھی ضرر پہنچا رہے ہیں اور قیامت ضرر پہنچاتے رہیں گے۔ اگر بخاری وغیرہ کے سے علما وجود میں نہیں آئے ہوتے تو سرورِ عالم و عیو کے انداز کے دشمنان اسلام بھی وجود میں نہیں آئے ہوتے۔

آخر میں راقم یہ عرض کرتا ہے کہ حاجی میرزا احمد علی صاحب نے اس مباحثہ عقد کلمہ کے متعلق اہل حدیث مولوی ثناء اللہ صاحب کو کیا خوب فرمایا تھا کہ ”ساٹھ سالہ بوڑھا اور چار سالہ لڑکی سے یہ کروت۔ کیا یہی اسلامی اخلاق آپ غیر مسلموں کو دکھانا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے افتراءوں سے باز آئیے ۷ راقم بھی جناب مرزا صاحب کی طرح نفوذ باللہ غم نفوذ باللہ کلمہ عرض کرتا ہے کہ وہ مذہب ہرگز خدا کا مذہب نہیں ہو سکتا ہے جس کا ایک نامی سرتاج ایک چار برس کی لڑکی کو بغل میں لیکر اس کا بوسہ لے اور جب وہ گھر جانے لگے تو اس کی ساق پا کو پکڑ کر اس سے یہ کہے کہ اپنے آبا سے کہنا کہ میں راضی ہوں۔ راقم کہتا ہے کہ حضرات اہل سنت حضرت پیر اور خاندانِ پیر کی توہین و تذلیل میں کہیں کمی نہیں کرتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب یا مولوی شبلی صاحب یا ان کے قبل کے علمائے اہل سنت جیسے امام بخاری و مسلم و ابن تیمیہ وغیرہ اس طرزِ عمل سے باز نہیں آئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہی دکھایا جاتا ہے کہ اسلام یا وجود مذہب توحید ہونے کے ایک مجبور سا مذہب دکھائی دیتا ہے۔ حق یہی ہے کہ جس قدر اسلام کو ضرر بالا قسم کے علمائے پہونچا ہے دنیا کے کسی دشمن اسلام سے نہیں پہونچا ہی سچاے پادریانِ ولایت ہاے عیسائی کس حساب میں ہیں۔



ضمیمہ ۲۹

حضرت شیخین اور اہل بیت نبویؐ کی مالی ضروریابی

یون تو حضرت شیخین نے حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی ایذا رسانیوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ حضرت علیؑ کو جبر یہ طور پر گھر سے پکڑوا منگایا پھر بیعت لینے کی نظر سے ہر طرح کی سختیاں اُن پر کیں۔ خاص کر حضرت عمرؓ نے انھیں گردن مارنے کی دھکیاں دیں اور سخنان ناسزا زبان پر لائے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت فاطمہؑ کے گھر میں آگ لگا دی اور حضرت مہدیؑ کو کوٹے سے مارا اور حضرت مہدوحہؑ کی دو پٹلیاں حضرت ابوبکرؓ کے غلام سے توڑ ڈالیں اور بطن مبارک پر حضرت مہدوحہ کے ضرب شدید لگانے سے قتل محسن کے باعث ہوئے اور اس فعل نامہنجا را اور شقاوت شعار سے حضرت مہدوحہ کے سبب ہلاکت بھی بنے۔ اس پر بھی ایسے ایسے ظالمانہ افعال کے ساتھ حضرت شیخین نے اس کا بھی سامان بہم پہنچایا کہ حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ صلوٰۃ اللہ علیہم نیز بے زاری کی بلاؤں میں مبتلا ہو جائیں۔ آپ دونوں صاحبوں نے پہلے تو حضرت علیؑ کا حق خلافت غصب کر لیا اس کے ساتھ ہی فدک کو جس سے حضرت رسولؐ کے گھر کا خرچ چلتا تھا چھین لیا اور خمس کو جو اُن خاصان خدا کا حق تھا اور جو عہد حضرت رسولؐ میں انھیں ملا کرتا تھا اُن پر بند کر دیا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ سب کارروائیاں اہل بیت علیہم السلام کی ایذا رسانی اور تذلیل کی نظر سے عمل میں لائی گئیں۔ معاذ اللہ اس شقاوت شعار کی حد بھی دکھائی دیتی ہے یہ سب کچھ تو ہوا ہی اس پر طرہ یہ ہے کہ بطریق بالا درودادہ ہائے رزق کے بند کرنے کے بعد اتنی بھی حضرت شیخین کو توفیق نہیں ہوئی کہ حضرت فاطمہؑ کا کوئی وظیفہ مقرر کر دیتے۔ تا شاہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال سے پوشیدہ طور پر حضرت جابرؓ انصاریؓ کو ڈیڑھ ہزار روپیے دیئے (بخاری و کتاب المغازی) حضرت زبیرؓ اپنے داماد کو حنفیہ طور پر رسول نامی زمین کا قبالہ لکھ دیا (کنز العمال) اور اُن کے ساتھ اس قدر بخششیں روا رکھیں کہ حضرت زبیرؓ بائیں کروڑ دو لاکھ روپیہ کی جائداد چھوڑ کر (بخاری) اسی طرح حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے سبب سے مالی سلوک ہوتے رہے جس سے حضرت مہدوحہؑ بہت کچھ صاحب دولت ہو گئیں حضرت مہدوحہؑ کی دولت مندی کا ثبوت اس سے

ملتا ہے کہ اسماء بنت ابوبکر کا قول ہے کہ مجھے اپنی بہن عائشہ کے ترکہ میں سے غابہ میں کچھ جائداد ہاتھ آئی
 ہے کہ جس کے بدلے میں معاویہ صاحب مجھے ایک لاکھ روپیہ دیتے تھے مگر ہم نے انھیں نہیں دیا (بخاری)
 اب اہل انصاف بتا دیں کہ حضرت رسول نے تو کوئی ترکہ بقول حضرت ابوبکر نہیں چھوڑا جو کچھ چھوڑا
 وہ حکم صدقہ کا رکھتا تھا تب حضرت عائشہ نے اس قدر دولت کہاں سے پائی۔ اسے بتدے خدا سے
 راست روی اختیار کر۔ حق کشی سے باز آ۔ بے رحمی کے گرد نہ پھر۔ بہر حال بخشش ہاے بالا کے ساتھ
 حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہونے پر اپنا وظیفہ علاوہ لباس و دیگر ضروریات کے آدھی بکری کا گوشت
 روزانہ اور ڈھائی ہزار درہم سالانہ بیت المال سے مقرر فرمایا (روضۃ الصفا اور تاریخ الخلفاء سید علی
 اسی کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم سالانہ اور دیگر اموات المؤمنین کا وظیفہ
 دو ہزار درہم سالانہ مقرر کیا گیا۔ راقم کو داد و دہش بالا و تقرر و ظائف پر کوئی تعجب نہیں گزرتا
 ہے البتہ تعجب کی یہ بات ہے کہ حضرت خاتونِ جنت سے فداکِ غضب کر لیا گیا خمس بھی حضرت ممدوحہ
 پر بند کر دیا گیا اور کوئی وظیفہ ایک کوڑی کا بھی حضرت ممدوحہ کے لیے مقرر نہیں کیا گیا۔ اسی سے
 معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخین کی خلافت خلافت من جانب اللہ نہ تھی۔ دونوں صاحبوں کی
 خود ساز تھی۔ لاریب حضرت رسول کا کوئی خلیفہ برحق ایسی نا انصافانہ کارروائی کا مرتکب نہیں
 ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخین اپنی پڑائی عداوت کی بنا پر ایسے
 ایسے بے رحمانہ امور کے عامل ہوئے ہیں۔ پناہ بناہ۔ ہزار بار پناہ بخدا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت
 عمر بیت المال کے ایک بھاری قرضدار مرے ہیں۔ لاجول ثم لاجول۔

ضمیمہ نمبر ۳۰

حضرت عمرؓ مکہ میں اور نہ مدینہ میں کبھی حضرت رسولؐ کے مددگار ثابت ہو

حضرات اہل سنت کا دعویٰ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مکہ معظمہ میں اسلام کو قوت پیدا ہو گئی اور حضرت رسولؐ نے حضرت عمرؓ کے زور پر اذان بلند کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھی واضح ہو کہ یہ سب بے بنیاد باتیں حضرات اہل سنت کی گڑھی ہوئی ہیں۔ حضرات اہل سنت کی کتابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک نہایت بزدل اور ترسندہ جان شخص تھے۔ آپؐ کی حقیقت اسی قدر ہے کہ حسب روایت انس (دیکھو بیہقی) حضرت عمرؓ تلوار لگا کر حضرت رسولؐ کے قتل کے لیے باہر نکلے ایک شخص نے اُن سے کہا کہ پہلے اپنی بہن اور بیٹوی کو قتل کر دو کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ واپس آئے اور دونوں کو مارتے مارتے لہو لہان کر دیا۔ اس زور و زور کے بعد آپؐ حضرت رسولؐ کے حضور میں جا پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ حضرت امیر حمزہؓ اور طلحہؓ وغیرہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت امیر حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر خداے تعالیٰ نے عمرؓ کی بھلائی چاہی تو وہ مسلمان ہو جائیں ورنہ ان کا قتل کرنا مجھ پر آسان ہے۔ اتنے میں حضرت رسولؐ نزول وحی کے بعد اپنے مجھ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ تلوار لگائے ہوئے ہیں حضرت رسولؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اے عمرؓ تو کیا ایمان نہیں لائے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ وہی نصیحت اور عقوبت تجھ پر نازل نہ کرے جیسے ولید بن مغیرہ پر نازل فرمائی۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا (صواعق مہرقہ حاشیہ بخاری مترجم تاریخ الخلفاء و تاریخ خمیس) راقم کتاب ہے کہ اس طرح پر ایمان لانا صاف طور سے دکھلاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ اور حضرت امیر حمزہؓ کو دیکھ کر اور اُن کی تقریروں کو سن کر عجب ہو گئے اور بے ایمان لائے کوئی چارہ نہیں رہا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے قتل پر دنیاوی تعلق کے تقاضا سے آمادہ ہو گئے تھے۔ کسی نے اس قتل کی اجرت کچھ نقد اور کچھ اونٹ قرار دی تھی۔ طبع مال سے تو حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ تک پہنچ گئے مگر امیر حمزہؓ اور حضرت رسولؐ کا جو سامنا ہو گیا تو بغیر تصدیق قلبی کے مسلمان ہو گئے۔ کافر نتوان شد ناچار مسلمان شد۔ اس اسلام آوردی کے بعد حسب روایت عبداللہ ابن عمرؓ (بخاری) حضرت عمرؓ

ڈرے ہوئے اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ابو عمرو عاص ان کے پاس آیا جو حضرت عمر کا حلیف زمانہ جاہلیت میں تھا۔ اس نے حضرت عمر سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے حضرت عمر نے کہا کہ تیرے قبیلہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر تو مسلمان ہوا تو تجھے ہم مار ڈالیں گے۔ عاص نے کہا وہ تیرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ عاص کے ایسا کہنے سے حضرت عمر کو اطمینان ہو گیا۔ پھر عاص باہر نکلا تو دیکھا کہ میدان لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ عاص نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ کیوں کمان کا قصد ہے۔ لوگوں نے کہا کہ خطاب کے بیٹے کی خبر لینے کو جاتے ہیں۔ اُس نے اپنا دین بدل دیا ہے۔ عاص نے کہا دیکھو تم عمر کو مت ستاؤ۔ یہ سنتے ہی لوگ لوٹ گئے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت عبداللہ ابن عمر سے بخاری میں مندرج ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عاص کی پشت پناہی سے وہ حملہ آور لوٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ جب اس طرح کی ترسندہ جانی حضرت عمر کو لاحق تھی تو مشرف بہ اسلام ہونے پر ایسی ذات سے اسلام کو کیا طاقت ہو سکتی تھی۔ اگر اسلام کو حضرت عمر کے اسلام لانے سے یا حضرت رسول کو کسی طرح کی طاقت ہی حاصل ہوئی ہوتی تو تین سال تک حضرت رسول شعب ابوطالب میں کیوں محصور رہے اور حضرت رسول کا مال و متاع کیوں چھین لیا گیا آن صلعم اور آن صلعم کے پیروان پر کیوں طرح طرح کی سختیاں لاحق ہوئیں۔ حتیٰ کہ مجبوری سے آن صلعم نے اپنے مسلمانوں کو ملک حبش کی طرف بھیج دیا۔ خود بھی ہجرت پر آمادہ ہو کر تین دن تک غار میں کیوں چھپے رہے اور آخر کار کسی طرح اثنان و خیران مدینہ میں جا کر پناہ لی۔ اگر حضرت عمر اتنے ہی ہوتے تو حضرت رسول پر اس طرح کی آفتیں کیوں گزر جاتیں حضرت عمر تو مشرف بہ اسلام ہونے پر اپنے گھر میں ترسندہ جانی سے روپوش ہو گئے جیسا کہ بخاری کی تحریر ”هو في الدار خالفا“ سے ثابت ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمر یا حضرت ابو بکر دو میں سے ایک بھی بہادر یا جانناز نہ تھے۔ کیا شک ہے کہ بہادری اور دلاوری خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ ہر دو صاحب کے تمام معاملات سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فطرت نے انھیں اس نعمت عظمیٰ سے تامر محروم رکھا تھا۔ یہی حال جناب شیخین کا مدینہ میں بھی رہا کہ ترسندہ جانی کے باعث غزوات رسول اللہ سے فرار پذیر کرتے رہے اور کوئی بھی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے اسلام کو کچھ بھی قوت حاصل ہوتی۔ عند العقل ایسے بھگوڑے بزرگوار حضرت رسول جیسے بہادر کے خلیفہ نہیں مانے جاسکتے ہیں۔ یوں افتاد زمانہ سے آپ صاحبون کو خلافت ہاتھ لگ گئی تھی۔ درنہزولی خلافت حضرت رسول سے

کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ ایسی خلافت کو اگر غیر فرار صاحب ذوالفقار قاتل مشرکین و کفار
یعنی حیدر نامہ دار کو زیبا تھی۔ حق یہی ہے کہ اس کے سزاوار علی ابن ابی طالب اسد اللہ
الغالب تھے اور کوئی نہیں

ضمیمہ ۳

اخلاق حضرت شیخین

حضرت شیخین کے اخلاقی امور پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو بزرگوار مشرف بہ اسلام ہونے کے قبل اچھی صحبتوں میں نہیں رہے تھے اور مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی حضرت رسول صلعم کی صحبت گرامی کا بہت کم اثر لے سکے۔ عہد حضرت رسول کے معاملہ فرار از غزوات و نافرمانی فراوان کو نظر انداز کرنے پر بھی آپ دونوں صاحبوں کے اطوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کی تعلیم یافتگی ایسی نہیں تھی کہ آپ دونوں صاحبوں کو حضرت رسول کی خلافت کا سزاوار بنا سکتی۔ اب راقم ذیل میں دونوں صاحبوں کے اخلاقی امور کو علیحدہ علیحدہ حوالہ قلم کرتا ہے۔ جن سے بین طور پر ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت رسول کی خلافت کے لیے آپ دونوں صاحبوں سے احسن صفات کے نفوس کی حاجت تھی

حضرت ابوبکر کے اخلاقی امور

حضرت ابوبکر کی زبان حضرت ابوبکر کے اختیار میں نہیں تھی جیسا کہ صاحب تاریخ الخلفاء آپ کی نسبت لکھتے ہیں کہ ”کان ابوبکر مستاباً“ یعنی حضرت ابوبکر بہت گالی بکتے تھے۔ اس طرح پرگالی بکنا یہ حد فطری نامحودیت اور ناقلم یا فتگی کی خبر دیتی ہے۔ عقل کہتی ہے کہ کوئی سبب حضرت رسول سے خوش کلام اور نیک گفتار رسول کا سچا جانشین نہیں ہو سکتا ہے بخاری اور مورخ ابوالفدا کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو کوسا اور گالی دی۔ ایسی زبان سچے خلیفہ رسول اللہ کی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ طبری سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے رنجیدہ ہو کر حضرت عمر کی داڑھی پکڑی اور سخت گالی دی۔ ایک بار آپ نے ایک سفیر مشرکین کو بھی نہایت غیر ہذبانہ گالی سے مسرور فرمایا۔ عقل کہتی ہے کہ حضرت رسول کے سچے خلیفہ کی ایسی ناپاک زبان نہیں ہو سکتی۔ کوئی شک نہیں کہ ایسی زبان ہر ملک میں ردیوں کی ہو کرتی ہے۔ شرفا اور خاصان خدا کی ایسی زبان کیا ہوگی۔ یہ امر قابل لحاظ ہے

کہ ہر چند حضرت ابوبکر حضرت عمر کی طرح بہت بد اخلاق شخص نہ تھے مگر دوسل بے رحمی کے آپ سے ایسے سرزد ہوئے کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بے رحمی سے خالی نہ تھے۔ ایک یہ کہ آپ ہمدردی کے عوض حضرت فاطمہ کے ساتھ ایسی سختی سے پیش آئے کہ اُس مظلومہ نے یہ وصیت کی کہ آپ اس مظلومہ کے جنازہ اور دفن کے شریک نہ ہوں۔ دوسرا یہ کہ آپ نے فجا وسلمی کو بھلمان تھا آگ میں ڈال کر جلایا اور مرتے دم تک وہ کلمہ شہادت پڑھتا رہا (تاریخ اسلام جلد دوم) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راقم کتا ہے کہ اگر یہ فعل حضرت عمر سے صادر ہوا ہوتا تو جائے تعجب نہ ہوتا

حضرت عمر کے اخلاقی امور

آپ اخلاق کے اعتبار سے نہایت سخت اور درشت تھے جیسا کہ سنی مذہب کی کتابوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں بھی آپ کو افظا اور غلا یعنی سخت اکھڑا جڈ درشت و تند خو کہا کرتی تھیں (بخاری) حضرت ابوبکر بھی حضرت عمر کو کہا کرتے تھے کہ تو جاہلیت میں جبار تھا اور اسلام میں جو آ رہا اور نامزد ہو گیا (مشکوٰۃ) حضرت عمر اس قدر درشت خوتھے کہ ام عروہ بنت ابی قحافہ کو نوحہ کرنے پر دڑے لگائے۔ قصور اس غریب کا اس قدر تھا کہ وہ بیچاری اپنے بھائی حضرت ابوبکر کی وفات پر روتی تھی ایسے رونے کو کوئی مذہب عام اس سے کہ سچا ہو یا جھوٹا منع نہیں کر سکتا ہے (طبقات ابن سعد بہ حوالہ حاشیہ بخاری) اسی طرح حضرت حمزہ ام المؤمنین بی بی سوڈہ حرم رسول اللہ کو خوب ڈانٹا اور حضرت ممدوحہ کے مرتبہ کا کچھ لحاظ نہیں کیا (بخاری)

راقم کے عہد میں بھی ایک شخص تھے جن کو راقم مارتے خان کتا تھا۔ وہ صاحب بھی لوگوں کو جا بجا طور پر گالیاں دیتے تھے اور مارتے مگر جب کوئی مقابلہ کر بیٹھتا تھا تو مکمل بھاگتے تھے۔ اس ترکیب کے نفوس اکثر شجاعت سے خالی ہوتے ہیں اور بے رحمی اُن کی شان ہوتی ہے۔ اُسی بخاری سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر اپنی درشت خوئی کے تقاضا سے حضرت ابوبکر سے بھی لڑ پڑے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ خندق کی لڑائی میں آپ نے کفار قریش کو گالیاں دیں (بخاری) راقم کتا ہے کہ کاش بروز خندق آپ لسان کے عوض ستان سے کوئی کام لیے ہوتے۔ گالیوں سے جہاد اسلامی مجاہد کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر اس سے زیادہ کیا درشت خوئی ہو سکتی ہے کہ جب بی بی زینب کا انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں حضرت عمر نے

انھیں کوڑے لگانے شروع کر دیے ماشاء اللہ کیا خوب حضرت رسول صلعم نے حضرت عمر کو اس ظالمانہ فعل سے باز رکھا اور فرمایا اسے عمر آہستگی کر (مشکوٰۃ) راقم کہتا ہے کہ بے قصور کسی پر ہاتھ چھوڑنا ایک یہودہ امر ہے مگر عورتوں پر ہاتھ چھوڑنا ایک اعلیٰ درجہ کی بزدلی اور رذالت متصور ہے۔ کاش وہ ہاتھ آپ کا دشمنانِ خدا و رسول پر بدرِ واحد و خندق و خیبر و حنین و فیلین چھوڑنا ہوتا۔ بیجاری کمزور اور نا فہم عورتوں پر ہاتھ چھوڑنا کس طرح کی شایستگی ہے۔ یہی بجاری مین مندرج ہے کہ حضرت عمر نے حضرت سعد بن عبادہ انصاری کو کہا کہ خدا تجھ کو قتل کرے اور طبری میں ہے آپ نے انھیں منافق کہا اور تاریخ اسلام میں ہے کہ آپ نے انھیں شام میں قتل کر ڈالا نعوذ باللہ کیا کوئی انسان اقسام بالا کی حرکتیں کر سکتا ہے۔ صحابی و خلیفہ رسول ہونا تو خارج از بحث ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت ابی بن کعب صحابی قادری و حافظ القرآن کو کوڑوں سے بے وجہ اور بے قصور مارا۔ اس پر بھی جناب شبلی صاحب حضرت عمر کے ضرورت سے زیادہ شدید نظر آتے ہیں۔ آپ کی الفاروق پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے برابر متصف بہ صفات حسنہ نہ کوئی بنی آدم پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ خیر بالا کی مثالیں حضرت عمر کی درشت خویوں کی کوئی شک نہیں کہ آپ کے مزاج کی بڑی بد ترکیبی سے خبر دیتی ہیں مگر آپ کی درشت خوی کے منظر کا خاتمہ حضرت خاتونِ جنت کی ایذا یا بیان پیش کرتی ہیں۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کے گھر میں آگ لگا دی۔ اس مظلومہ کو ایسا کوڑا لگایا کہ جسمِ مطہر اس محصومہ کا نیلا ہو گیا۔ اس مظلومہ کی دو پسلیاں حضرت ابوبکر کے غلام سے توڑوا ڈالیں اور جگر گوشہ رسولؐ کے بطنِ شریف پر ایسی ضرب لگائی جس سے محسن کا خون وقوع میں آگیا اور خود وہ مظلومہ اس کے صدمہ سے چند مہینے کے اندر رحلت فرما گئیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ حق یہ ہے کہ ایسا کام دیو و دوسے وقوع میں نہیں آسکتا ہے۔ مگر شاباش۔ حضرت عمر ایسا کام کر گزرے۔ راقم اہل انصاف سے پوچھتا ہے کہ کیا ایسے قیامت خیز امور حضرت رسولؐ کے سچے خلیفہ سے وقوع میں آسکتے تھے۔ یہ امر کہ حضرت عمر بے حد درشت خواہ بے رحم تھے خود آپ کی دعا سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اتنی مین سخت دل ہوں مجھے نرم کر دے۔ میں ضعیف ہوں مجھے قوی کر دے میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے تاریخ الخلفاء اور صواعقِ محرقہ راقم کہتا ہے کہ کاش خدا سے عجیب الدعوات حضرت عمر کی دعا بالاکو قبول فرمالیتا۔ لیکن حضرت عمر کے درشت خواہ بے رحم رہ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ

دعا آپ کی قبول نہ ہو سکی۔ مرضی مولیٰ ازہمہ اولیٰ۔ یہ تو حضرت عمر کی درشت غویٰ اور بے رحمی کی داستان تھی۔ اب آپ کی ایسی بدترکوبی کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے جس سے روح کو آپ کی طرف سے عجب طرح کی کراہت لاحق ہوتی ہے۔

جامع ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ حضرت عمرؓ حضرت رسول کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا ہوں۔ آن صلعم نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے ہلاک کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ محولت رحلی اللیلۃ یعنی آج کی رات میں نے اپنی سواری کو پھیرا۔ اس پر حضرت رسولؐ نے کچھ جواب نہیں دیا اور حضرت رسولؐ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ”نساء کم حث لکم فاقوا حرثکم انی شتم اقبل وادبر وافتی الدبر والحصنہ۔ یعنی عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتیوں کو آؤ۔ جس طرح کہ تم چاہو تم آگے سے جماع کرو یا پیچھے سے مگر وطی وبرو حیض سے بچو مطلب اس آیت کا نہایت صاف ہے یعنی صرف وطی خلاف فطرت و حیض سے مانعت کی گئی ہے ورنہ اختیار ہے جس طرف سے چاہو کرو۔ پس جو فعل حضرت عمرؓ سے ظہور میں آیا تھا وہ حکم خداوندی کے خلاف تھا گو مانعت کا حکم آپ کے ارتکاب فعل کے بعد نازل ہوا۔ مگر وہ فعل بجائے خود ایسا تھا کہ اس کے لیے حکم مانعت کی حاجت نہ تھی۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ بڑے عاشقِ نبوت کے تھے۔ ضرور ہے کہ قوم لوط کے معاملات سے واقفیت رکھتے تھے۔ علاوہ اسکا خود یہ فعل ایسا تھا کہ جسکو خلقی طور پر حضرت عمرؓ قبیح جانتے تھے۔ اگر قبیح نہ جانے ہوئے ہوتے تو آپ حضرت رسولؐ سے یہ کیوں کہے ہوتے کہ ”میں ہلاک ہو گیا ہوں“ کوئی شک نہیں کہ یہ فعل روحی پہلو سے ہلاک کرنے والا فعل ہے۔ یہ فعل روحانیت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ہے یہ فعل ہر طرح کی عیاش مزاجی سے خبر دیتا ہے بے اعلیٰ درجہ کی بدذاتی اور شرارت نفسی کے کوئی شخص ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا فعل خاصانِ خدا سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ ایسا فعل کر گزرے مگر اس کو سید قبیح سمجھ کر اصلاحِ طبیعت کے خیال سے حضرت رسولؐ کی خدمت میں عرض حال کر دیا اور ممکن ہے کہ اصلاحِ طبیعت کی صورت ہو گئی ہو گو کم امید ہوتی ہے کہ اصلاح ہوئی ہو۔ اس لیے کہ جو لوگ اس فعل قبیح کے مبتلا ہوتے ہیں دم آخر تک اس فعل کے مبتلا رہتے ہیں کوئی تعجب نہیں جو آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ اور امام مالکؒ اس فعل کے قابل رہ کر ایسا فعل قبیح کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ

ابن عمر کا مرتکب رہنا اس فعل قبیح کا تقاضا ہے فطرت کے خلاف نہ تھا اس لیے کہ ایسا فعل اکثر بہ سبیل توریث سرزد ہوا کرتا ہے۔ طبی معلومات کے آدمی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ بخاری میں بھی کوئی صحیح حدیث مانعت کی دیکھی نہیں جاتی ہے۔ بلکہ اس کی عبارت سے جواز وطی فی الدبر ظاہر ہوتا ہے۔ معاذ اللہ ایسی ایسی تحریرات کے بعد کیونکر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر سکتا ہے۔ میں آج اسلام سے تبرا کرتا ہوں اگر کوئی شخص امام بخاری یا امام مالک یا حضرت عبداللہ ابن عمر کی حیثیت کا مجھ پر اس طرح کے فعل کی اباحت کو ثابت کر دے۔ میں آنکھوں سے دیکھتا ہوں کہ خداے تعالیٰ اپنے قول سے وطی غیر فطرتی اور حیض سے مانعت فرمانا ہے۔ پس میں کیوں کر اس کی اباحت کا قائل ہو سکتا ہوں۔ لاجل ثم لاجل۔ اب دیکھنا ہے کہ نجس خود یہ فعل کیسا ہے۔ بلاشبہ یہ فعل ایک سجد خرابی اخلاق سے خبر دیتا ہے۔ ایسی خرابی اخلاق کے ساتھ کوئی انسان انسان نہیں رہ سکتا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں ایسے فعل کا مرتکب سردار دین نہیں مانا جاسکتا ہے۔ یون امام مالک یا حضرت عبداللہ ابن عمر یا امام بخاری جیسا چاہیں کہیں۔ یہ فعل مسلمان کا نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فعل کے مسلمان بلا گفتگو دشمن اسلام کا حکم رکھتے ہیں۔ لاریب یہ ایسا ہی فعل ہے کہ جس کے ارتکاب کی وجہ سے قوم لو ط پر کیا کیا نہیں عذاب نازل ہوتے گئے اور وہ قوم کی قوم ہلاک کر ڈالی گئی اس وقت وہ مقامات جہاں قوم لو ط رہتی تھی ایسی جھیلیں قہر خدا سے بنا دی گئی ہیں کہ ان کے ارد گرد کوئی ذی جان زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور نہ کوئی نباتی شے پیدا ہو سکتی ہے طبی نقصانات اس فعل سے اس طرح کے پیدا ہوتے ہیں کہ قریب قریب لاعلاج پائے جاتے ہیں۔ اس فعل سے انسان کی دماغی قوت میں بڑا زوال لاحق ہو جاتا ہے قلب سجد و اذوت ہو جاتا ہے خفائی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو فردی جاتی رہتی ہے۔ بزدلی مترتب ہوتی ہے۔ آدمی عورت کے کام کا نہیں رہتا ہے۔ بتلاے مایخو لیا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جنون کا لاحق ہو جانا بھی خلاف توقع نہیں ہے۔ راقم پچاس برس سے طبابت کا شغل رکھتا ہے گویشہ کے طور پر نہیں اس عرصہ دراز میں بہت سے اس علت کے گرفتار میری نظر سے گزرے ہیں اکثر ان سے مایوس حکم رکھتے تھے اور ان کے حالات نہایت قابل افسوس تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی قوانین فطرت کے خلاف کار بند ہو اور اس کے نتیجہ بد سے محفوظ رہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے بے وجہ وطی خلاف فطرت اور حیض کو منع نہیں کیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ان کی اباحت کا

قابل ہونا سنت ضلالت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس دین میں ایسا فعل قبیح مباح سمجھا جاتا ہے وہ دین خداے پاک کا دین نہیں مانا جاسکتا ہے اور نہ ایسے فعل کا کرنے والا کسی دین میں دیندار سمجھا جاسکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام کو بد بختوں سے بدنام کر رکھا ہے۔ اسی بدنامی کی وجہ سے اس کی اشاعت معرض فتور میں پڑ گئی ورنہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس مذہب میں حضرت علیؑ سا با خدا شخص دیکھا جائے وہ مذہب ٹھٹھ کر رہ جائے۔ کوئی شک نہیں کہ ذات علیؑ جیسا کہ بعض علمائے اہل اسلام نے بھی لکھا ہے۔ ایک بڑا ثبوت اسلام کے مذہب حق ہونے کا ہے۔ لراقمہ

ذات پاکش منظر رب جلیل دین حق را آمدہ روشن دلیل
آخر میں راقم یہ عرض کرتا ہے کہ قرآن پاک کی بلاغت اس کے ہر مقام پر قابل لحاظ ہے
آیت بالامین خداے تعالیٰ احوال و تون کو حرث یعنی کھیت فرماتا ہے تو لازم ہے کہ اُس میں
جو تخم زریسی کی جائے اس طرح پر کی جائے کہ اُس تخم زریسی سے پیداوار کی صورت پیدا ہو سکے
بیکار تخم زریسی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ بقول سعدی علیہ الرحمہ: "وہ کہ درو تخم عمل ضائع
مگردان کے پس تعجب ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور امام مالکؒ وغیرہ سے کہ خداے
پاک کے لفظ حرث پر اپنی توجہ مبذول نہ فرما سکے اور ایک ایسے فعل قبیح کی اباحت کے قائل
ہو گئے۔ نفوذ باللہ ثم نفوذ باللہ۔

ضمیمہ ۳۲

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رحلت کا وقت

صاحب تاریخ احمدی بہ اسناد معتبرہ لکھتے ہیں کہ جب وقت حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کا آیا تو آپؓ نے کمال حسرت کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے کیوں خلافت کا بار اپنی گردن پر لیا۔ کاش فلان فلان صحابی خلیفہ مقرر ہوئے ہوتے تو ایسی پشیمانی خلافت فطرت متصور نہیں ہے۔ مرنے کے وقت انسان اپنے اعمال پر نظر کر کے ہمیشہ پچھتا تا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس اظہار حسرت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی خلافت کو برج نہیں سمجھتے تھے اگر برج سمجھتے تو ایسا نہیں کہتے۔ یعنی اگر اپنی خلافت کو خلافت من جانب اللہ سمجھتے تو ہرگز ایسا نہیں کہتے کہ کاش میرے عوض فلان فلان کی گردن پر بار خلافت جاگرا ہوتا۔ یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی ہوا کہ قریب وفات جزع و فزع کرنے لگے۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ آپؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ”اے ابن عباس یہ میرا جزع و فزع کرنا جو اس وقت تم دیکھ رہے ہو تمہاری اور تمہارے اصحاب یعنی حضرت علیؓ اور حضرت حنینؓ کی وجہ سے ہے۔ خدا کی قسم اگر تمام روے زمین میرے لیے سونا بن جائے تو وہ سب کا سب خدا کے عذاب کے بدلے میں دیون اُس عذاب کے دیکھنے سے پیشتر“ کلام بالا حضرت عمرؓ کا کہہ دیتا ہے کہ آپؓ کے بڑاؤ بنی ہاشم کے ساتھ ناپسندیدہ رہے تھے حضرت علیؓ اور حضرت حنینؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے بڑاؤ ویسے نہیں ہوئے تھے جیسا کہ حضرت رسولؐ نے حسب ہدایت خداوندی مودۃ القربیٰ کی تاکید اکیڈ فرمائی تھی۔ اُس وقت جزع و فزع میں حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کی حق تلفی اور بھی حضرت ولایتؓ پر جو سختیاں آپؓ روا رکھی تھیں جیسے حضرت علیؓ کو بیت الشرف سے پکڑ کر لیجانا حضرت کی گردن مارنے کی دھمکیاں دینا اور حضرت کے برادر رسولؐ ہونے سے انکار کرنا وغیرہ وغیرہ اسی طرح حضرت سیدہ مادر حنینؓ پر بڑی شقاوت کے ساتھ جو جو ظلم برتے گئے تھے جیسے حضرت مہاجرہ کے گھر میں آگ لگایا جانا۔ حضرت مہاجرہ کو کورسے سے مارنا۔ حضرت مہاجرہ کی دو پسلیوں کو

تو رواڈا لانا۔ قتل محسن اور ہلاکت حضرت سیدہ کے باعث ہونا اور فرقہ ملعونہ یعنی بنی امیہ کے ساتھ سرپرستی کے معاملات وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ضرور یاد آتے گئے ہوں گے تب تو اس طرح پر جزع و فزع حضرت عمر اپنے وقت آخزمین کر رہے تھے۔ ایسے وقت میں کہ رشتہ حیات منقطع ہونے کو ہوتا ہے تو انسان اپنے اعمال پر نگاہ کر کے اکثر جزع و فزع کرتا ہے۔ راقم کی نظر سے بھی ایسا سین یعنی منظر گزرا ہے اور یہاں تک کہ ایک طبعی امر ہے۔ اس وقت اعمال زشت کی لمپٹنیں سامنے آ کے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ پھر رحمت خداوندی ہی درکار ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ دم واپسین بر سر راہ ہے۔ بس اب یا رسول اللہ ہی اللہ ہے۔ اس وقت حضرت رسول اور آل رسول ہی کی مودت کام آتی ہے اور کچھ نہیں۔ حیث ہے ان امتیان محمدی پر جو مودت القربی سے خالی تھے یا اس وقت خالی ہیں۔ اے خدامیرے اعمال کوئی شک نہیں کہ تمام تر زشت ہیں مگر اپنے قول مودتہ القربی کے صدقے میں میری مدد فرما۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخین کے وقت آخر کے کلام سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخین حضرت رسول کے خلیفہ برحق نہ تھے ہر دو صاحب خلیفہ خود ساز تھے خلیفہ برحق وہ جناب تھے جن کو حضرت رسول نے بروز خم غدیر اپنا خلیفہ بنا لیا اور جن کی خلافت یابی کی مبارکباد خود حضرت عمر نے دی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر کو اپنے وقت جزع و فزع میں اس کی بھی پشیمانی عظیم لاحق ہوئی ہوگی کہ ہم نے حضرت علی کو خلافت یابی کی مبارکباد دی تھی اور ہم ہی نے حضرت علی کی حق تلفی کر کے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا ڈالا۔ اے اللہ وانا الیہ راجعون



ضمیمہ ۳

ریاست دنیوی کے ساتھ ریاست دینی بھی چھین گئی

دنیا میں جیسی پُراشوب غدار جفا شعار ظلم پرور ستم دوست ستم ایجا و ناحق شناس محسن کش بے رحم اور ناخدا ترس حضرت رسول صلعم کی امت دکھائی دیتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت میں کسی نبی کی امت ویسی نہیں گزری ہے۔ جب آن صلعم نے مکہ میں جگر خدا سے پاک تبلیغ رسالت شروع کی تو اہل مکہ نے جو کچھ مخالفت دکھلائی وہ خلاف فطرت نہیں تھی۔ اہل مکہ ایک عرصہ سے ایک مذہب باطل کعبیر و چلے آئے تھے۔ اُن کے لیے اپنے آبائی مذہب سے کٹا کٹش ہونا آسان نہ تھا۔ پس اپنے خیالات مذہبی کی پابندی سے اُنھوں نے جو کچھ مخالفین حضرت رسولؐ کے ساتھ کین خلاف توقع نہ تھیں۔ لیکن اُس حصہ امت نے جو کچھ مخالفین حضرت رسولؐ اور اُن کی آل اور دوستان آل کے ساتھ روا رکھیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ قابل درگزر سمجھی جائیں یا قابل تحسین و آفرین مانی جائیں۔ الحق ایسے حصہ امت کی بدکرداریاں ایسی ہی نظر آتی ہیں کہ ہر حق پرست کو انھیں نفرت کی نظر سے دیکھے بغیر چارہ نہیں ہے ان کی ستائش و پالائش تو درکنہ۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ جب حضرت رسولؐ نے اہل مکہ کو پیغامات الہی پہنچانا شروع کیا تو تھوڑے نفوس اہل مکہ سے آن صلعم کی رسالت کے معترف ہوئے۔ باقی اہل مکہ زور و زور کے ساتھ اپنے آبائی دین پر قائم رہ کر حضرت رسولؐ کی جان کے خواہاں ہو گئے علم تاریخ کہتا ہے کہ اگر حضرت ابوطالب برابر آن صلعم کی پشت پناہی نہیں کیا کرتے تو آن صلعم کفار مکہ کے مظالم سے جانبر نہ ہو سکتے۔ حضرت ابوطالب نے کوئی دقیقہ آن صلعم کی حفاظت کا اٹھا نہیں رکھا حتیٰ کہ تین سال تک شعب ابوطالب میں آن صلعم کو ساتھ لیے ہوئے اہل مکہ کے مقابلہ میں محصور رہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں آن صلعم کے خد متکدہ صرف ہی ہاشم رہے۔ غیر نبی ہاشم اسلام قبول کرنے پر بھی حضرت رسولؐ کی کچھ خیر نہ لے سکے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی جو حضرات اہل سنت کے وہم کے مطابق بڑے خیر خواہ حضرت رسولؐ کے اور بڑے مددگار اسلام کے سمجھے جاتے ہیں مشرف بہ اسلام ہونے پر بھی شعب ابوطالب سے برابر

دور ہی دور رہے۔ حضرت عمرؓ ہی پر کیا موقوف رہا غیر بنی ہاشم سے ایک فرد نے بھی حضرت رسولؐ کی احوال پر سی تک نہ کی۔ حضرت رسولؐ کے لیے جو کچھ کرتے رہے حضرت ابوطالب اور ان کے عزیزان کرتے رہے۔ تماشہ ہے کہ اسپر بھی حضرت ابوطالب حسب عقیدہ اہل سنت کافر اور حضرت عمرؓ جو غزوات خدا سے فراہی کرتے رہے اور نہ کبھی مکہ میں اور نہ کبھی مدینہ میں حضرت رسولؐ کے کچھ کام آئے امیر المومنین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ حضرات اہل سنت کا یہ عجب انصاف ہے۔ مگر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس عقیدہ عجیب کی ضرورت حضرات اہل سنت کو اس پہلو سے ہے کہ حضرت ابوطالب کے مسلمان مان لئے جانے سے حضرت علیؓ کو اصحاب ثلاثہ پر ایک بھاری درجہ کی افضلیت حاصل ہو جاتی ہے۔ عمری پروگینڈا جس کا ذکر اقم سابقین میں کر چکا ہے وہ اجازت کب دے سکتا ہے کہ حضرت علیؓ یا آل محمدؐ کی توقیر کسی پہلو سے قائم ہو سکے۔ اس پروگینڈا کے تو یہی مقاصد رہے ہیں کہ حضرت علیؓ و آل محمدؐ ہمیشہ مورد ذلت و حقارت رہا کریں۔ خیر۔ جب حضرت ابوطالب کی سرپرستی حضرت ابوطالب کی رحلت کی وجہ سے آن صلعم کے سر سے اٹھ گئی تو بڑی پریشانیوں کے ساتھ آن صلعم مدینہ کو ہجرت فرما گئے۔ ان اہل مدینہ نے جن کی تقدیر میں سعادت ابدی لکھی ہوئی تھی۔ آن صلعم کو صرف مدینہ میں پناہ ہی نہیں دی بلکہ دین خدا کو بھی کشادہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا۔ حضرت رسولؐ مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بعافیت رہ کر تبلیغ کے کام انجام دینے لگے اور اسلام نے روز بد کی صورت دیکھنی شروع کی۔ مگر تھوڑے ہی دن کے بعد غزوہ بدر پیش آگیا جس سے ظاہر ہو گیا کہ مہاجرین میں سب مہاجرین خاصان خدا اور مردان خدا سے نہ تھے۔ حق یہ ہے کہ جنگ بدر نے کسوٹی کا کام دکھلایا۔ اسی جنگ میں مہاجرین کے ایمان کا پورا امتحان ہو گیا۔ صرف بنی ہاشم اور کسی درجہ تک انصار بھی ایمان کے جوہر دکھلا سکے۔ آخر ذوالفقار حیدریؓ کی بدولت حضرت رسولؐ کو ظفر نصیب ہو سکی اور اسلام ہر بادی سے بچ رہا۔ حضرت عمرؓ جنگ کی شرکت سے انکار کر چکے تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے نہ کسی کافر کے جسم ناپاک پر خط لگایا اور نہ اپنے جسم پاک پر خط لگنے دیا۔ ایسے بیکار مہاجرین مدینہ پہونچ کر یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مدینہ میں عافیت سے گزرے گی اور کوئی خدائی امتحان نہیں پیش آئیگا۔ مگر معاملہ برعکس نظر آیا۔ بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیدا شد۔ یا یہ کہنے کہ سرمنڈاتے ہی او لے پڑے اس کے بعد ہی موکرہ اُحد پیش آیا۔ اس معرکہ میں حضرت رسولؐ کو اکابر مہاجرین زخمی چھوڑ کر مدینہ کو بھاگنے

حضرت عمر بقول خود بڑکوبی کی طرح پہاڑ کی چٹانوں پر کود لگاتے ہوئے بھاگے جاتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ ہم آواز شیطان ہو کر بھاگ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ حضرت رسولؐ مارے گئے اب اے قوم تم لوگ اپنے دین آبائی کی طرف عود کر جاؤ۔ بیچارے حضرت عثمان جو میدان جنگ سے بھاگے تو مدینہ ہی میں جا کر قرار لیا۔ ماشاء اللہ یہ عجب حضرات وہ مہاجرین تھے جو حضرت رسولؐ کو میدان جنگ میں زخمی چھوڑ کر فرار کرنا گوارا کر سکے۔ مہاجرین ہوں تو ایسے ہوں۔ بھلا ایسے فرار میں کسی وقت میں حضرت رسولؐ جیسے بہادر رسولؐ کے جانشین ہونے کا کیا حق رکھ سکتے تھے۔ اگر ایسے فرار میں کسی وقت میں سلطنت عرب کے بادشاہ ہوتے گئے تو کسی حالت میں حضرت رسولؐ کے جانشین نہیں مانے جاسکتے ہیں۔ اول تو خلیفہ رسول اللہؐ کو شخص من جانب الناس نہیں ہو سکتا ہے اس پر ایسے فرار میں کہ شرمناک طور پر ہمیشہ فرار کیا کیے۔ لاجول ثم لاجول۔ بہر حال غزوہ احد کے بعد ہی غزوہ خندق رونما ہوا۔ اس غزوہ میں بھی اکابر مہاجرین کچھ کارگزاری نہیں دکھلا سکے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ کے حکم کے خلاف عمر عبیدہ کے مقابلہ سے صرف انکار ہی نہیں کر دیا بلکہ اپنی ترسندہ جانی کی وجہ سے اور مہاجرین وغیرہ کو بھی بزدل بنا ڈالا۔ بروز خندق حضرت ابو بکرؓ کہاں تھے کہاں نہیں تھے کچھ معلوم نہیں۔ حضرت عثمانؓ کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ خیر۔ غزوہ خندق کی بلا بھی غزوہ بدر واحد کی بلاؤں کی طرح زور بازو حیدر کرار غیر فرار کی بدولت رفع ہو گئی۔ اس کے بعد جنگ خیبر کا معرکہ پیش آیا۔ دور و زماں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ حارث اور مرہب کے مقابلہ سے خیمہ حضرت رسولؐ تک بھاگ بھاگ آئے۔ آخر فاح خیبر نے غزوہ خیبر میں وہ فتح دین خدا کے لیے حاصل کر دی کہ جس کے صلہ میں خداے تعالیٰ نے حضرت رسولؐ کی زبانی یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تمام زمانہ کے نیکو کاروں کی نیکیاں ترازو کے ایک پلے میں رکھی جائیں اور دوسرے پلے میں حضرت علیؓ کی خدمت روز خیبر کی ہو حضرت علیؓ کی خدمت کا پلہ گراں ہوگا۔ علاوہ اس کے حضرت رسولؐ کو اسی معرکہ میں ناد علیاً مظهر العجایب کے پڑھنے کی ہدایت جناب احدیت سے ہوئی۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ جنگ خیبر تو شاید کہ شجاعت باتو۔ خدا کی شان ہے کہ اس عزت یابی پر بھی حضرات اہل سنت اپنے حضرات ثلاثہ کو حضرت علیؓ سے افضل مانتے ہیں۔ برین عقل و دانش بیاید گریست۔ واقعی تعصب کیا بے باق ہے۔ یہ بلا انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ خیر آخر غزوہ حضرت رسولؐ کا غزوہ حنین ہے اس غزوہ سے بھی حضرات ثلاثہ سب عادت قائم

بے محابا کھل بھاگے۔ لاحول ولاقوۃ۔ اور میدان حضرت حیدر کرار غیر فرار کے ہاتھ رہ گیا۔ واہ واہ
 این کار از تو آید و مردان چنین کنند + یہاں مردان نہیں شاہ مردان کا مقابلہ تھا کفار مکہ طعمہ اجل
 نہ ہو جاتے تو کیا ہو جاتے بقول ذوق علیہ الرحمہ ۵

علیؑ سے زیر نہ کیونکر ہو لشکر کفار علیؑ بشکل علیؑ ہے علیؑ ہے حرف جار

اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ پانچوں غزوات ایسے تھے کہ اگر ان سے ایک مین بھی حضرت
 رسولؐ کو شکست لاحق ہو جاتی تو خدا کا دین صفحہ ہستی سے غائب ہو جاتا۔ حضرت ثلثہ کا بار بار
 کافراں کے دیتا ہے کہ وہ بزرگوار تمام مترافض الایمان تھے اور ہرگز اس قابل نہ تھے کہ حضرت رسولؐ
 کے خلیفہ برحق ہو سکتے۔ عند العقل وہ مذہب کبھی مذہب برحق نہیں ہو سکتا جس میں فرار
 قرار سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ نیکو کار بدکردار سے مفضل کس عقل سے مانا جاسکتا ہے۔ کوئی
 شک نہیں کہ حضرت علیؑ ہمیشہ ایمان کے امتحانات میں پورے اُترے۔ اس کے برعکس
 حضرات ثلثہ کے معاملات معلوم ہوتے ہیں کہ حضرت ثلثہ ایمان کے پانچ امتحان میں سے
 ایک امتحان بھی پاس نہ کر سکے۔ پاس کرنا تو درکنار ایک نمبر بھی نہیں لاسکے۔ لاحول ولاقوۃ۔
 پس ایسے فلیبور (مہم سلذہ) نہ کسی دین کے سردار ہو سکتے ہیں اور نہ رسولؐ کے جانشین
 علاوہ غزواتی معاملات کے حضرت عمرؓ کا معاملہ صلح حدیبیہ کا نہایت نفرت خیز رنگ رکھتا ہے
 مولوی شبلی صاحب یا اُن کے ہادی حضرت عمرؓ کو کچھ راہیں رفع الزامات کی نکالیں مگر داغ الزامات
 سے خلافت مآب کسی حالت میں پاک نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا

رو رو کے مٹاتا ہی رہے ابراہامی داغ جگر لالہ صحرانہیں جاتا

پوشیدہ نہیں ہے کہ صرف ایک صلح حدیبیہ کے معاملہ میں حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی مخالفت
 کے حامل نہیں ہوئے بلکہ یہ ہے کہ تمام عمر حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی مخالفت سے خالی نہیں
 رہے جیسا کہ کتب حدیث و سیر و تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بہر حال جب تمام غزوات سے
 حضرت رسولؐ کو فرصت ہو گئی تو آن صلعم مسلمانوں کو لیکر حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ حج کے
 بعد آن صلعم نے بمقام خم غدیر اہتمام تبلیغ کے ساتھ حضرت علیؑ کو بحکم خدا اپنا جانشین بنایا اور
 ہمراہیوں نے اور ازواج مطہرات نے حسب ہدایت حضرت رسولؐ اس جانشینی کی
 مبارکبادیاں دیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ بیچ بیچ کی صدا کے ساتھ خیر کی
 مبارکباد ہوئے۔ مقام خم غدیر میں تو کسی نے ہمراہیوں سے حضرت علیؑ کی جانشینی میں کیسے

کی عذر داری پیش نہیں کی مگر جب حضرت رسول شکیب جانب مدینہ براہ عتبہ جا رہے تھے تو سولہ یا سترہ مہاجرین حضرت رسول پر حملہ آوری کی نظر سے سامنے آکھڑے ہوئے۔ مگر حضرت حذیفہؓ نے انھیں مار ہٹایا اور حضرت رسولؐ اُن ملاعین کی ضرر رسانی سے محفوظ رہ گئے۔ اُن ملاعین کے نام اہل سنت کی کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے ہیں مگر علمائے شیعی ہر حملہ آور کا نام اطمینان کے ساتھ بتلاتے ہیں۔ ہر چند سنی مصنفین اُن کے نام نہیں ظاہر کرتے ہیں مگر کوئی شک نہیں کہ وہ حملہ آور یا اکابر مہاجرین تھے یا اُن کے چیلے چانگڑ جو ان کی طرف سے حضرت رسول کو قتل کر ڈالنے کے لیے مقرر ہوئے تھے۔ غرض اس حملہ آوری کی اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی ہے کہ حضرت رسولؐ کو شہید کر ڈالیں اور اس کے بعد حضرت رسولؐ کی سلطنت پر قبضہ کر بیٹھیں۔ اب ایسی چال چلنے کے سوا طالبان خلافت کو کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہی تھی اس لئے کہ حضرت علیؓ کے استخلاف کی کارروائی حضرت رسولؐ خمدیر میں پوری کر چکے تھے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس حملہ آوری کے قصہ سے ضرور تعلق رکھتے تھے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کے بعد حضرت حذیفہؓ سے یہ کیوں پوچھا کہ میرا نام حضرت رسولؐ نے حملہ آوروں میں لیا ہے یا نہیں۔ ہندی کی ایک قدیم مثل ہے کہ چور کی داڑھی میں تنکا۔ جواب بھی حضرت حذیفہؓ کا ایسا ہی تھا کہ جس سے حضرت عمرؓ عجب ہون گئے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت عمرؓ کا بھی نام حملہ آوروں میں لیا تھا۔ معاذ اللہ عجب عجب مہاجرین حضرت رسولؐ کے تھے۔ ایسے مہاجرین کیونکر مسلمان سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس قصہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے مہاجرین دنیاوی نفع اندوزی کی نظر سے مدینہ کو چلے آئے تھے نہ انھیں خدا سے کوئی مطلب تھا اور نہ حضرت رسولؐ سے کوئی غرض۔ اس واقعہ کے بعد نہایت قابل لحاظ معاملہ تحلف حبشہ کا ہے۔ اس معاملہ سے بہت اکابر مہاجرین کی قلمی تامل کھلی نظر آتی ہے۔ اب وہ حضرات کھلے کھلے طور پر حضرت رسولؐ کی نافرمانی کرنے لگے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اگر دو چار مہینے اور بھی حضرت رسولؐ زندہ رہ جاتے تو وہ حضرات بر ملا باغیانہ شورش پیدا کر ڈالتے۔ آخر قابل لحاظ قصہ حضرت عمرؓ کی نافرمانی کا قصہ فرط اس ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ کچھ ضروری امر کو حوالہ قلم کر دینے کو تھے وہ ضروری امر ایسا تھا جو بقول حضرت رسولؐ امت محمدیؑ کو ضلالت سے بچانے والا متصور تھا۔ مگر حضرت عمرؓ اس کی کتابت سے مانع آئے۔ کیا لکھ دینے کو تھے کوئی

کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؓ کو تحریر اپنا جاننا نہیں بنادینے کو تھے مگر ہم نے لکھنے نہیں دیا، "معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔" یہ نافرمانی حکم خدا و رسول سے اور اس کے بعد امیر المومنین واہ واکچھ عجیب مضمون ہے۔ واضح ہو کہ تحلف حبشہ اُسامہ اور قصہ قرطاس کے بعد ہی حضرت رسولؐ نے رحلت فرمائی ابھی حضرت رسولؐ دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت شیخین سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑ نکلے اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پردے میں اپنے کو خلیفہ بنا ڈالا۔ ایسی مثال بے شرعی خود غرضی چالاک دستی اور دنیا طلبی کی کوئی دوسری تمام تاریخ بنی آدم میں نظر نہیں آتی ہے۔ اپنے مربی کو بے گور و کفن چھوڑ کر اپنے اغراض ناجائز کے لیے چل دینا حضرت شیخین ہی کا کام تھا کسی دوسرے سے ایسا کام انجام نہیں پاسکتا تھا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بہر حال حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہو جانے کے بعد حضرت شیخین نے حد درجہ کی بے اعتنائیاں اور ایذا رسانیاں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر میں آگ لگا دی۔ مدوحہ کو کوڑے سے نہایت بے رحمی کے ساتھ مارا۔ قنفذ حضرت ابوبکرؓ کے غلام سے مدوحہ کی پسیلا توڑ ڈالیں اور خود بطن مدوحہ پر ایسی ضرب شدید لگائی کہ محسن کا اسقاط ہو گیا اور مدوحہ ایسے صدمات سے بیمار ہو کر تھوڑے عرصہ میں رحلت فرما گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو کر بگڑ گئی حضرت عمرؓ خلافت کے امور انجام کرنے لگے اور حکومت بنی ہاشم سے منزوں و دود ہو گئی حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت شیخین بہ تشدد پیش آئے۔ بنی ہاشم کی تذلیل اور تضعیف کے سامان ہم بوجہ پوچھائے جانے لگے۔ حضرت شیخین نے مذک کو حضرت فاطمہؓ سے چھین لیا۔ اور آل محمد پر خمس بند کر دیا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ جہان تک سختیاں ممکن تھیں حضرت شیخین کی طرف سے عمل میں لائی گئیں مگر بنی ہاشم خاموش رہے۔ اس خاموشی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ جو بعد حضرت رسولؐ کے بنی ہاشم کے سردار ہوئے شیخین کی ہر طرح کی تقدی اور دراز دستی پر خاموش رہ گئے۔ وجہ خاموشی کی یہ ہوئی کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؓ سے فرما دیا تھا کہ اسلام ابھی ابتدائی حالت میں ہے میرے بعد امت کی بے عنوانیوں پر صبر کرنا یعنی تلوار نہیں کھینچنا۔ حضرت علیؓ نے جو فرمان حضرت رسولؐ سے کبھی باہر نہ ہوئے ایسا ہی کیا۔ اگر آپ دست بہ شمشیر ہو جاتے تو بنی ہاشم حضرت شیخین کی خبر لینے کے لیے کافی تھے۔ مگر اس سول واریہی خانہ جنگی کا نتیجہ خوب نہ ہوتا اسلام دنیا سے رخصت ہو جاتا

نیک و بد سب طرح کے مسلمان دنیا سے غائب ہو جاتے۔ سول وار کا نقشہ قائم ہو جانے سے روم و فارس وغیرہ کی حکومتیں عرب کی ابتدائی سلطنت پر ٹوٹ پڑتیں جس سے اسلام کا نام صرف تاریخی کتابوں میں باقی رہ جاتا۔ حق یہ ہے کہ حضرت علی کی حوصلہ مندی اور آخری نبی نے سول وار کو ہونے نہ دیا مسلمانوں کی اجماعی قوت منتشر ہونے نہیں پائی۔ کیا شک چکا اگر علیؑ حضرت شیخین کی خبر لینا چاہتے تو آسانی کے ساتھ ان کی خبر لے سکتے تھے۔ یوں تو قبیلہ بنی ہاشم ہی ان کی خبر لینے کے لیے کافی تھا۔ مگر ابوسفیان صاحب کی مستعدی حضرت شیخین کی خلافت کو غت ربود ایک دم میں کر ڈال سکتی تھی لیکن حضرت علی بنی امیہ کی اعانت کی طرف اس لیے رخ نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت رسول بنی امیہ سے نفرت تامہ رکھتے تھے۔ ایسی مجبور یوں کی وجہ سے حضرت علی خاموش ہو بیٹھے۔ بہر حال حضرت شیخین کے پروپگنڈا نے پورے طور پر کامیابی کی شکل حاصل کر لی مگر اس کامیابی کے لیے یہ بھی ضرور تھا کہ بنی ہاشم پورے طور پر مجبور کر ڈالے جائیں اور بنی امیہ کے ساتھ ہر طرح کے ایسے سلوک نہ نظر رکھے جائیں کہ جن سے نہ صرف ان کی موجودہ حالت ابتذال زائل ہو جائے بلکہ وہ شرار ایسے قوی ہو جائیں کہ بنی ہاشم کے استیصال پر قادر بھی ہو سکیں۔ چنانچہ حضرت شیخین نے شام کی حکومت بنی امیہ کے سپرد کر ڈالی جس سے وہ قبیلہ ناپاک اپنے پر پرزے درست کر کے بنی ہاشم کو پامال کر ڈالنے کے لیے پورے طور پر قابل ہو گیا۔ حضرت شیخین کی تمام کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دونوں صاحبوں نے حکم خداوندی قل لا اسئلكم اور بھی حدیث ثعلبیین کے مضامین کو کبھی سنا ہی نہ تھا اور سنتے کہاں سے جب زیادہ حصہ اپنے وقت کا دونوں بزرگوار بازار مدینہ میں بھر گیا کرتے تھے۔ تا شاہ ہے کہ وہی حضرت عمرؓ جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا بروز مخم غدیر بخ کی صدا بلند کر چکے تھے۔ ایسی کارروائیوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخین نے اسلام کو دنیوی اغراض سے قبول کیا تھا ہرگز ہرگز دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی امیہ ایک ایسا قبیلہ تھا جو مرد و خدا و رسول تھا۔ قرآن پاک اس قبیلہ کو شجرہ ملعونہ کے لقب سے یاد فرماتا ہے حضرت رسول کو اس قبیلہ کے ساتھ نفرت تامہ لاحق تھی۔ ان صلح اس قبیلہ ناپاک کو دس برس کی محنت میں ایسا مجبور کر چکے تھے کہ ان میں سلطنت کی کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر حضرت شیخین نے ایسے قبیلہ کو سر نو سے زندہ کر ڈالا جس کا نتیجہ وہ ہوا جس سے ہر خواہ آدمی پوری باجری رکھتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخین کی بنی امیہ پروری کے وہ صریح نتائج ہیں جس کا ذکر صراحت کے ساتھ امام اخطب خوارزمی نے اپنے

جواب استفتائین حوالہ رقم فرمایا ہے (دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۶) لیکن حضرت شیخین کی اس بنی اُمیہ پروری پر اہل سنت بھولے سے بھی نظر نہیں ڈالتے ہیں حالانکہ حضرت شیخین کی یہی بنی اُمیہ پوسی ہے جو اسلام میں سے انتہائی سلوات کٹھی اور خونریزی اہل اسلام کا باعث ہوئی ہے اور جس کا بارالزام حضرت شیخین کی گردن سے تاقیامت جدا نہیں ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حبیبی حضرت رسولؐ حضرت علیؑ خلیفہ قرار پا جاتے تو بنی اُمیہ اُسی حالت ابتذال میں رہ جاتے جس میں حضرت رسولؐ انھیں چھوڑ گئے تھے اور پھر خلفائے بنی عباس کو بھی ظہور نہ ہوتا۔ لاریب حضرت شیخین کی یہ بڑی پوسٹیکل غلطی تھی کہ پہلے ریاست حضرت رسولؐ کو اپنی اپنی طرف منتقل کرتے گئے اور بعد ازاں اُس سے بھی زیادہ پوسٹیکل غلطی اُن سے یہ سرزد ہوئی کہ اُس ریاست حضرت رسولؐ کو بنی ہاشم کے حقوق مار کے بنی اُمیہ کی طرف منتقل کر ڈالا۔ درحالیکہ بنی اُمیہ اپنی عداوت قدیمہ اور دشمن اسلام کی بنا پر ریاست حضرت رسولؐ سے جس برابر بھی کسی طرح پر منتفع ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ نہایت حائے افسوس ہے کہ حضرت شیخین یا حضرت عمرؓ کے پروگنڈا نے اسلام میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا کر ڈالیں اور وہ پروگنڈا آج تک خرابیاں پیدا کر رہا ہے اور تاقیامت خرابیاں پیدا کرتا رہے گا۔ راقم بیان تک آل محمدؐ کی ریاست دنیوی کے چھینے جانے کی کیفیت کو حوالہ رقم کر کے اب آل محمدؐ کی ریاست دینی کے چھین جانے کے احوال ذیل میں گزارش کرتا ہے۔

واضح ہو کہ آل محمدؐ کی ریاست دنیوی کو چھین لیتے ہی ضرور ہوا کہ اُن خاصانِ خدا کی ریاست دینی بھی چھین لی جائے اس لیے کہ خلافتِ امامت سے کسی آل میں جدا نہیں ہو سکتی پس خلیفہ قریباً ہے حضرت ابوبکرؓ یا یہ کیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پردے میں امامت کے کاموں کو انجام دینا شروع کر دیا۔ اول کام اُن کی امامت کا یہ تھا کہ جب حضرت شیخین نے دیکھا کہ حضرت علیؑ قرآن جمع کر رہے ہیں تو زید ابن ثابتؓ وغیرہ کو اس کام کے انجام کرنے پر مقرر کر دیا پھر جب طبعی طور پر حضرت ابوبکرؓ کا پردہ دنیا سے اٹھ گیا تو حضرت عمرؓ آزادانہ طور پر اجتہاد مسائل کرائے گئے جس سے زید ابن ثابتؓ وغیرہ کے ذریعہ سے مذہبِ اہل سنت کی بنا پر گئی حضرت علیؑ نے بھی اپنے طور پر قرآن جمع کر ڈالا تھا مگر وہ قرآن دلالتِ خلافت کو پسند نہیں آیا۔ بہر حال حضرت علیؑ بھی اجتہاد مسائل کرتے رہے جس سے مذہبِ علیؑ قائم ہو گیا اور آج تک دوست و دشمن آل محمدؐ اس کے پابند دیکھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے مذہب کے رواج دینے والے حضرت علیؑ کے

کے جانشینان عالی مقام یعنی ائمہ خاندان پیغمبر علیہم السلام نکلے اور اُن کے دوست اور دشمن
اُن کی پیروی اختیار کی اور اس وقت بھی پیروی کرتے ہیں اور تاقیامت پیروی کرتے رہیں گے
مخالفان حضرت ولایت مآب نے زید بن ثابت کے مذہب کو اختیار کیا اور اس وقت بھی اختیار
کیے ہوئے ہیں اور تاقیامت اختیار کیے رہیں گے۔ مذہب زید ابن ثابت حضرت عمر کا قائم کردہ
مذہب ہے۔ اس مذہب کے اصولی مجتہد حسب تحریر جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی حضرت
شیخین ہیں اور فروعی مجتہد ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک اور امام حنبلی
حضرت شیخین خود اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نہ مہر قرآن تھے اور نہ کافی
طور سے احادیث نبویؐ پر نظر رکھتے تھے۔ یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی تھا۔ البتہ حضرت عمرؓ بنی کعب
وغیرہ سے اجتہاد کراتے تھے۔ نہیں معلوم کہ یہ دونوں بزرگوار اصولی مجتہد کیونکر قرار پا گئے۔ جہاں
حضرات اہل سنت ائمہ خاندان پیغمبر سے تمام تر بے سروکاری رکھتے ہیں۔ صرف بے سروکاری
نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ اُن خاصان خدا کو مطلق قابل و نفع نہیں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت
کے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سترہ مسائل شرعیہ میں نص قرآنی کے خلاف غلطیاں
کیں۔ یاد رہے کہ یہ علیؓ وہ علیؓ ہیں کہ جن کی نسبت حضرت رسولؐ فرماتے ہیں کہ انا مدینۃ العلم
و علیؓ بابھا اور یہ بھی ارشاد نبویؐ ہے کہ القرآن مع علیؓ و علیؓ مع القرآن۔ ایسی ذات پر بڑی تسمیہ
حرف لگا دین صرف خدا کی شان ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ حضرت رسولؐ کو ایک کفار
شخص سمجھتے تھے اور بھی مایہ نطق عن الہوی کا مصداق نہیں مانتے تھے تب تو امام صاحب
موصوف حضرت علیؓ کی قرآنی خطاؤں کی گرفت پر آمادہ ہو گئے۔ چونکہ اہل سنت امام ابن تیمیہؒ
کے عاشق زار نظر آتے ہیں تو لازم ہے کہ وہ حضرات بھی حضرت رسولؐ کو لغو گفتار محض اور مصداق
مایہ نطق عن الہوی کا نہ مانیں۔ تا شاہ ہے کہ حضرت رسولؐ تو حضرت علیؓ کو باب العلم فرما دین
اور قرآن کا ہمسفر قرار دین اور امام ابن تیمیہؒ حضرت رسولؐ کی تکذیب کر کے حضرت علیؓ کی لاعلمی
اور جہالت ثابت کریں۔ لاریب اسے امام ابن تیمیہؒ صاحب آپ در حقیقت ہرگز ہرگز مسلمان
نہ تھے۔ لاجل ثم لاجل۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب حضرات حسنین اور امام زین العابدینؑ
علیہ السلام کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ اُن صاحبوں سے بہت کم روایت دیکھی جاتی ہے
یعنی وہ حضرات کم علم تھے اور اسلام سے بیخبری رکھتے تھے۔ مولوی محمد حسن صاحب بھوپالی کتاب
اعلام الناس میں رقمطراز ہیں کہ امام زین العابدینؑ بت پرستوں کی طرح بائیں کرتے ہیں۔ امام

محمد باقر علیہ السلام کی نسبت صاحب دراست اللیب حوالہ قلم فرماتے ہیں کہ آپ کاذب اور مفتری تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسبت صاحب میزان الاعتدال لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے امام ممدوح سے کوئی روایت نہیں لی اور استاد بخاری کے فرماتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق سے کھٹکتا ہوں۔ امام مالک بھی آپ سے کوئی روایت نہیں لیتے تھے اور اگر بھولے سے کبھی روایت لی بھی تو تنہا آپ کی روایت پر اعتماد نہیں رکھا۔

راقم کتا ہے کہ ائمہ خاندان پیبر سے اس طرح کا فرار خلاف توقع نہیں ہے۔ اس طرح کی توہین و تحقیر تو عمری پر و گنڈا کا تقاضا ہی ہے۔ اسی طرح امام موسی کاظم امام موسی رضا امام محمد تقی امام محمد تقی علیہم السلام کو علمائے اہل سنت کلمہ تحقیر کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ امام محمد تقی اور امام حسن عسکری علیہم السلام کی نسبت وہی امام ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ دونوں ائمہ اخیر ابن لیلہ طبری یا ابراہیم جرجی میں سے کسی ایک عالم کو اپنا استاد بناتے تو انھیں قواعد اسلام معلوم ہو جاتے۔ کچھ شک نہیں کہ قول بالا ابن تیمیہ کا ویسا ہی ہے کہ مولوی شبلی صاحب یا امام ابن تیمیہ یہ کہیں کہ اگر امام جعفر صادق علیہ السلام امام ابو حنیفہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم اندوزی کیے ہوتے تو جاہل نہیں رہ جاتے۔ اللہ رے سنی علما کا تعصب اور اتلاف حق۔ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

واضح ہو کہ جن کو خداے پاک نے نیک و بد کی تیز بخشی ہے اور حقیقت حال پر نظر ڈالنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ائمہ خاندان پیبر کی توہین اور تحقیر علمائے اہل سنت نے کس عرض سے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب طالبان خلافت نے حضرت رسول کی خلافت کو غصب کر لیا تو ضرور ہوا غاصبان خلافت کے دوست داروں کے لیے کہ آل محمد کی دینی برتری کو جہان تک ہو سکے گھٹا دیں۔ حضرت علی سے لیکر امام حسن عسکری تک کے ائمہ کو خا طمی کہ علم بے اعتبار کر کے دکھا دیں۔ حق یہ ہے کہ خالفان آل محمد نے جس طرح آج صلعم کی ریاست دنیوی کو چھین لیا تھا۔ اسی طرح آج سنی کی ریاست دینی کے غصب کر لیتے ہیں بھی کچھ پس و پیش نہیں کیا۔ علمائے اہل سنت کی اس طرح کا راستا نیاں صرف اسی فرض سے ظہور میں آتی وہی ہیں کہ آل محمد اپنی ریاست دنیوی کے ساتھ اپنی امامت یا دینی ریاست یا روحانی سلطنت سے بھی دست بردار رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خالفان آل محمد کی بدولت آل محمد طرح حضرت رسول کی ریاست دنیوی سے محروم کر دیے گئے تھے حضرت رسول کی ریاست دینی سے

بھی محروم نظر آتے ہیں۔ لیکن مخالفت آل محمدؐ کی مخالفت سے کیا ہوتا ہے۔ باوجود ظہور کرنے امام بخاری و امام ابن تیمیہ و مولوی نصر اللہ کا بی و شاہ ولی اللہ دہلوی و شاہ عبدالعزیز دہلوی و مولوی محمد حسن بھوپالی و مولوی شبلی وغیرہ وغیرہ کے ائمہ۔ اننا عشر اپنی جگہ پر ہیں یہ وہ ائمہ ہیں کہ جنہیں حضرت رسولؐ صلعم نے اپنا خلیفہ اور امام ارشاد فرمایا ہے اور جن کے ذکر سے توحید و انجیل تک خالی نہیں ہے یہ وہ ائمہ ہیں کہ اسلام کی جان ہیں۔ یہ وہ ائمہ ہیں کہ اگر انہیں اسلام سے نکال لیجیے تو اسلام میں کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ بلاشبہ ان کا توہین اور تحقیر کرنے والا ناری ورناری ہے۔ ان کا منکر حضرت رسولؐ کا منکر ہے۔ حضرت رسولؐ کا منکر خدا کا منکر ہے پس لاریب خدا کا منکر ناری ورناری ہے حضرات اہل سنت حضرات خلفائے ثلاثہ و امیر معاویہ و یزید و مروان و عبدالملک و ولید کو اپنے خلفاء اور ائمہ بنا کرین مگر خلفائے برحق اور ائمہ الہدیٰ وہی خاصان خدا ہیں جو من جانب اللہ خلیفہ اور امام ہیں۔ یوں حضرات اہل سنت جسکو چاہیں خلیفہ یا امام کے لقب سے یاد کیا کریں مگر ان لقبین کے شایان وہی ائمہ شاخا عشری ہیں جو دین خدا کے ستون ہیں اور حضرت رسولؐ کے ریاست نبوی و ریاست دینی کے مالک و مختار ہیں مجھے اہل حدیث مولانا حکیم عبدالحمید صاحب راس الاطباء و شہر طبیب پٹنہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہمیشہ یاد آتا ہے جو ہمیشہ فرماتے تھے کہ ”مسلمانوں نے حقیقی اماموں کو تو ایک ایک کر کے مار ڈالا اور ان کی جگہ پر چند کا بٹھ کے امام بنا رکھے ہیں معاذ اللہ مذہب الہیہ کس قدر انصاف کش دکھائی دیتا ہے۔ واقعی اس کی بنا عداوت آل محمدؐ پر واقع ہوئی ہے اس مذہب کی حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد راقم دہریہ ہو جانا قبول کر سکتا ہے مگر سنی مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ راقم ادیان دنیا سے کافی طور پر اطلاع رکھتا ہے۔ راقم نے مذہب عیسوی و مذہب موسوی و مذہب زرتشتی و مذہب اہل یونان و مذہب اہل روم و مذہب مصریان سابق و مذہب ہنود و مذہب بودھ و مذہب جین کی حقیقت کی دریافت میں ایک اچھا حصہ اپنی عمر کا بسر کیا ہے مگر مذہب اہل سنت کو کسی حالت میں اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ راقم مسلمان ہے مگر اس کا اسلام وہ دین ہے کہ جسکو خدا نے پاک کرنے پر تو مسط حضرت رسولؐ صلعم اس دنیا میں بھیجا ہے اور جس کی تصدیق حضرت رسولؐ کی آل پاک کے وجود سے ہوتی ہے۔ اللہ وصل علی محمدؐ و آل محمدؐ۔ لاریب جو دین حضرت رسولؐ کے آل طاہرین کے خلافت ہے وہ دین خدا ہے پاک کا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ جس دین میں آل طاہرین کی توہین و تذلیل و تحقیر دیکھی جاتی ہے تا مرقابل حد ہے۔ راقم کے نزدیک ایسے دین سے اور ادیان دنیا بھر اعلیٰ

راقم مذہب اہل سنت سے ابا و انکار اس وجہ سے بھی رکھتا ہے کہ اس دین میں خدا مجسم مانا جاتا ہے اور حضرت رسول پر محائب نظر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ پناہ پناہ اور کرو در کرو بار پناہ بخدا۔

واضح ہو کہ مذہب اہل سنت صاف نتیجہ اس پروگنڈا کا نظر آتا ہے جس کے سردار حضرت عمر دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت عمر نے عہد حضرت رسالت مآب ہی میں اپنے پروگنڈا کی بنا ڈالی تھی۔ اس پروگنڈا کے مقاصد یہ تھے کہ حضرت رسول کی ریاست دینی اور رسالت دنیوی دونوں آل محمد سے نکل جائے۔ عہد حضرت رسول میں حضرت عمر اور آپ کے ہم خیال اس ارادے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول اس پروگنڈا کی خبر رکھتے تھے۔ نب ہی تو آن صلعم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تھا کہ ”ہم نہیں جانتے کہ تم لوگ میرے بعد کیا کیا احداث کرو گے، بہر حال زمانہ حضرت رسول کا اہل نفاق کٹھا کی طرح پرگزرسکا گو آن صلعم کے وقت آخرین وہ اہل نفاق کھلے کھلے طور پر حضرت رسول کی نافرمانیاں کرنے لگے تھے۔ جیسا کہ واقعہ مختلف حبش اسامہ و قصہ قرطاس سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر جب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پردے میں حضرت رسول کی دنیوی سلطنت کے غاصب ہو بیٹھے تب سے اُس پروگنڈا نے بے دھڑک اور بر ملا طور پر اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ طرح طرح پر خاندان پیمبر کو ستانا شروع کر دیا مگر سب سے اہم کام جسے خلافت میں خاندان پیمبر کے حضرت شیخین یا یہ کیسے حضرت عمر نے کر ڈالا وہ بنی امیہ کی سرپرستی دکھائی دیتی ہے جس کی بدولت قریب قریب خاندان پیمبر کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ ساری سادات کشی اور دوستداران ابن محمد کی خونریزیوں کے جواب دہ حضرت عمر ثابت ہوتے ہیں۔ لاریب آپ نے مسلمانوں کو ایسی راہ چلا یا کہ آپ کے بعد خاندان پیمبر اور دوستداران خاندان پیمبر کا خون صدیوں تک پانی کی طرح بہتا ہی رہا۔ ریاست دنیوی کے ساتھ آپ نے خاندان پیمبر کی دینی ریاست کو بھی غصب کر لیا۔ وجود اہل سنت کا آپ ہی کے دم سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کے بعد اس فرقہ میں ایسے ایسے علما ہوتے رہے جنہوں نے خاندان پیمبر کی تذلیل و توہین و تحقیر کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ امام بخاری و امام ابن تیمیہ کے رنگ کے آل محمد کے بدخواہ ہر صدی میں بکثرت ظہور کرتے رہے۔ وہ پروگنڈا حضرت عمر کا اس وقت بھی قائم ہے اور تاقیامت قائم رہے گا۔ اس وقت میں علامہ شبلی صاحب امام بخاری اور امام ابن تیمیہ سے مخالفت آل رسول

کے اعتبار سے کیا کم تھے۔ اس زمانہ میں بھی گائون گائون قریہ قریہ ہندوستان کا مخالفانِ آل محمد سے بھرا نظر آتا ہے۔ دیوبند اور دہلی میں مخالفت اہل بیت کا تا شا کوئی جا کر دیکھ لے وہ تو مخالفانِ آل محمد کی بڑی بڑی جگہیں ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جگہیں بھی مخالفانِ آل محمد سے آباد ہو رہی ہیں۔ اسوہ حسنہ ایک چھوٹی سی جگہ کی تصنیف ہے۔ معاذ اللہ کتاب کیا ہے آل محمد کا قتل نامہ ہے۔ سوادِ پٹنہ شاید ارضِ شام است۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر کا پر و گنڈا بہت کچھ کام کر چکا ہے اور تا قیامت کام کرتا رہے گا۔

عند المشاہدہ مخالفانِ آل محمد کے دل میں آل محمد کی طرف سے کچھ ایسا غبار جاگزیں دیکھا جاتا ہے کہ اب بعض حق و ناحق کی تمیز باقی نہیں ہی کوئی شک نہیں کہ اس عہد کے بڑے حق کش اور ناحق نگاہ علامہ صاحبؒ گزر رہے ہیں آپ کی تصنیف ”الفاروق“ بڑے جوش و خروش کے ساتھ پڑھ جاتی ہے تو قلنا انسان ہی بڑے پڑھنے والے الفاروق کے ساتھ ”الفرق کو بھی پڑھیں۔ مگر مخالفانِ آل محمد میں حق و ناحق کی تمیز باقی نہیں ہی ہے تو ”الفرق“ کو کیونکر پڑھیں۔ حال تو یہ ہے کہ مخالفانِ آل محمد علامہ صاحب کی تحریرات کو کا لوجی سمجھتے ہیں۔ تنہا پیش قاضی روی راضی آئی ایک پرانی مثل ہے۔ اس رنگ کی ”الفاروق“ خوانی مثل بالاکا حکم رکھتی ہے۔ یہ تصنیف علامہ صاحب کی عجب تصنیف ہے ”الفرق“ کے ساتھ اس کی سیر سے اس کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے علامہ صاحب پر جب جاہ کا مرض ایسا غالب تھا کہ حق نگاری پر کبھی قادر نہ ہو سکے۔ اگر جب جاہ کی بلالین جناب علامہ گرفتار نہیں رہتے تو حضرت عمر کو حضرت علی کا ہمسر علم میں قرار نہیں دیدیتے اسی طرح کی بے عنوانیانِ الفاروق میں بہت دیکھی جاتی ہیں۔ جناب علامہ ناواقف حقیقت تھے۔ مگر غرض اس طرح کی بے سر و پا تحریرات سے یہ تھی کہ حضرات اہل سنت جن کی کثرت ہندوستان میں ہے جناب علامہ کے غلام بن جائیں اور غلام بنے رہیں۔ البتہ فرقہ کشیہ کے خوش کرنے کی اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے خیال کی پابندی سے کیونکر کوئی حق نگار ہو سکتا ہے۔ یہ بات ویسی ہی ہے کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ دنیا میں اہل تشیع بہت قلیل ہیں۔ اُن کا ساتھ دینے سے کیا فائدہ مرتب ہو سکتا ہے۔ جناب علامہ بھی فرقہ وقلیلہ کا ساتھ دینے والے نظر نہیں آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کی پابندی سے دشتِ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ بہت کم لوگ دے سکے مگر جو خدا کے طالب تھے فرقہ حینیہ کی قلت تعداد کو خس برابر بھی خیال میں نہیں لائے

حضرت عباس علم بردار علیہ السلام کو حیرید کی طرف سے کیا کیا ترغیبیں نہیں دی گئیں مگر وہ بنی سب راہ خدا سے ذوا بھی نہ ڈگے۔ شامیوں کے لشکر کثیر کی کچھ پروانہ کی۔ میں حق کے لیے اُس طور پر مرے جیسا کہ فرزند حیدر ار صاحب ذوالفقار کو خدا کی راہ میں مرنا تھا۔ اسی طرح خوش بخت حر علیہ السلام کا معاملہ نظر آتا ہے کہ فرقہ کثیر التعداد کو چھوڑ کر اور ثروت دنیا سے منہ موڑ کر ایک مظلوم بکین جفا دیدہ نفس کا ساتھ دے بیٹھے اور غوثِ مودعی خدا و مہول کے لیے اس طرح پر جان دیدی جس طرح خاصانِ خدا جان دے سکتے ہیں۔

اللہ لا یضیع اجر المحسنین

ضمیمہ سوم

حضرت ابوبکر کا مالی سلوک حضرت رسول صلعم کے ساتھ

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کا قول ہے کہ ما فغلی مال مثل مال ابی بکر یعنی پیسر صاحب نے فرمایا ہے کہ کسی مال نے مجھ فائدہ نہیں دیا ابوبکر کے مال کی طرح۔ بیان مال سے مراد وہ چالیس ہزار دینار طلائی ہے جسکو حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کے ساتھ حضرت رسولؐ کو دیا تھا۔ واضح ہو کہ حدیث بالا بوجہ ذیل از سر تا پا وضعی حیثیت رکھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لاریب یہ حدیث اس نظر سے گڑھی گئی ہے کہ حضرت عائشہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی طرح دولت مند ثابت ہوں۔ آخر حضرت عائشہ کو فضل لہنا بنانے کے لیے جھوٹی حدیثوں کے سوا اور کیا سامان پیدا کیا جاسکتا ہے

مفسر ۱۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر ایک نہایت بے زر خاندان کے بزرگ تھے۔ آبائی دولت آپ کے پاس اتنی نہیں تھی کہ آپ حضرت رسولؐ کو چالیس ہزار دینار طلائی دے ڈال سکتے آپ کے والد ابو قحافہ زردے کتب تاریخ عبداللہ بن جرعان کے ایک مزدور تھے۔ ابو قحافہ سقد بے زر تھے کہ عبداللہ بن جرعان کے گھوڑا کھانچ رہتا تھا اُسے وہ اپنے گھریلو جاتے تھے اور اُسی سے اپنی اوقات بسر کرتے تھے خاندانی حالت تو خلافت مآب کی یہ تھی۔ پس خاندانی ذریعہ سے خلافت مآب حضرت رسولؐ کے ساتھ اس طرح کا مالی سلوک نہیں کر سکتے تھے

مفسر ۲۔ اب رہا ذاتی ذریعہ اس کی یہ صورت دکھائی دیتی ہے کہ مکہ میں قبل ہجرت آن صلعم خلافت مآب کا کوئی حصہ زندگی ایسا نہیں نظر آتا ہے کہ جس میں آپ کو دولت کثیرہ کے حاصل کرنیکا موقع ملا ہو۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے قبل تو آپ کا مالی سلوک حضرت رسولؐ کے ساتھ تہمت خلافت فہم و عقل و قیاس ہے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی کسی ممتاز مالی سلوک کا پتہ کتب تاریخ وغیرہ سے نہیں لگتا ہے چالیس ہزار دینار کی بخشش اور وہ بھی عرب جیسے بے زر ملک میں مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ ایسی عظیم بخشش کا ذکر مورخان عرب اپنی اپنی تصنیف میں ضرور کرتے مگر تمام کتب تاریخ میں کہیں اس کا ذکر دیکھا نہیں جاتا ہے۔ آخر یہ مبلغ خطیر حضرت ابوبکر

کمان سے لائے۔ اور حضرت رسولؐ نے اُسے لیکر کیا کیا۔ قبل ہجرت تو نہ لشکر آرائی کی اور نہ لشکر کشی تو پھر وہ دولت کثیر و کیا ہو گئی۔ مکہ میں بلکہ مدینہ میں بھی آپ کے اخراجات ذاتی نہایت ہی قلیل تھے مکہ میں تو آپ کے اخراجات کے کلیل حضرت ابوطالب رہا کرتے تھے۔ البتہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے ازدواج سے آپ کی تنگدستی دور ہو گئی تھی حضرت ابوطالبؓ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ کی زندگی میں تو بالیقین حضرت ابوبکرؓ نے وہ چالیس ہزار دینار حضرت رسولؐ کو نہیں دیے ہوں گے۔ اگر دیے ہوں گے تو حضرت عائشہؓ کے بیاہ کے وقت دیے ہوں گے مگر اس ازدواج کے وقت حضرت ابوبکرؓ کی دولت مند کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں کتابی وسیلہ سے نہ حضرت رسولؐ کا چالیس ہزار دینار کا پانا ثابت ہوتا ہے اور نہ اُس کا کسی طرح کا خرچ ہو یا ہوتا ہے اب دیکھنا چاہیے کہ ایسا دولت مند سلوک حضرت ابوبکرؓ کا حضرت رسولؐ کے ساتھ قیام مدینہ کے زمانہ میں ظہور پذیر ہو سکا یا نہیں۔

ممبر ۳۔ جب حضرت رسولؐ نے ہجرت فرمائی تو اس وقت آن صلعم کے پاس کوئی دولت نہ تھی۔ اگر واقعی حضرت ابوبکرؓ نے حضرت رسولؐ کو چالیس ہزار دینار مکہ میں دیے تھے تو اُس میں سے ایک دینار بھی حضرت رسولؐ اپنے ساتھ مدینہ نہیں لائے۔ تب ضرور ہے کہ وہ سب بخشش کے دینا مکہ ہی میں رہ گئے اور حضرت رسولؐ کے کچھ کام نہ آئے۔ ایسی حالت میں حضرت رسولؐ کا یہ قول کہ کئی مال نے مجھے فائدہ نہیں دیا ابوبکرؓ کے مال کی طرح ”تاسر غلط ہو جاتا ہے کتب تاریخ و سیرت ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت رسولؐ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو خود حضرت رسولؐ اور بھی حضرت ابوبکرؓ و جملہ مہاجرین بچہ بتلا سے بے سرو سامانی تھے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اگر انصار مدینہ حضرات مہاجرین کی خبر نہیں لینے تو ایک ایک اُن میں سے غایت محتاجی کے باعث زندہ نہ رہتے۔ انصار مدینہ نے تا حد امکان اُن مہاجرین کے ساتھ ہر طرح کے سلوک نیک کیے اُن اہل احتیاج کو رہنے کے لیے گھر دے اور اُن کی ضرورتوں کے مطابق اُن کے ساتھ مالی سلوک بھی کئے۔ اس پر بھی اوایل ہجرت کے زمانہ میں حضرت شیخین اور دیگر مہاجرین نہایت تنگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جمیع مہاجرین جن میں حضرت شیخین بھی داخل تھے حضور جناب حضرت رسولؐ یہ عرض پیش کی کہ تین روز سے سہون کو فاقہ ہے۔ بہر حال جبال غنائم ملنے لگے تو سب کی شکایتیں کم و بیش طور پر دفع ہوتی چلیں۔ پس جب قیام مدینہ کے ابتدائی زمانہ میں خود حضرت ابوبکرؓ پر فاقے گزرتے تھے تو عقل کے خلاف ہے کہ ایسی

حالت میں خلافت مآب حضرت رسول کے ساتھ چالیس ہزار دینار کا سلوک عمل میں لاسکے ہوں۔ اس کے بعد فتوح و غنائم سے مہاجرین کی ضرورتیں عام اس سے کہ وہ بھگوٹے مہاجرین تھے یا ثابت قدم رفع ہوتی رہتی تھیں مگر ان میں سے کسی کے پاس چالیس ہزار دینار کا موجود رہنا ناممکن واقع سے باہر تصور ہے۔ حضرت ابوبکر کی آمدنی فتوح و غنائم کے علاوہ تجارت سے بھی کسی قدر تھی مگر اس قدر نہیں کہ چالیس ہزار دینار حضرت رسولؐ کو یک مشت دے ڈال سکتے یا اقساط کے ذریعہ سے بھی ایسی بخشش پر قادر ہو سکتے۔ اگر اس قدر داناہر کئی بخشش آپ کے احاطہ قدرت میں ہوتی تو جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو علی مرتضیٰ کے سوا کسی نے نہ صدقہ ادا کیا اور نہ حضرت رسول سے بات کی ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکر ایسے مالدار ہوتے کہ حضرت رسولؐ کو چالیس ہزار دینار دے سکے تو صدقے کے چند دینار کے دینے سے کیوں روگردان ہو گئے۔ پس حضرت ابوبکر کے تمام احوال پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مکہ میں اتنی مالی حیثیت رکھتے تھے کہ حضرت رسولؐ کو چالیس ہزار دینار دیدیتے اور نہ مدینے میں تاعد حضرت رسولؐ اس قدر صاحب مال ہو گئے تھے کہ ایسی غیر متوقع بخشش پر قادر ہو سکتے۔ پس جب نہ حضرت ابوبکرؓ خاندانی مالدار تھے اور نہ مکہ اور مدینہ میں ایسے صاحب دولت دیکھے جاتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کے ساتھ سلوک بالا پر قادر ہو سکتے تو وہ چالیس ہزار دینار کمان سے آئے جن کی نسبت اہل سنت عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ کو وہ دینار دیدیے گئے کتب تاریخ سے اسی حد تک بخشش کا کوئی بہ نہیں لگتا ہو بھی ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ اگر حضرت رسولؐ نے ایسی جاری رقم حضرت ابوبکرؓ سے بانی تو اس کو کیا کر ڈالا۔ ورنہ کے اخراجات حضرت رسولؐ کے اہل فکر کے لیے تھے آپؐ کوٹے کپڑے پہنتے تھے اور آپؐ کی غذائی ضرورتیں جو کچھ جو دودھ اور کمتر گوشت تک محدود تھیں۔ یہی حال حضرات ازلیہ طہرات کی ضرورتوں کا بھی تھا۔ کسی کتاب سے یہ نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے چالیس ہزار دنانیر سے آن صلعم نے کبھی لشکر آرائی یا لشکر کشی کا سامان ہم پہنچایا تھا فوجی ضرورتوں کے لیے آن صلعم یہودیوں وغیرہ سے قرض لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اپنے وقت آخرین آن صلعم نے بطور وصیت اپنے وصی حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ ”ہم نے فلان یہودی سے اس قدر مال لشکر سامان کی تیاری کے واسطے لیا ہے۔ اے علی تم میرے اس قرض کو ادا کر دینا۔“ اگر حضرت ابوبکرؓ ایسے ہی مالدار ہوتے تو حضرت رسولؐ سا ہو کاروں سے ہمارے ذیل اللہ کے لیے کیوں قرض لیا کرتے حضرت ابوبکرؓ ہی کو کیوں نہیں اپنا سا ہو کار بنایا کرتے۔ پس حالات بالا سے پورے طور پر

ثابت ہوتا ہے کہ کبھی حضرت ابوبکر کو اتنا مقدور حاصل نہ تھا کہ حضرت رسول کو چالیس ہزار دینار طلائی بہ یک مشت یا بالقسط عطا فرما سکتے۔ بلاشبہ یہ افسانہ چالیس ہزار دینار کا ایسے مسلمانوں کا تصنیف کردہ ہے جو حضرت ابوبکر کی محبت میں عرق تھے اور درحقیقت حضرت رسول کی رسالت کو ایک ڈھکوسلا سمجھے ہوئے تھے۔ اگر کچھ بھی ایسے لوگوں کو خوفِ خدا یا عقوبت کی جوابدہی کا خیال ہوتا تو ایسی ایسی بے سرو پا روایتیں ایجاد نہ کرتے۔ ایسے واضع حدیث کی کثرت خلیفہ معاویہ اور خلیفہ عبد الملک کے عہد میں دیکھی جاتی ہے۔ اہل سنت کے ان دونوں خلیفوں نے یہ حدیث جمع کر لی تھی اور ہزاروں حدیثیں ان سے وضع کرائی ہیں۔ خود علمائے اہل سنت نے بہت سے وضائع حدیث کے نام اپنی تصنیفات میں درج کیے ہیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین

ضمیمہ ۳۵

حضرت عمر کو حضرت رسولؐ کا ہم پلہ بنادینے کی کوشش از جانب حضرت اہل سنت

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ یہ فرمودہ حضرت رسولؐ کا ہے کہ ”اگر ہم پیغمبر ہوتے تو عمر مبعوث بہ رسالت ہوتے“ راقم کہتا ہے کہ ہرگز یہ حدیث حضرت رسولؐ کا قول نہیں ہو سکتی اس لیے کہ حضرت عمرؓ کے خصائص و فضائل و فضائل کبھی ایسے نہیں تھے کہ خلاف تمام درجہ نبوت کو پونچ سکتے حضرت رسولؐ کی جگہ پر مبعوث بہ رسالت ہونا تو بحث سے باہر ہے اگر حضرت عمرؓ کا موازنہ حضرت رسولؐ کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عمرؓ کے تمام تر عکس ضد نظر آتے ہیں۔ یعنی ذات و صفات کے روسے حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے تمام تر عکس نظر آتے ہیں۔ مثلاً دیکھا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک نہایت بے رحم سنگدل کم خلق درشت گو درشت خوترسندہ جان اور کم علم بزرگ تھے مگر ان صفات ذمیرہ کے برعکس حضرت رسولؐ میں بسجدہ و رجم کی رحیمی نرم دلی سخاوت خوش خلقی شیرین زبانی نیک خوئی با علمی اور شجاعت من جانب اللہ مودعہ تھی۔ کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کیا تھے اور حضرت رسولؐ کیا تھے کم سے کم اس مناظر المصاب کے پڑھنے سے موازنہ کرنے والے کو حقیقت حال سے کافی طور پر اطلاع ہو جا سکتی ہے۔ پس عقل باور نہیں کرتی ہے کہ کبھی حضرت رسولؐ نے فرمایا ہوگا کہ ”اگر ہم مبعوث بر رسالت نہیں ہوئے ہوتے تو عمر مبعوث بر رسالت ہوتے“ حضرت رسولؐ کی جگہ پر رسول ہونے کے لیے ضرور تھا کہ درمیان حضرت عمرؓ اور حضرت رسولؐ کے صفاتی نجات و مماثلت واقع ہوئی ہوتی اور یہ مفقود دیکھی جاتی ہے۔ پس کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ حضرت رسولؐ حضرت عمرؓ کی نسبت یہ ارشاد فرماتے کہ ”اگر ہم مبعوث بر رسالت نہیں ہوئے ہوتے تو عمر مبعوث بر رسالت ہوتے“ علاوہ امور بالا کے حضرت رسولؐ کو حضرت عمرؓ سے کوئی وجہ حسد کی نظر نہیں آتی ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے کبھی کام نہ آئے۔ اول تو مکہ میں کسی وقت تک حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے کھلے کھلے دشمن بنے رہے گو اپنی کمال بزدلی سے حضرت رسولؐ کا کچھ کر نہیں سکے دویم یہ کہ جب مشرف بہ اسلام بھی ہوئے تو حضرت رسولؐ کی کسی طرح کی خدمت

نہیں بجالا سکے کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال تک حضرت رسولؐ حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ شغب ابوطالب میں مصور رہے۔ مگر حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ سے دور ہی دور رہے۔ مکہ میں تو حضرت عمرؓ کی کسی کارگزاری کا پتہ نہیں لگتا ہے اب دیکھیے کہ مدینہ میں حضرت عمرؓ حضرت کے کس قدر کام آئے۔ غزوات حضرت رسولؐ میں تو آپؐ سید بیکار ثابت ہوئے۔ ہمیشہ فرار پر فرار اختیار کرتے رہے۔ حضرت رسولؐ کی جان گرامی کا کبھی خس برابر بھی خیال نہیں کیا۔ بطرح حضرت رسولؐ سے مختلف امور میں تاحیات حضرت رسولؐ اختلاف کرتے رہے۔ اختلاف کا تو یہ نقشہ دکھائی دیتا ہے کہ بہ اسباب ظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کو خدا کا رسولؐ نہیں سمجھتے تھے۔ منجملہ اختلافات کے ممتاز صورت اختلاف حضرت کا عمر صلح حدیبیہ کے تعلق سے دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح حبش اُسامہ کی شرکت سے حضرت عمرؓ کا تحلف بھی قابل لحاظ ہے آخر اختلاف بھی حضرت عمرؓ کا جو قصہ قرطاس سے تعلق رکھتا ہے نہایت ہی زشت رنگ رکھتا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے فعل و قول سے کبھی حضرت رسولؐ کو خرسند نہیں رکھ سکے۔ اتنی بدترکیبوں کے بعد بھی حضرت رسولؐ حضرت عمرؓ کے حق میں یہ کیونکر فرما سکتے تھے کہ اگر ہم مبعوث برسالت نہیں ہوئے تو عمر مبعوث برسالت ہوتے؟ راقم کہتا ہے کہ اگر حضرت رسولؐ مبعوث برسالت نہیں ہوئے ہوتے تو بوجہ بالا کوئی اور شخص مبعوث برسالت ہوتا۔ مگر کسی حال سے حضرت عمرؓ مبعوث برسالت نہیں ہوتے۔ قابل عذر ہے کہ اگر حضرت عمرؓ مبعوث برسالت حضرت رسولؐ کی جگہ پر ہوئے ہوتے اور مکہ سے مدینہ حضرت رسولؐ کی طرح ہجرت کر کے چلے آئے ہوتے، تو حضرت عمرؓ مدینہ میں خدا کی ریاست دینی کو قائم نہیں کر سکتے۔ یہ حضرتؐ ہی کا کام تھا کہ آنحضرتؐ مدینہ میں خدا کی ریاست دینی کو قائم کر سکے۔ فرض کیجیے کہ بحیثیت رسولؐ حضرت عمرؓ جنگ بدر لڑنے کو جاتے اور شریک جنگ نہ ہوتے جس طرح پرکہ شریک جنگ نہ ہوئے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ اسی طرح اگر جنگ احد سے بھاگ نکلتے جس طرح کہ بھاگ نکلتے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ پھر جنگ خندق میں عمرؓ کا مقابلہ نہ کرتے جیسا کہ حضرت رسولؐ کے خلاف حکم مقابلہ نہیں کر سکے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ پھر جنگ خیبر سے بھاگ بھاگ آتے جیسا کہ دودن تک بھاگ بھاگ آئے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ اس کے بعد جنگ حنین ہے حسب دستور سابق راہ فرار اختیار کر جاتے جیسا کہ راہ فرار اختیار کر گئے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ مگر چونکہ مطلب خدا یہ تھا کہ اسلام قائم ہو سکے

خداوند تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو مبعوث برسات فرمایا۔ آنحضرت صلعم ایک اعلیٰ درجہ کے بہادر تھے۔ آپ تمام مغزوات میں ثابت قدم رہے۔ البتہ آن صلعم کی مدد کے لیے خدا سے قدرے حضرت اعلیٰ کو غلبہ کیا تھا اور کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ اسلام کو بربادی سے محفوظ رکھ سکے لیکن اگر حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی جگہ مبعوث برسات ہوئے ہوتے تو حضرت عمرؓ سے خدا سے تعالیٰ کی ریاست دینی دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ میں نام کو بھی شجاعت و علم نہیں ہونی تھی۔ خلافت مآب سے خدا کا دین قائم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جو مسلمانوں کو فحش حاصل ہوئی گئیں۔ ان کا عنوان دوسرا تھا۔ خلافت مآب کو پکی پکائی ہانڈی مل گئی تھی۔ خلافت مآب نے اس سے خوب کھایا اور کھلایا۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی جگہ مبعوث برسات ہوئے ہوتے تو نہ کوئی پکی پکائی ہانڈی کو وجود ہو سکتا تھا اور نہ یارون کو اس سے کوئی نوالہ نصیب ہو سکتا تھا۔ خدا سے تعالیٰ حکیم مطلق ہے سمجھو جبکہ اپنے رسولوں کا انتخاب فرماتا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کو مبعوث برسات کیا کرتا۔ پس ایسا پوچھ قول حضرت رسولؐ کا ہو نہیں سکتا کہ ”اگر ہم مبعوث برسات نہیں ہوئے ہوتے تو عمرؓ مبعوث برسات ہوتے“ یہ حق یہ ہے کہ حدیث بالا ایک وضعی حدیث نظر آتی ہے اور اس کے وجود کے جوابدہ امیر معاویہ اور خلیفہ عبد الملک معلوم ہوتے ہیں۔ جن کے عہد میں تمام کے ضائع حدیث فراہم کر لیے گئے تھے۔ علیہم ما علیہم

واضح ہو کہ حدیث بالا کی طرح حضرات اہل سنت کی یہ حدیث بھی دکھائی دیتی ہے کہ ”جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو ہم نے خیال کیا کہ عمرؓ پر نازل ہوئی ہوگی“ اور اقم کتاب ہے کہ بوجہ بالا حضرت رسولؐ ایسا خیال نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت رسولؐ حضرت عمرؓ سے خوب واقف تھے پس ایسے خیال کو حضرت رسولؐ اپنے دماغ حق شناس میں جگہ نہیں دے سکتے تھے علاوہ اسکے حضرت رسولؐ جانتے تھے کہ ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے میثاق لیا ہے یا وعدہ فرمایا ہے کہ صرف حضرات انبیاءؑ پر وحی ہوا کریں گے اور کوئی اس کا مورد نہ بنایا جائے گا اور پھر وہ نبی کبھی رسالت یا نبوت سے معزول نہیں کرویا جائیگا۔ پس جب حضرت رسولؐ انبیاء رسالت یا نبوت سے معزول نہیں کر دیے گئے تھے اور حضرت عمرؓ سے خدا تعالیٰ نے کوئی وعدہ نزول وحی کا نہیں فرمایا تھا۔ تب ایسا خیال حضرت رسولؐ کو حضرت عمرؓ کے متعلق کیونکر پیدا ہو سکتا تھا۔ خدا سے تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے ”وَإِذَا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِي تَوَخَّرُوا“

ضمیمہ ۳۶

اثبات نبوت آن صلعم و اثبات امامت المشرع اثنا عشر از تورات انجیل

واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعا کرنے پر خدا کا یہ فرمودہ تورات میں دیکھا جاتا ہے کہ اے ابراہیم اسمعیل کے حق میں میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھو میں اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بڑی قوم بناؤں گا (توریت کتاب پیدائش باب آیت ۱) اس میں جانے گفتگو نہیں ہو سکتی کہ یہ قول خداوندی حضرت اسمعیل اور بنی اسمعیل سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت اسرائیل اور بنی اسرائیل سے اس کو تعلق نہیں ہے لیکن ہٹ دھرمی سے حضرت عیسیٰ اور یہود ایسا نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا حضرت اسماعیل کے لیے کی تھی جس کا جواب حضرت اسماعیل کو بطریق بالا ملا تب بالیقین جواب خداوندی کو کسی طرح پر حضرت اسرائیل اور بنی اسرائیل سے کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ یوں ہٹ دھرمی کی بات اور ہے۔ خیر۔ اسی تورات کی آیت ۲۱۔ باب پیدائش کے رو سے حضرت اسماعیل کی جائے سکونت فاران کا بیان نظر آتی ہے۔ فاران حسب تحقیق جناب سر سید احمد خان مرحوم و جناب سید اولاد حیدر خان خان بہادر بلگرامی ادام اللہ تعالیٰ افادۃ و مصنف اسوۃ الرسول بدلائل قوی وہ مقام ہے جہاں قوت مکہ معظمہ آباد ہے۔ عیسائی علمائے بڑی کوششیں کی ہیں کہ فاران کو کوئی اور جگہ ثابت کر ڈالیں کوئی اُن سے فاران کو مصر کی طرف کھینچ کے لیگیا ہے اور کوئی فارس کی طرف۔ مگر حق یہی ہے کہ فاران وہی جزو دنیا ہے کہ جہاں اس وقت مکہ کی آبادی واقع ہے اور مکہ کے جو پہاڑ ہیں وہ فاران کے پہاڑ ہیں۔ پس جاننا چاہیے کہ حضرت اسماعیل اور بنی اسماعیل اُسی فاران کے رہنے والے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت اسماعیل کو خدا تعالیٰ نے فاران میں برومند کیا اور انھیں بہت بڑھایا اور ان کی نسل کو ایک بڑی قوم بنایا۔ اس ارشاد خداوندی کا صان صان یہ مطلب نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حسب وعدہ حضرت اسماعیل کی نسل سے حضرت رسول کو کہ میں مبعوث برسات فرمایا اور اسی نسل اسماعیل سے بارہ سردار بھی پیدا کیے اور بنی اسماعیل سے ایک بڑی قوم کا نقشہ حاصل کیا۔ بارہ شاہزادوں کا ذکر تورات میں دیکھا جاتا ہے اور بارہ

شاہزادے نسل اسماعیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ واضح ہو کہ یہاں تک کی پیشین گوئی تو حضرت ابراہیم کی دعا کی قبولیت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے پیشین گوئی فرمائی ہے (توریت - استثنا باب ۱۸ - آیت ۱۵ لغایت ۲۰) کہ میرے مثل ایک نبیؑ نبیؑ سے ہوگا جس کے منہ میں خدا اپنا کلام ڈالے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ حضرت نبیؑ حضرت رسول صلم ہیں اور کلام خدا کا قرآن شریف ہے جو ان صلم پر نازل ہوا۔ اس سے زیادہ صاف پیشین گوئی اور کیا ہو سکتی ہے۔ مخالفان اسلام بتلاوین کہ بنی اسماعیل سے حضرت محمد صلم کے سوا کون دوسرا نبی یا بانی دین دکھائی دیتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے مثل گزرا ہے۔ حضرت مسیحؑ بعد حضرت موسیٰؑ کے آئے مگر وہ جناب بنی اسماعیل سے نہ تھے اور نہ وہ جناب حضرت موسیٰؑ کی اولوالعزمی رکھتے تھے اور نہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے مثل تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کوئی شریعت ساتھ نہیں لائے اور نہ مختار بالجہاد تھے۔ آپ حضرت موسیٰؑ کے مثل بنی نہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے مثل جو نبی یا بانی دین تھے تو حضرت رسول تھے۔ آنحضرت صلم حضرت موسیٰؑ کی طرح صاحب شریعت اور مختار بالجہاد تھے۔ ان صلم کی اولوالعزمی حضرت موسیٰؑ کی اولوالعزمی سے کم نہ تھی بلکہ شیئا زیادہ ہی تھی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی طرح پر حضرت موسیٰؑ کی پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

اس جگہ پر سرسید صاحب مرحوم کی تحقیق بھی نہایت قابل لحاظ ہے اور اس لیے قابل ذکر ہے۔ مغلرہ نے بدلائل قوی حضرت رسولؐ کے اسم گرامی یعنی لفظ ”محمد“ کو داخل توریت ثابت کر دیا ہے۔ جزاء اللہ فی الدارین خیرا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ اسم پاک آن صلم کا توریت میں درج ہے۔ مگر جتنے نسخے توریت کے موجودہ زبانوں میں موجود ہیں ان میں کہیں بھی اسم گرامی درج نہیں پایا جاتا ہے۔ مگر جناب غفراناؑ نے اصل کتاب توریت سے جو عبرانی زبان میں ہے اور ایک نہایت قدیم نسخہ ہے ثابت کر ڈالا ہے کہ لفظ ”محمدیم“ جو داخل کتاب توریت ہے۔ علم ہے صفت نہیں ہے۔ مختلف زبان کے مترجموں نے اس لفظ کو ترجمہ کے وقت صفت کر ڈالا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ روح پرور تحقیق کہیں نہیں دیکھی جاتی ہے۔ لاریب یہ سعادت اس مسن اسلام کے لیے اٹھارکھی گئی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ افسوس ہے کہ حضرات دوازدہ امام کے لیے جناب مرحوم نے تحقیق کی کوئی تکلیف نہیں اٹھائی۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کی طرف غفران مآب اپنی

توجہ مبذول فرماتے تو علی گڑھ کالج کبھی وجود میں نہیں آتا ایسا ہرگز نہیں تھا کہ جناب مرحوم حضرات ائمہ اثنا عشر کے مدارج اور پیشین گوئیوں سے وقوف نہیں رکھتے تھے مگر تقاضا سے وقت سے تا مگر مجبور ہو رہے تھے۔ پانی میں رہنا اور مگر سے عداوت ایک پُرانی مثل ہے یا یہ کیسے کہ سب امیہ کے دمشق میں رہ کر خاندان رسالت کی طرح سرائی
اب راقم انجیل سے حضرت رسول کی نبوت اور ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۲ حواری یعنی صحابی تھے ان میں سے ایک حضرت یوحنا بھی تھے جن کا معروف نام حضرت یحییٰ ہے اور جن کا لقب عیسیٰ ہے۔ یہ حضرت یوحنا درجہ نبوت کا رکھتے تھے مگر ایک ماتحت بنی تھے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے ماتحت آپ کی نبوت تھی قبل حضرت عیسیٰ کے بھی ایسے ماتحت بنی گزرے ہیں جیسے حضرت ہارون جو حضرت موسیٰ کے ماتحت بنی تھے۔ جب حضرت عیسیٰ حسب عقیدہ اہل اسلام آسمان پر اٹھالیے گئے یا جب وہ جناب حسب عقیدہ مسیحین صلیب پائے گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم خدائے عز و جل حضرت یوحنا کو فرشتہ کے ذریعہ سے یہ سبیل مشاہدہ کچھ ایسے آنے والے امور سے اطلاع دی جو مجموعہ اناجیل کے آخر میں درج ہیں اور جن کا نام مکاشفات یوحنا ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بلا لیے جانے کے بعد اس دنیا میں بہت دنوں تک رہے اور آپ کی طرف ایک انجیل بھی مسیحیوں کی چار انجیلوں سے منسوب ہے حضرت ناظرین اس امر کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ وہ مشاہدہ جس کا ذکر راقم اس ضمیمہ میں کرتے ہوئے اسکا ظہور حضرت یوحنا کو حضرت عیسیٰ کے بعد میں ہوا ہے اس لیے اس کو حضرت عیسیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا تعلق ایسی پاک ذاتوں سے ہے جن کا ظہور حضرت عیسیٰ کے بعد ہونے کو تھا واضح ہو کہ مکاشفات یوحنا کے اول مکاشفہ کی پہلی آیت یہ ہے کہ ”یسوع مسیح کا مکاشفہ جو خدا نے اُسے دیا تاکہ اپنے بندوں کو جن کا جلد ہونا ضروری ہے دکھا دے اور اُس نے فرشتے کو بھیج کر اُس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کیا“ وہ مشاہدہ حضرت یوحنا کا یہ ہے کہ ”ایک عورت آفتاب کو اوڑھے ہوئے آسمان پر نظر آئی جس کے پاؤں کے تلے چاند تھا اور اس کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا اور وہ حاملہ تھی اور درد سے چلاتی اور بجتے کو اینٹھتی تھی۔ پھر ایک دوسرا نشان آسمان پر دکھائی دیا۔ وہ ایک بڑا زرد ہاتھ جس کے سات سر تھے اور دس سینک اور اس کے

سرون پر سات تاج تھے اور اس کی دم نے آسمان سے تہائی ستارے کھینچ لیے تھے اور انھیں زمین پر ڈالا تھا اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جو جتنے پر تھی جا کھڑا ہوا تاکہ جب وہ جنے تو اس کے بچے کو نگل جائے وہ عورت فرزند زینہ جنی جو کہ لوہے کا عصا لیکر سب سے پہلے حاکمیت کرے گا اُس کا لڑکا خدا کے اور اُس کے تخت کے آگے اٹھا لیا گیا اور وہ عورت بیابان میں جہان اس کی جگہ تھی جسے خدا نے تیار کی تھی بھاگ گئی تاکہ وہاں ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کرے۔ پھر آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اور اُس کے فرشتے اس اژدہ سے لڑے اور اژدہا اور اس کے فرشتے بھی لڑے۔ لیکن غالب نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر اُن کو جگہ ملی۔ پس وہ بڑا اژدہا وہ بڑا سانپ ہے جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے اور جو سارے جہان کو دغا دیتا ہے۔ وہ زمین پر گرایا گیا اور اس کے فرشتے بھی اس کے ساتھ گرائے گئے۔ پھر میں نے یوحناؑ ایک بڑی آواز کو آسمان سے کہتے سنا کہ اب تجا اور قدرت اور ہمارے خدا کی سلطنت آئی اور اُس کے مسیح کا اختیار بھی کیونکہ ہمارے بھائیوں پر ہمت لگانے والا جرات دن ہمارے خدا کے آگے اُن پر ہمت لگاتا تھا گرایا گیا اور اُنھوں نے بڑے کے لوہے کے سبب اور اپنی گواہی کی بنا پر اُس کو جیت لیا اور اُنھوں نے اپنی جانوں کو مرنے تک عزیز نہ جانا اس واسطے تم اے آسمان اور ان پر کے رہنے والو خوشی کرو۔ افسوس اُن پر جو خشکی اور تری کے رہنے والے ہیں اس لیے کہ ابلیس بڑے غصہ سے تم پر اُترا کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے لیے تھوڑی مہلت باقی ہے اور جب اُس اژدہ نے دیکھا کہ یہی زمین پر گرایا گیا تو اس نے اس عورت کو جو فرزند زینہ جنی تھی ستایا اور عورت کو بڑے عقاب کے دو پر دیئے گئے تاکہ وہ اس سانپ کے سامنے سے بیابان کو اپنے مقام تک اڑ جائے جہان ایک زمان اور دو زمان اور نیم زمان تک اُس کی پرورش مقرر کی گئی پھر اس سانپ نے اپنے منہ سے پانی ندی کے مانند اس عورت کے پیچھے بہا یا تاکہ ایسا ہوئے کہ اسے ندی بہا لے جائے پھر زمین نے اس عورت کی مدد کی کہ زمین نے اپنا منہ کھولا اور اس ندی کو جو اس اژدہ سے اپنے منہ سے بہائی تھی پی لیا اور اژدہا عورت پر غصہ ہوا اور اُس کی باقی اولاد سے جو خدا کے حکم مانتے اور یسوع مسیح کی گواہی رکھتے ہیں لڑنے لگا۔ واضح ہو کہ یہ ایک بڑا مکاشفہ باب ۱۲ کا ہے جو بطور مشاہدہ کے حضرت یوحنا کی نظر سے گزرا ہے۔ اس مشاہدہ کا مطلب نہایت ہی صاف صاف ہے۔ اس مشاہدہ کے لیے بہت ایچ پیج کی تاویل کی ضرورت نہیں دکھائی دیتی۔ اس مشاہدہ میں جو عورت حاملہ دکھائی دی اس سے ملو

نبوت ہے اور جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی وہ آفتاب حضرت رسولؐ تھے اور جو لڑکا وہ جنی دین اسلام تھا اور بچے جو چاند دکھائی دیا وہ حضرت فاطمہؑ تھیں اور بارہ ستارے کا تاج جو وہ عورت پہنے ہوئے تھی وہ حضرات ائمہ اثنا عشر تھے۔ اسی طرح جو سات سراودس سینک کا اژدہا نظر پڑا وہ ابلیس تھا۔ پھر وہ اژدہا جو آسمان پر شکست کھا کر زمین پر آگراُس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے زمین پر آپہنچا اور دین خدا کو نیست و نابود کرنے میں کوشش بلیغ کرنے لگا۔ وہ عورت یعنی نبوت جب اپنے فرزند زینہ یعنی دین خدا یا دین اسلام کو لیکر بیابان یعنی بیابان فاران کی طرف بھاگ نکلی تب اس اژدہے نے اس کے پیچھے اپنے منھ سے ایک ندی بہائی تا وہ عورت یعنی نبوت اور اُس لڑکے کو یعنی دین خدا یا دین اسلام کو دنیا سے بہادے۔ مگر زمین یا مٹی نے اس ندی کو پی ڈالا۔ وہ مٹی حضرت ابوتراب کی ذات تھی جس نے شیطان کے عسکر کو جن میں قوم بنی امیہ اور دیگر دشمنان دین خدا شامل تھے اور جو ندی کی شکل میں دکھلائے گئے تھے جنگ بدر و احد و خندق و خیبر و حنین و غیرہ میں پامال کر ڈالا۔ ظاہر ہے کہ وہ مٹی حضرت خلفائے ثلاثہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حضرات غزوات حضرت رسولؐ سے فرار ہی کرتے رہے گویا کہ اس اژدہے کی ندی کے دھارے سے ہمیشہ بہ جایا کیے۔ لاریب مشاہدہ بالا کا مشاہدہ بالاحضرت یوحنا کا ایسا ہی ہے جو پورے طور پر اسلام کے دین خدا ہونے کا پورا جلوہ دکھلاتا ہے۔ حضرات عیسائی تقاضائے تعصب سے مشاہدہ بالا کا اول قول مطلب بتاتے ہیں۔ یہاں راقم کو حضرات عیسائی سے کوئی مباحثہ پیش نہیں ہے اس لیے ہم اُن کے کلام کی تردید کی ضرورت نہیں دیکھتے ہیں۔ یہاں ہمیں معاملات اسلامی سے بحث ہے۔ بہر حال راقم نے بالامین کافی طور پر صرف حضرت رسولؐ کی نبوت کو مشاہدہ حضرت یوحنا سے حق ثابت نہیں کر دیا ہے بلکہ حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے وجود باوجود سے بھی خبر دیدی ہے بلکہ یہ کہے کہ مشاہدہ یوحنا کے چاند کے مضمون سے حضرات چہارہ معصوم کے مضمون کو بھی حق ثابت کر دیا ہے۔ اب ایک اور مضمون ضروری راقم ذیل میں حوالہ قلم کرتا ہے۔

واضح ہو کہ بالامین حضرت یوحنا فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ایک بڑی آواز کو آسمان سے کہتے سنا کہ اب نجات اور قدرت اور ہمارے خدا کی سلطنت آئی اور اُس کے مسیح کا اختیار بھی۔ اس آواز کا مطلب یہ ہے کہ اب دین محمدی جو دین مسیحی کا مددگار اور کسی طرح پر دین مسیحی کا مخالف نہیں ہے آپہنچا اب نجات اور قدرت اور ہمارے خدا کی سلطنت آئی اور مسیح کا اختیار

یہ اس لیے کہ جب دین مسیحی اور دین محمدی دین خدا ہونے کی حیثیت سے دین واحد ہیں تو حضرت رسولؐ کے ذریعہ سے بندگان خدا کی نجات یابی اور دین خدا کا ہر طرح کا حصول قدرت اور خدائی سلطنت کی اقامت یہ سب ایسے امور ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہی کی جے کا حکم رکھتے ہیں۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی دین ایسا نہیں ہے کہ جس کو حضرت مسیحؑ کی نبوت سے اعتراف ہے۔ ایسا دین ہے تو اسلام ہی ہے۔ ورنہ مذہب یود مذہب بود مذہب زردشت مذہب جین مذہب ہنود وغیرہ وغیرہ سب کے سب مذہب حضرت مسیحؑ علیہ السلام سے پوری بے سروکاری رکھتے ہیں۔ یہودی خلاف توقع حضرت مسیحؑ سے انحراف رکھتے ہیں اس لیے حضرت مسیحؑ کی نبوت سے تامتر برسر کار ہیں۔ باقی دنیا کے دیگر ادیان کو مذہب مسیحی سے جیسی بے تعلقی ہے ظاہر ہے۔ صرف اہل اسلام ہی ہیں جو حضرت مسیحؑ کو خدا کا برحق بنی جانتے ہیں۔ اور حضرت مسیحؑ کی عظمت کے دل سے قائل ہیں پس آسمانی آواز کا زور و رون کے ساتھ یہ بجا کر کہنا کہ اب نجات اور قدرت اور ہماری خدائی سلطنت آئی اور اُس کے مسیحؑ کا اختیار بھی ہرگز خلاف توقع نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ اولوالعزم نبی نہ تھے اس لیے نہ کبھی انھیں تسلطارضی نصیب ہوا اور نہ کسی طرح کا اختیار۔ جب حضرت رسولؐ مبعوث ہوئے تو خدا تعالیٰ نے حضرت صلعم کو دینی اور دنیوی دونوں ریاستیں عطا فرمائیں اور ہر طرح کا دینی اور دنیوی اختیار بھی تفویض ہوا۔ تب نجات اور قدرت اور خدا کی سلطنت بلکہ ہر طرح کی نعمت دینی و دنیوی بھی آموجد ہوئی۔ پس ایسی حالت میں کہ حضرت مسیحؑ حضرت رسولؐ سے کوئی صلحدہ دین نہیں رکھتے تھے وہ بھی صاحب اختیار ہو گئے۔ پس جاننا چاہیے کہ حضرت رسولؐ کی آرایش دین حضرت مسیحؑ کی آرایش دین تھی۔ بالاختصار مشاہدہ بالا حضرت یوحنا کا تامتر محمدؐ حضرت رسالتا کی سے تعلق رکھتا ہے اور کسی عہد سے نہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت جو تفرقہ اسلام اور مذہب عیسائی کا دیکھا جاتا ہے اس کے جوابدہ ایسے شخص ہیں جنھوں نے حضرت مسیحؑ علیہ السلام کے دین کو خراب کر ڈالا ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں نے حضرت مسیحؑ علیہ السلام کے دین کو حضرت مسیحؑ علیہ السلام کا دین رہنے نہیں دیا ہے۔ ایسے سچیں وہی ارباب تثلیث ہیں جنھوں نے خدا کی توحید کو ایسا غارت کر رکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا دین خدا کا دین نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے اہل تثلیث نے بھی دین محمدیؐ کو ایسے رنگ میں رنگا ہے کہ وہ رنگ خدا کا رنگ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا امر جو مشاہدہ حضرت یوحنا میں دیکھا جاتا ہے وہ ذکرِ بیتے اور اُس کے خون کا ہے۔ حضرات عیسائی اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب کیا جانا مراد رکھتے ہیں۔ مگر حضرت یوحنا کے طرزیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیتے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں ہیں بلکہ ایسا کوئی اور تن مراد ہے جس کو مشاہدہ عورت حاملہ اور آفتاب اور چاند اور بارہ ستارے سے قلعن ہے۔ ایسا تن امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوحنا کا مشاہدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی کا بھی جلوہ دکھاتا ہے۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے اکثر حضرات مولوی توریت اور اناجیل سے کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اس پر بھی اُن سے بعض حضرات نے جو اُن مذہبی کتابوں کی سیر فرمائی ہے حضرت یوحنا کے مشاہدہ بالا کی نسبت نہایت راستی کے ساتھ اسی قدر رقم فرماتے ہیں کہ اس مشاہدہ سے حضرت رسولؐ کی نبوت نہایت اطمینان کے ساتھ حق ثابت ہوتی ہے مگر وہ حضرات چاند اور بارہ ستاروں کے مضمون کی طرف مطلق اپنی توجہ مبذول نہیں کر سکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ بیچارے تقاضاے مذہب سے مجبور رہے ہیں۔ لاریب ایسے مضمون کی طرف توجہ فرمانے سے اُن کے عقائد مذہبی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایسی حالت میں خاموش ہی رہ جانا ان کے لیے قرین صواب تھا۔ چُپ نہ رہ جاتے تو کیا کرتے۔ بہر حال حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی نبوت کے ساتھ ذکرِ حضراتِ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کا بھی توریت اور اناجیل دونوں میں آیا ہے لاریب یہ وہ ائمہ ہیں بقول حضرت رسولؐ کے کہ بارہ خلیفہ ہیں اور ایسے ہی ائمہ ہیں کہ ان کا منکر کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا ہے حضرت رسولؐ نے اپنے خلفا کا عدد بارہ ارشاد فرمایا ہے۔ چار خلفائے راشدین کا مضمون متاخر حضرات اہل سنت کا ساختہ ہے۔ یہ ہرگز فرمودہ حضرت رسولؐ کا نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جو افراد اہل اسلام سے افتراءِ مضامین دل سے گرختے گئے ہیں اور انھیں حضرت رسولؐ کی طرف منسوب کرتے گئے ہیں اور اسی طرح وہ افراد جو احادیث وضع کرتے گئے ہیں اور جن افراد نے حدیثیں وضع کرائی ہیں ایسے افراد اسی اثر دہشت کی نری کے مگر اور گھڑیاں ہیں جسے حضرت یوحنا نے اپنے مشاہدہ بالا میں دیکھا تھا اور اسی طرح تمام ایسے مسلمان جو حضرت رسولؐ سے مخالفت کرتے گئے ہیں یا ائمہ اثنا عشر پر ظلم روا رکھتے

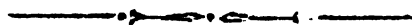
گئے ہیں یا اس وقت بھی ظلم روا رکھتے ہیں وہ بالیقین ایسے لوگ ہیں جو اسی اثر دہے کے
 منہ سے ندی کی شکل میں نکلے ہیں اور اس لیے تمام اسلام سے خارج ہیں اور دین خدا
 کے حقیقی دشمن ہیں۔ جائے غور ہے کہ خداے تعالیٰ تو حضرات ائمہ اشاعشر کو حسب مشاہدہ
 حضرت یوحنا نبوت کا سر تاج قرار دیتا ہے اور حضرت رسول اُن حضرات مقدس کو اپنا
 خلفا فرماتے ہیں مگر مخالفانِ آلِ محمد اُن حضرات گرامی کو غیر قابلِ اعتماد و خاطی مجاہلِ لیس
 بشیخ کا ذب مغزی اور بے علم قرار دیتے ہیں۔ کیا شک ہے کہ ایسے مخالفانِ حضرت ائمہ
 خاندانِ پیغمبر اسی اثر دہے کی ندی کے دہارے دکھائی دیتے ہیں جسے اُس نے نبوت کے
 بہاؤ اُن کے لیے منہ سے بہایا تھا۔ لاجول ثم لاجول۔ و نفوذ ثم نفوذ۔

اب راقم ذیل میں حضرت رسول کے اثباتِ نبوت میں حضرت یوحنا کے ایک
 اور مشاہدہ سے کچھ ضروری امور حوالہ ظلم کرتا ہے۔

واضح ہو کہ مکاشفاتِ یوحنا کے باب ۱۰۔ آیت ۵ لغایت ۷ سے ظاہر ہوتا ہے
 کہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے بعد حضرت یوحنا نے دیکھا کہ سات فرشتے تصور پھونکنے
 کے لیے کھڑے تھے۔ ایک ایک صدی کے فضل پر ہر فرشتہ نے اپنا اپنا زرنگھا پھونکا ساتون
 فرشتوں کے تصور پھونکنے پر ”خدا کا وہ پوشیدہ مطلب جس کی اس نے اپنی خدمت گزار
 نبیوں کو جو شخصیری دی تھی پورا ہو گیا“ واضح ہو کہ حضرت مسیح کے بعد چھ صدیاں گزر کر
 ساتون صدی میں حضرت رسولؐ کا ظہور ہوا ہے۔ اس سے زیادہ حضرت رسول کے
 ظہور کی کیا پیشین گوئی ہو سکتی ہے۔ حضراتِ عیسائی سے اس کا جواب چلتا نظر نہیں آتا
 ہے۔ اول فول کے سوا وہ حضرات کوئی محققانہ بات پر قادر دکھائی نہیں دیتے ہیں۔
 حق کہان تک چھپایا جاسکتا ہے۔ الحق یعلو ولا یغلی۔

اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ برنباس بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
 ایک حواری تھے۔ حضرت یوحنا کی طرح برنباس نے بھی ایک انجیل لکھی ہے۔ اس میں
 برنباس نے نہایت واضح طور پر حضرت رسولؐ کی نسبت پیشین گوئی کی ہیں۔ وہ بیانات
 ایسے ہیں کہ حضراتِ عیسائی اُن کی نسبت کسی طرح کی تاویل سے اپنا کام نہیں نکال
 سکتے ہیں۔ اسی بنا پر اُن حضرات نے اس انجیل کو متروک کر دیا ہے۔ مجھے ایک پادری
 صاحب نے اس انجیل کی نسبت یہ یقین دلانا چاہا تھا کہ وہ انجیل مسلمانوں کی تحریف کردہ

یا خود مسلمانوں کی ساختہ ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ نہ مسلمانوں نے اس میں کوئی
 تحریف کی ہے اور نہ مسلمانوں نے اُسے حوالہ قلم کیا ہے۔ وہ انجیل ویسی ہی ہے جیسی
 برنباس نے اُسے لکھی تھی۔ ظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ یوحنا کی انجیل نکلے لگائی
 جائے اور برنباس کی انجیل پس پشت ڈال دی جائے۔ ظاہر اس کے مردود کیے جانے
 کی وجہ اور کوئی نہیں معلوم ہوتی ہے الا یہ کہ اس سے حضرت رسولؐ کی نبوت نہایت
 واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔



ضمیمہ سب

روایت اقتدا وبالذین من بعدی بابی بکروچمر

واضح ہو کہ حضرات اہل سنت روایت بالا کو جس کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں میرے بعد تم لوگ ابوبکر اور عمر کے ساتھ اقتدا کرو یعنی میرے بعد تمھارے امام اور مقتدا ابوبکر اور عمر ہوں گے اور تم لوگ ابوبکر اور عمر کو امام اور مقتدا بنانا حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حضرت یحییٰ کی خلافت کو نفی طور پر برحق ثابت کرنا چاہتے ہیں اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اکابر علما اہل سنت کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہوا ہے کہ خلافت حضرات خلفائے ثلاثہ کی نفی حیثیت رکھتی ہے مگر اس وقت کے کچھ حضرات مولویان اہل سنت کے ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ جو خلافت بالا کو اجاعی ہونے کے علاوہ نفی بھی قرار دیتے ہیں اہل انصاف کی نظر میں روایت بالا بوجہ ذیل قول نبوی ہونے کی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ ایک ایسی وضعی روایت دکھائی دیتی ہے جو امیر معاویہ یا خلیفہ عبدالملک یا کسی دوسرے دشمن اسلام کے وقت میں گھڑی گئی ہے۔

وجہ اول۔ کسی اہل انصاف یا راست باز کے دماغ میں یہ بات جگہ نہیں کر سکتی ہے کہ مواقع بسیار میں حضرت علیؑ کو اپنا وزیر وصی و خلیفہ اور والے مومنین قرار دیکر حضرت رسول صلعم نے حضرت ابوبکر اور عمر کی شان میں یہ ارشاد فرمایا ہو کہ اے مسلمانوں میرے بعد تم لوگ ابوبکر اور عمر کو اپنا مقتدا یا امام بنانا۔ حضرت رسول سے ایسی قوی غلطی ظہور میں نہیں آ سکتی تھی صاف ایسا قول امیر معاویہ یا عبدالملک یا اور کسی بے ایمان کا وضع کرایا ہوا نظر آتا ہے لاریب واضح ایسی روایت کا مسلمان ہونہیں سکتا۔ اس لیے کہ ایسے واضح روایت کے دل میں حضرت رسولؐ کی عظمت ہونہیں سکتی۔ پناہ پناہ اور لاکھ بار پناہ بخدا۔

وجہ دوم۔ جب حضرت رسول حضرت ابوبکر سے مخاطب ہو کر یہ فرما چکے تھے کہ ابوبکر تمھارے دل میں شرک چھوٹی کی چال سے بھی باریک نہان ہے تو یہ ہونہیں سکتا تھا کہ ایسے صاحب شرک کی نسبت حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے حضرت رسولؐ حکم اقتدا صادر فرماتے تھے

اسی طرح حضرت رسول حضرت عمر کو بھی اپنی امت کا امام یا مقتدا قرار نہیں دے سکتے تھے جب آن صلعم جانتے تھے کہ حضرت عمر کو صلح حدیبیہ کے علاوہ اور وقتوں میں بھی شبہ فی النبوت کی بلاد منگی رہا کرتی تھی۔ یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ حضرت رسولؐ ایسے ناقص الایمان شخصوں کی اقتدا یا امامت کے لیے اپنی امت گرامی کو ہدایت فرماتے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ وہی حضرات اہل سنت کچھ عجیب حیرت انگیز خیالات کے گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن حضرات کے دل میں کوئی وقت یا عظمت حضرت رسولؐ کی جاگزین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ایسے نازیبا خیالات حضرت رسولؐ کی طرف منسوب کر دینا سچے مسلمان کا شیعہ ہو نہیں سکتا اگر حضرات اہل سنت کے دل میں کچھ بھی وقت یا عظمت خدا اور رسول خدا کی جگہ کے ہوتی تو نہ ہزاروں ہزار جھوٹی حدیثوں کو وجود میں لائے ہوئے ہوتے اور نہ اُن کے ایسے جائزہ دکھائی دیتے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ حضرت ابوبکر کی ناقص الایمانی اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر حضرت عمر کی طرح جنگ احد سے بھاگ نکلے اور حضرت خلیفہ صاحب کو یہ خبر ملی کہ حضرت رسولؐ شہید ہو گئے تو آپ بھاگے جاتے تھے اور پکار پکار کر فریاد کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ مارے گئے اب اسے قوم تم لوگ اپنے دین آبائی کی طرف رجوع کر جاؤ معاذ اللہ اگر خدایا برابر بھی دولت ایمان کی اور وقت دین خدا کی حضرت ابوبکر کے دل میں ہوتی تو ایسی کافرانہ ہدایت آپ مسلمانوں کو نہیں کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ بقول حضرت رسولؐ آپ کے دل میں شرک نہان موجود تھا جب وقت اس کے اظہار کا آگیا وہ شرک آپ کے دل سے اُچھل کر آپ کی زبان پر آ پہونچا۔ حضرت عمر کی ناقص الایمانی آپ کے بار بار کے فرار اور آپ کے ہر دم کے شہ فی النبوت سے اظہار من الشمس نظر آتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ عقل بادر نہیں کر سکتی ہے کہ حضرت رسولؐ نے ایسے ایسے ناقص الایمان حضرات کی اقتدا کے لیے ہدایت فرمائی ہوگی۔

وجہ سوم۔ حضرت رسولؐ ایک اولوالعزم نبیؐ تھے اور بہادری اعلیٰ درجہ کی آن صلعم کو محبوب ہوئی تھی۔ کسی غزوہ خدا سے آن صلعم نہیں بھاگے گو سخت زخمی بھی ہوتے گئے۔ کبھی آن صلعم سے بمقابلہ اعدائے دین کوئی نامردانہ فعل ظہور میں نہیں آیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت کی خلقی بہادری ہمیشہ حضرت کا ساتھ دیتی رہی۔ کوئی شک نہیں کہ خدا کا سچا نبیؐ بودا بزدل اور ترسندہ جان ہو نہیں سکتا۔ ایسے بہادر نبیؐ کے سچے جانشین حضرت ابوبکر

اور حضرت عمرؓ نے نہیں جاسکتے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے بچے جانشین کیونکر مانے جاسکتے ہیں۔ جب حال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جنگ بدر میں اسلام کی کچھ مدد نہ کر سکے۔ چپ چاپ حضرت رسولؐ کے نزدیک بیٹھ رہ گئے۔ حضرت رسولؐ توجہ نزل کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ تب حضرت ابوبکرؓ کیا کام کر رہے تھے حقیقت حال یہ ہے کہ وہ جناب جان کے خون سے حضرت رسولؐ کے نزدیک گھسے بیٹھے تھے مگر آپؐ کے اس فعل کو حضرات اہل سنت اس طرح رنگتے ہیں کہ آپؐ حضرت رسولؐ کی حفاظت میں مشغول تھے۔ راقم کہتا ہے کہ اگر ایسا ہی حفاظت کا خیال آپؐ کو مد نظر ہوا ہوتا تو جنگ احد میں حضرت رسولؐ کو شرمناک طور پر چھوڑ کر کیوں بھاگ نکلے پھر جنگ خندق میں کمان جا کر چھپ رہے۔ اس کے بعد جنگ خیبر میں فرار پر فرار کیوں اختیار کرتے رہے۔ تب جنگ حنین میں کیوں فرار کا خاتمہ کر ڈالا۔ کہیں بھی تو حضرت رسولؐ کی حفاظت نہیں کی۔ اس بار بار کے فرار سے کب کسی کو یقین ہو سکتا ہے۔ کہ جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ حضرت رسولؐ کی حفاظت کی نظر سے حضرت رسولؐ کے نزدیک گھسے بیٹھے رہ گئے حضرت عمرؓ نے توجہ جنگ بدر کی شرکت بھی نہیں کی۔ ایک نامعقول عذر کی بنا پر غزوہ بدر کے ثواب سے تمارت محروم رہ گئے۔ احد میں تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی طرح ایسے بھاگے کہ کوئی شریف ایسی بھاگ اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ جنگ خندق میں آپؐ حضرت ابوبکرؓ کی طرح کسی جائے محفوظ میں جا چھپے تھے۔ مگر جب ذوالفقار علیؓ کی بدولت اسلام کو فتح ہو گئی تو میدان جنگ میں شریفی لائے اور ایک بھاگتے ہوئے کا فرقہ تعاقب کیا۔ اس دشمن خدا نے جو دیکھا کہ عمرؓ تعاقب کنان آتے ہیں تو لوٹ پڑا اور آپؐ کو ایک ہلکا سا زخم لگا کر فرار ہو گیا۔ لاجول ولاقوہ ظاہر ہے کہ اگر آپؐ جانتے رہتے کہ وہ یعنی اس طرح پر لوٹ پڑے گا تو میدان جنگ میں شکست کفار کے بعد بھی قدم نہ رکھتے۔ خیبر اور حنین کی لڑائیوں میں آپؐ کے بار بار کے فرار سے ہر بڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخین کے تمام غزواتی معاملات ایسے ہی ہیں کہ آپؐ صاحبوں کی بڑی بزدلی اور ترسندہ جانی سے خبر دیتے ہیں۔ لاریب جبن تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ ممکن نہیں تھا کہ حضرت رسولؐ بھاگ شیخین کے حالات سے وقوف کامل رکھ کر مسلمانوں کو ایسی ہدایت فرما سکتے کہ میرے بعد تم لوگ ابوبکرؓ کے ساتھ اقتدا کیجیو۔

وجہ چہارم۔ حضرت رسولؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے

خوش نہیں رہتے تھے خاصکر حضرت عمرؓ سے جو بار بار نافرمانیوں کے مرتکب ہوا کرتے تھے۔ اپنے آخر وقت میں حضرت رسولؐ دونوں صاحبوں تکلف ہمیشہ اُسامہؓ کی بنا پر بیدار راض ہو گئے تھے یہاں تک کہ آن صلعم نے تغلفان ہمیشہ اُسامہؓ کو زوروں کے ساتھ ملعون خدا قرار دیا تھا۔ پس عقل باور نہیں کرتی ہے کہ حضرت رسولؐ نے مسلمانوں کو اپنے نافرمانوں کی اقتدا کرنے کی ہدایت فرمائی ہوگی

وجہ پنجم۔ حضرت رسولؐ کو اپنے علم نبوت کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ منافقین سے کیا کیا کرتیں آن صلعم کے بعد ظہور میں آئیں گی۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ سے فرمایا تھا کہ خدا جانے کیا کیا امور تم لوگوں سے میرے بعد حادث ہوں گے۔ حضرت رسولؐ کا فرمودہ غلط نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت رسولؐ کے رحلت فرماتے ہی حضرت شیخین ثقیفہ کی طرف دوڑ نکلے جس سے ثقیفہ میں دین خدا اور خاندان پیمبرؐ کی تخریب کا تخم بویا گیا۔ حضرت شیخین نے خلافت کی باگ ہاتھ میں لیکر جس قدر دین خدا کو برباد کر سکتے تھے برباد کر ڈالا۔ حضرت علیؓ پر سخت جفائیں روا رکھیں۔ حضرت فاطمہؓ کے گھر کو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے جلوا دیا۔ اس مظلومہ کو حضرت عمرؓ نے نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑا مارا۔ اس مظلومہ کی دو پسلیاں غلام کے ہاتھ سے توڑوا ڈالیں۔ اس مظلومہ کے شکم مبارک پر حضرت عمرؓ نے ایسی ضرب لگائی کہ محسن کا محل ساقط ہو گیا جس سے وہ جناب بیمار ہو کر تھوڑے عرصہ میں رحلت فرما گئیں اس کے بعد حضرت شیخین نے اس مظلومہ کی جائداد مذک کی چھین لی اور خمس بھی اس مظلومہ پر بند کر دیا۔ پھر حضرت شیخین نے بنی امیہ کو جو حضرت پیمبرؐ اور خاندان پیمبرؓ کے دشمن سخت تھے اور جنہیں حضرت رسولؐ نے دس برس کی محنت شاقہ سے زیر و زبر کر ڈالا تھا سرنو سے صرف تروتازہ نہیں کر ڈالا بلکہ اس قبیلہ ملعونہ کو ایسی راہ پر لے آئے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں وہ قبیلہ ساری اسلامی دنیا کا مالک ہو کر دین اسلام کا بھی ستراج ہو گیا۔ حضرت شیخین کی ایسی ہی کارروائیوں کا ایک صریح نتیجہ واقعہ کر بلا بھی ہوا اور وہ ساری امام کشیان ہیں جو امام حسنؓ عسکری علیہ السلام تک ظہور میں آتی ہیں اور بھی لاکھوں سادات اور دوستان خاندان پیمبرؓ کے خون صدیوں تک بہا کیے اور آج تک بھی اسلامی دنیا عداوت خاندان پیمبرؓ سے پاک نہیں ہوئی ہے۔ پس عقل دم بھر کے لیے نہیں مان سکتی ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت شیخین کے اقتدا کے کبھی مسلمانوں کو قولا یا فعلاً ہدایت کی ہو۔

وجہ ششم۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر ایسے خوش اطوار نہیں تھے کہ حضرت رسول اُن صاحبوں کو اپنی امت کے لیے امام یا مقتدا قرار دیتے۔ حضرت ابوبکر بڑے گالی بکنے والے تھے۔ حضرت رسول کا خلیفہ اور سب ابداً شئی عجیب حضرت عمر کو تو خوش اطواری سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ دشت کوئی ورنست خوبی میری اور سنگدلی وغیرہ وغیرہ تو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ مارل (mamul) بھی آپ کا آپ کے فرزند عبداللہ ابن عمر کی طرح اچھا نہیں تھا جیسا کہ آپ کے قول **حَوَّلْتُ رَحْلِي الْفِيلَةَ** سے معلوم ہوتا ہے۔ اس عادات اور مذاق کا آدمی دنیا کے کسی دین کا سردار نہیں مانا جاسکتا ہے تب اسلام کا سردار کیونکر مانا جاسکتا ہے۔

وجہ ہفتم۔ ہر چند حضرات اہل سنت کے کچھ مولویان وقت حضرت شیخین کو حضرت رسول کے رضی خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ مگر خود حضرت ابوبکر اپنے کو رضی خلیفہ نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حساب نہایہ یعنی ابن اثیر جردی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ آیا آپ خلیفہ بعد الرسول ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ”کَا“ اور ملا طاهر گجراتی کی کتاب مجمع بحار الانوار میں بھی یہی مضمون دیکھا جاتا ہے جو حضرات اہل سنت حضرت ابوبکر کی خلافت کو رضی قرار دیتا چاہتے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کی اجماعی خلافت کو وزن دار نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ بیچارے دیکھتے ہیں کہ رضی ثابت کیے بغیر آپ کی خلافت مہ قفع انداز کی دکھلائی نہیں دے سکتی ہے۔ مگر اسکا کیا جواب ہے کہ خود حضرت ابوبکر اپنی خلافت کو رضی نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ بالا میں حوالہ قلم کیا گیا ہے۔ جاے لحاظ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کوئی رضی دلیل رکھتے تو ثقیفہ کے ہر گامہ کے وقت **الائمة من القوم** فرماتے پر قناعت نہیں فرماتے **اقتدوا بالذین من بعدی** بابر و عمر کو بطور دلیل ضرور بالضرور پیش کرتے۔ مگر چونکہ آپ کے وقت تک یہ قول وجود پذیر ہی نہیں ہوا تھا پیش فرماتے بھی تو کمان سے پیش فرماتے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ آپ کے جانشینوں میں امیر معاویہ اور خلیفہ عبدالملک نے بڑا اہتمام وضع احادیث کا کیا تھا۔ ان جبارین زمانہ کے وقتوں میں ہزاروں ہزار حدیثیں وضع کر لی گئی ہیں جن سے تین لاکھ حدیثیں تو صرف امام بخاری صاحب کو یاد تھیں۔ بہر حال یہ حدیث **اقتدوا بالذین من بعدی** کی ہی موضوعات سے دکھائی دیتی ہے اور درحقیقت حضرت رسول پر ایک اتہام کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ مخالفانِ خانہ ان پیغمبر نے امیر معاویہ اور خلیفہ عبدالملک کے حکم سے جھوٹی حدیثوں کا طومار لگا دیا ہے جو بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ ہکومتین لاکھ وضعی حدیثیں یاد ہیں۔ اسی طسج

امیر معاویہ کے حکم نامہ دوم سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وضعی حدیثوں کی فراہمی کی طرف امیر صاحب بڑی توجہ مبذول رکھتے تھے۔ آپ اس حکم نامے میں فرماتے ہیں کہ ”شیعیان علی میں سے کسی کی گواہی قبول نہ کی جائے اور شیعیان عثمان اور محبان عثمان اور وہ لوگ جو ان حضرت خلیفہ کے لیے فضائل و مناقب گڑبھٹتے ہوں تلاش کیے جاویں“۔ معاذ اللہ ایسی کذب پروری کے بعد بھی امیر معاویہ صاحب حضرات اہل سنت کے خلیفہ خپسم بنے بیٹھے ہیں اور ان کے فرمانبرداران گزشتہ و حال مسلمان سمجھے جاتے ہیں اور ان کی خلافت لاحول و لا قوۃ اسلامی خلافت سمجھی جاتی ہے۔ وافی حضرات اہل سنت ایک حیرت انگیز مذہب رکھتے ہیں عقل باور نہیں کر سکتی ہے کہ جس دین کے امیر معاویہ و دیگر دشمنان آل محمدؐ پابند تھے وہ دین حضرت رسولؐ کا دین ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ حضرت ابوبکر خلیفہ فضی تھے بار جماعی سکی تحقیق سرگزشت ذیل سے یہی بخوبی ہوتی ہے۔

جب حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پاسے تو آپ نے اسامہ کو ایک خط اس طرح پر لکھا کہ خلیفہ رسول ابوبکر بن ابی قحافہ کی جانب سے اسامہ بن زید کو معلوم ہو کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے مجھے اہل سمجھک امارت اور خلافت پر نصب کیا وغیرہ وغیرہ، اسامہ نے جواب میں لکھا کہ اسامہ بن زید کی جانب سے ابوبکر کو واضح ہو کہ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے مجھے اہل سمجھک خلافت اور امامت کے لیے مقرر کیا ہے میں اگر تم حضرت رسولؐ کے خلیفہ ہو تو لوگوں کو تمہیں خلیفہ مقرر کرنے کا کیا حق حاصل ہے اور اگر لوگوں نے تمہیں خلافت کے لیے اہل سمجھ لیا ہے تو پھر تم امامت کے خلیفہ ہوئے خلیفہ رسولؐ نہ ہوئے۔ لاریب اگر حدیث اقتل و ابالذین کی قول نبوی ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ اس سے ضرور محبت پکڑا کرتے۔ اس سے میں بطور پرتابت ہوتا ہے کہ حدیث بالا موضوع ہونے کی حیثیت رکھتی ہے کوئی شک نہیں کہ روایت بالا ساختہ کسی واضح حد علیہ اللعن کی ہے اور ہرگز ارشاد نبوی کا شرف نہیں رکھتی ہے

وجہ ہشتم۔ روایت بالا کچھ ایسی بدقرینہ شکل رکھتی ہے کہ اس کا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے بیاب وقت دو امام یا دو مقتدا کی تعین اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اگر واقعی روایت بالا حضرت رسولؐ کی فرمودہ ہوتی تو ایسا سقم اس حدیث میں نہیں پایا جاتا۔ حضرت رسولؐ کی ہر بات وحی کا انداز رکھتی تھی اور اس کے معنی اسقام سے پاک ہوتی تھی۔ صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ روایت کسی خود غرض ملحد شناس مخربین کی گڑھی ہوئی ہے۔ اندھوں کو بوجھائی نہ دے نہ دے گڑھا بھیت ایسے قول کو قول نبوی نہیں مان سکتے

ضمیمہ ۳۸

کیا شیعیاں علی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا تھا؟

صوبہ بہار میں بھی کچھ ایسے حضرات ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام شیعیاں علی تھے۔ ایک صحبت میں ایک سنی صاحب جو دنیاوی پہلو سے صاحبِ ثروت ہیں مگر دینی امور سے تامتر بے خبری رکھتے ہیں یہ فرما رہے تھے کہ شیعہ دلاے اہلبیت کا دعوے رکھتے ہیں مگر قاتلان امام حسینؑ تو شیعیاں علی ہی تھے۔ اس استہزا کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مخالف اہل بیت کی غلط بیانی نے انھیں اس طرح کی غلط خیالی میں مبتلا کر دیا تھا۔ معاذ اللہ خاندانِ پیغمبر سے بعضوں نے جیسے بگوش وغیرہ میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شیعیاں حضرت علیؑ نے حضرت امام علیہ السلام کو شہید کیا تھا۔ واقعہ کربلا کے معاملات اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اہل انصاف کی نظر میں اس واقعہ کی ابتدا معاملاتِ ثقیفہ سے ہوتی ہے اگر ثقیفہ کا ہنگامہ ظہور نہیں کرتا اور خلافت حضرت ابوبکر پر قائم نہیں ہو جاتی تو نہ حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا و آلہا کی حیاں جاتی اور نہ قتلِ محسن کی شکل پیدا ہوتی نہ حضرت علیؑ کی شہادت ظہور میں آتی نہ حضرت امام حسنؑ مسموم کیے جاتے نہ معاملہ کربلا وقوع میں آتا نہ امام زین العابدینؑ سے لیکر امام حسنؑ عسکری تک شہادتِ نوش فرماتے نہ اس کثرت سے سادات کشانِ نفع میں آتیں اور نہ ہزاروں ہزار دستانِ اہلبیت کی جانیں انواعِ طرح کی عقوبتوں کے ساتھ تلف ہوتیں اسی طرح نہ مذہبِ زید بن ثابت کو وجود ہوتا اور نہ دینِ ہدایت رسول میں طرح طرح کے رخنے ڈالے جاتے یہ سب خبیثانِ اقسام طرح سے ہمیں ہلاکتی ہنگامہ ثقیفہ کے نتائج ہیں۔ حضرت ابوبکر کے خلیفہ قرار پاتے ہی قبیلہ بنی امیہ میں ایک بیجان کی صورت پیدا ہو گئی۔ ابوسفیان سردار قبیلہ بنی امیہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت سے نفع اٹھانا چاہا اور وہ صاحب اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت شیخین نے اپنی قائم خلافت کو بربادی سے بچانے کی نظر سے ابوسفیان کو حاکمِ شام بنا دیا۔ ابوسفیان پہرہٴ رسالی کی وجہ سے خود شام جانے سکے مگر اپنی جگہ پر اپنے بڑے بیٹے یزید ابن ابی سفیان کو اس حکومت پر روانہ کر دیا۔ بڑے بھائی کی نیابت میں معاویہ ابن ابوسفیان بھی شام کو تشریف لے گئے

یزید ابن ابی سفیان کوئی قابل آدمی نہ تھا اس لیے شام کی حکومت کے سب کام معاویہ صاحب
 انجام دیتے تھے۔ یزید ابن ابی سفیان صرف چار برس زندہ رہا یعنی دو برس عہد حضرت ابوبکر
 اور دو برس عہد حضرت عمر تین۔ اس کے مرنے پر حضرت عمر نے معاویہ بن ابی سفیان کو مستقل حاکم شام
 مقرر کر دیا۔ معاویہ صاحب چونکہ ایک پُر تدبیر آدمی تھے اور حضرت عمر کے ساتھ مناسبت طبعی
 بھی رکھتے تھے حکومت شام کو حضرت عمر کے مطلب کے موافق انجام دیتے رہے۔ جب
 حضرت عمر کا زمانہ ختم ہو گیا تو حضرت عثمان حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق خلیفہ قرار دیے گئے
 حضرت عثمان کے زمانہ میں قبیلہ بنی امیہ کا اقبال فلک ہفتم کو جا پہنچا قبیلہ بنی امیہ کی ساری قیام
 تمام تر حضرت عمر کی دستگیری کی مرہون دکھائی دیتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو بنی امیہ
 اُسی حالت ابتذال میں پڑے رہ جاتے جس ابتذال میں حضرت رسول انھیں چھوڑ کر رحلت
 فرما گئے تھے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی امیہ اپنے افعال و کردار کی وجہ سے دنیا کی بدترین
 خلافت کا حکم رکھتے تھے۔ وہ قبیلہ ملعونہ حضرت رسول اور قبیلہ بنی ہاشم کا ایک دشمن صعب
 تھا۔ آن صلعم کو صرف مکہ میں ملاعین بنی امیہ نے چین سے رہنے نہ دیا بلکہ مدینہ میں بھی وہ قبیلہ
 ناپاک اپنی خصومت سے باز نہیں رہا۔ آن صلعم کو ابتدا سے قیام مدینہ ہی سے اشتر بنی امیہ
 پریشان کرتے رہے پہلے جنگ بدر ظور میں آئی تب جنگ احد تب جنگ خندق جنگ حنین
 میں بھی بنی امیہ اعدائے حضرت رسول کے ہوا خواہ بنے رہے۔ اگر ان غزوات میں سے کسی
 غزوہ میں بھی حضرت رسول کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا نام پھر دنیا میں سُنا نہ جاتا۔ مگر حضرت
 رسول کی قابلیت سپہداری اور حضرت علی کے زور بازو نے اسلام کو محروم ہونے نہ دیا
 مختصر یہ ہے کہ حضرت رسول نے دس برس کے عرصہ میں بنی امیہ کی ایسی خیر لی کہ اُن
 مردودانِ خدا و رسول میں کسی قسم کی شرارت کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ حق یہ ہے کہ
 حضرت رسول نے بنی امیہ کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ لیکن اگر حضرت شیخین یا یہ کہیے کہ حضرت عمر
 نہ ہوتے تو ابد الابد تک وہ قبیلہ برجنبت بتلا سے ابتذال رہ جاتا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت
 ابوبکر بقول سرسید احمد خان مرحوم ایک نام کے بزرگ تھے جو کچھ کرتے دھرتے تھے حضرت عمر
 کرتے دھرتے تھے۔ حضرت عمر کو قبیلہ بنی امیہ کے سرخسے ترو تازہ کر ڈالنے کی دو وجہیں
 ہوئیں۔ اول یہ کہ بنی امیہ کو ملا لینے کے بغیر آپ کی قائم کردہ خلافت برقرار نہیں رہ سکتی تھی
 دوم یہ کہ خاندانِ پیغمبر اور قبیلہ بنی ہاشم کا چور کر ڈالنا قبیلہ بنی امیہ کے بغیر صورت امکان

نہیں رکھتا تھا۔ ان دونوں غرضوں کے تقاضا سے حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو حاکم شام بنا ڈالا اور معاویہ ابن ابی سفیان حضرت عمرؓ کی غرضوں کو پورا کر ڈالنے کے ایک عمدہ آلہ ثابت ہوئے۔ مزید اطمینان کی نظر سے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو بھی خلیفہ وقت بنا چھوڑا جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری اسلامی دنیا بنی امیہ کی مطیع اور فرمانبردار ہو گئی اور خاندان پیمبرؐ اور قبیلہ بنی ہاشم بڑے گھائے میں پڑ گئے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ یہ اسباب ظاہر جو خلیفہ قرار بھی پائے تو خاندان پیمبرؐ اور بنی ہاشم جو مبتلائے ضعف ہو چکے تھے ویسے ہی حنیف رہ گئے حقیقت حال یہی ہے کہ حضرت عمرؓ بنی امیہ کو ایسا قوی کر گئے تھے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت علیؓ کو خلافت سے دست بردار ہونا پڑا حضرت علیؓ کے بعد امام حسن علیہ السلام خلیفہ قرار پائے بھی تو فوراً آپ کو خلع خلافت کی نوبت پہنچ گئی اور معاویہ حضرات اہل سنت کے خلیفہ پنجم قائم ہو گئے حضرت عمرؓ کو خاندان پیمبرؐ اور قبیلہ بنی ہاشم کے تباہ و ضعف کر ڈالنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا کہ قبیلہ بنی امیہ جو حضرت رسولؐ کی خوش تدبیری سے مردہ ہو چکا تھا سر نو سے زندہ کر ڈالا جائے کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ ایک خوش تدبیر و بزرگ تھے آخر اپنی خوش تدبیری سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ اسی پُر تدبیری کی بدولت حضرت عمرؓ نے خاندان پیمبرؐ کے دین سے ایک علیحدہ دین بھی قائم کر لیا جو اس وقت مسلمانان غیر بنی ہاشم کا دین ہو رہا ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنے دین کی اشاعت حضرت عمرؓ نے زید ابن ثابت کے ذریعہ سے کی اور مذہب زید ابن ثابت وہی دین ہے جو بعد امیر معاویہ کے مذہب اہل سنت والجماعت کے نام سے شہرت پذیر ہو گیا۔ یہ دین تمام تر دین خاندان پیمبرؐ سے علیحدہ رنگے رکھتا ہے یہاں تک کہ دین خاندان پیمبرؐ کے خدا سے زید ابن ثابت کے دین کا خدا بھی علیحدہ انداز رکھتا نظر آتا ہے۔ دونوں دین مرج البحرین لایلتقیان کا نقشہ دکھلا رہے ہیں اور تاقیات اُن کا یہی نقشہ قائم رہیگا۔

اب راقم شیعیان علیؓ کی حقیقت حوالہ قلم کرتا ہے

شیعیان علیؓ سے مراد وہ بزرگوار ہیں کہ جنہوں نے حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ کی پیروی دل سے کی اور آپ کے احکام پر عمل کیا سقیفہ کے ہنگامہ سے الگ رہے۔ حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافتوں کو باطل سمجھتے رہے اور ہر چند

خلافتوں کی جانب سے اُن پر طرح طرح کی جنائین ہوتی رہیں مگر حضرت علیؑ کی طرفداری سے باز نہ آئے۔ اسی طرح جب امیر معاویہ نے حضرت علیؑ سے بغاوت کی تو شیعیان علیؑ نے دنیا طلبوں کا ساتھ نہیں دیا اور ولایت شاہ مردان پر استوار رہ گئے۔ ان کا مذہب بھی مذہب علیؑ اور دوستانہ بنی ہاشمؑ کا یعنی مذہب زید بن ثابتؑ سے بھی جو دین قائم کردہ حضرت عمرؓ کا تھا تا مترتب لگاؤ رہے حضرت علیؑ کے عہد کے جتنے بنی ہاشمؑ اور دوستانہ اران بنی ہاشمؑ تھے شیعیان علیؑ سے تھے اور غیر بنی ہاشمؑ میں ممتاز شیعیان علیؑ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت مقدادؓ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت حبیب ابن مظاہرؓ گزرے ہیں۔ ایک ایک ان میں دین حضرت رسولؐ کے آفتاب تھے اور حضرت علیؑ کی خلافت کے سوا کسی خلیفہ کی خلافت کو برحق نہیں جانتے تھے۔ غیر شیعیان علیؑ میں حضرت خلفائے ثلاثہ امیر معاویہ اور جمیع مخالفان اہل بیت علیہم السلام داخل تھے۔ اب ایسے عقیدہ رکھنے والے کہ شیعیان علیؑ نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو شہید کر دیا بتلائیں کہ کون کون شیعیان علیؑ اس فعل قبیح کے مرتکب ہوئے۔ علم تاریخ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ زید ابن معاویہ نے اپنے پیروان کے ذریعہ سے حضرت امام علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ کیا زید شیعیان علیؑ سے تھا یا اس کے کارکنان ابن زیاد عمر سعد خمر خولی حرمہ وغیرہ وغیرہ شیعیان علیؑ سے تھے؟ پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سب مذہب عمری یعنی مذہب زید بن ثابتؑ کے پابند تھے۔ اس لیے کھلے کھلے طور پر پسنی المذہب تھے بلکہ یہ کہیں کہ شیعیان عمرؓ تھے۔ ظاہر ہے کہ اہل سنت یا شیعیان عمرؓ کسی حال میں شیعیان علیؑ نہیں کہے جاسکتے ہیں۔ حضرت امام علیہ السلام کے زمانہ کا اسٹیٹ ریلیجن (State Religion) یعنی حاکمی مذہب سنی قرار پاچکا تھا۔ صرف بنی ہاشمؑ اور دوستانہ اران علیؑ و دوستانہ اران بنی ہاشمؑ مذہب علیؑ رکھتے تھے مگر کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ قاتلان امام علیہ السلام مذہب علیؑ رکھتے تھے پس قاتلان امام علیہ السلام اہل سنت ہونے کے سوا یعنی شیعیان عمرؓ ہونے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے

واضح ہو کہ علم تاریخ کے رور سے واقعہ کر بلا کی شکل نظر آتی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو امیر معاویہ نے زہر دیا تو اگر شہید کر ڈالا تو امیر صاحب اس فکر میں ہوئے کہ اب حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا کام بھی جلد تمام کر ڈالیں مگر موت نے امیر صاحب کو اس کا رخصت کی ہمت نہ دی۔ آپؑ کی رحلت کے بعد آپؑ کا فرزند رشید زید بن ابیہ آپؑ کا جانشین ہوا اب اگر پتہ نہ ہو تو ان کے

کے فحوا سے اُس نے باپ کی تنہا کو پوری کرنا چاہا۔ اس غرض سے اپنے حاکم مدینہ کو یہ لکھ بھیجا کہ امام علیہ السلام سے بیعت طلب کرے۔ حضرت امام حسین نے یزید علیہ اللعن کی بیعت سے انکار فرمایا۔ تب حسب ہدایت یزید پلید حاکم مدینہ کی طرف حضرت امام علیہ السلام پر طرح طرح کی سختیاں ہونے لگیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اگر حضرت امام علیہ السلام کو فہ کو نہ چلنے تو آپ کو مدینہ ہی میں شہادت نصیب ہو جاتی۔ حاکم مدینہ کا رنگ دیکھ کر حضرت امام علیہ السلام اول مع اہل و عیال مکہ کو چلے گئے۔ جب مکہ میں بھی اُس جناب کو اس کی صورت نہیں نظر آئی تو آپ نے مکہ سے سفر کو پھر اختیار فرمایا۔ آپ کی غرض سفر کو جرمنی حکیم متیسو مارمین نے خوب لکھا ہے۔ حضرات ناظرین حکیم موصوف کی تحریر کو جو اس کتاب میں داخل کر دی گئی ہے بغور ملاحظہ فرما دیں۔ اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ کیا عرض حضرت امام علیہ السلام کی سفر کو فہ سے علی حضرت امام علیہ السلام نے یہ سفر ملک گیری یا حصول دنیا کی نظر سے نہیں اختیار فرمایا تھا جیسا کہ بدخواہان حضرت امام علیہ السلام نے حوالہ قلم کیا ہے۔ غرض اس سفر کی یہ تھی کہ اپنے کو فہ یہ دیکر حضرت امام اپنے جد محترم کے دین کو جسے مخالفان خاندان پیسیر خاص کر جبارین بنی امیہ نے خراب کر ڈالا تھا تب ہی سے بجا لین جب آپ کی روانگی کی خبر یزید پلید کو پہونچی تو اس نے ابن زیاد کو لشکر کافی کے ساتھ کو فہ کی طرف بھیجا تاکہ حضرت امام علیہ السلام کو گرفتار کرے اور اگر حضرت امام علیہ السلام لشکر یزید کا مقابلہ کر بیٹھیں تو آپ کو شہید کر ڈالے۔ حضرت امام نے مصلحت دینی کو ملحوظ رکھ کر لشکر یزید کا مقابلہ فرمایا اور شہادت یاب ہو گئے۔ کسی کتاب سے اس کا پتہ نہیں لگتا ہے کہ شیعیان علی نے حضرت امام کو شہید کر ڈالا یا شہید کروا ڈالا۔ کچھ لوگ اہل کو فہ سے ایسے ضرور تھے کہ جنہوں نے حضرت امام علیہ السلام کو کو فہ کی طرف خطوط لکھ کر مدعو کیا تھا۔ مگر لشکر یزید کے آجانے کے بعد وفاداری پر قائم نہیں رہ سکے۔ اگر ایسے لوگوں سے مراد مخالفان حضرت امام کی شیعیان علی ہے تو اُن اہل خلافت کی مہٹ دھرمی ہے۔ اگر واقعی ایسے لوگ شیعیان علی ہوتے تو اُن کو حضرت امام کی ہوا خواہی میں جان دیدینا دشوار نہ ہوتا۔ ہرگز ہرگز اُن کے استقلال میں فرق نہ آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کو فہ یا منافقانہ انداز رکھتے تھے یا حکومت وقت سے مقابلہ تاب نہیں لاسکے۔ دونوں حالتوں میں ایسے افراد شیعیان علی نہیں کہے جاسکتے ہیں۔ خیر اہل کو فہ جو کچھ ہوں مگر قاتل حضرت امام علیہ السلام کا یزید ابن معاویہ کھلے کھلے طور پر دکھائی دیتا ہے جس کے حکم کے بجالانے والے ابن زیاد وغیرہ وغیرہ تھے۔ کوئی ذی حواس یزید یا اس کے کارکنان کو شیعیان علی

نہیں کہہ سکتا ہے یزید اور اس کے لشکریان و اعران و انصار سب کے سب اہل سنت سے تھے۔ اہل سنت کا مذہب وہی مذہب تھا اور ہے جس کے بانی زید بن ثابت کے ذریعہ سے حضرت عمر ہو چکے تھے اور جس کا نام مذہب اہل سنت و الجماعت یزید کے وقت میں پھچکا تھا پس جب یزید نے اپنے لشکریوں کے ذریعہ سے حضرت امام علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام علیہ السلام اہل سنت کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ پس شیعیمان علی کی طرف قتل حضرت امام علیہ السلام کی نسبت کیونکر کیجا سکتی ہے۔ اسپر بھی اگر حضرات اہل سنت کو یہ اصرار ہے کہ قاتلان حضرت امام علیہ السلام شیعیمان علی تھے تو شیعیمان علی سے کسی ایک کا نام بھی ایسے الزام دینے والے بتلاویں۔ حق یہ ہے کہ واقعہ کر بلا اہل سنت کے ہاتھ سے وقوع میں آیا ہے۔ اس وقت کے اہل سنت ثابت کرتا چاہتے ہیں کہ قاتلان امام علیہ السلام شیعیمان علی تھے اہل سنت نہ تھے۔ لاحول ثم لاحول بہر حال اب دیکھنا چاہیے کہ قتل امام علیہ السلام کی نسبت درحقیقت کس کی جانب حق کے ساتھ کیجا سکتی ہے۔ تب اس نسبت کے سزاوار تمامر حضرت عمر دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے کہ آپنے معاویہ کو معاویہ بنا ڈالا۔ آپ کی بدولت اسلامی دنیا کی حکومت بنی اُمیہ کے ہاتھ میں جا پہنچی اگر معاویہ کو آپ حکومت بلا د اسلام کی راہ پر نہیں لے آتے تو کسی وقت یزید درجہ خلافت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حق یہ ہے کہ آپ نے ہنگامہ سقیفہ کو برپا کر کے حضرت امام علیہ السلام کو سقیفہ کے اندر شہید کر ڈالا۔

چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

کوئی شک نہیں کہ ایک ہنگامہ سقیفہ سے آپ طرح طرح کی بلائیں اسلام کے سر لائے۔ آپ اگر وجود میں نہیں آئے ہوتے تو نہ مذہب اہل سنت کو ظور ہوا ہوتا اور نہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت وقوع میں آئی ہوتی۔ یوں یہ ظاہر قاتل امام علیہ السلام یزید پلید نظر آتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اصل قاتل امام علیہ السلام کے حضرت عمر گزرے ہیں جنہوں نے معاویہ کو معاویہ اور بنی اُمیہ کو بنی اُمیہ بنا ڈالا اور نہ حضرت رسول نے قبیلہ بنی اُمیہ کی حیثیت ہی کیا باقی رکھی تھی۔ جو معاویہ صاحب حضرت امام حسن علیہ السلام کو قتل کر ڈالتے یا یزید پلید امام حسین علیہ السلام کا کام تمام کر ڈالتا ہے

گرچہ تیر از کمان ہمی گزرد از کماندار میند اہل حسد

اے صبا این گل آورده تست۔ حضرت عمر کے معاملات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلعم کے دین سے آپ نے ایک علیحدہ دین قائم کر ڈالا ہے اور آپ کی بیعت کرنے والے حضرات اہل سنت ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر مذہب علی کے نام لیوا دنیا میں باقی نہیں رہ جاتے تو حضرت محمد کا دین صفیہ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ تعجب ہے کہ حضرات اہل سنت کی طرح طرح کی بے عنوانیوں کے بعد بھی حضرت محمد صلعم کا دین معدوم نہیں ہو گیا ہے ورنہ خود حضرت عمر اور شعیان حضرت عمر نے دین حضرت محمد صلعم کے معدوم کر ڈالنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے۔ یہ صرف شانِ کبر پائی ہے کہ ایجاد دین زید ابن ثابت اور قتل امہ خاندان پمپیر کے بعد بھی دین محمدی معدوم نہیں ہو سکا۔ اس وقت تک نسل حضرت محمد صلعم کی باقی ہے اور اس نسل پاک میں حضرت محمد کا دین بھی جاری ہے۔ امید ہوتی ہے کہ نسل و دین محمد صلعم کو قیامت بقا کی شکل رہیگی بفضلہ وینہ تعالیٰ۔

دشمن چہ کن چو مہربان باشد دوست

ضمیمہ ۳۹

حضرات اہل سنت امت محمدی ہین یا امت عمری؟

سوال بالا کا جواب راقم کے نزدیک تقاضاے دین و ایمان کے رو سے اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا کہ حضرات اہل سنت امت عمری ہین امت محمدی نہیں ہین ایسے جواب کی توجیہ راقم کی تحریر ذیل سے حضرات ناظرین پر روشن ہوگی۔

توجیہ جواب بالا کے حوالہ قلم کرنے کی غرض سے ضرور ہے کہ راقم پہلے حضرت عمر کے اُن تعلقات کو عرض کرے جو درمیان آپ کے اور حضرت رسول کے حائل تھے کتب سیر و تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت رسول نے مکہ میں اپنے امر رسالت کو کفار قریش پر ظاہر فرمایا تو اُن کفار کو حضرت رسول سے ایک عداوت سخت پیدا ہو گئی اور حقیقت حال یہ ہے کہ اگر وجود باوجود حضرت ابوطالب کا نہ ہوتا تو حضرت رسول کی جانبی شکل امکان نہیں رکھتی تھی۔ حضرت ابوطالب حضرت رسول کی حفاظت کی نظر سے حضرت رسول کو شعب ابوطالب کو لینگے۔ حضرت علی بھی ساتھ گئے۔ شعب ابوطالب میں حضرت ابوطالب تین سال تک محصور رہے اور ہر طرح کی ایذائیں کفار قریش کے ہاتھوں سے اٹھاتے رہے۔ شعب ابوطالب کے جانے کے پہلے چند نفوس حضرت رسول پر ایمان لا چکے تھے۔ اُن میں حضرت عمر بھی تھے مگر اُن ایمان لانے والوں سے ایک نے بھی اُس تین سال کے عرصہ میں اتنا بھی نہیں پوچھا کہ حضرت رسول جیتے ہین یا مرتے ہین۔ اکیلے حضرت ابوطالب جبل میں حضرت رسول کے محافظ اور نگران حال رہے۔ البتہ حضرت علی حاضر خدمت رہے اور اس میت سے بہت کچھ تعلیم دینی و روحی پاتے رہے۔ کچھ بنی ہاشم بھی شعب ابوطالب کی طرف آیا جایا کرتے تھے اور حضرت ابوطالب کی مدد کیا کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ حضرت عمر نے بھی کچھ پرسش حال نہیں کی۔ تین سال تک مکہ کی گلیوں میں ہٹلا کیے اور کبھی بھولے سے بھی شعب ابوطالب کی طرف رخ نہیں کیا۔ اہل سنت کو حضرت ابوطالب کے کافر ہونے پر اصرار ہے۔ مگر اہل انصاف اس کا فیصلہ کریں کہ وہ کافر یا ذہ قابل قدر نظر آتے ہین یا حضرت عمر اور حضرت عمر کے سے اسلام

لانے والے۔ بہر حال تین سال کے بعد جب حضرت ابوطالب حضرت رسولؐ کو شب ابوطالب مکہ کو واپس لائے تو حضرت رسولؐ تبلیغ رسالت میں کو شان رہنے لگے۔ مگر حضرت ابوطالب کی رحلت سے حضرت رسولؐ کا کوئی ناصرو مددگار نہیں رہا۔ مجبوراً حضرت رسولؐ کو ہجرت اختیار کرنی پڑی حضرت علیؑ کا بستر رسولؐ پر سو رہنا عجب حیرت افزا امر دکھائی دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ سچا ایمان لانے والا ایسے کیسے کہ مؤید من اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ حضرت رسولؐ بڑی بڑی دشواریوں کے بعد مدینہ جا پہنچے۔ کچھ نفوس یا جو بھی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے آگے پیچھے حضرت رسولؐ سے جا ملے۔ اہل مدینہ نے حضرت رسولؐ اور جمیع مہاجرین کو تاحد مقدور آسائش دی اور انصار کہلائے۔ مہاجرین میں دو قسم کے افراد تھے کچھ عزیزان حضرت رسولؐ جیسے حضرت امیر حمزہ و حضرت علیؑ اور زیادہ غیر بنی ہاشم جیسے حضرت ابوبکر حضرت عمر و حضرت عثمان۔ مدینہ میں حضرت رسولؐ اور حضرات مہاجرین امن پانے کے بعد تھوڑے زمانہ کے اندر بتلائے انتشار عظیم ہو گئے اور دس سال تک مبتلائے انتشار رہے۔ سبب انتشار یہ رہا کہ معرکہ آرائیان بنی اُمیہ اور دیگر کفار کے ساتھ رہا کین۔ آخر حضرت رسولؐ کی قابلیت پسنداری اور حضرت علیؑ کی حیرت انگیز زور آوری نے کفار کو تادم مغلوب کر ڈالا اور خدا کی ریاست دینی قائم ہو گئی۔ اس دس برس کے رگڑے جھگڑے میں حضرت عمرؓ خس برابر بھی اسلام کی مدد نہیں کر سکے برابر شرمناک طور پر حضرت رسولؐ کو زخا اعدا میں چھوڑ کر بھاگا ہی گئے حق یہ ہے کہ اگر خس برابر بھی حضرت عمرؓ کو حیا مودع ہوئی ہوتی تو حضرت علیؑ کی قائم کردہ ریاست دینی کی طرف رخ نہیں کرتے۔ خلیفہ رسولؐ بن بیٹھنا تو خارج از بحث ہے۔ آخر حیا بھی ایک شے قابل توجہ ہے۔ تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ میں حضرت عمرؓ زیادہ دو کام کرتے رہے ایک تو غزوات رسولؐ انٹر سے فرار۔ دوم یہ کہ جناب رسالتؐ سے تہر و تکرار ہمیشہ خلافت ماکہ شہ فی النبوت ہی لاحق رہا۔ حق یہ ہے کہ آپؐ کو حضرت رسولؐ سے کبھی موافقت نہیں ہی آپ ہمیشہ ہی چاہتے رہے کہ آپؐ کی بات رہا کرے۔ حضرت رسولؐ کی بات اٹھ جایا کرے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی وقت آپؐ کی آگہ میں بہت ہی تھوڑی تھی یا یہ کیسے کہ کچھ بھی نہیں تھی۔ کمی وقت دلیل ہے فقدان موافقت قلبی کی۔ فقدان موافقت قلبی دال ہے فقدان ایمان پر۔ لاریب اُمتی اپنے رسولؐ سے موافقت قلبی نہ رکھ کر اپنے رسولؐ کا اُمتی نہیں ہو سکتا ہے۔ پس حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے اُمتی ہونے کے شرف سے تادم

محروم نظر آتے ہیں۔ راقم ایک مثال ایسی پیش کرتا ہے جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی وقعت حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں خس برابر بھی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ جانا اور مانا قول ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ”حضرت رسولؐ ہر امت میں علیؓ کی طرفدار ہیں اور علیؓ کے معاملات میں ہمیشہ حق سے عدول کر جاتے ہیں“ ظاہر ہے کہ ایسا یہودہ قول کسی امتی کا نہیں ہو سکتا ہے بہر حال اس قول سے واضح طور پر امور ذیل عیان ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے عندیہ میں حضرت رسولؐ ایکٹ انصاف آدمی تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ کی بے جا پاسداری کیا کرتے تھے۔ تب ایسا بے انصاف شخص رسولؐ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور ایسے آدمی کی وقعت آنکھ میں کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس جب ایسا شخص صاحب وقعت نہیں ہے تو اس کے ساتھ موانست قلبی کا پیدا ہونا یا حاصل رہنا خلاف توقع ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ کی آنکھ میں حضرت علیؓ اس قابل نہیں تھے کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؓ کو خاطر میں لاتے۔ (۳) حضرت رسولؐ کا کوئی وزن حضرت عمرؓ کے نزدیک نہ تھا اگر ہوتا تو اس طرح کی حقارت آمیز تقریریں حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے مقابلہ میں زبان پر نہیں لاتے۔

(۴) حضرت عمرؓ کی تقریر بالا سے صاف ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے نفرت رکھتے تھے اس لیے حضرت علیؓ کی توقیر فرمائی جو حضرت رسولؐ کرتے تھے حضرت عمرؓ پر گراں گزرتی تھی۔

(۵) حضرت عمرؓ کو دلی ارتباط حضرت رسولؐ کے ساتھ نہ تھا۔ اگر ہوتا تو حضرت رسولؐ کی شان میں ایسی بے ادبانہ اور مخالفانہ گفتگو زبان پر نہ لاتے۔

(۶) حضرت عمرؓ کو حضرت رسولؐ کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی حاصل نہ تھی۔ ہمدردی ہنجالی کے بغیر صورت امکان نہیں رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو حضرت رسولؐ کے ساتھ مطلق ہمدردی پیدا نہ تھی۔ اگر ہوتی تو حضرت رسولؐ کو نزعۂ اعدا میں چھوڑ کر آپؐ بار بار فرار نہ کیا کرتے۔

(۷) حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ اور حضرت علیؓ دونوں کو بے وزن اور ناقابل قدر سمجھتے تھے۔

(۸) حضرت عمرؓ کی طرز گفتگو سے ہو رہا ہوتا ہے کہ آپؐ حضرت رسولؐ کو رسولؐ خدا نہیں سمجھتے تھے۔

(۹) حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کی رسالت کو ایک ڈھکوسلا اکتساب دنیا کا سمجھتے تھے صاف صاف

طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت رسولؐ نے رسالت کا بھیر اپنی اور

اور اپنے عزیزوں کی بہبودی کے لیے قائم کیا تھا۔ بلاشبہ آپؐ کا خیال حضرت رسولؐ کے بارے

میں وہی تھا جو آپؐ کے پیروں میں ابن معادیہ کا تھا جیسا کہ وہ اعین کہہ گیا ہے لا عبث الهاشم

فی الخلق ولا خبر جاء ولا وحی نزل

(۱۰) آپ کا قول بالا ایسا ہے کہ حضرت رسولؐ کا سچا امتی اسے ہرگز زبان پر نہیں لاسکتا ہے۔ آپ جو زبان پر لائے۔ تو حضرت رسولؐ کے سچے امتی آپ ہونہیں سکتے۔ پھر تمام پیروان آپ کے آپ ہی کی طرح امت محمدی میں داخل نہیں سمجھے جاسکتے۔

پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ بعد ہجرت مدینہ میں دس برس زندہ رہے مگر اس جناب کو دشمنان اسلام سے فرصت حاصل نہیں رہی۔ لیکن اتنے عرصہ میں دشمنان اسلام زیور و زبر بھی ہو گئے خاصکہ بنی امیہ جو حضرت رسولؐ کے بڑے دشمن تھے حضرت رسولؐ کی رحلت کے وقت خدا کی ریاست دینی حضرت علیؑ و دیگر عزیزان حضرت رسولؐ اور کچھ باوفا انصار کی بدولت قائم ہو چکی تھی اور اسلام نے ایک ممتاز صورت پیدا بھی کر لی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ قرار دیا تھا۔ جیسا کہ حضرت رسولؐ کے بارہ مواقع اختلاف سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت رسولؐ بحکم خداوندی حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ نامزد نہ کر ڈالتے تو کیا کرتے۔ مہاجرین و انصار میں کسی نے حضرت رسولؐ کو خدا کی ریاست دینی کے قائم کرنے میں حضرت علیؑ کے برابر مدد نہیں دی تھی۔ پس جائے تعجب نہیں ہے کہ جس کی بدولت خدا کی ریاست دینی قائم ہو سکی وہی نفس پاک ہدایت خداوندی کے مطابق حضرت رسولؐ کا خلیفہ بنایا گیا۔ مرد میدان ہونے کے علاوہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ نے ایسی تعلیم دینی و روحانی دی تھی کہ جسکی بدولت حضرت علیؑ کے برابر سزاوار خلافت جمیع پیروان حضرت رسولؐ میں کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ اسی تعلیم دینی و روحانی کی بنا پر حسب ہدایت خداوندی حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ علیؑ میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور اسی تعلیم یافتگی کی بنا پر حضرت رسولؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”انا مدینہ العلم و علی بابہا و القرآن مع علی و علی مع القرآن“ پس تمام امور بالا پر نظر رکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حسب حکم خداوندی حضرت رسولؐ نے دین خدا کا چلانا حضرت علیؑ پر منحصر رکھا تھا اور بجایا منحصر رکھا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حضرت علیؑ حضرت عمرؓ کی حق کشی کی بدولت بہ اسباب ظاہر حضرت رسولؐ کے بعد مسند آدائے خلافت نہ ہو سکے۔ مگر دین خدا کا چلانا حضرت علیؑ پر منحصر نہ کیا نظر آتا ہے تب یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس دین کو حضرت علیؑ نے حضرت رسولؐ کے بعد چلایا وہ دین خدا کا دین ہے اور اسی دین کے سوا کوئی دوسرا دین خدا کا دین نہیں ہو سکتا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ اُس دین کے اختیار کرنے والے اہل بیت نبویؑ اور مردمان بنی ہاشم و دوستان

اہل بیت نبوی و دوستانِ ان بنی ہاشم گزرے ہیں۔ کتب تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت رسولؐ کے دین کو چلانا شروع کر دیا تھا اور وہ اس طور پر کہ حضرت علیؑ ضرورت وقت کو دیکھ کر اجتہاد مسائل کیا کرتے تھے اور اہلبیت نبوی و بنی ہاشم و دوستانِ ان بنی ہاشم حضرت علیؑ کے اجتہادات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے اُسی چلائے ہوئے دین کو حضرات اہل سنت مذہب علیؑ کہتے ہیں۔ لیکن جائے افسوس یہ ہے کہ وہ چلایا ہوا دین حضرت علیؑ کا باہر د طور پر اشاعت نہوسکا۔ صرف اہلبیت نبوی و بنی ہاشم و دوستانِ ان اہلبیت نبوی و دوستانِ ان بنی ہاشم میں محدود رہ گیا اسپر بھی اس میں شک نہیں کہ جو نفوس حضرت علیؑ کے چلائے ہوئے دین کے پابند تھے یا وقت بھی پابند ہیں وہی امتیان حضرت رسولؐ کے کہے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو افراد زمانہ ماضی و حال میں حضرت علیؑ کے چلائے ہوئے دین کے متمسک نہیں رہے ہیں یا متمسک نہیں ہیں نہ دینِ خدا پر ہیں اور نہ امتیانِ محمدیؐ میں عقلاً ان کا شمار ہو سکتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ حضرت رسولؐ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں کیا کرتے تھے مدینہ میں آپ کا طریقہ رہا کہ آپ یا حضرت رسولؐ کے غزوات میں بمقابلہ اعدائے دین کے فرار پر فرار کرتے رہے جیسے غزوہ احد و خیبر و حنین و ینبعا و غزوات و سرایا میں مغل بیٹھے رہے جیسے جنگ خندق میں یا بزدلی سے شرکت جنگ نہیں کر سکے جیسے غزوہ بدر میں یا حضرت رسولؐ کے احکام سے تمرد اختیار کرتے رہے جیسا کہ تحلف حبش اُسامہ و قصہ قرطاس کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے یا حضرت رسولؐ سے مخالفت کے کاربند ہوتے رہے جیسا کہ معاملات صلح حدیبیہ سے ثابت ہوتا ہے یا حضرت رسولؐ کی نبوت میں شک رکھتے رہے اس طرح کے شک کی ایک ممتاز مثال صلح حدیبیہ کے تعلق سے بھی دیکھی جاتی ہے یا دل میں حضرت رسولؐ کو بے وقعت اور بے توقیر سمجھائے اور اس وجہ سے حضرت رسولؐ سے ہمیشہ پر اختلافات رہے۔ مخالفت کی ایک مثال امسراغے بدر کے متعلق بھی دیکھی جاتی ہے یوں تو ہر غزوہ کافر ابھی مخالفت کا حکم رکھتا ہے صلح حدیبیہ تحلف حبش اُسامہ و قصہ قرطاس کے ذکر کی بالخصوص حاجت نہیں یا حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ سے دل میں بغض و عداوت رکھا کیے۔ یا قبیلہ بنی ہاشم سے خار کھاتے رہے یا حصول خلافت کی نظر سے حضرت رسولؐ کے ہلاک کر ڈالنے کی فکر میں دیگر بدخواہان حضرت رسولؐ کے ساتھ منہمک رہے جیسا کہ معاملہ عقبہ سے عیان ہوتا ہے یا بازار

گردی کرتے رہ جس کی وجہ سے حضرت رسولؐ کی تعلیمات دینی و روحانی سے استفادہ کی صورت پیدا نہ کر سکے یا سنگدلی بے رحمی اور بد خلقی کے ایسے افعال آپ سے سرزد ہوتے رہے جو اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ بالخصوص آپ کی تمام رفتار و گفتار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضرت سولؐ پر یہودی عقیدے کی نظر سے ایمان نہیں لائے تھے۔ تب ضرور آپ دنیا طلبی کی نظر سے مدینہ کو چلے آئے تھے۔ جس میں البتہ آپ کو پورے طور پر کامیابی نصیب ہو سکی۔ متصف بہ صفات بالا ہو کر آپ حضرت رسولؐ کے اُمتی کسے جانے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ راقم کے فہم سے باہر ہے

عہد حضرت رسولؐ تک تو حضرت عمرؓ کے اطوار بطریق بالا رہے۔ مگر آن صلعم کی رحلت کے ساتھ ہی آپ میں مطلق العنانی پورے طور پر آگئی۔ حق یہ ہے کہ آپؐ فعال مایہ ناز بن بیٹھے۔ ابھی حضرت رسولؐ دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو لیکر سقیفہ کو جانکلے سقیفہ میں اپنے کو حضرت ابوبکرؓ کے پردے میں خلیفہ بنا کر حبیباً جاہل و سیکار کرنے لگے۔ سب سے پہلے آپؐ نے خاندانِ پیغمبرؐ پر ہاتھ پھیرا۔ حضرت فاطمہؓ یا یہ کہیے کہ حضرت رسولؐ کے گھر میں آگ لگا دی۔ اس محترمہ کو کوڑے سے مارا اور غلام سے اس محترمہ کی دو پسلیاں توڑا و ڈالیں پھر اس محترمہ کے بطنِ شریف پر ایسی ضرب لگائی کہ محلِ محسن کا سا نقطہ ہو گیا جس کے صدمہ سے وہ محترمہ بیمار ہو کر تھوڑے ہی دنوں میں رحلت فرما گئیں۔ مسبق الذکر کارروائیوں کے بعد حضرت مدوحہ کی میراثِ مذک کی چھین لی اور خمس بھی مدوحہ پر بند کر دیا۔ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی خلافت مآب بڑی بے ادبی اور سیرجی سے پیش آئے حق یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی پرانی عداوت حضرت خلیفہ نے خاندانِ رسولؐ کے ساتھ خوب نکالی۔ ایسی ظالمانہ کارروائیوں کے ساتھ خلافت مآبِ ثمنانِ حضرت رسولؐ یعنی بنی امیہ کے ساتھ حد درجہ شیعہ و شکر ہو گئے۔ اس قبیلہ ملعونہ کو ایسی راہِ ثروت دکھلائی کہ اس نے آخر کار خاندانِ پیغمبرؐ کا قریب قریب استیصال کر ڈالا دشمنانِ حضرت رسولؐ کو برسرِ ثروت کر دینا اور خاندانِ حضرت رسولؐ کو درجہٗ ابتذال میں ڈال دینا کیسی مسلمانی تھی۔ کیا کوئی باوفا اُمتی اپنے رسولؐ کے اہل بیت کے ساتھ ایسے مظالم روا رکھ سکتا ہے۔ ایسے اُمتی کو اُمتی کہنا انصاف کا خون کرنا ہے یہ سب تو آپ کی پوٹیکل حالتیں تھیں۔ اب اہل انصاف خلافت مآب کے دینی تصرفات پر اپنی توجہ مبذول فرماویں۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؓ کو دینی تعلیمات دیکر یہ فرمایا تھا کہ علیؓ میرے بعد میرے دین یعنی دینِ خدا کو چلائیگا۔ مگر حضرت رسولؐ کی غایتِ عداوت کے تقاضا سے خلافت مآب بنے دینِ خدا پر بھی کامیابی کے ساتھ ہاتھ پھیر ڈالا۔ پہلے تو اپنے

اسی عداوت کی بنا پر زید ابن ثابت وغیرہ سے قرآن جمع کرایا اور حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن کو ردی کر دیا۔ حضرت خلیفہ جانتے تھے کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن قول نبوی ہے۔ ۱۰۔ سپر بھی اس طرح کی بے اعتنائی آپؐ نے قرآن اور حضرت علیؑ کے ساتھ روا رکھی۔ قرآنی امر کے بعد اپنے حضرت رسولؐ کے دین ہی کو اس طرح پرچوٹ کر ڈالا کہ زید ابن ثابت کے ذریعہ سے دین خدا کی جگہ پر اپنا دین قائم کر دیا۔ عصب خلافت کے بعد بھی خلافت مآب کو لازم تھا کہ دین خدا میں کوئی دست اندازی نہیں کرتے معاملات دینی کو ہاتھ میں نہ دیتے۔ کیا حضرت رسولؐ نے حسب ہدایت خداوندی یہ نہیں فرمایا تھا کہ علی میرے بعد خدا کے دین کو چلائیگا؟ کیا حضرت خلیفہ اس قول کی خبر نہیں رکھتے تھے؟ اگر آپؐ کو پیغمبری تھی تو آپؐ عجب خلیفہ حضرت رسولؐ کے تھے کہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ زید ابن ثابت کا وہی دین ہے جس نے عہد امیر معاویہ کے بعد مذہب اہل السنۃ والجماعت کے نام سے شہرت پائی اور جو اس وقت تمام اہل السنۃ والجماعت کا دین ہو رہا ہے۔ خلافت مآب کے وقت میں دین بالا اسٹیٹ یعنی (Salafiyah) کی صورت پیدا کر چکا تھا اور جمیع مخالفانِ خاندانِ پیغمبر کا مذہب وہی دین ہو رہا تھا۔ صرف خاندانِ پیغمبر بنی ہاشم و دوستانِ خاندانِ پیغمبر بنی ہاشم حضرت خلیفہ کے اُس نواسی یا مذہب سے بے سروکاری رکھتے تھے ورنہ تمام پیروانِ حضرت خلیفہ نے بلا استثناء اسے اختیار کر لیا تھا۔ خلافت مآب کے بعد حضرت عثمان نے بھی اس دین کو چلا یا اور امیر معاویہ یزید و جمیع خلفائے بنی امیہ، استخفائے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز و اکثر خلفائے عباسیہ اسی دین کے پابند رہے۔ حق یہ ہے کہ زید ابن ثابت کا دین حضرت رسولؐ کا دین نہیں ہے یہ دین حضرت عمرؓ کا ایجاد کردہ ہے۔ برخلاف اس کے حضرت علیؑ کا جو دین ہے وہ حضرت رسولؐ کا دین ہے بلکہ یہ کیسے کہ خدا کا دین ہے۔ پس جو افراد زید ابن ثابت کے دین کے پابند رہے ہیں یا اس وقت بھی پابند ہیں وہ درحقیقت حضرت عمرؓ کے امتی ہیں ہرگز ہرگز حضرت رسولؐ کے امتی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ایسے افراد حضرت علیؑ کے چلائے ہوئے دین سے جو درحقیقت دین رسولؐ خدا کا ہے تا مگر بے سروکاری دکھائیے ہیں اور اس وقت بھی رکھتے ہیں۔ تب حضرات اہل سنت امتیاء عمری کے جانے کے سوا اور کیا کہہ جاسکتے ہیں کسی طرح پر امتیاء محمدی نہیں کہے جاسکتے۔

ضمیمہ نمبر ۲۰

جناب علامہ شبلی صاحب کے ہیرو

جب معزالیہ حیدر آباد تشریف لگئے تو آپ نے ایک نسخہ اپنی کتاب ”الفاروق“ کا غفران نواب عماد الملک بہادر کی خدمت میں دوستانہ طور پر پیش فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم اس کتاب کو ملاحظہ فرما چکے تھے پس اپنی اطلاع کی بنیاد پر نواب صاحب مرحوم نے بڑی متانت کے ساتھ یہ ارشاد کیا کہ ”آپ نے اپنا ہیرو اچھا نہیں تجویز فرمایا ہے“ پوشیدہ نہیں ہے کہ نواب صاحب مرحوم ایک فاضل بزرگ تھے کوئی شک نہیں کہ قول بالا صاحب مرحوم کے کمال واقفیت سے خبر دیتا ہے چنانچہ لقب اہل سنت سے پورے طور پر ہویدا ہوتا ہے کہ جناب علامہ کے ہیرو ایسے صفات حمیدہ کے ساتھ متصف نہ تھے جیسا کہ ”الفاروق“ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جناب علامہ نے حضرت عمر کو رستم داستان بنا ڈالا ہے۔ پس ضرور ہے کہ حضرات حق جو ”الفاروق“ کو ”الفرق“ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں تاکہ حقیقت حال کا انکشاف کافی طور پر ہو جاسکے۔ واضح ہو کہ جب انصاف کی آنکھ حضرت عمر کے معاملات پر ڈالی جاتی ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ جناب علامہ نے اس قدر عرق ریزی حضرت عمر کے رستم داستان بنانے میں کیوں کی۔ مگر جنگو حقیقت حال سے اطلاع ہے اُن کو کوئی تعجب لاحق نہیں ہو سکتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جناب علامہ باوجود وفور علم کے بید حب جاہ کی بلا میں مبتلا تھے۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ آپ اس وسعت علم کے ساتھ بھی نہایت شہرت پرست تھے اور بہ ظاہر آپ کو اپنی شہرت کے پیدا کرنے کا وسیلہ بھی اسکے سوا اور کوئی نہیں تھا کہ مخالفانِ خاندانِ پیغمبر کو جن کی تعداد ہندوستان میں کثرت کا حکم رکھتی ہے اپنا معتقد امام تمیمیہ و امام بخاری و مولوی نصر اللہ کابلی و مولوی شاہ عبدالعزیز وغیرہ وغیرہ کے ہم بلہ بنکر بنا ڈالیں۔ ورنہ علامہ مدوح ایسے جاہل نہ تھے کہ حضرات اہل بیت علیہم السلام اور اُن کے مخالفین کے معاملات سے بیخبری رکھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر ایک قابلیت خاص کے بزرگ تھے اور حضرت عثمان کی طرح ایک بے مادہ شخص نہ تھے اسپر بھی حضرت عمر ایسی دینی شخصیت نہیں رکھتے تھے کہ آپ کے مناقب میں ”الفاروق“ ایسی

ایک مبسوط کتاب تالیف کی جاتی ہرگز آپ کے ایسے اوصاف ذاتی نہ تھے کہ آپ ایک اسلامی ہیرو مانے جائیں۔ آپ کی مختصر داستان اسی قدر ہے کہ آپ مکہ میں ایک نئے رنگ پر شرف باسلام ہوئے اور سلمان ہو کر مکہ میں آپ حضرت رسولؐ کی کوئی خدمت نہیں بجالا سکے۔ حضرت رسولؐ تین برس تک شعب ابوطالب میں محصور رہے۔ مگر آپ نے حضرت رسولؐ کی حال پر سی تک انہیں کی۔ اس طرح مدینہ میں بھی حضرت رسولؐ کے کوئی کام نہ آسکے۔ غزوہ بدر کے شریک نہ ہوئے۔ شرمناک طور پر غزوہ احد سے فرار کر گئے۔ غزوہ خندق میں کہیں چھپے بیٹھے رہے عمرو ابن عبدود کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ خیبر میں فرار پر فرار اختیار کرتے رہے۔ غزوہ حنین میں ایسے بھاگے کہ مڑ کر بھی میدان کا منہ نہیں دیکھا پھر تمام عمر حضرت رسولؐ سے برسرِ اختلاف رہے اور ہمیشہ آپ کو شبہ فی النیوت کا آزار لگا رہا۔ ایسے اختلافات کے ساتھ احکام حضرت رسولؐ کے مقابلہ میں آپ سے نافرمانیاں ظہور میں آتی رہیں جیسا کہ معاملہ رجیش اسامہ اور قصہ قریظ وغیرہ سے عیاں ہوتا ہے۔ حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد آپ صریحاً حضرت ابوبکر کے پرے میں غضبِ خلافت کر بیٹھے مطلق العنان ہو کر اپنے حضرت فاطمہ کے گھر میں لگا دی اور حضرت فاطمہ کو بڑی بیرحمی کے ساتھ کوڑا مارا اور حضرت فاطمہ کی دو بیلیاں ایک غلام کے ہاتھ سے توڑوا ڈالیں پھر فاطمہ سے سنگسار کیا۔ حضرت فاطمہ کے بطن شریف پر ایسی ضرب لگائی کہ محسن کا حمل ساقط ہو گیا اور جس کے صدمے سے وہ مظلومہ صومہ جانبر نہ ہو سکیں۔ آپ نے ایسی ہی ضرب ایک اور حلد عورت کو بھی لگائی تھی جو اسقاطِ حمل کے باعث فوراً مر گئی۔

بزدلے ہمیشہ عورتوں ہی پر ہاتھ صاف کیا کرتے ہیں۔ کاش وہ ہاتھ آپ کا کفار بدر واحد و خندق و خیبر و حنین پر چھوٹا ہوتا۔ خیر۔ ایسے ستم شکاریوں کے بعد آپ نے فدک کو حضرت مظلومہ سے چھین لیا اور اس جفا دیدہ پر جس بھی بندہ کر دیا پھر حضرت علیؑ کے ساتھ آپ بڑی بے عزتیاں انہوں کے ساتھ پیش آتے رہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ایسے ناشائستہ افعال کے ساتھ جنابِ علامہ کے حضرت ہیرو نے اپنی بدترکیبوں کا خاتمہ اس طور پر کر ڈالا کہ خدا اور حضرت رسولؐ کی مرضی کے خلاف بنی اُمیہ کو مردہ سے ایسا زندہ کر ڈالا کہ اس قبیلہ ملعونہ نے خاندانِ حضرت رسولؐ کا قریب قریب ہتھیصال کر ڈالا اور دینِ رسولؐ کی جگہ بنے دینی کو رواج دیدیا۔ اگر حضرت عمرؓ ہوتے تو حضرت رسولؐ کی دینی اور دنیوی ریاست بنی اُمیہ کو منتقل نہیں ہو جاسکتی۔ امیر معاویہؓ حضرت علیؑ کے حقوقِ غضب نہیں کر سکتے اور امام حسن علیہ السلام کو زہر نہیں کھلوا سکتے۔ یزید خاندانِ ہیمبر کی صفائی نہیں کر ڈال سکتا۔ مکہ میں قتلِ عام

ظہور میں نہیں آسکتا۔ خانہ کعبہ میں گھوڑے نہیں باندھے جاسکتے۔ زنا کا اذن عام نہیں جاری پاسکتا۔ مرد و مریدین نکاح مباح نہیں قرار پاسکتا۔ بھائی اور بہن میں نکاح حلال نہیں سمجھا جاسکتا وغیرہ وغیرہ۔ ہزاروں مسلمانوں کے خون نہیں بہائے جاسکتے۔ اصحاب رسول اللہ اور شرفائے ملک اسلام کو طرح طرح کی ذلتیں اور ایذائیں نہیں پہنچائی جاسکتیں دین رسول اللہ سے علیحدہ ایک دین جو زید ابن ثابت کے دین کے نام سے پکارا جاتا ہے ظہور میں نہیں آسکتا۔ ہزاروں ہزار حدیثیں جو عہد امیر معاویہ اور عہد عبدالملک میں اگر ہی لکھیں ہیں وجود پذیر نہیں ہو سکتیں۔ خلفائے بنی امیہ کی طرح کے شیطانی مجسم فرمانروائے دین اسلام نہیں ہو جاسکتے۔ حق یہ ہے کہ اگر وجود باوجود حضرت عمر کا نہوتا تو دنیا میں دین محمدی اسی بیج پھیلتا۔ جیسا کہ حضرت رسول کا مرکز خاطر تھا۔ اس وقت اسلامی دنیا میں دو بیج کا دین دکھایا جاتا ہے۔ ایک وہ دین ہے جو حضرت علی کا دین ہے۔ یہ دین وہ دین ہے کہ جس کی نسبت حضرت رسول نے فرمایا تھا کہ ”میرے بعد علی میرے دین کو چلائیگا۔“ اور درحقیقت یہ دین وہی دین ہے جس کے واسطے حضرت رسول نے ظہور فرمایا تھا۔ دوسرا دین وہ دین ہے جو زید ابن ثابت کے ذریعہ سے حضرت عمر نے اپنے عہد میں شائع کیا تھا۔ قرآنی فضیحتوں کے باعث بھی حضرت عمر نظر آتے ہیں۔ خاص کر عہد حضرت عثمان کی فضیحتوں کے اور حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو حضرت علی ہی کا قرآن اسلامی دنیا میں رول چاہتا۔ ان بے عزتانیوں کے علاوہ حضرت عمر آدمی بھی نہایت سنگدل بیرحم بقول خود بخیل خشن مزاج بد زبان بد لحاظ اور مغلوب الغیظ تھے ان نقصانات کے ساتھ آپ خوش اطوار بھی نہ تھے۔ جیسا کہ آپ نے قول *خَوَّلْتُ رَحْلِي اللَّيْلَةَ* سے ثابت ہوتا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بالاختصار آپ کے تمام معاملات ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ کوئی اہل دانش آپ کو کسی دین کا سردار نہیں مان سکتا ہے اسلام کی سرداری تو خارج از گفتگو ہے۔ پس واقعی نہایت جائے تعجب ہے کہ علامہ شبلی صاحب کیونکر حضرت عمر کو اپنا مذہبی ہیرو بنا سکے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ ارشاد نواب عماد الملک صاحب مرحوم کا کہ ”آپ نے اپنا ہیرو اچھا تجویز نہیں کیا۔“ تا مترقرین صحت نظر آتا ہے۔ لایہ اس تجویز کا سبب اور کوئی نہ تھا لایہ کہ جناب علامہ صاحب اپنے حب جاہ کے تقاضا سے مجبور تھے۔ اس راہ کے سوا جناب ممدوح کو امام قوم بننے کی اور کوئی راہ نہ تھی

اگر شیعوں کی تعداد سنیوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہوتی تو بے دھڑک جناب علامہ الفاروقؒ لکھنے کے عوض ”العلی“ لکھنے کو موجود ہو جاتے۔ جاہ طلبی کا یہی رنگ ہوتا ہے۔ حب جاہ کی بدولت آدمی کیا کیا نہیں کر بیٹھتا ہے۔ دشت کر بلا میں اگر زبیدی کی ثروت دنیوی حکم خدا سے امام حسین علیہ السلام کی طرف یکا یک منتقل ہو جاتی تو وہی ابن زیاد و عمر سعد وغیرہ وغیرہ زبیدی کو چھوڑ کر لشکر امام حسین علیہ السلام میں داخل ہو جاتے۔ جناب علامہ کا بطور بالا عامل ہونا قانون فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حب جاہ ایک بڑی بلا ہے خدا سے تعالیٰ اس بلا سے اپنے بندوں کو امن میں رکھے۔

واضح ہو کہ مسلمانوں کے خیالات جناب علامہ کے حضرت ہیر و صاحب کی نسبت رنگ رنگ کے نظر آتے ہیں۔ بخلاف ان سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر حضرت رسول خدا کے رسول نہ ہوئے ہوتے تو حضرت عمر ہی خدا کے رسول ہوتے۔ خدا را یہ کیا خیال ہے۔ راقم کہتا ہے اگر حضرت رسول خدا نہیں ہوئے ہوتے تو حضرت عمر رسول خدا ہو کر خدا کے دین کو جاری نہیں کر سکتے۔ حضرات ناظرین ملاحظہ فرمادیں کہ اگر حضرت رسول کی جگہ حضرت عمر رسول مقرر ہوئے ہوتے تو بد ہی میں خدا کا دین طے ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ رسول ہو کر حضرت عمر اگر جنگ کی شرکت نہیں کرتے تو بدر کی شکست اسلام کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ رسول ہو کر اس کے بعد اگر حضرت عمر جنگ احد سے فرار کر جاتے تو اسلام کا نام بچھ بکھی نہیں سنا جاتا۔ رسول ہو کر جنگ خندق میں اگر حضرت عمر اسی بزدلی کا اظہار کرتے جو آپ سے اس جنگ میں ظاہر ہوئی تو اسلام تا مدت و خست ہو جاتا۔ جنگ خیبر میں جہنیت رسول اگر حضرت عمر فرار گوارا کیے ہوتے تو مدینہ اس وقت یہودیوں سے آباد رہتا۔ رسول ہو کر حضرت عمر جنگ حنین میں فرار اختیار کیے ہوتے تو کفار عرب اسلام کا نام بھی باقی نہیں رہنے دیتے۔ لاریب معاملات بالا سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر رسول خدا خدا کے رسول نہ ہوئے ہوتے تو یوں اور جو کوئی رسول خدا ہوتا ہوتا مگر حضرت عمر رسول خدا نہیں ہوتے۔ ہرگز شان رسالت کا تقاضا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی نبی یا ترسندہ جلن مندا آراے رسالت قرار دیا جائے۔ اسی طرح حضرت عمر کے اوصاف کا موازنہ کرنے سے حضرت عمر زینار ایسے پایہ کے بنی آدم نظر نہیں آتے ہیں جو حضرت رسول کے درجہ رسالت کے مستحق کسی حال میں قیاس کیے جاسکیں۔ بلاشبہ ایسے خیالات لایعنی مسلمانوں کے دماغ میں ان کی قلت تدبر کی بدولت جگہ کیے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

تعب ہے حکیم مومن خان صاحب مرحوم شاعر دہلوی سے کہ شعر ذیل کے کہنے والے ہوئے ہیں
 معافہ و جو کہا خاتم رسالت نے کہ میرے بعد نبوت کے تھا عمر قابل
 ایسا قول حضرت سول کلہو نہیں جتنا حضرت رسولؐ لوگوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ قول بالکسی
 واضح حدیث کا ضروری ہے۔ کیون جناب حکیم صاحب ایسی بخالی میں مبتلا ہو گئے اسکے لئے
 اتنا ہی حوالہ قلم کر دینا کافی نظر آتا ہے کہ ایسی خیال پروری حضرت صاحب رحمہ علیہ الرحمہ کے
 فیضان صحبت و تعلیم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ واہ و اکتاب مذکور عجب تصنیف شریف ہے
 کہ نا فہم اسے پڑھ کر ہمیشہ کے لئے مبتلائے غلط خیالی رہ جاتا ہے اور صاحب فہم سستی ہونے پر بھی
 شیعہ ہو جاتا ہے جیسا کہ راقم اور نواب سید یوسف علی خان صاحب مرحوم رئیس پٹنہ کے معاملات
 نظر آتے ہیں۔

